قرآنِ حکیم

کے

سرائیکی تراجم

ایک تقابلی اور تنقیدی جائزہ

ڈاکٹر پروفیسر سیّد مقبول حسن گیلانی

Institute of Islamic Culture
ادارہ ثقافتِ اسلامیہ
Lahore - Pakistan

قرآنِ حکیم کے سرائیکی تراجم

ایک تقابلی اور تنقیدی جائزہ

ڈاکٹر پروفیسر سیّد مقبول حسن گیلانی

ادارہ ثقافتِ اسلامیہ
۲۔ کلب روڈ، لاہور

عنوان: قرآن حکیم کے سرائیکی تراجم

مصنف: ڈاکٹر پروفیسر سیّد مقبول حسن گیلانی

پہلا ایڈیشن: 2012ء

مطبع: طیب اقبال پریس، لاہور

ناشر: قاضی جاوید
ناظم، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ

قیمت: -/800 روپے

یہ کتاب اکادمی ادبیات پاکستان اور محکمہ ثقافت، حکومتِ پنجاب
کے تعاون سے شائع کی گئی ہے۔

قرآنِ حکیم کے سرائیکی تراجم

ایک تقابلی اور تنقیدی جائزہ

فہرست موضوعات

گفتنی نا گفتنی

جب مجھے ''قرآن کے سرائیکی تراجم کا تقابلی اور تنقیدی مطالعہ'' کا فرض منصبی سونپا گیا تو بظاہر آسان لگا مگر عملاً جائزہ لیا تو بہت مشکل محسوس ہوا۔ قرآن مجید کے سرائیکی تراجم مجھے صرف چار پانچ کے علاوہ نظر ہی نہ آتے تھے۔ پھر اس جستجو میں نکلا تو کئی مشکلات اور مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ زر کثیر بھی خرچ کرنا پڑا اور سفر کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں۔ لوگوں کی باتیں بھی سننا پڑیں۔ ہر جگہ عزت نہیں ملتی کہیں کہیں کڑوے کسیلے جواب بھی ملے۔

اب میں نے پانچ سال کی جدوجہد اور عرق ریزی کے ساتھ یہ محسوس کیا ہے کہ مجھے اس منتشر اور بکھرے ہوئے اثاثے کو جمع کرنے میں اتنی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا جو ناگفتہ بہ ہیں۔ ایسے دور دراز علاقے جہاں نہ پانی ملتا تھا نہ سواری ملتی تھی۔ کبھی کبھی مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میں نے پاگلوں اور دیوانوں والا کام لے لیا ہے۔ مجھے پوری سرائیکی بیلٹ کے چار ڈویژنوں میں جانا پڑا۔ اس علمی خزانے کو جمع کرنے کی تگ و دو میں لگا رہا کیونکہ اصل کام جمع و تدوین ہے۔ ایک بزرگ دوست نے کہا۔

''اگر میرے بس میں ہو تو میں اس Collection پر ہی آپ کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری دے دوں کیونکہ آپ نے گم ہونے والے اور فنا ہونے والے کام کو زندگی اور بقا عطا کی ہے''۔

قرآن مجید کے سرائیکی تراجم کو جمع کرنا آسان کام نہیں تھا۔ کئی قسم کی رکاوٹیں سامنے آئیں۔ ایسے گمنام لوگ جن کا نام کوئی نہیں جانتا تھا۔ بستی میں کسی کو بھی معلوم نہیں تھا مگر ان کو ایک نام اور عزت دی۔ مترجم فوت ہو چکا ہے تو اور مشکل۔ مسودہ کس کے پاس ہے معلوم نہیں۔ جس کے پاس مسودہ ہے وہ دینے کو تیار نہیں۔ دینا تو دور کنار دکھانے کو تیار نہیں۔ دیکھنے کے لیے ہدیہ اور نذرانے کی طلبی بھی کی۔ اس کام میں ایک اور مشکل علمی سرپرستی کا فقدان بھی ہے۔ اسی طرح عدم تعاون بھی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

بعض لوگوں نے یہ تراجم زیارت کے لئے رکھے ہوئے ہیں۔ استفادہ کے لئے نہیں۔ ان کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ بعض مترجمین کو کوئی نہیں جانتا یا بتانے کے لیے تیار نہیں۔ کچھ لوگوں نے کئی کئی بار چکر لگوائے اگر مجھے کہیں سے پتہ چلا کہ کسی کے پاس ایک سورۃ قرآن کا بھی ترجمہ ہے تو اس کے لئے میں نے اس کے دروازے پر دس مرتبہ دستک دی۔ بعض تراجم شوکیس میں آراستہ تھے۔ بڑی مشکلوں اور انتہائی منت و سماجت کے ساتھ فوٹو سٹیٹ کی اجازت ملی۔

قرآن مجید کے پہلے مطبوعہ سرائیکی ترجمے (۱۸۹۰ء) جو مولوی احمد بخش (المتوفی ۱۹۴۵ء) کی تصنیف ہے کے حصول میں بہت مشکلات پیش آئیں۔ کچھ معلومات ان کی مرقد کے ''لوح مزار'' سے ملیں۔ اس سلسلے میں پروفیسر محمد صادق کی کوششیں لائق صد تحسین ہیں۔ اسی طرح مولانا خیر الدین صابر ملتانیؒ (المتوفی 1951ء) کا سرائیکی ترجمہ ملتان میں کہیں سے نہ ملا۔ بعد کوشش بالآخر ترجمہ جناب جہانگیر مخلص کی کاوش سے روہی چولستان (بہاولپور) سے جا کر دستیاب ہوا۔

سرائیکی زبان کی ایک ممتاز شاعرہ اور ادیبہ کے متعلق معلوم ہوا کہ انہوں نے قرآن مجید کا مکمل سرائیکی ترجمہ تصنیف کیا ہے۔ ان کی بیٹی سے جو لاہور میں مقیم ہیں پانچ سال تک منت کرتا رہا کئی بار لاہور گیا۔ بیسیوں فون کیے مگر محترمہ نے ترجمہ کی فوٹو سٹیٹ دینا تو دور کنار دکھانا بھی گوارہ نہ کیا۔ مولانا محمد اعظم سعیدی جو کراچی میں مقیم ہیں انہوں نے بھی کما حقہ تعاون نہیں فرمایا۔ ان کی سرائیکی تفسیر کے حصول میں کئی سال لگے۔

مولانا نظام الدین نظامی مرحوم صادق آباد (رحیم یار خاں) کی تفسیر کے لئے بھی کئی رکاوٹیں پیش آئیں۔ مفتی عبد القادر سعیدی کے ترجمے کے لئے بہت طویل سفر کرنا پڑا۔ اسی طرح جب میں نے ڈیتھ وار ''جھوک'' ملتان میں سورۃ الفاتحہ کا سرائیکی منظوم ترجمہ پڑھا جس پر شاعر کا نام رقم نہیں تھا بڑی مشکل سے معلوم ہوا کہ مترجم کا تعلق کبروڑ پکا (لودھراں) سے ہے۔ وہاں رابطہ قائم کیا تو معلوم ہوا کہ شاعر مترجم جرمنی میں مقیم ہیں۔ جرمنی کے شہر سٹوٹگارٹ رابطہ کیا تو انہوں نے سورۃ فاتحہ کے علاوہ تراجم کا دیگر قابل قدر کام بھی ای میل کیا۔ یوں ان کے کام تک مکمل رسائی ہوئی۔

جناب ریاض شاہد ملک کے نادر سرائیکی ترجمے جس کا وزن تیرہ من ہے اس کے لئے بھی بہت طویل اور مشکل سفر کرنا پڑا تب جا کر اس قرآن مجید کی زیارت نصیب ہوئی۔ ان تمام مشکلات میں قرآن مجید سے عقیدت اور سرائیکی زبان سے محبت شامل تھی اس لئے یہ سب تکالیف محسوس ہی نہیں ہوئیں۔

اعتذار و تشکر

انسان خطائے مجسم ہے۔ انسان ہونے کے ناطے مجھ سے بھی خطا ہو سکتی ہے اور ان ذی وقار مترجمین سے بھی جنہوں نے قرآن مجید کے سرائیکی منظوم اور منثور تراجم فرمائے۔ ان تراجم کے مطالعہ کے دوران مجھے اپنی ذمہ داری کو نبھاتے ہوئے کچھ بزرگوں کی بعض خطاؤں کو طشت از بام کرنا پڑا جو ''خطائے بزرگان گرفتن خطا است'' کے مصداق ایک بہت بڑی خطا ہے جو مجھ سے سرزد ہوئی ہے۔ میں اس کے لئے سراپا معذرت ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ ہم سب کی خطاؤں کو معاف فرمائے جو اس کے کلام کے مطالعہ کے دوران ہم سے سہواً سرزد ہوئیں۔

معذرت کے ساتھ تشکر بھی لازم آتا ہے۔ سب سے پہلے میں ان بزرگوں کا شکریہ ادا کروں گا جنہوں نے قرآن مجید کے تراجم فرما کر میرے لئے مطالعہ کی راہیں کشادہ کیں۔ وہ اگر یہ کاوش نہ فرماتے تو میں اپنے اس گرانقدر کام کو پیش کرنے کے قابل نہ ہوتا۔ ان بزرگوں کے بعد شکریے کے مستحق میرے وہ اساتذہ ہیں جنہوں نے مجھ پر شفقت فرمائی اور مجھے اس مقدس کام کے کرنے کے قابل بنایا اور قدم قدم پر میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ ان میں سب سے پہلے ڈاکٹر انوار احمد صاحب کا شکریہ ادا کروں گا جنہوں نے لحہ بہ لحہ میری سرپرستی فرمائی اور سرپرستی کا حق ادا کر دیا۔ ان کے بعد ڈاکٹر نورالدین جامی صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ہمیشہ خندہ پیشانی سے میرے اس علمی کام میں معاونت فرمائی۔ سچی بات یہ ہے کہ اگر وہ میری حوصلہ افزائی نہ فرماتے تو مجھ جیسا بے مایہ آدمی اس طرح ضخیم کام کو پیش کرنے کے قابل نہ ہوتا۔

آخر میں اپنے کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کروں گا جنہوں نے میرے اس علمی کام میں کسی نہ کسی صورت تعاون فرمایا۔ اس ضمن میں پروفیسر شوکت مغل صاحب کا نام گرامی سب سے پہلے لوں گا جو ہمیشہ میرے لئے ٹھنڈا سایہ بنے رہے۔ اپنا خزینہ کتب میرے لیے کھول دیا۔ ظہور احمد دھریجہ، مغفور سعیدی، گل حمید خان، مجاہد جتوئی، جہانگیر مخلص، ڈاکٹر نصر اللہ خان ناصر، پروفیسر محمد صادق جانی، سیٹھ نوید الرحمان، راہی گبول، استاد محمد رمضان طالب، لقمان لسکانی، رفیق احمد نعیم لسکانی، سلیم تونسوی، شکریے کے مستحق ہیں۔ خصوصی طور پر ڈاکٹر پروفیسر محمد صدیق شاکر، ڈاکٹر پروفیسر رزاق شاہد اور حنیف چوہدری کا شکر گزار ہوں جنہوں نے دل کھول کر میری مدد کی۔ جن کی پیشانی پر کبھی شکن نہیں دیکھا گیا۔ اگر میں مقالہ کی کمپوزنگ کے لیے مرزا عبدالباسط اور اسد مرزا کا خصوصی شکریہ ادا نہ کروں تو یہ زیادتی ہوگی۔ کیونکہ ان کے تعاون کے بغیر مقالہ کا بروقت مکمل ہونا ناممکن تھا۔

آخر میں اپنے شرکاء کار کا بالخصوص شکریہ ادا کروں گا جنہوں نے تدریسی ذمہ داروں میں مجھے سہولت دے کر میرے تحقیقی کام کو آسان بنانے میں میری معاونت فرمائی۔ ان سب کے لئے دل کی گہرائیوں سے دعائیں نکلتی ہیں۔

المعتذر/المتشکر

احقر مقبول حسن گیلانی

فہرست نقشہ جات ولوحات ونموزج

فہرست نقشہ جات ولوحات ونموزج

سرائیکی زبان وادب اور تراجم قرآن

سرائیکی زبان کو پاکستان کی علاقائی زبانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔مگر وہ چاروں صوبوں میں بولی اور سمجھی جانے والی ایک وسیع زبان ہے۔یہ لاکھوں کی نہیں کروڑوں کی زبان ہے۔عربی،فارسی اور پاکستان کی دیگر علاقائی زبانوں سے تعلق کی بنا پراس پر تمام زبانوں کے اثرات موجود ہیں۔سرائیکی زبان کا اردو سے گہرا تعلق ہے۔اسی بنا پر سرائیکی کو"اردو کی ماں" کہا جاتا ہے۔(1)

سندھی کو سرائیکی کی بہن کہا جاتا ہے کیونکہ ان دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے۔لب ولہجہ ایک ہے حروف ایک ہیں تا ہم رسم الخط مختلف ہے۔یہ دونوں آریائی گروہ کی معتبر زبانیں ہیں۔سرائیکی اور پنجابی صوبہ پنجاب کی دو بڑی زبانیں ہیں سرائیکی زبان کی یہ سب سے قریبی ہمسایہ زبان ہے۔

اسی طرح بلوچ قوم کی ایک بڑی تعداد سرائیکی علاقے میں آباد ہے۔صوبہ بلوچستان کی سرحدوں پر بسنے والے لوگ سرائیکی اور بلوچی دونوں زبانیں بولتے ہیں اس لیے یہ زبانیں ایک دوسرے پر اثرات رکھتی ہیں۔

سرائیکی دنیا کی قدیم ترین زبان ہے۔اس کا ایک نام ملتانی بھی ہے۔ملتان جتنا قدیم ہے اتنی ہی اس کی زبان قدیم ہے۔سرائیکی زبان کا مرکزی مقام ملتان ہے۔مہابھارت اور ہرکنا شپ کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شہر طوفان نوح کے وقت بھی موجود تھا۔

ملتان وادی سندھ کا مرکز رہا اور اس وادی کی تہذیب دو دریاؤں سندھ اور ہاکڑہ یا گھاگھرا کے دامن میں پروان چڑھتی رہی اس وادی میں سب سے پہلے کس نے قدم جمائے اور کس نے اس کو آباد کیا۔

اس بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا البتہ کچھ کھنڈرات سے معلوم ہوتا ہے کہ آج سے پانچ ہزار سال پہلے اس وادی میں ہڑپہ اور موہنجوڈرو جیسے شہر آباد تھے۔قیاس ہے کہ ان مہذب شہروں میں بولی جانے والی زبان علمی وادبی درجہ ضرور رکھتی ہو گی۔

وادی سندھ میں دراوڑ نسل کی تہذیب 2300 ق۔م میں نظر آتی ہے۔پھر آریہ قوم کی آمد کے متعلق مختلف نظریات ہیں کہ اس قوم کا اصل مسکن کہاں تھا؟ تاہم یہ قوم دریائے سندھ عبور کر کے ہندوستان کے اکثر حصوں میں پھیل گئی۔ ان کی زبان کا کھوج لگائیں تو اس کے ڈانڈے سرائیکی سے ملتے ہیں۔

سرائیکی زبان فصیح وبلیغ اور پرتاثیر زبان ہے۔یہ بہت سے اوصاف ومحاسن سے بہرہ ور ہے۔اس میں لطافت، حلاوت،غنائیت،وسعت،سلاست،جاذبیت،سنجیدگی،بشارت اور قدامت اپنی مثال آپ ہے۔اس میں تشبیہات اور استعارے کی چاشنی،خیالات کی خوشبو،کانوں میں رس گھولتی شیرینی اور فصاحت وبلاغت کا ایک سمندر موجزن ہے۔

اس میں محاوروں،اکھان،دعاؤں اور الفاظ کے بہت بڑے ذخیرے موجود ہیں۔سب لوگ سرائیکی کو میٹھی اور نرم لہجہ والی زبان کہتے ہیں۔کسی کی گفتگو سن کے ایسا لگتا ہے جیسے بولنے والے کے منہ سے پھول جھڑ رہے ہوں۔

سرائیکی زبان ایک بہت بڑی ادبی ورثے کی مالک ہے۔ سرائیکی زبان کا ادب مالا مال ہے۔ ہر صنف ہر نوع پر ہر قسم کا قدیم اور جدید ادب موجود ہے۔ نظم ہو یا نثر ہر صنف میں قابل قدر کام ہوا ہے اس میں دینی ادب، شاعری، لسانیات، افسانہ، ڈرامہ، خاکہ، انشائیہ، ناول، تحقیق، تنقید، تاریخ، ثقافت، نثری ادب، سیاسی ادب، لوک ادب، فریدیات، مشاعرے اور صحافت کے حوالے سے بیش بہا خزانہ موجود ہے۔

اس زبان کا علمی و ادبی ذخیرہ صدیوں پر محیط ہے۔ پہلے یہ ذخیرے سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے رہے۔ طباعت کی سہولتیں آنے کے بعد یہ ذخیرہ محفوظ کر لیا گیا۔ اکادمی ادبیات پاکستان کے مطابق پاکستان میں سب سے زیادہ کتب سرائیکی زبان میں شائع ہو رہی ہیں۔

سرائیکی زبان کے منظوم ادب پر نظر ڈالیں تو ایک بحر بیکراں ہے۔ مذہبی شاعری کے حوالے سے دیکھیں تو حمد، نعت، مولود اور مرثیہ کا اتنا بڑا ذخیرہ موجود ہے جس کا مقابلہ دنیا کی کوئی اور زبان نہیں کر سکتی۔ صوفیانہ شاعری بھی حمد، نعت، ابیات اور کافی کی شکل میں ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ سرائیکی شاعری میں غزل اور نظم جدید دور کے سرائیکی ادب کی نمائندگی کرتی ہیں۔

سرائیکی منظوم لوک داستانوں کے حوالے سے سرائیکی ادب میں گراں قدر سرمایہ موجود ہے۔ ان میں ہیر رانجھا، سسی پنوں، مرزا صاحباں، سوہنی مہینوال، سیف الملوک، ہمی، لیلیٰ مجنوں، یوسف زلیخا شامل ہیں۔ سرائیکی لوک گیتوں پر نظر ڈالیں تو ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے ان میں شادی بیاہ کے سرائیکی لوک گیت، بچوں کے گیت، کھیلوں کے گیت اور فصلوں کے گیت شامل ہیں۔ ڈوہڑہ، قطعہ، ہائیکو اور سرائیکو کا بیش بہا خزانہ بھی موجود ہے۔

سرائیکی زبان کا منثور ادب بھی ایک گراں قدر خزانے کی شکل میں موجود ہے۔ اس میں لوک کہانیاں، افسانہ، ڈرامہ، ناول، انشائیہ، خاکہ، لسانیات، فریدیات، تحقیق، تنقید، تاریخ، ثقافت، لوک ادب، سیاسی ادب اور صحافت شامل ہیں۔ ان تمام اصناف سے بڑھ کر سرائیکی دینی ادب میں بیش بہا خزانہ موجود ہے۔

اس میں سب سے اہم کام تراجم کے حوالے سے ہے۔ رسول کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ کے تراجم موجود ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن پاک کے سرائیکی تراجم جو ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں معزی، مخفی، اور مفسر تراجم شامل ہیں۔ علاوہ ازیں سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کئی کتب شائع ہوئیں۔ سیرت نگاری کے حوالے سے سرائیکی منثور ادب میں وسیع ذخیرہ بھی موجود ہے۔

منظوم دینی ادب کے حوالے سے سرائیکی زبان کا ذخیرہ ضخیم اور بسیط ہے۔ اگر منظوم دینی ادب پر نظر دوڑائیں تو حمد، نعت، مولود، مرثیہ نگاری، نور نامے، معراج نامے، حلیہ مبارک، گھڑولی نامے، قصہ ہرنی، قصیدہ بردہ، بارات نامے، درود نامے، وصال نامے، جوگی نامے، طوطے نامے، ہدہد نامے، نعتیہ ڈھولے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور سیرت کو منظوم انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں قرآن مجید کے منظوم سرائیکی تراجم بھی ہوئے ہیں۔ اسی طرح منثور تراجم قرآن ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں معرّٰی، محشّی اور مفسر تراجم شامل ہیں۔ سرائیکی سیرت نگاری کے حوالے سے سرائیکی دینی ادب کا علمی اور تاریخی اثاثہ موجود ہے۔ جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے مختلف پہلوؤں پر سرائیکی زبان کے منفرد انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

سرائیکی زبان میں دوسری زبانوں سے مختلف اصناف میں تراجم بھی ہوئے ہیں۔ شاعری کے حوالے سے عمر خیام کی رباعیات، مرزا غالبؔ کی غزلوں کے اور علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کے سرائیکی تراجم شائع ہوئے ہیں۔ دنیا کے بہترین افسانوں کے سرائیکی تراجم بھی ہوئے مترجمین میں ڈاکٹر اسلم عزیز درانی قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح اردو، انگریزی ڈراموں، ناولوں اور مثنوی کے سرائیکی تراجم بھی زیور طباعت سے آراستہ ہوئے ہیں۔

دینی ادب کے حوالے سے کئی تراجم ہوئے جن میں قصیدہ بردہ شریف کے کئی سرائیکی تراجم سامنے آئے ہیں۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے قصیدہ بردہ کا چار زبانوں میں ترجمہ تصنیف کیا۔ اس میں انگریزی ترجمہ منثور ہے۔ جب کہ فارسی، اردو اور سرائیکی تراجم کو منظوم کیا گیا ہے پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق شاکر نے بھی قصیدہ بردہ کا منثور سرائیکی ترجمہ کیا ہے جبکہ استاذ محمد رمضان طالبؔ نے ''اوچھن'' کے نام سے منظوم سرائیکی ترجمہ کیا۔

بائبل کے سرائیکی تراجم ایک صدی قبل شائع ہوئے۔ پہلا ترجمہ 1888ء میں چھپا۔ جب کہ اناجیل اربعہ کے سرائیکی تراجم بائبل سوسائٹی لاہور نے 1898ء میں شائع کیے۔(2)

اس سلسلے میں سب سے عظیم کام قرآن مجید کے سرائیکی تراجم کا ہے۔ جو بڑا مقدس اور قابل تحسین ہے یہ تراجم معرّٰی، محشّی، مفسر اور منظوم ہیں۔ سرائیکی تراجم کا یہ ذخیرہ ہزاروں صفحات میں پھیلا ہوا ہے۔ سرائیکی زبان میں سب سے زیادہ تراجم دینی ادب کے حوالے سے ہوئے ہیں ان میں سے اکثر تراجم مطبوعہ ہیں کچھ تراجم تادم تحریر زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکے۔

سرائیکی زبان اور اس کی وجہ تسمیہ

سرائیکی بہت قدیم زبان ہے۔ ابتداء میں اس قدیم زبان کا نام کیا تھا ہم اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے آریاؤں کے آنے کے بعد کسی نے اسے سین دب کہا کسی نے ورچڈا (اپ بھرنش) اور کسی نے اس کا نام "اودھ ناگری" رکھا۔ مسلمان مورخین اور سیاحوں نے اسے سندھی سمجھا مشہور مورخ مسعودی لکھتا ہے کہ "سندھ میں ایک خاص زبان بولی جاتی ہے جو ہندوستان کی دوسری زبانوں سے جدا ہے"۔ (3)

"سن 111ھ میں جس وقت سیاسی لحاظ سے وادی سندھ دو حصوں میں تقسیم ہو گئی یعنی ایک زیریں سندھ اور دوسرا بالائی سندھ بن گیا۔ بالائی سندھ کی زبان کو سروکی یا سرائیکی کہا جانے لگا۔ سرو کا مطلب سر، اوپر والا، حصہ، بڑا اور سردار ہوتا ہے۔ گویا سرائیکی کا مطلب تھا اوپر والے علاقے کی بولی سر کی طرف کی بولی اور سرداروں کی زبان"۔ (4)

پیر حسام الدین راشدی "سندھی ادب" میں لکھتے ہیں۔

جہاں تک سندھ کا تعلق ہے یہاں کی عام بول چال کا نام مورخ چنا بتایا جاتا ہے اس سے سندھی کی چار بولیاں پیدا ہوئیں۔

1۔ وچولی: جو وسط سندھ میں بولی جاتی ہے۔
2۔ سرائیکی یا سریلی: جو سندھ کے مشرقی حصے میں بولی جاتی ہے۔
3۔ تھریلی: جو تھر پارکر کے علاقہ میں بولی جاتی ہے۔
4۔ کچھیلی: جو کچھ اور کاٹھیاواڑ کے علاقہ میں رائج ہے۔

گیارہویں اور بارہویں صدی کے شعراء نے اسے ہندی کا نام دیا ہے۔ مولوی عبدالکریم نے اپنی مثنوی "نجات المومنین" سن تصنیف 1080ء میں لکھا ہے:

فرض مسائل فقہ دے ہندی کر تعلیم
کارن مرداں مومناں جوڑیے عبدالکریم

مولوی لطف علی اپنی مشہور مثنوی "سیف الملوک" (سن تصنیف 1195ء) میں کہتے ہیں:

لطف علی دے بیت ہندی دے خم مارن نال نظم دے

حمل خاں لغاری متوفی (1199ء) ایک ڈوہڑہ میں کہتا ہے:

ہندی بیت حمل دے یارو عالم وچ اظہار ہوئے

ابوالفضل نے اس کا نام "ملتانی" لکھا ہے۔

ملاحظہ ہوں آئین اکبری مطبوعہ مطبع نولکشور لکھنو ص۔ 49۔ موجودہ دور کے محقق سید سلیمان ندوی مرحوم اپنے ایک مضمون جو سہ ماہی رسالہ "ہندوستانی" آگرہ میں شائع ہوا تھا لکھتے ہیں:

"عربی اور فارسی سب سے پہلے ہندوستان کی جن زبانوں سے مخلوط ہوئیں وہ سندھی اور ملتانی تھیں اس کے بعد پنجابی اور پھر اس کے بعد دہلوی۔"

گریرسن سے لے کر دور حاضر کے تمام ماہرین لسانیات مثلاً ڈاکٹر سید حیشو درما، ڈاکٹر شوکت سبزواری، عین الحق

فرید کوٹی، ڈاکٹر سہیل بخاری اور دوسرے حضرات اپنے لسانیاتی اور تحقیقی مضامین میں اسے ملتانی زبان کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ خود اس زبان کے محقق ڈاکٹر مہر عبدالحق نے "ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق" کے عنوان سے مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ہے۔(5)

کیفی جام پوری لکھتے ہیں:

"ملتانی کے علاوہ اس کے اور بھی بہت سے نام ہیں کسی زمانے میں اسے اوچی کہتے تھے۔ بہاولپور کے لوگ اسے بہاولپوری کہتے ہیں۔ سندھ کے بالائی حصے میں اس کا نام سرائیکی ہے۔ جانگی جگدالی ہندکو دیرے وال بھی اسے کے نام ہیں۔(6)

"سومرہ خاندان (1300ء تا1439ء) کے عہد میں جو بھی راجپوتوں کا ایک قبیلہ تھا سرائیکی زبان کو ملتان اور سندھ میں پہلی بار سرکاری سرپرستی حاصل تھی"۔(7)

ایڈورڈ او برائن کے مطابق:

"لوگ اسے ہندی اور ہندکی کہتے ہیں اور ڈیرہ غازی خاں کے بلوچی بولنے والے علاقے میں جگدالی یورپی لوگوں نے اس کا نام ملتانی رکھا ہے مگر کوئی باشندہ اسے اس نام سے نہیں جانتا"۔(8)

ایورنڈ ٹریور، بمفورڈ نے اسے 1895ء میں مغربی لہندا کا نام دیا اینڈر یو جیوکس لکھتے ہیں:

"مغربی پنجابی یا جٹکی زبان کے لئے بہت سے مقامی نام استعمال کیے جاتے ہیں جیسے ملتانی بلوچی پشاوری پوٹھوہاری ہزاری، بہاولپوری، دیروالی جگدالی شاہ پوری"۔(9)

جیمو ولسن نے 1903ء میں اس زبان کو "تھلی" کا نام دیا۔ رچرڈ فرانس برٹن کے مطابق سندھ میں بولی جانے والی پنجابی کے بگڑے ہوئے لہجے لوگوں میں تین ناموں سے پہچانے جاتے ہیں۔

1۔ سرائیکی 2۔ بلوچکی 3۔ جٹاکی

جارج ابراہام گریرسن نے لنگویسٹک سروے آف انڈیا کے آٹھ ہزار صفحات میں 183 صفحے "جنوبی لہندا" سرائیکی کے لیے وقف کیے ہیں۔

ایچ ٹی لمبرک "سندھ اے جنرل انٹروڈکشن" میں لکھتا ہے:

"پہلے پہلے سرائی کے معنی "اتر کے لوگ" ہوتے تھے مگر پھر یہ لفظ کلہوڑوں کے گھرانے کے تعلق کی وجہ سے "تعظیمی لقب" کے طور پر کام آنے لگا ان کے اکثر قبیلے آپس میں لہندا یا مغربی پنجابی بولتے ہیں اس بولی کو سندھ میں سرائیکی کہا جاتا ہے"۔

ڈاکٹر کرسٹوفر شیکل لکھتے ہیں:

"سولھویں صدی سے انیسویں صدی عیسوی کی درمیانی مدت میں جب جنوبی پنجاب کے بلوچ سرائیکی بولتے ہوئے سندھ میں پہنچے تو سندھیوں نے ان کی زبان کو سرائیکی کا نام دیا"

روسی ماہر لسانیات یوائے سرتوف "لہندا لینگویج" میں لکھتا ہے:

"حالیہ سالوں میں زیر بحث زبان کو پاکستان میں زیادہ تر سرائیکی یا سرائیکی کہا جاتا ہے۔"

سرائیکی ماہرین لسانیات مولوی عبدالکریم جھنگوی اور مولوی خدا بخش نے سترھویں اور اٹھارویں صدی عیسوی میں لکھے گئے لغت کے قاعدوں میں سرائیکی زبان کو ہندی کا نام دیا۔

نظامی بہاولپوری کے مطابق:

''بہاولپوری اور ملتانی کا اصل اور ابتدائی نام سری رام پوری تھا۔ بس یہ لفظ کثرت استعمال سے سری رام پوری کی بجائے ''سری کی'' اور پھر سرائیکی مشہور ہوا۔ بعض محققین کا کہنا ہے کہ پرانے زمانے میں اس علاقے کی بری اور بحری شاہراہوں پر جو سرائیں آباد تھیں ان سراؤں کا انتظام عام طور پر ملتانیوں کے ہاتھ تھا بلکہ دہلی سے لیکر ملتان تک کی سراؤں کے منتظمین یہی تھے اور یہ لوگ اپنے عملے سمیت بہاولپوری/ ملتانی زبان بولتے تھے اس زبان کے سراؤں میں مروج ہو جانے کی وجہ سے سندھ کے لوگ اسے سرائیکی کہنے لگے''(10)

تابش الوری بھی نظامی بہاولپوری کی رائے سے متفق ہیں۔(11)

ڈاکٹر مہر عبدالحق نے اس کے ناموں میں ملتانی، بہاولپوری، اچی، ہندکو، جگدالی، ریاستی، جٹکی، سرائیکی اور سرائے کی کا نام دیا۔(12)

عتیق فکری نے اپنی کتاب میں لفظ سرائیکی کی ایک تاریخی توجیہہ میں سرائیکی لفظ کو حضرت بی بی سارہ زوجہ حضرت ابراہیم تک لے جاتے ہیں اور اس طرح سارہ سین سراکہ سراکی جیسے الفاظ سے اس کا رشتہ جوڑتے ہیں۔(13)

سید نور علی ضامن حسینی لکھتے ہیں:

''جرمن دانشور سر آرل سٹین کا مقالہ رائل جیوگرافیکل سوسائٹی کے جریدہ جیوگرافیکل جنرل اپریل 1942ء صفحات 174 تا 182 شائع ہوا ہے صفحہ 176 پر پیرا نمبر 2 میں رگ وید کے گیتوں میں ایک عظیم دریا سرسوتی کا ذکر ہے سرسوتی سے مراد دراصل سویرا س وتی یعنی اصحاب الرس کا دریا ہوسکتا ہے اور اسی بنا پر یقین غالب ہوسکتا ہے سرائیکی کا لفظ دراصل سویرا کی تھا جو آہستہ آہستہ بگڑ کر سرائیکی ہو گیا''۔(14)

بقول اسد ملتانی ''خود اہل سندھ ملتانی زبان کو سرائیکی کہتے ہیں'':

''اوچ شریف (ضلع بہاولپور) میں سری رام نام کا ایک کائستھ ہندو رہتا تھا جس کی وجہ سے یہاں کی زبان کا نام سری رام پوری ہو گیا جو بعد میں بدل کر سرائیکی ہو گیا''۔(15)

اسلم رسول پوری لکھتے ہیں:

''میرے خیال میں اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ سندھ میں شروع سے سرائیکی کا وہی نام مستعمل رہ گیا اور ہمارے پاس وہیں سے آیا ورنہ یہاں تو اس زبان کو علاقے یا ست کی بنیادوں پر ملتانی، اچی، ہندی ڈیرہ والی، بہاولپوری، ہندکی، لہندا، جگدالی اور جٹکی کہا جاتا رہا ہے۔(16)

اسلم رسول پوری ''سرائیکی قومی سوال'' میں لکھتے ہیں:

''آج بہت سی زبانیں جو اپنی آزادانہ حیثیت اختیار کر چکی ہیں ماضی بعید میں سرائیکی زبان کی قدیم صورت کے مقامی لہجے تھے جن میں پوٹھوہاری، اجری، کھترانی، ریاستی، سوریلی (سندھی) مارواڑی اور گجراتی وغیرہ شامل ہیں''۔

احسن واگھا لکھتے ہیں۔

The popular supposition that Siraiki is the name given by the Sindhis to the language of the people of sera (north) is falsified by the fact that the term is not a Sindhi word grammatically. If the term was invented in Sindh, it would have been "Siraiji" because in Sindhi the "Ki" of Hindhi is converted into "Ji". (17)

دلشاد کلانچوی کا خیال ہے:

''ایک روایت ہے کہ مسلمانوں کے وادی سندھ میں داخل ہونے سے پہلے سندھ اور ملتان کے علاقوں میں ''سراوا'' شہر کو بھی کافی اہمیت حاصل رہی ہے۔ آج بھی وہ شہر ضلع رحیم یار خان میں سراواہی کے نام سے موجود ہے۔ ملک ملک سے تاجر برصغیر آتے جاتے۔ عام بات چیت اور کاروباری معاملات کیلئے وہ یہاں کی اس وقت کی زبان سے واقفیت حاصل کرتے اور اپنی زبانوں کے لفظ اور محاورے یہاں کی زبان میں ملا جلا جاتے تھے۔ یہ ملی جلی زبان سراوا کی قدیم اور اہم منڈی کی وجہ سے ''سراوائی'' کہلانے لگی اور سراوائی رسم الخط میں لکھی جاتی رہی''۔(18)

حکیم فقیر الٰہی بخش سرائی رقمطراز ہیں:

''سرائیکی قوم کے اکثر لوگ ''سرا'' کے باشندے ہیں جو بھکر اور ملتان کے درمیانی علاقے کا نام تھا اس لئے انہیں سرائی کہنے لگے۔ سرائی قوم کی مادری زبان سرائیکی ہے۔ اب ملتان میں سرائی برادری کے ہزاروں گھرانے آباد ہیں یہ ملتانی مشہور ہوئی دراصل یہ سرائیکی ہے''۔(19)

. شوکت مغل سرائیکی زبان کی وجہ تسمیہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''پرانی کتابوں میں معلمین اور صوفیاء نے اس زبان کیلئے یہ نام استعمال کیے گن، سارا، ایکی، ایکہ، ایکم، وانی، اسرو، اسور، ساریکا، سارا ایکی، آسورا اور آشورا۔ بعد میں جو زبان بنی اس کو سارا ایکی یا سرائیکی کہا گیا''۔

شوکت مغل مزید لکھتے ہیں:

''سرائیکی زبان کا یہ نام ''ساراسین'' سے نکلا ہے جو ان عرب قبائل کیلئے استعمال ہوا جن کی سرحدیں اباواان پر ختم ہوتی تھیں۔ سراکین نام کا ایک ضلع بھی عرب میں موجود رہا ہے۔''(20)

سرائیکی زبان کا آغاز وارتقاء

انگریز مصنف اوبرائن" گلاسری آف ملتانی لینگویج" میں لکھتا ہے:

"ملتانی زبان جھونپڑوں سے اٹھتے ہوئے دھوئیں اور گندم کے آٹے کی سوندھی سوندھی خوشبوؤں میں لپٹی ہوئی ہے۔ یہ زبان مشرقی ہندوستان کی مصنوعی اور جکڑی ہوئی زبانوں کی نسبت لامحدود طور پر قدرتی اور دلکش ہے جو اپنی خاردار راہگواروں سے محبت رکھتی ہے۔ لیکن اس کی فضا میں اس جادو سے معمور ہیں جو جھاڑیوں میں اگے ہوئے پھول پیش کرتے ہیں ایسے پھول جن کا سادہ اور دلکش حسن مصنوعی گلدستوں کی شان رکھتا ہے۔ اس زبان میں شعر ونغمہ، قصے کہانیاں، چیستانوں، بجھارتوں اور محاوروں کا ایک وسیع خزانہ ہے جو ضبط تحریر میں نہیں لایا گیا"۔

شوکت مغل لکھتے ہیں:

"سرائیکی وادی سندھ کی قدیم ترین زبان ہے جو دکن سے لے کر کشمیر تک بولی اور سمجھی جاتی رہی ہے لیکن اس زبان کو زمانے کی کہن سالی نئی نئی جغرافیائی حد بندیوں غیر زبانوں کی یلغار اپنائے زمین کی سرد مہری سیاسی حکومتوں کی بے اعتنائی اور بولنے والوں کی عدم توجہی اور بے حسی نے کھالیا ہے۔ وہ زبان جس کو موہنجودڑو، ہڑپہ، ہاکڑہ اور ٹیکسلا کے قدیم تہذیبی آثار کے حوالے سے تلاش کیا جانا چاہیے تھا وقت کے آقاؤں اور ملک کے ناخداؤں کی عدم دلچسپی کا شکار ہو کر رہ گئی ہے آج جب اس زبان کا علمی سرمایہ تلاش کرنے کی ضرورت پڑتی ہے تو سوائے ہاتھ ملنے کے کچھ نہیں ملتا"۔(21)

ڈاکٹر مہر عبدالحق کی کتاب "سرائیکی زبان دے قاعدے قانون" کے دیباچہ میں ڈاکٹر طاہر تونسوی لکھتے ہیں:

"سرائیکی زبان وادی سندھ کی قدیم ترین زبان ہے اور اس کی لمحہ موجود والی صورت اختیار کرنے کی مدت ایک محتاط اندازے کے مطابق تیرہ سو سال بنتی ہے۔ تاریخی شہادتیں یہ بتاتی ہیں کہ وادی سندھ سمندر کے ساحل سے پامیر کی پہاڑیوں تک اور راجپوتانہ سے دریائے بلمند تک پھیلی ہوئی تھی اس کی حیثیت خودمختار خطے کی تھی"۔(22)

"ہندوستان کی قدیم زبانوں کے محققین اور ماہرین لسانیات تسلیم کرتے ہیں کہ سرائیکی وادی سندھ کی قدیم ترین زبان ہے۔"(23)

دلشاد کلانچوی لکھتے ہیں:

"سرائیکی اس وقت سے ہے جب سے یہ وادی وجود میں آئی تھی"۔(24)

زوار حسین بھٹہ لکھتے ہیں:

"سرائیکی زبان کا المیہ یہ ہے کہ اس کی قدامت کے معترف ہونے باوجود ماہرین لسانیات اس کا کوئی قدیم تحریری ثبوت مہیا کرنے سے آج تک معذور ہیں۔ دراصل تین چار ہزار سال قبل مسیح کا زمانہ بھی تو ایسا

تھا کہ دنیا میں ابھی لکھنے کا فن وجود میں نہیں آیا تھا اس سلسلے میں اگر کوئی چیز ملتی بھی ہے تو اس کی حیثیت اشارات، نشانات اور تصویری خاکوں سے زیادہ نہیں اور اس سے کوئی مثبت نتیجہ بھی نہیں نکلتا۔" (25)

ڈاکٹر مہر عبدالحق لکھتے ہیں:

"اس تہذیب نے جو وادی سندھ کی گود میں آج سے چار ہزار سال پہلے پرورش پائی رہی یہاں کی زبان کو کیا کچھ نہ دیا ہوگا"۔ (26)

عمر کمال خاں کتاب "سرائیکی ادب کی نشاۃ ثانیہ کے بیس سال" کے تعارف میں لکھتے ہیں:

"سرائیکی زبان برصغیر کی قدیم ترین علاقائی زبانوں میں سے ایک ہے جو وادی سندھ کے اہم مرکز میں علم و عرفان کی قندیلیں روشن کر کے قدیم الایام سے ضوفشانی کرتی آ رہی ہے نیز اس علاقائی زبان کی اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے سلسلے میں خدمات سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہیں اس کا دستیاب لٹریچر اتنا ہی قدیم ہے جتنا دوسری ہمسایہ علاقائی زبانوں کا لٹریچر"۔ (27)

"کچھ عرصہ پہلے تک وادی سندھ کی قدیم تاریخ آریا قوم سے شروع ہوتی تھی اس لیے ماہرین لسانیات دوسری زبانوں کی طرح سرائیکی زبان کو بھی آریائی زبان کہتے اور سمجھتے تھے۔ پر موہنجوداڑو، جلیل پور اور وادی ہاکڑہ کے آثار قدیمہ کی کھدائیوں سے یہ بات کھل کر سامنے آئی کہ آریاؤں سے بہت پہلے وادی سندھ میں دراوڑ قوم کی حکمرانی تھی اور یہاں کے قدیم باشندے منڈا، کول، سنتال جانگ، بھیل، مہوہ، ساور اکور اور گونڈ اقوام تھے ان قبائل کی تہذیب اور زبان ابھی تک معلوم نہیں ہو سکی ماہرین نے اس کو ہڑپائی تہذیب سے پہلے "آمری نال" تہذیب کا نام بھی دیا دراوڑی زبان نے تو آریاؤں پر کافی اثرات مرتب کیے لیکن منڈا قبائل کی زبانوں نے کوئی واضح اثرات نہیں چھوڑے۔" (28)

محمد حیات خان بنگش اپنے مقالے میں لکھتے ہیں:

"سرائیکی بھی ایک قدیم زبان ہے جس طرح دیگر زبانوں کے حوالے سے محققین نے حتی الوسع کوشش کر کے ان مسائل کی گتھیاں سلجھاتے رہے ہیں اس طرح سرائیکی زبان کے محققین بھی تک و دو کر کے وہ چیزیں سامنے لائے ہیں تاکہ سرائیکی کی قدامت اور اس کے اسماء میں توضیح کا مسئلہ پہنچے پائے ماہرین لسانیات اس کی قدامت کے اعتراف کے باوجود اس کے عہد آغاز کے تعین سے قاصر ہیں"۔ (29)

بشیر احمد ظامی کا کہنا ہے:

"یہ زبان کب سے ہے اور اس کا ابتدائی نام کیا رکھا گیا اور کب سے رکھا گیا تھا اور انقلاب دہر میں عہد بہ عہد اس میں کیا تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ جس طرح اس کی ماضی بعید کی تبدیلیاں تاریخ کی نظروں سے اوجھل ہیں اسی طرح اس زبان کے قدیم اسماء بھی ماضی کے دھندلکوں میں پوشیدہ ہیں" (30)

احسن واگھا اپنے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالہ میں لکھتے ہیں:

"The evolution of the Siraki language had been mainly contributed by the dialects of ancient pre-Aryan, Dravidean and Dardic groups of languages.

The hordes of invaders from the Central Asian and the Pamir mountain ranges brought to the plains of the Indus Valley a great amalygam of dialects which had a tremendous impact on the development of local languages. It is actually the impact of Dadic group of languages on Siraiki and Sindhi which separated them from all other languages of the South Asian region." (31)

گریرسن کے مطابق:

''دراوڑی اور منڈا قبائل کی زبانوں کے کچھ لفظ قدیم سنسکرت میں ملتے ہیں۔ جیسے پانی، کپاہ بانس دے تیر، سر یا پھر بعض جغرافیائی نام جیسے کوشل تسلا، کانگاہ وغیرہ یا گنتی میں ویہہ 20 کی اکائی۔ یہ جان کر حیرت ہوتی ہے کہ منڈاری قبائل کی طرح آج بھی سرائیکی علاقے میں دیہی آبادی گنتی کیلئے 20 کی اکائی استعمال کرتی ہے 100 کہنا ہو تو جٹ ''پنج ویہاں'' کہتا ہے۔ اسی طرح ایک سرائیکی اکھان ''کتنے ویہاں سو تھیندے''؟ ڈاکٹر مہر عبدالحق سرائیکی زبان کو غیر آریائی زبان تسلیم کرتے ہیں وہ کہتے ہیں ''وادی سندھ کی زبانوں کا ذخیرہ الفاظ کا اکثر حصہ غیر آریائی ہے اور اس بات کا قوی امکان ہے جو ان زبانوں کی بنیاد کسی ایسی زبان پر رکھی گئی ہے جس کا سرچشمہ ان مغربی ممالک میں تھا جن کا تعلق موہنجوداڑو ملتان یا ہڑپہ کی پرانی تہذیب کے ساتھ ہے''۔(32)

جارج گریرسن کہتے ہیں:

''اس دور کے ہند آریائی لوگوں کی زبان کا اولین تحریری نمونہ جو ہمیں مل سکا ہے وہ ویدوں میں موجود ہے۔ اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ اب تک انہی دیوتاؤں کی پوجا کرتے ہیں جن کے نام ان کے منڈا میں بسنے والے بزرگوں نے رکھے تھے''۔(33)

سرائیکی علاقے کی تاریخ دیکھیں تو دراوڑی نسل کی سندھ کی تہذیب 2300 قبل مسیح نظر آتی ہے۔ اس علاقے پر دراوڑ آریہ، دارا گشتاشپ، سائرس، مہاتما بدھ، راجا سہرس رائے چچ، داہر، یعقوب بن لیث صفاری، قرامطہ داؤد بن نصر محمود غزنوی، سومروں، شہاب الدین غوری، ناصر الدین قباچہ شہزادہ محمد سعید لنگاہ، مرزا عسکری، کامران مرزا فتح خان بلوچ، زاہد خان سدوزئی، نواب مظفر خان، مہاراجہ رنجیت سنگھ اور پھر انگریز حکمران کی حیثیت سے نظر آتے ہیں۔ مہاتما بدھ نے اپنی تبلیغ کیلئے اہل علم کی زبان سنسکرت کی بجائے عوامی زبانوں کو چنا۔ پالی زبان نے سرائیکی کے ارتقاء میں کردار ادا کیا اور پھر اپ بھرنش دور آیا اور اس کے بعد لاڑکی، جھیل اور جھیر قوم جو دردستان سے آئی دردی بولتی تھی۔ اس زبان کا سرائیکی پر اثر پڑا اور پھر اپ بھرنش کے ساتھ ساتھ پشاچی نے اسے نکھارا۔ سرائیکی ادب کے پھلنے پھولنے میں تصوف نے بڑا کام کیا اب جبکہ 10 ہزار سے زائد ''ضرب الامثال وکھاوتیں'' بھی اکٹھی کر لی گئی ہیں جو اس زبان کی بڑائی بتانے کیلئے کافی ہیں اس کے قدیم ادب میں جو لوریاں اور دوہے ملتے ہیں وہ بلوچستان لسبیلہ کچھی تھرپارکر اور سندھ کے سرائیکی علاقوں سے لیکر سرحد کے ہند کو علاقے تک ایک ہی طرز میں دکھائی دیتے ہیں۔(34)

عین الحق فرید کوٹی لکھتے ہیں:

''آج کی تاریخی شہادتوں نے یہ ثابت کر دیا ہے منڈا گروہ کی زبانیں ہی وہ پہلی زبانیں ہیں جو وادی سندھ میں بولی جاتی تھیں اور وہاں بسنے والے آسٹریلوی نسل کے منڈا قبائل وادی سندھ کے قدیم ترین تہذیبی وادے تھے۔ ماہر لسانیات عین الحق فرید کوٹی نے اس موضوع پر تحقیقی کام کیا ہے انہوں نے رانچی اور چھوٹا ناگپور میں بسنے والے جانگلی منڈا قبائل کو چنا ہے جو آج بھی نئی تہذیب سے بالکل ناواقف ہیں۔ عین الحق فرید کوٹی کچھ ایسی رمکیں ڈھونڈنے میں کامیاب ہوئے ہیں جو آج بھی پنجاب کے مختلف علاقوں میں رائج ہیں''۔(35)

زوار حسین بھٹہ رقمطراز ہیں:

''وادی سندھ میں ہزاروں سال قبل مسیح سے مختلف آبادیوں کی نقل مکانی کا سلسلہ چلتا رہا بلکہ دنیا کا کوئی خطہ بھی ایسا نہیں تھا جو نئی آبادیوں کی یلغار سے محفوظ رہا ہو۔ یہاں بھی یہی سلسلہ چلا اور شدومد کے ساتھ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا کی دوسری زبانوں کی طرح سرائیکی بھی خالص حالت میں نہ رہ سکی''۔(36)

دلشاد کلانچوی لکھتے ہیں:

''اس آمیزش و آلائش کی وجہ سے کوئی بھی قدیم اور صاف ستھرا نمونہ حاصل ہونا ممکن نہیں رہا جس کے ذریعے قدیم سرائیکی کے ڈانڈے موجود سرائیکی سے آسانی سے ملائے جا سکیں۔''(37)

سرائیکی اور سنسکرت کے حوالے سے ماہرین لسانیات مختلف آراء قائم کرتے رہے ہیں علامہ عتیق فکری رقمطراز ہیں:

''اب جن لوگوں کا یہ دعویٰ ہو کہ سرائیکی یا ملتانی سنسکرت سے پیدا شدہ زبان ہے کہاں تسلیم کیا جا سکتا ہے جبکہ خود ملتانی یا سرائیکی سنسکرت پر موثر ہے''۔(38)

ڈاکٹر کالا سنگھ بیدی اپنے مضمون ''ملتانی زبان کا ارتقاء خواجہ فرید کے حوالے سے'' میں لکھتے ہیں۔

''ملتانی زبان میں جس قدر سنسکرت عربی فارسی اور پشتو وغیرہ زبان کے الفاظ ملتے ہیں اتنے پنجابی یا کسی اور علاقائی زبان میں نہیں ملتے اس کی وجہ یہ ہے کہ ملتان کی وہ راجنیتک مہتا یعنی سیاسی اہمیت ہے جو اس کو الگ الگ جاتیوں اور قوموں کی راجدھانی (دارالحکومت) بننے کے سبب حاصل رہی''۔(39)

منشی عبدالرحمٰن خان لکھتے ہیں:

''ملتانی زبان معمولی رد و بدل کو چھوڑ کر اپنے ابتدائی زمانہ میں بحیرہ عرب کے ساحل سے لیکر راجپوتانہ کے ریگستانوں کے آخری کناروں تک بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ سندھ سے علیحدگی کے بعد ملتان پر مختلف وقتوں میں حکمران رہے ان کے زیر اثر ملتانی زبان پہلے سے زیادہ فصیح زیادہ شیریں اور زیادہ خیال افروز بن گئی''۔(40)

مسعود حسن شہاب کے مطابق:

''آریاؤں کی سندھ میں آمد سے پہلے ''مید'' اور ''جاٹ'' آباد تھے ان کی زبان سنسکرت سے مختلف تھی''۔(41)

ڈاکٹر عبدالمجید سندھی لکھتے ہیں:

''یہاں کے قدیم باشندوں کی زبان سنسکرت سے پہلے کے قدیم دور کی ایک منفرد زبان تھی۔''(42)

ڈاکٹر وزیر آغا رقم طراز ہیں:

''آریاؤں کی ویدک تو دراوڑی زبان کے الفاظ اور آوازوں سے کچھ اس طرح رنگین ہوئی کہ یہ اثر آریائی تشخص اور آریائی فکر پر مہمیز ثابت ہوا اور انہوں نے اپنی زبان کو دراوڑی اثرات سے شعوری طور پر پاک صاف کرنے کی کوشش کی ان کی یہ سعی سنسکرت کی نمو کا باعث بنی''۔(43)

مولانا نور احمد فریدی کے مطابق:

''ماہرین لسانیات کا اس امر پر اتفاق ہے کہ سرائیکی زبان سنسکرت سے قدیم تر ہے''۔(44)

پیر حسام الدین راشدی ''سندھی ادب'' میں لکھتے ہیں۔

''جہاں تک سندھ کا تعلق ہے یہاں کی عام بول چال کی زبان کا نام ورچنا بتایا جاتا ہے اس سے چار سندھی بولیاں پیدا ہوئیں جو علاقائی لحاظ سے چار شاخوں میں منقسم ہیں۔''

1۔ وچولی: جو وسط سندھ میں بولی جاتی ہے۔

2۔ سرائیکی یا سریلی: جو سندھ کے مشرقی حصے میں بولی جاتی ہے جس میں بہاولپور کا علاقہ بھی گنا جاتا ہے۔

3۔ تھریلی: جو تھرپارکر کے علاقہ میں بولی جاتی ہے۔

4۔ کچھی: جو کچھ اور کاٹھیاوار کے علاقہ میں رائج ہے۔(45)

ان نظریات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آریاؤں کی آمد سے اور سنسکرت سے پہلے اس علاقے کی زبان سرائیکی تھی۔ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

''مسلمانوں کی عربی اور فارسی سب سے پہلے ہندوستان کی جس زبان سے مخلوط ہوئی وہ سندھی اور ملتانی ہے''۔(46)

سرائیکی اور دراوڑی

ماہرین لسانیات وادی سندھ میں آریاؤں کی آمد سے پہلے تین بڑے لسانی گروہوں کا ذکر کرتے ہیں۔ پہلا پہاڑی زبانیں جن کو تبتی یا برمی کہا جاتا ہے دوسرا منڈاری زبانیں اور تیسرا دراوڑی زبانیں تامل، تلگو، ملیالم کناری اور گونڈی اس کی اہم شاخیں ہیں۔ بلوچستان کے براہوی قبائل کی زبان بھی اسی سلسلے کی اہم کڑی ہے اس زبان میں اب بھی پچاس فیصد پرانی دراوڑی زبان کے الفاظ پائے جاتے ہیں سرائیکی زبان پر غور کریں تو بے شمار الفاظ دراوڑی زبانوں سے ملتے جلتے ہیں۔

دلشاد کلانچوی کہتے ہیں:

''دراوڑی پہلی زبان تھی جس نے قدیم سرائیکی پر اثر ڈالا''۔

''سرائیکی کے اضافی حروف کے بارے میں بھی یہی کہا گیا ہے کہ دراوڑی سے لیے گئے ہیں۔ کالڈویل اور سیلٹر کا

خیال ہے کہ دو آنکھوں والی "ھ" کے مرکب الفاظ بھی دراوڑی سے تعلق رکھتے ہیں جو برصغیر کی کئی زبانوں میں مستعمل ہیں"۔(47)

سرائیکی اور اسوری

رگ وید میں ہے کہ دراوڑوں کے بعد اسوری برسراقتدار آئے اور تین ہزار قبل مسیح تک وادی سندھ اور دیگر علاقوں میں برسراقتدار رہے یہ مصری تھے اور بابل کے اشوری، ایران کے آہوری اور یہاں کے اسوری دراصل ایک ہی قوم کی مختلف شاخیں ہیں۔

خامی بہاولپوری کے مطابق:

"اس فاتح قوم اسوری کی زبان کو اسوری کہا جاتا تھا جو بعد میں سرائیکی بن گیا"۔

اکبر شاہ خاں نجیب آبادی مقدمہ تاریخ ہند قدیم" میں لکھتے ہیں:

"اشوری اور خالدی لوگ 3000 ق م میں لکھنے کے فن سے اچھی طرح واقف تھے موہنجوداڑو سندھ سے سارگن یا سرغون بادشاہ بابل اور نینوا سے جو مہریں برآمد ہوئیں وہ تین ہزار قبل مسیح کی بتائی جاتی ہیں۔ان میں مٹی اور پکائی میں الفاظ کندہ ہیں جو سندھ کو اسوریہ کا صوبہ ظاہر کرتے ہیں"۔(48)

سرائیکی اور پالی

وادی سندھ میں بدھ مت کو عروج حاصل رہا چینی سیاح ہیون سانگ چھٹی صدی عیسوی میں جب ملتان اور سندھ آیا تھا تو اس نے لکھا:

"یہاں دس ہزار بھکشو رہتے ہیں اشوک کے زمانے میں جب بدھ مت کو سرکاری سرپرستی ملی تو بھکشوؤں کی ایک بڑی تعداد ملتان آئی۔ان حالات میں سرائیکی اور پالی نے یقیناً ایک دوسرے پر اثر ڈالا ہوگا کچھ مشترک لفظ دیکھیں سنگ، بھت، پتر وغیرہ"۔

سرائیکی اور دردوئی

اسی زمانے میں ایک نئی قوم پشاچہ ایران افغانستان سے ہوتی ہوئی اس علاقے میں داخل ہوئی اسے آریائی قوموں کا آخری گروہ بھی کہتے ہیں۔ان کا ذکر ہندوؤں کی مذہبی کتابوں پرانوں میں موجود ہے یہ پہلے والے آریاؤں کی نسبت غیر مہذب تھے اس لیے ان کو پشاچہ یعنی بدتمیز کہا گیا۔ان کی زبان داردک یا دردوئی تھی آج کل کی کشمیری، شینا، چترالی وغیرہ دردوئی زبانیں ہیں سرائیکی زبان بنانے والوں کے طور پر پشاچہ قوم کا نام لیا جاتا ہے انہوں نے موجودہ سندھی اور سرائیکی پر بہت اثرات مرتب کیے ہیں ایچ ٹی لمبرک Sindh A General Introduction کے صفحہ 396 پر لکھتا ہے"لہندا اور سندھی کا داردک بولیوں سے حروف علت کے حوالے سے اشتراک ہے"۔(49)

سرائیکی زبان اور وراچڈہ اپ بھرنش

ماہرین لسانیات کے مطابق پشاچہ کے آنے کے بہت بعد وادی سندھ میں ایک بکھری ہوئی زبان وراچڈہ کا حوالہ بھی ملتا ہے سر جارج گریرسن لنگوسٹک سروے آف انڈیا میں لہندا سندھی اور ملتانی زبانوں کے حوالے سے کہتے ہیں:

"ان زبانوں کے ماخذ اور سرچشمے سے متعلق ہمیں بہت کم علم ہے سندھی (ملتانی) سے پہلے ایک اپ بھرنش

پراکرت تھی جس کا نام واراہ چڈہ تھا اور جس کے متعلق ہندوستانی گرامیرین مرکنڈہ ہمیں کچھ اطلاع دیتے اور ایسی واراچڈہ پشاچی کا ذکر کرتے جو بظاہر اس علاقے میں بولی جارہی تھی۔ تو اس بات پہ اصرار کرتے کہ کیکیہ پشاچی اس پراکرت کی سب سے بڑی قسم تھی پشاچی زبان موجودہ اقوام درد کے باپ دادا کی زبان تھی پس دردی زبانوں کی بنیاد پشاچی زبانوں پر رکھی گئی ہے (جو اس علاقے میں کسی وقت ضرور بولی جاتی ہوگی) اس شہادت سے بات مکمل ہوتی ہے۔" (50)

"وادی سندھ میں بولی جانے والی قدیم زبان واراچڈہ نام کی ایک پراکرت تھی اس کی خاصیت یہ ہے کہ "ڈ" اور "ج" کی آوازیں جو ہندوستان کی باقی پراکرتوں میں ایک جیسی برتی جاتی ہیں وارہ چڈہ میں Dental یعنی دانتوں کے قریب سے ادا ہونے والی نہیں رہتیں بلکہ Cerchle یعنی حلق سے نکلنے والی ہوجاتی ہیں یعنی "ڈ" اور "ج" جو جدید سرائیکی اور سندھی میں ویسی کی ویسی ہیں۔" (51)

ڈاکٹر مہر عبدالحق کہتے ہیں:

"اس علاقے کی قدیم زبان کو دردستان سے آنے والوں کی زبان پیاچی اپ بھرنش نے بہت متاثر کیا اور قدیم زبان نے ایک نئی صورت اختیار کرلی واراچڈہ اپ بھرنش وہ آخری زبان تھی جس کے بعد اس علاقے میں سرائیکی اور سندھی بولی جانے لگیں۔" (52)

سرائیکی اور شورسینی

یہ زبان ایک وقت میں برصغیر کے بہت بڑے علاقے میں بولی جاتی تھی اس کا علاقہ اتر پردیش پنجاب گجرات راجپوتانہ اور دکن تک بتایا جاتا ہے اس سے مہاراشٹری، سوراشٹری اپ بھرنش وراچڈہ بلکہ سندھی اور سرائیکی زبانیں بھی عالم وجود میں آئیں۔ شورسینی کو آریائی زبانوں میں قدیم کہا جاتا ہے ظامی بہاولپوری کا کہنا ہے "وراچڈہ سرائیکی اور سندھی کی سگی ماں ہے شورسینی نانی ہے اور رگ وید والی سنسکرت پرنانی ہے" اس زبان کے اثرات آگے پیدا ہونے والی زبانوں ہندی اور اردو پر بھی بہت زیادہ مرتب ہوئے سرائیکی کے ساتھ کچھ مشترک الفاظ دیکھیں کٹورا، تھال، توا، رکابی، وغیرہ۔ (53)

ماگھدی/مگدھی

"مگدھی جین مذہب کی مقدس کتابوں کی زبان تھی" (54)

پروفیسر ڈاکٹر سجاد حیدر پرویز کے مطابق ماگھدی بھی ہندوستان کی قدیم آریائی زبان ہے بعض محققین اسے شورسینی سے بھی قدیم کہتے ہیں۔

سرائیکی اور عربی

سرائیکی زبان کا دوسرا دور سندھ میں مسلمانوں کی آمد سے شروع ہوتا ہے محمد بن قاسم کی فتح نے اس علاقے کی زبانوں میں فارسی اور عربی کے اثرات مرتب کیے عربوں کے مستقل قیام کے بعد مقامی باشندوں کی عربوں کے ساتھ بول چال سے بے شمار الفاظ سرائیکی میں شامل ہوئے۔ یہاں تک عربی کے حروف ابجد بھی سرائیکی کا حصہ بن گئے جیسے ث، ص، ض، ط، ظ، ع، غ، ق یہاں عربی رسم الخط نسخ بھی لکھا جانے لگا۔ اس وقت سندھ اچ ملتان اور منصورہ میں عربی اور فارسی

بولی جاتی تھیں۔ اس علاقے پر تین سو سال سے زائد عربوں نے حکومت کی۔ محمد بن قاسم سے لیکر محمود غزنوی تک یہ علاقہ عربی تہذیب و تمدن سے جڑا رہا اس لیے اس سرزمین نے عربی اور اسلامی اثرات دوسرے علاقوں کی نسبت زیادہ قبول کیے۔

چوتھی صدی ہجری میں آنے والے عرب سیاح ملتان اور منصورہ کی زبان کے بارے میں کہتے ہیں:

''منصورہ اور ملتان اور ان کے اطراف کی زبان عربی اور سندھی ہے''۔(55)

یہی بات سفرنامہ ابن حوقل میں بھی درج ہے:

''منصورہ (موجودہ بھکر) اور ملتان کے اطراف میں عربی اور سندھی بولی جاتی ہے''۔(56)

375/376 ہجری کے قریب بشاری ملتان آیا اس وقت یہاں فارسی رائج ہو چکی تھی مگر منصورہ یعنی سندھ میں عربی رائج تھی بشاری اپنے سفرنامے میں لکھتے ہیں:

''یہاں زبان فارسی ہے سب سوداگر ہیں اور ان کی زبان سندھی اور عربی ہے''۔(57)

تاریخ سندھ کے مصنف ابوظفر ندوی اس وقت کی زبان کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہیں:

''سندھ اور ملتان کی اصلی زبان جس میں عوام بات چیت کرتے ہیں بیچ میل قسم کی ہے کیونکہ یہ زبان مختلف زبانوں سے ملکر بنی ہے۔ لوگ اس زبان میں خط و کتابت کرتے تھے اور کتابیں بھی لکھی جاتی تھیں''۔(58)

ابوظفر ندوی کی اس رائے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مقامی زبان سرائیکی عربی اور فارسی کے ملاپ اور اثرات سے یہاں ایک نئی مخلوط زبان رواج پا چکی تھی۔ عربی زبان نے سرائیکی زبان پر کئی قسم کے اثرات مرتب کیے ہیں۔ الفاظ کا اشتراک دونوں زبانوں میں موجود ہے۔ سرائیکی زبان میں بیشمار عربی الفاظ تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ بولے جاتے ہیں مثلاً اصل (وصل) ماشاءاللہ (شالا) اتر (اوترا) اور قند (کھنڈ)۔

سرائیکی اور فارسی

ویسے تو وادی سندھ پر ایرانی اثرات کا آغاز 521ق م میں دارائے اول کا ملتان اور سندھ کے علاقوں کو اپنی سلطنت میں شامل کرنے سے ہوا مگر یہ آٹے میں نمک کے برابر تھا اگر چہ سندھ کا علاقہ ایران کے ساتھ ملتا تھا مگر حقیقی اثرات مسلمانوں کی آمد کے بعد مرتب ہوئے۔ ملتان میں عربی کے ساتھ ساتھ فارسی بھی بولی جاتی تھی پھر آہستہ آہستہ عربی کی جگہ فارسی نے لے لی اور یہ علاقہ فارسی کا مرکز بن گیا۔ سرائیکی علاقے میں صوفیاء کی آمد نے اس زبان کی ترقی و ترویج میں اہم کردار ادا کیا۔ قیام پاکستان تک بہاولپور اور ملتان میں فارسی دفتری اور سرکاری زبان کی حیثیت سے رائج رہی اس علاقے کے مدارس میں فارسی میں تعلیم دی جاتی تھی لوگ خط و کتابت فارسی میں کرتے تھے فارسی بولتے تھے۔ فارسی نے مقامی زبانوں کی طرح راج کیا اب بھی فارسی زبان و ادب کا بہت بڑا ذخیرہ سرائیکی علاقے میں موجود ہے۔ سرائیکی زبان کے تمام بڑے بڑے شعراء نے فارسی میں شاعری کی سرائیکی اور فارسی کا چولی دامن کا ساتھ رہا یہی وجہ ہے کہ سرائیکی زبان پر فارسی کے بہت گہرے اثرات ہیں۔

اسلم رسولپوری کہتے ہیں:

''فارسی نے صرف سرائیکی کے ذخیرہ الفاظ میں اضافہ نہیں کیا بلکہ اس کے حروف تہجی میں چ، ژ، گ کا اضافہ کیا۔ اس کے علاوہ سرائیکی افعال کی گردان میں سرائیکی کے فاعلی لاحقے بھی فارسی اثرات سے نمایاں

ہیں"۔(59)

سب سے خاص بات یہ ہے کہ سرائیکی کا موجودہ رسم الخط فارسی ہے۔

سرائیکی اور اردو

اردو زبان کا سرائیکی زبان سے قدیمی رشتہ ہے۔ بہت سارے ماہرین لسانیات نے سرائیکی کو اردو کی پہلی بنیاد مانا ہے۔ سندھ کی فتح 717ء میں مکمل ہوئی تو بہت سارے مسلمان فاتحین سندھ اور سرائیکی علاقے میں آباد ہو گئے۔ مقامی لوگوں اور مسلمانوں کے آپس میں تہذیبی اور تمدنی رابطے بڑھتے یہ عمل پانچ سو سال جاری رہا جس کے نتیجے میں اچ منصورہ اور ملتان علوم وفنون کے بڑے مرکز بن گئے آپس کے میل جول رسول ورواج اور مل جل کر رہنے سے ایک نئی تہذیب ایک نئی زبان وجود میں آئی۔ جس پر فارسی اور عربی کے نمایاں اثرات تھے وہ زبان اس وقت ملتانی اور آج سرائیکی ہے جو محمود غزنوی کے دور میں لاہور مرکز بننے کی وجہ سے لاہور پہنچی اور پھر دہلی جا کر اردو کی جڑ بنی۔(60)

شیخ محمد اکرام "آب کوثر" میں لکھتے ہیں:

"فتح سندھ اور ملتان کے بعد مسلمانوں کی رفتار ترقی سست پڑ گئی اور ملتان سے دہلی پہنچنے میں انہیں پورے پانچ سو سال لگے"۔(61)

یہاں سے معلوم ہوتا ہے اردو زبان کے اسلامی مزاج کی بنیاد پورے پانچ سو سال تک سرائیکی علاقے میں کھڑی ہوتی رہی۔ تمام ماہرین لسانیات اس بات پر متفق ہیں کہ اردو زبان کا آغاز ہندو مسلم میل جول کا نتیجہ ہے۔ چوتھی صدی عیسوی میں سندھ اور ملتان آنے والے عرب سیاحوں نے اس علاقے میں عربی زبان کا عروج بتایا ہے۔ البیرونی نے 1017ء سے 1029ء تک ہندوستان میں قیام کیا البیرونی سنسکرت کے عالم تھے اور لسانیات کے ماہر تھے انہوں نے اپنی دونوں کتابوں "کتاب الہند" اور "کتاب الصیدنہ" میں لسانیاتی تحقیق کا خاصا مواد چھوڑا ہے حیرت کی بات یہ ہے کہ لسانی مزاج رکھنے اور سنسکرت جاننے کے باوجود وہ ہندوستانی زبانوں کو ہمیشہ "ہندیہ" کہتے۔(62)

البیرونی کی کتابوں میں مستعمل زبان قدیم سرائیکی ہے مثلاً "کتاب الہند" میں مہینوں کے نام چیتر کارتک منگھر پوش پاگن وغیرہ اعداد کے حوالے سے برقتہ برکت یعنی ایک سرائیکی علاقے میں آج بھی برکت کہہ کر گنتی شروع کی جاتی ہے تریہہ، چھ، ست، نوں، اسی طرح دوسرے الفاظ رس، ناگ، بھا، کوڑہ، تارا، لون یعنی نمک۔(63)

ڈاکٹر مسعود حسین خاں صدر شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن نے اپنی کتاب "مقدمہ تاریخ زبان اردو" میں لکھا ہے:

"البیرونی کی تحریروں میں جو الفاظ ہم تک پہنچے ہیں وہ سنسکرت کے نہیں بلکہ اس عام بول چال کی زبان کے ہیں جو اس وقت مغربی پنجاب سے لیکر ملتان اور سندھ تک رائج تھی کیونکہ دوران سیاحت اس کا قیام ایک عرصے تک ملتان میں رہا اس لیے بہت سارے الفاظ وہاں کی زبان کے ہیں اعداد خالصتاً مغربی پنجابی یعنی ملتانی کے ہیں"۔(64)

سید سلیمان ندوی بھی سرائیکی زبان کو اردو کی پہلی بنیاد مانتے ہیں وہ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے اس علاقے میں آنے سے یہاں کی زبانیں پہلے عربی اور فارسی سے متاثر ہوئیں پھر سرائیکی علاقے کی زبان نے دہلی

تا عربی اردو سب سے پہلے جس زبان سے مخلوط ہوئی وہ سندھی اور ملتانی ہے------
البیرونی المتوفی 420 ہجری نے ہندوستان میں شاید ملتان اور سندھ میں رہ کر "کتاب الہند" کا مسودہ تیار کیا اس نے اپنی کتاب میں جو لہجے اور طرز ادا میں ہندی آوازیں لکھی ہیں اس سے ماہرین ادب نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ وہ ملتانی اور سندھی شکل میں ہیں"۔(65)

نمونے کے طور پر اردو کے کچھ قدیم الفاظ ملاحظہ ہوں۔(66)

قدیم اردو	موجودہ سرائیکی	قدیم اردو	موجودہ سرائیکی
اڑی	اڑی	چائی	چائی
اسارنا	اسارن	تتا	تا
جُم	جُم	سنگتی	سنگتی
بِکل	بِکل	کروا	کروا
چنگیر	چنگیر		

حافظ محمود شیرانی لکھتے ہیں:

"اردو اپنی صرف ونحو میں ملتانی زبان کے بہت قریب ہے دونوں میں اسماء افعال کے آخر میں الف آتا ہے دونوں میں جمع کا طریقہ مشترک ہے۔ یہاں تک کہ دونوں میں جمع کے جملوں میں نہ صرف جملے کے اہم اجزاء بلکہ ان کے توابعات اور ملحقات کا بھی ایک ہی قاعدہ جاری ہے۔ اور دونوں زبانیں تذکیر وتانیث کے قواعد افعال مرکبہ اور توابع میں متحد ہیں"۔(67)

ڈاکٹر محی الدین زور حافظ محمود شیرانی کی رائے کے بارے میں کہتے ہیں۔

"پروفیسر شیرانی نے جو مواد پیش کیا ہے وہ نہایت ہی مفید اردو کی تخلیق اور آغاز کے متعلق نتیجے تک پہنچ کیلئے کافی معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ اردو نہ تو پنجابی سے نکلی ہے اور نہ کھڑی بولی سے بلکہ اس زبان سے وہ زبان جوان دونوں کا مشترک سر چشمہ تھی"۔(68)

ڈاکٹر مہر عبدالحق کا کہنا ہے:

"یہ صاف ظاہر ہے کہ ملتانی (سرائیکی) زبان جدید زبانوں میں سے سب سے قدیم ہے اور مستقل حیثیت کی مالک ہے اور اردو سے اس کا تعلق اصول وقواعد کے لحاظ سے اور تقدیم اور تاخیر کے لحاظ سے بہت گہرا ہے جو کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا"۔(69)

سرائیکی اور پنجابی

سرائیکی اور پنجابی صوبہ پنجاب کی دو بڑی زبانیں ہیں۔ پنجابی زبان دو بڑے حصوں میں تقسیم ہے ایک مشرقی پنجابی جسے سکھ بولتے ہیں اور گورمکھی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے۔ سرائیکی زبان کی یہ سب سے قریبی ہمسایہ زبان ہے آج کل

سرائیکی اور پنجابی بولنے والے ایک دوسرے سے مل جل گئے ہیں۔اس لیے یہ دونوں زبانیں ایک دوسرے قریب آ گئی ہیں۔ڈاکٹر مہر عبدالحق نے اپنی کتاب "سرائیکی زبان اور اس کی ہمسایہ علاقائی زبانیں" میں تفصیلاً جائزہ لیا ہے۔(70)

ایک روسی محقق ایس یو سرنوف نے اپنی کتاب "لہندا لینگوئج" میں پنجابی اور سرائیکی کے لسانی رشتوں کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔سرنوف نے دس لسانی قواعد کے مطابق دونوں زبانوں کو الگ کیا ہے۔(71)

سرائیکی اور پنجابی میں مشترک پہلو بھی موجود ہیں دونوں زبانوں میں مشترکہ ذخیرہ الفاظ بھی موجود ہے۔(72)

سرائیکی	پنجابی	سرائیکی	پنجابی
اوپرا	اوپرا	تاڑی	تاڑی
لوڑ	لوڑ	سیک	سیک
اکھ	اکھ	کھبے	کھبے
اٹھ	اٹھ	پاوا	پاوا
کوک	کوک	وساہ	وساہ

سرائیکی اور سندھی

سندھی اور سرائیکی کو ایک دوسری کی بہنیں کہا جاتا ہے کیونکہ ان دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے۔تاہم رسم الخط میں فرق ہے۔یہ دونوں غیر آریائی گروہ کی معتبر زبانیں ہیں۔عربوں کی آمد سے پہلے اس سارے علاقے میں سندھی زبان رائج تھی اس کا الگ رسم الخط موجود تھا چچ نامے سے معلوم ہوتا ہے کہ دیبل کی فتح کے بعد راجہ داہر نے محمد بن قاسم کو جو خط لکھا تھا وہ مقامی زبان میں تحریر تھا۔محمد بن قاسم کو اس خط کا ترجمہ کروانا پڑا"۔(73)

ڈاکٹر مہر عبدالحق کہتے ہیں:

"111 ہجری میں تمیم بن زید کے دور حکومت میں ملتان کا تعلق زیریں سندھ سے ٹوٹ گیا۔سندھی اور ملتانی دونوں زبانیں علیحدہ علیحدہ ترقی پانے لگیں"۔(74)

"پیر حسام الدین راشدی بھی یہی کہتے ہیں کہ سرائیکی اور سندھی پہلے ایک تھیں اور موجود سندھی کی تشکیل ہمہ عہد (گیارہویں صدی عیسوی) میں ہوتی ہے"(75).

الگ الگ رسم الخط کے باوجود دونوں زبانیں مٹھاس حلاوت اور فصاحت میں ایک جیسی ہونے کے سبب آج بھی بہنیں دکھائی دیتی ہیں۔

"سندھی بولی جی تاریخ" کے مصنف پیرول مہر چند اڈوانی لکھتے ہیں:

"سندھی سرائیکی اور داورک زبانیں زمانہ قدیم سے مشترک ہیں۔سرائیکی اور سندھی نحوی بناوٹ میں ایک دوسرے سے مماثلت رکھتی ہیں۔"(76)

ڈاکٹر غلام علی الانہ نے اپنی کتاب "سندھی بولی جی لسانی جاگرافی" "سندھی اور سرائیکی کے لسانی روابط پر پورا باب لکھا ہے:

"اُچ اور ملتان سندھیوں کیلئے روحانی فیوض کے مرکز ہیں۔ آج بھی سندھی قافلوں کی صورت میں یہاں زیارت اور دعائیں مانگنے کیلئے آتے ہیں۔ قدیم زمانے میں ملتان سے مراد سندھ اور ملتانی سے مراد سندھی استعمال ہوتا تھا۔ یہ نہ ٹوٹنے والے رشتے آج بھی قائم ہیں اگرچہ ملتان کا علاقہ سیاسی لحاظ سے سندھ سے باہر ہے مگر سماجی ثقافتی روحانی اور لسانی رشتوں میں ملتان اور سندھ ایک ہیں"۔(77)

ڈاکٹر نبی بخش بلوچ سندھی اور سرائیکی زبان کی قریبی مماثلت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"پنجابی سرائیکی اور سندھی تینوں وادی سندھ کی ہمسایہ زبانیں ہیں۔ لہٰذا پنجابی اور سرائیکی، سرائیکی اور سندھی اور سندھی اور پنجابی میں ایک قریبی لسانی مماثلت پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے سرائیکی کو سندھی کا جز تسلیم کیا ہے سرائیکی اپنے مختلف محاوروں پر مشتمل پنجابی اور سندھی کی درمیانی کڑی ہے اپنی انفرادی خصوصیات کی حامل ہے لہٰذا سرائیکی کو وادی سندھی کی ایک مستقل زبان تسلیم کرنا حقائق کے زیادہ قریب ہے۔ برصغیر کے لسانی جائزے میں گریرسن نے بھی یہی مسلک اختیار کیا ہے"(78)

سرائیکی اور پشتو زبان

پشتو زبان دنیا کی قدیم زبان ہے۔ پشتو بولنے والے پشتونوں کا ذکر قدیم تواریخ میں ملتا ہے۔ ایک خیال کے مطابق پشتون بنی اسرائیل کے بارہ قبائل کی اولاد ہیں جن کو بخت نصر نے بیت المقدس اور شام فتح کرنے کے بعد 586ق م میں ملک بدر کر دیا تھا دوسرا خیال یہ ہے کہ "یہ آریا نسل کی ایک شاخ میں سے ہیں اور افغانستان اور شمال مغربی سرحدی علاقے کے یہی پشتون ہی اصل آریا ہیں"۔(79)

"سرائیکی علاقے میں ایک عرصہ تک پٹھانوں کی حکومت رہی ہے۔ سرائیکی زبان اور پشتو کا آپس میں کافی رابطہ رہا اس عرصے میں فارسی اور پشتو کے اثرات کافی حد تک اس علاقے کی زبانوں پر پڑے"۔(80)

صوبہ سرحد کے بہت سے علاقوں میں سرائیکی بولی جاتی ہے اس میل جول نے ایک دوسرے کی زبان پر بہت اثرات ڈالے۔

سرائیکی اور بلوچی

بلوچی بھی پاکستان کی قدیم زبان ہے بعض لوگوں کا خیال ہے یہ زبان قدیم فارسی یعنی پہلوی کی ایک شاخ ہے۔ کچھ کا خیال ہے کہ "یہ سیتھی زبان ہے جو اوستا سے پہلے موجود تھی یونانی مورخ ہیروڈوٹس نے اپنی تاریخ میں بلوچی زبان کو بکوٹی اور مکرانی بلوچی کو سیکنس کہا ہے"۔(81)

گریرسن کہتا ہے "یہ ایک قبیلے کا طرز گفتگو ہے جو اپنے طور پر پھلتا پھولتا رہا۔ یہ زبان دور قدیم سے موجود ہے اور صحیح حروف کے نظام کے اعتبار سے بلوچی زبان بلحاظ لسانی ارتقاء ایک ایسے مرحلے کی نشاندہی کرتی ہے جہاں فارسی نے اس کو 1500 سو سال پہلے چھوڑ دیا تھا"۔(82)

بلوچ قوم کی ایک بڑی تعداد سرائیکی علاقے میں آباد ہے۔ بہاولپور ڈیرہ غازی خاں ملتان اور ساہیوال میں کافی تعداد میں بلوچ آباد ہیں۔ صوبہ بلوچستان کی سرحدوں پر بسنے والے سارے لوگ سرائیکی اور بلوچی دونوں زبانیں بولتے ہیں۔ دو الگ خاندانوں کی یہ زبانیں ایک دوسرے پر اثرات رکھتی ہیں۔

اجڑی بولی یا سرائیکی

سوات کے علاقے میں کچھ لوگ اجڑ (ریوڑ) کہلاتے ہیں وہ ریوڑ (اجڑ) چراتے ہیں جو خالص سرائیکی لفظ ہے اور ان کی زبان اجڑی زبان کہلاتی ہے جو اصل میں سرائیکی زبان ہے اجڑی اور سرائیکی لغت کا اشتراک اسے ثابت کرتا ہے۔(83)

اجڑی	سرائیکی	اجڑی	سرائیکی
بھیڈ	بھیڈ	چٹو	چٹا
مونڈھ	مونڈھا	پنچکی	پنچکی
ما	ما	بکری	بکری
لون	لون	گاں	گاں
ماس	ماس	دیں	ڈیہہ

سرائیکی کا ایک لہجہ۔۔۔۔قندھاری

سرائیکی زبان بہت بڑے علاقے میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہ پاکستان سے لے کر ہندوستان افغانستان اور وسط ایشیاء کے کئی علاقوں میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ برصغیر سے باہر بھی اب تک سرائیکی کے اثرات موجود ہیں۔ نظامی بہاولپوری نے اپنی کتاب سرائیکی زبان کا ارتقاء میں ہفت روزہ ''اختر'' ملتان 8 فروری 1968ء کے ایک مضمون ''جت اور جگدال قبائل'' کے حوالے سے لکھا ہے۔ ایرانی بلوچستان کے علاقے زابل وسیستان کے قرب وجوار میں سرائیکی بولنے والے قبائل آباد ہیں ہزاروں افراد پر مشتمل یہ قبائل جت جگدال یا جدگال کہلاتے ہیں یہ سرائیکی بولتے ہیں اور سرائیکی روایات پر کاربند ہیں ایرانی بلوچستان میں جت جگدال اور روس میں آباد سرائیکی بولنے والے قبائل خالص سرائیکی بولتے ہیں اور بلوچ کہلاتے ہیں لیکن بلوچی زبان سے ناواقف ہیں مشہور ایرانی لکھاری آقائے امان اللہ جہانی نے اپنی کتاب ''سرگذشت بلوچستان'' میں ان قبائل کا ذکر کیا ہے ان کے علاوہ یورپ کے کئی خانہ بدوش، جپسی جو زبان بولتے ہیں اس میں سرائیکی کے ان گنت لفظ شامل ہیں ان خانہ بدوش قبائل کے بارے میں تحقیق کی گئی یہ بارہویں صدی عیسوی میں پنجاب سے ہجرت کر کے گئے تھے عجیب بات یہ ہے کہ مشرقی یورپ کے یہ خانہ بدوش اپنے آپ کو ملتانی کہتے ہیں لیکن اپنی زبان کو رومانی کہتے ہیں الفاظ کا اشتراک دیکھیں۔

رومانی	سرائیکی	رومانی	سرائیکی
کنی	کن	نمک	نک
آنکھ	آنکھ	جانگھ	جنگھ
سالی	سالی	سالو	سالا
خاص	خاص	بھراں	بھرا
پنج	پنج	چھار	چار

ستان کے کئی علاقے خصوصی طور پر جن میں قندھار شامل ہے پرانے ہندو سرائیکی کا ملتانی لہجہ بولتے ہیں اور ہیں کہیں قندھاری بھی کہتے ہیں۔

قندھاری اور سرائیکی کی گنتی سونتک ایک ہے۔ ملتانی قندھاری میں سرائیکی کی خاص آوازیں بھی موجود ہیں۔

قندھاری	سرائیکی	قندھاری	سرائیکی
پیون	پیوݨ	مرن	مرݨ
ڈیکھن	ڈیکھݨ	کھاون	کھاوݨ
اٹھن	اٹھݨ	آکھن	آکھݨ
آون	آوݨ	مارن	مارݨ

اس طرح سرائیکی اور قندھاری کی لغت ایک جیسی ہے۔(84)

قندھاری	سرائیکی	قندھاری	سرائیکی
بجھ	بجھ	چٹا	چٹا
چندر	چندر	اکھ	اکھ
تارا	تارا	ساوا	ساوا
کالا	کالا	سکا	سکا
چڑا	چڑا	پلھی	پلھی

میر حسان الحیدری سرائیکی زبان کی ابتدا اور نشو و نما کے متعلق لکھتے ہیں:

''وادی سندھ کی تہذیب نے ملتان کو جو زبان دی اس کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس زبان کے بچے کھچے الفاظ ضرور اب بھی استعمال ہو رہے ہوں گے۔ وادی سندھ کا رسم الخط جب تک پڑھا نہیں جاتا تھا کچھ کہنا محال ہے البتہ آریاؤں کی آمد کے بعد یہاں کی زبان ویدوں سے متاثر ہوئی بدھوں کے مقامی زبانوں سے سروکار رکھنے کے باعث جہاں ادھر ادھر کی زبانیں ترقی کر رہی تھیں لازماً سرائیکی زبان بھی ارتقاء کے مراحل طے کرنے لگی پالی زبان نے بھی سرائیکی کو مزید فروغ عطا کیا۔''(85)

اختر وحید ''در د گوہر'' میں لکھتے ہیں:

''ملتانی زبان صرف سنسکرت ہی سے نہیں نکلی بلکہ اس کی اصل اس قدیم ''ملی'' یا ''ملتی'' قوم کی زبان تھی جس کا اقتدار 325ق م میں چٹان بن کر سکندر اعظم سے ٹکرایا تھا۔ 681ء میں ملتانی شاعری میں سنسکرت آمیز ہندی نظر آئی ملتانی کا قدیم نام ہندی تھا''۔(86)



مندرجہ بالا نقشہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ سرائیکی زبان پاکستان کے چاروں صوبوں میں بولی جاتی ہے۔

سرائیکی میں تحریری ادب اور اس کے ابتدائی نمونے

دلشاد کلانچوی لکھتے ہیں:

''شروع شروع میں انسان دل کی بات دوسرے تک اشاروں کے ذریعے پہنچاتا تھا۔ پھر آوازیں نکال کر اپنا مطلب سمجھانے لگا پھر ان آوازوں کی شکلیں مقرر کی گئیں تا کہ آوازوں کو لکھنے پڑھنے میں لایا جائے اور ان کو محفوظ بھی کیا جا سکے۔ ایسی شکلیں رسم الخط کہلائیں۔ شروع میں حرف نہ تھے اس لیے ابتدائی رسم الخط کو تصویری رسم الخط کہا جاتا تھا مثلاً:



یہ تصویری رسم الخط اپنی ارتقائی منزلیں طے کرتا رہا مگر انسان کو اپنی جوابی بات بیان کرنے میں بہت سی شکلیں بنانا پڑتی تھیں اس لیے سالم شکلوں کی بجائے مختصر اشارے مقرر کیے گئے پھر ان اشاروں کو بھی مختصر کر کے حروف تہجی میں ڈھال دیا گیا عام خیال کے مطابق حروف تہجی سب سے پہلے مصر میں وجود میں لائے گئے تھے''۔(87)

وادی سندھ کے رسم الخط کا تعلق ارامی رسم الخط سے رہا ہے۔ ارامی زبان زمانہ قدیم میں ملک شام میں بولی جاتی تھی۔ ارامی زبان کے کچھ کتبے ٹیکسلا کے عجائب گھر میں موجود ہیں یہ بدھ مت کے زمانے کے ہیں۔ اس طرح اسامی رسم الخط سے عربی رسم الخط اور فارسی رسم الخط وجود میں آئے۔

وادی سندھ کی سب سے پہلی قوم جس کے رسم الخط کا کچھ پتہ چل سکا ہے وہ دراوڑ قوم تھی اور انہوں نے اپنا رسم الخط عراق کے قدیم تصویری رسم الخط سے نکال کر بنالیا تھا۔ یہ رسم الخط سیدھے ہاتھ سے الٹے ہاتھ کو شروع کیا جاتا تھا اور یہی رسم الخط سرائیکی کا قدیم رسم الخط ہو سکتا ہے۔(88)

ڈاکٹر مہر عبدالحق کہتے ہیں:

''ملتان کے قلعے میں ملنے والے مٹی کے برتن کے ٹکڑوں میں جو حروف مشاہدے میں آئے ہیں وہ ترقی کی منزل میں موہن جوداڑو کے خط سے ایک منزل آگے ہیں''۔(89)

اسلم رسولپوری کا کہنا ہے:

''ملتان کے حروف موہنجوداڑو کے حروف کے قریب ہیں''۔(90)

احسن واگھا، عین الحق فریدکوٹی کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

"According to Ainul Haq Fareedkoti writing and reading had started in the Indus valley in 300 B.C in a script which was later established as Barahmi script. Brahmi alphabet is named as Brahma sutra in sanskrit and was pirama Tottiram, originally in proto Dravidean language linked with the

pictographs of the seals of Harappa and Mohenjodro. Brahmi script is the only thousands of years old continuation and its variants can be seen in most of the modern scripts". (91)

دلشاد کلانچوی لکھتے ہیں۔

''کڑکی رسم الخط وہ ہے جسے ہندو ساہوکار یا دکاندار اپنے بہی کھاتے میں اپنے لین دین کا حساب کتاب لکھتے رہتے تھے یہ رسم الخط برصغیر کی تقسیم تک باقاعدہ چلتا رہا ہے۔''(92)

ڈاکٹر کرسٹوفر شیکل کڑ کا رسم الخط کے متعلق لکھتے ہیں۔

"..........The New Testament was published in Siraiki as the language's first printed book in 1819 A.D. Although 1000 copies seem to have been printed the book is now rare ...... it is therefore unfortunate that such a labour of love should have been of so little practical use principally because of the use of the local Hindu LANDE or KARIKKI script......."(93)

1819ء میں انجیل کا پہلا سرائیکی ترجمہ بنیا/ کڑ کا رسم الخط میں ہوا اس رسم الخط میں انجیل کا سرائیکی ترجمہ عوام میں زیادہ پسند نہ کیا گیا اس لیے سیرام پور مشن نے اپنی ناکامی تسلیم کر کے انجیل کے ترجمے کا کام 1820ء میں بند کر دیا۔(94)

کیفی جام پوری کہتے ہیں:

''مسلمانوں کی آمد سے پہلے سرائیکی زبان اور اس کے ادب کا کوئی نمونہ دستیاب نہیں اس میں کوئی شک نہیں اس زمانہ کے لوگوں کے ہاں یقیناً کوئی رسم الخط مروج ہوگا مسلمانوں کے اولین زمانہ کی بھی کوئی تحریر محفوظ نہیں رہ سکی۔ اگر اس زبان کا قدیم ادبی سرمایہ دستبرد زمانہ سے بچ بھی گیا تو اس کا اکثر و بیشتر حصہ (انگریز اٹھا کر لے گئے) کہا جاتا ہے لندن کی انڈیا آفس لائبریری اور ایفرو ایشین لائبریری میں سرائیکی ادب کی دو بڑی الماریاں بھری رکھی ہیں''۔(95)

ڈاکٹر مہر عبدالحق کے مطابق:

''سرائیکی کی دو قدیم تحریروں میں سے ایک قصیدہ بردہ شریف کا منظوم سرائیکی ترجمہ اور دوسری کتاب ''حلیہ مبارک'' جو سرائیکی زبان میں ہے اس پر فقیر سعداللہ ولد مولوی عبداللہ ملتانی لکھا ہوا ہے قصیدہ بردہ شریف کا یہ ترجمہ سارے تراجم سے قدیم ہے لہٰذا اسے ہم پاک و ہند کی زبانوں کا پہلا ترجمہ کہہ سکتے ہیں ترجمے کی زبان سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم یہ پانچ سو سال پہلے کی زبان ہے۔

حلیہ مبارک کی زبان نسبتاً آسان ہے جو قصیدہ بردہ شریف کے ترجمے کے ایک سو سال بعد کی زبان ہے بہت سارے حلیہ مبارک موجود ہیں مگر یہ سب سے قدیم لگتا ہے سعداللہ کی ایک تحریر پر 1229 ہجری کی درج ہے عیسوی سن کے حوالے سے یہ 1814ء ہے۔(96)

میر حسان الحیدری نے "سرائیکی زبان کی کہاوتیں" (جو بیس ہزار کے لگ بھگ ہیں، ضرب الامثال جو آٹھ ہزار سے کم نہیں) میں بولی اور "ڈوہڑا" کو سرائیکی زبان کے قدیم نمونے کہا ہے۔ مزید لکھتے ہیں:

"سرائیکی زبان کے قدیم تحریری سرمائے کے بارے میں ہمیں جو باوثوق ذرائع سے معلومات ملتی ہیں ان کا تعلق ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی سے ہے۔"

سرائیکی اور سندھی علاقوں میں آج بھی ایک ایسی قوم آباد ہے جسے چاڑن کہا جاتا ہے۔ جو قدیم خاندانوں کے شجرہ ہائے نسب اور کبت سنا سنا کر داد وصول کرتے رہتے ہیں وت لوگ بھی شجروں کو محفوظ رکھتے اور کبت گاتے تھے "بلوچوں کی تاریخ قبائل کے آئینے میں" کے حوالے سے میر حسان الحیدری لکھتے ہیں "وت عرب میں بھی مدتوں رہے اور واقعہ کربلا میں حضرت امام حسین علیہ اسلام کا ساتھ دینے کی وجہ سے یزیدیوں نے انہیں بلوچ اقوام کے ساتھ سرزمین عراق سے ایران میں دھکیل دیا"۔

سرائیکی زبان کے ایک محقق اختر وحید مرحوم نے ان وتوں کے وہ کبت اپنی ملتانی گرامر میں نقل کیے ہیں جو وتوں نے واقعہ کربلا کے حوالے سے نظم کیے اختر وحید مرحوم ان کبتوں کو بکر ماجیتی عہد کے قریب یعنی 681ء کی سرائیکی شاعری کا نمونہ قرار دیتے ہیں۔

خیال کیا جاتا ہے کہ موجودہ سندھی 1100ء کے لگ بھگ سرائیکی سے علیحدہ ایک مستقل زبان بن گئی اس لیے سندھی کی پرانی تحریریں سرائیکی سے بڑی مماثلت رکھتی ہیں۔

سرائیکی میں مذکورہ وتوں کے کبتوں کے علاوہ ایک ترجمہ قرآن اور بہت سی رزمیہ طویل نظموں کا سراغ بھی ملتا ہے۔ ترجمہ قرآن کی بابت اعجاز الحق قدوسی ایک مقالے میں لکھتے ہیں:

"883ء670ھ میں ہمیں ایک اور عراقی عالم کا پتہ چلتا ہے جو تھے تو عراقی مگر انہوں نے سندھ کے مشہور شہر منصورہ میں پرورش پائی اور سندھ ہی میں پلے اور بڑے ہوئے تھے راجہ مہروک بن رائک ایک ہندو راجہ نے منصورہ کے حاکم عبداللہ بن عمر ہباری سے خواہش کی کہ وہ اسلامی عقائد اور تعلیمات کو سندھی میں ترجمہ کرا کے بھیجے تاکہ وہ اسلام کی حقیقت کو سمجھ سکے چنانچہ حاکم مذکور نے انہی عراقی عالم کا انتخاب کیا اور انہوں نے ایک قصیدے میں اسلامی عقائد و تعلیمات کو نظم کر کے بھیجا اور پھر راجہ کی خواہش پر اس زمانہ کی سندھی زبان میں پورے قرآن مجید کا ترجمہ بھی کیا۔" (97)

سرائیکی ادب کے ابتدائی نمونوں میں عبدالکریم جھنگوی کی "نجات المومنین" ہے۔

اس کے علاوہ حلیہ مبارک قدیم سرائیکی ترجمہ قصیدہ بردہ شریف، نور نامہ (نسخہ ملاں) اور نور نامہ (نسخہ مراد) کا سراغ بھی ملتا ہے۔

معراج نامہ (نسخہ حافظ محمد)

نور نامہ اور معراج نامہ سرائیکی زبان کی ایک قدیم شعری صنف ہے معراج نامہ میں حضور پاک ﷺ کے واقعہ معراج کو منظوم طور پر پیش کیا گیا ہے نور نامہ اور معراج نامہ دونوں عہد غزنوی یعنی 401ہجری/1010عیسوی میں فتح

ملتان واوچ کے بعد نظر آتے ہیں۔(98)

بقول میر حسان الحیدری:

''ملکی انتشار خلفشار اور افراتفری کے باعث کوئی بھی ادبی شاہکار اس وقت سوائے نور ناموں اور معراج ناموں کے نہیں ملتا''۔

میر حسان الحیدری نے (تاریخ ادبیات پاک و ہند جلد چودہ) درج ذیل معراج ناموں کا ذکر کیا ہے۔(99)

1	معراج نامہ	از میاں قبول فقیر چانڈیہ	صادق آباد	چھٹی صدی ہجری/ بارہویں صدی عیسوی
2	معجزہ معراج	از دودے شاہ	صادق آباد	چھٹی صدی ہجری/ بارہویں صدی عیسوی
3	معراج نامہ	از پیارے خاں پیارا	صادق آباد	995ھ/1586ء
4	معراج نامہ	از حافظ محمد	ملتان	1100ھ/1688ء
5	معراج نامہ	از قادر یار سندھو	ملتان	1850ء کے بعد
6	معراج نامہ	از غلام قادر ملتانی	ملتان	1836ء

ڈاکٹر سجاد حیدر پرویز نے مندرجہ ذیل معراج ناموں کا ذکر کیا ہے:

1۔ معراج نامہ: از میاں قادر یار 1242ھ/1826ء

2۔ معراج نامہ: بطرز چٹھی از نبی بخش شوق 1905-1970

3۔ معراج نامہ جدید: از مولوی نبی بخش (100)

ڈاکٹر شہباز ملک نے ''پنجابی کتابیات'' میں معراج ناموں کے کل 22 حوالے دیے ہیں۔قدامت کے لحاظ سے نور نامہ کو اولیت حاصل ہے۔اس میں حضور ﷺ پر نور کی پیدائش کی باتیں ہیں حضرت ملا کا نور نامہ پانچ سو ہجری کی تصنیف بتائی جاتی ہے۔

حافظ محمود شیرانی نے ''پنجاب میں اردو'' میں اسے 1054 عیسوی/752ھ کی تصنیف تسلیم کیا ہے۔ڈاکٹر مہر عبدالحق اسے شاعر کے سن تصنیف خود بتانے کے حوالے سے 500 ہجری کی تصنیف ہی مانتے ہیں۔

پنج سے سال جو گذرے آہے ہجرت بعد رسولوں
ملاں کہے غریب وچارا ہکم علماواں کولوں

میر حسان الحیدری بھی اسے 1107ء تا 1111 عیسوی بمطابق 501 ہجری تا 505 ہجری کے درمیان کی تصنیف مانتے ہیں۔حضرت ملاں کے علاوہ مراد نابینا بھکری اور امام الدین بھکری کا ''نور نامہ محمدی'' مدحت رسول ﷺ میں تصنیف کیے گئے ہیں۔(101)

اس کے علاوہ حلیہ مبارک مولوی نور محمد (1931ء) تولا نامہ غلام قادر ملتانی پیدائش 1836ء مثنوی کی شکل میں ہے جو 1892ء میں مکمل ہوا۔

سرائیکی زبان کا تاریخی پس منظر

''عظیم تہذیبیں ہمیشہ پہلے پہل دریاؤں کے کناروں پہ آباد ہوتی رہی ہیں قدیم زمانے کے انسان نے سب سے پہلے ان جگہوں کو اپنا مسکن بنایا جہاں پانی، جنگل اور زرخیزی تھی وادی سندھ بہت زرخیز تھی یہاں کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ عظیم وادی سندھ دو عظیم دریاؤں کے دامن میں پروان چڑھ رہی تھی ان میں ایک دریائے سندھ اور دوسرا دریائے ہاکڑہ یا گھاگھرا ہے۔ یہ وادی سندھ کا دوسرا بڑا دریائی سلسلہ تھا یہ دو عظیم دریا اس وقت اس تہذیب کا سہاگ تھے۔ پھر یوں ہوا آسٹریلیا کے قدیم باشندے جو کول سنتھال منڈا کولاری اور گونڈ اقوام کے نام سے مشہور تھے آسام اور بنگال کے راستے ہندوستان میں داخل ہوئے اور بکھر کر وادی سندھ میں پہنچ گئے۔ تقریباً 3500 ق م میں ایک اور قوم دراوڑ وادی سندھ میں آ گئی''۔(102)

اعجاز الحق قدسی لکھتے ہیں:

''سندھ پاکستان کا اہم جزو ہے سندھ کے نام سے ایک چھوٹے سے ملک کا تصور ذہن میں ابھرتا ہے لیکن 1300 سو سال قبل یہ علاقہ بہت لمبا چوڑا تھا۔ اسلام سے پہلے راجا داہر کی حکومت کے دور میں جس ملک کو سندھ کہا جاتا تھا وہ مغرب میں مکران تک جنوب میں بحیرہ عرب اور گجرات تک مشرق میں موجودہ مالوہ کے وسط اور راجپوتانہ تک اور شمال میں ملتان سے گذر کر جنوبی پنجاب کے اندر تک وسیع تھا عرب مورخین اس سارے علاقے کو سندھ کہتے ہیں''۔(103)

''آج سے ہزاروں سال پہلے جب آریا اس ملک میں آئے تو انھوں نے اس کا نام ''سندھ'' رکھا کیونکہ وہ اپنی زبان میں دریا کو سندھو کہتے تھے مگر آہستہ آہستہ وہ اسے سندھ کہنے لگے۔ ایرانیوں نے اپنے لہجے میں سندھ کو ہند کر ڈالا اور یونانیوں نے ''ھ'' کو اس کے قریب المخرج حرف ہمزہ سے بدل کر اند کر دیا۔ رومن میں یہ لفظ اند سے اندیا ہو گیا اور انگریزی زبان میں چونکہ ''ڈ'' نہیں اس لیے وہ انڈیا بن گیا''۔ (104)

ڈاکٹر مہر عبدالحق نے اپنے Ph.D مقالے میں آریاؤں کی آمد کے متعلق پانچ نظریات پیش کیے ہیں۔

آریاؤں کی آمد سے متعلق پہلا نظریہ

آریا قوم دریائے جیحون کے شمال میں زمین کے اس چھوٹے سے قطعہ میں بحالت چوپانی قیام پذیر تھی۔ جو جنوب و مشرق میں دریائے جیحون کے شمال اور کرو ند و بخارا کے مشرق میں چینی علاقہ سے محدود ہے وہاں سے اس قوم نے دریائے جیحون عبور کر کے کچھ عرصہ صوبہ بلخ میں قیام کیا وہاں سے صوبہ کابل و صوبہ سرحد کے پہاڑوں سے ہوتی ہوئے دریائے سندھ کو عبور کر کے اور غیر آریائی یعنی ہندوستان کے قدیم ترین باشندوں کو بھگاتی قتل کرتی اور غلام بناتی ہوئی وادی گنگا کی طرف بڑھی اور ہندوستان کے اکثر حصوں میں پھیل گئی۔

دوسرا نظریہ

آریا قوم کا اصلی وطن بحیرہ خضر (بحیرہ کاسپین) کا مشرقی ساحل تھا وہاں سے یہ قوم علامرو جو مشرق کی جانب تھا

بڑھی صوبہ ہرات میں کچھ دنوں قیام کیا یہاں سے درہ خیبر اور درہ بولان کے راستے پنجاب وسندھ میں داخل ہوئی غیر آریاؤں کو مغلوب کرتی ہوئی صوبہ بہار تک پہنچ گئی اور شمالی ہند کے تمام سرسبز وشاداب علاقوں پر قابض ہو گئی۔

تیسرا نظریہ

آریا قوم قدیم زمانے میں بحیرہ کا سپین کے مغربی وجنوبی علاقہ جو طہران ہمدان وارومین کے درمیان واقع ہے وہاں سے اصفہان اور وسط ایران میں پھیل گئی وہاں سے قندھار ہوتی ہوئی دریائے سندھ کے کنارے پہنچی اور سندھ کو عبور کر کے ملتان اور صوبہ ملتان سے پنجاب ہوتی ہوئی دوآبہ گنگ وجمن اور وہاں سے بہار پہنچی۔ رگ وید پنجاب وملتان کے قیام کی حالت میں تصنیف ہوا۔

چوتھا نظریہ

آریا قوم قدیم زمانہ میں وسط ایران شیراز اور اصطخر کے علاقے میں رہتی تھی وہاں کسی بات پر جنگ ہوئی اس قوم کے دو حصے ہو گئے زبردست جماعت نے کمزور جماعت کو مار کر نکال دیا مغلوب جماعت اپنے اصل وطن سے بے دخل ہو کر افغانستان وبلوچستان سے ہوئی ہندوستان میں فاتحانہ داخل ہوئی اور غیر آریاؤں کو پہاڑوں اور جنگلوں کی طرف بھگا کر میدانوں میں خود قابض ومتصرف ہو گئی۔(105)

پانچواں نظریہ

"آریا قوم کا اصل وطن ختن کا ملک تھا وہاں سے اپنے مویشیوں کے ریوڑ لئے ہوئے ترکستان پہنچی کچھ عرصہ دریائے جیحون کی وادی میں گذار کر صوبہ بلخ پہنچی پھر بلخ سے کشمیر وکابل ہوتی ہوئی پنجاب اور پھر دوآبہ گنگ وجمن میں پہنچی یہاں کسی بات پر آپس میں نزاع ہوا مغلوب گروہ کو ہندوستان کے قابل زراعت میدان چھوڑ کر سندھ کی طرف بھاگنا پڑا سندھ میں بھی طاقتور گروہ نے قدم نہ جمانے دیے لہذا مغلوب گروہ قندھار سے ہوتا ہوا ایران پہنچا اس نے ایران میں اپنی حکومت قائم کی اور ایران کو اپنا وطن بنا کر ایرانی مشہور ہوئے ان ایرانیوں کا ایک گروہ صوبہ کیشیا اور وہاں سے یورپ کی طرف گیا"۔(106)

پروفیسر رزاق شاہد اپنے Ph.D کے مقالے میں لکھتے ہیں:

"ہڑپہ کی کھدائی کا آغاز 1921ء میں ہوا ستر سال بعد 1990ء میں ہڑپہ کی کھدائی کے دوران ماہر آثار قدیمہ نے جنوبی دروازہ اور فصیل کے آثار دریافت کیے جو موجود ہڑپہ کی سطح سے بہت ہی گہرائی میں دریافت ہوئے ان کے بارے میں محققین کا خیال ہے کہ یہ کم از کم 3100 ق م کے ہیں۔ کھدائی کا یہ عمل وقفہ وقفہ سے آج تک جاری ہے اگر کسی وقت ہڑپہ کی کھدائی ممکن ہو سکے تو شاید اس کی کہانی موجودہ کہانی سے مختلف صورت میں سامنے آ سکے"۔(107)

دراوڑ قوم کے آباؤ اجداد کا وطن حلب شام ودمشق بحر روم کا ساحلی علاقہ تھا سر جان مارشل موہنجوداڑو کی کھدائی کے وقت یہاں ڈائریکٹر آثار قدیمہ تھے کہتے ہیں:

"یہ لوگ کول سنتال، منڈا اور گونڈ لوگوں سے زیادہ سمجھدار مہذب اور طاقتور تھے۔ قدیم باشندے بالکل بے فکر آرام طلب اور سست تھے یہاں کی زرخیزی نے ان لوگوں کو کاہل اور سست بنا دیا۔ باہر سے آنے والے

دراوڑوں نے بڑی آسانی کے ساتھ ان کو زیر کر لیا۔" (108)

باہر سے آنے والے ان دراوڑوں نے سندھ کو اپنا وطن بنالیا یہ بہت سمجھدار اور محنتی قوم تھی۔ انہوں نے زندگی کے تمام شعبوں میں ترقی کی اور اپنی تہذیب کو آسمان تک پہنچا دیا عراق اور مصر کی تہذیب جن کی نظیر نہیں ملتی تھی۔ ان کی بدولت وادی سندھ کی تہذیب ان کے ہم پلہ ہوگئی۔

انہوں نے آپس میں تجارتی تعلقات قائم کیے مشرقی ہندوستان کی اشیاء گرم مصالحے خوشبودار لکڑی سندھ کا بنا ہوا سوتی کپڑا عراق جاتا تھا مال کے بدلے مال کے اصول کے تحت خشکی اور دریا دونوں راستوں کے ذریعے تجارت ہوتی تھی۔ جنوبی ایران مشرقی عرب خلیج فارس بابل اور سمیریا اور دجلہ وفرات کے باسیوں کے ساتھ تجارتی تعلقات نے وادی کے لوگوں کو اور بھی سمجھدار بنا دیا۔

ڈاکٹر رفیق مغل لکھتے ہیں:

"عظیم تر وادی سندھ" ایک ایسے بہت وسیع مربوط حصے کا لازمی جزو تھی جہاں ابتدائی ہڑپائی دور میں بین العلاقائی تعلقات قائم ہو چکے تھے اس زمانے میں مواصلات کا سب سے اہم ذریعہ بیل گاڑی تھی جس کے مٹی کے بنے ہوئے نمونے مل چکے ہیں تیسری صدی ہزار وی قبل مسیح کے ابتدائی زمانے کے تانبے کی متعدد اشیاء کے تبادلے میں بلوچستان اور راجستھان سے حاصل کرتے تھے۔ حال میں رحمان ڈھیری سے ایسی مہریں اور چولستان اور دوسری جگہوں سے ایسے کتبے دستیاب ہوئے ہیں جن پر وادی سندھ کی علامات ثبت ہیں ان سے لکھنے (تحریر) کی ابتدائی کوششوں کا سراغ ملتا ہے ہوسکتا ہے کہ انہی سے وادی سندھ کا وہ (مخصوص) تصویری رسم الخط ارتقاء پذیر ہوا ہو۔ جو اب تک پڑھا نہیں جا سکا ہے مختصر یہ کہ تیسری ہزاری قبل مسیح کے آغاز کے عہد میں بھرپور شواہد سے صاف ظاہر ہے کہ اس وسیع وعریض علاقے میں غیر معمولی اور انتہائی مشابہت ویکسانیت کا حامل تمدن جاری وساری تھا۔ (109)

ڈاکٹر رفیق مغل کے اس نظریے کو مینسوٹا یونیورسٹی امریکہ کے لوئی قیم، ڈیلز، شیفر مارشیا، میڈو اور لیمبرگ کارلووسکی جیسے محققین نے بھی تسلیم کیا ہے اس طرح اس بات کی مکمل تصدیق ہوگئی ہے کہ یہاں کے قدیم باشندوں نے ہی سندھ کی عظیم تہذیب کو پروان چڑھایا۔

یہاں کی تہذیب نے یہاں کے تمدن نے زندگی کے ہر شعبے میں اضافہ کیا جگہ جگہ بڑے بڑے شہر آباد ہوئے ہڑپہ موئنجوڈرو گنویری والا چولستان جلیل پور جہاں آبادیاں شہروں کی تعمیر میں حسن اور ترتیب کا خاص خیال رکھا گیا ان میں کھلی اور پکی سڑکیں اور گلیاں ان کے تعمیری ذوق کا بہت بڑا ثبوت ہے شہروں میں گندے پانی کے نکاس کا خصوصی انتظام تھا ہر محلے میں چھوٹی چھوٹی نالیاں بنا کر ان کو ایک بڑے نالے سے ملا دیا جاتا تھا صحت اور صفائی کے انتظام کو اتنا بہتر بنایا گیا کہ نالیوں کو اوپر سے ڈھانپ دیا جاتا تھا بڑے شہروں میں اناج ذخیرہ کرنے کیلئے خاص گودام بنائے جاتے تھے اکثر مکانوں میں چھوٹے بڑے غسل خانے اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ شہر اس وقت تہذیب کی آخری اونچائی تک پہنچے ہوئے تھے۔ (110)

ہڑپہ اور موئنجوڈرو کی کھدائی سے اب تک بے شمار چیزیں ملی ہیں جن سے اس وقت کی تہذیبی اور تمدنی زندگی

کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ وہاں بسنے والی عورتوں کو زیور پہننے کا بہت شوق تھا۔ ان زیوروں میں ناک میں پہننے والا زیور ''نتھ'' قابل ذکر ہے یہ زیورات آج بھی اس علاقے میں پہنے جاتے ہیں اسی طرح پیتل، تانبے اور کانسی کے گول بٹن بھی ملے ہیں۔ عورتیں ہاتھوں اور پاؤں میں کڑے پہنتی تھیں دو نفیس ہاتھی دانت کی بنی ہوئی کنگھیاں بھی ملی ہیں چراغ مشعل اور موم بتیاں بنانے کا رواج بھی تھا ہڑپہ اور موہنجوداڑو سے کئی چرخے بھی ملے ہیں''۔

ان سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہاں کی عورتیں سوت کاتتی تھیں آٹا کیلئے چکیوں کا استعمال ہوتا۔ تھا تقریباً ہر گھر میں اس مقصد کیلئے اپنی اپنی چکی ہوتی تھی مصالحہ پیسنے کیلئے سلیں وٹے دوری دوریاں بھی ملے ہیں۔

کھلونوں میں بے شمار آدمیوں اور جانوروں کی شکلوں والے کھلونے، جھنجھنے، چھوٹی چھوٹی مٹی کی گاڑیاں اور مہرے پانسے بھی ملے ہیں۔ ان مہروں اور پانسوں سے ماہرین آثاریات نے قیاس کیا ہے کہ یہاں کے لوگ بہت شوق سے کھیل کھیلتے تھے۔ (111)

وادی سندھ کے لوگ مجسمہ سازی اور ظروف سازی میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ کوزہ گری اور تانبے اور کانسی کے کئی بت اس بات کے گواہ ہیں۔ یہ چند حوالے ہمیں یہ اندازہ لگانے میں مدد دیتے ہیں کہ وادی سندھ کی تہذیب اس وقت کتنی ترقی یافتہ تھی۔

ہزاروں سال پہلے یہاں رہنے والا انسان کس قدر معاشرتی سوجھ بوجھ رکھتا تھا۔ بے شمار ماہرین آثار انتظار میں ہیں کہ آج کا انسان یہاں سے نکل کر اپنے عظیم ماضی کے بھولے بسرے رشتے سے نامعلوم کڑیا عقل نہیں مانتی کہ اتنے ترقی یافتہ لوگوں نے نہ صرف ہڑپہ اور موہنجوداڑو کے دو شہر آباد کیے تھے۔ بلکہ انہوں مراکز کے درمیان بہاولپور کا قدیم 33 ہزار کلومیٹر رقبے کا چولستان بھی آتا ہے۔ جس میں جگہ جگہ قدیم آثار انتظار میں پڑے ہیں۔

''وادی ہاکڑہ اور اس کے آثار'' کے مصنف صدیق طاہر نے ماہرین آثاریات کی تحقیق کو جمع کر کے چولستان میں عظیم معاشرت ڈھونڈی ہے۔

''سر مورٹیمر وہیلر نے ہڑپہ اور موہنجوداڑو کے بین درمیان بہاولپور کے علاقے میں 11 ایسے مقامات کی نشا ہے جن کا تعلق ہڑپائی تہذیب کے ساتھ ہے بعد میں سر آرل سٹائن نے یہاں آزمائشی کھدائیاں کروائیں تو یہاں تہذیب کے پکے شواہد ملے''۔

''ہند قدیم'' کے مولف اور ممتاز تاریخ دان سٹوارٹ پگٹ بھی اس وسطی علاقے کو ہڑپائی تہذیب کا ملاقہ خیال کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ''خشک شدہ دریائے گھاگھرا کے کناروں پر جو آثار موجود ہیں وہ ہڑپہ سلطنت کا حصہ ہوا گے''۔ (112)

ڈاکٹر رفیق مغل نے چولستان میں قدیم تہذیبی باقیات کے 407 اہم مقامات کا کھوج لگایا ہے۔ دریائے ہاکڑہ کے کنارے موجود آبادیوں کا زمانہ چار ہزار قبل مسیح سے ایک ہزار قبل مسیح کے درمیان کا ہے۔ پتھر کے زمانے کے مقامات ثقافتی گروہوں میں ڈھلتے نظر آتے ہیں۔

ابن حنیف اپنے مضمون ''وادی سندھ کے قدیم آبادکاران کا مذہب اور مذہبی رسوم'' میں لکھتے ہیں:

"قدیم وادی سندھ کے آباد کاروں کے مذہب کا موہنجوڈرو اور ہڑپہ کے کھنڈروں سے تو کچھ پتہ نہیں چلتا کیونکہ ابھی تک کوئی ایسی عمارت نہیں ملی ہے جسے وثوق کے ساتھ عبادت گاہ کہا جاسکے چنانچہ سندھ کی وادی کے مذہبی افکار اور عقائد معلوم کرنے کا اب ہمارے پاس ایک مختصر سا ذریعہ باقی رہ گیا ہے یعنی وہ چیزیں جو آثار کاری کے دوران یہاں سے برآمد ہوئیں دیوتا کا مجسمہ دیوتاؤں کی مورتیاں شجر پرستی (ایک دلچسپ مہرے سے بالکل ہی مختلف مذہبی عقیدہ کا پتہ چلتا ہے۔ یہاں پیپل کے درخت میں سینگوں والی ایک دیوی ہے سامنے ایک دیوتا دوزانو ہو کر اسے تعظیم دے رہا ہے) مادر کائنات (چھوٹے چھوٹے مجسموں سے ماضی کی معلومات حاصل ہوتی ہیں ان میں نسائی مجسموں کی اکثریت ہے گو یہ مورتیاں خستہ حالت میں ہیں لیکن اتنا یقینی ہے کہ یہ شبیہیں مادر کائنات کی ہیں اس دیوی کو مادر عظیم مادر مہربان مہاماتا مہامائی وغیرہ کہا جاتا ہے اس دیوی کے پجاری گئے دنوں میں مشرق وسطی اور مشرق قریب میں وسیع پیمانے پر پھیلے پڑے ہیں"۔(113)

صدیق طاہر نے تفصیل یوں بیان کی ہے:

زمانہ	ثقافتی تعلق یا کڑہ تمدن	باقاعدہ شناخت مقامات کی تعداد
چار ہزار قبل مسیح تا تین ہزار قبل مسیح	(جلیل پور سے تعلق)	32 مقامات
تین ہزار قبل مسیح	ابتدائی ہڑپائی دور کوٹ ڈیجی سے تعلق	41 مقامات
ڈیڑھ ہزار ق م اور مابعد	متاخرہ ہڑپائی دور مدفن "H" سے تعلق	74 مقامات (114)

وادی سندھ کی دوسری قدیم قوم جس نے یہاں کی تہذیب اور معاشرت پر بہت گہرے اثرات ڈالے وہ آریہ قوم ہے۔ 2000 ق م اور 1000 ق م کے درمیان یہ قبائل یورپ جنوب مغربی ایشیاء کے ملکوں سے ہندوستان آئے۔ وادی سندھ میں آریاؤں کی آمد کا اندازہ 1500 ق م لگایا گیا ہے۔

آریہ بہت خوبصورت، بہت ذہین اور بہت طاقتور تھے وادی سندھ کی قدیم آبادی کے ساتھ ان کی کئی جنگیں ہوئیں دراوڑ چونکہ ایک امن پسند قوم تھے ان کا زیادہ رجحان صنعت و حرفت اور تجارت کی طرف تھا وہ جنگجو نہیں تھے اس لیے شکست کھا گئے کچھ دراوڑ تو جنگلوں میں چھپ گئے یا پہاڑوں کی طرف نقل مکانی کر گئے۔ باقی ماندہ نے نئے حکمرانوں کی غلامی کو قبول کر لیا پھر بھی ان دونوں قوموں کے درمیان کافی فاصلے قائم رہے کیونکہ آریہ اپنے آپ کو برتر سمجھتے تھے اس لیے دراوڑوں کو نزدیک نہیں آنے دیتے تھے۔

پھر یوں ہوا آریہ قبائل کی ایک اور بڑی کھیپ وادی سندھ میں داخل ہوئی تو پہلے آنے والے آریہ قبائل اور نئے حملہ آوروں میں اقتدار کی جنگ شروع ہو گئی یہ دونوں آپس میں لڑنے لگے تو پہلے آ کر آباد ہونے والے آریہ قبائل نے مصلحت سے دروازوں کے ساتھ اپنی غرض کی خاطر صلح کر لی۔

اس طرح آریاؤں اور دراوڑوں کا آپس میں میل جول بڑھا دونوں کے میل جول نے نئی معاشرت کو جنم دیا۔ دونوں قوموں کی آپس میں شادیاں ہونے لگیں مگر اس کے باوجود آریاؤں نے اپنی برتری برقرار رکھی قدیم آبادی کو نفرت سے ملیچھ اور راکھس کہا۔(115)

انہوں نے اپنی زبان، علم اور فن کے دروازے بند کر دیے مگر اس کے بعد بھی دراوڑی تہذیب اس رو در رہ گئی کہ آریا سماج اس کے اثرات سے اپنا دامن نہ بچا سکا آریا تہذیب پر دراوڑی تہذیب و تمدن کی چھاپ اتنی گہری تھی کہ اس کے اثرات آج بھی آسانی کے ساتھ تلاش کیے جا سکتے ہیں۔

سیاسی آریا قوم کو وادی سندھ میں کمل غلبہ حاصل ہو گیا اور انہوں نے یہاں مستقل ٹھکانے بنا لیے۔ وادی سندھ کی زرخیزی حسن اور دریاؤں نے ان کے دل موہ لیے آریاؤں نے اپنی ویدوں میں ان دریاؤں کے قصیدے لکھے ہیں۔ ستلج راوی چناب بیاس ان کے لئے سب بخت کے وسیلے تھے لیکن سرسوتی کی تعریف بڑی عقیدت کے ساتھ کی گئی ہے اور اسے بہت مقدس خیال کیا گیا ہے رگ وید کا ایک بھجن ہے:

سرسوتی آتی ہے شور و غل کرتی ہوئی
غذا لیکر ہماری خاطر حسن حسین ہے
پیتل کا قلعہ ہے ایک سورما کی مانند جو اپنی رتھ کو دوڑاتا ہوا
وہ سندھو ندی تیزی سے بہتی ہے
دوسری ندیاں پیچھے رہ جاتی ہیں
سرسوتی ندی سب سے پاک ہے وہ پہاڑوں سے آکر
سمندر میں گرتی ہے
دنیا کیلئے وہ دولت اور بھلائی لیکر آتی ہے(116)

جو لوگ اس کے کناروں پر آباد ہیں ان کے لئے پانی میں دودھ اور شہد ہے ایک اور جگہ دریائے سرسوتی کی تعریف میں ایک بھجن کے کچھ شعر دیکھیں:

چمکنے والی درخشاں عالی شان نہ فتح ہونے والی
سب ندیوں سے زیادہ اس میں پانی
خوبصورت ابلق گھوڑے کی طرح خوبصورت
اس کا پانی گھاٹ سے بھی اوپر چڑھ جاتا ہے

مختصراً یہ کہ وادی سندھ کی تہذیب پر جس دوسری قوم نے اثرات ڈالے وہ آریا ہیں جو آریا یہاں مستقل آباد ہو گئے تو انہوں نے اپنی مذہبی تہذیبی اور تاریخی سرمائے کو رگ وید کی شکل میں محفوظ کرا لیا۔ ذات پات کے مسئلے کھڑے کیے انسانوں میں اونچ نیچ کے مقام بنائے برہمن ویش کھتری اور شودر چار ذاتوں میں آریا تقسیم ہو گئے۔

آپس میں ذات پات کی وجہ سے نفرت بڑھنے لگی اور اس نفرت کی آگ چاروں طرف پھیل گئی آخر چھٹی صدی قبل مسیح میں مہاتما گوتم بدھ نے پہلی بار اس انسانی تقسیم کے خلاف آواز اٹھائی اس وقت تک وادی سندھ میں ہر طرف برہمن

سماج کا زور تھا۔

پروفیسر سعید احمد لکھتے ہیں:

''521 ق م میں سلطنت ایران کے حاکم دارائے اول نے حکومت سنبھالی تو اس نے دور دور تک فوجی مہمیں بھیجیں دارا نے اپنے امیر البحر سکائی لیکس کو سمندر کے راستے دریائے سندھ کے کنارے تک بھیجا اور اس نے جہلم تک کے علاقے کو فتح کر لیا۔ سارا سرائیکی علاقہ دارا کے قبضے میں شامل تھا دارا کے بعد اس کا بیٹا کھشر واس سلطنت کا وارث بنا اس علاقے پر دو سو سال تک ایرانی قابض رہے''۔(117)

مسعود حسن شہاب رقم طراز ہیں:

''326 ق م میں سکندر اعظم اپنی فوج کے ساتھ اس علاقے میں داخل ہوا''۔(118)

تلمبہ جھنگ اور ملتان میں اس وقت ملی قوم کی حکمرانی تھی یہ قوم بڑی جنگجو اور بہت بہادر تھی اس قوم نے ہر جگہ بڑی دلیری کے ساتھ سکندر کا مقابلہ کیا یہ لوگ موت قبول کر لیتے تھے مگر ہتھیار نہیں ڈالتے تھے۔ ماہرین آثار قدیمہ کا خیال ہے تلمبہ میں جلی ہوئی 19 آبادیوں کو آگ لگا دی تھی۔ سرائیکی زبان کی ایک مشہور کہاوت ہے:

سنگھی جھاں دی ڈاڈی
سوڈھی جھاں دی ما
ملھی جنے پنج پتر
ڈاہر بھٹہ لنگاہ ناچ شجرا

آج کے سرائیکی علاقے میں بسنے والی یہ قومیں سکندر اعظم کے حملے وقت ملتان سے لاڑکانہ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ملی قوم کے ان بہادروں کے ہاتھوں سکندر اعظم ملتان میں زخمی ہو گیا اور واپسی کا سفر اختیار کیا سکندر اعظم کے بعد پہلے یونانی مورخ ہیروڈوٹس کا اس علاقے کا سفر کرنا، ایرین کی تاریخ اور یونان کے جغرافیہ دان بٹالے کا سیاحت نامہ اور نقشہ سرائیکی علاقے کی ان تاریخی حقیقتوں کی تصدیق کرتے ہیں۔

سید نور علی ضامن حسینی 'معارف سرائیکی'' کے صفحہ نمبر 175-174 پر لکھتے ہیں:

''یونانی مورخ ہیروڈوٹس کی ''تواریخ'' پنگوین کلاسکو نمبر 234 مطبوعہ لندن 1955ء کے صفحہ 256 پر وادی سندھ کی ملی قوم کے ملتان کا کیسی پیرس کہہ کر اور ایرین کی اس تاریخ کے صفحہ 208 پر لاڑکانہ کا سندھی مانا کہنہ کر پہلی بار ذکر آتا ہے اور یہ حسن اتفاق ہے کہ ایرین کی تاریخ اور مشہور یونانی جغرافیہ دان بٹالے کا مشہور سیاحت نامہ اور مرتب کردہ وادی سندھ کا نقشہ تقریباً ایک ساتھ 150 کے لگ بھگ شائع ہوئے جبکہ سکندر اعظم کے 450 سال بعد آنے والا غیر ملکی کشن حکمران راجہ کنشکا وادئ سندھ میں برسر اقتدار تھا۔ اس طرح یہی تین یونانی دستاویز ہماری قریب از بعید تاریخ کے بنیادی ماخذ ہیں۔ سکندر اعظم نے 325 ق م میں ہندوستان کے کوہ سلیمان کو عبور کیا اور ہیروڈوٹس 480 قبل مسیح میں پیدا ہوا ہیروڈوٹس سیاح تھا ملک با ملک گھومتا رہا لوگوں سے ملتا تھا لوگ اسے بخوشی و رغبت اپنی پرانی کہانیاں اور اس وقت کے حالات اپنی زبان میں

سناتے تھے۔"(119)

صدیق طاہر لکھتے ہیں:

"سکندر اعظم کی موت کے تھوڑے عرصہ بعد یہاں کی مقامی طاقتیں سر اٹھانے لگیں تو یونانی اقتدار اور اس کے اثرات مٹتے گئے۔ سرائیکی علاقے میں بدھ مت کا اثر و رسوخ بڑھنے لگا اور اشوک کے زمانے میں 273 ق م سے 232 ق م سے لیکر کنشک کے زمانے تک یہ علاقہ بدھ مت کا مرکز بن گیا۔ ابھی تک اس علاقے میں بدھ عبادت گاہوں کے بچے کھچے اثرات باقی ہیں۔ پہلی بدھ عبادت گاہ بہاولپور شہر سے جنوب کی طرف 16 میل کے فاصلے پر ہے اسے سوئی وہار کہا جاتا ہے۔ اب تک یہاں 20 فٹ اونچا مٹی کا ایک کچا مینار موجود ہے یہاں سے تانبے کی ایک پتری ملی ہے جس پر باختری پالی زبان میں تحریر موجود ہے سوئی وہار سے گوتم بدھ کا ایک مجسمہ بھی ملا ہے۔ ماہر آثار قدیمہ ڈاکٹر ایم ایچ دانی کے مطابق اس مجسمے پر درج تحریر براہمی رسم الخط میں پانچویں صدی عیسوی کے زمانے کی ہے"۔ (120) صدیق طاہر آگے چل کر لکھتے ہیں:

"وادی ہاکڑہ میں یہ زمانہ بدھ مت کے عروج کا زمانہ ہے اس کے علاوہ دریائے ہاکڑہ کے پرانے راستے کے کناروں پر رحیم یار خان شہر سے 6 میل دور جنوب میں پتن منارا آج تک موجود ہے سر آرل سٹائن نے اس کو برصغیر میں دوسری صدی عیسوی کی بہترین تعمیرات میں شمار کیا ہے"۔ (121)

چچ نامہ میں تحریر ہے:

"اس کے بعد سندھ اور بہاولپور کے علاقے میں 500 عیسوی میں رائے خاندان کی حکومت قائم ہوگئی۔ یہ حکومت 130 سال تک قائم رہی۔ رائے سہسی دوم کی موت کے بعد اس کے وزیر چچ نے اقتدار سنبھال لیا اور ملتان کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا اس نے تقریباً 40 سال تک حکومت کی۔ اس کے بعد چچ کا بیٹا راجہ داہر 33 سال تک سندھ کی سلطنت پر حکمرانی کرتا رہا۔ اس طرح مجموعی طور پر برہمن خاندان نے اس علاقے پر 81 سال تک حکومت کی"۔ (122)

اس کے بعد اس علاقے کی تاریخ نے ایک نئی کروٹ لی عظیم نوجوان جرنیل محمد بن قاسم نعرہ حق بلند کرتا ہوا سرزمین سندھ پر اترا اور 712 عیسوی میں راجہ داہر اس کے ہاتھوں مارا گیا۔ (123)

اعجاز الحق قدوسی لکھتے ہیں:

"محمد بن قاسم دیبل سے لیکر اوچ اور ملتان تک کے علاقے کو فتح کر لیا۔ اسلام کی نورانی روشنی اس علاقے کا نصیب بن گئی۔ عربوں کی آمد کے بعد اسلامی اثرات چاروں طرف پھیلنے لگے۔ یہاں کے تمدن ثقافت معاشرت اور زبان و ادب پر اسلامی اثرات رچ بس گئے۔ دسویں صدی کے شروع میں مصر کے فاطمیوں نے ملتان اور اوچ پر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ قرامطہ کا یہ قبضہ یہاں گیارہویں صدی عیسوی کے شروع تک رہا لیکن اس کے اثرات آج بھی سرائیکی علاقے کے مذہب ادب اور ثقافت پر موجود ہیں"۔ (124)

قرامطہ کے زوال کے بعد یہاں کئی مسلمان آئے اور گئے یہاں تک کہ ملتان پر سکھوں نے قبضہ کرلیا اور یہاں کی تہذیبی تمدنی اور مذہبی وراثت کو تبدیل کرنے کی پوری کوشش کی۔ 1849ء میں انگریزوں نے ملتان پر قبضہ کرلیا اس طرح اس علاقے میں نئی فرنگی تہذیب گھس آئی جس نے بڑی تیزی کے ساتھ زندگی کے ہر شعبے میں اپنا رنگ چڑھایا۔

سندھ میں حملہ آوروں اور سیاحوں کی آمد

علامہ عتیق فکری لکھتے ہیں:

''پانچ دریاؤں میں گھرا ہوا ملتان کا علاقہ اپنی سرسبزی اور زراعت کی وجہ سے مالا مال تھا آج بھی مالا مال ہے اس لیے ملتان کے علاقہ پر ہر حکومت کا قبضہ کرنا لازمی تھا''۔(125)

ایس۔ایم شاہد لکھتے ہیں:

''ملک میں سیاسی استحکام سے حوصلہ پاکر غیر ملکی حملہ آور اکثر یہاں آتے رہتے تھے۔انہیں مقامی روایات اور تاریخی روایات سے کوئی دلچسپی نہ تھی لہذا ان کی تخریبی سرگرمیوں نے قدیم ہند کے تاریخی مواد اور مسودات کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔آریہ یونانی، ایرانی اور مسلمان سب باہر سے آئے تھے اور مقامی حکمرانوں کو شکست دے کر اس ملک پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوئے''۔(126)

اعجاز الحق قدوسی کی ''تاریخ سندھ'' کے حوالے حملہ آوروں کی آمد اور اسباب کا خلاصہ یہ ہے ''مسلمانوں کے حملے کی ایک وجہ سندھ اور ایران کی حکومتوں کی باہمی چپقلش تھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں مکران تک قبضہ ہو گیا اس کے بعد سندھ پر پہلا بحری حملہ ہوا پھر ۲۳ ہجری ۶۴۳، ۶۴۴ء میں مسلمانوں نے ایران فتح کرلیا''۔

بنوامیہ کے دور میں محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ کیا۔عباسی دور میں سندھ کی حکومت یحیٰی برمکی کے سپرد تھی اور مختلف گورنر کام کرتے رہے پھر سندھ پر اسماعیلی حکومت قائم ہوئی جس کا تذکرہ ابن رستہ مسعودی اصطخری نے کیا ہے البیرونی نے بھی قرامطہ/اسماعیلی کی حکمرانی کی صراحت کی ہے کہ قرامطہ کا زمانہ ہم سے سو سال پہلے تھا۔کچھ عرصہ محمود غزنوی قابض رہا پھر شہاب الدین غوری نے سندھ اور ملتان کے علاقے پر قبضہ کرلیا۔

پھر ۱۲۰۵ء تا ۱۲۱۱ء خاندان غلاماں نے سندھ پر قبضہ کیے رکھا۔شمس الدین التمش نے سندھ اور ملتان پر فوج کشی کی ناصر الدین قباچہ دریائے سندھ میں ڈوب کر مر گیا پھر غیاث الدین بلبن نے سندھ پر حکومت کی۔

پھر خلجیوں نے سندھ کی حکمرانی سنبھالی اس دور میں ملتان اور سندھ پر فوج کشی جاری رہی پھر تغلق خاندان برسر اقتدار آیا پھر تیمور نے ملتان پر قبضہ کرلیا پھر سومرہ خاندان کی حکومت قائم ہوئی پھر سمہ حکومت قائم ہوئی۔سومرہ خاندان کی حکومت ۱۰۔۱۳۰۰ء تا ۴۰۔۱۳۳۹ء تک رہی۔(127)

محمد آصف خان لکھتے ہیں:

''عربوں میں سندھ کا آخری حکمران یعقوب بن لیث تھا جس کو خلیفہ المعتمد نے ۸۷۱ء میں سندھی ہاریوں کی بغاوت کچلنے کیلئے بھیجا۔۱۰۲۵ء کے قریب محمود غزنوی نے منصورہ پر حملہ کر کے سندھ پر قبضہ کر لیا۔۱۰۵۲ء میں ایک سومرہ سردار راجہ پال نے سندھ اور ملتان پر قبضہ کرلیا اس طرح تین سو سال تک ۱۲۷۰ء سے ۱۰۵۲ء تک سندھ پر مختلف حاکم قابض رہے ۱۱۷۹ء میں شہاب الدین غوری نے بالائی سندھ پر قبضہ کر

لیا لیکن لاڑ اور تھر پر سومرہ سرداروں کا راج رہا۔ اس خاندان نے ۱۳۵۰ء تک حکمرانی کی۔ سمے اور سوڈھے ان کے ساتھی بنے تو سومرہ حکومت کی حدیں ملتان تک پھیل گئیں۔ سومرہ کے بعد سمہ خاندان نے حکومت کی انہوں نے ٹھٹھہ میں خود مختار حکومت قائم کی۔ سمہ حکمرانوں نے ۱۵۲۰ء تک حکومت کی جام نظام الدین سمہ اس دور کے سب سے مشہور حکمران ہیں۔ انہوں نے ۵۰ سال تک حکمرانی کی۔ سمہ دور سندھ کی تاریخ کا سنہری دور سمجھا جاتا ہے"۔(128)

ڈاکٹر مہر عبدالحق لکھتے ہیں:

"۱۸ءہجری کے بعد کا زمانہ بڑا پر آشوب زمانہ ہے اور ملتان کا صوبہ شمالی مغربی حملہ آوروں کی آماجگاہ بنا رہا ہے دہلی کے تخت پر اگرچہ محمد غوری کے بعد سے مختلف خاندانوں کی حکومت کا آغاز ہو چکا تھا۔ تاہم ملتان کا صوبہ مرکزی حکومت سے الگ تھلگ رہا۔"(129)

سید اولاد علی گیلانی کے مطابق:

"۱۲۱۸ء میں چنگیز خاں نے مغربی ترکستان پر حملہ کیا اور اس کے بعد متواتر تین صدیوں تک علاقہ ملتان مغلوں کے حملوں کی آماجگاہ بنا رہا۔"(130)

منشی عبدالرحمن رقم طراز ہیں:

"ترک اور مغل حکمرانوں نے بھی اوچ اور ملتان پر حملے کے بعد قبضہ کیا۔ ملتان کے علاقے پر لنگاہوں نے بھی حکومت کی۔ شیر شاہ سوری نے بھی اس علاقے کو زیر نگیں رکھا۔ احمد شاہ ابدالی نواب علی محمد خاں خوگانی، نواب مظفر خاں سدوزئی حکمران رہے۔ دیوان ساون مل سکھوں کے دور میں ملتان کا جانشیں رہا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا دیوان مول راج حکمران بنا اور اس کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کے ذریعے فرنگی اقتدار میں آ گئے"۔(131)

جان ڈبلیو ایم۔ ڈی نے ملتان کو انگریزوں کے ہاتھوں فتح تفصیل سے بیان کی ہے:

بقول عینی شاہد "ایسا محسوس ہوتا تھا ایک بھاری بھرکم غیر ممیز ہیت پر مشتمل وجود آہستگی سے قلعہ سے بلند ہونا شروع ہوا۔ آتش فشاں کے دھوئیں کی طرح شدت سے بھڑکتا اور بل کھاتا ہوا مرغولوں کی شکل میں بتدریج گہرے بادل کی صورت اختیار کر گیا اس کی اصل شکل قطعیت سے بیان کرنا مشکل ہے لیکن جس شخص نے بھی اس کا مشاہدہ کیا وہ کبھی فراموش نہ کر سکے گا یوں لگا جیسے زمین زلزلے کے اثر سے دھل گئی ہو یا توپ خانے سے ہزار ہا گولے ایک ہی ساعت میں دم ہو گئے ہوں"۔(132)

کیفی جام پوری اپنی کتاب "سرائیکی شاعری" میں لکھتے ہیں:

"ملتانی زبان کے علاقے میں ہمیشہ طوائف الملوکی کا دور دورہ رہا۔ آریاؤں سے لیکر مسلمانوں کے دور حکومت تک یہ علاقہ تمام فاتحین اور سلاطین کی جولانگاہ رہا۔ ہر آنے والے کی نگاہ پنجاب اور گنگا جمنا کے سیر حاصل میدانوں کی طرف رہی۔ جو بھی آیا اس علاقے کو پامال کرتا ہوا آگے نکل گیا کسی ایک نے بھی یہاں تک کر حکومت کی بنیاد نہ ڈالی۔ الا ماشاء اللہ جن فرمانرواؤں نے ملتان کو اپنا پایہ تخت بنایا ان کو بھی چین سے حکومت کرنے کی کچھ زیادہ مہلت نہ ملی"۔(133)

ڈاکٹر مہر عبدالحق لکھتے ہیں:

''مغربی پنجاب ہمیشہ سے شمالی اور مغربی حملہ آوروں کی آماجگاہ رہا ہے۔ آریا ہندوستان میں اسی راستے سے آئے اس کے بعد ایران کے دارا اول کے حملے کا تحریری ثبوت ملتا ہے۔''

۴۸۵۔۵۵۱ ق م جو بدھ کے زمانے سے تھوڑا سا بعد کا زمانہ ہے Herodotus ہیروڈوٹس کے بیان کے مطابق اس نے اس علاقے کو فتح کر کے اس دو صوبہ داریوں میں تقسیم کر دیا۔(134)

اعجاز الحق قدوسی لکھتے ہیں:

''عرب و ہند کے تعلقات'' ص۔۳۰۹۔۳۰۶ میں ابن رستہ کی کتاب الاعلاق النفیسہ کے حوالے سے درج ہے:

''ملتان میں ایک قوم رہتی ہے جس کا دعویٰ ہے کہ وہ سامہ بن لوئی کے خاندان سے ہیں ان کو لوگ بنو منبہ بھی کہتے ہیں اور وہی وہاں کے فرمانروا ہیں اور وہ امیر المومنین کا خطبہ پڑھتے ہیں''۔(135)

مسعودی جو ابن رستہ کے دس برس بعد 300ھ 915ء میں ملتان آیا اس کا بیان ہے:

''ملتان کا امیر جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ یہاں کی سلطنت سامہ بن لوئی بن غالب کے ہاتھ میں ہے اور ملتان اسلامی حکومت کی بڑی سرحدوں میں سے ایک ہے۔''

اصطخری جو مسعودی کے چالیس برس بعد 340 ہجری میں ملتان پہنچا اس کا بیان ہے:

''ملتان کے چاروں طرف ایک مضبوط شہر پناہ ہے شہر کے باہر آدھے فرسنگ پر بہت سی عمارتیں ہیں۔ جن کا نام جندراون ہے یہ فوجی کیمپ ہے۔ یہیں یہاں کا بادشاہ رہتا ہے۔ وہ ملتان میں صرف جمعے کو ہاتھی پر سوار ہو کر جمعے کی نماز پڑھنے جاتا ہے وہ نسلاً قریشی ہے سامہ بن لوئی کے خاندان سے ہے ملتان پر اس نے قبضہ کر لیا ہے وہ منصورہ کے امیر یا کسی اور کا تابع نہیں صرف خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھتا ہے''۔(136)

بشاری مقدسی نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے:

''یہاں تر و تازہ بکثرت باغ ہیں جو سطح زمین پر پھیلے ہوئے ہیں۔۔۔۔۔۔۔ یہاں کے درخت لمبے لمبے ہوتے ہیں اور پھل اچھے۔۔۔۔۔۔ کیلا اور دوسرے ترمیوں کی کثرت ہے۔''(137)

مسلمان سیاحوں میں بھی بغداد کا المسعودی 300 ہجری 915ء میں سیاحت پر آیا۔ 942ء کے لگ بھگ اپنی تصنیف کردہ کتاب میں ملتان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''یہ بہت سرسبز و شاداب ملک ہے ہر جگہ شہر اور گاؤں آباد ہیں''۔(138)

اصطخری کے ستائیس برس بعد ابن حوقل ملتان آیا:

ابن حوقل بغداد کا ایک تاجر تھا۔ 321ھ میں ایشیا کے ملکوں کا سفر کیا۔ اُس نے ایک قلمی نسخے میں سندھ کا نقشہ بھی دیا یہ ہندوستان کے ایک صوبے کا پہلا جغرافیائی نقشہ ہے جو دنیا میں تیار ہوا۔(139)

وادی سندھ میں ملتان کی حیثیت اور اہمیت

پاکستان کا مغربی علاقہ زمانہ قدیم سے تاریخی اور تہذیبی حوالے سے ایک الگ پہچان رکھتا ہے۔ دریائے سندھ کو وہی حیثیت حاصل ہے جو مصر میں دریائے نیل کو ہے اسی وجہ سے بعض سیاحوں نے اس وادی کو مصر خورد کا نام دیا ہے۔(140)

عبدالحمید بھٹی کا خیال ہے:

"مصر کی طرح سندھ بھی دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں میں سے ایک کی جائے پیدائش ہے جسے وادی سندھ کی تہذیب کہا جاتا ہے۔ وادی سندھ میں "ملتان" ایک ایسا خطہ ارضی ہے جس کی مرکزیت زمانہ قدیم سے مسلم رہی ہے اور اس کی تاریخی اہمیت اس کی قدامت سے واضح ہو جاتی ہے اگرچہ انسانی علم اور تاریخ اس سرزمین پر پہلی بستی کے وجود سے بے خبر ہے تاہم معروف مورخ اور حساب دان البیرونی "کریت یگنا" کا زمانہ حساب نکالنے سے دو لاکھ سولہ ہزار چار سو بتیس (2,16,432) سال قبل مسیح قرار دیتے ہیں"۔(141)

جب کہ کرم الٰہی بدر، معروف محقق فاوچر (Foucher) کے حوالے سے ملتان کی قدامت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ہم ملتان کی قدامت کا انکار نہیں کر سکتے یہ چھ ہزار قبل مسیح موجود تھا اور تیسری صدی قبل مسیح میں جب آریاؤں کے قافلے وادی سندھ میں اترے تو ملتان بری اور آبی دونوں راستوں کے لحاظ سے وادی سندھ کے ممتاز شہروں ہڑپہ اور موئنجودڑو کو ملانے والا مرکزی شہر تھا۔"(142)

"ملتان کے موجودہ مقام پر پہلی بستی کم از کم ساڑھے پانچ ہزار سال مسیح کے لگ بھگ بسائی گئی تھی"۔(143)

اس علاقے میں سات دریا بہتے تھے اس لیے وادی سندھ کو سات دریاؤں کی سرزمین بھی کہا جاتا ہے یہ کہنا بھی بجا ہے کہ جو لوگ اس علاقے میں آئے ہوں گے انہوں نے دریاؤں کے کناروں پر سفر کیا ہوگا اور اپنی بستیاں دریاؤں کے کناروں پر آباد کی ہوں گی۔ علامہ عتیق فکری رقمطراز ہیں:

"جدید تحقیق کی رو سے یہ بات کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ قبل مسیح 3500 سال قدیم قوموں میں سے سومیرین اور ڈراویڈین اور سامی پہاڑی دروں کو پھلانگتے ہوئے مغربی پاکستان کے دریاؤں کے کنارے آئے اور ان لوگوں نے اپنی بستیاں قائم کیں۔ یہ بستیاں دریائے سندھ کے کنارے پنجند کے قریب اور راوی و ستلج کے کنارے ادھر ملتان کے علاقے میں جہاں ایک طرف راوی اور دوسری طرف چناب بہتے تھے پھر جلیل پور اور ہڑپہ تک پھیلی ہوئی تھیں۔"(144)

دلشاد کلانچوی کے مطابق "وادی سندھ کی قدیم قوموں میں دوسری قوم آریا تھے۔ اور یہ ڈیڑھ ہزار قبل مسیح کا زمانہ ہے"۔(145) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند چودھویں جلد کے مطابق "دو ہزار سال قبل مسیح وادی کابل سے گزر کر سندھ کے کنارے ہندوکش کے راستے وادی سندھ میں گروہ در گروہ اتری"۔(146)

کرم الٰہی بدر رقمطراز ہیں:

"آریاؤں نے دریائے سندھ کی مناسبت اس تمام علاقے کو سندھ کہنا شروع کر دیا جو دریائے سندھ سے سیراب ہوتا تھا۔ لورالائی سے روہڑی اور سورت سے راجپوتانہ آریاؤں کی نزدیک سندھ ہے اگر اس علاقے کی پیمائش کی جائے تو مرکز ملتان بنتا ہے۔ اگر ملتان کو مرکز مان کر پرکار بحیرہ عرب تک کھولی جائے تو جتنا علاقہ اس کے اندر ہوگا اس کی طبعی اور لسانی

وحدت ہوگی اور یہی آریاؤں کا سندھ تھا"۔(147)

ڈاکٹر روبینہ ترین لکھتی ہیں:

"خطہ ملتان ہر دور میں اپنی سرسبزی وشادابی کی وجہ سے حملہ آوروں کیلئے پرکشش بنا رہا علاوہ ازیں ہر سیاح اور جغرافیہ دان نے چاہے وہ عرب وہند سے تعلق رکھتا ہو یا یورپ کی سرزمین سے اپنی تصنیف میں اس علاقے کا ذکر کیا ہے"۔(148)

قدیم جغرافیہ دانوں نے ملتان سے صرف ملتان شہر مراد نہیں لیا بلکہ سندھ اور پنجاب کو بھی حدود ملتان میں شمار کیا ہے منشی عبدالرحمان سید سلیمان ندوی کی تصنیف "عرب وہند کے تعلقات" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"ملتان سے مقصود صرف ایک شہر نہیں بلکہ پورا صوبہ ہے جو کبھی پوری ریاست بلکہ سلطنت تھا مصر کے وزیر مہلبی نے چوتھی صدی ہجری میں لکھا ہے کہ اس کی حدود وسیع ہیں پچھم کی طرف مکران اور دکن میں منصورہ (سندھ) تک اس کی وسعت ہے دریائے سندھ کے پاس جو قنوج تھا۔ 300 ہجری میں وہ ملتان میں تھا اس زمانہ میں ایک لاکھ پچپن گاؤں اسلامی ریاست کی حدود میں تھے۔"(149)

ڈاکٹر مہر عبدالحق صوبہ ملتان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"فیروز پور سے سیوستان تک چار سو تیس کوس لمبا اور چتوڑ سے جیسلمیر تک ایک سو آٹھ کوس چوڑا ہے دوسری طرف طول کیچ اور مکران تک چھ سو ساٹھ کوس ہے اس کے خاور رویہ سرکار سرہند سے ملا ہوا ہے اور شمالی دریائے شور میں اور جنوبی صوبہ اجمیر اور باختر اور کیچ اور مکران ہے۔"(150)

"عربوں سے پہلے اور عربوں کی آمد کے بعد جو سیاسی حد بندیاں قائم ہوتی رہتی تھیں اس میں ملتان ہمیشہ سندھ کا حصہ ہوتا تھا دورہ سلطانی میں ملتان صوبے کا صدر مقام تھا اور صوبہ سندھ میں شامل تھا مغل دور میں بھی ملتان اور سندھ میں انتظامی لحاظ سے کوئی تفریق نہ تھی"۔(151)

دنیا کے اہم شہر اپنی طویل تاریخ کے دوران مختلف ادوار میں مختلف ناموں سے یاد کیے جاتے رہے ہیں۔ دہلی کے بیس اور بنارس کے چوبیس اور اسی طرح مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے بھی مختلف ادوار میں مختلف نام تھے۔ منشی عبدالرحمان کے مطابق "ملتان کو مختلف ناموں سے پکارا گیا اس کا پہلا نام "میسان" اور بعدازاں کشپ پور پرہلاد پورہ، سنب پورہ، ہنس پورہ، بھاگ پورہ، مول استھان مالی استھان پورہ، مولتان اور اس خطے کا آخری نام ملتان قرار پایا"۔(152)

ملتان کی تاریخی اہمیت کے بارے میں مولانا نور احمد فریدی لکھتے ہیں:

"اکبر اعظم کے زمانے میں صوبہ ملتان کی حدود کیچ مکران سے ملتی تھیں اور اس کی لمبائی کیچ تک 440 کوس ہوگئی تھی شمال میں کوہستان نمک اور جنوب میں صوبہ اجمیر تک اس کی حدود پھیلی ہوئی تھی۔ مغل دور میں ملتان مملکت ہند کا سب سے بڑا اور عظیم صوبہ تھا۔"(153)

معروف محقق پروفیسر شوکت مغل لکھتے ہیں:

"ملتان ایک پوری سرزمین کا نام ہے جس میں ایک لاکھ بیس ہزار بستیاں تھیں یہ ایک صوبہ نہیں تھا۔ بلکہ ایک ریاست اور سلطنت تھی ملتان کی تاریخ بہت پرانی ہے ملتان دنیا کے نقشے پر اس دن سے قائم ہے جب اس دنیا کی قدیم ترین تہذیبیں یہاں پیدا ہوئیں اور پلی بڑھیں اور یہیں مٹی میں مٹی ہوگئیں آج تاریخ انہیں تہذیبوں کے صرف نام جانتی ہے ٹیکسلا ہڑپہ باکڑہ اور موہنجوداڑو کی تہذیبوں کے صرف نشانات دکھائی دیتے ہیں۔"(154)

ملتان کی قدامت

ملتان دنیا کا قدیم ترین شہر ہے جو روز اول سے تعمیر و تخریب کی کشمکش سے گذر رہا ہے ملتان کا ماضی جتنا قدیم ہے اتنا عظیم بھی ہے۔

اسلامی نقطہ نظر سے دنیا کا سب سے پہلا انسان حضرت آدم کو تسلیم کیا جاتا ہے ان کا ہبوط باتفاق مورخین جزیرہ سراندیپ (لنکا) پر ہوا جس کی توثیق امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب، الامام محمد بن علی الباقر الامام جعفر الصادق کی روایات سے ہوتی ہے جن کو ابن الفقیہ الہمدانی متوفی 279 نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

"وفی الحدیث ان آدم اھبط بالھند علی جبل سراندیب و اھبطت حواء بجدة و ابلیس اللعین بمیسان والحیتہ باصفھان"

حدیث میں ہے:

"آدم ہند میں سراندیپ پہاڑ پر اتارے گئے اور حوا جدہ میں اور ابلیس لعین "میسان" میں اور سانپ اصفہان میں"

ملتان کا سب سے اولین نام "میسان" ہی تھا۔

تاج الدین مفتی کی غیر مطبوعہ "تاریخ پنجاب" جو 1868ء میں لکھی گئی اور مسٹر احمد ربانی کے قلمی کتب خانہ لاہور میں موجود ہے یہ روایت درج ہے کہ "نوح علیہ السلام کے طوفان کے وقت ملتان آباد تھا"۔(155)

ابتداء میں ملتان کا شہر اور قلعہ راوی میں واقع دو جزیروں پر آباد تھے جو اطراف سے تقریباً 150 فٹ کی بلندی پر واقع تھے لیکن مدتوں پہلے راوی نے اپنا راستہ بدل لیا اور مغرب کی طرف چل پڑا اب دریائے راوی 32 میل پرے بہتا ہے۔ راوی کی وہ پرانی گذرگاہ جب یہ ملتان کے تاریخی قلعے کے گرد بہتا تھا آج کل بھی شدید سیلاب کے دنوں میں دیکھی جا سکتی ہے ان شواہد سے سکندر کے مورخین کے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ فاتح اعظم نے بحری جہاز قلعے کے محاصرے کے لیے چاروں طرف پھیلا دیے۔(156)

نامور مورخ البیرونی اپنی کتاب "مالہند" کے صفحہ 155 پر لکھتا ہے:

"گیارہویں صدی عیسوی میں میرے قیام ملتان کے دوران ملتان کے باشندے اسے دو لاکھ سولہ ہزار چار سو تیس سال پرانا بتاتے ہیں۔"

اس کی تائید آثار قدیمہ سے ہوتی ہے جو ملتان اور اس کے نواحات میں پائے گئے ان کی رو سے ماہرین آثار قدیمہ نے اس کی عمر دو لاکھ سال قیاس کی ہے موجودہ تاریخیں اس کی قدامت اس حد تک تسلیم کرتی ہیں کہ دس ہزار سال قبل جب آرین وادی سندھ میں پہنچے تو انہوں نے ملتان کو آباد کیا ہندوؤں کی کتاب رگ وید علم انسانی کی سب سے پرانی کتاب ہے جو ملتان کے علاقہ کے دریاؤں کے کنارے بیٹھ کر کئی صدیوں میں لکھی گئی رگ وید کے اشلوک کا زمانہ مورخین نے چھ ہزار سال سے آٹھ ہزار ق م تحقیق کیا ہے۔

"سات دریاؤں کی سرزمین" کے مصنف ابن حنیف ملتان کی قدامت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اندرون فصیل ملتان کی گلیوں اور سڑکوں پر گذرتے وقت اکثر مجھے خیال آیا کہ ان گلیوں ان سڑکوں کے

نیچے ہزاروں برس پہلے کا وہ ملتان سویا ہوا ہے جو صدیوں تک بار بار اجڑتا اور آباد ہوتا رہا۔"(157)

ملک منیر احمد بھٹہ لکھتے ہیں:

"ملتان شہر قدیم بھی ہے اور یہ کب بسا کس نے بسایا کچھ معلوم نہیں تاریخ میں بھی اس شہر کے بننے بنانے اور بسانے والے کا نہ نام ملتا ہے اور نہ تاریخ میں اس شہر کی بابت جو بات ملتی ہے وہ یہ ہے کہ موسم سرما 325-26 قبل مسیح میں سکندر اعظم اس شہر سے گذرا یہاں پر ملوئی قوم آباد تھی جو بڑی جنگجو تھی یہ شہر ایک بہت اونچے ٹیلے پر آباد تھا اور اس کے گرد بڑی مضبوط چوڑی اور بہت اونچی فصیل تھی اور چھ دروازے تھے۔ سکندر اعظم نے اس شہر کو فتح کرنے کیلئے حملہ کیا ملوئی قوم نے ڈٹ کر مقابلہ کیا کئی دنوں کے بعد پاک گیٹ کے قریب ایک برج (خونی برج) کی فصیل پر سکندر اعظم چڑھنے میں کامیاب ہو گیا اسی جگہ سکندر اعظم کو تیر لگا اور زخمی ہوا سکندر اعظم کی فوج بھی جلد پہنچ گئی سکندر کو بچا لیا گیا شہر فتح ہو گیا سکندر اعظم کے زخمی ہونے کی وجہ سے اس برج کا نام خونی برج رکھ دیا گیا جو آج تک قائم ہے۔"(158)

ملتان ہمیشہ قدیم تاریخی ادوار میں اہمیت کا حامل رہا ہے یہی وہ شہر تھا جسے ایرین کے مطابق سکندر اعظم نے فتح کیا اورنگ زیب کے عہد میں سلطنت کے بقاء کیلئے لڑی جانے والی مہمات کے دوران آرام و سکون کے کچھ دن گذارنے کیلئے ملتان اس کا پسندیدہ شہر تھا۔

آٹھویں صدی کے اختتام میں مسلمانوں نے محمد بن قاسم کی قیادت میں محاصرہ کے بعد اسے فتح کیا (مسلمانوں نے محمد بن قاسم کی قیادت میں ملتان میں آٹھویں صدی کے اختتام کی بجائے اس صدی کی ابتداء میں فتح کیا) محمود غزنوی نے اسے دو سو سال بعد محمد غوری نے 1176ء تیمور لنگ نے 1818ء اور پھر اینگلو انڈین افواج نے اسے جنوری 1849ء میں تسخیر کیا۔(159)

ملتان کی تاریخی قدامت کے حوالے سے علامہ عتیق فکری لکھتے ہیں:

"موہنجوڈرو قدیم قلعہ کہنہ ملتان اور ہڑپہ کے آثار قدیمہ نے اس علاقہ کی تہذیبی اور تمدنی زندگی کے جو ثبوت مہیا کیے ہیں ان مقاموں کی قدامت بابل نینوا اور مصر کے تہذیبی زمانہ کی ہمعصری کی دعویٰ دار ہے"(160)

ابن حنیف ملتان کی قدامت کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں:

"جس اونچائی پر ملتان آباد ہے وہ قدرتی ہرگز نہیں ہے بلکہ ہزار ہا برس کے مسلسل تعمیری اور تخریبی عمل کے نتیجے میں صورت پذیر ہوئی ہے میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ گذشتہ کم از کم پانچ ساڑھے پانچ برس کے دوران ملتان کتنی بار آباد اور برباد ہوا اور یہ تباہ کاریاں دریائی سیلابوں اور حملہ آوروں کی بھی ہو سکتی ہیں۔"(161)

ابن حنیف اپنے مضمون میں رقمطراز ہیں:

"قدیم پاکستانی تہذیبی ارتقاء میں ملتان کے علاقے نے نمایاں کردار ادا کیا طبعی تغیر و تبدل کی بنا کر ہزاروں سال پہلے ملتان کی بستیوں پر موت کے سائے پھیل گئے۔ دریائے بیاس سوکھ جانے سے تمدنی ارتقاء کو شدید دھچکا لگا۔ ملتان کے قدیم نام "ملوہہ" کے نام پر ہی اس کے زیر اثر علاقہ ملوہہ کہلاتا تھا۔ ہزاروں برس پہلے ملتان کو بری اور آبی تجارت میں خصوصی اہمیت حاصل تھی۔"

ملتان کے علاقہ کے قدیم تہذیبی ادوار (162)

قبل از ہڑپائی دور	4000ق م	تا	3000ق م
ابتدائی ہڑپائی دور	3000ق م	تا	2500ق م
عروج یافتہ ہڑپائی دور	2500ق م	تا	1500ق م
جلیل پور	3200ق م	تا	2500ق م

رگ وید میں ملتان کا ذکر

ہری یوپیا کے علاوہ رگ وید میں دو اور شہروں کے نام بھی ملتے ہیں وہ ہیں "ویل استھان" کا اور مہاویل استھان ان دونوں شہروں کا تذکرہ رگ وید کی پہلی کتاب کے 133 ویں گیت میں ہے دونوں ہی شہروں کے بارے میں اندر دیوتا سے استدعا کی گئی ہے۔

"اے بھگوان! (اندر) تباہ شدہ شہر ویل استھان کا اور تباہ شدہ شہر مہاویل استھان میں جادوگرنیوں کے طاقتور غول تباہ کردے"۔(163)

قبل از اسلام ملتان کی اہمیت

قدیم سنسکرت یا برہمی لٹریچر میں ملوہہ یعنی ملتان اور ہڑپہ کے وسیع علاقے کو خاص اہمیت دی گئی ہے اور یہاں کے اہم ترین شہر ملتان کے بارے میں اس لٹریچر میں بہت کچھ لکھا گیا ہے اور یہاں سورج دیوتا کو پوجنے دور دراز کے حصوں سے یاتری آتے تھے یہ بت سورج دیوتا مترا کا تھا اور سونے کا بنا ہوا تھا۔

مذہبی تقدس

منشی عبدالرحمن کے مطابق:

"عہد قدیم میں ملتان سوریہ (سورج دیوتا) کی پوجا کا اہم ترین مرکز تھا" روی استھان" کے مندر میں مترا کا ایک عظیم الشان طلائی بت موجود تھا جس وجہ سے ملتان کفار کا کعبہ بنا رہا جو دور دراز سے اپنے عقیدے کے مطابق حج کے لیے آتے تھے اور اس بت پر سونا چاندی کی بارش کرتے تھے"۔(164)

بعد از اسلام

ظہور اسلام کے ساتھ ہی پہلی صدی ہجری میں ہی خیر القرون کے کی آمد اور اشاعت وتبلیغ دین کی بدولت انوار الٰہی کا مرکز بن گیا علویوں اور اسماعیلیوں کا تبلیغی مرکز بھی ملتان ہی رہا۔ ان کے بعد حضرت شاہ یوسف گردیز نے شمع ہدایت جلائی۔ سلسلہ سہروردیہ کے فیوض وبرکات کا سرچشمہ بھی ملتان سے پھوٹا۔

حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کی دانش گاہ سے ستر ہزار طالب علم ظاہری اور باطنی فیض حاصل کر کے اطراف

عالم میں پھیلے۔ انہی بزرگوں کی کوششوں سے ملتان ہندوستان کا باب الاسلام قرار پایا۔ ملتان میں اولیاء کرام کا ہجوم رہا اس لئے یہ مدینۃ الاولیاء کہلاتا ہے۔

مورخ اسلام سید سلیمان ندوی کے قول کے مطابق ''جو شہر سیاسی مرکز ہوتے ہیں وہاں خیر و شر دونوں جمع ہوتے ہیں جہاں سلاطین کے درباروں سے شر کی پرورش ہوتی ہے وہاں خانقاہوں سے خیر کے چشمے ابلتے ہیں۔ ملتان چونکہ ہر دور میں سیاسی مرکز رہا ہے یہاں ہر زمانہ میں اہل اللہ کا اتنا ہجوم رہا کہ فرشتے بھی اسے سجدہ کرنے لگے''۔

ملتان کی وجہ تسمیہ اور حدود اربعہ

اکثر مورخین اور جغرافیہ دانوں نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ سندھ اور ملتان ایک وسیع علاقے کا نام ہے آج کل جس شہر کو ملتان کہا جاتا ہے اس کے قدیم نام ''پرانوں'' کے مطابق کیشپ پوری تھا۔

غالباً اس زمانہ کے مشہور راجہ ہرنیہ کیشو کے مارے جانے پر اس کا لڑکا بھگت پر ہلاد سلطنت کا مالک ہوا تو اس کے نام پر ہلاد پوری رکھا گیا بعض مورخین نے اس کا سب سے قدیم نام بھاگ پور بھی لکھا ہے اور اس کے بعد سامب پور بھی ہوا۔(165)

جب ہم جغرافیہ حدود العالم کا جس کا مصنف چوتھی صدی ہجری میں ہوا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مول استھال کسی شہر کا نام نہیں تھا بلکہ ایک پوری سرزمین کا نام تھا۔

جس کی حدود میں ایک لاکھ بیس گاؤں تھے جس کی سرحد اتنی وسیع تھی کہ ایک طرف تو علاقہ کشمور یعنی مغربی ملتان اور دوسری طرف مشرق میں لاہور سے آگے جالندھر تک حدود ملتان میں شامل تھا۔ ادھر جنوب میں بیکانیر وغیرہ بھی شمار ہوتا تھا۔(166)

ممتاز محقق حنیف چودھری کے مطابق:

احمد نبی خاں البیرونی کے حوالے سے دلائل دیتے ہیں کہ کشمیری شہزادات پال اپنی کتاب مسمتھا/مسمیتا میں لکھتے ہیں کہ ''اس شہر کا نام تبدیل ہوتے ہوئے خصوصاً ''یگ'' کے دوران ہنس پور اپڑ گیا''۔(167)

مجید وندہ اپنی ڈکشنری میں لکھتے ہیں:

''ہندو جغرافیہ کے مطابق بعہد اساطیری راجہ پرتھو نے تمام زمین کے سات حصے کیے اور ہر حصے کا علیحدہ نام رکھا جس میں ایک حصے کا نام ''جمبو دیپ'' تھا سنسکرت میں جمبو دیپ کے معنی بھرت ورش (اقلیم بھارت) کے ہیں۔ بھارت ورش میں دریاؤں کے کنارے جہاں آریہ بھرت برش رہتے تھے ان میں ماول ستھ (مہاسل ستھان) ہرے پاپاوالستھا (ویل استھان) اور نرماتی (نرمتی) شامل ہیں۔''(168)

سرائیکی زبان کے اوصاف ومحاسن

سرائیکی عربی اور فارسی کی طرح ایک کثیر الاوصاف زبان ہے۔ ان اوصاف میں سلاست، حلاوت، لطافت، جاذبیت، غنائیت، سذاجت، وسعت، قدامت، بیسارت، لجاجت، اثر پزیری اور بے ساختہ پن قابل ذکر ہیں۔ یہی وہ اوصاف ہیں جن کی بنا پر یہ ایک بڑی زبان بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ انہی اوصاف کی بنا پر یہ ہر دلعزیز اور مقبول عام زبان بن گئی ہے اس کے یہ اوصاف ایک دم نمودار نہیں ہوئے بلکہ زمانے کے طویل تسلسل نے اسے رفتہ رفتہ عطا کیے ہیں۔ سندھ میں مسلمانوں کی آمد اور محمد بن قاسم کی فتح کے بعد عربی زبان بھی آ گئی عربوں کے مقامی لوگوں کے ساتھ بول چال کے ذریعے بے شمار الفاظ سرائیکی زبان میں جذب ہو گئے اور عربی کو سرکاری زبان کی حیثیت حاصل ہو گئی۔

عربی زبان کے سرائیکی پر بہت سے اثرات مرتب ہوئے بہت سے الفاظ مشترک ہو گئے اور دوسرا سرائیکی زبان میں بے شمار عربی الفاظ تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ بولے جانے لگے مثلاً بصل (وصل)، ماشاء اللہ (شالا) وغیرہ، عربی کا سرائیکی پر اس قدر گہرا اثر ہوا کہ عربی کے خاص حروف بھی اس زبان کا حصہ بن گئے جیسے۔ ث، ص، ض، ط، ظ، ع، غ، ق وغیرہ اور یہاں عربی رسم الخط نسخ کو رواج ملا۔

وادی سندھ میں ایرانی اثرات کا آغاز 521 ق م میں ہوا۔ جب دارا اول نے ملتان اور سندھ کو اپنی سلطنت میں شامل کیا لیکن حقیقی اثرات مسلمانوں کی آمد کے بعد شروع ہوئے۔ مغلیہ دور میں فارسی کا دور دورہ رہا۔ ملتان میں عربی کے ساتھ ساتھ فارسی بھی بولی جاتی رہی اور پھر آہستہ آہستہ عربی کی جگہ فارسی نے لے لی۔ فارسی زبان نے سرائیکی میں صرف دخیل الفاظ کا اضافہ نہیں کیا بلکہ اس کے حروف تہجی میں بھی اضافہ کیا جیسے چ، ژ اور گ۔ (169)

عربی کی طرح فارسی کے الفاظ بھی دو طرح سے سرائیکی میں داخل ہوئے ایک تو حقیقی حالت میں اور دوسرا تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ مثلاً اختہ (اختہ)، بادی (بادی) بانگ (بانگ)، بخت (بخت)، ابتری (ابتری) وغیرہ۔ سندھی اور سرائیکی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ان دونوں کا آغاز، مزاج اور ادبی ورثہ ہزاروں سالوں سے مشترک ہے۔ سرائیکی زبان کے سندھی کے ساتھ جغرافیائی اور ثقافتی روابط ہیں۔

سرائیکی اور سندھی میں دو الگ الگ زبانیں ہونے کے باوجود بہت سارا لسانی اشتراک ہے۔ ان زبانوں کے اضافی حروف تہجی ب، ج، ڈ اور گ مشترک ہیں۔ فاعلی لاحقے اور مصادر ایک جیسے ہیں اور ان کے الفاظ کا ذخیرہ تقریباً نوے فیصد ایک جیسا ہے۔

سرائیکی کا ایک مخصوص کلچر ہے یہاں کئی حملہ آور آئے ظلم و ستم کیا قتل و غارت کی لوٹ مار کی۔ ان وجوہات کی بنا پر مغلوب اور مقہور کلچر پروان چڑھا ہے۔ وسط ہند کے مقابلے میں یہاں کا کلچر محکومیت کی علامت بنا رہا ہے مزید یہ کہ اس علاقے پر سلاطین دہلی مغلیہ خاندان اور انگریزوں نے حکومت کی اس حوالے سے سیاسی اثرات بھی مرتب ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے سرائیکی بولنے والوں کے علاقے کو کبھی سکھ نصیب نہیں ہوا۔ جنگ وجدل کی کیفیت نے باسیوں پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں جو ان کی زبان پر بھی ہوئے۔

سرائیکی علاقے میں اشاعت اسلام شروع ہوئی تو عربی زبان کے اثرات کے ساتھ ساتھ قرآن و حدیث کی تعلیم

کی برکات کے اثرات بھی مرتب ہوئے۔ یہ علاقہ صوفیاء کا مسکن رہا تصوف اور صوفیانہ شاعری سے مذہبی رجحانات پختہ ہوئے تاہم ہندو کلچر کے اثرات بھی نمایاں ہیں۔ رسومات کے حوالے سے سرائیکی زبان میں سہرے بھی اسی کلچر کا حصہ ہیں علاوہ ازیں ہندی زبان کے اثرات بھی نمایاں ہیں۔

سرائیکی زبان بہت سے اوصاف سے بہرہ ور ہے جن میں سے کچھ یہ ہیں۔

حلاوت

سرائیکی زبان کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ اس میں کمال درجے کی حلاوت اور مٹھاس ہے۔ یہ شہد سے بڑھ کر میٹھی ہے اس کے ایک ایک لفظ کے اندر شیرینی اور مٹھاس ہے۔ نظم میں تو مٹھاس ہے ہی نثر میں بھی مٹھاس ہے اور کوئی ایسی صنف نہیں جس میں شیرینی نہ ہو امید ملتانی کا یہ فرمانا بجا ہے کہتے ہیں: (170)

ایہہ حرف پیاردا رس ہر جگہ ڈِون گھولی
ایہہ لفظ ریشمی لجیاں دی پئی ڈِون چولی
ذرا زبان تے گھن آ تاں سہی ایکوں سوہناں
ایہہ ماکھی وانگ ہے مٹھی سرائیکی بولی

''گلاسری آف ملتانی لینگویج'' میں ای او برائن اسی حلاوت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''ملتانی زبان جھونپڑوں سے اٹھتے ہوئے دھوئیں اور گندم کے آٹے کی سوندھی سوندھی خوشبوؤں میں لپٹی ہوئی ہے یہ زبان مشرقی ہندوستان کی مصنوعی اور جکڑی ہوئی زبانوں کی نسبت لامحدود طور پر زیادہ قدرتی اور دلکش ہے۔۔۔۔۔ یہ ایک ایسی زبان ہے جو اپنی خاردار راہگزاروں سے محبت رکھتی ہے لیکن اس کی فضائیں اس سحر سے معمور ہیں جو جھاڑیوں میں اگے ہوئے صحرائی پھول پیش کرتے ہیں ایسے پھول جن کا سادہ اور غیر ملوث حسن بناوٹی گلدستوں کی شان و شوکت سے زیادہ دلفریب ہوتا ہے''۔(171)

سرائیکی زبان کی حلاوت ہر کوئی تسلیم کرتا ہے کہ اس وصف کی وجہ سے یہ زبان پر کشش ہے اور اس کی ادبی چاشنی اپنی مثال آپ ہے اس حوالے سے خواجہ غلام فریدؒ کے کافی کے دو اشعار ملاحظہ فرمایئے: (172)

میڈا ذکر وی توں میڈا فکر وی توں
میڈا ذوق وی توں وجدان وی توں
میڈا سانول مٹھڑا شام سلونڑاں
من موہن جانان وی توں

ان اشعار میں سرائیکی زبان کا خاص وصف حلاوت نمایاں ہے شعری حسن صوتی حسن محبوب کے حسن کو دوبالا کر رہا ہے۔ شاعر ذکر، فکر، ذوق اور وجدان کو بھی محبوب سے تعبیر کرتا ہے اور اپنے سانول (محبوب) کی توصیف بھی نہایت شیریں انداز میں کرتا ہے جہاں محبوب دل موہ لینے والا ہے وہاں شاعر کا کلام بھی دل موہ لیتا ہے۔ اسی طرح سرائیکی زبان کے منفرد شاعر جناب جانباز جتوئی کا کلام ملاحظہ ہو:

کجھ نہ تھیوی ڈھول کنڈاہیں

آوس میڈے کول کڈاہیں
میں مٹھڑی دے نال وے ڈھولا
مٹھڑا مٹھڑا بول کڈاہیں

یہ بھی حلاوت اور مٹھاس کی عمدہ مثال ہے اور یہ بات ہر کوئی مانتا ہے کہ یہ میٹھی نرم لہجے والی زبان ہے اور اسے سن کر ایسا لگتا ہے جیسے بولنے والے کے منہ سے پھول جھڑ رہے ہوں۔ اس کی نرمی ایسے رس گھولتی ہے کہ کوئی ثقیل لہجہ یا کرخت لفظ اس زبان میں آ کر اپنی کرختگی قائم نہیں رکھ سکتا بلکہ موم ہو جاتا ہے اور ایسی شکل میں ڈھل جاتا ہے جو بولنے والے کو راحت، سکون اور مزہ ملتا ہے۔ سرائیکی زبان اس حد تک میٹھی ہے کہ دوسری زبانوں کے سخت الفاظ شہد کی طرح میٹھے لگنے شروع ہو جاتے ہیں۔

سلاست

سرائیکی زبان ایک بہت بڑے ادبی ورثے کی مالک ہے۔ یہ زبان اگرچہ وقت کے ہاتھوں پستی رہی مگر اس کا ادبی ورثہ کسی بھی بڑی زبان سے کم نہیں ہے۔ بڑی زبان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہوتی ہے کہ اس کے بولنے والے کو کسی بھی قسم کے جذبات کے اظہار میں مشکل محسوس نہ ہو وہ جو کچھ محسوس کرے اسے اسکی زبان الفاظ کا روپ دے دے۔

اس زبان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں سلاست ہے روانی ہے ایسے لگتا ہے جیسے دریا کا پانی پوری آب و تاب کے ساتھ رواں دواں ہے۔ یہ قاری کی ذہنی سطح کے مطابق ہے اس کے کلام میں سکتہ نہیں آتا رکاوٹ نہیں آتی ایک زنجیر کے سلسلے کی طرح الفاظ جڑے ہوئے ہیں مثال کے طور پر: (173)

ہن تھی فریدا شاد ول
موجھاں کوں نہ کر یاد ول
جھوکاں تھیسن آباد ول
اے نیں نہ واہندی ہک منڑیں

مندرجہ بالا اشعار میں روانی اپنی مثال آپ ہے۔ تمام الفاظ موتیوں کی طرف جڑے ہوئے ہیں اور یہ سرائیکی زبان کی صلاحیت ہے کہ اس کا ذخیرہ الفاظ بہت وسیع ہے ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنی ہیں قادرالکلام شاعر جس طرح چاہتا ہے انہیں استعمال کر لیتا ہے جیسا کہ ان اشعار میں سلاست عیاں ہے۔ سرائیکی شاعری کا یہ انداز دل کو موہ لیتا ہے قاری کے دل پر گراں نہیں گذرتا قاری کو سوچنے کا موقع نہیں ملتا۔ وہ ایک ہی نشست میں سب کچھ پڑھنا چاہتا ہے جب تک وہ سلاست اور روانی سے متصف تحریر پڑھ نہ لے اسے چین نہیں آتا سلاست اور روانی کی مثال ملاحظہ فرمائیں:

دلڑی کھس گئے کھلدیں کھلدیں
کر بے وس گئے کھلدیں کھلدیں
اوندے دل دی منشا میکوں
جوگی ڈس گئے کھلدیں کھلدیں

ان اشعار میں دریا جیسی روانی ہے انداز بھی سادہ اور دلکش ہے ادبی چاشنی بھی موجود ہے۔ نثر کی نسبت نظم زود اثر

ہوتی ہے اور اس غزل کے اشعار میں یہ خصوصیت نمایاں ہے اس حوالے سے نامور شاعر محسن نقوی کا کلام ملاحظہ فرمائیں:

کدی جگ رس گیا وس روندیں روندیں
کدی ہاں ہُس گیا وس روندیں روندیں
میڈی تصویر دو کنڈ کر کے سم پے
سرانا پُس گیا وس روندیں روندیں

یہ بھی سلاست اور روانی کی عمدہ مثال ہے اس میں ٹھہراؤ یا سکتہ نہیں ہے ایک تسلسل کے ساتھ شعری حسن پیدا کیا گیا ہے ہُس اور وَس میں پیش اور زیر سے معنی بدل جاتے ہیں۔ یہ ایک الگ حسن ہے سرائیکی شاعری میں بے شمار مثالیں ایسی ہیں وہ نظم میں بھی ہیں اور نثر میں بھی۔ سلاست و روانی سرائیکی زبان و ادب کا اہم وصف ہے جو اس زبان کی مقبولیت کا ایک سبب بھی ہے اور یہی ایک بڑی اور زندہ زبان کے قدیم اور عظیم ہونے کا ثبوت ہے۔

غنائیت

غنائیت اور موسیقیت بھی کسی بڑی زبان کی اہم خصوصیت ہوتی ہے۔ سرائیکی زبان میں یہ خصوصیت بدرجہ اتم پائی جاتی ہے اس میں سوز ہے ترنم ہے اس زبان کے ادب میں اس قدر غنائیت ہے کہ ساز کی ضرورت نہیں رہتی مثال کے طور پر ملک الشعراء، فردوسیٔ وقت جناب خرم بہاولپوریؒ کی یہ کافی ملاحظہ ہو: (174)

دشمن تاں ڈیندن اینویں لا
پھکیاں نہ چا بھڑکیاں نہ کھا
کملا نہ تھی ڈر رب کنوں
دھندیاں نہ گھت دھاندل نہ تا
قسمت جو میں تے کاوڑی
گھر مونجھ کھلدی آوڑی
جاتس جو ہے بے پاوڑی
جو وس لگیس گئی رت ٹروا

اس کافی کے ایک ایک لفظ میں موسیقیت ہے، ردم ہے۔ اگرچہ شاعر بھی قادرالکلام ہے مگر زبان کا حسن بھی اپنی جگہ ہے۔ سرائیکی زبان کا ذخیرہ الفاظ بہت وسیع ہے اور اس کے علاوہ بہت بڑا نثری اور شعری خزانہ بھی موجود ہے۔

جس شاعری میں غنائیت ہو وہ دلوں پر بہت اثر انداز ہوتی ہے اور جب شاعری کے ساتھ موسیقی بھی ہو سونے پر سہاگہ اور یہی حال سرائیکی شاعری کا ہے جیسا کہ اس کافی میں سرائیکی زبان کی ادبی چاشنی اور غنائیت کا حسین امتزاج ہے اور یہی وجہ ہے۔ پوری دنیا میں سرائیکی شاعری موسیقی کے انداز میں بہت پسند کی جاتی ہے اور اس کی مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ خواجہ غلام فریدؒ کا کلام بھی غنائیت کا عمدہ نمونہ ہے جیسے یہ کافی ملاحظہ ہو: (175)

میڈا عشق وی توں میڈا یار وی توں
میڈا دین وی تو ایمان وی توں

میڈا جسم وی توں میڈی روح وی توں
میڈا قلب وی توں جند جان وی توں
میڈا کعبہ قبلہ مسجد منبر
مصحف تے قرآن وی توں
میڈے فرض فریضے حج زکوتاں
صوم صلوٰۃ اذان وی توں
میڈی زہد عبادت طاعت تقویٰ
علم وی توں عرفان وی توں

ان اشعار میں موسیقیت نمایاں ہے۔شاعر نے اس طرح کلام تحریر کیا ہے کہ ساز کی ضرورت نہیں رہتی۔سوز بھی اپنی جگہ نمایاں ہے۔انیس اور دبیر اردو مرثیے کے شہنشاہ لیکن سرائیکی دبیب کی دکھ بھری زمین پر جو مرثیہ پروان چڑھا وہ مرثیہ سوز اور درد سے خالی نہیں اسی طرح سرائیکی زبان کی شاعری کی تمام اصناف اپنے شعری اور صوتی حسن کی وجہ سے بینظیر ہیں۔سرائیکی ڈوہڑہ، کافی، غزل اور خاص طور پر لوک گیت موسیقیت سے آراستہ ہیں۔

یہ غنائیت نظم میں تو ہے ہی سرائیکی زبان کا نثری ادب بھی اس وصف سے خالی نہیں مثال ملاحظہ فرمائیے پروفیسر ڈاکٹر صدیق شاکر ''ہنجوں ہٹ ہٹ'' کے ایک افسانے ''پولے'' میں لکھتے ہیں:

''ایہا آکھ کے اوں ٹھڈا ساہ بھریا تے ول ہٹ ہٹ روون پے گئی اوڈ کھ کولوں بھر بج گئی ہے۔اوندے متھے تے حسن دی چانن کھنڈ ابئی۔ مونھ تے رت وٹیندی پئی ہئی بھاں ویں سارے مونھ دے دوھر آ گئے ہن جیویں غلاب دا پھل کماونجے تاں اوندے پتر کیٹھے تھی ویندن ایہ دوھر ہڈ چھپے دے حسن، رنڈیپے دے حسن جیوں کہیں عنگر دا پے مرونجے ول اوندے تے وخت پے ونجے جیڑھا حال اوندا تھیندے اوھوایں بھوری دا ہئی''۔(176)

لطافت

لطافت نفاست کو کہتے ہیں۔لطافت کسی چیز میں بھی ہو اس کو حسین اور پرکشش بنا دیتی ہے اور جس کلام میں نفاست پیدا ہو جائے وہ ہر دلعزیز اور مقبول عام کلام بن جاتا ہے نظم ہو یا نثر لطافت ہر ایک کا زیور ہے لطافت لفظوں سے شروع ہوتی ہے اور معنی تک چلی جاتی ہے لفظ ثقیل نہ ہوں عام فہم ہوں صوتی حسن کے حامل ہوں۔

الفاظ کے چناؤ کے ساتھ تخیل کی پرواز بھی ہو تو سونے پر سہاگہ کلام دو آتشہ ہو جاتا ہے۔اسی چیز کا نام لطافت ہے کہ قاری کیلئے کلام بوجھ نہ بنے۔لطیف کلام وہ ہوتا ہے جسکے پڑھنے اور سننے کے بعد طبیعت مقدر نہ ہو طبیعت پر گراں نہ گذرے۔سرائیکی زبان میں یہ حسن با کمال ہے جسے پروفیسر ڈاکٹر صدیق شاکر کے افسانوی مجموعے ''ہنجوں ہٹ ہٹ'' میں افسانہ ''جھورا'' کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''لاڈ ونیں جوانی چاتی ڈیکھن آلی ہئی رنگ رنگ وچ سوہنپ ماندا نہ ہا۔قدبت ساں واں رنگت سانولی سلونی منہ چندر دی کار گول متھا وڈا کھاڈی نکی ڈند جھکے نک اچا ہوٹ پتلے پتلے، گلھاں اُبھریاں ہویاں

کھونے پٹھے اوئے اکھیں دے چیر وڈے وڈے بھر بھٹیاں دے وال پکلے پکلے پر سردے وال ونگرے تے
لمے ہن ہر ویلھے مونھ تے رت وٹیندی اوئی جیڑھا ڈیکھے بس ڈیدھائی رہ ونجے"۔(177)

اس اقتباس کے ایک ایک میں لفظ میں لطافت موجود ہے۔ فاضل مصنف الفاظ کا انتخاب اور تخیل بڑے عمدہ اور دلکش طریقے سے کرتے ہیں۔ اس سے یہ بات نمایاں ہوتی ہے کہ اچھے لکھاری لطافت کو پیش نظر رکھتے ہیں تا کہ قاری کی طبیعت بوجھل نہ ہو لطیف کلام وہی ہوتا ہے جو قاری کے دل پر بوجھ نہ بنے سرائیکی زبان کی لطافت کی مثال منظوم ترجمے میں ملاحظہ فرمایئے مشہور شاعر اقبال سوکڑی اپنی کتاب "اٹھواں آسمان" میں ایک دوہڑہ میں لکھتے ہیں۔(178)

تیڈی یاد صحیفہ پیار دا ہے جیڑھا دل دے دے اندر لاتھے تھیا
ساڈیاں پلپیاں ہن ون ساحل دے اکھ نال سمندر لاتھے تھیا
تہوں من دے وچ بھگوان لتھے من میت دا مندر لاتھے تھیا
نہ ڈیکھ اقبالؔ دا ہتھ جوگی اتھ سیت سکندر لاتھے تھیا

اس ڈوہڑے کے تمام الفاظ کو ایک لطیف جذبے کے تحت منتخب کیا گیا ہے۔ محبوب کی یاد کو پیار کا صحیفہ کہا گیا ہے اور وہ دل کے اندر ہر وقت موجود ہے آنکھوں کی پلکوں کو سمندر کے ساحل کے درخت سے تشبیہ دی گئی ہے اور پھر جس طرح ہاتھ کو سکندر اعظم کی قسمت سے موازانہ کیا گیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس ڈوہڑے کے چاروں مصرعے لطافت کو نمایاں کرتے ہیں اور سرائیکی زبان کے لطیف جذبات کا حسن دوبالا کرتے ہیں اقبال سوکڑی کی ایک مزری نظم ملاحظہ ہو:(179)

ساڈے اندر کوئل کوکدی
ساڈے باہروں کرکن کاں
ساڈے پیریں پڈ دیاں سانگیاں
ساڈے تن تیں دُھپ نہ چھاں
ساڈا کون رکھیسی ناں

اس نظم کے شاعر نے سرائیکی زبان کی خصوصیت لطافت اور نفاست کو پیش نظر رکھا جس سے کلام نفیس ہو گیا ہے۔

جاذبیت

جاذبیت کشش کو کہتے ہیں۔ کلام میں کشش اس وقت پیدا ہوتی ہے جب الفاظ کا چناؤ خوبصورت ہو اور موزوں ہو۔ تخیل انوکھا اور پرکیف ہو موزونیت سے بھی جاذبیت پیدا ہوتی ہے، جس طرح حسین صورت اسے کہتے ہیں جس میں نین و نقش موزوں ہوں اسی طرح کلام میں بھی جاذبیت اس وقت پیدا ہوتی جب اس میں موزونیت ہو۔ سرائیکی زبان کو یہ خداداد وصف حاصل ہے کہ اس میں کمال جاذبیت ہے۔ لفظ کی جہاں ضرورت ہوتی ہے وہیں بولا جاتا ہے سرائیکی زبان و ادب میں نثر ہو یا نظم دونوں میں کماپ جاذبیت پائی جاتی ہے مثالیں ملاحظہ فرمایئے سرائیکی شعری مجموعے "اجرک" کے مصنف ڈاکٹر نصر اللہ خان نظم ریت دی پت میں لکھتے ہیں: (180)

ایں توں پہلے جو ساری وتی وچ

تیڈے میڈے ایں پیار دیاں گالھیں
چارے پاسے کھنڈر ونجن تے سکیں
جھتیں وی اے چور گپ ساکوں
گیت ڈیوے چا اژدھے وانگوں
سن تے ساڈے ملاپ دے قصے
خلق انگلیں کوں منہ دے وچ پاوے
شرماں والیں کوں لاج پئی آوے
ایں نہ اپنی وفا کوں عام کروں
سوہنی وستی دی ریکیں ریتیں دا
کیوں نہ آپاں وی احترام کروں

اس معرّیٰ نظم میں ڈاکٹر نصر اللہ خان ناصرؔ نے خوبصورت تخیل کے ساتھ موزوں الفاظ کو منتخب کیا ہے جس سے کلام میں جاذبیت پیدا ہوئی ہے۔ شاعر نے اپنے محبوب سے بڑے پیار اور محبت کے ساتھ گفتگو کی ہے اور سرائیکی وسیب کے رسم و رواج موزوں انداز میں یاد دلایا ہے کہ ہمیں ان کی قدر کرنی چاہیے محبوب کو سمجھانے کا یہ انداز جاذب اور پر کشش ہے۔

اب نثری ادب میں جاذبیت کی مثال ملاحظہ ہو سرائیکی زبان کے نامور افسانہ نگار ظفر لشاری ''تتیاں چھانواں'' میں اپنے افسانے ''بھنی رت'' میں لکھتے ہیں:

''رنڈیپے دی گھم نال اوندے من موہݨے چہرے دی رتا بجن سوبھ تے ابر گئی تھی، گئی ہے حالات دی اندھاری ادھوں سکے پتراں وانگیں اُڈا تے ہک ایجے کنڈیالے رستے تے آسٹیا ہا جتھاں گذرے وہاݨے ویلے دیاں یاداں وچھوڑے دیاں سانگاں تے موجھ دے ناگاں کنوں ڈنگیجن دے نال نال ڈیرانی دے مندے مہݨے پچھاتاں تے ڈیردے ظلم تلے لتڑوجیجناں پوندا ہا''۔(181)

اس پیراگراف میں فاضل افسانہ نگار نے الفاظ کا انتخاب بہت ہی منفرد انداز میں کیا ہے۔ تشبیہ اور استعارے کا استعمال بھی خوب ہے الفاظ اور جملے موزونیت کے حوالے سے نہایت پر کشش ہیں اور منظر کشی اپنی مثال آپ ہے یہ وصف سرائیکی نثر یا نظم کو جاذب اور پر کشش بنا دیتا ہے۔

قاری اس کو پڑھنے سے نہیں اکتاتا اور وہ ایک ہی نشست میں پڑھنے پر تیار ہو جاتا ہے المختصر سرائیکی نثر یا نظم کی ہر صنف میں کمال جاذبیت پائی جاتی ہے جو اسے ممتاز زبان بناتی ہے۔

سذاجت

سذاجت، سادگی کو کہتے ہیں سرائیکی زبان شاہی زبان نہیں نہ تو یہ اردو کی طرح لشکری زبان ہے اور نہ فارسی کی طرح درباری زبان ہے بلکہ فقیروں اور غریبوں کی زبان ہے ایسے کلچر میں پروان چڑھی جس کا اوڑھنا بچھونا سب سادہ لوگ سادہ ہے سادہ غذا کھاتے ہیں سادگی ان کا اوڑھنا ہے یہی سادگی ان کی زبان میں بھی جھلکتی ہے۔

زبان دراصل کلچر کی امین ہوتی ہے اور کلچر اس کا عکاس اور آئینہ ہوتا ہے۔ کلچر سادہ تو زبان بھی سادہ، زبان کلچر کا

ایک جزو لاینفک ہے۔

زبان کے بغیر کلچر بنتا ہی نہیں سرائیکی زبان اپنے کلچر سے جدا نہیں۔ جس کلچر میں سادگی کوٹ کوٹ کر بھری ہو اس کی زبان کیونکر سادہ نہ ہوگی آیئے ہم آپ کو سرائیکی ادب میں سادگی کے نمونے دکھائیں جو سرائیکی کلچر کی سادگی کے عکاس ہیں مثال کے طور پر یہ لوک گیت ملاحظہ فرمائیں۔

بوچھن ڈورے دا پتاں تے لوڑھ آئی آں
پچھوں دیاں تانگاں روندے ڈھول کوں چھوڑ آئی آں
میڈے بوچھن دا رنگ کالا
میڈا ماہی شرماں والا

اس گیت میں کیم خواب کی بات نہیں سونے چاندی کی بات نہیں بلکہ ڈورے کی بات کسی قیمتی چیز کا ذکر نہیں ہے۔ سادہ ڈورے کا ذکر ہے اور دوپٹہ کا رنگ بھی کالا بتایا گیا ہے یعنی رنگ میں بھی سادگی ہے۔

یہ لوک گیت صدیوں سے سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے چلے آئے ہیں ان سے سرائیکی کلچر بھی نمایاں ہوتا ہے اور سرائیکی لوک ادب کی سذاجت بھی سامنے آتی ہے اور ان گیتوں کے اندر سادگی نے اس کو چار چاند لگا دیے ہیں۔

احمد خان طارق درویش اور صوفی منش شاعر ہیں سذاجت کے حوالے سے ان کا دوہڑہ ملاحظہ فرمائیں۔(182)

اساں لکھیاں پڑھ پڑھ انج رہ گئے چل کہیں دے کول نماز پڑھوں
ہتھ بدھ بھانویں ہتھ کھول پڑھوں اے بھول نہ بھول نماز پڑھوں
ہتھ تسبیح مسجد رقص کروں پا گل وچ دول نماز پڑھوں
جتھاں طارق وڈکے نہ ہوون اوہا مسجد گول نماز پڑھوں

اس ڈوہڑے میں شاعر نے سادگی کو پیش نظر رکھا ہے اور اپنے باطنی تجربے کو اجتماعی مقصد کی بنیاد بنا کر ایک اعلیٰ نصب العین کے حصول کی طرف پیش قدمی ہے۔ نماز کی فروعی مسائل کی طرف سادگی کے ساتھ اشارہ کیا ہے سذاجت کی ایسی مثالیں دوسری زبانوں میں کم ملتی ہیں۔ سرائیکی غزل میں بھی سذاجت کا رنگ نمایاں ہے اللہ بخش یاد کی غزل ملاحظہ ہوں:۔

الٹا درد جگیندے بیٹھو
واہ ساکوں پرچیندے بیٹھو
دل دی گھنڈی اوئیں ہے پئی
اکلے ہاؤں الویندے بیٹھو
تساں تے دل توڑ بھیجو
تیں سئیں کیا فرمیندے بیٹھو

ان اشعار میں بہت سادہ الفاظ کا انتخاب کیا گیا ہے اور چھوٹی بحر کی اس غزل میں سذاجت نے کلام کو پرکشش بنا دیا ہے۔ سادہ انداز میں محبوب کے سامنے کلام کیا گیا ہے اس سے سرائیکی کلچر اور زبان و ادب میں سذاجت نمایاں ہوتی ہے۔

وسعت

سرائیکی زبان ایک وسیع و عریض علاقے میں بولی جاتی ہے جس طرح سے اس کا وطن وسیع ہے اسی طرح اس زبان میں وسعت ہے۔ زبان اپنے بولنے والوں کے ساتھ ہوتی ہے اس کے بولنے والے ہر پیشے سے منسلک ہیں بکریوں کے چرواہوں سے لیکر نقاشوں تک موجود ہیں ہر پیشے کی اپنی زبان ہوتی ہے اپنی اصطلاحات ہوتی ہیں سرائیکی زبان میں انہی کی وجہ سے ایک وسعت موجود ہے۔

سرائیکی زبان جام وجم کی زبان نہیں اس میں عربی کی طرح وسعت ہے اس میں اردو سے بھی زیادہ وسعت ہے یہ عوام کی زبان ہے ایک بات کہنے کیلئے اس زبان میں کئی کئی لفظ موجود ہیں بولنے والا جو چاہے استعمال کرے مثلاً

صبح سویرے کیلئے اس زبان میں ایک کی بجائے بہت سارے الفاظ موجود ہیں پرابا کھ پرا پچھی پیسہ پرکھ نورظہور، وڈا ویلا، بانگ ویلا، نماز ویلا صباحیں، سحور ویلا، اسی طرح اگر جانوروں کے نام دیکھیں تو عمر کے ساتھ ساتھ نام بدلتے جاتے ہیں بکری کیلئے اردو میں صرف ایک لفظ ہے جبکہ سرائیکی میں پیدائش کے فوراً بعد کو تجل جائی، اس کے بعد سکی پھوڑ، پھرمیسی، ہوند، نیش، جوگی، جھیرٹ، لیلی، گیس، پٹھ، چھترا، پہارو، چھلوٹ، چھیلا، اوھ کھڑ، بکری، یا بکرا جیسے کئی لفظ موجود ہیں۔

اونٹ کیلئے دس پندرہ الفاظ ہیں بیل کیلئے عربی زبان کی طرح اس زبان میں ایک لفظ کے کئی متبادل لفظ ملتے ہیں۔ اردو زبان میں ایک لفظ ندی ہے سرائیکی میں اس کو نالا واہ کسی، لینگھا اڈ مائنر جانے کتنے نام پکارے جاتے ہیں۔ کھجور کیلئے سرائیکی زبان میں پنڈ، ونڑ، ڈوکا، چچل، گندوڑا، ڈینڈا، قتل، چیرتویں لوٹی، سوک، کھتی جیسے کئی الفاظ ملتے ہیں۔ سرائیکی زبان کی اسی وسعت کو دیکھ کرا ے" گلاسری آف ملتانی لینگوئج" کے مصنف ای او براؤن رقمطراز ہیں۔

"میں نے کھجور کیلئے 26 لفظ جمع کیے ہیں لیکن اب میں نے کئی اور لفظ بھی معلوم کر لیے ہیں اس زبان میں خاص طور پر زراعت کے متعلق ہر عمل کیلئے الگ الگ نام ہیں"

کنویں کے ایک ایک حصے کے الگ الگ نام موجود ہیں اس کیلئے اردو میں صرف ایک لفظ" راہٹ" استعمال کیا جاتا ہے اس کے مختلف حصوں کے الگ الگ نام نہیں ہیں جبکہ سرائیکی زبان میں 'چکل' 'گادھی' 'ڈھینڈا' 'نسار' 'پاڑ' 'چھا' 'لٹا' 'کن' 'چکلی' 'مال' 'لوٹے' وغیرہ جس حصے کو دیکھوں اپنا الگ نام رکھتا ہے سرائیکی شاعری میں بھی بڑی وسعت ہے سلطان العارفین حضرت سلطان باہو کا یہ بیت ملاحظہ ہو:

الف: ایہ تن میرا چشماں ہووے تے میں مرشد ویکھ نہ رجاں ہو
لوں لوں دے مڈھ لکھ لکھ چشماں ہک کولاں ہک کجاں ہو
اتنا ڈٹھیاں صبر نہ آوے ہور کتے ول بھجاں ہو
مرشد دا دیدار ہے باہو مینوں لکھ کروڑاں حجاں ہو

اسی طرح شاکر شجاع آبادی کی غزل کے اشعار دیکھیے: (183)

میں سنیداں دل تو نکلی ہوئی غزل کجھ غور کر
مہربانی اے خدائے لم یزل کجھ غور کر

کہیں دے ٹٹے کھیر پیون کہیں دے بچے بکھ مرن
رزق دی تقسیم تے ہک وار دل کجھ غور کر
جاہلاں وچ نفرتاں دا بج کھنڈایا جو شیطان
عالماں وچ پکدی پئی ہ او فصل کجھ غور کر
میڈا مقصد ایہ تاں نی سنڑودا نوہی مظلوم دی
توں سمجھ ایں تو ں بصیر ایں دراصل کجھ غور کر

قدامت

سرائیکی بہت ہی قدیم زبان ہے۔ بہت ہی پرانی منجھی ہوئی شائستہ اور شستہ زبان ہے۔ الفاظ ایسے جیسے ہار میں موتی اور ہر موتی کی اپنی آب تاب ہے یہ اتنی قدیم زبان ہے کہ انکی قدامت کا سراغ نہیں ملتا ہم سرائیکی کو ایک ایسا درخت کہہ سکتے ہیں جس کی جڑیں ہماری آنکھوں سے اوجھل ہیں۔

ہزاروں سالوں سے مٹی نے انکی جڑوں کو ڈھانپا ہوا ہے۔ انکی سبز سبز ہری بھری ٹہنیاں ہر طرف جھومتی دکھائی دیتی ہیں انہیں ٹہنیوں کے سہارے ہم انکی بنیاد تک پہنچ سکتے ہیں۔ سرائیکی زبان جو آج پاکستان کے درمیان میں وسیع و عریض علاقوں میں بولی جاتی ہے اس کو آج سے ہزاروں سال پہلے دراوڑوں سے بھی پہلے یہاں آباد قبیلے بولتے تھے ان کی زبان کو منڈاری زبان کہا جاتا تھا پھر دراوڑوں کے دو ہزار سال کے حکومتی اثرات نے اس زبان کو پختہ کیا۔

پھر آریاؤں کی زبان سنسکرت کے الفاظ اس میں شامل ہو گئے پھر سکندر اعظم کی آمد جو حضرت عیسیٰ سے پہلے کی ہے یونانی الفاظ بھی شامل ہو گئے بعد ازاں عربی اور فارسی بولنے والے سالہا سال یہاں حکمران رہے ان کی سرکاری زبانوں کے اثرات بھی سرائیکی زبان پر مرتب ہوئے۔ گوتم بدھ کی مذہبی زبان پالی کے الفاظ بھی قدیم سرائیکی میں ملتے ہیں۔

سرائیکی زبان کی قدامت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس کے قدیم الفاظ دوسری زبانوں کے علاوہ اردو میں بکثرت موجود ہیں۔ دکنی دور میں سرائیکی زبان کے الفاظ اردو میں بکثرت موجود ہیں دکنی دور میں سرائیکی زبان کے الفاظ اردو زبان میں داخل ہوئے اور انہیں اردو زبان میں ایک خاص مقام ملا مثلاً توت، تمبو، بھوگ، بھانڈا، رت، گوودڑی وغیرہ

اب سرائیکی زبان کی شاعری میں قدیم نمونے ملاحظہ فرمائیں۔ چراغ اعوان (1090ء-1145ء) کا کلام ملاحظہ ہو: (184)

رخ ڈیکھ مثال پتنگ حسیم واہ طالع بخت اسیڈے
رہسوں پیش تساڈے دلبر چھوڑ ونجوں ہن کیڈے
بھاتے دام زلف دے عاشق کیا لسن اوڈے لیڈے
بھل بازی عشق چراغ ماہی نال ہر عاشق دے کھیڈے

اب مولوی لطف علیؒ (1129ء-1209ء) کا نمونہ کلام:

تیغاں تیز برہوں دیاں کاری دردمنداں دے لڑیاں
چھاتی توڑ کلیجے چھین جان جگر وچ وڑیاں

سوز کنوں دل بریاں ہولین کون کرے دلبریاں
لطف علی تھیاں خاک دلیں سئے اس آتش دیاں سڑیاں

اب قدیم ادب کا ایک اور نمونہ جو عبدالحکیم اچوی (پ۔1161) کے کلام سے:

میں ہاں اے دلبرا ماندی تساڈی
ازل دے روز دی باندی تساڈی
میں ہاں اے دلبرا مٹھی تساڈی
ازل دے روز دی کٹھی تساڈی
میں ہاں اے دلبرا کملی تساڈی
ازل دے روز دی رلی تساڈی

ان تینوں قدیم مثالوں میں بخت، اسیڈے، پچھاتے، نسن ایڈے اوڈے، برہوں، دلبریاں، ماندی، مٹھی، کٹھی، کملی اور رلی ایسے الفاظ ہیں جو اس بات کی دلالت کرتے ہیں کہ سرائیکی بہت ہی قدیم زبان ہے، جو بہت بڑے ادبی ورثے کی مالک ہے اور اس کا قدیم ادب دنیا کی کسی بھی قدیم زبان کے ادب سے کم نہیں ہے۔

سیارت

سیارت اور آسانی سرائیکی ادب کی اہم خصوصیت ہے اس میں آسان الفاظ ہیں اور آسان باتیں ہیں دل کا حال ایک دوسرے سے عام فہم انداز میں کہہ دیا جاتا ہے۔ مشکل اور ادق الفاظ استعمال نہیں کیے جاتے ادب میں نثر اور نظم دونوں کی تمام اصناف میں سیارت اور آسانی قاری کیلئے دلچسپی کا باعث ہے کلام فرید میں سیارت ملاحظہ فرمائیے: (185)

کیا حال سناواں دل دا
کوئی محرم راز نہ ملدا
منہ دھوڑ مٹی سر پایم
سارا ننگ نموذ ونجایم
کوئی پچھن نہ ویڑھے آیم
ہتھوں الٹا عالم کھلدا
کئی سہنس طبیب کماون
سے پڑیاں جھول پلاون
میڈے دل دا بھیت نہ پاون
پووے فرق نہیں ہک تل دا

اس کافی میں نہایت آسان سادہ اور عام فہم انداز میں دل کی باتیں بیان کی گئی ہیں۔ کمال شاعری وہی ہوتی ہے جو لوگوں کی زبان میں لوگوں کے الفاظ میں جذبات کی ترجمان کرلے۔

اس کافی میں حضرت خواجہ غلام فریدؒ نے دل کا حال نہ سناتے ہوئے حال دل بیان کر دیا ہے اور نہایت آسان

الفاظ کے ساتھ اور پرکشش انداز میں کمال شاعری کی ہے۔ یسارت کی ایک مثال ملاحظہ فرمایئے لحہ موجود کے مقبول ترین عوامی شاعر شاکر شجاع آبادی نے زندگی کے تمام تر پہلوؤں کا گہرا مشاہدہ کر کے اسے اپنے تجربات کا حصہ بنا کر شاعری کا روپ دیا شعری اظہار کا طریقہ نہایت آسان ہے لکھتے ہیں: (186)

بھلا خشیاں کہیں کوں چک پیندن کئی خشی ٹھکرا پتہ لگ ویندے
جیڑھی چیخ پکار کوں پھند آہدیں ایہو توں جاپنا پتہ لگ ویندے
جے روون اپنے وس ہوندے توں رو ڈکھلا پتہ لگ ویندے
جیویں عمر نبھی ہے شاکر دی ہک منٹ نبھا پتہ لگ ویندے

ڈوہڑے میں شاعر نے آسان الفاظ استعمال کر کے آسان باتیں کی ہیں سرائیکی شاعری کو نہ صرف تقویت بخشی ہے بلکہ توانائی عطا کی ہے ان کے سادہ آسان اور موثر کلام کا ہر ہر لفظ اور اس کے معانی سچائی کے ترجمان ہیں۔

یسارت اور آسانی کے حوالے سے سرائیکی زبان کے قادر الکلام شاعر جناب امید ملتانی کی غزل کے یہ اشعار دیکھیے: (187)

بینے عشق دی بھاہ بھڑکا بیٹھاں
ہوں یار ڈکھاں دے جا بیٹھاں
تیکوں آہڑیں دل وچ جا ڈے کے
ہک روگ اولڑا لا بیٹھاں

سرائیکی نثر بھی یسارت کے وصف سے خالی نہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر صدیق شاکر اپنے افسانوی مجموعے "ہنجوں ہٹ ہٹ" میں افسانے "پولے" میں لکھتے ہیں:

"اج کون کہیں دی بکری کوں گھا گھیندے غریب جیندا راہوے تاں نکر او کھا مر ونجے تاں پر بجن اوکھا کوئی نی ہوندا جیڑھا اوندے بالاں دے سرتے ہتھ چار کھے روندیاں کوں دلاسہ جاڑ پولے بکھیاں کوں نکر چا گھتے عزت تے روٹی رلے مل پووے اوندی عزت نال کھیڈن کیتے ہر کوئی تیار تھی ویندے پر اوکوں عزت نال جیون کوئی نی ڈیندا" (188)

لجاجت

اگر کلام میں بے ساختگی، عاجزی، منت سماجت اور بھول پن ہو اور عیاری، مکاری اور چالاکی نہ ہو تو وہ لجاجت ہے۔ سرائیکی پسے ہوئے، محروم سادہ لوح اور بھولے بھالے لوگوں کی زبان ہے جو بدویانہ زندگی گذارتے ہیں اور یہی عاجزی ان کی زبان میں جھلکتی ہے "سئیں" اسی وصف کا شعار اور علامت ہے۔

سندھ کا علاقہ حملہ آوروں کے نرغے میں رہا یہ معتوب اور مقہور کلچر ہے۔ یہاں کے لوگ حملہ آوروں کے ہاتھوں قتل ہوتے رہے لٹتے رہے یہاں کے درویش فقیر حملہ آوروں کی منتیں کرتے رہے کہ لوگوں کو ناحق قتل نہ کرو "سئیں" اسی عاجزی کی علامت ہے اور یہی عاجزی منت اور بھول پن سرائیکی نظم اور نثر کی تمام اصناف میں نمایاں ہے بے ساختگی اور منت سرائیکی ادب کا خاص وصف ہے مثلاً یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

ہک وار تکھ آ توں ساڈی جا تے
داریاں کریساں ہکاں لبا کے
دل تے نہ رکھساں لڑ باہسیں توڑے
اوہ رات تونڑیں ڈیساں مروڑے
توڑے جو ڈیسیں دھکڑے تے دھوڑے
سر تیل پیساں نندروں دگا کے

ان اشعار میں کس قدر عاجزی پائی جاتی ہے کہ محبوب کی منت کرتے وقت چالاکی اور عیاری سے کام نہیں لیا گیا بلکہ بے ساختہ منت سماجت کی گئی ہے کہ اے محبوب ایک بار تو آ جاؤ اور جب تم آ جاؤ گے تو تیری خدمت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے اگر آپ لڑیں گے بھی تو ہم محسوس نہیں کریں گے اور تیری خدمت جاری رکھیں گے۔

سرائیکی نثر میں بھی عاجزی اپنی مثال آپ ہے نامور افسانہ نگار عبدالباسط بھٹی کی کتاب 'وکاؤ چھانورا' کے افسانے سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

''مینہ اللہ سوہݨے دی وڈی نعمت اے، ویلے سر مینہہ وسدے رہن تاں دھرتی دی لکھ ساوی راہندی اے پکھی پکھیروز ناور تے ون پوٹے ای رونق اچ ہوندن پر ہن تاں مدتاں تھی گن کتھاؤں کوئی کائی بدلی دی نی نظر دی۔ اللہ جانے کہڑے وجہ دے بدل کیڑھے ویساں دوڑ گن۔ دھرتی پھینگ پھینگ پانی کوں ترس گئی ہے۔ ہر جا مونجھ دے دیرے ہن۔ جا جا تے دووڑ لوڑ دی پئی اے۔ تس ای تس اے ہت ول ول آسمان دو ڈو جھولیاں چا دعائیں منگدے''۔(189)

لجاجت اور عاجزی کا خوبصورت نمونہ اس شعر میں جھلک رہا ہے

میڈا مٹھا مٹھا چندر مسات ڑی
گھر آندا پے اج رات ڑی

اس شعر میں یہ بات نہیں کی گئی کہ آج میرا محبوب میرے گھر آ رہا ہے میں نے گھر کو سجانا ہے بلکہ سیدھے سیدھے الفاظ میں بے ساختگی کے ساتھ محبوب کو ''مٹھا مٹھا'' اور چندر (چاند) کہا گیا ہے ایک اور لوک گیت کا ٹکڑا ملاحظہ فرمائیے

چنڑے پدھر تے ہے کر دل لنوائی ہم وے
ہیں سانگے اتھ آئی ہم وے

سرائیکی ادب اور اس کی وسعت

سرائیکی ادب کی حقیقت اور کیفیت ایک سمندر کی طرح وسیع اور گہری ہے۔ اس سمندر کی گہرائی میں قیمتی اور خوبصورت موتی موجود ہیں جس طرح سرائیکی زبان وسیع ہے اسی طرح اس کے ادب میں وسعت ہے۔ اس زبان کے ادب کی ترویج صدیوں سے جاری ہے۔ ادب کی تمام اصناف میں نمایاں کام ہوا ہے۔ دینی ادب، شاعری، لسانیات، افسانہ، ڈرامہ، خاکہ، انشائیہ، تحقیق، تنقید، تاریخ، ثقافت لوک ادب، فریدیاب، نثری ادب، سیاسی ادب، ادبی محافل اور صحافت ان تمام شعبوں میں سرائیکی ادب مالا مال ہے۔

نثر کے مقابلے میں شعر لکھنا قابلیت اور علمیت کی دلیل سمجھا جاتا ہے۔ سرائیکی شعری ادب خاص طور پر مذہبی شاعری بہت قدیم ہے چھٹی صدی ہجری میں حضرت شاہ شمس سبزواری اور حضرت پیر صدر الدین کے کچھ اشعار ملے ہیں اور حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے اشلوک سکھ مذہب کی کتاب گرنتھ میں شامل ہونے کی وجہ سے محفوظ ہیں۔ یہ اشلوک آٹھ سو سال پرانے ہیں۔ سرائیکی مذہبی شاعری کی پرانی محفوظ کتاب حضرت ملا کا نور نامہ ہے اس کے اشعار کی تعداد 150 ہے اس میں ایک فلسفہ بیان کیا گیا ہے اور رسول کریم ﷺ کی مدحت بیان کی گئی ہے۔ قدامت کے لحاظ سے اسے شرف اولیت حاصل ہے یہ 500 ہجری کی تصنیف ہے جیسا کہ شاعری کے اس شعر سے واضح ہے۔(190)

پنج سے سال جو گذرے آہے ہجرت بعد رسولوں

ملاں کہے غریب وچارا کم علماواں کولوں

بعدازاں رسول کریم ﷺ کی معراج کے حوالے سے معراج نامے تصنیف ہوئے۔ یہ معراج نامے چھٹی صدی ہجری بمطابق بارہویں صدی عیسوی کی شاعری کا نادر نمونہ ہیں۔

پھر رسول اللہ ﷺ کے حلیہ مبارک کو بھی منظوم کیا گیا۔ اس کے بعد تولد نامے، گھڑولی نامہ، طوطا نامہ، بارات نامے، درود نامے، وصال نامے اور جوگی نامے تصنیف ہوئے یہ ساری اصناف نعت شریف اور مولود شریف کے زمرے میں آتی ہیں سرائیکی ادب کا دامن نعت سے مالا مال ہے نعت موجودہ دور میں بھی ذوق شوق سے لکھی جارہی ہے۔

سرائیکی مرثیہ سرائیکی ادب کا قیمتی سرمایہ ہے مرثیہ ایسی شعری صنف ہے جو واقعہ کربلا (61ھ) میں حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی شہادت کو بیان کرتی ہے۔ مرثیہ کا آغاز واقعہ کربلا کے ساتھ ہی ہو گیا تھا۔ مرثیہ خوانی کا باقاعدہ آغاز ملتان سے ہوا جو دہلی اور لکھنو تک جا پہنچا۔ اس وقت قدیم سرائیکی مرثیوں کو محفوظ کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔(191)

سرائیکی مرثیے کا پہلا سراغ حضرت بابا فرید گنج شکر متوفی (662ھ) کی سرائیکی شاعری میں واقعہ کربلا کا ذکر ان کے خاص رنگ میں ملتا ہے۔ بعدازاں سرائیکی جنگ نامے تحریر ہوئے جن میں سید اکبر شاہ کا جنگ نامہ بہت مشہور ہے جو 1257ھ/1841ء کی تصنیف ہے۔(192)

ساتویں صدی ہجری سے بارہویں صدی میں واقعات کربلا اور مصائب شہداء کی حرفیوں ڈوہڑوں اور مولود شریف میں شامل کر لیے گئے۔

غلام سکندر خان، غلام سید زمان شیرازی، سکندر خان لاشاری بلوچ، مولوی فیروز الدین فیروز، منشی مضطر ملتانی، مولوی گل محمد، عاشق ملتانی، منشی محمد رمضان، بہار ملتانی منشی نور محمد گدائی اور مولانا محمد خیر الدین صابر ملتانی مشہور مرثیہ نگار گذرے ہیں۔

سرائیکی لوک ادب کے علاوہ جو ادبی تخلیق ہمیں بے بہا اور پختہ رنگ میں ملتی ہے وہ کافی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کافی کا آغاز سرائیکی زبان میں ہوا سرائیکی کافی کی ہیت یہ ہے کہ پہلے غزل کے مطلع کی طرح ایک شعر ہوتا ہے جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں پھر چار پانچ یا چھ مصرعوں کے بند ہوتے ہیں ہر بند کے شروع کے مصرعے ایک جیسے ہم قافیہ ہم ردیف ہوتے ہیں پھر بند کے آخری مصرعوں کو مطلع کے ہم قافیہ اور ہم ردیف بنایا جاتا ہے۔

سرائیکی زبان میں سب سے پہلے ساتویں صدی ہجری میں حضرت شاہ شمس سبزواری نے جو گنان تحریر کئے وہ سرائیکی کافی کی پہلی مضبوط شہادت ہیں۔ بندش مزاج اور سانچے کے اعتبار سے ہر طرح سے کافی کا رنگ رکھتی ہے۔

سچل سرمست نے نو لاکھ چھیاسٹھ ہزار چھ اشعار تخلیق کیے اور سرائیکی کافی کو زندہ و جاوید بنایا بعد ازاں حمل فقیر لغاری، صدیق فقیر، محمد بخش محمدن، منشی غلام حسن گامن، میاں واصل جھنگوی، بے دل فقیر سندھی، عثمان فقیر اور خواجہ غلام فرید رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے اپنے رنگ میں کافیاں کہیں۔ (193)

ڈوہڑہ سرائیکی شاعری کی مقبول صنف ہے چھ مصرعوں کے ڈوہڑے بھی ملتے ہیں مگر عموماً اس میں چار مصرعے ہوتے ہیں۔ سرائیکی شعری تاریخ میں شائع شدہ پہلا ڈوہڑہ تقریباً سات سو سال سے بھی زیادہ قدیم ہے۔ حضرت بہاء الدین زکریا اور حضرت مخدوم حمید الدین حاکم رحمۃ اللہ کا سوالاً جواباً ڈوہڑہ ہے اس کے بعد پیارا شہید ڈوہڑے کا عظیم شاعر ہو گذرا ہے۔ (194)

دموور داس ڈوہڑے کا عظیم شاعر ہو گذرا ہے۔ دموور داس جھنگ کے رہنے والے تھے۔ ان کے ڈوہڑے قصہ ''ہیر رانجھا'' اور ''پیارا شہید'' میں ملتے ہیں۔ حسینی ڈوہڑوں میں قدیم نام مولانا عبدی اور سکندر کے ہیں۔ حضرت سلطان باہوؒ، علی حیدر ملتانی اور حضرت سچل سرمستؒ نے ڈوہڑے کو ادبی مقام دیا۔

جدید دور میں بے شمار سرائیکی شاعر اس صنف میں طبع آزمائی کر رہے ہیں۔ ان میں احمد خان طارقؔ، شاکر شجاع آبادی، اقبال سوکڑی، امان اللہ ارشد، مشتاق سبقت، شاکر مہروی، نور احمد لائیکا، محمد رمضان طالبؔ اور فیض بلوچ شامل ہیں۔

سرائیکی غزل سرائیکی نے ادب کی وسعت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ بے شمار غزلوں کے مجموعے زیور طباعت

سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ غزل عربی سے فارسی اور فارسی سے اردو میں ہوتی ہوئی سرائیکی میں آئی سرائیکی غزل کی روایت کے حوالے سے محققین نے نشاندہی کی ہے۔ صدیق طاہر مرحوم نے 1978ء میں اپنی شاعری میں غزل کی روایت کو مضبوط کیا۔ نصر اللہ خان ناصر اپنے مقالے سرائیکی شاعری دا ارتقاء میں لکھتے ہیں:

''سرائیکی زبان میں غزل نما کافیاں تو ابتدائے قیام سے ملتی ہیں لیکن باقاعدہ سرائیکی غزل مولانا نصیر الدین خرم بہاولپوری (1855-1951ء) میں لکھی''۔(195)

سرائیکی غزل کو مقبول بنانے میں خواجہ غلام فریدؒ کی غزل نما کافیاں اور خرم بہاولپوری، نقوی احمد پوری، رشید عثمانی نصر اللہ خان ناصر، حیدر گردیزی، اقبال سوکڑی، نسیم لیہ، امید ملتانی، ارشد ملتانی کے نام قابل ذکر ہیں۔

جدید دور میں شاکر گیلانی، منیر فاطمی، رفعت عباس، عزیز شاہد، قیس فریدی، محترمہ بخت آور کریم، سحر سیال، سفیر لاشاری، جہانگیر مخلص، ریاض رحمانی، شکیل پتافی اور شاکر شجاع آبادی اہم نام ہیں۔

سرائیکی زبان کے ادب میں قصے اور داستانوں کا بہت بڑا سرمایہ اور اثاثہ موجود ہے۔ بچہ ہو جوان ہو یا بوڑھا ہر کوئی قصے کہانی میں دلچسپی رکھتا ہے۔ نثری ادب میں نئی مختصر صورت افسانے کی صورت میں آئی اس کی تعریف یوں کی گئی کہ ''ایسی نثری کہانی جو ایک ہی وقت میں ایک ہی نشست میں پڑھی جا سکے''۔

سرائیکی زبان میں افسانے کے حوالے سے جس افسانہ نگار کو شرف اولیت حاصل ہے وہ تحسین سبائے والوی ہیں ان کا افسانہ ''شہید'' جولائی 1967ء میں چھپا پھر یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

سرائیکی افسانوں کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ان نامور افسانہ نگاروں میں عامر فہیم، مسرت کلانچوی ظفر لشاری، سجاد حیدر پرویز، حفیظ خان، میاں نذیر احمد، غلام حسن حیدرانی، راہی گبول، بتول رحمانی، ڈاکٹر اسلم عزیز درانی، نشری قریشی، قاصر فریدی اور دلشاد کلانچوی شامل ہیں۔

سرائیکی نثری ادب میں ناولوں کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ سرائیکی زبان کا پہلا ناول ''نازو'' جو ظفر لشاری کی تصنیف ہے یہ ناول 1971ء میں شائع ہوا(196) اس کا دوسرا ایڈیشن 1986 میں شائع ہوا اور پنجاب یونیورسٹی لاہور کے ایم اے پنجابی کے نصاب میں شامل رہا۔ پروفیسر عطا محمد دلشاد کلانچوی نے تین ناول تصنیف کیے ان میں ''تو بہ زاری'' (1977ء) ''قصے تے پڑ قصہ'' (1978ء) اور ''سارے سکن سہا گوے'' (1991ء) شامل ہیں۔

محمد اسماعیل احمدانی کے دو ناول سرائیکی نثر کا قیمتی اثاثہ ہیں۔ ''چھولیاں'' (1983ء) اور ''امر کہانی'' 1988ء میں شائع ہوئے بریگیڈیئر نذیر علی شاہ کا ''فردوس ٹھگانی'' (1997ء) اور ڈاکٹر سجاد حیدر پرویز کا ناول ''عشق دے دوزخ انوکھڑے'' 1985ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہوئے۔ ظفر لشاری کا دوسرا ناول ''پہاج'' 1983ء میں شائع ہوا۔ علاوہ ازیں ''سانول'' فیاض حسین (1989ء) ''بھاگ سہاگ''، راہی گبول (1994ء) اور اقبال بانو کا ناول ''سانول

موڑ مہاراں" سرائیکی نثری ادب میں گراں قدر اضافہ ہے۔

رگ وید کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب ملتان کے گرد و نواح میں لکھی گئی اس کتاب میں ڈرامے کے نقش ملتے ہیں سرائیکی ڈرامے پہلے نظم اور بعد ازاں نثر میں تحریر کیے گئے۔

مطبوعہ سرائیکی ڈرامے کی تاریخ دیکھیں تو پہلے ڈرامہ نگار منشی غلام حسن گامن شہید ملتانی (1791ء، 1848ء) دکھائی دیتے ہیں۔ (197) ان کا ڈرامہ "تخی بادشاہ" جو نظم میں ہے اور دوسرا ڈرامہ قمرالزمان و شہزادی حسینہ جو نظم و نثر میں ہے۔ بعد ازاں غلام سکندر خان، غلام اشاری بلوچ (1818ء، 1908ء) مولوی خلیفہ پیر بخش پیرن ملتانی، کریم بخش واصل مظفرگڑھی اور کئی دوسرے اولین ڈرامہ نگاروں کے نام آتے ہیں۔

جدید دور میں بھی یہ کام جاری ہے۔ ان ڈرامہ نگاروں میں دلشاد کلانچوی، سید نذیر علی شاہ، کریم بخش دیوانہ، فدائے اطہر، اسلم قریشی، مہر کاچیلوی، مسرت کلانچوی، حفیظ خان، مقبول عباس کاشر، راہی گبول، حمید الفت ملغانی، منظور احمد اعوان اور رحیم طلب شامل ہیں۔

سفرنامے بھی سرائیکی ادب کی وسعت کی نشاندہی کرتے ہیں۔ سرائیکی زبان میں سفرنامے منظوم بھی ہیں اور منثور بھی۔ سرائیکی زبان کا پہلا منظوم سفرنامہ حج فقیر محمد عارف کا سفرنامہ "ارض مقدس کوں غم" ہے جو 1298ھ میں لکھا گیا دوسرا منظوم سفرنامہ سید غلام حسین کربلائی کا ہے جس کا نام "سفرنامہ عراق و ایران" ہے۔

اسد ملتانی کا "تحفۂ حرم" (1954ء) صوفی فیض محمد دلچسپ اور خان محمد ہمراز کا "حج دا سفر" منظوم سفرناموں کے اعلیٰ نمونے ہیں۔ سرائیکی زبان میں پہلا منثور سفرنامہ مولانا نور احمد مرقوم کا ہے جو اجمیر شریف عرس پر جانے کے سلسلے میں لکھا گیا۔ مولوی محمد رمضان بہار ملتانی نے سفرنامہ عراق سرائیکی نثر میں تحریر کیا۔

جدید دور کے سرائیکی سفرنامہ نگاروں میں محمد اسمٰعیل احمدانی، ڈاکٹر سجاد حیدر پرویز، ممتاز حیدر ڈاہر، محمد اعظم سعیدی، عبدالباسط بھٹی، جہانگیر مخلص اور محمد رمضان طالب کے نام قابل ذکر ہیں۔

حضرت خواجہ غلام فریدؒ کے سفرنامہ حج جو مولوی محمد عمر نے لکھا تھا اس کا سرائیکی ترجمہ ماہر فریدیات جناب مجاہد جتوئی نے "آپ بھتم جیندیں مکے" کے نام سے کیا ہے۔

سرائیکی ادب کا قیمتی اثاثہ انشائیہ کی شکل میں بھی موجود ہے نامور انشائیہ نگاروں میں محمد اسلم میتلا، دلشاد کلانچوی، راہی گبول، رانا سردار احمد سعید، ڈاکٹر محمد سلیم ملک، ابوالبشر شاہ جیلانی اور منظور اعوان شامل ہیں۔

سرائیکی خاکہ نگاری میں مولوی لطف علی بہاولپوری، ظفر لشاری، عبدالباسط بھٹی، عاصم اچوی، قاصر فریدی، انیس شاہ جیلانی، غلام حسین راہی گبول اور منظور احمد اعوان اہم نام ہیں۔

سرائیکی دینی ادب

مذہب ہر انسان کی فطری ضرورت ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق "ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے"۔ دنیا کے سب سے پہلے انسان اور پہلے نبی کا عقیدہ توحید ہے حضرت آدمؑ نے دین کی بنیاد رکھی اور مذہب کا یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب خواہ وہ الہامی ہوں یا غیر الہامی سب کا مذہبی لٹریچر کسی نہ کسی حالت میں موجود ہے۔ اگرچہ تحریف سے پاک نہیں۔ پاکستان کے چاروں صوبوں سندھ، سرحد، پنجاب اور بلوچستان کا وہ علاقہ جس کے شمال مغرب میں کوہ سلیمان اور جنوب میں سندھ واقع ہے اور جسے مشرق میں دریائے جہلم اور چناب پنجابی زبان کے علاقے علیحدہ کرتے ہیں سرائیکی خطہ یا سرائیکی دیبب کہلاتا ہے۔ قدامت کے حوالے سے اسے وادی سندھ بھی کہا جاتا ہے۔ روئے زمین پر انسان جہاں کہیں بھی رہتا ہے اس کا ماضی اس کے ساتھ چلتا ہے۔ ماضی سے یہ رشتہ اس کی پہچان بنتا ہے اس خطے کے باسیوں کی شناخت ان کی مادری زبان سے ہوتی ہے۔

سرائیکی ایک وقیع زبان ہے یہ لاکھوں کی نہیں کروڑوں کی زبان ہے۔ یہ زبان صرف ذریعہ اظہار خیال ہی نہیں بلکہ اس خطے کی عظمت وقار اور قومی اتحاد کی علامت ہے۔ برصغیر میں سرائیکی زبان اور ثقافت کا اخلاق کردار اور مذہب پر بہت گہرے اثرات ہیں۔ اس قدیم زبان میں ثقافتی، تہذیبی، مذہبی اور اسلامی ادب کا ایک بیش بہا سرمایہ موجود ہے۔ سکندر اعظم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت قبل اس علاقے پر حملہ آور ہوا تو اس وقت یہاں سرائیکی زبان بولی جارہی تھی اور اس میں مذہبی لٹریچر موجود تھا۔

اس قدیم دور میں سرائیکی زبان میں بدھ مت اور ہندومت کا مذہبی لٹریچر اور بھجن موجود ہیں۔ بعد ازاں برصغیر میں عرب تاجروں کی آمد شروع ہوئی اور محمد بن قاسم کی وادی سندھ میں آمد کے بعد تمام علم و ادب محور دین اسلام ہوگیا۔ بے شمار علماء کرام، فقہاء کرام اور شعراء نے سرائیکی زبان و ادب کی مختلف حوالوں سے بہت خدمت کی۔ اس وقت نشر و اشاعت اور طباعت کے وسائل اور ذرائع میسر نہ تھے اس لیے زیادہ تر قلمی ذخیرہ جمع کیا گیا تا کہ آنے والی نسلوں کی راہنمائی کا ذریعہ بنے۔

سرائیکی زبان کا یہ قدیم دینی ادب زیادہ تر شاعری میں تھا اور کچھ حصہ نثر میں تھا۔ شاعری میں حمد، مولود، نعت حلیہ مبارک، نور نامے، معراج نامے، تولد نامے، ہدہد نامے، وصیت نامے، مرثیہ نگاری اور صوفیانہ شاعری شامل ہے۔ نثر کے حوالے سے قرآن مجید کے عربی متن کے ساتھ سرائیکی ترجمے موجود تھے۔ دیگر قیمتی قلمی کتب ہزاروں کی تعداد میں موجود تھیں جس سے دینی اقدار، مذہبی اور ثقافتی روایات کو تحفظ اور فروغ حاصل ہوتا ہے۔

جب سرزمین ملتان پر سکھوں نے حملہ کیا تو مساجد کو اصطبل بنادیا گیا اور مسلمانوں کے علم و فن کو تباہ کردیا گیا۔ کتب خانوں میں نادر کتابوں، تحقیقی مواد اور یہاں تک کہ قرآن مجید کے قلمی نسخوں تک کو جلا دیا گیا۔ اس سرائیکی خطے میں اکتیس سال تک مذہبی، ثقافتی اور لسانی تشخص کو مٹانے کی کوشش جاری رہی۔ اس تمام سرائیکی علاقے کا مرکز ملتان رہا ہے۔ بہاولپور، ڈیرہ غازی خان، میانوالی، سرگودھا، جھنگ اس کے گرد و نواح شمار ہوتے تھے۔ اس وجہ سے یہ علاقہ اپنے لسانی اور ادبی ذخیرے سے محروم ہوگیا اور یہاں کا دینی ادب بھی زمانے کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکا۔

دینی ادب کا آغاز وارتقاء

برصغیر میں اسلام کی آمد سے قبل سرائیکی زبان میں دینی ادب تخلیق ہو رہا تھا جن میں بدھ مت اور ہندومت شامل ہیں مثلاً ایک سرائیکی بھجن کا نمونہ ملاحظہ فرمایئے: (198)

اتھاں آپ دید بھگوان وے
اتھاں اندر دیوتا آن وے
اتھاں رام، لکشمن، ہنو مان وے
آکیہ وے درشن پا ہتھاں

اسی طرح انجیل اربعہ کے سرائیکی تراجم شائع ہوئے ان میں "انجیل مقدس یوحنا دی معرفت"، "انجیل مقدس متی دی معرفت"، "انجیل مقدس مرقس دی معرفت" اور "انجیل مقدس لوقا دی معرفت" شامل ہیں۔ انہیں پنجاب بائبل سوسائٹی لاہور نے 1898ء میں زیور طباعت سے آراستہ کیا۔ مگر اس سے قبل دینی ادب میں اولیت کا شرف ان پاکیزہ کاوشوں کو ہے جن کا ذکر آگے آرہا ہے۔ (199)

سرائیکی علاقہ محمد بن قاسم کی سندھ اور ملتان کی فتح کے بعد اسلام کی روشنی سے منور ہوا۔ سب سے پہلے اس علاقے میں مذہبی شاعری کا آغاز ہوا کیونکہ شاعری اپنی طرف کھینچتی ہے اس لیے نثر سے بھی پہلے دینی موضوعات پر اشعار کہے گئے۔ سرائیکی علاقے کے رہنے والے لوگ زیادہ تر مذہبی اور اسلامی اقدار کے امین ہیں اس لیے اس زبان میں شاعری کا ایک بہت بڑا حصہ شاعری میں ملتا ہے۔

مذہبی شاعری کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(۱) حمدیہ اور نعتیہ شاعری جس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور عظمت بیان کی جاتی ہے۔

(۲) دینی رسائل اور فقہی مسائل پر مبنی شاعری جس میں ارکان اسلام اور دوسری دینی ضرورتوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔

(۳) مرثیہ ہے جس میں اہل بیت کی شان اور واقعات کربلا کو بیان کیا گیا ہے۔

(۴) صوفیاء کرام اور اولیاء کرام کے مناقب شامل ہیں۔

اسی طرح منظوم سیرت نگاری کے قدیم نسخوں میں نور نامہ، معراج نامہ، معراج نامہ بطرز چٹھی، حلیہ مبارک، حلیہ النبیؐ، تولد نامہ، گھڑولی نامہ، قصہ ہرنی (معجزہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم)، قصیدہ بردہ شریف شامل ہیں۔ علاوہ ازیں بعض شعراء نے حضرت خدیجہؓ کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی مبارک کو بھی موضوع بنایا اور بارات نامے لکھے۔ سیرت طیبہ کے دوسرے پہلوؤں پر درود نامے، تاج نامے، وصال نامے، تورا اور نعتیہ "جوگے نامے" بھی موجود ہیں۔ منظوم سیرت نگاری کے حوالے سے طوطے نامے، ہدہد نامے، نعتیہ ڈھولے، محمد بارہ ماسے، نعتیہ سہرے، سہرا معراج شریف اور سیرت نگاری پر ایک منفرد تخلیق ایم بی اشرف کی کتاب "کونین دا سبز پپ" ہے۔

دینی ادب کے حوالے سے سرائیکی نثر میں سیرت نگاری پر قابل قدر کام ہوا ہے جن میں سے کچھ تو اخبارات

رسائل کی زینت بنے تاہم سرائیکی نثر میں سیرت نگاری پر پہلی کتاب جس کا سراغ ملتا ہے وہ غیر مطبوعہ ہے۔ "وہ سیرت رسول ﷺ" جو حاجی نبی بخش شوق کربلائی کی تصنیف ہے۔(200) علاوہ ازیں سیرت نگاروں میں دلشاد کلانچوی، ڈاکٹر مہر عبدالحق، محمد شفیع احمدانی، سجاد حیدر پرویز، محمد رمضان طالب، فدائے اطہر مسرت کلانچوی، احمد بخش ملانہ، محبوب تابش اور خاص طور پر ڈاکٹر محمد صدیق شاکر ہیں جنہوں نے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر چھ ضخیم کتب تصنیف کی ہیں۔ سرائیکی نثر میں سب سے عظیم کام تراجم قرآن کا ہے۔ ان میں سے کچھ تو جزوی ہیں باقی کامل اور مکمل ہیں۔

تراجم قرآن کے حوالے سے مکمل ترجمہ کرنے والوں میں مولانا حفیظ الرحمٰن حفیظ، ڈاکٹر مہر عبدالحق، خان محمد لسکانی، رفیق احمد نعیم لسکانی، دلشاد کلانچوی، مفتی عبدالقادر سعیدی، مولانا غلام محمد چاچڑانی، مولانا محمد نظام الدین نظامی اور پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق شاکر شامل ہیں۔ جب کہ جزوی تراجم میں مندرجہ بالا مصنفین کے علاوہ مولوی احمد بخش، مولانا صابر ملتانی، مولانا عبدالتواب ملتانی، مولانا نور احمد ابن شمس الدین سیال، علامہ محمد اعظم سعیدی، محمد رمضان طالب، حافظ مختار احمد شاہد عباسی، عبدالوھاب عباسی اور غلام رضا سیورا بھی شامل ہیں۔

منظوم اور منثور

اگر سرائیکی زبان کے دینی ادب کو تقسیم کیا جائے تو اس کے دو حصے ہو سکتے ہیں، ایک منظوم اور دوسرا منثور۔ سرائیکی نثری ادب میں مٹھی روٹی، پکی روٹی خرد، پکی روٹی کلاں فقہی رسائل و مسائل اور سیرت نگاری شامل ہیں۔

سرائیکی دینی ادب میں نثر کی اہم کتاب "مٹھی روٹی" ہے جو مولوی قادر بخش کی تصنیف ہے جو 1927ء میں شائع ہوئی جب کہ" پکی روٹی خورد" 1876ء میں شائع ہو چکی تھی۔(201) "پکی روٹی" کا زمانہ تصنیف اٹھارویں صدی کا آخری نصف بتایا جاتا ہے تاہم اس کے زمانہ تصنیف میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

سرائیکی نثری ادب کا ایک اور اہم سرمایہ سیرت نگاری ہے اس حوالے سے اہم نام حاجی نبی بخش شوق کربلائی، دلشاد کلانچوی، ڈاکٹر مہر عبدالحق، محمد شفیع احمدانی، ڈاکٹر سجاد پرویز، محمد رمضان طالب، فدائے اطہر، مسرت کلانچوی، احمد بخش ملانہ، محبوب تابش اور پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق شاکر ہیں۔

سرائیکی دینی ادب میں سب سے ضخیم اور گراں قدر کام قرآن مجید کے سرائیکی تراجم ہیں ان میں کچھ کامل ہیں اور کچھ جزوی مکمل تراجم میں کچھ مفسر ہیں اور کچھ معرّی بھی ہیں۔ جزوی تراجم میں کچھ معرّی، کچھ محشّی اور کچھ مفسر ہیں۔ قرآن مجید کے ہر مترجم نے کماحقہ یہ کوشش کی ہے کہ عربی متن کا مفہوم من وعن قارئین تک پہنچ جائے۔ انہوں نے اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھا ہے کہ" چونکہ تراجم بالعموم تخمینے یا قریب قریب مفہوم کے بیان پر مبنی ہوتے ہیں اس لیے مفاہیم و مطالب کا انحصار فرق پر ہونا چاہیے نہ کہ چیزوں کے حوالے یا تصورات پر"۔

سرائیکی دینی ادب کا دوسرا اہم حصہ منظوم ہے اس میں شاعری کی بہت ہی قدیم اور جدید اصناف شامل ہیں سرائیکی دینی شاعری میں مذہبی رسائل و مسائل کی منظوم کتب کا ذخیرہ بھی اہمیت کا حامل ہے ان میں مولوی عبداللہ کی کتاب "تحفہ" 1025ھ اور "خیر العاشقین" 1065ھ میں تصنیف ہوئی۔ علاوہ ازیں 1140ھ میں شیر محمد شیر گڑھی کی میت نامہ کفن دفن کے مسائل پر منظوم کتاب ہے اسی طرح شیخ عبداللہ ملتانی کی نظم "جندڑی پردیسی" بہت مقبول ہے۔(202)

سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے بہت سی اصناف میں منظوم کلام ملتا ہے۔ ان میں نور نامے،

معراج نامے، معراج نامے، معراج نامہ بطرز چٹھی، معراج نامہ جدید، حلیہ مبارک، حلیۃ النبیؐ، تولد نامے، گھڑولی نامے، ہدہد نامے، درود نامے، وصال نامے، جوگی نامے، طوطے نامے، نعتیہ ڈھولے شامل ہیں۔ جدید دور میں ایم۔ بی اشرف کی کتاب ''کونین دا سہرا پ'' منظوم سیرت نگاری میں گراں قدر اضافہ ہے۔

قرآن مجید کے منظوم تراجم بھی سرائیکی دینی ادب کا اہم حصہ ہیں۔ ان میں سب سے اہم نام جناب عبدالوحاب عباسی صاحب کا ہے وہ دس دس پاروں کی تین جلدوں میں قرآن مجید کا ترجمہ منظوم کر رہے ہیں۔ محمد رمضان طالب نے سورۃ الرحمٰن اور قرآن مجید کی دعاؤں اور منتخب آیات کا منظوم سرائیکی ترجمہ رقم کیا ہے۔ اسی طرح غلام رضا سیورا بھی بھی منظوم ترجمہ رقم کر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں صوفیانہ شاعری اور مراثی بھی سرائیکی دینی ادب کے منظوم حصے قابل قدر سرمایہ ہیں۔

منظوم دینی ادب

سرائیکی علاقہ محمد بن قاسم کے سندھ اور ملتان کو فتح کرنے کے بعد اسلام کے نور سے منور ہوا اور اسی علاقے سے ہی اسلامی تعلیمات کا آغاز ہوا۔ شاعری چونکہ موثر ذریعہ ہے اس لیے ہر زبان میں نثر سے پہلے نظم داخل ہوتی ہے سرائیکی لوگ راسخ العقیدہ مسلمان ہیں اس لیے اس زبان کی شاعری کا بہت بڑا حصہ مذہب سے متعلق ہے۔

سرائیکی مذہبی شاعری کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا حمدیہ اور نعتیہ شاعری دوسرا دینی رسائل، فقہی مسائل اور ارکان اسلام پر مبنی شاعری، تیسرا حصہ مرثیہ، چوتھا بزرگان دین اور اولیاء کرام کے مناقب اور پانچوں حصہ قرآن مجید، احادیث اور منظوم سیرت نگاری ہے۔ سرائیکی زبان کے شعری ادب میں حمد باری تعالیٰ کو اولیت حاصل ہے۔ سب شعراء اپنے کلام کا آغاز حمد سے کرتے ہیں۔ قدامت کے حوالے سے سرائیکی شعری ادب میں پہلی دستیاب کتاب ''نور نامہ'' ہے جسے شرف اولیت حاصل ہے۔ یہ طویل نظم 500ھ میں لکھی گئی۔ اس کا آغاز بھی حمد سے ہوتا ہے: (203)

صفت ثنا ربے دی کیجئے جو صفتاں دا والی
باجھوں صفت ثنا رب دی جا نہیں کوئی خالی

دینی رسائل اور فقہی مسائل کی ابتداء بھی حمد سے کی گئی ہے۔ مولانا عبدالکریم جھنگوی کی کتاب ''نجات المومنین'' جس میں ارکان اسلام اور احکام شریعت منظوم کیے گئے ہیں حمد باری تعالیٰ سے آغاز کیا گیا ہے: (204)

سب ثنا خدائیوں جیندا کل جہان
بہت درود رسولؐ نوں لتھا جنیں اتے قرآن

تمام منظوم عشقیہ داستانوں کا آغاز بھی حمد سے ہوتا ہے۔ تمام صوفیاء کرام کے کلام میں توحید کا مضمون موجود ہے اور عشق الٰہی اپنے جلوے دکھا رہا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور عقیدت ہر مسلمان کا جزو ایمان ہے بے شمار سرائیکی شعراء نے اپنے اپنے رنگ میں نعت گوئی کی۔ ''نور نامہ'' اس میں کائنات کی تخلیق اور اس تخلیق کے سب سے بڑے سبب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بیان کی گئی ہے۔ ''نور نامہ'' کو شرف اولیت حاصل ہے اس کے اشعار کی تعداد 150 ہے جو 500ھ کی تصنیف ہے نمونہ کلام دیکھیں: (205)

جو کجھ چوڈاں طبقاں دے وچ پیدا کل خلائق
نبی محمدؐ جیہاں رتبہ نیں کہیں دے لائق

نعتیہ اصناف شاعری کی دوسری قسم معراج نامہ ہے۔ ''معراج نامہ'' میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ معراج کو منظوم پیش کیا گیا ہے۔ یہ عہد غزنوی یعنی 401ھ/1010ء میں فتح ملتان واچ کے نظر بعد آتے ہیں۔ میاں قادر یار کا معراج نامہ 1237ھ میں تصنیف کیا گیا۔ حافظ محمد یار کا معراج نامہ مخمس کے انداز میں ہے: (206)

توں نبی کونین سرور پاک سید مرسلین   دین روشن شان افضل تو پیغمبر آخرین

توں نبی سرتاج بہتر یا محمد خاتمین   حوض کوثر دا توں ساقی ہر نبی دا پیشوا

توں اگے فریاد میڈی یا محمد مصطفیٰ

نعتیہ شاعری کی ایک اور صنف تولد نامہ ہے جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت اور تشریف آوری کے فیوض کا ذکر ہوتا ہے مولوی غلام قادر قریشی کا تولد نامہ ایک صدی پہلے تحریر کیا گیا ہے یہ تولد نامہ 1072 اشعار پر مبنی ہے۔ یہ نعتیہ ادب کا شاہکار ہے آغاز ان اشعار سے ہوتا ہے: (207)

شان محمد عالی شان   افضل کل نبیاں دی جان

باعث خلقت نور ظہوری   اول ماخلق اللہ نوری

نور مجسم دے تھیں جان   زمین اسمان تے جن انسان

نام محمد نور مجسم   صلی اللہ علیہ وسلم

سرائیکی زبان میں ''حلیہ مبارک'' بہت سارے قدیم اور جدید شعراء نے منظوم کیے ہیں مگر محمد اعظم کا حلیہ مبارک سرائیکی ادب میں اہم مقام رکھتا ہے یہ چھٹی صدی ہجری کے آخر میں تصنیف کیا گیا نمونہ کلام ملاحظہ فرمائیں: (208)

نوری عالم سارا آکھے ماہ کنعانی سوہنا   پُر چن عرب دا بہت سلونا سوہنا تے من موہنا

لعل یاقوت لباں دی لعلی ڈیکھن دی سدھرائی   رم جھم ڈنداں دی رتی توں موتی گھول گھمائی

ہر دم حمد الٰہی آکھاں رب کوں خالق جاناں   جیں رب اپنا دوست بنایا سوہنا ڈوہاں جہاناں

رنگ کنگ دا سرخی بھریا پھل لولاکی پنڈا   رنگ بھریئے کوں ڈیکھ تھیوے پھلی تازہ شرمندہ

سرائیکی زبان کے شعراء نے رسول کریم ﷺ کی شادی مبارک کو موضوع بنا کر بارات نامے لکھے بعد ازاں درود نامے اور تاج نامے تحریر کیے گئے۔ نعتیہ شاعری کی قدیم اصناف میں تورے، گھڑولی لعل، جوگی نامے، طوطے نامے، ڈھولے نامے، سی حرفیاں اور محمدی بارہ ماسے شامل ہیں۔ گھڑولی لعل ایک قدیم صنف ہے اس کے تین مصرے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور چوتھا صرف گھڑولی لعل آخری بند دعائیہ ہوتا ہے نعتیہ گھڑولی لعل کے اشعار ملاحظہ فرمایئے: (209)

حوراں پریاں شادی بھون جی   شاہ نبیؐ توں گھول گھماون جی

بھلا مولا ملک وسایا   گھڑولی لعل

''تورا'' سرائیکی شاعری کی ایک خالص مقامی قدیم صنف ہے۔ لوک گیتوں کے لئے اس مخصوص صنف میں نعتیہ کلام پیش کیا گیا ہے محمد شاہ بہار سیرانی کا ایک نعتیہ تورا ملاحظہ فرمایئے: (210)

یا نبیؐ جی ذرا ہن اجوی ڈے پھیرا یا نبیؐ جی

وسی ان کھڑو تا در تے کھڑا پڑھے درود سرور تے سر بیٹھاں دھرتے یا نبیؐ جی

باغ شاہ کے جوگی نامے کا نمونہ ملاحظہ ہو: (211)

ویساں جوگی دی طرف ضرور نی | باجھوں دل طاقے
رہساں خاص حضور نی | میڈا دل مشتاقے
شان جوگی دا ہے لولاکی | سجدہ کردے سب افلاکی
خادم حور قصوری نی | دوڑن بیش براقے

''جوگی نامہ'' سرائیکی نعتیہ شاعری کی ایک قدیم صنف ہے اس میں پرندے کو اپنے دل کا حال رسول کریم ﷺ تک پہنچانے کی درخواست کی جاتی ہے نورالدین مسکین کا مشہور نعتیہ طوطا نامہ ملاحظہ ہو: (212)

بولیں طوطا نال ادب دے | اگوں میڈے شاہ عرب دے
آکھیں طوطا یار میڈے کوں | دل دے بھیداں ڈیواں کیکوں
توں ہیں واقف راز نہانی

ناطق ڈھولا تے نعتیہ ڈھولا کو بھی بہت شہرت حاصل ہوئی یہ سی حرفی کی طرز پر لکھے گئے مولانا شائق کے نعتیہ ڈھولے کا ایک بند دیکھیں: (213)

ل لک چھپ ڈھولا برقعہ میم دا پایو
آپوں ملک عرب وچ احمد نایم دھرایو
کیتو حسن دا جلوہ ملکاں دھوم مچایو
شائق یار دے دل وچ ڈھولا جھوک بنایو

اس تمام منظوم نعتیہ ادب کو دیکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ شعری ادب کا دامن نعت رسول مقبول ﷺ سے مالا مال ہے۔ اتنی زیادہ نعتیہ اصناف کا کسی دوسری زبان میں ملنا محال ہے۔

منظوم سرائیکی دینی ادب میں دینی رسائل اور فقہی مسائل پر منظوم کتب کو بہت اہمیت حاصل رہی ہے۔ سب سے پہلی کتاب جس کا سراغ ملتا ہے وہ ''مہندی'' ہے جو مولانا عبدی ابن محمد کی تحریر ہے اور ۹۹۷ھ کی تصنیف ہے۔

رسالہ ''مہندی'' سے نمونہ کلام ملاحظہ فرمایئے: (214)

روزے ماہ رمضان دے سب ہی فرض پچھان
سجاں کارن نیتا فرض کیتا رحمان
چھوڑن کھانا پیونا کرن ترک جماع
ایہو روزہ سمجھ توں نال قیاس سماع

اسی طرح مولوی عبداللہ جہانگیر کے عہد سے لیکر شاہجہاں کے آخر تک چالیس سال تصنیف وتالیف میں مصروف رہے ان کے بارہ رسائل سرائیکی منظوم دینی ادب میں گرانقدر اضافہ ہیں۔

ان میں ''تحفہ'' (۱۰۲۵ھ)، نصیحت فرائض (۱۰۳۰ھ)، حمد وثناء (۱۰۴۳ھ)، خاصہ معاملات (۱۰۴۳ھ)، انواع العلوم (۱۰۴۴ھ)، معرفت الٰہی (۱۰۴۵ھ)، خیرالعاشقین کلاں (۱۰۵۴ھ)، سراجی (۱۰۵۸ھ)، خیرالمومنین

(۱۰۶۵ھ)، حصار الایمان، صیقل اول اور صیقل دوم شامل ہیں۔(215)

دینی اور فقہی مسائل پر ایک اہم تصنیف مولانا عبدالکریم جھنگوی کی "نجات المومنین" (۱۰۸۶ھ) ہے۔ نماز میں عورت اور مرد کے لئے ہاتھ باندھنے کا طریقہ یوں منظوم کیا ہے: (216)

سنت وچ نماز دے ڈونویں ہتھ اٹھا
وچ پہلی تکبیر دے لے کے نام خدا
مرد اٹھاون کناں تک عورت مونڈھیاں تا
کھبے اوپر رکھنا سجا ہتھ ٹکا

علاوہ ازیں محمد الیاس مسافر کا "لذت العشق"، حافظ سراج الدین کا رسالہ متشابہات، حاجی شیر محمد شیر گڑھی بہاولپوری کا میت نامہ (۱۱۴۰ھ)، میاں مٹھا ترگڑ کا "رسالہ بے نمازاں" (۱۹۲۰ء)، مولانا محمد عبداللہ ملتانی کے رسالے "عیوب النفس"، "تحفہ زنان" علاوہ ازیں شرعی مسائل، ذبیحہ نامہ، درود ماہی، تسبیح تراویح، توبہ نامہ، قصہ روزہ نامہ، رمضان المبارک، زکوٰۃ ایمان، شرک نامہ جیسے رسائل قابل ذکر ہیں۔

برصغیر کے صوفیاء کرام کی شاعری میں دینی ادب کا گراں قدر سرمایہ موجود ہے۔ تصوف کے چاروں سلسلوں چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ اور سلسلہ قادریہ کے صوفیاء نے لوگوں کو علم و حکمت سمجھانے کے لئے شعر و شاعری کو ذریعہ بنایا۔

ان صوفی شعراء میں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ (۵۶۹ھ۔۶۶۴ھ)، شیخ ابراہیم فرید ثانی ۱۴۵۹ھ۔۱۵۷۵ھ) حضرت سلطان باہوؒ، علی حیدر ملتانی، حضرت خواجہ محکم الدین سیرانی، حافظ جمال اللہؒ، حضرت بچل سرمست، روحل فقیرؒ، بیدل سندھیؒ، حضرت خیر شاہؒ، حضرت خواجہ عاقل جوگیؒ اور حضرت خواجہ غلام فریدؒ شامل ہیں۔

سرائیکی زبان کے منثور اور منظوم دینی ادب میں بہت بڑا حصہ واقعہ کربلا کے بارے میں ہے۔ جہاں تک سرائیکی مرثیہ نگاری کا تعلق ہے سرائیکی علاقوں میں اس کا ذکر واقعہ کربلا (۶۱ھ) کے فوراً بعد شروع ہو گیا تھا سرائیکی علاقے کا مرکز قدیم شہر ملتان ہے اور اس کی تاریخ سینکڑوں صدیوں پر پھیلی ہوئی ہے۔

سرائیکی مرثیے کی سب سے قدیم صورت جو سامنے آتی ہے وہ حسینی برہمنوں کے گیت ہیں۔ جو ۱۶۸۱ء کے قریب جس سرائیکی شاعری کا نمونہ ملتا ہے وہ سنسکرت آمیز ہندی ہے۔(217) ان گیتوں کی زبان اور لہجہ بہت قدیم ہے پانچویں سے آٹھویں ہجری تک اسماعیلی بزرگوں کے سرائیکی گنان سرائیکی مرثیے کی صورت میں دستیاب ہیں۔

سولہویں صدی عیسوی میں سرائیکی مرثیے کا کوئی نمونہ نہیں ملتا تاہم شیخ فریدالدین ابراہیم ثانی کے کچھ شعر ایسے ملے ہیں جن میں مرثیے کا انداز ہے پھر حضرت سلطان باہوؒ (۱۶۲۹ء) اپنے دوہڑے میں سانحہ کربلا کا ذکر فرماتے ہیں پھر حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی اور مولوی لطف علی نے مرثیے لکھے۔

سرائیکی مرثیہ گوئی کی سب سے پہلی بڑی شہادت ڈیرہ اسماعیل خاں سید زمان شیرازی کی بیاض ہے جو ان کے خاندان کے ایک بزرگ سید خورشید عالم شیرازی کے پاس محفوظ ہے۔(218) برصغیر میں ملتان اور لکھنو مرثیہ نگاری کے مرکز رہے ہیں سرائیکی مرثیے کی تحقیق کے حوالے سے خلش پیر اصحابی کا نام قابل ذکر ہے انہوں نے "سرائیکی مرثیہ گوئی کے چار سو سال" لکھ کر گرانقدر کام کیا۔

ان کی ایک اور تحقیقی کتاب "ملتانی مرثیہ" بھی سرائیکی دینی ادب کا شاہکار ہے۔ سرائیکی مرثیہ گو شعراء میں غلام سکندر غلام، سید اکبر شاہ، مولوی فیروز الدین، سید ذوالفقار علی شیرازی، منشی نبی بخش مضطر ملتانی، مولوی گل محمد عاشق ملتانی، منشی محمد رمضان بہار ملتانی، سید امام علی شفیق، حاجی نبی بخش شوق کربلائی، منشی نور محمد گدائی اور حضرت چگل سرمست قابل ذکر ہیں۔

اب منشی محمد رمضان بہار ملتانی کے مرثیے کا نمونہ ملاحظہ فرمایئے:(219)

چاکر لاشے بالاں دے شاہ گنج شہداء وچ آیا — سن فریاد خدایا
پاک ہمشیر دی جوڑی کوں اج خاک تے آن لٹایا — سن فریاد خدایا
نیر وحاوے کر جھکاوے سینے بتول دا جایا — سن فریاد خدایا
جوڑ کے لاشے بالاں دے ول بھینڑ کوں آ پرچایا — سن فریاد خدایا
او فرمایا زینبؑ خاتون درداں مار مکایا — سن فریاد خدایا
بہارؔ حسینؑ دے دراقدس توں علمی رتبہ پایا — سن فریاد خدایا

انیسؔ اور دبیرؔ کے مرثیوں جیسی شکوہ اور شوکت عیاں ہوتی ہے۔ سرائیکی ادب میں تراجم کا شعبہ مالا مال ہے تراجم کی روایت دینی ادب سے شروع ہوتی ہے قرآن مجید کے منظوم تراجم و تفاسیر صدیوں سے ہورہے ہیں ان میں فقیر محمد دلپذیرؔ کی سورۃ النبا کی منظوم تفسیر کو شرف اولیت حاصل ہے۔ یہ ۱۳۱۰ھ کی تصنیف ہے مثلاً وَ بَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا کی منظوم تفسیر ملاحظہ فرمائیں: (220)

تے کیتے اساں اوپر تساڈے ست اسمان جو محکم ڈاڈھے
تے کیتا ڈیوا چمکن والا ہر جا کروا نور اجالا
یعنی اے آفتاب نورانی وچ فلک چمکارے دا

قرآن مجید کا ایک اور ترجمہ زیر تصنیف ہے جس کے مصنف عبدالوحاب عباسی ہیں وہ دس دس پاروں کی تین جلدوں میں قرآن حکیم کا منظوم ترجمہ کر رہے ہیں پہلی جلد مکمل ہونے کو ہے تادم تحریر یہ غیر مطبوعہ ہے۔ یہ ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ (221)

اساں تیڈی عبادت اے میڈے اللہ کریندے ہاں
تیڈی امداد دی مالک اساں تانگاں رکھیندے ہاں

منظوم ترجمے کی ایک اور کاوش جناب غلام رضا سیورا بھٹی کی ہے جو جرمنی میں مقیم ہیں اور قرآن مجید کا منظوم ترجمہ کر رہے ہیں کئی سورتوں کا ترجمہ رقم کر چکے ہیں۔

قصیدہ بردہ کے سرائیکی تراجم بھی منظوم دینی ادب کا قابل تحسین اثاثہ ہیں۔ اولین کاوش لطف اللہ مہندس کی ہے جبکہ دوسرا منظوم ترجمہ غلام حسین کا کیا ہوا ہے جو ۹۰۰ھ کے پہلے نصف میں تصنیف ہوا۔ ان دونوں کا ذکر اور نمونہ ڈاکٹر مہر عبدالحق کی تحقیقی کتاب "سرائیکی دیاں مزید لسانی تحقیقاں" میں موجود ہے۔

ڈاکٹر مہر عبدالحق مرحوم نے خود بھی قصیدہ بردہ کا چار زبانوں میں ترجمہ کیا ہے۔ انگریزی ترجمہ منثور ہے جبکہ فارسی، اردو اور سرائیکی ترجمہ منظوم ہے اسی طرح استاذ محمد رمضان طالب نے قصیدہ بردہ کا منظوم سرائیکی ترجمہ کیا ہے۔(222)

منثور دینی ادب

سرائیکی دینی ادب کا نثری سرمایہ ضخیم اور منفرد ہے۔ اس میں مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی گئی ہے بہت سا علمی خزانہ زمانے کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکا تاہم دستیاب مسودے اور کتب قابل قدر علمی سرمایہ ہیں۔ دینی ادب میں سب سے پہلی کاوش جس کا ذکر کیا جاتا ہے وہ "پکی روٹی" ہے۔ یہ اسلامی فقہ کی ایک مختصر کتاب ہے اس کتاب کے مصنف کا تاحال علم نہیں ہو سکا۔ یہ اپنی نوعیت کی ابتدائی کتب میں شمار ہوتی ہے یہ بنیادی طور پر سرائیکی کے شاہ پوری لہجے میں لکھی گئی ہے جس میں سرائیکی کے لہندی اور جھنگوچی لہجے کی آمیزش ہے۔ یہ کتاب ابتداء سے عربی رسم الخط میں لکھی گئی ہے اور اسے درس نظامی میں سبقاً سبقاً پڑھایا جاتا رہا ہے۔ یہ ایم۔ اے سرائیکی اور پنجابی کے نصاب میں قدیم نثری نمونہ کے طور پر شامل ہے۔

سرائیکی نثری ادب میں گرانقدر سرمایہ سیرت رسول ﷺ کے حوالے سے موجود ہے۔ سرائیکی نثر میں سیرت نبوی ﷺ پر پہلی کتاب حاجی نبی بخش شوق کربلائی کی ہے۔ جو "سیرت رسول ﷺ" کے نام سے معنون ہے اور ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ (223) اس کے بعد پروفیسر دلشاد کلانچوی کی تین کتب زیور طباعت سے آراستہ ہوئیں۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر مہر عبدالحق کی "کونین دا والی" محمد شفیع احمدانی کی "آمنہ دا لعل"، سجاد حیدر پرویز کی "مدنی مٹھا من ٹھار"، محمد رمضان طالب کی "محبوب ﷺ رب دا" اور "سوجھل سیرت" پروفیسر ڈاکٹر صدیق شاکر کی چھ ضخیم کتابیں سئیں سونہڑیں دی سیرت، سئیں سونہڑیں دا خلق، سئیں سونہڑیں دا جلال، سئیں سونہڑیں دا کمال، سئیں سونہڑیں دا خلق، سئیں سونہڑیں دا جلال، سئیں سونہڑیں دا کمال، سئیں سونہڑیں دا جمال اور سئیں سونہڑ کیں دا ذکر شامل ہیں بعد ازاں مسرت کلانچوی کی "مکی مدنی ﷺ" احمد بخش ملانہ کی "عربی ڈھولا ﷺ" اور محبوب تابش کی "بیبوں خالی" زیور طباعت سے آراستہ ہوئیں۔

دینی ادب حوالے سے اناجیل اربعہ کا ترجمہ بھی قابل ذکر ہے جسے پنجاب بائبل سوسائٹی نے 1898ء میں امرتسر سے چھپوا کر لاہور سے شائع کیا۔ (224) سرائیکی دینی ادب ہزاروں صفحات پر پھیلا ہوا ہے ان میں سے ایک تہائی سے زائد قرآن مجید کے سرائیکی تراجم اور تفاسیر ہیں۔ قرآن مجید کا سب سے قدیم مطبوعہ ترجمہ مولوی احمد بخش رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو 1313ھ میں شائع ہوا۔ (225) دوسری کاوش مولانا خیر الدین صابر ملتانی مرحوم و مغفور کی ہے ان کا پہلے پارے کا ترجمہ 1344ھ میں زیور طباعت سے آراستہ ہوا (226) بعد ازاں مولانا عبدالتواب ملتانی مرحوم و مغفور کے دو پارے آخری اور پہلا بالترتیب 1359ھ اور 1375ھ میں شائع ہوئے۔ (227)

بعد ازاں مولانا نور احمد ابن شمس الدین سیال نے پہلے تین پاروں کا سرائیکی ترجمہ تصنیف کیا۔ پروفیسر دلشاد کلانچوی مرحوم نے پہلے چھ پاروں کا الگ الگ ترجمہ شائع کیا بعد میں مصنف موصوف کے مکمل ترجمے کے دو ایڈیشن شائع ہوئے۔ پروفیسر دلشاد کلانچوی اور ڈاکٹر مہر عبدالحق نے سورۃ الفاتحہ کی سرائیکی تفاسیر بھی تصنیف کیں۔ محمد رمضان طالب نے قرآن مجید کے آخری پارے کا منظوم ترجمہ کیا اور قرآن مجید کی منتخب آیات کا نثری ترجمہ بھی تصنیف کیا علاوہ ازیں علامہ محمد اعظم سعیدی کا نام بھی قابل ذکر ہے۔ مطبوعہ کامل تراجم میں سب سے پہلے مولانا محمد حفیظ الرحمٰن حفیظ کا ترجمہ زیور طباعت سے آراستہ ہوا بعد ازاں ڈاکٹر مہر عبدالحق خان محمد لسکانی اور رفیق احمد نعیم لسکانی کے تراجم شائع ہوئے کامل تراجم میں سب سے اہم مفسر ترجمہ "تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر ہے جو سات جلدوں پر مشتمل ہے اسے پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق شاکر نے تصنیف کیا ہے علاوہ ازیں مفتی عبدالقادر سعیدی کا ترجمہ غیر مطبوعہ ہے جو منظوم ہے دو مفسر تراجم جو مخطوطے کی صورت میں ہیں وہ قابل ذکر ہیں جو مولانا غلام محمد چاچڑانی مرحوم اور مولانا نظام الدین نظامی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف ہیں۔

سرائیکی زبان میں سیرت نگاری

سیرت رسول ﷺ کائنات کا سب سے اہم عنوان ہے۔ اگر پوری دنیا کے درخت قلم بن جائیں اور سارے سمندر سیاہی کے بن جائیں پھر بھی یہ موضوع تشنہ تکمیل رہے گا۔ اس موضوع پر صدیوں سے کام ہو رہا ہے۔ اور یہ تا قیامت جاری رہے گا دنیا کی دوسری زبانوں کے ساتھ ساتھ سرائیکی میں بھی سیرت نگاری کا کام جاری ہے۔ بہت سے علماء دانشور اور شعراء اپنی اپنی نجات اخروی کا سامان کر رہے ہیں۔ سرائیکی نثر میں سیرت نگاری کے حوالے سے گرانقدر کام ہوا ہے ان میں اخبارات اور رسائل میں طبع شدہ تحریروں کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ سرائیکی نثر میں سیرت رسول ﷺ پر پہلی کتاب ''نورناواں'' ہے جسے عبدالعزیز عبدالرشید لاہور نے مطبع گلزار محمدی لاہور سے 1314ھ میں شائع کیا۔

جدید سرائیکی نثر کا آغاز عید میلاد النبی ﷺ، مجالس عزا، جمعۃ المبارک اور عیدین کے خطبات سے ہوا۔ علماء اور ذاکرین کی تقاریر، تصانیف اور تالیفات میں بھی سرائیکی نثر موجود ہے۔ سیرت نگاری کے حوالے سے ایک اہم کتاب ''سیرت رسول ﷺ'' ہے جسے حاجی نبی بخش شوق کربلائی نے تصنیف کیا اس میں انھوں نے سن 5ھ تک کے واقعات تحریر کیے ہیں جو پانچ سو صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں اور یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے۔ پروفیسر عطا محمد دلشاد کلانچوی نے سیرت رسول ﷺ پر تین کتب تصنیف کیں۔ پہلی کتاب ''جڈاں رسول کریم ﷺ بال بن'' 1975ء میں چھپی، دوسری کتاب ''جڈاں رسول کریم ﷺ ملنگر بن'' 1976ء میں شائع ہوئی جبکہ تیسری کتاب ''جڈاں رسول کریم ﷺ کو نبوت ملی'' 1979ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہوئی ان کتب میں رسول کریم ﷺ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

ڈاکٹر مہر عبدالحق مرحوم و مغفور سرائیکی زبان وادب کے کثیر التصانیف مصنف ہیں آپ نے بھی سرائیکی سیرت نگاری میں ایک اہم کتاب ''کونین داوالی'' تصنیف کی جو 1982ء میں شائع ہوئی اس کتاب میں اٹھارہ موضوعات پر قلم اٹھایا گیا ہے خاص طور پر رسول کریم ﷺ کی گھریلو زندگی اور معاشرتی زندگی کی عمدہ مثالیں بیان کی گئی ہیں۔

سرائیکی نثر میں سیرت نگاری پر دو اہم کتابیں جن ایک وقار عنایت اللہ کی کتاب سیرت النبی ﷺ (1983ء) اور محمد شفیع احمدانی کی کتاب ''آمنہ دا لعل ﷺ'' ہے جو 1987ء میں شائع ہوئی۔

پروفیسر ڈاکٹر سجاد حیدر پرویز کی کتاب ''مدنی مٹھا من ٹھار'' 1407ھ میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کو 1987ء کا صدارتی ایوارڈ بھی ملا اس کتاب میں حضور اکرم ﷺ کی اخلاقی، سماجی اور معاشرتی اصلاحات کے بارے میں سرائیکی نثر میں لکھا گیا ہے۔ استاد محمد رمضان طالب نے سیرت رسول ﷺ پر دو کتب تحریر کیں پہلی ''محبوب ﷺ رب دا'' 1414ھ میں شائع ہوئی اور دوسری ''سوہجل سیرت'' 2007ء میں زیور طباعت لمے آراستہ ہوئی۔

سرائیکی سیرت نگاری میں سب سے اہم نام پروفیسر ڈاکٹر صدیق شاکر کا ہے جنھوں نے چھ ضخیم کتب تصنیف کیں اور پانچ صدارتی ایوارڈ حاصل کیے ان میں ''سئیں سوہنڑیں دی سیرت'' (1994ء) ''سئیں سوہنڑیں دا خلق'' (1998)، ''سئیں سوہنڑیں داذکر (1997ء) دومرتبہ ایوارڈ ملا ''سئیں سوہنڑیں دا کمال'' (1998ء) ''سئیں سوہنڑیں دا جمال'' (1999) اور سئیں سوہنڑیں دا کمال'' (1998)، اور ''سئیں سوہنڑیں دا جلال'' (2000ء) شامل ہیں۔

علاوہ ازیں رمضان طالب کی سوہنے سائیں دے سوہنے سنیہے'' اور سوہجل خبراں، فدائے اطہر کی ''سوہنے دا خلق'' اور پروفیسر دلشاد کلانچوی مرحوم و مغفور کی کتاب ''رسول کریم ﷺ دے معجزے'' سیرت نگاری کے عمدہ نمونے ہیں۔

منظوم سیرت نگاری

سرائیکی زبان میں نعت کی اقسام۔

1۔ نور نامہ: اس نظم میں کائنات کی تخلیق اور اس کے سب سے بڑے سبب رسول کریم کی شان بیان کی گئی ہے۔

2۔ معراج نامہ: جس نظم میں واقعہ معراج بیان کیا گیا ہو۔

3۔ تولد نامہ: حضور نبی اکرم ﷺ کی مبارک ولادت اور آپ کی تشریف آوری کے فیض کا ذکر

4۔ درود نامہ: یہ نعتیہ نظم کی صنف ہے۔

5۔ تاج نامہ: سرتاج انبیاء ﷺ کی بڑائی اور عظمت کا بیان۔

6۔ حلیہ مبارک: نبی کریم ﷺ کے حلیہ مبارک کو سیرت طیبہ کی روشنی میں منظوم کیا جاتا ہے۔

7۔ بارات نامہ: حضور اکرم ﷺ کی شادی مبارک کا احوال بیان کیا جاتا ہے۔

8۔ وصال نامہ: حضور نبی اکرم ﷺ اس دنیا سے پردہ کرنے کو نظم میں پیش کیا جاتا ہے۔

9۔ مولود: اس نعتیہ صنف میں آپ ﷺ کی ولادت باسعادت واقعہ معراج اور شانِ مصطفیٰ کا بیان ہوتا ہے۔

10۔ نعت شریف: اس میں رسول کریم ﷺ کی تعریف بیان کی جاتی ہے اس میں ہر طرح کے نعتیہ مضامین ہوتے ہیں۔

یہ سرائیکی زبان کی خالص نعتیہ اصناف ہیں۔ جنکی تعداد 10 ہے اس کے علاوہ دوسری اصناف میں بھی نعت کہی جاتی ہے جیسے جوگی نامے، نعتیہ طوطے نامے، نعتیہ جوگی نامے، نعتیہ چرخے نامے، نعتیہ تورے، نعتیہ سی حرفیاں، نعتیہ بارہ نامے، نعتیہ ڈھولے، نعتیہ ماہیے، نعتیہ لوری نامے، نعتیہ گھڑولیاں اور محمدی بارہ ماہے شامل ہیں۔ (228)

سرائیکی زبان میں مذہبی شاعری کی پرانی محفوظ کتاب حضرت ملا کا ''نورنامہ'' ہے اس کے اشعار کی تعداد 150 ہے۔ (229)

پروفیسر شوکت مغل لکھتے ہیں:

''نورنامہ سرائیکی زبان کی ایک قدیم کتاب ہے۔ جس کی قدامت کو تخلیق کاروں نے تسلیم کیا ہے۔ حافظ محمود شیرانی نے اسے 1054ء کی تصنیف بتایا ہے۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند میں اسے 1107ء سے 1111ء کے درمیانی دور کی تحریر قرار دیا گیا ہے۔

ڈاکٹر مہر عبدالحق کا خیال ہے کہ یہ 1054ء سے پہلے کی تصنیف ہے۔ نورنامہ ایک طویل نظم ہے جو تقریباً ایک ہزار سال سے سرائیکی وسیب کے گھروں میں پڑھی اور پڑھائی جا رہی ہے۔ اس نظم میں 29 بار ''نور'' کا لفظ آنے کی وجہ سے اس کا نام ''نورنامہ'' رکھا گیا ہے۔

نظم میں نبی پاک ﷺ کے بلند مرتبے اور ارواح فرشتوں عرش، کرسی اور بہشت کی تخلیق کا ذکر ہے۔ سب سے طویل بیان نبی پاک ﷺ کی تخلیق کا ہے شاعر کے مطابق ''نورنامہ'' پڑھنے سے ہر دکھ ٹل جاتا ہے اور ہر قسم

کے جادو اور بھوت پریت کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔''نورنامہ'' میں گیارہ مرتبہ اس نظم کو''صفت آفرینش'' ''صفت آفرینش نور محمدؐ '' کہا گیا ہے اس لیے اس نظم کا دوسرا نام''صفت آفرینش نور محمدؐ '' بنتا ہے۔

نور نامہ کی ایک خاص ترکیب اور ترتیب ہے۔اول حمد اور خدا کی صفات کا بیان،دوم خدا اپنے اظہار کی خواہش اور نور حضورﷺ کا بیان،سوم نبی پاکﷺ کی روح سمیت دوسری مخلوقات کی تخلیق اور شمائل نبوی کا بیان،چہارم کائنات کے عناصر اربعہ اور دیگر تخلیقات کا بیان،پنجم نور نامہ کی برکات کا بیان اور ششم شاعر کی اپنے اور سارے مسلمانوں کیلئے دعا کا بیان ہے۔

نور نامہ ایک وظیفہ ہے جس کی تعلیم قرآن مجید کی تدریس کے ساتھ کی جاتی رہی ہے۔بچے،بڑے،جوان، بوڑھے،مرد و زن سبھی اسے پڑھتے رہے ہیں۔دن میں کم از کم ایک بار اسے پڑھنا ثواب و برکت سمجھا جاتا رہا ہے قدیم زمانہ میں اسے''نور نامہ ملتانی'' کہا جاتا رہا ہے۔

بعد میں پنجابی سندھی بلوچی پشتو اور اردو زبانوں میں بھی اسے تحریر کیا گیا جسے ترجمہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ان تمام زبانوں میں''نور نامہ''کا مضمون اور ترتیب تقریباً وہی ہے''جو سرائیکی نور نامہ''موجود ہے۔(230)

تحصیل صادق آباد کے ایک نامور چانڈیہ شاعر''اعظم'' کا''حلیہ مبارک''اور ایک دوسرے بزرگ حضرت میاں قبول کا معراج نامہ اور دودے شاہ کا معراج نامہ قابل ذکر ہیں۔ان نظموں کا انداز بیان،موضوع،ہیت اور زبان چھٹی صدی ہجری یعنی بارہویں صدی عیسوی متعلق معلوم ہوتی ہے۔(231)

سرائیکی زبان میں مولوی غلام قادر قریشی کا تولد نامہ بڑی اہمیت کا حامل ہے اس تولد نامے میں 1072 اشعار ہیں۔تولد نامہ سرائیکی شاعری کے نعتیہ ادب کا سنگار ہے۔

حلیہ مبارک کو بہت سے شعراء نے منظوم کیا۔اعظم کے حلیہ مبارک کے چند اشعار ملاحظہ کریں۔

دیکھ جمال نبی سرورؐ دا چن تے چمن شرماون
حور ملائک صدقے جاون پریاں گھول گھماون
بدن مبارک حضرت سرورؐ آہا عیبوں خالی
خالق خلقی سمجھو سکھنی صورت سوہنڑے والی

یہ رت 191 اشعار پر مشتمل ہے اور 1890ء میں ملتان سے شائع ہوا۔(232)

میاں رحیم بخش کے بارہ ماہ محمدی کا نمونہ کلام دیکھیں: (233)

چیتر جیٹھ ہمیشہ کرے وچ مدینے جاواں میں
روضے پاک نبیؐ دے اتوں جندڑی گھول گھماواں میں
بُنِّ ہووے حضورں پوری سارے مطلب پاواں میں
رب رحیم کریم قادر توں ایہو ہر دم چاہواں میں

دینی رسائل/فقہی رسائل

سرائیکی مذہبی شاعری میں دینی رسائل اور فقہی مسائل کی منظوم کتب کا ذخیرہ بھی اہمیت کا حامل ہے۔ ان رسائل کا آغاز کب ہوا؟ اس کا تعین نہیں ہو سکتا البتہ ساتویں صدی ہجری کے بعد کے معلوم ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر نصر اللہ خاں ناصر اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے میں پنجابی ادب کی مختصر تاریخ از احمد حسن قریشی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''مولانا عبدی ابن محمد ساکن باتو کا رسالہ ملتا ہے جو 997 ہجری کی تصنیف ہے مولانا عبدی کے متعلق باوا بدھ سنگھ پریم کہانی میں لکھتے ہیں کہ وہ ملکہ ہانس ساہیوال کے رہنے والے تھے انہوں خود کو تبلیغ کیلئے وقف کیا ہوا تھا۔''(234)

حافظ محمود شیرانی پنجاب میں اردو' میں لکھتے ہیں:

''مولوی عبداللہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں وہ جہانگیر کے عہد سے شاہ جہاں کے آخری ایام تک 40 سال تصنیف وتالیف میں مصروف رہے ان کی پہلی کتاب ''تحفہ'' 1025 ہجری میں اور آخری کتاب خیر العاشقین 1065 ہجری میں مکمل ہوئی۔''(235)

مولانا عبداللہ نے بارہ رسائل تحریر کئے۔ دینی اور فقہی مسائل پر سرائیکی زبان کی ایک اہم تصنیف مولانا عبدالکریم بھنگوی کی ''نجات المومنین'' ہے۔ فقہ کی یہ کتاب 1086ء ہجری میں لکھی گئی اس کتاب میں فرائض ایمان، ارکان اسلام، عذاب بے نماز، احکام شریعت، وضو، غسل، تیمم، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ نماز میں ہاتھ باندھنے کے بارے میں لکھتے ہیں:

سنت وچ نماز دے ڈونویں ہتھ اُٹھا　　　وچ پہلی تکبیر دے لے کے نام خدا

مرد اٹھاون کناں تیک عورت موھڈیاں تا　　　کھبے اوپر رکھنا سجا ہتھ ٹکا

1140ھ میں حاجی شیر محمد شیر گڑھی بہاولپوری نے ''میت نامہ'' کے عنوان سے کفن دفن کے مسائل پر ایک رسالہ منظوم کیا۔(236)

حضرت شیخ عبداللہ ملتانی نے 1090ھ میں ''جندڑی پردیسی'' کے عنوان سے ایک مقبول نظم لکھی جس میں اس فانی دنیا کو جھوٹا جہان کہا گیا اور سچے جہاں کی تیاری کی تلقین کی گئی۔ ''جندڑی پردیسی'' کے بند دیکھیں: (237)

الف اللہ بندگی کرتوں　　　بہت صلوٰۃ نبیؐ تے پڑھ توں

چوھاں یاراوچ نگاہ دھرتوں　　　تا ایمان رب ڈیسیا

سمجھ بندے توں نال فکر دے اے جندڑی پردیسیا

میم ملاں بن شرح جگائیں　　　کر کر وعظاں خلق سنائیں

آپ نہ سدھے راہ تے جائیں　　　دوزخ رب دھکیسیا

سمجھ بندے توں نال فکر دے اے جندڑی پردیسیا

دینی اور اصلاحی رسائل پر ضلع مظفر گڑھ کے محمد الیاس مسافر نے "لذت العشق" کے عنوان سے نماز کی فرضیت اور فضیلت کے بارے میں سی حرفی لکھی۔

حافظ سراج الدین قاری نے حافظ قرآن حضرات کیلئے ایک رسالہ 1305ھ میں لکھا اس کے اشعار کی تعداد 151 ہے وجہ تصنیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہویا ہن ختم رسالہ نال اللہ دے یاری

جیڑھے پڑھدے نفع بے اوڑک پارے حافظ قاری (238)

سرائیکی زبان کے علماء اور شعراء نے بے شمار ایسے فقہی مسائل لکھ کر دین اسلام اور سرائیکی زبان کی خدمت کی ہے۔ اس سلسلے میں فرائض قاضی فخر الدین 1320ھ۔ "مسائل غسل" از مولوی محمد رمضان پنساری، "خلاصہ الفقہ" از مولوی شجاع الدین، "رسالہ بے نمازاں" 1920ء از میاں متھا ترگڑ، "تحفہ زنان" از حضرت مولانا محمد عبداللہ ملتانی، "تحقیق لاریب" از حکیم محمد امیر علی گانگی، شرعی مسائل، ذبیحہ نامہ، درود ماہی، تسبیح تراویح، توبہ نامہ، قصہ روزہ نامہ رمضان المبارک، زکوۃ، ایمان اور شرک نامہ جیسی کتب قابل ذکر ہیں۔

میاں مسکین کا ایک رسالہ "نیم ملاں خطرہ ایمان" کے نام سے 1297 ہجری میں شائع ہوا نمونہ کلام دیکھیں: (239)

اللہ کارن علم پڑھو سب چھوڑ ڈیود وڈیائی

پکڑ حلیمی کار کرو جواب نبیؐ فرمائی

چھوڑ ڈیو شیطانی پیشہ مجلس ترک لہابی

کرو نہ گلہ نیک لوکاں مت آوے پیش خرابی

جے کوئی چاہے رب توں لبھے لبھے کول فقیراں

وسدا رب بے شک انہاں وچ صدقوں کرے نظیراں

ان کے علاوہ بہت سے نادر قلمی نسخے کچھ لوگوں کی لائبریریوں میں موجود ہیں جن میں چک نمبر R-10-114 جہانیاں میں اسعدی انصاری کی ذاتی لائبریری میں مخطوطے موجود ہیں:

1۔ علوی محمد امین "رشد المجالس" صفحات 200 سن تصنیف 705ھ قلمی

2۔ غلام نبی قوم سومرا "مسائل اسلامی" صفحات 874,305ھ قلمی

3۔ سلطان احمد انصاری مولوی "شرح نبی" صفحات 9 سن تصنیف 110ھ قلمی

4۔ محمد رمضان مولوی "مسائل غسل" صفحات 30 1229ھ قلمی

5۔ خدا بخش خواجہ "نصیحت نامہ" صفحات 8 1300 ہجری قلمی (240)

صوفیانہ شاعری

برصغیر کے صوفیاء نے اپنی شاعری میں توحید رسالت کو خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔ صوفی اپنے عمل عشق اور ریاضت کے ساتھ سلوک کی منزلیں طے کرتا ہے۔ صبر، برداشت، فقر، استغفار، سوز گداز، ذکر اور فکر کے مقام سے گذر کر توحید اور رسالت کے بے کنار سمندر میں داخل ہو جاتا ہے۔

تصوف کا منبع حضور اکرم ﷺ کا اسوہ حسنہ اور روحانی زندگی کی عملی تربیت ہے۔ تصوف سرائیکی علاقے کی گھٹی میں رچا بسا ہوا ہے۔ سرائیکی علاقہ ہمیشہ صوفیاء کرام کی خاص توجہ کا مرکز رہا ہے۔ سرائیکی زبان کے نامور صوفی شعراء میں پہلا نام حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر (569ھ تا 664ھ) ہے۔

نمونہ کلام:

اٹھ فریدا وضو ساج ، صبح نماز گذار
جو سر سائیں نہ نیویں، سو سر کپ اتار

شیخ ابراہیم فرید ثانی (1459ھ تا 1575ھ) سلسلہ چشتیہ کے بزرگ نے اپنے کلام کے ذریعے قناعت، صبر اور نفسانی خواہشات کی نفی کو درویشوں کے روح کی غذا کہا ہے۔

حضرت سلطان باہوؒ (1029/1669ھ تا 1102/1696ھ) آپ کا سارا کلام معرفت شریعت عشق الٰہی عشق رسولؐ، مرشد کی محبت، دین کی تبلیغ، فقر، دنیا کی بے ثباتی، علماء کی بے عملی، دکھاوے کی عبادت، تقویٰ کی نمائش اور بری اقدار کی نفی سے بھرا ہوا ہے کلام دیکھیں۔ (241)

اللہ پڑھیا پڑھ حافظ ہویا گیا حجابوں پردہ ہو
پڑھ پڑھ عالم فاضل ہویا بھی طالب ہویا زر دا ہو
لکھ ہزار کتاباں پڑھیاں ظالم نفس نہ مردا ہو
باجھ فقیراں کسے نہ ماریا باہو اے ظالم چور اندر دا ہو

علی حیدر ملتانی (1101ھ تا 1199ھ) سرائیکی کے بہت بڑے شاعر اور صوفی منش انسان تھے۔ ان کا بیت ملاحظہ ہو۔ (242)

م، مذہب کیا پچھدیں قاضی میڈا ارانجھن رکن ایمان دا اے
عشق امام نماز محبت مرلی حرف قرآن دا اے
سبھ وقت رکوع سجود اچ راہندے ایہہ سجدہ رب رحمان دا اے
علی حیدر ہیر رانجھے دی آہی لکویں گوڑا وہم جہاں دا اے

سچل سرمست (1152ھ تا 1243ھ) نے الہامی انداز میں شریعت اور طریقت کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے
آپ کے کلام میں عشقِ حقیقی کی سرمستی اور جذبے کی سچائی ہے اس لیے آپ کو سچل سرمست کہا گیا نمونہ کلام دیکھیں: (243)

سوئی کم کر بیٹھے جس وچ اللہ آپ بنڑ بیٹھے
ایہا تکبر فنافی والی پیلے پر پڑھیئے
مار نقارہ اناالحق دا سولی آ چڑھیئے
اندر باہر ہکو ہویوں ٹوٹو قتل مریئے

1857ء کی جنگ آزادی کے بعد برصغیر کی سیاسی اور سماجی حالت میں بہت بڑی تبدیلی رونما ہوئی۔ سرائیکی
شاعری کا پورا مزاج عارفانہ اور صوفیانہ ہو گیا خواجہ غلام فرید کا کلام دیکھیں جو عشق رسول ﷺ سے سرشار ہے:

اتھاں میں مٹھڑی نت جان بلب
او تاں خوش وسدا وچ ملک عرب
تیڈے باندیاں دی میں باندری آں
تیڈے در دے کتیاں نال ادب

توحید کے بارے میں کافی کے اشعار ملاحظہ ہوں:

ہک، ہے ہک ہے ہک ہے
ہک دی دم دم سک ہے
جیڑھا ہک کوں ڈو کر جانے
او کافر مشرک ہے

ڈاکٹر روبینہ ترین خواجہ غلام فرید کی شاعری کے بارے میں کافی نمبر 20 کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتی ہیں:

جب ہک رمز ملی توحیدوں
دل آزاد ڈٹھم تقلیدوں
تھی کے فرد فرید فریدوں
سری روحی وعظ سنایا

ترجمہ: جب مسئلہ توحید کا ایک راز سمجھ میں آ گیا تو میرا دل دوسرے عقائد اور پیروی سے آزاد ہو گیا (غلام فرید)
سے جب فرید فرد (فنافی اللہ) ہو گیا تو وہ بھی سری روحی کا وعظ سنانے لگ گیا۔ (244)

سرائیکی مرثیہ

صنف "مرثیہ" کو مشرق و مغرب کی ہر زبان میں خاص اہمیت رہی ہے اور اسے اقسام میں بھی تقسیم کیا گیا ہے۔ مثلاً کسی عزیز یا رشتہ دار کی موت پر رنج و غم اور حزن و ملال کے منظوم اظہار کو بعض ناقدین نے شخصی مرثیے کا نام دیا۔ ایسی نظمیں دنیا کے ہر زبان کے ادب میں ملتی ہیں اردو ادب میں اس کی مثال غالبؔ کے مرثیہ عارف اقبال کے مرثیہ داغ یا "والدہ مرحومہ کی یاد میں" اور حالی کے مرثیہ غالب کی دی جاسکتی ہے لیکن اکثر ناقدین ادب نے شخصی مرثیوں کو مرثیہ تسلیم نہیں کیا وہ انہیں تعزیتی نظموں کے ضمن میں لیتے ہیں"۔(245)

ڈاکٹر شارب ردولوی لکھتے ہیں:

"شخصی مراثی کو کسی کے انتقال پر اظہار غم کی وجہ سے مراثی میں شامل کر لیا گیا حالانکہ انہیں اصولاً مرثیہ کہنا غلط ہے اس لیے کہ وہ مرثیے کے لغوی معنی کو بھی پورا نہیں کرتے انہیں تعزیتی نظم کہنا چاہیے"۔ (246)

دلشاد کلانچوی لکھتے ہیں:

"محققین کا خیال ہے کہ سرائیکی مرثیے اردو مرثیوں سے بھی قدیم ہیں بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مرثیہ خوانی سب سے پہلے ملتان سے شروع ہوئی اور یہیں سے دہلی اور لکھنؤ تک جا پہنچی۔ افسوس اس بات کا ہے کہ بہت سارا عرصہ گذر جانے کے بعد اور سرائیکی کے قدیم مرثیوں کو محفوظ کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہونے کے سبب کوئی نمونہ ابھی تک مل نہیں سکا۔"(247)

ابن حنیف دنیا کے اولین مرثیے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"عراق سے ایک اور طرح کے دو منظوم مرثیے یا نوحے بھی دستیاب ہوئے ہیں اور یہ دنیا میں اپنی نوعیت کے سب سے قدیم مراثی ہیں جو تحریری صورت میں ملے ہیں۔ یہ انسانوں یعنی باپ اور بیوی کی موت پر کہے گئے تھے انہیں "ماتمی، تدفینی یا عزائی گیت" بھی کہہ لینا چاہیے"۔(248)

پروفیسر مختار علی شاہ کے مطابق:

"اس سے پہلے جتنے بھی تذکرے ملتے ہیں ان میں سرائیکی مرثیہ کو علیحدہ پیش نہیں کیا گیا۔ حالانکہ یہ صنف نہ صرف قدیم ترین ہے بلکہ مضبوط ترین ہے۔ بہت سارے شعراء ایسے بھی ہیں جنہوں نے ساری عمر صرف مرثیے ہی لکھے کوئی اور صنف نہیں لکھی۔"(249)

اب مرثیہ کا لفظ واقعات کربلا پر لکھے جانے والے مرثیوں کے لیے مخصوص ہو کر رہ گیا ہے۔ جس کے تحت اسباب و واقعات کربلا اور نتائج کربلا کو ہی موضوع بنایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر مظفر حسن مرثیہ کا اصطلاحی مفہوم واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کلمہ مرثیہ ایک اصطلاحی کی صورت اختیار کر چکا ہے اور اس کے اصطلاحی معنوں میں وہ شعری تخلیقات شامل ہیں جن میں واقعہ کربلا کے عوامل اس واقعہ کی تفصیلات اس واقعہ میں شریک افراد کی تصویر کشی اور کردار نگاری اور اس واقعہ کے اثرات سے تعرض کیا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر جب تک سیاق اور سباق سے کوئی اور مفہوم متبادر نہ ہوتا ہو اس وقت تک مرثیہ کے معانی یہی سمجھے جائیں گے کہ اس میں حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے رفقاء کی شہادت

اور اس دردناک حادثہ سے جو دوسرے واقعات مربوط ہیں صرف ان ہی کا ذکر ہوگا۔" (250)

مرثیہ ایسی شعری صنف ہے جو پوری مسلمان قوم کے لیے مذہبی جذبات کی آئینہ دار ہے اور اس کا تعلق خارجی شاعری سے ہے۔ سانحہ کربلا 61 ہجری / یکم اکتوبر 680ء کے بعد جب حضرت امام حسین علیہ اسلام کے صاحبزادے حضرت امام زین العابدین اور مستورات کو دمشق لے جایا گیا تو امام زین العابدین نے اور پھر حضرت امام حسین علیہ السلام کی بہن ام کلثوم نے مرثیے کہے روایت ہے کہ اس موقع پر حضرت امام زین العابدین کی بیویوں میں سے ایک جو (جنوبی سندھ کی خاتون تھیں) نے اپنی مادری زبان (قدیم سرائیکی) میں مرثیہ لکھ کر اپنے خاوند کو پیش کیا تو امام نے یہ دعا فرمائی

"اللہ کرے گا تمہاری زبان میں ذکر حسینؑ تا قیامت ہوتا رہے گا"۔ (251)

سرائیکی زبان کے ممتاز دانشور پروفیسر شمیم عارف قریشی کہتے ہیں:

"سرائیکی زبان میں مرثیہ نگاری کی ریت پانچ ہزار سال پرانی ہے۔ دنیا کی کسی بھی زبان میں آج تک اتنی بڑی صنف پیدا نہیں ہوئی یہ سرائیکی زبان کی مٹھاس اور سوز کا نتیجہ ہے کہ سرائیکی شعراء نے واقعہ کربلا کو اس انداز اور کرب کے ساتھ مرثیہ میں سمویا ہے کہ سننے والوں کو سانحہ کربلا کا حقیقی کرب محسوس ہوتا ہے"۔ (252)

ڈاکٹر نصر اللہ خاں ناصر لکھتے ہیں:

"سرائیکی زبان کے شعری اور نثری ادب کا بہت بڑا حصہ واقعات کربلا کے بارے میں ہے۔ جہاں تک سرائیکی مرثیہ نگاری کا تعلق ہے سرائیکی علاقوں میں واقعہ کربلا (سن 61 ہجری) کے فوراً بعد یہاں آغاز ہوگیا تھا"۔ (253)

اقبال ارشد لکھتے ہیں:

"سرائیکی شاعری خانوادہ نبوت کی مجلس میں آنسوؤں اور سسکیوں کا نذرانہ پیش کرنے میں عربی فارسی اور اردو سے کم نہیں بلکہ بعض مراثی تو عالمی ادب میں بھی بہت نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔ زبان کی حلاوت و شیرینی موضوع کی گہرائی اور رفعت مرثیے میں کہیں زیادہ اثر پیدا کر دیتی ہے۔ صدیوں سے سرائیکی مرثیہ کہنے اور سننے والوں کو حسینؑ کی عظیم ذات سے وابستہ رکھے ہوئے ہے"۔ (254)

اختر وحید لکھتے ہیں:

"دت موہیل دراصل برہموں کی قدیم شاخ ہے۔ کوروں پانڈوں کا اتالیق درون اپارج اس قوم کا ایک فرد تھا اور یہی مہابھارت کی جنگ کا سپہ سالار بھی تھا۔ دت اسی کی اولاد میں شمار ہوتے ہیں قدیم زمانے میں سرزمین عرب پر ان کا راج تھا دت "حسینی" اس لیے کہلاتے ہیں کہ انہوں نے حضرت امام حسین علیہ اسلام کی مدد کیلئے دشمنوں سے مقابلہ کیا تھا"۔ (255)

پروفیسر ڈاکٹر اسلم انصاری لکھتے ہیں:

"اسلامی دنیا کی شاید ہی کوئی زبان ایسی ہو جس میں کربلا کے حوالے سے رثائی ادب موجود نہ ہو۔ سرائیکی زبان بھی اس کلیے سے مستثنیٰ نہیں۔ ملتانی مرثیے کی شہرت اور روایت لفظ سرائیکی سے کہیں زیادہ قدیم ہے۔ وہ ملتانی مرثیہ جس کی گونج لکھنوء تک سنائی دیتی تھی ملتانی تہذیب و ثقافت کی ایک خاص علامت تھی۔

سرائیکی نظم ونثر کے جن ادب پاروں پر مشتمل تھی مورخ کا قلم انہیں تو نہیں ان کی یاد کو ضرور محفوظ رکھ سکا ہے۔(256)

خلش پیر اصحابی لکھتے ہیں:

''سرائیکی مرثیے کے ابتدائی نقش کیسے تھے اور یہ کیسے وجود میں آیا یہ ایک وقت طلب مسئلہ ہے۔ اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ سرائیکی مرثیہ ایک طویل سفر کر کے ہم تک پہنچا ہے۔ پچھلے پانچ سو سالوں میں جو شاعر گذرے ہیں ان کی محنت کے سبب مراثی کا بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے۔ جہاں تک کھوج کا تعلق ہے تو جیسے دلشاد کلانچوی نے ''سرائیکی نثر'' میں لکھا ہے ''سرائیکی زبان کی زیادہ تر ترقی عزاداری اور ذاکرین کی تقریروں کے سبب ہوئی''۔(257)

کیفی جام پوری لکھتے ہیں:

''شہدائے کربلا کے مصائب پر سب سے پہلا مرثیہ حضرت امام زین العابدین نے کہا ہے۔ ان کے بعد بنوامیہ حکومت کی قدغن کے باوجود بہت سے عرب شاعروں نے اس سانحہ عظیم پر مرثیے کہے۔ ابوالاسود دوئلی، سلمان بن قبہ، کمیت، ابو دہبل (الجمعی) فرزدق اور دعبل نے بڑے اجتماعات میں مرثیے پڑھے۔۔۔۔۔۔۔ تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں فاطمین مصر کے داعی سندھ سے ہوتے ہوئے ملتان پہنچے اس شہر کو انہوں نے اپنی دعوت کا مرکز بنالیا فرشتہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ ''امام باقرؑ کے زمانہ میں ملتان میں شیعہ کافی تعداد میں موجود تھے۔''(258)

ڈاکٹر طاہر تونسوی رقمطراز ہیں:

''تحقیق اور تاریخ کے لحاظ سے اگر جائزہ لیں تو بدقسمتی سے کوئی ایسا نمونہ نہیں ملتا جس سے سرائیکی مرثیے کے سفر کا پتہ لگ سکے''۔(259)

ساتویں صدی ہجری میں بابا فرید گنج شکرؒ نے کوٹھیوال ملتان سے سیکھی ہوئی مقامی زبان میں شعر کہے تو شہادت حسین کا ذکر کیا۔ سرائیکی زبان کی باقاعدہ مرثیہ گوئی کی اولین شکل جنگ نامہ حامد ملتانی مصنفہ 760ھ بمطابق 1359ء ہے جنگ نامے کی ایک اور مثال جنگنامہ سید اکبر شاہ مصنفہ 1841ء ہے۔

اس کے بعد مرثیہ تحریری شکل میں ہمیں بارھویں صدی ہجری میں نظر آتا ہے بلکہ بارھویں صدی سے چودھویں صدی تک تین سو سال کے عرصے کو سرائیکی مرثیہ گوئی کا کارزیں دور کہا جاسکتا ہے۔(260)

سرائیکی مرثیے کی تحقیق کے حوالے سے سب سے معتبر نام خلش پیر اصحابی کا ہے ''سرائیکی مرثیے گوئی کے چار سو سال'' 1980ء اور ''سرائیکی مرثیہ گوئی کے پانچ سو سال'' 1404ھ ان کی اہم کتابیں ہیں۔

یونیورسٹی کی سطح پر ڈاکٹر غضنفر مہدی نے جام شورو یونیورسٹی سندھ سے مرثیہ پر پی ایچ ڈی کی ہے اس میں ڈاکٹر غضنفر مہدی نے 156 مرثیہ گو سرائیکی شعراء کے کلام کا حوالہ دیا ہے۔ پروفیسر صفدر حسین شاہ نے اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے ایم۔اے کا مقالہ ''سرائیکی مرثیہ'' تحریر کیا ہے۔

کیفی جام پوری لکھتے ہیں:

''مرثیہ اس زبان میں اس کثرت سے لکھا گیا ہے کہ اس کو ایک جا جمع کر کے مرتب ومدون کرنے کے لیے ایک بڑے کتب خانے کی ضرورت ہے۔ ڈوہڑہ اور کافی اس زبان کی دو اہم اصناف سخن میں لیکن وزن میں مرثیہ کا پلڑا ان دونوں پر بھاری ہے''۔(261)

سرائیکی زبان کے نمائندہ مرثیہ نگار اور ان کا نمونہ کلام
اسماعیلی بزرگوں کا کلام

پانچویں سے آٹھویں صدی عیسوی تک اسماعیلی بزرگوں کے سرائیکی گنان سرائیکی مرثیے کی صورت ملتے ہیں۔
بوجھ برنجن کے پانچویں پاتھ سے شہادت کے بارے میں اشعار: (262)

داتھیں ہوئی مثال میں آوے
تھاتھیں ہوئی جا شہادت پاوے
چوتھا ملک شہادت کہیں
بھلا براسب جالے لہیں

سید احمد کی سی حرفی کا نمونہ دیکھیں: (263)

اک نور محمد مصطفیٰ
دوجا نور علی مرتضیٰ
مائی فاطمہؓ بھی ان کے بیلے
حسنؑ حسینؑ اس نور ماہلیں کھیلے

شیخ فرید الدین ابراہیم فرید ثانی کے کچھ اشعار میں واقعات کربلا کا ذکر ملتا ہے: (264)

رووے بی بی فاطمہ بیٹے دووین نیں
میں کی پھڑیا رب دا میری جوڑی خاک رلی

حضرت سلطان باہو 1039ھ تا 1102ھ 1619ء تا 1669ء:

جے کردین علم وچ ہوندا سر نیزے کیوں چڑھدے ہو
اٹھاراں ہزار جو عالم آیا اوہ اگے حسینؑ دے مروے ہو
جے کجھ ملا خطہ سرور دا کردے تاں خیمے تنبوں کیوں سڑدے ہو
جے کر مندے بیعت رسولی تاں پانی کیوں بند کر دے ہو
پرصادق دین تنہاں دا باہو جو سرقربانی کردے ہو

سندھی زبان کے صوفی شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی کے کلام کا سرائیکی نمونہ:

مہندی لاون ڈے جیویں شاہ مہندی لاون ڈے
شاہ قاسمؑ سیج وچھاون ڈے مہندی لاون ڈے

سرائیکی زبان کے عظیم شاعر مولوی لطف علی کا خراج عقیدت دیکھیں: (265)

حسنؑ حسینؑ امام ڈوہیں من توں رتبہ ہردا
ہک خشنود تھیا جیں ویلے پیش جام زہر دا
ڈوجھا شاکر تھیا جڈاں جاں چکھیس گھا خنجر دا
درد ستار نبوت ہر اک شان رکھے کر فردا
کر تعریف ہمیش انھاں دی شام صبح تھی بردا۔

سیدزمان شیرازی: (266)

لکھ صلوٰۃ پیغمبر کوں ہے امت دا سردار سلام
ونج توں کربلا دے بن وچ قاصد آکھ ہزار سلام
آکھ سبط پیغمبر دے کوں آہدی ہئی بیمار سلام
جوں وچھڑی وچ شہر مدینے رووے زاروز ارسلام

سکندر خاں اشاری بلوچ کا ڈوہڑہ دیکھیں: (268)

جاں سے ہا شب وسے ہا منہ چھے ہا زہرآ اے
متاں روپووے ڈکھ ہو پووے شالہ سو پووے واہ وائے
اے جائی ہے تے نشانی ہے تے نمانی دا سا ہے
شالہ نام رہس تے نشان رہس فیض عام رہس ہر جائے

ایک پرانی قلمی بیاض (مملوکہ سیدزاہد حسین نانوتوی سہارنپوری) میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی بیٹی کے حوالے سے شعر دیکھیں: (269)

نہ رو میڈی لاڈلی ہنجوں بھر بھر نین
صبح شام کوں آویسی میڈا باپ حسینؑ

غلام حسین کا مرثیہ در بیان تیاری مدینہ: (270)

تساں کھڑے ہو سفر تیار وو — ویرنہ جیواں میں
پلوں نہ گھناں جھیکوی وار وو — ویرنہ جیواں میں
شالاں جیویں میڈا بھائی — پلوتی امڑی جائی
کیتے ونجاں درد ستائی — ویساں روندی مر بیار وو

غلام سکندر غلام کا مرثیہ شہزادہ علی اصغرؑ کے اشعار دیکھیں: (271)

بھال وے اکھیاں اصغر بھال
کیں کیتا ہئی چولا لعل وے
واسطے پانی دے خیر اللہ دا
تیکوں گھن گیا لجپال وے
خالی پنگھا ڈیکھ کے رووے
ڈیکھ حسینؑ سکینہؑ دا حال وے

مولوی فیروزالدین فیرور کے نوحے کا نمونہ: (272)

میں کھڑی ہاں شام تیار وے ویرن اللہ دے حوالے
میں قیدی ہاں لاچار وے ویرن اللہ دے حوالے

"لنگوئسٹک سروے آف انڈیا" میں فیروز کے مرثیے کا انگریزی ترجمہ بھی شامل ہے ترجمہ سرجیمز ولسن نے کیا۔
اے ولسن دی گرامر اینڈ ڈکشنری آف شاہ پوری میں شامل ہے فیروز کا مرثیہ یہ ہے: (273)

کتھ مدینہ کتھ شاہ نجف   تھیا شام مکان سکینہؑ دا
ملک پیمبر ذات خداوی   کرن ارمان سکینہؑ دا

منشی مضطر ملتانی: (274)

کئی شبیر نے یارو ودھایا شان کربل دا
کیا ودھ باغ جنت توں ایہو بستان کربل دا
بھوں ظلم وجفا ہو یا نبیؐ دا گھر صفا ہویا
کیویں کوئی ڈسے یارو بھلا ارمان کربل دا

مولوی گل محمد عاشق ملتانی: (275)

ڈینہہ ڈہویں کیا ڈساں کیا کیتا ظلم دے بانی
اوندے رہ گئے ہال نمانے کر کے پانی پانی
کہیں بیٹے وچ سانگ جھلی کہیں گل وچ جھلی کانی
من دریا تے ماریا گیا قبلہ حیدر ثانی

سید امام علی شفیق: (276)

رات نہ وسے ڈینہہ نہ تھیوے نہ نکھڑے ویر پیارا
لوکاں کیتے ڈینہہ ہوسی میڈے کیتے جگ اندھارا
بل آیا مارن ویر میڈے کوں چوطرفوں عالم سارا
کن کھمن ونجاں ویرن کوں توہی لگدا بھین دا چارا

سید امام علی شفیق کی قلمی بیاض حبیب فائق کی لائبریری میں بھی موجود ہے۔
منشی نور محمد گدائی کا نمونہ کلام دیکھیں: (277)

اے میں غریب دے مارن کیتے کھڑا ہے عالم سارا
ڈیکھ گھنیں اوچھلے تائیں جو ہوونا ہے یارا
بیا جوتوں پچھدا ہیں میڈا میکوں جانے کل زمانہ
نام جیندے دا کلمہ پڑھدن میں حسینؑ دا نانا

"سندھ میں سب سے زیادہ جو زبان بولی جاتی ہے وہ سرائیکی ہے سندھ میں بھی سرائیکی مرثیہ کی روایت زمانہ قدیم سے چلتی آ رہی ہے۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی نے سرائیکی مرثیے کا آغاز کیا ان کے بعد سید ثابت علی شاہ ثابت ملتانی، حضرت چل سرمست، بیدل فقیر سندھی، ہمت علی شاہ رضوی، قائم فقیر، سید ہادی بخش شاہ مسکین، مرزا قربان علی بیگ قربان، مرید حسین مرید کربلائی مشہدی کے نام قابل ذکر ہیں"۔ (278)

''ابتداء میں سرائیکی زبان کے علاقے میں چھاپے خانے موجود نہ تھے۔ ملتان کے رہائشی محمد خیرالدین صابر کاظم اور غلام علی مطبع الٰہی آگرہ (انڈیا) سے مراثی کی کتب چھپواتے تھے اس لیے سرائیکی مراثی کا بہت بڑا سرمایہ نہ چھپ سکا البتہ قلمی مخطوطات کی صورت میں موجود ہے''۔(279)

''سرائیکی ادب وچ مرثیہ'' کتابیات سرائیکی ریسرچ سنٹر بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان جس کی ترتیب وتالیف اجمل مہار نے کی اس کتاب میں کم وبیش 1306 کتب/شعراء کے نام حروف تہجی کی ترتیب سے موجود ہیں۔

سرائیکی ریسرچ سنٹر بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان کی لائبریری میں قلمی نسخہ جات موجود ہیں۔ان میں ایک قلمی نسخہ ''مرثیہ'' کے نام سے ہے جس میں گیارہ شعرا کے مرثیے شامل ہیں سال کتابت 1895ء۔

- ☆ ''فردوس الشہداء'' (نظم) قلمی نسخہ سال کتابت 1270 ہجری مولود شریف مختلف شعراء ن م
- ☆ مولوی عبدالکریم ''فرائض ایمان'' نظم (مثنوی) س ن
- ☆ مولوی عبدالکریم ''نجات المومنین'' نظم (مثنوی) 1273ھ
- ☆ مصنف نامعلوم ''چہل حدیث ذبح نامہ'' نظم شامل ہے س ن
- ☆ محمد عارف کوہ غم ''نظم سفرنامہ حج'' 1298ھ (280)
- ☆ (اجمل مہار ابن اکبر قلمی نسخہ جات سرائیکی ریسرچ سنٹر بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان 2006)

سرائیکی مذہبی شاعری کی کچھ کتابیں درج ذیل ہیں۔

- ☆ دلنور نورپوری (مرتب) ''نور دے نظارے'' سرائیکی پبلیکشنز نور پور نورنگار بہاولپور 1998
- ☆ فدا حسین شہباز ''زلف طوک محمد سیں'' دی جھوک پبلشرز ملتان 1999
- ☆ حاجی غوث بخش منصف اماموی ''بہاراں'' بزم منصف سرائیکی ادبی سنگت نور پور نورنگار بہاولپور 1996
- ☆ دلنور نورپوری/محمد منور سراج (مولفین) دلنور سرائیکی پبلیکشنز 1999
- ☆ دیوانہ بلوچ (مرتب) ''مٹھا پاک مدینہ'' بلوچ ادبی اکیڈمی نور پور نورنگا بہاولپور 2001
- ☆ سفیر لاشاری ''نور محمد ﷺ'' سفیر سرائیکی ادبی سنگت احمد پور شرقیہ 2002
- ☆ محمد نیازی جوئیہ ''محمدؐ دے دردی غلامی'' جھوک پبلشرز ملتان 2003
- ☆ دلنور نورپوری (مرتب) ''نور دی کن من دلنور سرائیکی پبلیکشنز نور پور نورنگا بہاولپور 2004
- ☆ اظہر محمد خدا بخش ''دیوان اظہر'' حصہ دوم سرائیکی مکتبہ اسلامیہ شجاع آباد 1403 ہجری
- ☆ عطاء الرسول اویسی ''مدحت رسولؐ'' (دوسرا حصہ) مکتبہ رویسہ بہاولپور س ن م
- ☆ مغفور سعیدی (مرتب) ''مدینے دے موتی'' کتابستان شاہی بازار بہاولپور س ن
- ☆ محمد عبدالغفار ''دیوان غفاری'' درگاہ عالیہ غریب آباد یارو کھوسہ س ن
- ☆ شفقت رسول ''شان رسولؐ'' مصنف خود س ن

☆ فیض احمد اویسی مکتبہ اویسیہ بہاولپور س ن

☆ پیر بخاری ''شان مصطفیٰ ﷺ'' کاظمی کتب خانہ ملتان س ن

☆ فیض محمد سندھڑ ''محسن کائنات ﷺ'' اللہ دتہ چشتی شجاع آباد س ن

☆ فیض محمد سندھڑ ''باراں 12 نعتاں'' کاظمی کتب خانہ ملتان س ن

☆ الٰہی بخش خاں ''رحمت دا سمندر'' لیسین کتاب گھر اچ شریف س ن

☆ حاجی محمد نواز عصیم قادری ''ندائے عصیم'' محلہ جنڈے شاہ مدار ملتان

☆ پرسوز بخاری ''خالق داماں محمد ﷺ'' بزم شعاع سرائیکی فتح پور کمال بہاولپور س ن

☆ گلشاد ''مدنی دے سہرے'' 1 مکتبہ رضویہ شجاع آباد س ن

☆ گلشاد مدنی ''دے سہرے'' 2 مکتبہ رضویہ شجاع آباد س ن

☆ گلشاد ''مدنی دے سہرے'' 3 مکتبہ رضویہ شجاع آباد س ن

☆ ''مدنی سئیں سلطان'' امید ملتانی سرائیکی مجلس ادب ملتان 1988

☆ ''گلشن رسولؐ'' حاجی تاج محمد تاج مشتاق بک کمپنی احمد پور شرقیہ 1989

☆ آسی محمد عبدالرحمٰن ''عقیدت دیاں گالھیں'' مصنف خود 1989

☆ دلنور نور پوری (مرتب) ''نوری نعتاں'' دلنور پبلی کیشنز نور پور نورنگا 1990

☆ دلنور نور پوری (مرتب) ''مدینے ہوواں ہا'' دوسرا ایڈیشن نور پور نورنگا 1991

☆ قدوسی محمد صدیق ''شان مصطفیٰؐ'' دلنور پبلی کیشنز نور پور نورنگا 1991

☆ سعیدی محمد شبیر احمد حافظ (مرتب) ''نور دیاں لاٹاں'' مدرسہ عربیہ بدر شیر بہاولپور 1992

☆ میتلا محمد اسلم مخفل ''گلشن سرکارؐ'' میتلا پبلی کیشنز جہانیاں خانیوال 1992

☆ رسول بخش حافظ ''عقیدت دے پھل سجادہ'' شیں دربار عالیہ امام شاہ 1993

☆ قادری محمد نواز عصیم ''چمنستان نعت'' نعت انسٹی ٹیوٹ ملتان 1993

☆ مخفی خادم حسین ''اے سب تاڈا کرم ہے آقاؐ'' دلنور نور پبلی کیشنز 1993

☆ حاجی غوث بخش ''ڈھولا پاک محمدؐ'' دوسرا ایڈیشن دلنور نور پبلی کیشنز 1994

☆ سعیدی حافظ محمد بشیر احمد مغفور (مولف) ''نوری سہرے سرائیکی'' ادبی مرکز بہاولپور 1995

☆ سعیدی حافظ محمد بشیر احمد مغفور (مولف) ''محبت رسول سرائیکی'' ادبی مرکز بہاولپور 1996

☆ سعیدی حافظ محمد بشیر احمد مغفور (مولف) ''مٹھڑو امدینہ'' اکادمی سرائیکی ادب بہاولپور 1997

☆ نواز بزدا ''رسک سرور'' چوٹی زیریں ڈی جی خاں 1997

سرائیکی میں تراجم پر عمومی نظر

سرائیکی میں تراجم کی روایت بہت پرانی ہے ادب کی تدوین کے ساتھ ہی تراجم کا عمل شروع ہو گیا ہے۔ سرائیکی زبان میں کئی دوسری زبانوں سے تراجم ہوئے ہیں جن میں اردو، عربی، انگریزی اور فارسی شامل ہیں۔ ان تراجم سے سرائیکی زبان کی وسعت اور جاذبیت عیاں ہوئی ہے۔ ان تراجم سے سرائیکی ادب کا دامن بھی وسیع ہوا ہے اور سرائیکی کو علمی ادبی اور سائنٹیفک زبان کا مقام ملا ہے۔

اردو سے سرائیکی تراجم کی فہرست خاصی طویل ہے ان میں سے کچھ منثور ہیں اور کچھ منظوم۔

منظوم تراجم میں میر امن دہلوی کی مشہور مثنوی باغ و بہار کا منظوم سرائیکی ترجمہ قاضی امام بخش شیروی 1300ھ میں کیا۔ پروفیسر دلشاد کلانچوی نے کلام غالبؔ کا منظوم ترجمہ "غالب دیاں غزلاں" کے عنوان کے تحت رقم کیا۔ علامہ اقبال کی کتاب بال جبریل کے پہلے حصے کی غزلوں کا ترجمہ نسیم لیہ نے تصنیف کیا۔ وزیر آغا کی اردو نظموں کا سرائیکی ترجمہ فرحت نواز نے "چونڑویاں نظماں" کے عنوان سے کیا۔ میر حسن دہلوی کی مشہور کتاب "مثنوی سحر البیان" کا سرائیکی منظوم ترجمہ "دل بہار" کے نام سے پروفیسر دلشاد کلانچوی نے کیا ان کے علاوہ بھی کئی تراجم موجود ہیں۔

اسی طرح اردو زبان سے نثری تراجم بھی ہوئے ہیں۔ نزیر احمد دہلوی کے اردو ناول توبۃ النصوح کا سرائیکی ترجمہ "توبہ زاری" دلشاد کلانچوی نے 1977ء میں تصنیف کیا۔ دلشاد کلانچوی نے ہی امتیاز علی تاج کے ڈرامے انارکلی کا سرائیکی ترجمہ "انارکلی تے اقتدار دی ہوس" کے نام سے 1978ء میں شائع کیا۔

انہوں نے ہی قصہ چہار درویش کا سرائیکی ترجمہ "قصے تے پڑ قصہ" کے عنوان کے تحت تصنیف کیا۔ مولانا عبدالحلیم شرر کے ناول فردوس بریں کو "فردوس ٹھگالی" کے عنوان سے نذیر علی شاہ نے ترجمہ کیا۔ مولانا محمد حسین آزاد کی کتاب نیرنگ خیال کا سرائیکی ترجمہ "خواباں وچ خیال" کا سرائیکی ترجمہ دلشاد کلانچوی فدائے اطہر اور اسلم قریشی نے حل کر کیا جسے سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے 1980ء میں شائع کیا۔

فرحت نواز نے "کرشن چندر سے رشید امجد تک" بائیس افسانوں کا "منزلاں تے پندھیڑے" کے نام سے سرائیکی ترجمہ کیا ہے۔ 1981ء میں سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے آغا حشر کے تین ڈراموں کا سرائیکی ترجمہ الگ الگ ترجمہ کیا۔

رستم سہراب کا ترجمہ "رستم تے سہراب" اسلم قریشی نے دلشاد کلانچوی نے آغا حشر کے ڈرامے خوبصورت کا ترجمہ بیج ڈکھاندی بیج بھلاں دی اور "خواب ہستی" "کوڑا خواب" فدائے اطہر نے کیا۔ خلیل جبران کی کتاب The Prophet کا سرائیکی ترجمہ ڈاکٹر قاسم جلال نے "راز دیاں گالھیں" کے عنوان سے کیا تراجم کا یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔

فارسی زبان سے بھی بہت سے تراجم ہوئے ہیں ان میں سب سے قدیم کتاب "نصاب ضروری" ہے جسے مولوی خدا بخش نے 879ء میں تصنیف کیا جس میں انہوں نے فارسی کے مصادر کا سرائیکی میں ترجمہ کر کے چھپوایا تھا۔ حضرت قطب الدین کی کتاب کا سرائیکی ترجمہ فخر الدین راضی نے فرائض کے نام سے کیا جو 1320ھ بمطابق 1903ء کو سادھوڑہ انبالہ سے شائع ہوئی۔

محمد بشیر احمد ظامی بہاولپور نے سعدی شیرازیؒ کی ایک سو ایک حکایات کا ترجمہ "سعدی آکھیا" کے عنوان سے 1976ء میں شائع کیا۔ عبدالعزیز نشتر غوری مرحوم نے عمر خیام کی اسی رباعیات کا منظوم سرائیکی "ترجمہ شہکار" کے نام سے 1971ء میں شائع کیا انہوں نے حافظ شیرازی کی دو سو غزلوں کا منظوم سرائیکی ترجمہ بھی تصنیف کیا۔

رباعیات خیام کا دوسرا ترجمہ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے "مئے گلفام" کے نام سے 1973ء میں کیا تیسرا ترجمہ ڈاکٹر ایاز سہروردی کا "ڈھیر برستاں دے بعد" ہے۔

ڈاکٹر مہر عبدالحق نے جاوید نامہ اقبال کا سرائیکی ترجمہ تصنیف کیا۔ نور احمد ابن شمس الدین سیال نے شیخ سعدی شیرازی کی کتاب "کریما" کا سرائیکی ترجمہ کیا۔ حضرت مولانا شیخ فرید الدین عطارؒ کی کتاب "پند نامہ" کا ترجمہ غلام حسین زائر نے فرمایا اور حلیہ النبی ﷺ علیہ وسلم کا فارسی سے منظوم سرائیکی ترجمہ محمد اعظم بہاولپوری نے کیا۔

سرائیکی زبان میں بہت سی زبانوں سے تراجم ہوئے۔ خاص طور پر عربی زبان سے بہت سارے تراجم ہوئے اگر تمام زبانوں سے تراجم پر نظر ڈالی جائے تو سب سے زیادہ تراجم دینی ادب کے زمرے میں آتے ہیں یہ مترجمین کی مذہب سے وابستگی اور سرائیکی سے محبت کو عیاں کرتی ہے۔

عربی سے سرائیکی تراجم میں قدامت کے حوالے علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کے قصیدہ بُردہ کا سرائیکی منظوم ترجمہ ہے جو 162 اشعار پر مشتمل ہے جسے لطف اللہ مہندس کے فارسی ترجمہ سے ماخوذ کیا گیا ہے اسے ڈاکٹر مہر عبدالحق نے اپنی کتاب "سرائیکی دیاں مزید لسانی تحقیقاں" میں تحریر کیا جو چوبیس صفحات پر مشتمل ہے۔

دوسری قدیم تحریر حاجی عبدالوہاب کی ہے انہوں نے عربی حلیہ مبارک رقم کیا اور اس کا سرائیکی ترجمہ 900ھ میں غلام حسین نے تصنیف کیا۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے قصیدہ بردہ کا چار زبانوں میں ترجمہ تصنیف کیا ان میں انگریزی ترجمہ نثر میں جبکہ فارسی اردو اور سرائیکی میں منظوم ترجمہ کیا گیا ہے یہ 1978ء میں شائع ہوا۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق شاکر نے قصیدہ بردہ شریف کا سرائیکی منثور ترجمہ تصنیف کیا قصیدہ بردہ کا ایک اور سرائیکی منظوم ترجمہ بعنوان "اوجھن" محمد رمضان طالب نے کیا۔ یہ ترجمہ 2002ء میں فرید سرائیکی سنگت ڈیرہ غازی خان نے شائع کیا۔ احادیث مبارکہ کے تراجم بھی طبع ہوئے ان میں "چالیھ حدیثاں" شامل ہے جسے دلشاد کلانچوی نے 1975ء میں شائع کیا۔

محمد رمضان طالب کی دو کتب "مشکوۃ شریف وچوں 200 حدیثاں" اور "مشکوۃ شریف وچوں 100 حدیثاں" جو 1993ء میں شائع ہوئیں۔

حافظ جمال اللہ ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں علامہ عبدالعزیز پرہاروی کی کتاب "انوار جمالیہ" کا سرائیکی ترجمہ "جمالی جلوے" علامہ محمد اعظم سعیدی دامت برکاتھم نے کیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہ سے منسوب خطابات شریفہ بلا الف و بلا نقطہ کا منظوم ترجمہ بھی علامہ محمد اعظم سعیدی نے کیا علاوہ ازیں نماز کے سرائیکی تراجم کے حوالے سے "نبی سئیں دی نماز مع سرائیکی ترجمہ" اور "نماز محمدی" سرائیکی ترجمہ محمد رمضان طالب فدا ملتانی اور اکرم رنجھا کی کاوش ہے۔

عربی سے سرائیکی تراجم میں ضخیم اور قابل قدر کام قرآن مجید کے سرائیکی تراجم ہیں جو منظوم بھی ہیں اور منثور بھی۔ اگر قرآن مجید کے کامل تراجم پر نظر ڈالیں تو ان کی تعداد دس سے زائد ہے اس حوالے سے اولین کاوش مولانا حفیظ الرحمٰن حفیظ مرحوم و مغفور کی ہے۔ قرآن مجید مترجم بزبان ریاستی مصنف موصوف نے 1372ھ 1952ء کو طبع فرمایا۔

"قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی" ڈاکٹر مہر عبدالحق کی تصنیف ہے (1404ھ) بعد ازاں خان محمد لسکانی مرحوم اور رفیق احمد نعیم لسکانی نے مل کر قرآن کا ترجمہ "قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال" کے عنوان سے کیا (1991ء) "سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف" پروفیسر دلشاد کلانچوی کی تصنیف ہے جس کے دو ایڈیشن 1983ء اور 1991ء میں شائع ہو چکے ہیں اس سے قبل انہوں نے قرآن مجید کے پہلے چھ پاروں کے سرائیکی تراجم بھی طبع فرمائے تھے۔

قرآن مجید کے سرائیکی تراجم کے حوالے سے ایک معتبر نام پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق شاکر کا ہے۔ انہوں نے قرآن مجید کی سات منزلوں کے اعتبار سے سات جلدوں میں قرآن پاک کا مختصر ترجمہ طبع فرمایا ہے جو "تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر" کے نام سے موسوم ہے یہ 2005ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔

غیر مطبوعہ کامل تراجم قرآن میں مولانا مفتی عبدالقادر سعیدی مدظلہ العالی کا ترجمہ "المرجان" ہے جو 626 صفحات پر مشتمل ہے مصنف موصوف نے اپنے قلم سے قرآن مجید کا عربی متن اور سرائیکی ترجمہ رقم کیا ہے۔

عربی سے سرائیکی میں تراجم کے حوالے سے ایک یادگار کاوش "تفسیر اتالیقی بزبان سرائیکی" ہے جسے مولانا غلام محمد چاچڑانی رحمۃ اللہ علیہ نے تصنیف کیا یہ تفسیر 791 صفحات پر مشتمل ہے سرائیکی زبان میں ایک اور ضخیم اور بسیط تفسیر ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی المعروف سوغات نظامی" ہے جو مولانا محمد نظام الدین نظامی مرحوم و مغفور کے قلم سے مرقوم ہے۔

قرآن مجید کا ایک اور سرائیکی ترجمہ اور تفسیر محترمہ بخت آور کریم کی تصنیف ہے جو مرحومہ نے اپنی وفات سے ایک دن قبل 20 فروری 1984ء میں مکمل کی جو تا حال غیر مطبوعہ ہے۔

قرآن مجید کے حوالے سے ایک منفرد کوشش ملک ریاض شاہد کی ہے انہوں نے 3 فٹ لمبے اور دو فٹ چوڑے آرٹ کارڈ پر قرآن مجید رقم کیا ہے جو 110 فٹ لمبا ہے اور اس کا وزن بارہ من ہے مصنف موصوف ماہر کاتب ہیں آپ نے رضاء المصطفیٰ سعیدی کے قرآن پاک کے اردو ترجمے سے سرائیکی ترجمہ اپنے قلم سے رقم کیا ہے۔

قرآن پاک کے جزوی سرائیکی تراجم کے حوالے سے پندرہ سے زائد تراجم دستیاب ہوئے ہیں ان میں اکثر مطبوعہ ہیں ان میں منثری، نثری، مفسر اور منظوم تراجم شامل ہیں۔ قرآن پاک کا سب سے قدیم ترین ترجمہ مولوی احمد بخش رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو 1313ھ میں شائع ہوا اس سے پہلے کسی ترجمے کا سراغ نہیں ملتا اس ترجمے کو شرف اولیت حاصل ہے۔ قرآن مجید کے سرائیکی ترجمے کی دوسری کاوش مولانا محمد خیر الدین صابر ملتانی کی ہے۔ آپ کا "پارہ اول بامحاورہ بزبان ملتانی" 1344ھ میں زیور طباعت سے آراستہ ہوا یہ بھی مولوی احمد بخش مرحوم کی طرح صرف پہلے پارے کا سرائیکی ترجمہ ہے۔

نثری تراجم کے حوالے سے پہلی کاوش مولانا عبدالتواب ملتانی مرحوم و مغفور کی ہے۔ سب سے پہلے آخری پارہ 1359ھ میں شائع ہوا اور بعد ازاں 1375ھ میں پہلا پارہ آپ کی وفات کے بعد منظر عام پر آیا۔

اسی دوران مولانا حفیظ الرحمٰن حفیظ مرحوم مومغفور کی تصنیف "بارھاں سورۃ" مصنف موصوف نے خود اپنے مطبع سے 1371ھ میں شائع کی بعد ازاں "تفرید القرآن" کے نام سے موسوم انجمن حفظ القرآن بہاولپور نے قرآن مجید کے پہلے تین پاروں کا سرائیکی ترجمہ شائع کیا جس کے مصنف مولانا نور احمد ابن شمس الدین سیال رحمۃ اللہ علیہ تھے یہ پارے الگ الگ بالترتیب 1975ء، 1976ء اور 1986ء کو زیور طباعت سے آراستہ ہوئے۔

مفسر تراجم کے حوالے سے "دلشادیہ تفسیر القرآن العظیم" مفسر دلشاد کلانچویؒ (1984ء)، "الحمد للہ سورۃ الفاتحہ دی سرائیکی تفسیر" مترجم ڈاکٹر مہر عبدالحق مرحوم و مغفور (1986ء) اور "فرید التفاسیر یعنی تفسیر سرائیکی" پہلے پارے کی تفسیر ہے، جس کے مصنف مولانا محمد اعظم سعیدی ہیں 1988ء میں شائع ہوئی۔ محمد رمضان طالبؔ نے نثری منثری اور منظوم تراجم تصنیف کیے جو 1995ء سے 2006ء کے درمیان شائع ہوئے "قرآن کریم وچوں چنڑویاں آیتاں دا سرائیکی ترجمہ" خان محمد لسکانی اور رفیق احمد نعیم لسکانی کی تصنیف ہے جو 1989ء میں شائع ہوا۔

حافظ مختار احمد شاہد عباسی نے قرآن مجید کی منتخب گیارہ سورتوں کا سرائیکی ترجمہ کیا جو ابھی تک غیر مطبوعہ ہے بہاولپور کے جناب عبدالوہاب عباسی دامت برکاتہم قرآن مجید کا منظوم ترجمہ کر رہے ہیں جو ابھی زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوا جناب غلام رضا سیورا بھی جرمنی میں مقیم ہیں اور ان کا قرآن مجید کا منظوم ترجمہ زیر تصنیف ہے۔

حوالہ جات باب اول

1- عبدالحق مہر ڈاکٹر، ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق، بہاولپور، اردو اکادمی، ۱۹۶۷ء، ص ۴۷۔

2- اناجیل اربعہ، سرائیکی تراجم، بائیبل سوسائٹی لاہور، ۱۸۹۸ء۔

3- کیفی جام پوری، سرائیکی شاعری، ملتان، بزم ثقافت، ۱۹۶۸ء، ص ۲۲۔

4- سجاد حیدر پرویز ڈاکٹر، سرائیکی زبان و ادب کی مختصر تاریخ، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۱ء، ص ۱۸۔

5- کیفی جام پوری، سرائیکی شاعری، ملتان، بزم ثقافت، ۱۹۶۸ء، ص ۲۴، ۲۵۔

6- ایضاً، ص ۲۵۔

7- طاہر تونسوی ڈاکٹر، سرائیکی ادب ریت تے روایت، ملتان، بیکن بکس، ۱۹۹۳ء۔

8- ایڈورڈ او برائن، اے گلاسری آف ملتانی لینگویج، ۱۸۹۱ء۔

9- اینڈریو جیوکس، ڈکشنری آف جٹکی آر ویسٹرن پنجابی، ۱۹۰۰ء۔

10- ظامی بہاولپوری، ملتانی زبان و ادب، ص ۳۳۔

11- تابش الوری، چھر کے، مقدمہ، ص ۲۶۔

12- عبدالحق مہر ڈاکٹر، ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق، بہاولپور، اردو اکادمی، ۱۹۶۷ء۔

13- عتیق فکری، العتیق العتیق، بہاولپور، سرائیکی ادبی مجلس، ۱۹۶۷ء، ص ۱۰۹۔

14- سید نور علی ضامن حسینی، معارف سرائیکی، احمد پور شرقیہ، مصطفیٰ شاہ اکیڈمی، ۱۹۷۲ء، ص ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۰۵۔

15- چراغ اعوان، ہیرا نجھا، لاہور، پنجابی ادبی بورڈ، ۱۹۷۸ء، ص ۲۳، ۲۴۔

16- اسلم رسولپوری، سرائیکی زبان اوندا رسم الخط تے آوازاں، رسول پور، (راجن پور) سرائیکی پبلیکیشنز، ۱۹۸۰ء، ص ۴۹۔

17- Ahsan Wagha, The Saraiki Language Its Growth & Development, Islamabad, Dderawar Publications, 1990, P. 4.

18- دلشاد کلانچوی، سرائیکی لسانیات، ۱۹۹۰ء، ص ۲۸، ۲۹۔

19- الٰہی بخش سرائی فقیر ہفت روزہ بشارت مضمون سرائیکی زبان کی وجہ تسمیہ، بحوالہ سجاد حیدر پرویز سرائیکی زبان و ادب کی مختصر تاریخ، ص ۲۸۔

20- شوکت مغل، آؤ سرائیکی پڑھوں تو سرائیکی لکھوں، ملتان، جھوک پبلشرز، ۲۰۰۴ء، ص ۱۲، ۱۳۔

21- شوکت مغل، سرائیکی اکھاݨ، جلد اول طبع دوم، ملتان، جھوک پبلشرز، ۲۰۰۵ء، ص ۳۔

22- عبدالحق مہر ڈاکٹر، سرائیکی زبان دے قاعدے تے قانون، ملتان، سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۸۴ء، ص ۵۔

23- شکیل پتافی، سرائیکی زبان کے ماخذ کا خلاصہ، ماہنامہ اوراق، جولائی اگست ۱۹۹۴ء، شمارہ ۷۔۸، ص ۳۲۳۔

24- دلشاد کلانچوی، سرائیکی اور اسکی نثر، ص ۱۴۔

25- زوار حسین بھٹہ، مقالہ ایم فل، سرائیکی اور اردو مرثیے کا تقابلی جائزہ، اسلام آباد، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۲ء، ص ۴۔

26- عبدالحق مہر ڈاکٹر، ملتانی زبان اور اسکا اردو تعلق، بہاولپور، اردو اکادمی، ۱۹۶۷ء، ص ۸۶۔

27- سجاد حیدر پرویز ڈاکٹر، سرائیکی ادب کی نشاۃ ثانیہ کے بیس سال، ملتان، بزم ثقافت۔

28- نصر اللہ خاں ناصر ڈاکٹر، سرائیکی شاعری دا ارتقاء، ملتان، مقالہ پی ایچ ڈی، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ص ۱۳۔

29- بخش محمد حیات خان، مقالہ ایم اے، سرائیکی زبان کے ارتقاء کا اجمالی جائزہ، کراچی، پاکستان سٹڈی سنٹر کراچی، ۹۶-۱۹۹۵، ص ۱۷۔

30- ظامی بہاولپوری، سرائیکی زبان کا ارتقاء، بہاولپور، اکادمی سرائیکی، ۱۹۷۰، ص ۱۸۔

31- Ahsan Wagha, The Saraiki Language Its Growth & Development, Islamabad, Dderawar Publications, 1990, P. 1-2.

32- عبدالحق مہر ڈاکٹر، سرائیکی زبان اور اسکی ہمسایہ علاقائی زبانیں، ملتان، سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۷۷، ص ۴۰ تا ۴۲۔

33- لینگوسٹک سروے آف انڈیا، کلکتہ، ۱۹۱۹ء، پہلا حصہ، ص ۱۵۵۔

34- سجاد حیدر پرویز ڈاکٹر، سرائیکی زبان و ادب کی مختصر تاریخ، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۱ء، ص ۷، ۸۔

35 عین الحق فرید کوٹی، اردو زبان کی قدیم تاریخ، لاہور، اورینٹ ریسرچ سنٹر، بار دوم، ۱۹۷۹ء، ص ۱۰۰، ۱۰۱۔

36- زوار حسین بھٹہ، مقالہ ایم فل سرائیکی اور اردو مرثیے کا تقابلی جائزہ، اسلام آباد، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۲ء، ص ۵۔

37- دلشاد کلانچوی، سرائیکی اور اسکی نثر، ص ۲۔

38- عتیق فکری علامہ، العتیق العتیق، سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور، ۱۹۹۷، ص ۷۵۔

39- حنیف چوہدری، مطالعہ فرید کا ایک نیا رخ، ملتان، سرائیکی ریسرچ سنٹر بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ۲۰۰۲، ص ۸۸۔

40- عبدالرحمٰن خان منشی، تاریخ ملتان، ملتان، عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ، ۲۰۰۰ء، ص ۳۴۰۔

41- شہاب مسعود حسن، خطہ پاک اوچ، بہاولپور، اردو اکیڈمی، ۱۹۸۲ء، ص ۱۹۔

42- سندھی عبدالمجید میمن ڈاکٹر، لسانیات پاکستان، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۲، ص ۷۹۔

43- وزیر آغا ڈاکٹر، اردو شاعری کا مزاج، لاہور، مکتبہ عالیہ، ۱۹۸۴ء، ص ۷۰۔

44- فریدی نور احمد خاں مولانا، تاریخ ملتان جلد دوم، ملتان، قصر الادب، ۱۹۷۳ء، ص ۳۲۴۔

45- راشدی حسام الدین پیر، سندھی ادب، کراچی ادارہ مطبوعات پاکستان، س ن م، ص ۹۔

46- سلیمان ندوی سید، نقوش سلیمانی، کراچی، اردو اکیڈمی، اسلام آباد، ۱۹۶۷ء، ص ۳۳۔

47- سجاد حیدر پرویز ڈاکٹر، سرائیکی زبان و ادب کی مختصر تاریخ، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۱، ص ۱۰۔

48- اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، تاریخ ہند قدیم، علی گڑھ (انڈیا) مکتبہ جامعہ، ۱۹۴۳، ص ۹۰۔

49- سجاد حیدر پرویز ڈاکٹر، سرائیکی زبان و ادب کی مختصر تاریخ، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۱، ص ۱۱، ۱۲۔

50- جارج گریرسن، لینگوسٹک سروے آف انڈیا، کلکتہ، ۱۹۱۹ء، ص ۱۹۔

51- سجاد حیدر پرویز ڈاکٹر، سرائیکی زبان و ادب کی مختصر تاریخ، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۱ء، ص ۱۲، ۱۳۔

52- عبدالحق مہر ڈاکٹر، ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق، بہاولپور، اردو اکادمی، ۱۹۶۷ء، ص ۹۴، ۹۵۔

53- سجاد حیدر پرویز ڈاکٹر، سرائیکی زبان و ادب کی مختصر تاریخ، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۱، ص ۱۳۔

54- سدھیشور ورما، آریائی زبانیں، لاہور، مکتبہ معین الادب، ۱۹۶۰، ص ۵۵۔

55- سفرنامہ اصطخری، لاہور، لائیڈن پریس، ص ۷۷، بحوالہ ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق۔
56- سفرنامہ ابن حوقل، لاہور، لائیڈن پریس، ص ۲۳۲۔
57- احسن التقاسیم فی معرفت الاقالیم سفرنامہ بشاری، ص ۱۸۱۔
58- ابوظفر ندوی، تاریخ سندھ، اعظم گڑھ، مطبع معارف، ۱۹۴۷ء، ص ۳۶۰۔
59- اسلم رسولپوری، سرائیکی زبان اوندا رسم الخط تے آوازاں، رسولپور (راجن پور) سرائیکی پبلیکیشنز، ۱۹۸۰ء، ص ۴۰۔
60- شوکت مغل، اردو میں سرائیکی کے انمٹ نقوش، ملتان۔
61- محمد اکرم شیخ، آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ساتویں بار، ۱۹۷۵ء، ص ۲۱۱۔
62- اورینٹل کالج میگزین مئی ۱۹۴۳ء، قدیم عربی تصانیف میں ہندوستانی الفاظ بحوالہ مقدمہ تاریخ زبان اردو، ڈاکٹر مسعود حسین خان، ص ۸۲۔
63- البیرونی، کتاب الہند جلد اول مترجم سید اصغر علی، دہلی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۴۱ء، ص ۱۹، ۲۰۔
64- مسعود حسین خان ڈاکٹر، مقدمہ تاریخ زبان اردو، لاہور، اردو مرکز، ۱۹۶۶ء، ص ۸۳۔
65- ندوی سید سلیمان، نقوش سلیمانی، کراچی، مطبوعہ باب السلام پرنٹنگ پریس، ۱۹۶۷ء، ص ۳۴، ۳۵۔
66- اردو کے خوابیدہ الفاظ، لاہور، مرتبہ مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۷۲ء۔
67- شیرانی حافظ محمود، پنجاب میں اردو، لاہور، آئینہ ادب، ۱۹۷۲ء، ص ۱۷۔
68- زور محی الدین قادری ڈاکٹر، ہندوستانی لسانیات، ص ۹۰، ۹۱۔
69- عبدالحق مہر ڈاکٹر، ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق، بہاولپور، اردو اکادمی، ۱۹۶۷ء، ص ۲۹۲۔
70- عبدالحق مہر ڈاکٹر، سرائیکی زبان اور اس کی ہمسایہ علاقائی زبانیں، ملتان، سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۷۷ء، ص ۵۳۔
71- الیس یو سر توف، الہند الہنکو یج۔
72- ملت زبانی لغت، لاہور، مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۷۲ء۔
73- نبی بخش بلوچ ڈاکٹر، فتح نامہ سندھ عرف چچ نامہ، حیدرآباد، سندھی ادبی بورڈ، ۱۹۶۳ء، ص ۱۵۰۔
74- عبدالحق مہر ڈاکٹر، ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق، بہاولپور، اردو اکادمی، ۱۹۶۷ء، ص ۱۰۲۔
75- سجاد حیدر پرویز ڈاکٹر، سرائیکی زبان و ادب کی مختصر تاریخ، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۱ء، ص ۱۶۔
76- ناصر نصراللہ خان ڈاکٹر، مقالہ Ph.D سرائیکی شاعری دا ارتقاء، ملتان، ۱۹۸۸ء، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان۔
77- الانا غلام علی ڈاکٹر، سندھی بولی جی لسانی جاگرافی، انسٹی ٹیوٹ آف سندھیالوجی، سندھ یونیورسٹی سندھ، ۱۹۷۹ء، ص ۱۵۷
78- عین الحق فریدکوٹی، اردو زبان کی قدیم تاریخ لاہور، اورینٹ ریسرچ سنٹر، ۱۹۷۹ء، ص ۱۷۔
79- عطاء اللہ قاضی، تاریخ پشتو جلد اول، ص ۱۵، بحوالہ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند پنجاب یونیورسٹی لاہور، تیسری جلد، ۱۹۷۱ء، ص ۵۰۴۔

80- A.M.K. Durrani Multan Under the Afgham, Multan, Bazm-e-Saqafat.

81- Cambridge History of India, Vol. 1, Page 339.، بحوالہ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند چودھویں جلد پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۷۱ء، ص ۳۶۰۔

82- گریرسن لنگوسٹک سروے آف انڈیا، جلد ۱۰، ص ۳۳۳: بحوالہ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند چودھویں جلد

پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۷۱ء، ص ۳۶۲۔

83۔ اسلم رسول پوری، لسانی مضامین، جام پور (راجن پور)، سرائیکی پبلیکیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۳۸، ۳۹۔ بحوالہ ماہنامہ ماہ نور لاہور فروری ۲۰۰۴ء۔

84۔ اسلم رسول پوری، لسانی مضامین، جام پور (راجن پور)، سرائیکی پبلیکیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۳۳۔

85۔ حسان الحیدری میر، لاہور، تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، چودھویں جلد، پنجاب یونیورسٹی ۱۹۷۱ء، ص ۲۶۰، ۲۶۱

86۔ اختر وحید، وروگوہر ملتان، ملتانی ریسرچ اکیڈمی ملتان، ۱۹۵۲ء، ص ۸، ۹۔

87۔ دلشاد کلانچوی، سرائیکی لسانیات، ص ۵۰، ۵۱۔

88۔ ایضاً، ص ۵۲، ۵۴۔

89۔ عبدالحق مہر ڈاکٹر، ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق، بہاولپور، اردو اکادمی، ۱۹۶۷ء، ص ۷۸۔

90۔ اسلم رسولپوری، سرائیکی زبان اوندا رسم الخط تے آوازاں، ص ۶۴۔

91. Ahsan Wagha, The Saraiki Language Its Growth & Development, Islamabad, Dderawar Publications, 1990, P. 15.

92۔ دلشاد کلانچوی، سرائیکی لسانیات، ص ۵۲، ۵۴۔

93. Dr. Shackl A Century of Saraiki Studies in English, 1984, P.5.

94۔ شوکت مغل، سرائیکی دیاں خاصا آوازاں دی کہانی، ملتان، جھوک پبلشرز، ۲۰۰۲ء، ص ۳۶، ۳۷۔

95۔ کیفی جام پوری، سرائیکی شاعری، ملتان، بزم ثقافت، ۱۹۶۸ء، ص ۵۴۔

96۔ عبدالحق مہر ڈاکٹر، سرائیکی دیاں مزید لسانی تحقیقاں، ملتان، سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۸۵ء، ص ۵۶، ۵۷، ۵۸۔

97۔ حسان الحیدری میر، بحوالہ تاریخ ادبیات علماء سندھ ماہنامہ آستانہ زکریا ملتان، ماہ جولائی ۱۹۵۸ء۔

98۔ شوکت مغل، معراج نامہ، ملتان، جھوک پبلشرز، ۲۰۰۳ء، ص ۲۔

99۔ حسان الحیدری میر، تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند چودھویں جلد، لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۱ء، ص

100۔ سجاد حیدر پرویز ڈاکٹر، سرائیکی زبان و ادب کی مختصر تاریخ، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۱ء، ص ۱۸۶، ۱۸۷

101۔ ایضاً، ص ۱۸۵۔

102۔ نظامی محمد بشیر احمد، سرائیکی زبان دا ارتقاء، بہاولپور، مرکز سرائیکی زبان تے ادب، س ن، ص ۱۲۹۔

103۔ قدوسی اعجاز الحق، تاریخ سندھ، جلد اول، لاہور، اردو سائنس بورڈ، ۱۹۸۵ء، ص ۲۔

104۔ ایضاً، ص ۲۔

105۔ عبدالحق مہر ڈاکٹر، ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق، بہاولپور، اردو اکادمی، ۱۹۶۷ء، ص ۱۰ تا ۱۲۔

106۔ اکبر شاہ نجیب آبادی، مقدمہ تاریخ ہند جلد اول، بجنور (انڈیا) مدینہ پریس، ۱۹۳۳ء، ص ۶۹ تا ۷۱۔

107۔ رزاق شاہد ڈاکٹر، ساہیوال دی پنجابی ادبی تاریخ، ملتان، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی مقالہ پی ایچ ڈی، ص ۴۱

108۔ رفیق مغل ڈاکٹر، بحوالہ لیکچر موہنجوڈرو پر سندھ کی تہذیب کے اثرات، سرجان مارشل، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

109۔ ابن حنیف، سات دریاؤں کی سرزمین، ملتان، کاروانِ ادب، ۱۹۸۰ء۔

110- سبط حسن، پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء، کراچی، مکتبہ دانیال، ۱۹۸۱ء، ص ۵۸ تا ۷۳۔

111- عتیق فکری علامہ، نقشِ ملتان جلد اول، ملتان، فکری اکیڈمی، ۱۹۸۲ء، ص ۶۱ تا ۶۷۔

112- صدیق طاہر، وادی ہاکڑہ اور اس کے آثار، بہاولپور، اردو اکیڈمی، ۱۹۸۲ء، ص ۳۵ تا ۳۶۔

113- آرنسٹ میکے/ ابن حنیف، لاہور، روزنامہ امروز، ۱۳ اگست ۱۹۵۹۔

114- صدیق طاہر، وادی ہاکڑہ اور اس کے آثار، بہاولپور، اردو اکیڈمی ۱۹۸۲ء، ص ۴۷۔

115- ظامی محمد بشیر احمد، سرائیکی زبان دا ارتقاء، بہاولپور، مرکز سرائیکی زبان تے ادب، ص ۱۴۱۔

116- میڈم زیڈ اے راگوژن، دکن (انڈیا) ویدک ہند ترجمہ مولوی حمید احمد انصاری، جامعہ عثمانیہ دکن، ۱۹۲۳ء ص،
۲۰۴ تا ۲۰۵۔

117- سعید احمد سعید پروفیسر، رحیم یار خان، تاریخ وتعارف ضلع رحیم یار خان، ۱۹۸۱ء، ص ۱۵ تا ۲۳۔

118- مسعود حسن شہاب، خطہ پاک اوچ، بہاولپور، اردو اکیڈمی، ۱۹۸۲ء، ص ۸۴ تا ۸۵۔

119- سید نور علی ضامن حسینی، معارف سرائیکی، احمد پور شرقیہ، مصطفیٰ شاہ اکیڈمی، ۱۹۷۲ء ص، ۱۷۴، ۱۷۵۔

120- صدیق طاہر، وادی ہاکڑہ اور اس کے آثار، بہاولپور، اردو اکیڈمی، ۱۹۸۲ء ص ۱۵۲ تا ۱۵۴، ۲۰۵ تا ۲۰۶۔

121- ایضاً، ص ۲۶۔

122- فتح نامہ سندھ عرف چچ نامہ، حیدر آباد، سندھی ادبی بورڈ، ۱۹۶۳ء ص، ۳۱ تا ۴۷۔

123- ایضاً، ص ۳۳۰ تا ۳۳۶۔

124- قدوسی اعجاز الحق، تاریخ سندھ حصہ اول، لاہور، اردو سائنس بورڈ، ۱۹۸۵ء، ص ۳۰۲۔

125- فکری عتیق علامہ، نقشِ ملتان جلد اول، ملتان، فکری اکیڈمی، ۱۹۸۲ء، ص ۱۵۔

126- شاہد ایس۔ ایم، عہد قدیم، لاہور، تیو بک پیلس، ۱۹۹۴ء، ص ۱۹۔

127- قدوسی اعجاز الحق، تاریخ سندھ، لاہور، اردو سائنس بورڈ، ۱۹۹۴ء، ص ۱۹۔

128- محمد آصف خان، سندھ ادب، لاہور، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، ۱۹۹۱ء، ص ۱۳، ۱۴، ۱۵۔

129- عبدالحق مہر ڈاکٹر، ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق، بہاولپور، اردو اکادمی ۱۹۶۷ء، ص ۱۱۶۔

130- اولاد علی گیلانی سید، مرقع ملتان، لاہور، فیروز سنز، ۱۹۳۶ء، ص ۹۸۔

131- عبدالرحمان خان منشی، تاریخ ملتان، ملتان، ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ، ۲۰۰۰ء، ص ۱۷۶۔

132- جان ڈنلپ ایم۔ ڈی/ مترجم زبیر شفیع غوری، مولتان دوران محاصرہ اور مابعد، ملتان، بیکن بکس، ۲۰۰۲ء، ص ۴۵۔

133- کیفی جام پوری، سرائیکی شاعری، ملتان، بزم ثقافت، ۱۹۶۸ء، ص ۵۳۔

134- عبدالحق مہر ڈاکٹر، ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق، بہاولپور، اردو اکادمی، ۱۹۶۷ء، ص ۴۷۔

135- قدوسی اعجاز الحق، تاریخ سندھ، لاہور، اردو سائنس بورڈ، ۱۹۸۵ء، ص ۳۰۰۔

136- قدوسی اعجاز الحق، اصطخری بحوالہ معجم البلدان، تاریخ سندھ، لاہور، اردو سائنس بورڈ، ۱۹۸۷ء، ص ۳۰۱۔

137- قدوسی اعجاز الحق، تاریخ سندھ، لاہور، اردو سائنس بورڈ، ۱۹۸۵ء، ص ۳۰۸، ۳۰۹۔

138- ایضاً، ص ۳۱۲۔

139- ایضاً، ص ۲۹۴۔

199۔ انجیل مقدس سرائیکی ترجمہ، لاہور، پنجاب بائبل سوسائٹی، ۱۹۹۸ء۔
200۔ سجاد حیدر پرویز ڈاکٹر، سرائیکی زبان و ادب کی مختصر تاریخ، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۱، ص ۱۹۵۔
201۔ پکی روٹی، لاہور، مطبع کوہ طور، ۱۹۷۶ء۔
202۔ نصر اللہ خاں ناصر ڈاکٹر، سرائیکی شاعری دا ارتقاء، ملتان سرائیکی ادبی بورڈ، ۲۰۰۷، ص ۱۷۵۔
203۔ ایضاً، ص ۱۵۸۔
204۔ ایضاً، ص ۱۵۹۔
205۔ ایضاً، ص ۱۶۴۔
206۔ محمد یار حافظ، معراج نامہ، مرتب دلشاد کلانچوی، بہاولپور، سرائیکی لائبریری۔
207۔ غلام قادر قریشی مولوی، تولد نامہ، ۱۳۳۲ھ، ص ۲۔
208۔ نصر اللہ خاں ناصر ڈاکٹر، سرائیکی شاعری دا ارتقاء، ملتان سرائیکی ادبی بورڈ، ۲۰۰۷، ص ۱۲۶۔
209۔ ایضاً، ص ۱۶۷۔
210۔ ایضاً، ص ۱۶۸۔
211۔ ایضاً، ص ۱۶۹۔
212۔ ایضاً، ص ۱۶۹۔
213۔ ایضاً، ص ۱۷۱۔
214۔ ایضاً، ص ۱۷۵۔
215۔ ایضاً، ص ۱۷۵، ۱۷۶۔
216۔ ایضاً، ص ۱۷۶۔
217۔ ایضاً، ص ۳۴۳۔
218۔ خلش پیر اصحابی، سرائیکی مرثیہ گوئی کے چار سو سال، بھکر، ۱۹۸۰ء، ص ۳۔
219۔ بہار ملتانی محمد رمضان منشی، تنویر الابصار، ۱۹۳۱ء، ص ۱۹۔
220۔ فقیر محمد دلپذیر، تفسیر سورۃ النبا، لاہور، حاجی چراغ دین تاجران کتب س ن۔
221۔ عبدالوحاب عباسی، قرآن مجید منظوم سرائیکی ترجمہ، بہاولپور، قلمی نسخہ مصنف موصوف۔
222۔ محمد رمضان طالب، اوچھن، ڈیرہ غازی خاں، فرید سرائیکی سنگت، ۲۰۰۲ء۔
223۔ سجاد حیدر پرویز ڈاکٹر، سرائیکی زبان و ادب کی مختصر تاریخ، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۱، ص ۱۹۵۔
224۔ انجیل مقدس، سرائیکی ترجمہ، لاہور، پنجاب بائبل سوسائٹی، ۱۸۹۸ء۔
225۔ احمد بخش مولوی پارہ الم مترجم ملتانی، ڈیرہ غازی خاں گلزار محمدی، ۱۸۹۰ء۔
226 صابر ملتانی خیر الدین مولانا، لاہور، گیلانی پریس، ۱۹۲۵ء۔
227۔ عبدالتواب ملتانی مولانا، پارہ عم یتساءلون، ملتان، عبدالواسع تاجران کتب، ۱۹۴۰ء۔
228۔ نصر اللہ خاں ناصر ڈاکٹر، سرائیکی شاعری دا ارتقاء ملتان سرائیکی ادبی بورڈ، ۲۰۰۷، ص ۹۸۔
229۔ سجاد حیدر پرویز ڈاکٹر، سرائیکی زبان و ادب کی مختصر تاریخ، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۱، ص ۱۸۵۔

230- شوکت مغل، نورنامہ، ملتان، جھوک پبلشرز، ۲۰۰۱ء، ص آخر۔
231- حسان الحیدری میر، تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند، چودھویں جلد، لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۱ء، ص ۲۷۰، ۲۷۱۔
232- ایضاً، ص ۲۷۱۔
233- نصر اللہ خاں ناصر ڈاکٹر، سرائیکی شاعری دا ارتقاء، ملتان، مقالہ پی ایچ ڈی، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ص ۱۰۵۔
234- ایضاً، ص ۱۰۶۔
235- ایضاً، ص ۱۰۷۔
236- عبدالحق مہر ڈاکٹر، ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق، بہاولپور، اردو اکادمی، ۱۹۶۷ء، ص ۳۴۰۔
237- عبداللہ ملتانی شیخ، جنتری پردیسی، ملتان، کتب خانہ صدیقیہ، س ن۔
238- نصر اللہ خاں ناصر ڈاکٹر، سرائیکی شاعری دا ارتقاء، ملتان، مقالہ پی ایچ ڈی، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ص ۱۰۹۔
239- ایضاً، ص ۱۱۰، ۱۱۱۔
240- اسدی اللہ بخش، قلمی مخطوطات، چک نمبر ۱۱۴/۱۰R، جہانیاں (خانیوال)
241- بھٹی عبدالحمید، مرتب کلیات باہو، لاہور، آئینہ ادب، ۱۹۷۸ء، ص ۱۵۔
242- ملتانی علی حیدر، مجموعہ ابیات، ملک فضل دین ککے زئی، ۱۳۳۹ھ، ص ۲۷۔
243 محمد صادق حکیم، پچل سرمست جو سرائیکی کلام، سندھی ادبی بورڈ۔
244- روبینہ ترین ڈاکٹر، خواجہ غلام فرید شخصیت اور شاعری، ملتان، سرائیکی ادبی بورڈ، ۲۰۰۰ء، ص ۵۶۔
245- بھٹہ زوار حسین، سرائیکی اور اردو مرثیے کا تقابلی جائزہ، مقالہ ایم فل اردو، اسلام آباد، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۲، ص ۲۵۔
246- شارب ردولوی ڈاکٹر، اردو مرثیہ تلاش ہیت کا سفر، سہ ماہی صحیفہ، جولائی ستمبر ۱۹۸۸، ص ۵۱۔
247- دلشاد کلانچوی، سرائیکی زبان تے ادب، بہاولپور، سرائیکی ادبی مجلس، ۱۹۸۷ء، ص ۱۹۹۔
248- ابن حنیف، دنیا کا قدیم ترین ادب، ملتان، بیکن بکس، ۱۹۸۷ء، ص ۵۴۴۔
249- مختار علی شاہ، سرائیکی ادبی تاریخیں دا تقابلی جائزہ، مقالہ ایم اے سرائیکی، بہاولپور، اسلامیہ یونیورسٹی، ۱۹۹۳-۹۵، ص ۱۱۔
249- مظفر حسن ملک ڈاکٹر، اردو مرثیے میں مرزا دبیر کا مقام، لاہور، مقبول اکیڈمی، ۱۹۷۶ء، ص ۱۷۸۔
251- سجاد حیدر پرویز ڈاکٹر، سرائیکی زبان و ادب کی مختصر تاریخ، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، ۲۰۰۱، ص ۱۱۴۔
252- قریشی شمیم عارف، ملتان، روزنامہ جنگ، ۱۴ فروری ۲۰۰۶، ص ۲۔
253- ناصر نصر اللہ خان ڈاکٹر، سرائیکی شاعری دا ارتقاء، ملتان، مقالہ پی ایچ ڈی، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ص ۲۷۴۔
254- اقبال ارشد، دبستان ملتان، ملتان، روزنامہ جنگ، ۲۱ مارچ ۲۰۰۳، ص ۱۲۔
255- اختر وحید، در و گوہر، ملتان، ملتانی ریسرچ اکیڈمی، ۱۹۵۲ء، ص ۹۔
256- اسلم انصاری ڈاکٹر، سرائیکی مرثیے کی روایت، ملتان، روزنامہ جنگ، ۱۲ مارچ ۲۰۰۳، ص ۱۲۔
257- گلشن پیر اصحابی/ اجمل مہار، سرائیکی ادب وچ مرثیہ، ملتان، سرائیکی ریسرچ سنٹر، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ص ۱۲
258- کیفی جام پوری، سرائیکی شاعری، ملتان، بزم ثقافت، ۱۹۶۸ء، ص ۸۸-۸۹۔

259۔ طاہر تونسوی ڈاکٹر پروفیسر، سرائیکی ادب ریت تے روایت، ملتان، بیکن بکس، ۱۹۹۳ء، ص ۳۲۔
260۔ سجاد حیدر پرویز ڈاکٹر پروفیسر، سرائیکی زبان وادب کی مختصر تاریخ، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، ۲۰۰۱ء، ص ۱۱۵، ۱۱۶۔
261۔ کیفی جام پوری، سرائیکی شاعری، ملتان، بزم ثقافت، ۱۹۶۸ء، ص ۱۰۶۔
262۔ بوجھ نرنجن، کراچی، اسماعیلیہ ایسوسی ایشن برائے پاکستان، س ن، ص ۱۳۔
263۔ احمد شاہ سید، سی حرفی، کراچی شیعہ امامی ایسوسی ایشن کراچی، س ن، ص ۲۔
264۔ شہباز ملک ڈاکٹر، جنگ نامہ مقبل تے پنجابی مرثیہ، لاہور، تاج بکڈپو، ۱۹۷۴ء۔
265۔ عین الحق فرید کوٹی، ذکر حسینؑ، لاہور، ماہنامہ ماہ نو، جون ۱۹۸۸ء۔
266۔ ظامی بشیر احمد، مترجم مثنوی سیف الملوک، بہاولپور، اردو اکادمی، ۱۹۶۴ء، ص ۲۶۔
267۔ زمان شیرازی سید، قلمی نسخہ مملوکہ سید خورشید عالم شیرازی، ڈیرہ اسماعیل خان، امام بارگاہ لائبریری۔
268۔ کیفی جام پوری، سرائیکی شاعری، ملتان بزم ثقافت، ۱۹۶۸، ص ۹۴۔
269۔ خلش پیراصحابی، ملتانی مرثیہ، لاہور، پنجابی ادبی بورڈ، ۱۹۸۶، ص ۲۰۔
270۔ چراغ حسین بخاری، قلمی بیاض، مملوکہ ڈاکٹر نصر اللہ خان ناصر، بہاولپور۔
271۔ غلام سکندر خاں غلام، خنجر غم، لاہور، مطبع حمیدیہ، ۱۳۳۳ھ، ص ۱۴۔
272۔ فیروز فیروزالدین، ملتانی مرثیہ، آگرہ، الہی پریس، ۱۳۱۵ھ، ص ۳۲۔
273۔ کرسٹوفر شیکل مترجم دلشاد کلانچوی، سرائیکی مطالعہ کے سو سال، بہاولپور، سرائیکی ادبی مجلس، ص ۱۱۷۔
274۔ مضطر ملتانی، گلدستہ مضطر، ملتان، ملتان الیکٹرک پریس، س ن، ص ۳۷۔
275۔ عاشق ملتانی گل محمد، جذبات عاشق ملتانی، ملتان، کتب خانہ صادقیہ، س ن، ص ۴۷۔
276۔ شفیق امام علی شاہ سید، سلطان کربلا، ملتان کتب خانہ دربار پیر صاحب، س ن، ص ۹۔
277۔ نورن گدائی، مولود شریف جدید، س ن، ص ۳۹۔
278۔ نصر اللہ خان ناصر ڈاکٹر، سرائیکی شاعری دا ارتقا، ملتان، مقالہ پی ایچ ڈی، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ص ۳۰۲۔
279۔ خلش پیراصحابی، سرائیکی ادب وچ مرثیہ، ملتان، سرائیکی ریسرچ سنٹر، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ۲۰۰۳، ص ج۔
280۔ اجمل مہار، قلمی نسخہ جات، ملتان، سرائیکی ریسرچ سنٹر، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ۲۰۰۶ء۔

باب دوم

قرآنِ کریم کے مکمل سرائیکی تراجم

☆ قرآن مجید مترجم بزبان ریاستی
مولانا محمد حفیظ الرحمان حفیظ رحمتہ اللہ علیہ

☆ قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی
ڈاکٹر مہر عبدالحق رحمتہ اللہ علیہ

☆ قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال
خان محمد لسکانی بلوچ، رفیق احمد نعیم لسکانی

☆ سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف
پروفیسر عطا محمد دلشاد کلانچوی رحمتہ اللہ علیہ

☆ المرجان، قرآن پاک دا سرائیکی ترجمہ
مولانا مفتی عبدالقادر سعیدی مدظلہ العالی

☆ تفسیر اتالیقی بزبان سرائیکی
مولانا غلام محمد چاچڑانی رحمتہ اللہ علیہ

☆ تفسیر حسینی سرائیکی (سوغات نظامی)
مولانا محمد نظام الدین نظامی رحمتہ اللہ علیہ

☆ تیسیر القرآن (المعروف سوکھی تفسیر)
پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق شاکر

☆ نور الایمان (قرآن پاک دا سرائیکی ترجمہ)
ملک ریاض شاہد چنڑ

قرآن مجید کے کامل تراجم کا چارٹ

نمبر شمار	نام	مترجم	سن طباعت	مقام طباعت	ناشر/امین	کیفیت
1	قرآن مجید مترجم	محمد حفیظ الرحمٰن حفیظ	1372ھ	بہاولپور	عزیز المطابع	مطبوعہ
2	قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی	ڈاکٹر مہر عبدالحق	1404ھ	ملتان	سرائیکی ادبی بورڈ	مطبوعہ
3	ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی المعروف سوغات نظامی	محمد نظام الدین نظامی	1985ء	صادق آباد رحیم یار خاں	حکیم سلطان محمود بیٹا	غیر مطبوعہ
4	قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال	خان محمد لسکانی بلوچ رفیق احمد نعیم لسکانی	1991ء	اسلام آباد سرے انگلینڈ	اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز	مطبوعہ
5	تفسیر اتالیق بزبان سرائیکی	غلام محمد چاچڑانی	1996ء	مدینہ منورہ سعودی عرب	قصر فرید لائبریری کوٹ مٹھن راجن پور	غیر مطبوعہ
6	سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف	دلشاد کلانچوی	2000ء	ملتان	کلیم پبلشرز	مطبوعہ
7	المرجان، قرآن پاک دا سرائیکی ترجمہ	مفتی عبدالقادر سعیدی	2000ء	بھونگ صادق آباد	ملکیہ مترجم ذی وقار	غیر مطبوعہ
8	تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر	ڈاکٹر محمد صدیق شاکر	2005ء	ملتان	سرائیکی سدھ سراں	مطبوعہ
9	نور الایمان قرآن پاک دا سرائیکی ترجمہ	ملک ریاض شاہد چنڑ	2008ء	بہاولپور	ملکیہ مصنف	غیر مطبوعہ

کامل تراجم

قرآن پاک کے سرائیکی تراجم کا آغاز یقیناً برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی آمد کے ساتھ ہی شروع ہو گیا ہوگا۔ اس وقت اس علاقے میں کتابت اور طباعت کی سہولتیں میسر نہ تھیں اس لیے یہ ہو سکتا ہے کہ وہ ضائع ہو گئے ہوں یا یہ ہو سکتا ہے وہ گمنامی کی قبروں میں جا پہنچے ہوں۔ اس لیے قلمی مسودے یا مطبوعہ تراجم کا سراغ نہیں ملتا۔ سرائیکی زبان میں قرآن حکیم کا قدیم ترین ترجمہ مولوی احمد بخش مرحوم و مغفور کا ہے۔ جو ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۰ء میں شائع ہوا جو جزوی ہے۔ پہلا کامل ترجمہ مولانا حفیظ الرحمن حفیظؔ نے کیا جو ۱۳۷۲ھ میں شائع ہوا۔

سرائیکی تراجم کا یہ سلسلہ تاحال جاری ہے ان میں معرّیٰ محشّی اور مفسر تراجم ہیں جو زیادہ تر نثر میں ہیں۔ کچھ منظوم بھی ہیں جو جزوی ہیں ان کا ذکر اگلے باب میں آئے گا۔

کلی تراجم منشور ہیں جن میں معرّیٰ تراجم کی تعداد چھ ہے للمتقدم کے اعزاز کے ساتھ "قرآن مجید مترجم" کے عنوان سے مولانا محمد حفیظ الرحمن حفیظؔ نے کیا بعد ازاں "قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی" ڈاکٹر مہر عبدالحق کی کاوش ہے۔ "قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال" کے نام سے خان محمد لسکانی بلوچ اور رفیق احمد نعیم لسکانی بلوچ نے مل کر ترجمہ کیا اس کے بعد پروفیسر عطا محمد دلشاد کلانچویؒ نے "سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف" کے عنوان سے قرآن پاک کا مکمل سرائیکی ترجمہ رقم کیا بعد ازاں مفتی عبدالقادر سعیدی سرائیکی ترجمہ ضبط تحریر میں لے آئے۔

قرآن حکیم کے سرائیکی مفسر تراجم کی تعداد تین ہے پہلی کاوش "تفسیر اتالیقی بزبان سرائیکی" کے نام سے ہے اس کے مفسر مولانا غلام محمد چاچڑانی ہیں۔ اس کے بعد مولانا محمد نظام الدین نظامی نے "ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی المعروف سوغات نظامی" کے عنوان سے رقم کی۔ مفسر تراجم میں سب سے منفرد اور قابل ستائش تفسیر "تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر" پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق شاکرؔ کی تصنیف ہے جو قرآن حکیم کی سات منزلوں کے اعتبار سے سات جلدوں پر مشتمل ہے۔

فاضل مترجمین پاکستان کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے کی وجہ سے اپنے اپنے لہجوں کی نمائندگی کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کلی تراجم میں سرائیکی زبان کے معروف لہجے ملتانی، ڈیروی اور ریاستی/ بہاولپوری نمایاں ہیں ان میں ایک ترجمہ ڈیروی، دو ملتانی اور پانچ تراجم ریاستی/ بہاولپوری لہجے میں رقم کیے گئے ہیں۔

کامل تراجم قرآن پانچ مطبوعہ ہیں جن میں مولانا حفیظ الرحمن حفیظؔ، ڈاکٹر مہر عبدالحق، مولانا خان محمد لسکانی بلوچ پروفیسر عطا محمد دلشاد کلانچویؒ اور پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق شاکر کے تراجم شامل ہیں جبکہ مولانا غلام محمد چاچڑانی مولانا محمد نظام الدین نظامیؒ اور مفتی عبدالقادر سعیدی مدظلہ العالی کے تراجم زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکے۔

آئندہ صفحات میں مذکورہ صدر تراجم میں سے ہر ایک کا الگ الگ جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

معڑی تراجم

سرائیکی زبان دنیا کی قدیم ترین زبانوں میں سے ہے۔ یہ بہت ہی وقیع زبان ہے یہ ان سب خوبیاں متصف ہے جو ایک زندہ زبان کے شایانِ شان ہوتی ہیں۔ بے شمار علماء اور شعراء نے سرائیکی دینی ادب میں گرانقدر کیا اس وقت طباعت کے وسائل میسر نہ تھے اس لیے زیادہ تر قلمی ذخیرہ جمع کیا گیا۔ کتب خانوں اور علم دوست لوگوں کی ملکیت میں قرآن پاک کے عربی متن کے ساتھ سرائیکی ترجمے موجود ہیں۔

سرائیکی زبان کا دینی ادب جس میں قرآن حکیم کے تراجم کے علاوہ حمد، نعت، مولود، مرثیہ اور سیرت نگاری ہزاروں صفحات پر پھیلا ہوا ہے جن میں نصف سے زیادہ قرآن پاک کے سرائیکی تراجم اور تفاسیر ہیں۔ ان میں معڑی مفسر، منظوم اور منثور تراجم شامل ہیں۔ ان میں کچھ کامل اور بعض جزوی ہیں اسی طرح کچھ تراجم مطبوعہ اور باقی غیر مطبوعہ ذیل میں ہم معڑی تراجم کا ذکر کرتے ہیں۔

قرآن مجید کے وہ تراجم جن کے ساتھ حاشیہ اور تفسیر نہیں معڑی تراجم ہیں۔ سرائیکی زبان میں قرآن زیادہ تر تراجم معڑی ہیں اب تک ہمیں جو معڑی تراجم موصول ہوئے ہیں ان کی تعداد بارہ تک پہنچتی ہے ان میں کچھ ہیں اور کچھ نامکمل دستیاب ہیں۔ زیادہ تر تراجم نثر میں ہیں دو تین ایسے معڑی تراجم بھی ہیں جو منظوم ہیں اور جزوی ان کا ذکر ہم اگلے باب میں جو جزوی تراجم کیلئے مخصوص ہے کریں گے یہاں صرف ان تراجم کو زیر بحث لائیں گے جو ہیں اور کامل ہیں۔

قرآن پاک کے کامل معڑی تراجم چھ ہیں ان میں اولین ترجمہ مولانا محمد حفیظ الرحمٰن حفیظ کا ہے جو "قرآن مجید مترجم" کے نام سے فرمایا بعد ازاں "قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی" کے عنوان سے ڈاکٹر مہر عبدالحق کیا تیسرا معڑی ترجمہ امام جماعت احمدیہ کی ہدایت پر خان محمد لسکانی بلوچ مولوی فاضل اور رفیق احمد نعیم لسکانی بلوچ کر کیا۔ اس کے بعد پروفیسر عطا محمد دلشاد کلانچوی نے "سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف" کے عنوان سے فرمایا یہ چاروں معڑی تراجم مطبوعہ ہیں جبکہ قرآن حکیم کا ایک غیر مطبوعہ کامل معڑی سرائیکی ترجمہ ہے جسے عبدالقادر سعیدی مدظلہ العالی نے رقم فرمایا ہے۔ اور دوسرا ملک ریاض شاہد کی تصنیف ہے۔

میری نظر میں تمام فاضل مترجمین قابل صد احترام اور برابر ہیں ان سب نے اپنے تئیں قرآن مجید سے وابستگی اور مادری زبان سرائیکی سے والہانہ محبت کا حق ادا کیا ہے اور نامساعد حالات میں بھی اس علمی اور دینی کام کو تکمیل تک پہنچایا ہے۔ وہ لائق صد تحسین ہے میں نے کسی بھی خاص وجہ کے بغیر ان فاضل مترجمین کے تراجم کا تذکرہ ترتیب کے لحاظ سے کیا ہے۔

اب ہر ایک پر الگ الگ نظر ڈالتے ہیں۔

قرآن مجید مترجم بزبان بہاولپوری

مولانا محمد حفیظ الرحمٰن حفیظ مرحوم و مغفور

مقام طباعت: بہاولپور تاریخ طباعت: ۱۳۷۲ھ

یہ سرائیکی زبان میں قرآن مجید کی ترجمانی کی اولین کاوشوں میں سے ہے جسے فاضل مترجم نے خود طبع فرمایا۔ مطبع ان کے والد کے نام گرامی سے معنون تھا یہ قرآن مجید کا پہلا معرّٰی مکمل سرائیکی ترجمہ ہے۔ قرآن مجید کے سرورق پر سن طباعت ۱۳۷۲ھ درج ہے جبکہ اندر دیباچے سے پہلے ۱۳۷۶ھ ضبط کیا گیا ہے۔ (1)

قرآن پاک کی ترجمانی کے حوالے سے فاضل مترجم کی ایک اور کاوش "بارھاں سورۃ شریف" ہے جو اس ترجمے سے ایک سال پہلے شائع ہوئی۔ اس میں سورۃ یٰسین، الفتح، الرحمٰن، الواقعہ، الملک، الاخلاص، المزمل، الفجر، نوح، النبا، الفلق اور الناس کے سرائیکی تراجم شامل ہیں۔ (2)

مترجم ذی وقار دیباچہ میں وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> "میں جیڑھے ویلے انجیل دا ترجمہ ملتانی زبان وچ ڈٹھا۔ میڈی حیرت اتے ندامت دی کوئی انتہا نہ رہی جو افسوس ادیان باطلہ والے کتھاں ونج پہنچے اتے اساں لوکاں کوں دین حق دی اشاعت اتے اللہ تعالیٰ دے برحق کلام دی اشاعت اتے اوندے معانی اتے مطالب دے مفہوم العوام بنڑاونڑ دی کوشش وچ اتنی کوتاہی جو اساڈی زبان یعنی ملتانی زبان وچ جیڑھی پنجاب دے وڈے حصے وچ بولی ویندی ہے (ملتان، بہاولپور، ڈیرہ غازی خاں وغیرہ وغیرہ) ایندے وچ کوئی ترجمہ نہ ہووے ایں کنوں زیادہ محرومی اتے شومئی قسمت نہیں تھی سگدی ایں دل فروز ولولے کنوں متاثر تھی تے میں باوجود آپڑیں بےمیدانی دے ایں وڈے کم دا اگراں بار آپڑیں کمزور مونڈھیاں تے آگھدا جو چلو پہلی کوشش ہی سہی کہیں اہل علم تے اہل فن کوں ایں مشق توں ڈیکھ تے ایں میدان وچ آونڑ دی دعوت ہوسی اتے اللہ تعالیٰ دا آخری سچا اتے بلا تحریف پیغام اساڈے پسماندہ علاقیاں پہنچاونڑ دا باعث ہے اتے ایں احقر دے واسطے نجات آخروی اتے رضا الٰہی دا ذریعہ تھی سگے"۔ (3)

میری تحقیق کے مطابق یہ ترجمہ قرآن مجید کا سب سے پہلا سرائیکی ترجمہ ہے۔ اسے ہی اولیت کا شرف حاصل ہے۔ "طلمتقدم" کے مطابق اسے تمام تراجم پر فضیلت ملتی ہے۔ جیسا کہ سن طباعت سے ظاہر ہے۔ (4) اس سے پہلے کسی کامل ترجمے کا سراغ نہیں ملتا۔ البتہ جزوی مطبوعہ تراجم میں مولانا مولوی احمد بخش ۱۳۱۳ھ (5) مولانا خیر الدین صابر ملتانی ۱۳۴۴ھ (6) اور مولانا عبدالتواب ملتانی ۱۳۵۹ھ (7) کے تراجم موجود ہیں۔

یہ ترجمہ تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے اسکی کتابت محمد کاظم نے کی اسے مترجم ذی وقار نے خود اپنے چھاپے خانے عزیز المطابع میں چھپوا کر بہاولپور سے شائع کیا۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيهِ

لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ

قرآن مجید مترجم

ترجمہ ریاستی زبان وچ کرݨ دی سعادت ایں عاجز بندے
محمد حفیظ الرحمٰن حفیظ کوں نصیب تھئی۔ جیکوں
۱۳۷۲ھ وچ آپݨیں چھاپے خانے عزیز المطابع
بہاولپور وچ چھاپ تے عام کیتا

سرورق قرآن مجید مترجم بزبان ریاستی از مولانا حفیظ الرحمٰن حفیظ

ایاتھا ۷	سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃِ مَکِّیَّۃٌ	رکوعھا ۱

سورۃ فاتحہ وچ ... ایہدے ست آیتاں اک رکوع ہن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع نال ناں اللہ تعالیٰ دے ... وڈا مہربان ... نہایت رحم والا ہے ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱ الرَّحْمٰنِ

سب تعریف واسطے اللہ تعالیٰ ... سارے جہان دا ۔ وڈا مہربان

الرَّحِيْمِ ۝۲ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳

نہایت رحم والا ہے ۔ مالک ... دن جزا دا ۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝۴

صرف تینوں ہی عبادت کرینے ہاں ... مدد منگدے ہیں ... ۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۵ صِرَاطَ

دکھا اساں نوں ... سیدھا ۔ رستہ

الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ

انہاں لوکاں دا ... انعام کیتے ... جنہاں ... ۔ ... رستہ ... دا

الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝۷

غضب تھا جنہاں تے ... نہ ... گمراہاں دا ۔

منزل ۱

مولوی محمد حفیظ الرحمانؒ ہوراں دے ترجمے دا نمونہ مطبوعہ ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء بہاول پور

مولانا محمد حفیظ الرحمٰن کے ترجمے کا نمونہ

طریق کار

زیر نظر ترجمہ ایک مربوط طریق کار کے تحت منضبط ہے۔ آغاز سے اختتام تک یکسانیت پائی جاتی ہے۔ پہلے مصنف ذی وقار جلی حروف میں عربی متن دیتے ہیں۔ پھر اس کے نیچے الفاظ کے اعتبار سے معانی ضبط فرماتے ہیں۔ ایک سطر میں جتنے عربی کلمات ہوتے ہیں نیچے اتنے ہی سرائیکی الفاظ آتے ہیں۔

فاضل مترجم نے ترجمہ کرتے وقت آیت کا اعتبار نہیں بلکہ سطر کا خیال رکھا ہے۔ آپ بڑی مہارت سے عربی کلمات کے متبادل سرائیکی کلمات لاتے ہیں محاورے کی پابندی نہیں پائی جاتی بلکہ لفظی اور خالص تحت اللفظ ترجمہ ہے۔

اس تالیف جلیل کے آغاز میں مترجم مرحوم ومغفور نے ایک جامع دیباچہ بھی تحریر کیا ہے جس کے پہلے صفحے پر "اعجاز القرآن" کے عنوان سے قرآن مجید کا اعجاز بیان کیا ہے دوسرے صفحے پر "قرآن پاک دے ترجمے" کے عنوان سے دنیا میں کیے گئے تمام زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم وتفاسیر کا تذکرہ کیا ہے۔

مولانا مرحوم ومغفور نے شروع سے آخر تک شاہ عبدالقادرؒ کے اردو ترجمے کا تتبع کیا ہے وہ خود فرماتے ہیں۔

"ایں احقر نے آپڑیں ترجمے دی بناء ہی کم وبیش شاہ عبدالقادرؒ دے ترجمے تے رکھی ہے" (8)

مترجم ذی وقار کے ترجمے میں ہر رکوع میں آیات کی گنتی نئے سرے سے شروع ہوتی ہے جب ایک رکوع ختم ہوتا ہے دوسرا شروع ہوتا ہے تو آیت نمبر 1 لکھا ہوتا ہے۔ یہ مولانا کے ترجمے کی انفرادیت ہے۔

فاضل مترجم نے گیارہ صفحات پر "فہرست احکام القرآن" مرتب کی ہے جسمیں حروف ابجد کے اعتبار سے عنوان، پارہ، سورۃ اور رکوع نمبر رقم کیے گئے ہیں جن سے قرآنی احکامات مربوط کردیے گئے ہیں۔

ایک اور فہرست میں قرآن مجید کی سورتوں، ان کے رکوع، آیات کلمات، حروف اور مقام نزول کو ظاہر کیا گیا ہے جو پانچ صفحات پر مشتمل ہے۔

فاضل مترجم نے "رموز القرآن" کے عنوان سے حافظ صاحب بہاولپوری کی ایک طویل نظم بھی دی ہے جس میں قرآنی رموز بیان کیے گئے ہیں۔ یہ نظم چھیالیس اشعار پر مشتمل ہے۔ دیباچے کے آخر میں مصنف موصوف نے اپنی کم علمی کا اعتراف بھی کیا ہے۔ قارئین سے اغلاط کی نشاندہی کی درخواست اور اللہ تعالیٰ سے اپنی غلطیوں کی معافی مانگی ہے لکھتے ہیں:

"میں آپڑیں کم علمی دے باعث اتے جلدی ایں عظیم کم کنوں فراغت حاصل کرنڑ دے جذبے دے تحت جو علیل اتے سقیم رہنداہاں کتھائیں اونہ ہووے جوائے کم تشنہ تکمیل رہ ونجے۔ میں ہوں عجلت نال کم کیتا ہے قدرتی طور تے ایجھیں ماحول وچ غلطیاں دی تعداد بے شمار ہووِنڑ یقینی ہے حضرات قارئین کرام اتے مطالعہ کنندہ عظام دی خدمت با برکت وچ استدعا ہے جو غلطیاں کنوں میکوں آگاہ فرماون اتے میڈے واسطے دعا فرماون جو اللہ تبارک وتعالیٰ میڈیاں غلطیاں کنوں درگذر فرماوے اتے محض آپڑیں فضل تے کرم نال ایں سعی کوں مشکور اتے مقبول فرماوے۔ آمین ثم آمین"۔ (9)

محاسن

مولانا محمد حفیظ الرحمٰن حفیظؒ کا قرآن پاک کا سرائیکی ترجمہ گوناگوں خوبیوں سے متصف ہے۔اس کا سب بڑا وصف تو اس کا شرف اولیت ہے۔یہ قرآن حکیم کا پہلا کامل سرائیکی ترجمہ ہے۔جو زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔ "الفضل للمتقدم" انہی کے سر ہے۔

مترجم ذی وقار کے ترجمے کا دوسرا بڑا وصف یہ ہے کہ آپ نے ترجمہ روزمرہ کے مطابق سادہ اسلوب میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے،جس سے قاری کیلئے آسانی پیدا ہوگئی ہے جیسے:

اِیَّاکَ نَعْبُدُوَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (سورۃ الفاتحہ:۴)

"صرف تیڈی عبادت کریندے ہیں اساں اتے صرف تیں کنوں مدد منگدے ہیں اساں"۔(10)

اس آیت کے ترجمے میں نہایت سادہ انداز اختیار کیا گیا ہے،جس سے عام قاری بھی آسانی کے ساتھ معنی و مفہوم سمجھ سکتا ہے۔مطالعہ قرآن کی طرف راغب کرنے کیلئے فاضل مترجم نے بہت ہی مفید کوشش کی ہے۔

فاضل مترجم نے ترجمہ میں تشریحی کلمات بہت کم استعمال کیے ہیں جس سے اس کا حسن دوبالا ہو گیا ہے۔تشریحی کلمات غیر ضروری طوالت کا باعث بنتے ہیں جو قاری کے لئے اکتاہٹ کا باعث بنتے ہیں زیر نظر ترجمہ اس عیب سے پاک ہے ایک مثال ملاحظہ فرمایئے:

قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَاماً (سورۃ البقرہ:۱۲۴)

"بے شک میں بنڑاونڑ والا ہاں تیکوں واسطے لوکاں دے پیشوا"۔(11)

مندرجہ بالا آیت کے ترجمے میں غیر ضروری تشریحی کلمات نہیں ہیں اور پیرایہ بیان بھی مختصر ہے اور ترجمہ فصیح ہے جس سے قرآن پاک کی تفہیم آسان ہوگئی ہے۔

مترجم مرحوم و مغفور کے ترجمے کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ یہ سرائیکی زبان کے معروف لہجے "ریاستی" کا شاہکار ترجمہ ہے درج ذیل آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ (سورۃ یونس:۱۶)

"آکھ جیکر چاہندا اللہ تعالیٰ نہ پڑھدا میں اونکوں اُتے تساڈے اتے نہ چتویندا اللہ تساکوں نال ایندے"۔(12)

زیر نظر آیت میں "جیکر"،"تساڈے" اور "تساکوں" ریاستی لہجے کی نمائندگی کرتے ہیں اور اس سے سرائیکی زبان کی وسعت،سلاست اور مزاجت عیاں ہوتی ہے اور مترجم کی مہارت سامنے آتی ہے۔

زیر مطالعہ ترجمے کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ وہ خالص تحت اللفظ ترجمہ ہے اس طرح کہ عربی متن کی ہر لفظ کے نیچے اسی لفظ کا سرائیکی لفظ مل جاتا ہے لغات دیکھنے کی زحمت نہیں کرنا پڑتی جیسے:

قَالَ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (سورۃ البقرہ:۳۰)

"آکھیا اللہ نے میں جانڑداہاں جو نہیں جانڑدے تساں"۔(13)

اس آیت کے ترجمے میں ہر عربی لفظ کے پیچھے سرائیکی لفظ موجود ہے اور قاری کو دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تحت اللفظ ترجمے کا یہ وصف آغاز سے اختتام تک یکسانیت کے ساتھ موجود ہے اور بہت خوب ہے۔

فاضل مترجم کے ترجمے کا ایک اور وصف یہ ہے کہ ترجمہ عام فہم اور سہل ہے جو علماء کے ساتھ ساتھ عام قارئین کیلئے بھی یکساں مفید ہے مثلاً:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (سورۃ البقرہ:۸۲)

''اتے جیڑھے لوک ایمان گھن آئے اتے کم کیتو نے چنگے ایہے لوک ہن بہشتی اے وچ اوندے رہسن ہمیشہ''(14)

اس آیت کے ترجمے میں فاضل مترجم تے بڑی مہارت کے ساتھ سرائیکی الفاظ منتخب کیے ہیں جو ان کی زبان دانی اور فہم وفراست کو ظاہر کرتے ہیں اور قاری قرآنی مطالب سمجھنے پر قادر ہو جاتا ہے۔

فاضل مترجم کے ترجمے کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ انہوں نے خالص سرائیکی الفاظ نہایت خوبصورت انداز سے ترجمہ کیے ہیں اور غیر مانوس کلمات سے اجتناب کیا ہے مثلاً:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ (سورۃ العصر:۲)

''بے شک آدمی البتہ وچ زیان دے ہے''۔(15)

مندرجہ بالا ترجمے میں ''زیان'' خالص سرائیکی لفظ ہے جو نقصان یا خسارے کیلئے بولا جاتا ہے۔ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمے کا سب سے اہم اصول یہی ہوتا ہے کہ خالص زبان استعمال کی جائے مولانا مرحوم و مغفور نے اس بات کا خاص خیال رکھا ہے۔

ترجمے کا سب سے بڑا حسن اس کی ادبی چاشنی ہے مولانا حفیظ الرحمٰنؒ صاحب طرز ادیب تھے ان کی اس پاکیزہ کاوش میں بھی جگہ جگہ ادبی رنگ جھلکتا ہے اس کی ایک خوبصورت مثال یہ ہے:

ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (سورۃ التکاثر:۴)

''ول ہرگز نہ اینویں جلدی جانڑسو''۔ (16)

اسی طرح سورۃ الھمزۃ کی یہ آیت ملاحظہ ہو

اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ (سورۃ الھمزہ:۲)

''جیں کٹھا کیتا مال اتے گنڑ دا رہیا اوکوں''۔(17)

ایک وسیع زبان ہونے کے ناطے سے اس کے اندر بحر بیکراں کی وسعت موجود ہے اس کی حلاوت قابل ذکر لطافت قابل رشک ہے فاضل مترجم نے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ترجمے کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے۔

قرآن حکیم کی بہت سی خصوصیات ایسی ہیں جو اسے دوسری آسمانی کتابوں سے ممتاز کرتی ہیں ان میں ایک اعجاز آفرینی ہے مترجم نے اس اعجاز کو اپنے سرائیکی ترجمے میں سونے کی خوبصورت کاوش کی ہے جیسے:

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا (سورۃ الزلزال:۱،۲)

"جیڑھے ویلے ہلائی ویسی زمین زلزلے آپڑیں نال اتے کڈھ ڈیسی زمین بار آپڑیں"۔(18)

اس آیت میں قیامت کا ذکر ہے فاضل مترجم نے قرآن پاک کے صحیح مفہوم کو سرائیکی زبان میں ڈھالنے کی عمدہ اور کامیاب کوشش کی ہے اور اس آیت کا ترجمہ اس طرح رقم کیا ہے کہ فوری طور پر قاری کے دل پر اثر انداز ہوتا ہے۔

ابلاغ ترجمے کا اہم وصف ہوتا ہے اور یہ وصف مولانا مرحوم و مغفور کے ترجمے کا طرہ امتیاز ہے آپ نے ترجمہ اس طرح ضبط فرمایا ہے کہ قرآن پاک کا مکمل ابلاغ ہو جاتا ہے مثال کے طور پر:

كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ (سورۃ العلق:۱۵)

"ہرگز نہیں ایں جیکر نہ باز رہسی البتہ گھلیسوں اساں اوکوں نال متھے دے"۔(19)

اس آیت میں قرآن پاک کے عربی متن کا صحیح طور پر ابلاغ ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ انسان تک جو پیغام پہنچانا چاہتے ہیں جو نصیحت کرنا چاہتے ہیں اسے سادہ الفاظ میں رقم کر دیا گیا ہے۔

ابلاغ کامل کی ایک اور مثال قابل ملاحظہ ہو:

وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا (۷۳:المزمل:۱۳)

"اتے کھانزاں ہے سنگ وچ اٹکنڑ والا اتے عذاب دردناک ڈیونڑ والا"۔(20)

اسی طرح سورۃ الرحمٰن کی درج ذیل آیت کا ترجمہ دیکھئے:

يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَن تَنفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانفُذُوا (۵۵:الرحمٰن:۳۳)

"اے جماعت جناں دی اتے آدمیاں دی جیکر طاقت رکھدے ہوتساں اے کہ نکل ونجوتساں
کناریاں آسماناں اتے زمیناں دے، پس نکل ونجو تساں"۔(21)

مندرجہ بالا ترجمے میں مصنف موصوف نے عربی متن کے اصل مفہوم کو قاری تک فصاحت و بلاغت کے ساتھ پہنچانے کی کوشش کی ہے اور وہ اس میں کامیاب بھی ہوئے ہیں۔ معیاری ترجمہ وہی ہوتا ہے جس میں ابلاغ کامل ہو۔ ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ (۶۲:الجمعۃ:۹)

"اے لوگو جو ایمان گھن آئے ہو، جیڑھے ویلے سڈ یا ونجے واسطے نماز دے ڈینہہ جمعہ دے،
پس جلدی کرو طرف یاد اللہ دے اتے چھوڑ ڈیو خرید و فروخت"۔(22)

اسی طرح اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

إِنَّ الْإِنسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ (۱۰۰:العٰدیٰت)

"بے شک آدمی واسطے رب آپڑیں دے البتہ ناشکر ہے"۔(23)

ان آیات کے تراجم میں قاری کے لئے ابلاغ موجود ہے۔ مترجم نے مشیت الٰہی ترجمے میں منتقل کرنے کی شعوری کوشش کی ہے اور وہ اس میں کامیاب بھی ہوئے ہیں۔ معیاری ترجمہ کی پہچان یہی ہے کہ اس میں کامل ابلاغ پایا جاتا ہے۔

نقد و نظر

فاضل مترجم نے بڑی مہارت کے ساتھ قرآن حکیم کا سرائیکی ترجمہ کیا ہے اور سرائیکی دینی ادب میں گراں قدر اضافہ کیا ہے آپ کی یہ کاوش قابل قدر ہے مگر کچھ باتیں ایسی ہیں جن کا ذکر نہ کرنا علمی خیانت ہوگا۔

مترجم ذی وقار نے بعض اجنبی اور غیر مانوس الفاظ استعمال کیے ہیں۔ سرائیکی قاری اسے کچھ توقف کے بعد سمجھنے پر قادر ہوتا ہے مثال کے طور پر اس آیت کا سرائیکی ترجمہ ملاحظہ ہو:

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (سورۃ الحجرات:۴)

"بے شک جو لوک پکریندے ہن تیکوں پرے چار دیواری گھراں دے اکثر انہاندے نہیں سمجھدے"۔(24)

اگر عمیق نظر ڈالی جائے تو یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ مصنف موصوف نے ترجمہ کرتے وقت اردو کے اولین تراجم (جو شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ کے نام گرامی سے موسوم ہے) کی پیروی کی ہے اس پیروی میں ان سے بعض فاش قسم کی اغلاط بھی سرزد ہوئی ہیں ذیل کی مثال پر نظر فرمایئے:

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ (سورۃ الفجر:۱۳)

"پھر پھینکا ان پر تیرے رب نے کوڑا عذاب کا"۔ (اردو ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ)

اب مولانا حفیظ الرحمٰنؒ کا سرائیکی ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ (سورۃ الفجر:۱۳)

"ول گھتیا اُتے انہاندے رب تیڈے نے گند عذاب دا"۔(25)

اس مثال سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ فاضل مترجم کا ترجمہ شاہ عبدالقادر کے اردو ترجمہ کا تتبع ہے۔ اس بات کا انھوں نے خود بھی اعتراف کیا ہے۔ دیباچہ میں رقمطراز ہیں:

"ایں احقر نے اپڑیں ترجمے دی بناء کم وبیش ہیں شاہ عبدالقادر صاحب دے ترجمے تے رکھی ہے"۔(26)

لفظ "سوط" کا ترجمہ شاہ عبدالقادر نے "کوڑا" کیا۔ یہ واؤ معروف کے ساتھ ہے۔ جس کے معنی "چابک" ہیں۔ اگر "کوڑا" واؤ مجہول کے ساتھ ہوتا تو اس کے معنی "گند" ہوتے ہیں۔ گویا آپ نے "کوڑا" (چابک) کو "کوڑا" (گند) سمجھ کر سرائیکی ترجمہ فرما دیا۔

مندرجہ بالا آیت کریمہ کے اس ترجمے میں ایک اور سقم جو نظر آتا ہے وہ یہ کہ "فصبّ" کے لفظی معنی ہیں تب عربی میں "انڈیلنے" اور "ڈالنے" کے ہوتے ہیں۔ اگر سرائیکی میں اس کے معنی "گھتیا" کی بجائے "وسائے" ہوتا تو زیادہ فصیح ہوتا۔ پوری آیت کا ترجمہ:

"ول گھتیا اُتے انہاندے رب تیڈے نے گند عذاب دا"۔

کی جگہ یوں ہوتا تو زیادہ درست اور زیادہ بلیغ ہوتا:

"ول رب تیڈے انہاں تے عذاب دے چابک وساؤتے"۔

فاضل مترجم کا ترجمہ متعدد محاسن سے متصف ہونے کے باوجود اس میں یہ سقم بھی رہ گیا ہے کہ اس میں عربی اور فارسی کلمات کثرت سے استعمال کیے گئے ہیں۔ اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ (سورۃ الفاتحہ:۷)

''نہ رستہ انہاں دا غضب تھیا جنہاں تے اتے نہ گمراہاں دا''۔(27)

اسی طرح ایک اور مثال دیکھیں:

وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ (سورۃ البقرہ:۱۰)

''واسطے انہاں دے عذاب ہے دردڈیونٹر والا بہ سبب ایندے جو ہن کوڑبولیندے''۔(28)

فاضل مترجم کے سرائیکی ترجمے کا ماخذ شاہ عبدالقادرؒ کا اردو ترجمہ ہے۔آپ نے عربی متن سے سرائیکی ترجمہ کرنے کی بجائے اردو ترجمے کو ہی سرائیکی میں ڈھالا ہے۔اسلئے ان دونوں آیات کے ترجمے میں عربی اور فارسی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

اگر''غضب''،''گمراہ''،''عذاب''اور''بہ سبب'' کی بجائے خالص سرائیکی الفاظ استعمال کیے جاتے تو ترجمہ کہیں زیادہ فصیح ہوتا۔

زیر نظر ترجمے کا ایک سقم یہ بھی ہے کہ اسکی Proff Reading نہیں کی گئی۔یہاں تک کہ بعض آیات کے متن کے نیچے سرائیکی ترجمہ رقم ہی نہیں کیا گیا مثلاً سورۃ الزلزال کی آخری دو یات کے نیچے سرائیکی ترجمے کی دو سطریں خالی ہیں۔

مترجم دی وقار نے بعض مقامات پر فصیح ترجمہ نہیں کیا جس سے ابہام پیدا ہوتا ہے اس سے ترجمہ کی افادیت ختم ہو جاتی ہے مثال کے طور پر اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ (سورۃ القارعہ:۴)

''جیڑھے ڈینہہ تھی ویسن آدمی واکوں ہڈیاں پریشان دے''۔(29)

مندرجہ بالا آیت کا ترجمہ درست معلوم نہیں ہوتا ''فراش'' کے معنی ''پتنگے'' یا ''بھنبھوٹے'' کے ہو سکتے ہیں ''ہڈیاں'' نہیں ہو سکتے پروفیسر دلشاد کلانچویؒ نے اس آیت کا ترجمہ یوں فرمایا ہے:

''اوں ڈینہہ لوک کھنڈے پھنڈے کھمبھوٹیاں (بھمبھوٹیاں) وانگوں ودے ہوسن''۔(30)

ڈاکٹر مہر عبدالحق مرحوم نے اس آیت کا ترجمہ یوں رقم کیا ہے:

''جیڑھے ڈینہہ انسان کھنڈیے ہوئے پتنگاں جھمبھوٹیاں وانگوں تھی ویسن''۔(31)

خان محمد لسکانی بلوچ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

''جڈاں لوک ایویں تھی ویسن جیویں کھنڈیے ہوئے کھمبلاٹ''۔(32)

جبکہ مولانا عبدالتواب ملتانیؒ اس آیت کا ترجمہ یوں ضبط فرمایا ہے:

''اونہہ ڈینہہ ہوسن لوگ مانند کھنبلاٹیاں کھنڈیاں ہویاں دے''۔(33)

ان مثالوں میں ڈیروی، ریاستی اور ملتانی لہجے شامل ہیں ان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ''فراش'' کے معنی ''ہڈیاں'' ہرگز نہیں ہو سکتے۔شاید نادانستہ طور پر فاضل مترجم سے یہ سقم رہ گیا ہے۔

سوانح مترجم

ولادت:1896ء　　　　رحلت:1959ء

مولانا محمد حفیظ الرحمٰن حفیظؒ نے ۱۸، ربیع الاول ۱۳۱۴ھ بمطابق ۲۷ ستمبر ۱۸۹۶ء کو بہاولپور کے ایک عالم فاضل گھرانے میں آنکھ کھولی۔ جہاں ہر طرح کی آسودگی تھی خاندان میں دین سے رغبت، شعائرِ اسلامی کی پابندی اور کتابوں سے دوستی کا ماحول موجود تھا۔

اپنے والد کی پہلی اولاد ہونے کے ناطے بہت زیادہ پیار ملا۔ آپ کے والد صاحب نے تعلیم کی ابتداء حضرت مولانا اللہ ڈِتہؒ سے کرائی جو مسجد کے امام اور خطیب تھے۔ یہ بزرگ اپنے وقت کے زاہد، عابد اور دینی علوم کے ماہر تھے۔ ان کے پاس علمی اور دینی کتب کا ایک ذخیرہ بھی تھا آپ کا پورا گھر ''قال اللہ وقال رسول'' کی گونج میں رہتا تھا۔

فاضل مترجم نے رواج کے مطابق ابتدائی تعلیم حاصل کی پھر آپ کیلئے عربی، فارسی اور اردو پڑھانے کا اہتمام کیا گیا جو اس وقت کے کئی مقتدر اساتذہ کے ذریعے جاری رہا۔ اس زمانے میں گھر پر اساتذہ ذریعے علم حاصل کرنا معزز و تعلیم یافتہ ہونے کی نشانی تھی۔ آپ کے والد مولانا عزیز الرحمٰن دوران ملازمت ریاست بہاولپور کے کئی مقامات پر رہے مگر اپنے اکلوتے بیٹے کی تعلیم سے غافل نہ رہے۔

آپ کو مذہب سے گہرا لگاؤ تھا مذہبی میلان کی وجہ سے مطالعہ کتب اور تالیفات کتب کی طرف دھیان بڑھ گیا۔ آپ نے دو بار حج کی سعادت بھی حاصل کی۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد آپ نے کچھ عرصہ نواب آف بہاولپور کے دربار سیکرٹریٹ میں وزارت تعلیم میں ملازمت کی۔ کچھ عرصہ بعد ملازمت کو خیر باد کہہ دیا۔ صرف یہی اصول اپنایا۔

''پڑھو اور لکھو''

۱۹۳۸ء میں مترجم ذی وقار کے بڑے چچا کے انتقال پر ان کے بچوں کی دیکھ بھال اور جائیداد کے انتظام کی ذمہ داری آپ کے کندھوں پر آن پڑی۔

فاضل مترجم نے ۱۹۳۹ء میں بہاولپور میں پہلا چھاپہ خانہ ''عزیز المطابع'' قائم کیا جس کا افتتاح چیف جسٹس سر عبدالقادر مرحوم نے کیا۔ اس پریس کے علاوہ سکنی اور زرعی جائیداد بھی تھی اور ایک باغ تھا جس سے آپ خاندان کی کفالت کرتے تھے۔ جہاں آپ مالک عزیز المطابع بہاولپور تھے وہاں آپ نے مکتبہ عزیزیہ کے نام سے دینی کتب کی فروخت کیلئے ادارہ قائم کیا۔ آپ کی کتاب ''باراں سورۃ'' پر تحریر ہے ''سلسلہ عزیزیہ نمبر 41'' اس کا مطلب ہے کہ آپ اکتالیس سے زیادہ کتابیں شائع کرنے والے ناشر ہیں۔

مولانا حفیظ الرحمٰن مرحوم ساری زندگی تصنیف و تالیف میں مصروف رہے ماہنامہ رسالہ ''العزیز'' اور ہفت روزہ اخبار ''العزیز'' بھی جاری کیا۔ آپ اپنی ذاتی کتب خانے ''حفیظ لائبریری'' میں علمی و ادبی محفلیں منعقد کرتے رہتے تھے اصلاح معاشرہ کیلئے آپ تبلیغ بھی کرتے تھے۔ آپ کی پوری زندگی میں تصانیف کا تسلسل نظر آتا ہے۔

فاضل مترجم ۳۰ نومبر ۱۹۵۹ء میں بہاولپور میں انتقال کر گئے۔ (34)

علمی وادبی خدمات

مولانا حفیظ الرحمٰن کی پوری زندگی تصنیف وتالیف سے عبارت ہے۔اس مقصد کے حصول کیلئے آپ نے نواب آف بہاولپور سے خصوصی اجازت نامہ لیکر پہلا غیر سرکاری چھاپہ خانہ قائم کیا اور متعدد کتب شائع کیں۔

بحیثیت مترجم آپ نے ''نماز مترجم'' کے عنوان سے سرائیکی میں ترجمہ کیا تاکہ اسلام کے دوسرے اہم رکن نماز کے بارے میں عام لوگوں کو آگاہی ہو سکے۔ترجمے کے حوالے سے آپ کی دوسری کتاب ''بارحاں سورۃ شریف'' ہے جسمیں قرآن پاک کی بارہ سورتوں کا سرائیکی میں ترجمہ کیا گیا ہے۔فاضل مترجم کا سب سے بڑا اعزاز یہ ہے کہ آپ نے سب سے پہلے قرآن حکیم کا مکمل سرائیکی ترجمہ شائع کیا یہ ترجمہ آپ نے ''قرآن مجید مترجم'' کے نام سے کیا اس سے آپ کی قرآن حکیم سے والہانہ وابستگی اور مادری زبان سرائیکی سے محبت کا اظہار واضح ہوتا ہے۔

بحیثیت عالم دین آپ نے متعدد کتب شائع کیں ان کچھ معروف کتب حسب ذیل ہیں۔''اسلام کیا ہے؟''، ''اسلام کیا چاہتا ہے؟''، ''سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم''، ''سیرت محمدیؐ''، ''الحبیب (سوانح حیات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم)''، ''سفر نامہ حجاز''، ''توحید کیا ہے؟''، ''احکام نکاح''، ''ذکر عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم''، ''ذکر خیر (احوال خواجہ محکم الدین سیرانی)''، ''شعاع نور'' (سوانح حیات خواجہ نور محمد مہارویؒ)۔

تاریخ وثقافت کے حوالے سے بھی آپ کی تصانیف علمی حلقوں میں اہم مقام رکھتی ہیں خاص طور پر آپ نے بہاولپور کی تاریخ وثقافت پر شاہکار کام کیا ہے۔ان میں کچھ کتابیں یہ ہیں'' تاریخ اچ''، ''تمدن بہاولپور کی دو مختلف تصویریں''، ''مختصر تاریخ تاجداران ریاست بہاولپور''، ''ذکر کرام (سابق ریاست بہاولپور کی حدود میں مزاروں، خانقاہوں اور قبرستانوں کے بارے میں تاریخی معلومات پر مشتمل ہے)۔اس میں دو سو سے زائد مزاروں اور پچاس سے زائد بزرگوں کے حالات یکجا کیے ہیں'' اور ''چچ نامہ'' (فارسی/انگریزی/اردو)۔

فاضل مترجم نے ادب کی ترویج واشاعت کیلئے بھی بہت کام کیا اس سلسلے میں بھی آپ کی کاوشیں قابل قدر ہیں۔ آپ نے دو ناول تحریر کیے۔پہلا ''غازی احمد شاہ ابدالی'' اور دوسرا ''سلطان غازی عالمگیر'' ہے۔

بحیثیت ادیب آپ نے ''تاریخ شعراء سندھ'' محبوب المطابع دھلی سے اور ''دل آرام'' بہاولپور سے شائع کی۔

مترجم ذی وقار کی مرتب کردہ کتب کی فہرست درج ذیل ہے۔

''گلستان عزیز''، ''بوستان عزیز''، ''نعت عزیز''، ''چیدہ شخصیتیں''، ''دیوان فرید غیر مترجم''۔

علاوہ ازیں آپ کی تصانیف میں متفرق کتب کے طور پر ''مجاہد مصر''، ''زریں زندگی''، ''جذب القلوب''، ''حیات آزاد''، ''گلدستہ'' اور ''میرن شاہ'' شامل ہیں۔

فاضل مترجم نے بطور ایڈیٹر دو رسائل کا اجراء کیا ان میں ماہنامہ ''العزیز'' اور ہفت روزہ ''العزیز'' شامل ہیں۔

مترجم ذی وقار کا ایک غیر مطبوعہ نسخہ ''ترتیب وتصحیح'' (ڈوہڑہ جات فریدی) بقلم مولف سید نور محمد قادری کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔

اس کے علاوہ آپ کے بیسیوں مقالات ماہنامہ ''العزیز'' بہاولپور اور دوسرے رسائل میں منتشر ہیں۔(35)

قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی
ڈاکٹر مہر عبدالحق مرحوم ومغفور

تاریخ طباعت: 1404ھ **مقام طباعت: ملتان**

یہ سرائیکی زبان میں قرآن حکیم کا دوسرا معرّیٰ مکمل مطبوعہ ترجمہ ہے جو پاکستان قومی ہجرہ کونسل اسلام آباد کے اشاعتی پروگرام کے تحت ۱۴۰۴ ہجری میں طبع ہوا اس ترجمے کے مصنف ڈاکٹر مہر عبدالحق ہیں۔

اس ترجمے کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے ہجرہ کمیٹی آفس اسلام آباد کے نبی بخش بلوچ رقمطراز ہیں:

"پاکستان میں جشن ہجرہ کے ہمہ گیر منصوبے کا اعلان صدر پاکستان جناب محمد ضیاالحق کے یکم محرم ۱۴۰۰ھ کو قوم کے نام اپنے خطاب میں کیا تھا اور قومی ہجری کمیٹی اپنے لائق اور مخلص چیرمین جناب اللہ بخش بروہی کی زیر نگرانی اس منصوبے کو عملی جامہ پہنا رہی ہے اس سلسلے میں کمیٹی نے قرآن حکیم کی تعلیم کو ملک کے گوشے گوشے میں عام کرنے کے لیے قومی زبانوں میں کلام پاک کے تراجم کی طرف خصوصی توجہ دی ہے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ کام احسن طریقے پر جاری ہے اوراس میں دن بدن مزید پیش رفت ہوتی رہے گی۔ سرائیکی زبان میں کلام پاک کا یہ ترجمہ اسی سلسلہ کا ایک تتمہ ہے یہ ترجمہ ڈاکٹر مہر عبدالحق صاحب نے کیا ہے جو کہ سرائیکی زبان میں قرآن مجید کا پہلا بامحاورہ ترجمہ ہے جس سے معنی اور مفہوم کے سمجھنے میں آسانی ہوگی"۔(36)

زیر نظر ترجمہ "قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی" کو سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے نیو اسلامی آرٹ پریس ملتان سے طبع کرا کے شائع کیا ہے۔ اس کی کتابت ملتان کے معروف خطاط مختار حسین اسدی اور سلیم چشتی نے کی۔

زیر نظر ترجمہ کی کتابت جیسا کہ صفحہ نمبر 924 پر تحریر ہے۔(37)

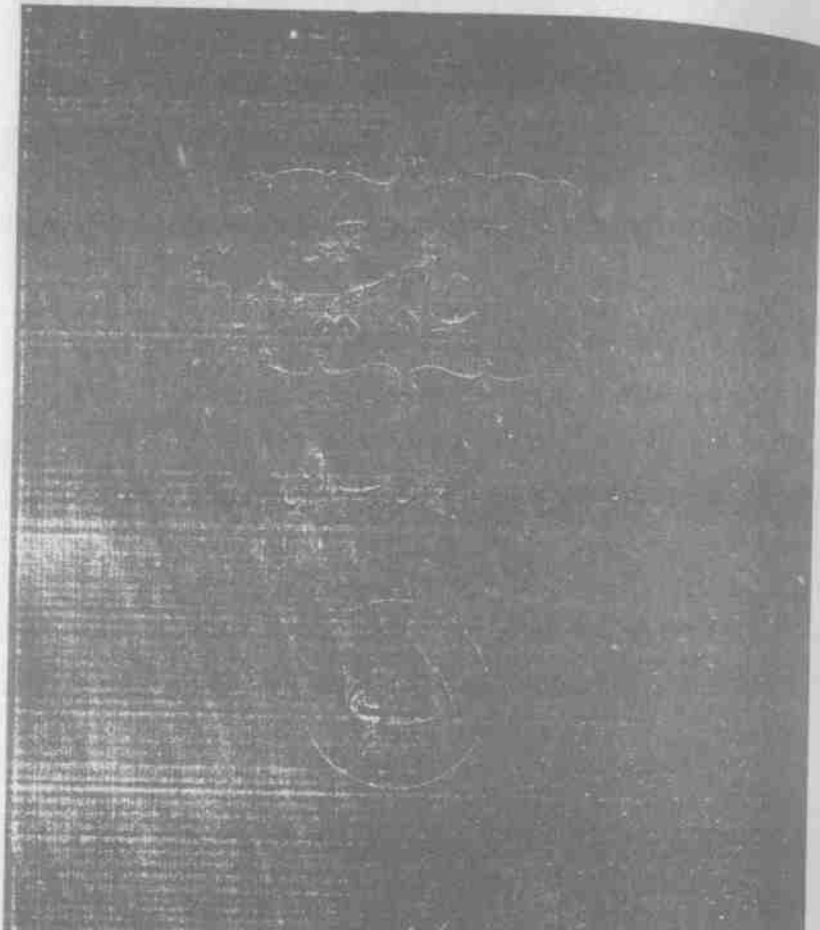
۲۸ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ مطابق ۵ فروری ۱۹۸۱ء، مکمل ہوئی اور اس کی اشاعت رمضان المبارک ۱۴۰۲ ہجری میں عمل میں آئی۔ اس ترجمے کی مالی معاونت جیسا کہ وجہ تالیف میں بیان کی گئی ہے حکومت پاکستان کی طرف سے ہجرہ کمیٹی اسلام آباد نے کی۔ علاوہ ازیں صدر پاکستان کے حکم پر تمام زبانوں میں تراجم کرائے گئے۔

فاضل مترجم کا یہ ترجمہ بہت ضخیم ہے اور نو سو ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ ترجمے میں مصنف کی طرف سے کوئی مقدمہ نہیں کیا گیا تاہم حافظ عبداللطیف "تقریظ" میں رقمطراز ہیں:

"ڈاکٹر صاحب نے نہ صرف سرائیکی بولنے والوں پر بلکہ دوسری علاقائی زبانیں بولنے والوں پر ایک عظیم احسان کیا ہے۔ کیونکہ ان کا سرائیکی ترجمہ ٹھیٹھ سرائیکی کی بجائے عام فہم، ادیبانہ اور مستعمل زبان میں ہے۔ فقیر دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سرائیکی ترجمے کو تمام مسلمانوں کے حق میں مفید اور باعث نجات آخروی ثابت فرمائے اور قرآنی حقائق کے سمجھنے کی توفیق بخشے اور مترجم کو اس کامیاب کارنامے پر اجر جذیل عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)"۔(38)

اس ترجمہ کے عربی متن میں کتابت کی صحت کی تصدیق حافظ قاری محمد عبدالسلام قاسمی نے کی ہے۔

فاضل مترجم نے اس ترجمے کے علاوہ "الحمد اللہ" (سرائیکی تفسیر سورۃ فاتحہ) "Quranic view of the Human Self" اور Educational Philosophy of Holy Quran بھی رقم کی۔ اس سے آپ کی قرآن پاک سے گہری محبت اور عقیدت ظاہر ہوتی ہے۔ ترجمہ کے آخر میں دعائے ختم القرآن تحریر کی گئی۔ جس کے نیچے سرائیکی ترجمہ بھی ہے۔



سر ورق قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی از ڈاکٹر مہر عبدالحق مطبوعہ 1404ھ

آيَاتُهَا ۷ — سُورَةُ الفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ — رُكُوعُهَا ۱

۱۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
۲۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝
۳۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
۴۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝
۵۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝
۶۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝
۷۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

۱۔ اللہ دے ناں نال جیہڑا بیحد خاص رحمتاں والا اُتے بے انتہا عام رحمتاں والا ہے۔
۲۔ سب تعریفاں اللہ دیاں ہن جیہڑا کُل جہاناں دا پالݨ ڈُدھاوݨ تے پلاوݨ پُھلاوݨ والا ہے۔
۳۔ خاص رحمتاں والا، عام رحمتاں والا۔
۴۔ کیتی بھرݨ دے ڈینہہ دا مختار کل۔
۵۔ اساں سب صرف تیڈی عبادت کریندے ہیں اُتے ہک تیں کنوں مدد منگدے ہیں۔
۶۔ ٹور اساکوں سدھے ہموار رستے تے۔
۷۔ اُنھاں لوکاں دا رستہ جنھاں تے تیں نعمتاں نازل کیتین۔ اُنھاں دا نہ جنھاں تے تیڈا غضب ڈھٹھے۔ اُتے نہ اُنھاں دا جیڑھے تھڑک گئے ہوئین۔

ڈاکٹر مہر عبدالحق کے سرائیکی ترجمے کا نمونہ

طریق کار

ڈاکٹر مہر عبدالحق کثیر التصانیف دانشور اور ماہر لسانیات تھے۔ سرائیکی زبان کے لیے آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں قرآن پاک کا مکمل سرائیکی ترجمہ کر کے مصنف موصوف نے سرائیکی دینی ادب میں قیمتی اضافہ کیا ہے۔

فاضل مترجم نے ترجمے کے آغاز میں قاری کی آسانی کے لیے قرآن حکیم کے موضوعات قرآن کیے ہیں۔ ہر موضوع میں سورۃ کا نام رکوع نمبر اور آیت کا پہلا جز رقم لیا گیا ہے۔ ہر موضوع سورتوں کی ترتیب کے مطابق منضبط فرمایا ہے یہ "فہرست مضامین" پچیس صفحات پر مشتمل ہے یہ طریقہ کار بہت محنت طلب ہے۔ مترجم ذی وقار نے یہ فہرست مرتب کر کے تفہیم قرآن کو آسان بنا دیا ہے۔

زیر نظر ترجمے میں ہر سورۃ کے آغاز میں درمیان میں سورۃ کا نام اور مکی اور مدنی ہونے کی وضاحت ہے جبکہ دائیں طرف آیات کی تعداد اور بائیں طرف رکوع کی تعداد تحریر ہے۔

قرآن مجید کے عربی متن سے پہلے آیات کے نمبر اور بالکل سامنے سرائیکی ترجمے سے پہلے آیات کے نمبر تحریر کیے گئے ہیں۔

فاضل مترجم نے بین السطور ترجمہ کرنے کی بجائے دائیں طرف عربی متن اور اس کے بالکل سامنے بائیں طرف سرائیکی ترجمہ رقم کیا ہے۔

فاضل مترجم نے ترجمے کے آخر میں تقریباً چھتیس صفحات پر مشتمل "قرآن حکیم دے کجھ خاص لفظاں دے معنے" کے عنوان سے ایک فرہنگ دی ہے جس میں الفاظ کے معنی اور انکا مادہ وضاحت سے بیان کیا ہے۔

اگرچہ تمام قرآنی الفاظ رقم نہیں کیے، تاہم یہ بہت احسن طریقہ ہے اور قاری کو لغت دیکھنے کی ضرورت نہیں رہتی اور اس کی خاص بات یہ ہے

اسے حروف ابجد کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے۔ جیسے

لفظ	مادہ	معانی
اَبَد	اب د	الاَبَدُ۔ غیر محدود زمانہ ہمیشہ
		لمبی مدت، جیندے حصے بخرے نہ
۔		تھی سگن جیندے تھی سگن اور زمانہ ہے۔
		زمانہ دارز۔ کدّا نہیں
اجل	اج ل	مقررہ مدت، باعث، وجہ
		دیر کرن

فاضل مترجم نے بامحاورہ ترجمہ کیا ہے کیونکہ ایسا ترجمہ آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے۔ جیسا کہ سرورق پر تحریر ہے۔
"سادہ آسان اتے رواں سرائیکی ترجمے دے نال قرآن مجید"

مترجم ذی وقار نے عربی متن کے بالکل اس کے سامنے سرائیکی ترجمہ رقم کیا ہے تا کہ عربی متن کی سطر کا ترجمہ

سطر کے سامنے ہو جیسے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (سورۃ البقرہ:۸۲) "اتے جیڑھے ایمان گھن آئے اُتے اتھاں چنگیں عمل کیتے"۔(39)

مندرجہ بالا آیت کے عربی متن کے بالکل سامنے سرائیکی ترجمہ آنے سے ترجمہ عیاں اور واضح ہو گیا ہے

مترجم نے یہ طریقہ اختیار کر کے تفہیم قرآن کو آسان بنا دیا ہے۔ جس سے قاری کو ہر سطر کے معنی اسی سطر کے سامنے مل جاتے ہیں

اور کسی وقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

مترجم مرحوم و مغفور نے اپنے ترجمے میں تشریحی کلمات کثرت سے استعمال کیے ہیں۔ جو قوسین کی پابندی سے

ماوراء ہیں۔ مثال کے لیے سورۃ الفاتحہ کی یہ آیات ملاحظہ فرمایئے:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" (سورۃ الفاتحہ:۱)

"سب تعریفاں اللہ دیاں ہِن جیڑھا کل جہاناں دا پالن دوھاون تے پُھلاون پُھلاون والا ہے"۔(40)

ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں:

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا (۵۱: الذّٰریٰت:۱)

"قسم ہے کھنڈا پُنڈا بیوں والیں دی جیڑھاں (پرے پرے تئیں کھنڈا پنڈا بیندئین"۔(41)

پہلی مثال میں لفظ "ربّ" کا ترجمہ نہیں کیا گیا بلکہ تشریح اور تفسیر رقم کی گئی ہے۔ ایک لفظ "ربّ" کے چار ترجمے

کیے گئے ہیں۔

۱۔ پالن

۲۔ دوھاون

۳۔ پُھلاون

۴۔ پُھلاون

یہ تمام تشریحی کلمات ہیں۔ اسی طرح دوسری آیت کے ترجمے میں بھی تشریحی کلمات دیے گئے ہیں۔

یہ ترجمہ "متقابل" ہے۔ ہر صفحے کے دائیں طرف قرآن مجید کا عربی متن دیا گیا ہے۔ اور بائیں طرف

ترجمہ تحریر کیا گیا ہے اور درمیان میں ایک لکیر کھینچی گئی ہے۔

محاسن

ڈاکٹر مہر عبدالحق اردو اور سرائیکی ادب کے ان چند اہم ادباء میں شامل ہیں جنہوں نے سرائیکی اور اردو زبان کی تحقیق کے سرمائے میں قابل قدر اضافہ کیا تاہم انہوں نے بطور مترجم بھی اپنے فن کا لوہا منوایا فاضل مترجم کا ترجمہ قرآن حکیم کا دوسرا مکمل سرائیکی ترجمہ ہے جو زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔

مترجم ذیشان کا ترجمہ بہت سے خوبیوں سے متصف ہے۔ ایک وصف تو یہ ہے کہ آپ کا ترجمہ بامحاورہ ہے جس سے قاری با آسانی قرآن کا مفہوم سمجھ سکتا ہے۔ جیسا کہ کتاب کے ٹائٹل صفحے پر رقم ہے"سادہ آسان اتے رواں سرائیکی ترجمے دے نال قرآن مجید" جس میں کچھ مضامین کا اشاریہ اور بعض قرآنی الفاظ کی لغت بھی شامل ہے۔ مثال کے لیے اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ. (سورۃ الحجر:۸۲)

"اتے او پہاڑاں کوں گھڑ کے (آپو جانڑ) محفوظ گھر بنڑا گھندے ہن"۔(42)

اس آیت کے ترجمے میں خوبصورت بامحاورہ ترجمہ کیا گیا ہے۔

قاری آسانی کے ساتھ قرآنی مفہوم سمجھ لیتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے قرآن فہمی کی اہمیت جانتے ہوئے بامحاورہ ترجمے کو ترجیح دی جس سے اس ترجمے کی اہمیت بڑھ گئی۔

زیر نظر ترجمے کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ یہ ترجمہ سادہ اور آسان سرائیکی زبان میں ہے تا کہ عام لوگ بھی اپنی مادری زبان میں قرآن کو سمجھ سکیں مثلاً:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ (سورۃ الفاتحہ:۴)

"ٹوراساکوں سدھے ہموار رستے تے"۔(43)

فاضل مترجم نے ترجمے کو عام فہم بنانے کی مفید کوشش کی ہے اور وہ اس میں کامیاب بھی رہے ہیں۔ بعض مشکل اصطلاحات کا ترجمہ آسانی سے نہیں ہو سکتا تھا آپ نے وہ کر دکھایا۔

مترجم مرحوم و مغفور صاحب طرز ادیب تھے ان کا اوڑھنا بچھونا ادب تھا ادب کی کئی کتب کے مصنف تھے اس لیے آپ کے ترجمے میں ادبی رنگ غالب ہے مثال کے طور پر اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

"فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ. (سورۃ یٰسین:۷۶)

"بس وت انھاں دی گالھ تیکوں مو نجھا نہ کرے"۔(44)

اس آیت کے ترجمے میں سرائیکی زبان کا ادبی حسن اپنی مثال آپ ہے۔ مترجم ذی وقار نے سرائیکی لسانی مزاج کو خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔

ڈاکٹر مہر عبدالحق نے قرآن پاک کا ادبی مطالعہ کیا اور تمام ادبی پہلو سامنے رکھے آپ نے مشکل اصطلاحات کا سرائیکی ترجمہ بھی کیا۔ فاضل مترجم نے اللہ کی حاکمیت اور بادشاہت کے مفہوم کو ادا کرنے کے لیے سرائیکی زبان سے جو الفاظ لیے مثلاً راج اور سرداری جو اس مفہوم کو پورا ادا نہیں کر سکتے تھے اس لیے انہیں اقتدار اعلیٰ کی اصطلاح استعمال کرنا پڑی۔ میرے خیال میں فاضل مترجم کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا جس طرح "زکوٰۃ" کے لفظ کا آج تک کوئی ترجمہ

نہیں ہوا اور اسی لفظ کو اس کی اپنی صورت میں ہم نے اردو کے علاوہ تمام دوسری علاقائی زبانوں میں اختیار کرلیا۔

مترجم ذی وقار کا تعلق لیہ سے تھا اس لیے ان کے ترجمے پر علاقائی اثرات موجود ہیں۔ آپ کے ترجمے میں سرائیکی زبان کے مقبول لہجے ڈیروی کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے جس سے سرائیکی زبان کی مٹھاس اور وسعت سامنے آتی ہے جیسے:

"كَانْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا"۔ (سورۃ ھود:۶۸)

"جینویں جو او کڈانہہ ؛ وتھے ئی نہ ہوون"۔(45)

مندرجہ بالا آیت میں " کڈانہہ " اور " وتھے " ڈیروی لہجے کی نمائندگی کرتے ہیں سرائیکی زبان کے ان خالص الفاظ کے استعمال سے ترجمے کا حسن دوبالا ہو گیا ہے اور یہ ڈیروی لہجے کا نمائندہ ترجمہ ہے۔

زیر نظر ترجمے کا ایک اور وصف اثر انگیزی ہے۔ یہ اعجاز قرآن ہے کہ اس کا ہر لفظ ایک خاص تاثیر رکھتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرمایا "اگر قرآن پہاڑوں پر نازل ہوتا تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتے"۔ مثلاً

"فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا"۔ (سورۃ العٰدیٰت:۳،۴)

"وت دھاڑا مریندن دھمیں وت ایندے نال دوھڑ اُٹھا گھڑیندان"۔(46)

مترجم ذی وقار نے اللہ تعالیٰ کے کلام کی اثر آفرینی کو سرائیکی ترجمے میں اپنی ذاتی کوشش سے برقرار رکھا ہے۔ آپ کا رقم کیا ہوا ترجمہ قاری کے دل کو چھو لیتا ہے کیونکہ متن کا اثر ترجمے میں موجود ہے۔

فاضل مترجم کے ترجمے کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں روانی ہے ربط نہیں ٹوٹتا سکتہ نہیں آتا مثال کے طور پر درج ذیل کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

"اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ"۔(سورۃ التکویر:۱)

"جڈاں بجھ کوں ولھیٹ گھدویسی"۔(47)

زیر نظر آیت کے ترجمے میں روانی ہے اور یہی اچھے ترجمے کا حسن ہوتا ہے کہ اس میں ربط نہیں ٹوٹتا اور قاری کی رغبت میں اضافہ ہوتا ہے ترجمے کی ایسی ہی خصوصیت مقبولیت کا باعث بنتی ہے۔

فاضل مترجم کے ترجمے کا ایک وصف یہ ہے کہ اس میں خالص سرائیکی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جو ترجمے کے اصولوں کے لیے بہت اہم ہیں۔ مثال کے طور پر یہ ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ۔

(سورۃ البقرہ:10)

"انہاں دے دلاں وچ روگ ہے اُتے اللہ وداھا تا ہے انہاں دا روگ اتے انہاں دے کیتے وروبھریا عذاب ہے ایں پاروں جو اے کوڑ الیندن"۔(48)

مندرجہ بالا ترجمے میں "روگ" اور "ودھا"، "کوڑ" اتے "الیندن" خالص سرائیکی الفاظ ہیں جو مصنف موصوف کی زبان پر مہارت کو ظاہر کرتے ہیں اور ترجمے میں سرائیکیت بھی نمایاں ہوتی ہے۔

فاضل مترجم کی قرآن سے محبت اور مادری زبان سے وابستگی اس ترجمے میں نمایاں نظر آتی ہے اور آپ کی یہ کاوش جہاں قابل قدر ہے وہاں اس سے سرائیکی دینی ادب میں اضافے کے ساتھ ساتھ سرائیکی نثر کا دامن وسیع ہوا ہے۔

زیر نظر ترجمے پر غور کرنے سے پہلے مترجم کے بارے کچھ باتیں جاننا ضروری ہیں۔ کیا مترجم عربی زبان جانتا ہے یا نہیں؟ کیا مترجم نے اردو تراجم سے استفادہ تو نہیں کیا؟ ان باتوں کو سامنے رکھیں تو مصنف موصوف کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اردو تراجم کو ماخذ بنا کر قرآن حکیم کا سرائیکی ترجمہ کیا ہے۔

اگر چہ مترجم ذی وقار نے اس بات کا کہیں ذکر نہیں کیا کہ انہوں نے اردو یا انگریزی کے کس ترجمے کا تتبع کیا ہے لیکن قیاس ہے کہ انہوں نے مولانا شبیر احمد عثمانی کے ترجمے کو ماخذ بنایا ہے۔ کیونکہ فاضل مترجم عربی زبان کا مکمل ادراک نہیں رکھتے۔ انہیں اس بات کا اعتراف بھی تھا اس لیے آپ نے ترجمے میں اردو اور فارسی کے کلمات استعمال کیے ہیں مثلاً:

"فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ"۔ (سورۃ الفجر آیت:۱۲)

"بس وت ڈھیر ساریاں ناہمواریاں پیدا کر ڈیتاں ہانیں"۔(49)

فساد کا ترجمہ سرائیکی زبان میں ناہمواریاں ہو ہی نہیں سکتا فاضل مترجم نے اردو ترجمے کو سرائیکی میں ڈھالا ہے اس لیے اکثر مقامات پر اردو اور فارسی کے کلمات نے سرائیکیت کو متاثر کیا ہے۔

زیر نظر ترجمے میں تشریحی کلمات اور غیر مانوس کلمات کی وجہ سے پیرایہ بیان میں طوالت آگئی ہے مثال کے طور پر آیت ھذا کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

"اِرْجِعِىْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً" (سورۃ الفجر:۲۸)

"رجوع کرآ پئیں نشووارتقاء ڈیوݨ والے دی دی طرف آپ ئی خوش تھی کے اتے اوکوں خوش کر کے"۔(50)

اس ترجمے میں قاری کو عربی کلمات کے معانی سمجھنے میں دقت پیش آتی ہے ترجمہ آمنے سامنے لکھنے سے قاری کو عربی الفاظ کے معانی ڈھونڈنا مشکلات پیدا کرنے کا سبب ہے۔ اگر چہ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے آخر میں "قرآن حکیم دے کجھ خاص لفظاں دے معنیٰ" کے عنوان سے ایک اشاریہ دیا گیا ہے۔

فاضل مترجم نے اگر چہ رواں ترجمے کا دعویٰ کیا ہے مگر کہیں کہیں روانی محسوس نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر درج ذیل آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" (سورۃ الفاتحہ:۱)

"سب تعریفاں اللہ دیاں ہن جیڑھا کل جہاناں دا پالݨ ودھاوݨ تے پھلاوݨ پھلاوݨ والا ہے"۔(51)

اس آیت میں رب کے معنی ایک سے زیادہ رقم کیے گئے ہیں اور اس سے بامحاورہ ترجمہ کا دعویٰ بھی کمزور پڑ جاتا ہے۔ ترجمہ متن کے سامنے ہونے سے قاری کو الفاظ کے معنی تلاش کرنے میں دقت ہوتی ہے۔ اور بعض مقامات پر سطر کے سامنے ترجمہ نہیں ہوتا بلکہ دوسری سطر میں ہوتا ہے اس لیے ترجمہ کرنے کا یہ طریقہ قاری کے لیے سہولت کی بجائے مشکلات پیدا کرتا ہے۔

فاضل مترجم کا ترجمہ رواں ضرور ہے لیکن رواں سرائیکی نہیں اور سرائیکی محاورے کا خیال نہیں رکھا گیا جس سے

ترجمہ پر گرفت محسوس نہیں ہوتی مثال کے طور پر اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

"فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا"۔ (سورۃ البقرہ:۲۴)

"بس اے جیکر نہ کر سکیو تساں، اتے ہرگز نہ کر سکیو"۔(52)

مندرجہ بالا ترجمہ میں سرائیکیت نظر نہیں آتی اگر اس کو رواں سرائیکی میں رقم کیا جاتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔ اردو تراکیب سرائیکی میں ڈھالنے سے ترجمہ کا حسن برقرار نہیں رہ سکا اور نہ ہی روانی ہے۔

زیر نظر ترجمے میں غریب، غیر مانوس اور تشریحی کلمات کثرت سے استعمال کیے گئے۔ جن سے ترجمے کی روانی اور تفہیم میں فرق آ گیا ہے۔ اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

"إِنَّا أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ"۔ (الکوثر:۱)

"بے شک اساں تیکوں خیر کثیر (یا اُتھاں دا حلال ذبیحہ) عطا کیتے"۔(53)

فاضل مترجم کے کیے ہوئے اس ترجمے میں تشریحی کلمات کی بھر مار ہے۔ جس سے ترجمے کے حسن میں بجائے اضافے کے کمی آ گئی ہے۔

مترجم ذی وقار کی یہ اپنی اختراع ہے کہ وہ دیگر زبانوں کے کلمات لاتے ہیں۔ اردو، انگریزی یا کسی دوسری زبان میں اس طرح کے کلمات کی کہیں مثال نہیں ملتی ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں۔

"هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّا أَسْلَفَتْ" (سورۃ یونس:۳۰)

"اُتھاں ہر جی پرکھسی (اپڑیں سامنڑیں موجود ڈیکھسی) اوکوں جو کجھ او پہلے کریندا ریہے"۔(54)

اس آیت کے ترجمے میں بھی مترجم مرحوم و مغفور نے تشریحی کلمہ استعمال کیا ہے۔ جس کی قطعاً ضرورت نہ تھی۔ ان تشریحی کلمات کے استعمال سے پیرایہ بیان میں غیر ضروری طوالت آ گئی ہے اور ترجمے کا حسن بھی متاثر ہوا ہے۔

دخیل کلمات کی یہ مثال ملاحظہ ہو:

وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْإِكْرَامِ (۵۵:الرحمن:۲۷)

"اتے باقی رہسن والی (غیر متبدل یا قائم) صرف اوندا چہرا (ذات و صفات) جیہڑا جلال والا اتے عزت والا ہے"۔(55)

اس طرح ایک اور مثال ملاحظہ ہو:

مَرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ (۸۰:عبس:۱۴)

"بلند کیتا گیا۔ پاکیزہ تے مقدس بنڑایا گیا"۔(56)

ان دونوں مثالوں میں فاضل مترجم نے تشریحی کلمات اور دخیل کلمات استعمال کیے ہیں۔ پہلی مثال میں "غیر متبدل"، "قائم"، "باقی"، "ذات" "وصفات"، "جلال" اور "عزت" غیر سرائیکی الفاظ ہیں۔ اس سے جہاں ترجمے میں طوالت آئی ہے۔ وہاں ترجمے کی دلکشی بھی متاثر ہوئی ہے۔ اسی طرح دوسری مثال میں "بلند"، "پاکیزہ"، اور "مقدس" دخیل کلمات ہیں۔ یہ ترجمے کے فنی اصولوں کے خلاف ہے۔ اس قدر دخیل کلمات کا استعمال درست نہیں ہے۔ اس سے ترجمے کی افادیت کم ہو جاتی ہے۔ اور قاری کی دلچسپی بھی برقرار نہیں رہتی۔

سوانح مترجم

تاریخ ولادت:1915ء **رحلت:1995ء**

ڈاکٹر مہر عبدالحق یکم جون 1915ء کو لیہ میں پیدا ہوئے۔(57) ان کا تعلق سندھ کے معزز خاندان سمرا سے ہے۔ان کے باطن میں تحریک کچھ نہ کچھ کرنے کی تمنا بچپن ہی سے تھی۔آپ کے والدین باشعور اور ذوق علم سے بہرہ ور تھے۔انہوں نے ابتدائی تعلیم گھر پر والدین سے حاصل کی۔پھر آپ کو ایم بی مڈل سکول لیہ میں داخل کرا دیا گیا۔اس سکول میں دوسرے مضامین کے ساتھ ہندی اور سنسکرت بھی پڑھائی جاتی تھی۔اس لیے ثانوی تعلیم کے دوران مہر صاحب نے ہندی اور سنسکرت بھی پڑھی۔(58) بعدازاں آپ کے والد بزرگوار نے آپ کو برادری ہائی سکول لیہ میں داخل کرا دیا اور اسی سکول سے آپ نے ساڑھے چودہ برس کی عمر میں 1930ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔اعلیٰ ثانوی تعلیم کیلئے آپ نے صادق ایجرٹن کالج (ایس ای کالج) بہاولپور میں داخلہ لے لیا علمی ذوق کی تسکین کیلئے کالج لائبریری کی اکثر کتب پڑھ ڈالیں۔(59) ان دنوں نواب آف بہاولپور کی فیاضی اور علم دوستی کے باعث بہاولپور شہر دینی علوم سے شغف کے باعث اسلامی فضا قائم تھی۔

بہاولپور میں مشاہیر کی آمد و رفت رہتی تھی۔ علماء کے علاوہ شعراء بھی ادب کی آبیاری کرتے تھے۔حفیظ جالندھریؒ سے آپ کا تعارف یہیں ہوا۔احمد ندیم قاسمی اسی کالج کے طالب علم تھے ایسے ماحول میں آپ کا ذوق شعر بھی نکھرتا گیا۔اس ذوق کی تسکین کیلئے جولائی ۱۹۳۲ء میں علامہ محمد اقبالؒ سے ملاقات کی۔1935ء میں بی۔اے کیا۔اسی سال مقابلے کے امتحانات میں شریک ہوئے۔آٹھویں پوزیشن حاصل کی مگر ملازمت نہ مل سکی۔گزر اوقات کیلئے ایک امیر زادے کی اتالیقی اختیار کر لی۔جو اپنے والدین کے ہمراہ شملہ میں مقیم تھا۔

تیس روپے ماہوار ٹیوشن فیس اور قیام و طعام کی سہولت کے ساتھ ۱۹۳۶ء میں شملہ چلے گئے۔یہاں آپ نے طالب علم کے والد کی وساطت سے وائسرائے کی لائبریری سے استفادہ کیا۔۱۹۴۴ء میں محکمہ تعلیم میں سرکاری ملازمت کا آغاز کیا۔تدریس کے شعبے سے منسلک ہو گئے اسی دوران پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے اردو کیا۔۱۹۵۷ء میں تحقیقی مقالہ بعنوان "ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق" لکھ کر Ph.D کی ڈگری حاصل کی۔دوران ملازمت آپ پیلاں ضلع میانوالی چیچہ وطنی، ہائی سکول مظفرگڑھ، ڈسٹرکٹ بورڈ ماڈل سکول خان گڑھ، ۱۴را کتوبر ۱۹۴۴ء تک، گورنمنٹ ہائی سکول جام پور، بعد ازاں ۱۹۴۵ء سے ۱۹۴۷ء تک ڈیرہ غازی خان میں تعینات رہے۔۱۹۴۷ء میں ترقی پا کر اے ڈی آئی رہے۔۱۹۵۷ء میں آپ کا تبادلہ لاہور کر دیا گیا ۱۹۶۰ء تک لاہور میں رہے۔

فاضل مترجم ۱۹۶۱ء تک گورنمنٹ نارمل سکول مظفرگڑھ ہیڈ ماسٹر تعینات رہے۔۶۷،۱۹۶۶ء میں آپ کو ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز کی حیثیت سے ڈیرہ غازیخان بھیج دیا گیا اس کے بعد ۶۸۔۱۹۶۷ میں گورنمنٹ ہائی سکول کوٹ ادو میں ہیڈ ماسٹر رہے بعدازاں گورنمنٹ نارمل سکول مظفرگڑھ میں دوبارہ ہیڈ ماسٹر تعینات ہوئے۔آخر کار ایک طویل عرصہ پیغمبرانہ پیشے سے وابستہ رہنے کے بعد 31 جنوری 1971ء کو ریٹائرڈ ہو گئے۔ریٹائرمنٹ کے بعد تصنیف و تالیف سے منسلک رہے اور ۳۸ کتب تصنیف کیں جن میں قرآن پاک کا سرائیکی ترجمہ بھی شامل ہے آپ نے 23 فروری 1995ء کو وفات پائی۔

علمی وادبی خدمات

فاضل مترجم کو کالج کے زمانے سے ہی ادبی ماحول ملا۔ طبعاً زباندانی کا رجحان رکھتے تھے ایس ای کالج بہاولپور میں لائبریری کی تقریباً تمام کتب کا مطالعہ کیا۔ (60) ڈی سی آفس مظفر گڑھ کی لائبریری کی کتب بھی آپ کے زیر مطالعہ رہیں۔

فاضل مترجم اڑتیس کتابوں کے مصنف ہیں۔ جو مختلف موضوعات کے بارے میں ہیں۔ فریدیات کے حوالے سے "لغات فریدی"، "پیام فرید" اور "فرد فرید" ہیں۔ "نور جمال" کے نام سے سوانح حیات رقم کی۔

بطور ماہر لسانیات "ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق"، "سرائیکی زبان اور اسکی ہمسایہ علاقائی زبانیں"، "سرائیکی زبان دے قاعدے تے قانون"، "سرائیکی لوک گیت" اور "سرائیکی دیاں مزید لسانی تحقیقاں" تخلیق کیں۔

سیرت نگاری کے حوالے سے "کونین داوالی" تصنیف کی۔ ان معرکتہ الاراء تصنیف کے علاوہ آپ کے گرانقدر تراجم بھی ہیں۔ جو مختلف زبانوں میں ہے۔

تراجم میں "مے گلفام" سرائیکی منظوم ترجمہ رباعیات عمر خیام"، "جاوید نامہ اقبالؒ (سرائیکی منظوم ترجمہ) اور "قصیدہ بردہ شریف کا چار زبانوں میں ترجمہ (انگریزی، اردو، فارسی، سرائیکی) قرآن حکیم کا سرائیکی ترجمہ اور تیسیر الشاطبین شامل ہیں۔ نصابی کتب میں "مفید تاریخی کہانیاں"، "اصلاح زبان" پنجابی کی درسی کتب "پھلواڑی" رقم کیں۔ متفرق کتب میں "ملتان"، "ہندو ضمیات"، "الحمد اللہ (سرائیکی تفسیر سورہ فاتحہ)" "لاثریاں" (نظمیں) تحل (اردو) "ملتان کے بادشاہ گورنر اور حملہ آور" (اردو) The Soomeas the educational philosophy of Holy Quran شامل ہیں۔

غیر مطبوعہ کتب کی فہرست میں مندرجہ ذیل کتابیں شامل ہیں۔ "جو ہم پہ گذری" (اردو خود نوشت سوانح حیات) " Quranic View of the Human "، "سراڈائریکٹری"، "احادیث القرآن" (لفظ قل سے شروع ہونے والی قرآنی آیات کی تشریح) "سرائیکی ضرب الامثال"، "ابلاغ جلیل" (خطبہ حجۃ الوداع کی تشریح) The Sights and Insights of Khawaja Fareed، "ہم اور ہمارے بچے" (اردو) اور "مثنوی چتر نامہ" (زیر تسوید فارسی سے سرائیکی منظوم ترجمہ) فاضل مترجم نے ایوارڈ انعامات اور تمغہ جات بھی حاصل کیے ہیں جو درج ذیل ہیں۔ "تحقیقی مقالہ Ph.D "ملتانی زبان اور اس کا اردو سے تعلق"، خواجہ فرید ایوارڈ، اکیڈمی آف لیٹرز 1987ء۔ "قرآن مجید کا فلسفہ تعلیم" وزارت تعلیم پاکستان کی طرف سے پچاس ہزار روپے کا نقد انعام 1986، ہجرہ کونسل حکومت پاکستان کی طرف سے ہجرہ ایوارڈ اور صدارتی حسن کارکردگی (ادب) 1994ء۔ (61)

مترجم ذی وقار نے تین درجن سے زائد کتب لکھ کر نا قابل فراموش کاوش کی ہے۔ دوران تصنیف و تالیف آپ نے پی ایچ ڈی کے مقالہ نگاروں کی راہنمائی بھی کی آپ نے اپنی زندگی کے تین مقاصد متعین کیے اور انہیں حاصل بھی کیا۔

ا۔ ملتانی تہذیب وثقافت کی تحقیق ۲۔ تعلیم و تدریس کا عوامی خصوصی ۳۔ مطالعہ قرآن حکیم تفہیم

فاضل مترجم نے علمی ادبی، تعلیمی اور تحقیقی حوالے سے جو خدمات سرانجام دیں ہیں وہ رہتی دنیا تک یاد رکھی جائیں گی اور آپ کا علمی اور تحقیقی کام ایک سند کی حیثیت رکھتا ہے۔ خاص طور پر یہ سرائیکی لسانیات پر آپ نے گراں قدر کتب تصنیف کی ہے اور قرآن پاک کی تفہیم کیلئے ترجمہ کیساتھ ساتھ قرآنی علوم پانچ کتب تحریر کیں ہیں۔

قادیانی ترجمہ   قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال

خان محمد لسکانی بلوچ   رفیق احمد نعیم لسکانی بلوچ

تاریخ طباعت: 1991ء   مقام طباعت: اسلام آباد / سرے انگلینڈ

یہ ترجمہ قرآن پاک کے معزی تراجم میں مکمل مطبوعہ ترجمہ ہے جسے "قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال" کا نام دیا گیا ہے۔ ترتیب زمانی کے لحاظ سے یہ تیسرا کامل مطبوعہ ترجمہ ہے جو دسمبر 1991 میں شائع ہوا۔ (63) یہ ترجمہ خان محمد لسکانی بلوچ اور رفیق احمد نعیم لسکانی بلوچ نے مل کر کیا ہے۔ "پہلی گال" کے عنوان سے اس ترجمہ کی وجہ تصنیف یوں بیان کی گئی ہے کہ جماعت احمدیہ کے قیام کی صد سالہ سالگرہ کے موقع پر جماعت کے اکابرین نے فیصلہ کیا تھا کہ قرآن حکیم کے کم از کم پچاس زبانوں میں تراجم کروائے جائیں اور ان کو شائع کیا جائے تاکہ ان کے بقول قرآن حکیم کی تعلیمات اُن لوگوں تک پہنچ سکیں جن کی زبانوں میں اس مقدس کتاب کے ترجمے نہ ہوئے تھے۔ پاک و ہند کی زبانوں میں سرائیکی ایک اہم زبان ہے جس کے بولنے والوں کی تعداد کروڑوں میں ہے، تو اس زبان میں بھی ترجمے کی ضرورت محسوس کی گئی۔

اس ترجمے کے پہلے صفحے پر اوپر یہ آیت تحریر ہے:

لَا يَمَسُّهُ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ

جبکہ نیچے لکھا ہے۔

"زیر ہدایت امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ"

اس سے بات عیاں ہوتی ہے کہ یہ ترجمہ خاص مشن کے تحت کیا گیا ہے اور امام جماعت احمدیہ کے حکم پر رقم کیا گیا۔ فاضل مترجمین نے اس سے پہلے "قرآن کریم وچوں چونویاں آیتاں"۔ "Selected verses of the Holy Quran in Saraieki" کا ترجمہ بھی کیا جسے نظارت اشاعت ربوہ نے ۱۹۸۹ء میں شائع کیا۔ اس ترجمے کے ناشر ہیں (64)۔

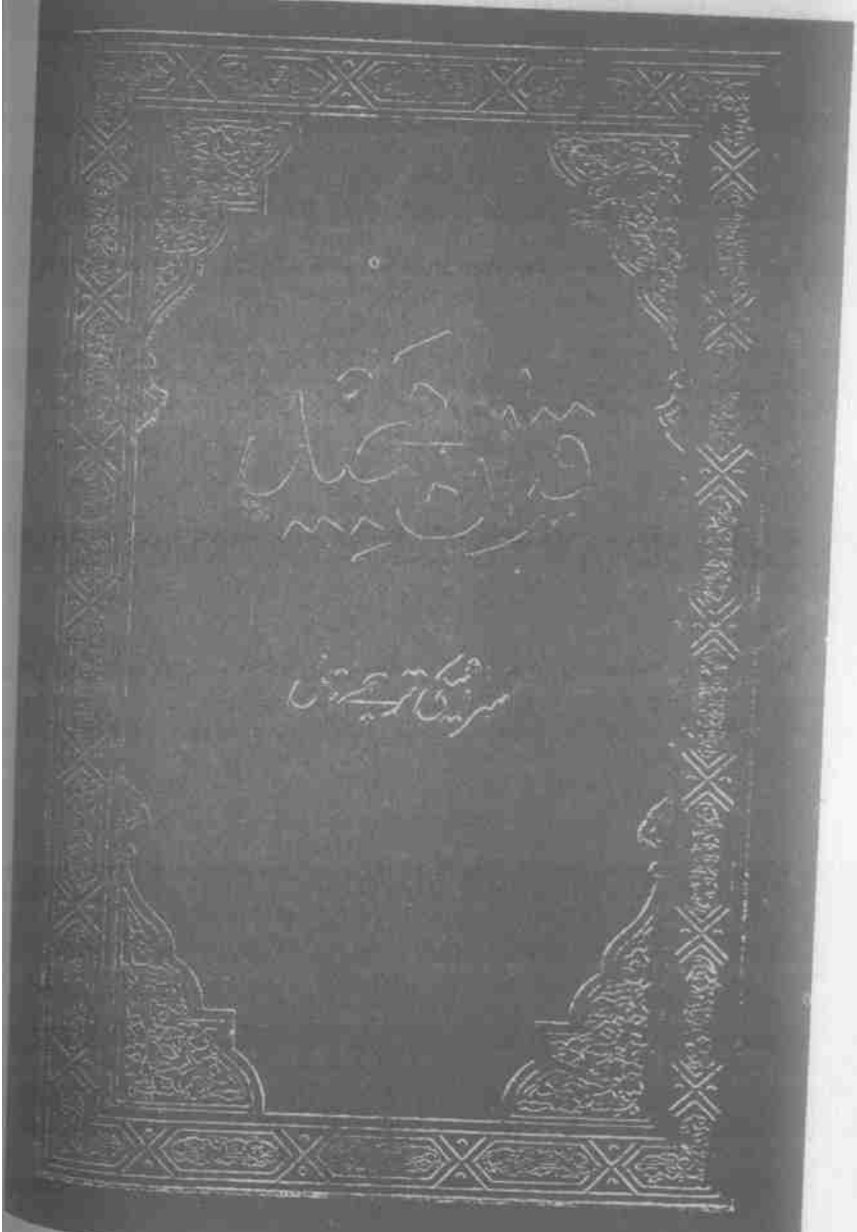
Islam International Publications LTD Islamabad,Sheephatch Lane,Tilford, Surrey, GU102AQ. U.K.

یہ ترجمہ سات سو چھیاسٹھ صفحات کی ضخامت کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ اس کا سرورق دیدہ زیب ہے جو سیاہ زمین پر سنہری حروف کے ساتھ مزین ہے مترجمین کی طرف سے کچھ نہیں لکھا گیا نہ دیباچہ ہے نہ فلیپ اور نہ تقریظ۔

بقول رفیق احمد نعیم لسکانی بلوچ:

"ہم نے یہ ترجمہ ۱۹۸۹ء میں شروع کیا اور دسمبر ۱۹۹۱ء دسمبر میں مکمل کیا اور اسی سال شائع ہوا"۔ (65)

مترجمین کا تعلق جماعت احمدیہ سے ہے اور دونوں ڈیرہ غازیخان کے رہائشی ہیں۔



سرورق قرآن مجید ترجمہ سرائیکی ترجمے نال از خان محمد لسکانی / رفیق احمد نعیم لسکانی مطبوعہ 1991ء

سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃِ مَكِّيَّةٌ وَّہِيَ مَعَ الْبَسْمَلَۃِ سَبْعُ اٰيَاتٍ

سورۃ فاتحہ مکی ہے تے بسم اللہ نال ایندیاں اٹھ آیتاں تے ہک رکوع۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

۱۔ میں اللہ دے ناں دے نال شروع کریندا ہاں جیہڑا بغیر منگے ڈیوݨ والا تے ول ول رحم کرݨ والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲

۲۔ ساریاں چنگائیاں تے صفتاں اللہ سئیں کیتے ہن جیہڑا سارے جہانیں دا پالݨ ہار ہے۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۳

۳۔ تے بغیر منگے ڈیوݨ والا تے ول ول رحم کرݨ والا ہے۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۴

۴۔ تے جزا سزا دے ڈینہہ دا مالک ہے۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝۵

۵۔ اساں تیڈی ہی عبادت کریندے ہیں تے تیں کنے ہی مدد منگدے ہیں۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۶

۶۔ توں ساکوں سدھا رستہ ڈکھا۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝۷

۷۔ اُنہیں لوکیں دا راہ جنہیں تیں اُنہیں انعام کیتن، اُنہیں لوکیں دا راہ نہ ڈکھا جنہیں تیں تیڈا غضب تھئے تے نہ اُنہیں دا جیہڑے گمراہ تھی گئین۔

خان محمد لسکانی اور نعیم احمد لسکانی کے سرائیکی ترجمے کا نمونہ

طریقہ کار

یہ ترجمہ سرائیکی زبان میں تیسرا کامل مطبوعہ ترجمہ ہے جو معزی ہے اور اسے احمدیہ مشن نے اپنی جماعت کے لوگوں کے لیے شائع کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ دوسروں کو اس میں دلچسپی نہیں ہو سکتی۔

فاضل مترجمین نے ترجمے کے آغاز میں "تندیر" کے عنوان سے ایک فہرست دی ہے جس میں تمام سورتیں ترتیب توقیفی کے ساتھ درج ہیں۔ پہلے نمبر پھر سورۃ کا نام اور صفحہ نمبر رقم کیا گیا ہے۔ تا کہ کوئی بھی سورۃ ڈھونڈنی ہو تو دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

اس ترجمے میں تسمیہ یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو ہر سورۃ میں پہلی آیت کے طور پر شمار کیا گیا ہے جبکہ مروجہ قرآن میں ایسا نہیں ہے اس طرح ہر سورۃ میں ایک آیت کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً:

سُوْرَةُ الاخلاص مكية وهى مع البسملة خمس آيات

"سورۃ اخلاص مکی ہے تے بسم اللہ نال ایندیاں ۵ آیتائن" (66)

مترجمین نے ہر سورۃ کے شروع میں سورۃ کا نام مکی یا مدنی ہونے کی وضاحت، بسم اللہ سمیت آیات کی تعداد اور رکوع رقم کیے ہیں۔ انہوں نے ترجمے کیلئے متقابل یعنی آمنے سامنے کا طریقہ اپنایا ہے۔ دائیں طرف قرآن پاک کا عربی متن دیا گیا ہے جبکہ اس کے بالکل سامنے سرائیکی ترجمہ رقم کیا گیا ہے۔ مثلاً:

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ . "بوڑے گونگے تے اندھن ایں واسطے اوہدایت دو نہیں ولدے"۔ (67)

ترجمے میں سطر کا خیال نہیں رکھا گیا ہر سطر میں جو عربی متن درج ہے بعض اوقات اس کے سامنے والی سطر میں ترجمہ نہیں ہوتا بلکہ دوسری سطر میں چلا جاتا ہے۔ ہر آیت الگ الگ تحریر کی گئی ہے ہر آیت کے آخر میں نمبر دیا گیا ہے جبکہ سرائیکی ترجمے میں ہر آیت کے شروع میں اس کا نمبر رقم کیا گیا ہے۔

ہر آیت نئی سطر سے شروع ہوتی ہے۔

مترجمین نے تشریحی کلمات کا استعمال بھی کیا ہے۔ مثال کے طور پر اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (سورۃ البقرہ ۴)

(پرہیزگار اوہن) جیڑھے اَن ڈِٹھیں گالہیں (حقیقتیں) کوں منیدن تے نماز (جماعت نال) ٹھیہا کے پڑھدن تے جو اساں انہیں کوں ڈِتے اوندے وچوں (اللہ دی رہ وچ) خرچ کریندن" (63)

زیر نظر ترجمے میں حروف مقطعات کا ترجمہ بھی رقم کیا گیا ہے جیسے:

صٓ

ترجمہ: "سچا ہو"

قٓ

ترجمہ: "قادر (اللہ ہیں)"

الٓمٓ

ترجمہ: "میں اللہ، چنگی طرح جانڑداں"

زیرِ نظر ترجمہ کا ایک وصف یہ ہے کہ یہ رواں ترجمہ ہے۔ روانی ترجمے کی اہم خوبی ہوتی ہے۔ فاضل مترجمین نے محنت سے اس خوبی کو اجاگر کیا ہے مثال کے طور پر درج ذیل آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ" (سورۃ البقرہ 187)

ترجمہ: تے جڈاں میڈے بندے تیں کنیں میڈا پچھن تے بے شک میں ہوں کولہوں ہاں"۔(69)

مندرجہ بالا آیت کا رواں ترجمہ رقم کیا گیا ہے۔ اس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ مترجمین کو عربی کے ساتھ ساتھ سرائیکی زبان پر بھی عبور حاصل ہے۔

اس ترجمے کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ یہ سرائیکی زبان کے معروف لہجے ڈیروی/تونسوی کا ترجمہ ہے۔ مثلاً

وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَکُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِیْلاَ (سورۃ الاحزاب: ٦٧)

"تے او آکھسن اے ساڈے رب اساں تے اپنے سرداریں تے وڈیریں (آکھن منیا) تے انہیں ساکوں سدھی راہ کنیں گمراہ کر ڈتے"۔(70)

اس ترجمے میں مترجمین نے 'سرداریں' اور 'وڈیریں' کے الفاظ استعمال کیے ہیں جو ڈیروی لہجے کی نمائندگی کرتے ہیں۔

فاضل مترجمین نے خالص سرائیکی زبان استعمال کی ہے تا کہ لوگ قرآن مجید کی تعلیمات سے آگاہ ہو سکیں اس لیے انہوں نے سرائیکی زبان کے عام فہم الفاظ رقم کیے ہیں۔ مثلاً:

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضاً وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ بِمَا کَانُوْا یَکْذِبُوْنَ (سورۃ البقرہ: 11)

"انہیں دے دلیں وچ بیماری ہے تے اللہ انہیں دی بیماری کوں ودھا ڈیسی تے انہیں کیتے ہوں ڈکھ ڈیون والا عذاب ہے ایں واسطے جو او کوڑ مریندن"۔

زیرِ نظر ترجمے کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ یہ بامحاورہ ترجمہ ہے۔ تحت اللفظ ترجمے کی نسبت بامحاورہ ادبی حسن سے عبارت ہوتا ہے فاضل مترجمین کے پیش نظر یہی بات تھی جیسے:

وَّ یُنْذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوْا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا (سورۃ الکھف: ۵)

"تے انہیں لوکیں کوں ڈراوے جیڑھے آہدن جو اللہ سئیں پتر بنا گدھے"۔(72)

مترجمین نے اس آیت کے ترجمے میں سرائیکی زبان کے روزمرہ محاورے رقم کیے ہیں۔ اس سے جہاں ترجمہ عام فہم ہے وہاں اس کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

اس ترجمے کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں حروف مقطعات کا ترجمہ بھی کیا گیا ہے جبکہ اکثر علماء کا خیال ہے کہ حروف مقطعات کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔

اس لیے اکثر مفسرین ان کے آگے واللہ اعلم لکھتے ہیں مگر زیرِ نظر ترجمے کے مترجمین نے حروف مقطعات کا ترجمہ رقم کیا ملاحظہ فرمائیے:

الٓمٓ ''میں اللہ چنگی طرح جانڑداں'' ۔(73)

یٰسٓ ''اے سید'' ۔(74)

طٰہٰ ''اے پوری طاقتیں آلے تگڑے جوان'' ۔(75)

حروف مقطعات کا ترجمہ اس ترجمے کی انفرادیت ہے۔ فاضل مترجمین نے مروجہ طریقے سے ہٹ کر آنیوالے مترجمین کیلئے راہ دکھائی ہے۔

زبان خود کوئی اہمیت نہیں رکھتی فکر اور اعلیٰ خیالات کے اظہار سے زبان کی قیمت بڑھتی ہے۔

مثال کے طور پر اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ نَسِیَ خَلْقَهٗ (سورۃ یٰسین ۷۹)

''تے اوساڈے خلاف گالھیں کریندے تے اوندی پیدائش کوں بھُل ویندے'' ۔(76)

مندرجہ بالا ترجمے میں فاضل مترجمین نے سادہ سہل اور آسان پیرائے میں ترجمہ رقم کیا ہے جو قارئین کیلئے دلچسپی کا سبب ہے اور یہ مطالعہ قرآن کی طرف راغب کرتا ہے۔

زیر نظر ترجمے میں اگرچہ کہیں کہیں عربی فارسی اور اردو کلمات استعمال کیے گئے ہیں تاہم یہ کوشش بھی کی گئی ہے کہ غیر مانوس کلمات سے گریز کیا جائے۔ مثلاً:

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ (سورۃ البقرہ ۱۷۳)

''بے شک تہاڈے اُتے حرام مردار تے رت تے جناے دا گوشت'' ۔(77)

مندرجہ بالا ترجمے میں ''جناے'' اور ''رت'' سرائیکی قارئین کیلئے اجنبی نہیں۔ فاضل مترجمین نے اپنے ترجمے م[یں] لسانی اعتبار سے سرائیکیت کو ترجیح دی ہے۔ اور دوسری زبانوں کے الفاظ کم سے کم استعمال کیے ہیں۔

نقد و نظر

اگرچہ مترجمین جماعت احمدیہ سے متعلق ہیں۔ قطع نظر اس کے انہوں نے ترجمہ کرتے وقت عقائد کو ملحوظ خاطر ر[کھا] مگر یہ ترجمہ سرائیکی تراجم میں نمایاں ہے۔

فاضل مترجمین نے سورۃ الاحزاب کی آیت ۴۰ کا ترجمہ قادیانی عقیدے کے مطابق یوں رقم کیا گیا۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (سورۃ الاحزاب ۴۰)

''حضرت محمد (ﷺ) تساں مرداں وچوں کہیں دا پیو کائنی تے سچی گال اے ہے جو او اللہ دا رسول تے نبیاں دی مہر (سار[یں] کنیں افضل نبی ء) (78)

مندرجہ بالا آیت کے ترجمے میں ''ختم'' کے معنی ''مہر'' کر کے قوسین میں ''ساریں کنیں افضل نبی ء'' کیا گیا ہے۔ ختم کے معنی مہر لگانا بند کرنا۔

یہاں یہ امر پیش نظر رہنا چاہیے کہ تمام مسلمان ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن حکیم نے ہمارے نبی پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے 'خاتم النبیین' کی جو اصطلاح استعمال کی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی [ہیں]

آپ کے ساتھ ہی نبوت کے سلسلہ کی تکمیل ہوگئی اور وہ ختم ہوگیا ہے۔ لہٰذا آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ مترجمین نے وضاحت کی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیا سے افضل ہیں۔ بلاشبہ یہ بات درست ہے۔ مگر ادھوری ہے۔ قرآن پاک کی تعلیم، ہمارا ایمان اور ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ آپ تمام انبیا کرام سے افضل ہیں اور آخری نبی بھی ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ یہ خاتمہ کامل ہے۔ گویا آپ کے بعد کسی قسم کے ضمنی، بروزی، ظلی یا کسی اور قسم کے نبی کے لیے قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ عقیدہ ہمارے ایمان کی بنیاد ہے اور یہی قرآن حکیم کی تعلیم ہے۔

واضح رہے کہ مسلم عقیدہ کے مطابق خاتم النبیین کا مفہوم آخری نبی ہے جن کے بعد کسی نئے نبی کی آمد کی گنجائش نہیں ہے۔ مترجمین نے قوسین میں آیت کے مفہوم میں تحریف معنوی کا ارتکاب کیا ہے۔

مترجمین نے تسمیہ (بسم اللہ الرحمن الرحیم) کو ہر سورۃ کی پہلی آیت شمار کیا ہے اس طرح مروجہ قرآن کے اعتبار سے آیات کے نمبروں میں تبدیلی آگئی ہے اگرچہ دوسرے ممالک میں شائع شدہ قرآن پاک میں بھی یہ مسئلہ موجود ہے تاہم پاکستان میں مروجہ قرآن میں (بسم اللہ الرحمن الرحیم) کو آیت شمار نہیں کیا گیا۔

حروف مقطعات کے بارے میں اکثر علماء اور مفسرین کا خیال ہے کہ ان کے معنی اللہ تعالی کے سوا کوئی نہیں جانتا اس لیے وہ ان کے آگے واللہ اعلم لکھ دیتے ہیں۔

یہ ترجمہ سرائیکی زبان کے مقبول لہجے ڈیروی کا نمائندہ ترجمہ ہے۔ اس ترجمے میں سرائیکی زبان کی صفات سلاست جاذبیت اور عنائیت موجود ہے اور سرائیکی کے خالص الفاظ بھی استعمال کیے گئے ہیں تاہم کہیں کہیں عربی اور فارسی کلمات بھی ملتے ہیں مثال کے طور پر اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (سورۃ الفاتحہ:۷)

''جنہیں تیں حیڈا غضب لتھے تے نہ انہیں دا جیڑھے گمراہ تھی گئین''۔(79)

اس آیت کے ترجمے میں غضب عربی جبکہ گمراہ فارسی زبان کا لفظ ہے غضب کی جگہ'' کاوڑ'' اور گمراہ کی جگہ ''تھڑ کے ہوئے'' ہوتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔

یہ ترجمہ ڈیروی / تونسوی لہجے میں ہے۔ قطع نظر کہ مترجمین کا تعلق مخصوص عقائد رکھنے والی جماعت یعنی جماعت احمدیہ سے ہے۔ ترجمہ سہل، واضح، جامع، قابل فہم اور سرائیکی لب و لہجے کے مطابق ہے۔ بایں ہمہ اس میں کچھ باتیں ایسی ہیں جن کا ذکر نہ کرنا علمی خیانت ہوگی اس ترجمے میں دخیل کلمات (عربی، فارسی ہندی، اردو) بہت زیادہ ہیں۔ مثال کے طور پر سورۃ الفجر کی اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ (سورۃ الفجر:۱۴)

''تیڈے رب انہیں تے عذاب دا سوٹا ماریئے''۔(80)

اس آیت کے ترجمے میں عذاب کا ترجمہ عذاب ہی کیا گیا ہے۔ ''سوط'' کے معنی سوٹا رقم کیا گیا ہے۔ سوٹا کیلئے عربی میں لفظ'' عصا'' ہوتا ہے۔ ''سوط'' کے معنی ''کوڑا'' یا'' چابک'' کے ہوتے ہیں۔ اگر آیت کا ترجمہ یوں ہوتا ''بس تیڈے رب نے انہاں تے عذاب دے چابک وساڈ تے''۔

اسی طرح کہیں کہیں ترجمہ میں تشنگی محسوس ہوتی ہے جیسے:

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (سورۃ البقرہ:۳)

"خدا کنیں ڈرن والے پرہیزگاریں کیتے رہنما"۔(81)

مندرجہ بالا آیت کے سرائیکی ترجمے میں لفظ "متقین" کے معنی واضح نہیں ہیں۔ اگر آیت کا ترجمہ یہ ہوتا "گناہاں کولوں بچن آلیاں کیتے سو جھل ہے"۔ زیادہ فصیح ہوتا۔

فاضل مترجمین نے اپنے مخصوص عقائد کو ترجمے میں سمونے کی کوشش کی ہے۔ جس سے اسکی افادیت کم ہوگئی ہے اب اس سے صرف وہی اشخاص فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو ان مخصوص عقائد کے حامل ہوں دوسرے لفظوں میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ مترجمین نے یہ ترجمہ صرف جماعت احمدیہ کیلئے کیا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔

زیر نظر ترجمہ جہاں مخصوص عقائد کا حامل ہے۔ وہاں مخصوص لب ولہجہ کا بھی ترجمان ہے۔ مترجمین نے اپنے ڈیروی اور تونسوی لہجے کا سرمو انحراف بھی گوارہ نہیں کیا۔ جس سے ترجمے کی عمومیت کا وصف بے حد متاثر ہوا ہے۔

ترجمہ ڈیرہ غازی خان ہی نہیں بلکہ صرف تونسہ کے ان معدودے چند لوگوں کیلئے رہ گیا ہے جو جماعت احمدیہ کے عقائد سے بہرور ہیں۔

اس ترجمے میں اردو ترجمے کا تتبع نظر آتا ہے۔ مترجمین اگرچہ فاضل عربی کے سند یافتہ ہیں۔ لیکن وہ جماعت احمدیہ کے مطبوعہ اردو تراجم سے باہر نہیں گئے۔

ہر زبان کا اپنا مزاج ہوتا ہے۔ جب ایک زبان کے ادب پارے کو دوسری زبان میں ڈھالا جاتا ہے تو اس کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ دونوں زبانوں میں پیرائیہ بیان کی مطابقت ہو۔ یہاں یہ بات نظر نہیں آتی۔ زیر نظر ترجمہ میں سو فیصد نہیں تو پچاس فیصد تشنگی موجود ہے جیسے:

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ (سورۃ العنکبوت:۳۲)

"تے جیلھے ساڈے قاصد خوش خبری گھن کے ابراہیم دو آئے"۔(82)

مندرجہ بالا ترجمے میں "جہڑے ویلے" کو "جیلھے اور ڈو طرف" کو "دو" لکھا گیا ہے۔

اسی طرح یہ آیت مبارکہ ملاحظہ فرمائیں:

وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ (سورۃ البقرہ:۸)

"تے انہیں دی اکھیں تے پردن"(83)

اس آیت کے ترجمے میں "پردن" کی جگہ "پردے ہن" ہونا چاہیے تھا۔ اسی طرح زیر نظر ترجمے میں جہڑا کو جیڑا لکھا گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مترجمین نے ترجمے کی درستی کا خیال رکھا ہے پھر بھی کہیں نہ کہیں سقم رہ گئے ہیں مثال کیلئے یہ آیات ملاحظہ فرمائیں:

سُوْءَ الْعَذَابِ

کا ترجمہ: "ڈاڈھا عذاب" کیا ہے۔

"سوء" کے معنے "ڈاڈھے" کے بجائے "بھیڑے" زیادہ فصیح تھا۔

بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ (سورۃ البقرہ:۵۰)

ترجمہ: تہاڈے رب دا تہاڈے تے ہوں وڈا احسان ہا"۔(84)

بلا کے معنی آزمائش کے ہیں احسان کے نہیں۔ یہ کہیں بھی احسان کے معنی میں نہیں آتا اسی طرح درج ذیل آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (سورۃ البقرہ:۵۱)

"تے تساں ڈیہدے کھڑے ہاوے"۔(85)

اس میں واؤ حالیہ ہے۔ واؤ عاطفہ نہیں۔ اس لیے اس کا ترجمہ "تے" کی بجائے "حالاں جو" یا "اس طرح جو" ہوتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔

زیر نظر ترجمے میں مترجمین نے ڈیروی لہجے کے سرائیکی زبان کے خالص الفاظ استعمال کیے ہیں۔ جیسے "جھیلے" اور "کھندے ہو"۔

اسی طرح یہ ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

وَجَآءَ رَبُّكَ (سورۃ الفجر:۲۲)

ترجمہ: "تے تیڈا رب اوسی"(86)

"اوسی" خالص ڈیروی لہجے کا لفظ ہے۔ اسی طرح اسی صفحے پر "بھیجا" کی بجائے "پٹھیا" رقم کیا گیا ہے۔ جو مخصوص لہجے کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس سے عمومیت کا وصف ساقط ہو جاتا ہے۔ صرف تونسہ کے لوگ ہی اسے سمجھ سکیں گے۔

فاضل مترجمین نے تسمیہ کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"میں اللہ دے ناں دے نال (شروع کریندا ں) جیڑھا بغیر منگے ڈیون والا ہے تے ول ول رحم کرن والا ہے"۔(87)

اس ترجمے میں "ول ول" اور "بغیر منگے ڈیون" قوسین مطلوب ہیں۔ اگر یہ ترجمہ تشریحی کلمات کے بغیر ہوتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔ تشریحی کلمات زیادہ تر قوسین میں ہیں۔ لیکن کہیں کہیں بغیر قوسین کے بھی ہیں۔ جیسے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (سورۃ الفاتحہ)

ترجمہ: "ساریاں چنگائیاں تے صفتاں اللہ سئیں کیتے ہن جیڑھا سارے جہانیں دا پالن ہار"۔(88)

اسے تشریحی ترجمہ کہہ سکتے ہیں۔ ترجمہ نہیں معیاری ترجمہ وہ ہوتا ہے جس میں کم از کم تشریحی کلمات ہوں۔ اور ابلاغ تام ہو۔ یہاں یہ وصف نہیں پایا جاتا۔

سوانح مترجمین

ماسٹر خان محمد لسکانی بلوچ

ولادت 1926ء　　　رحلت: 2000ء

محترم ماسٹر خان لسکانی بلوچ 14 جون ۱۹۲۶ء بمقام کل گھوٹو ڈیرہ غازیخان میں پیدا ہوئے۔(89) آج کل یہ بستی احمد پور کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کے والد سردار پیر بخش لسکانی قبیلہ کے سردار تھے۔ صرف اپنے علاقے بلکہ دور دراز تک قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ابتدائی تعلیم ڈیرہ غازیخان سے حاصل کی۔ بعد ازاں مزید تعلیم کیلئے ۱۹۳۹ء میں قادیان گئے اور مدرسہ احمدیہ میں داخلہ لیا۔

احمد نگر سے ۱۹۵۰ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا اور محکمہ تعلیم میں بطور عربی مدرس ملازمت اختیار کر لی۔ اس بنا پر آپ ضلع بھر میں ماسٹر خان محمد کے نام سے مشہور تھے۔ وہ بڑے محنتی اور قابل استاد تھے۔ اپنی محنت شاقہ، شاگردوں سے محبت و ہمدردی اور بہترین نتائج کے باعث قابل اور ہردلعزیز اساتذہ میں شمار کیے جاتے تھے۔ آپ کے کئی شاگرد مختلف محکموں سے منسلک ہوئے اور آپ کی غیر معمولی عزت و تکریم کرتے رہے۔

فاضل مترجم بسلسلہ ملازمت یزمان (بہاولپور) اور فاضل پور (راجن پور) میں درس و تدریس سے منسلک رہے۔ 1961ء سے 1981ء تک گورنمنٹ ہائی سکول نمبر 1 ڈیرہ غازی خان میں رہے اسی سکول سے 1981ء میں ریٹائر ہوئے۔

سماجی خدمات

ماسٹر خان محمد ملازمت کے ساتھ ساتھ اپنی زرعی زمین کی نگرانی بھی کرتے تھے۔ اور مختلف سماجی خدمات سے بھی وابستہ تھے۔ آپ کی وفات کے بعد معلوم ہوا ہے کہ آپ اپنی کالونی میں مقیم بیوگان اور یتیم بچوں کی مالی امداد کرتے رہے تھے۔ لیکن اسکی تشہیر نہیں کرتے تھے۔ آپ اپنے گاؤں میں بطور منصف، ہمدرد اور صلح کن کی حیثیت سے مشہور تھے۔ آپ کے گاؤں اور علاقہ کے لوگ بلا امتیاز اپنے باہمی تنازعات کے تصفیہ کیلئے آتے۔ آپ ہمدردانہ اور منصفانہ انداز میں ان کے معاملات حل کرنے کی کوشش فرماتے۔

آپ ہمیشہ مفلس و نادار افراد کی خوشی اور غمی میں شرکت کرتے اور حتی المقدور مالی معاونت بھی کرتے۔ مستحق طلباء کی جماعتی ذرائع کے علاوہ ذاتی حیثیت میں بھی امداد کرتے۔ مترجم کے والد سردار پیر بخش لسکانی نے احمدیت قبول کی اس لیے آپ بھی جماعت کیلئے سرگرم رہے۔ آپ 1983ء میں جماعت احمدیہ کے امیر ضلع منتخب ہوئے اور سولہ سال تک امیر ضلع ڈیرہ غازیخان رہے۔ 29 جون 2000ء میں اس دار فانی سے انتقال کر گئے۔

دینی خدمات

فاضل مترجم نے رفیق احمد نعیم لسکانی کے ساتھ مل کر قرآن پاک کا سرائیکی ترجمہ کیا اور انہیں کے ساتھ مل کر ''قرآن کریم دیچ چوٹیاں آیتاں'' کے عنوان سے قرآن پاک کے مختلف مضامین، دعاؤں اور سورتوں کا سرائیکی ترجمہ کیا۔ تاہم قرآن پاک کا مکمل سرائیکی ترجمہ ان کی پہچان ہے۔

رفیق احمد نعیم لسکانی بلوچ

پیدائش 1951ء **بقید حیات ہیں**

آپ 14 اکتوبر 1951ء بستی احمد پور (ڈیرہ غازیخان) میں پیدا ہوئے۔ آپ کی پیدائش کے وقت اس بستی کا نام گل گھوٹو تھا جو بعد میں تبدیل ہو کر احمد پور کہلایا۔ یہ گاؤں ڈیرہ غازیخان شہر سے 22 میل دور ہے۔

فاضل مترجم کے والد اپنے موضع کے نمبردار تھے۔ اور ساتھ ہی عرضی نویس بھی تھے۔ خانگی تعلیم میں ناظرہ قرآن مجید پڑھا اور رسمی تعلیم اپنے گاؤں کے پرائمری سکول سے حاصل کی۔ جب آپ چوتھی جماعت میں تھے تو آپ کے والدین ڈیرہ غازی خان شہر میں رہائش پذیر ہو گئے اور یہیں آپ نے گورنمنٹ ہائی سکول نمبر 1 ڈیرہ غازیخان سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔

مترجم کا تعلق جماعت احمدیہ سے ہے۔ اس لیے آپ میٹرک کرنے کے بعد جامعہ احمدیہ ربوہ میں داخل ہو گئے اور چھ سال تک زیر تعلیم رہے۔ بعد ازاں آپ نے ایف اے، بی اے، ایم اے اور مولوی فاضل کے امتحانات بطور پرائیویٹ امیدوار پاس کیے۔

ربوہ سے واپس آ کر مختلف اداروں میں ملازم رہے۔ 1984ء میں گورنمنٹ ہائی سکول نمبر 2 ڈیرہ غازی خان میں بطور عربی ٹیچر پڑھانا شروع کیا جو تا حال جاری ہے۔ (90)

سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف

پروفیسر دلشاد کلانچوی مرحوم و مغفور

تاریخ طباعت: 2000ء مقام طباعت: ملتان

زیر نظر ترجمہ ترتیب زمانی کے لحاظ سے چوتھا معری مطبوعہ کامل سرائیکی ترجمہ ہے۔(91) جسے مصنف موصوف
نے پہلی مرتبہ 1993ء میں بہاولپور سے طبع فرمایا۔(92)۔
یہ قرآن پاک کا مکمل ترجمہ ہے۔اس سے قبل وہ کلام پاک کے پہلے چھ پاروں کا ترجمہ بھی شائع کر چکے
تھے۔(93) وہ اپنے اس مکمل ترجمے کے بارے میں معترا لکھتے ہیں:

"نہ میں کوئی عالم فاضل ہوں نہ عربی زبان کا ماہر، نہ قرآنی رموز اور نہ معانی سے واقف،
میں نے ترجمہ کرتے وقت انگریزی اردو اور سرائیکی کے نو دس تراجم اور لغات سامنے رکھے اور ان
کی روشنی میں جو کچھ سمجھ سکا ہوں اور جو مناسب سمجھا وہی لکھ دیا"۔(94)

اس مطبوعہ کلام پاک کے ترجمہ میں کچھ اغلاط رہ گئیں تھیں۔جسے فاضل مترجم نے دور فرمایا۔وہ اسے دوبارہ
فرمانا چاہتے تھے۔لیکن زندگی نے وفا نہ کی۔1997ء میں اس جہانِ فانی سے رحلت فرما گئے۔
آپ کی رحلت کے بعد آپ کے شاگردوں نے اس عظیم کام یعنی تصحیح شدہ کلام پاک کی طباعت کا بیڑا اٹھایا
چنانچہ 2000ء میں اسے دوبارہ زیور طباعت سے آراستہ کیا گیا۔
قرآن مجید کی ترجمانی کے حوالے سے یہ ان کی پہلی کاوش نہیں۔اس سے قبل انہوں نے "دلشادیہ تفسیر القرآن
العظیم" سورۃ الفاتحہ کی تفسیر رقم فرمائی۔
اس کے علاوہ دو کتابیں "قرآن شریف اپنے متعلق کیا آہدے" اور "قرآن شریف تے اُوندا پڑھن" لکھیں۔
زیر مطالعہ ترجمے کے ناشر ابن کلیم احسن نظامی کلیم پبلشرز ملتان جبکہ پرنٹر شیر ربانی پرنٹرز ملتان ہے۔اس کی طباعت
میں معاونت کلیم آرٹ پریس ملتان نے کی۔اور اس کی کتابت ابن کلیم، حامد اقبال خان اور محمد یوسف جاوید نے کی۔مالی
معاونت آپ کے شاگرد رشید گل حمید خان (ریٹائرڈ بنک آفیسر بہاولپور) نے فرمائی۔
کلام پاک کا یہ ذی شان ترجمہ بڑی خوبصورتی کے ساتھ طبع ہوا ہے۔سائز کشادہ، کاغذ بہت بہترین ہے۔
سات سو بارہ صفحات پر مشتمل ہے۔جس میں فہرست سورۃ اور فہرست پارہ جات کے علاوہ بہت سے قیمتی ضمیمہ جات ہیں۔
جیسے "مترجم کا تعارف، فضائل قرآن، مفید معلومات واہمیت، سرائیکی زبان پڑھنے کا آسان کلیہ، سرائیکی زبان
فصاحت و بلاغت"۔
آخری صفحہ پر سورۃ الفاتحہ کو خطِ کوفی معقلی کو روایتی انداز میں اس طرح رقم کیا گیا ہے کہ سورۃ کے عام الفاظ کو
مہارت کے ساتھ نمایاں ہو گئے ہیں۔سورۃ کا یہ مربع طغریٰ محمد جمال خان کی تخلیق ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوکھے سرائیکی ترجمے والا

قرآن شریف

ترجمہ کرݨ والا :- دلشاد کلانچوی

سرورق سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف از دلشاد کلانچوی مطبوعہ 2000ء

آیاتاں ۷ | (۱) سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ (۵) | رکوع ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع ہے اللہ دے ناں نال جیڑھا بہوں مہربان تے وڈے رحم والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱ الرَّحْمٰنِ

خاص تعریف تاں اللہ کیتے ہے، جیڑھا ساریاں جہاناں کوں پالݨ والا ہے، جیڑھا بہوں مہربان

الرَّحِيْمِ ۝۲ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳

تے وڈے رحم والا ہے۔ قیامت دے ڈینہہ دا مالک ہے۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝۴

اساں تیڈی ای عبادت کریندے ہیں۔ اتے تیں کنوں ای مدد منگدے ہیں۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۵ صِرَاطَ

اساکوں سدھا رستہ ڈکھا۔ رستہ انہاں

الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۵ غَيْرِ

لوکاں دا جنہاں اُتے تیں کیتیاں نعمتاں بخشیاں۔ نہ کہ جنہاں اُتے

الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝۶ ع ۱

تیڈا غضب تھیا، اتے نہ کہ جیہڑے گمراہ تھئے۔

منزل ۱

پروفیسر دلشاد کلانچوی کے سرائیکی ترجمے کا نمونہ

طریق کار

یہ ترجمہ سرائیکی دینی ادب اور سرائیکی نثر میں قابل قدر اضافہ ہے۔ مترجم ذی وقار کثیر التصانیف اور صاحب طرز ادیب تھے۔ آپ کی یہ کاوش لائق صد تحسین ہے۔ زیر نظر ترجمہ ایک مربوط طریق کار کے تحت منسلک ہے۔

پہلے پارے سے آخری پارے تک یکسانیت پائی جاتی ہے۔ یہ ترجمہ تحت اللفظ نہیں بلکہ بامحاورہ ہے۔ بین السطور ہے۔ مصنف کا طریق کار یہ ہے کہ پہلے عربی متن جلی حروف میں دیا گیا ہے اور اس کے نیچے سرائیکی ترجمہ رقم کیا گیا ہے۔ اگرچہ ترجمہ بین السطور ہے۔ لیکن سرائیکی ترجمے میں سطر کا خیال نہیں رکھا گیا۔ سرائیکی ترجمہ عربی متن کے نیچے تحریر ہونے کی بجائے اس سے اگلی سطر میں دیا گیا ہے جیسے:

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ (۲:البقرہ:۳)

"جیہڑے جو اَن ڈٹھے اُتے ایمان گھن آندن اتے نماز قائم رکھیندن اتے اساں انھاں کوں جیہڑا رزق بخشیا ہوئے اوکوں بھلائی چلائی رکھدن"۔(95)

فاضل مترجم پہلی دو سورتوں کے آغاز میں درمیان میں سورۃ کا نام اسکے مکی یا مدنی ہونے کا تذکرہ جبکہ دائیں طرف آیات کی تعداد اور بائیں طرف رکوع کی تعداد رقم کی ہے۔ بعد ازاں ہر سورۃ کے آغاز میں درمیان میں تسمیہ، دائیں اور بائیں طرف سورۃ کا نام مکی و مدنی ہونے کی وضاحت کے ساتھ آیات اور رکوع کی تعداد تحریر کی گئی ہے۔

اس ترجمے کے شروع میں "سیپاریاں دی تندیر" کے عنوان سے تیس پاروں کی فہرست اور "قرآن شریف دیاں سورتاں دی تندیر" کے حوالے سے ایک سو چودہ سورتوں کی فہرست دی گئی ہے۔ مترجم ذی وقار کا ترجمہ سرائیکی محاورہ کے مطابق ہے۔ اس لئے اسے سرائیکی بامحاورہ ترجمہ کہا جا سکتا ہے مثلاً:

وَ اِذَا قِیْلَ لَھُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ (۲:البقرہ:۱۱)(96)

"اتے جڈاں انھاں کوں آکھیا ویندے جو زمین (دنیا) اُتے فساد نہ مچاؤ تاں اوآکھدن اساں تاں سدھارن والے ہیں"۔

فاضل مترجم نے تشریحی کلمات سے گریز کیا ہے مثال کے طور پر درج ذیل آیت کا سرائیکی ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (۲:البقرہ:۱۱۲)

"انھاں کیتے نہ کوئی ڈر ڈکل ہوسی اتے نہ او موتجھے ڈکھے تھیسن"(97)

"ڈر ڈکل" اور "موتجھے ڈکھے" سرائیکی محاورے کے عین مطابق ہے۔

جس صفحے پر ایک پارہ ختم ہوتا ہے تو اگلا پارہ اگلے صفحے سے شروع کیا گیا ہے۔ اس بین السطور ترجمے کے عربی متن کے نیچے لکیر ہے۔ پھر سرائیکی ترجمہ دیا گیا ہے۔ پھر ایک لکیر کھینچی گئی ہے علیٰ ھذا القیاس۔ ہر صفحے پر عربی متن کی بارہ سطریں ہیں اور بارہ ہی سرائیکی ترجمے کی ہیں۔ فاضل مترجم نے قوسین میں تشریحی کلمات بھی رقم کیے ہیں۔ مثلاً:

اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْکَ وَ اِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (۴۶:الاحقاف:۱۵)

"تے یقیناً میں مسلماناں (فرمانبرداراں) وچوں ہاں"۔(98)

محاسن

زیرِ نظر ترجمہ بہت سی خوبیوں سے متصف ہے۔ فاضل مترجم نے محنت کے ساتھ بہت اچھی کاوش کی ہے اور قرآن پاک سے گہری وابستگی اور مادری زبان سے محبت کا ثبوت دیا ہے۔

یوں توں اس ترجمے کے بہت سے محاسن ہیں مگر ایک وصف جو سب سے نمایاں ہے وہ ہے سرائیکی زبان کے عام کلمات کا استعمال ہے۔ سرائیکی زبان کے خالص الفاظ اس ترجمہ کے حسن کو دوبالا کرتے ہیں جیسے:

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ (سورۃ البقرہ:۲۰)

"ایویں لگدے جو اتھو بجلی دی چمک انھاں دیاں دیداں کوں جھمّی مار ویسے"۔(99)

اس آیت کے ترجمے میں مترجم ذی وقار نے "اتھو"، "دیداں" اور "جھمّی" خالص سرائیکی الفاظ استعمال کیے ہے جو جہاں ترجمے کا حسن دوبالا کرتے ہیں وہاں فاضل مترجم کی مہارت سامنے آتی ہے۔

فاضل مترجم کے ترجمے کا ایک وصف روانی ہے۔ اچھا ترجمہ وہی شمار ہوتا ہے جس میں روانی ہو۔ مثال کیلئے مندرجہ ذیل آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَ بِمَاۤ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ (سورۃ المومن:۷۰)

"جیہڑے لوک کتاب کوں کوڑا اکھیندن۔ اتے جیہڑا کجھ اساں آپڑیاں رسولاں دے ذریعے بھیجے انہاں اکوں وی بس اتھو سارا پتہ لگ ویسے"۔(100)

مندرجہ بالا ترجمے میں جو روانی پائی جاتی ہے اس سے قاری کی دلچسپی میں اضافہ ہوتا ہے اور قرآنی آیات کے مفہوم ومطالب سمجھنے میں آسانی محسوس کرتا ہے اور قرآنی تعلیمات کی طرف راغب ہوتا ہے۔

زیرِ نظر ترجمے کا ایک وصف اثر آفرینی ہے۔ قرآن حکیم کا یہ اعجاز ہے کہ اس کا ایک ایک لفظ تاثیر رکھتا ہے۔ فاضل مترجم نے قرآن کے اس اعجاز کو سرائیکی ترجمے میں برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً:

اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (سورۃ التکاثر:۱،۲)

"تہاکوں ڈھیر مال مڈی دی ڈِہڈی خواہش اصلوں اندھا کر چھوڑے ایں توڑیں جو تساں قبراں دا منہ ونج ڈیکھو (۱،۲)

ان آیات کے سرائیکی ترجمے میں اثر انگیزی کا عنصر نمایاں ہے۔ مترجم مرحوم و مغفور نے "دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے" کا مصداق ترجمہ رقم کیا ہے۔ اس ترجمے سے قاری دنیا کی عارضی زندگی کی بجائے آخرت کی فکر کرنے لگتا ہے۔

مترجم ذی شان ممتاز ماہر تعلیم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک صاحب طرز ادیب اور شاعر بھی تھے اس لیے ان کے سرائیکی ترجمے میں ادبی چاشنی موجود ہے مثال کے طور پر پہلی وحی کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ (سورۃ العلق:۱،۲)

"(اے رسولؐ) توں آپڑیں رب دا ناں گھن تے پڑھ جیں پیدا کیتے۔

جنیں انسان کوں لہو دی ہوئی کنوں پیدا کیتے"۔(102)

مندرجہ بالا آیات کے ترجمے میں ادبی حسن نمایاں ہے۔ مترجم ذی وقار نے اپنی ادبی مہارت کا لوہا منوایا ہے اور اس ترجمے میں ادبی چاشنی اور ادبی رنگ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

زیرِ نظر ترجمہ بامحاورہ ہے فاضل مترجم نے روزمرہ سرائیکی کا خیال رکھا ہے۔ تحت اللفظ ترجمے کی نسبت بامحاورہ ترجمہ تفہیم قرآن میں زیادہ مفید ہے۔ آیئے اس آیت کے ترجمے پر نظر ڈالتے ہیں:

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ
مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ (سورۃ البقرہ:۱۸۳)

"اے ایمان گھن آون والے لوکو! تہاڈے اُتے روزے فرض کیتے گئین جیں طرح انھاں لوکاں کیتے فرض کیتے گئے ہن۔ جہڑے جو تساں کنوں پہلے تھی گذرے ہن تاں جو تساں پرہیزگار بنڑ ونجو"۔(103)

اس آیت کے ترجمے میں مصنف موصوف نے اپنی فنی مہارت سے بامحاورہ ترجمے کا حسن دوبالا کیا ہے۔ اس سے ان کی سرائیکی زبان پر گرفت سامنے آتی ہے اور یہ ترجمہ قاری کیلئے دلچسپی میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔

فاضل مترجم نے عربی کلمات کے متبادل سرائیکی کلمات آسان اور عام فہم منتخب کیے ہیں تا کہ عام قارئین کو قرآنی مفہوم سمجھنے میں دقت نہ ہو۔ مثال کے طور پر درج ذیل آیت کا سرائیکی ترجمہ ملاحظہ کریں:

تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَ تُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ (آل عمران ۲۷)

ترجمہ: "توں رات کوں ڈینہہ وچ لکا (وڑا) گھندیں اُتے ڈینہہ کوں رات وچ لکا (وڑا) گھندیں۔(104)

اس آیت کے ترجمے نہایت ہی سہل، آسان اور عام فہم سرائیکی الفاظ استعمال کیے گئے۔

اگر مشکل الفاظ استعمال کیے جائیں تو ترجمہ ادق ہو جاتا ہے۔ لیکن فاضل مترجم نے عام خواندہ قارئین کیلئے قابل قدر کاوش کی ہے۔

زیرِ نظر ترجمے کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ یہ فصیح ترجمہ ہے۔ مترجم مرحوم و مغفور نے آغاز سے اختتام تک یکسانیت کے ساتھ شعوری کوشش کی ہے کہ ترجمے میں فصاحت برقرار رہے۔ مثلاً:

فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْھَرْ وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْھَرْ وَ اَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ (سورۃ الضحٰی ۱۱-۹)

ترجمہ "پس جہڑا کوئی یتیم ہووے تاں اوندے اُتے سختی نہ کیتی کراتے جہڑا کوئی منگن والا ہووے تاں اُوکوں جھڑکیاں نہ ڈتیاں کراتے آپڑیں رب دیاں جہڑیاں نعمتاں ہن انھاں کوں بیان کیتی رکھ"۔(105)

مندرجہ بالا آیات کے سرائیکی ترجمے میں فصاحت و بلاغت اپنی مثال آپ ہے۔

فاضل مترجم نے قارئین کو مکمل ابلاغ کیلئے قابل قدر کوشش کی ہے۔ فصاحت سے ترجمے کا حسن بھی نمایاں ہوتا ہے اور تفہیم بھی آسان ہو جاتی ہے۔

یہ ترجمہ سرائیکی زبان کے منظوم تراجم میں قابل قدر اضافہ ہے اور سرائیکی دینی ادب کا قیمتی اثاثہ ہے۔ اگرچہ فاضل مترجم نے اردو ترجمے کو سرائیکی میں ڈھالا ہے۔ مگر پھر بھی سرائیکی زبان کی جاذبیت حلاوت اور لطافت عیاں ہے۔ سرائیکی زبان ایک زندہ زبان ہے۔ لاکھوں نہیں کروڑوں کی زبان ہے یہ ان تمام خوبیوں سے متصف ہے جو ایک زندہ زبان کے شایانِ شان ہوتی ہیں۔

ایک وسیع زبان ہونے کے ناطے سے اس کے اندر بحر بیکراں کی وسعت موجود ہے۔ اس کی حلاوت قابل ذکر اور لطافت قابل رشک ہے اس میں سلاست بھی ہے سلاست بھی ہے اگر قرآن کی ترجمانی کرتے ہوئے زبان کا یہ حسن نمایاں نہ ہو تو ترجمانی بے اثر اور معانی بے کیف ہو جاتے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے ایک بے روح اور بے جان کلمات پڑھے جا رہے ہوں تاہم فاضل مترجم نے یہ ترجمہ اس مقصد کے ساتھ کیا کہ سرائیکی کے عام خواندہ لوگ اس ترجمے کو پڑھ کے قرآن حکیم کو سمجھ سکیں ان گوناگوں خوبیوں سے متصف اس ترجمے کو ریاستی لہجے کا سرتاج کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

مترجم ذی وقار نے قرآن پاک کے سرائیکی ترجمے میں سرائیکی اسلوب اور سرائیکی محاورے کا بہت خیال رکھا ہے مگر کہیں کہیں پلہ ہاتھ سے نکل گیا۔ مثلاً:

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ (الفاتحہ ۷)

"نہ کہ جنھاں اُتے تیڈا غضب ریہے اتے نہ کہ جیہڑے گمراہ بن"۔ (106)

مندرجہ بالا ترجمے میں "غضب" اور "گمراہ" استعمال کیے گئے جو قطعاً سرائیکی نہیں ہیں۔ غضب کی بجائے "کاوڑ" اور گمراہ کی جگہ "تھڑ کیے ہوئے" زیادہ برمحل ہوتا اسی طرح یہ ترجمہ دیکھیں:

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (سورۃ البقرہ:۲)

ترجمہ: "پرہیزگار لوکاں کیتے ہدایت ہے"۔ (107)

ہدایت کا ترجمہ ہدایت ہی لکھا ہے۔ ہدایت کا ترجمہ "سوجھل" ہو سکتا تھا۔

ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں:

يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ (سورۃ البقرہ:۳)

ترجمہ: "نماز قائم رکھیندن"۔ (108)

اس ترجمے میں "قائم رکھیندن" صحیح سرائیکی محاورہ نہیں ہے۔ بلکہ "قائم کریندن" زیادہ موزوں ہے اگر "چیٹ نال پڑھدن" اس سے زیادہ فصیح ہوتا۔ فاضل مترجم کا ترجمہ سرائیکی کے ریاستی لہجے کا شاہکار ہے۔ مترجم ذی احترام نے بڑے جزم کے ساتھ ریاستی لہجے کو اپنایا ہے یہ ان کی مجبوری بھی تھی کیونکہ وہ خود اس لہجے سے متعلق تھے اس سے سرائیکی کے دوسرے لہجے بولنے والوں کو تفہیم میں دقت پیش آ سکتی ہے جیسے:

لَا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِى الْحَرْثَ (البقرہ:۷۱)

"نہ زمین دے ہلاں وچ جتی ہوئی ہووے نہ رڑھ کوں پانڑیں ڈیون کیتے وڑھی ہوئی ہووے"۔ (109)

"وڑھی" ریاستی لہجے کا متداول لفظ ہے لیکن عام فہم نہیں خاص طور پر سرائیکی کے دوسرے لہجوں سے متعلق لوگ

کیلئے باعث دقت ہوگا۔

مترجم مرحوم و مغفور کا ترجمہ اردو تراجم کا تتبع معلوم ہوتا ہے۔ آپ عربی زبان سے بالکل نابلد تھے اس کا اعتراف انہوں نے خود کیا ہے۔ اس لیے ان کا ترجمہ براہِ راست عربی متن کا ترجمہ نہیں۔ یہ اردو ترجمے کا سرائیکی ترجمہ ہے۔ ترجمہ در ترجمہ میں جو سقم رہ جاتا ہے وہ زیرِ نظر ترجمے میں بھی موجود ہے جیسے:

أُولٰئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰی (البقرہ:۱۶)

"ایہ تاں اولوک ہن جنہاں ہدایت دے عوض گمراہی مُل گھدی ہوئی ہے"۔(110)

عوض اور گمراہی اردو کلمات ہیں ان کے مترادف سرائیکی کلمات موجود تھے عوض کی جگہ "جاتے" اور گمراہی کی بجائے "کھُل" ہو سکتے تھے۔ زیرِ نظر ترجمے کا ایک سقم یہ بھی ہے کہ عربی متن اور ترجمہ میں عدم مطابقت ہے۔ مثال کے طور پر یہ آیت ملاحظہ فرمائیں:

بَلْ لَّا تُکْرِمُوْنَ الْیَتِیْمَ :(سورۃ الفجر:۱۷)

اس عربی متن کے نیچے "ذلیل کر چھوڑیے" لکھا ہے جبکہ اس متن کا ترجمہ اگلی آیت کے نیچے رقم کیا گیا ہے۔(111)

اسی طرح کی اور مثالیں صفحہ نمبر 123،11 اور 124 پر بھی موجود ہیں۔ مثال کیلئے درج ذیل آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

فَصَبَّ عَلَیْهِمْ رَبُّکَ سَوْطَ عَذَابٍ (الفجر:۱۳)

"بس تیڈے رب انہاں اُتے عذاب دا ایک چابک وسایا"۔(112)

اگر اس آیت کا ترجمہ یوں ہوتا تو زیادہ فصیح ہوتا۔

"بس تیڈے رب انہاں تے چابک وساڈتے"

معنوی سقم کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں۔

فَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ (سورۃ البقرہ:۸۶)

"بس نہ انہاں دے عذاب کوں گھٹایا ویسی"۔(113)

جبکہ یہاں "انہاں دے" کی بجائے "انہاں تے" ہونا چاہیے۔ لفظی اعتبار سے اگر اس کا ترجمہ اس طرح کیا جاتا تو زیادہ صائب ہوتا "بس انہاں تے عذاب گھٹایا نہ ویسی"۔

معنوی سقم کی ایک مثال دیکھئے:

فَاعْفُوْا وَ اصْفَحُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ (سورۃ البقرہ:۱۰۹)

"بس تساں معاف کر ڈیوتے پرے کرو جیتوڑیں جو اللہ آپڑاں (بیا) حکم نہ آوے"(114)

اس کی بجائے اگر یہ ترجمہ ہوتا تو زیادہ بہتر ہوتا:

"بس تساں معاف کر ڈیوتے آئی ونجائی کرو ایں تائیں جو اللہ اپنا فیصلہ ڈے ڈیوے"

"پرے کرو" کی جگہ آئی ونجائی کرو زیادہ فصیح ہے۔

اس آیت کے سرائیکی ترجمے میں معنوی سقم ملاحظہ فرمائیں:

وَ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی (البقرہ:۵۷)

"اتے تہاڈے کیتے من تے سلوی بٹیر لہیندے ریہو سے"۔(115)

عربی میں سلوی "بٹیر" کو نہیں تیتر کو کہتے ہیں۔وہ تیتر جسے اُردو میں بھٹ تیتر کہتے ہیں۔اس لیے اگر "بٹیر" کی جگہ "تیتر" ہوتا تو زیادہ درست ہوتا۔اس طرح ایک اور مثال غور طلب ہے:

وَ اَغْرَقْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (البقرہ:۵۰)

"اتے فرعون دی اولادکوں غرق کر چھوڑیا اتے تساں خود اکھیں نال ڈیکھن والے ہاوے"۔(116)

اس ترجمے میں دو معنوی سقم پائے جاتے ہیں "اغرقنا" کے معنی غرق کی بجائے "بوڑ ڈیتا" زیادہ فصیح تھا اور "وانتم" میں واؤ حالیہ ہے جس کا ترجمہ "حالاں جو" ہونا چاہیے تھا۔

درج ذیل آیت میں بھی معنوی سقم واضح ہے:

وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ (البقراہ:۱۲۶)

"اتے اتھاں رہن والیاں کوں میویاں وچوں رزق ڈیتے"۔ (117)

اس آیت میں "من" زائد ہے عمومیت کے معنی دیتا ہے یعنی ہر قسم اور ہر طرح کے پھل اگر فاضل مترجم ترجمہ یں کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا:

"اتے اوندے رہن آلے کوں ہر طرح دے پھل ڈے"۔

آیت کے ترجمے میں دوسرا سقم یہ ہے کہ "ارزق" فعل امر کا صیغہ ہے اس لیے اس کے معنی "ڈیتے" کی بجائے "ڈے" درست ہے۔زیر نظر ترجمے میں ایک چیز جو بہت کھٹکتی ہے وہ ہے دخیل کلمات کی کثرت۔ترجمے میں اردو، عربی اور فارسی الفاظ بہت ملتے ہیں چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (البقراہ:۵)

"اتے ایہے ای کامیاب رہن والے ہن"۔(118)

اگرچہ یہ ترجمہ خوبصورت ہے کامیاب کی بجائے "توڑ چڑھن والے لکھتے تو سرائیکیت کے زیادہ قریب ہوتا"

اسی طرح ایک اور مثال کیلئے مندرجہ ذیل آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

وَ لٰکِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ (البقرہ:۱۲)

"جو انھاں کوں کوئی شعور وی کائے نہیں"۔(119)

اس ترجمے میں "شعور" کا ترجمہ سمجھ ہوتا تو زیادہ فصیح ترجمہ ہوتا۔

ایک اور مثال دیکھیے۔اس میں معنوی تشنگی موجود ہے:

وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ۔(البقرہ:۵۸)

"اتے دروازے وچوں عاجزی کریندے ہوئیں اتے (لفظ) حطة آکھدیں ہوئیں لنگھ وچو"۔(120)

زیر نظر آیت میں حطہ کا ترجمہ نہیں دیا گیا اس کا ترجمہ "معافی" ہوسکتا تھا۔

سوانح مترجم

ولادت: 1915ء رحلت: 1997ء

دلشاد کلانچوی کا اصل نام عطا محمد تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت علیؓ سے جا ملتا ہے۔ آپ ان کی غیر فاطمی اولاد سے تعلق رکھتے تھے۔

فاضل مترجم 24 مئی 1915ء بمطابق 13 رجب المرجب 1333ء ہجری کو بستی کلانچ والا (بہاولپور کا ایک گاؤں) میں پیدا ہوئے۔

آپ کے گھرانے کا ماحول دینی و مذہبی تھا۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی وہ ابھی چھ سال کے تھے۔ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ سات سال کی عمر میں میں گھر سے ڈیڑھ دو میل کے فاصلے پر بستی ''سندین'' میں واقع پرائمری سکول میں داخل کروا دیا گیا۔ جہاں سے انہوں نے پرائمری تک تعلیم حاصل کی۔

والدہ نے ان کا تعلیمی ذوق دیکھ کر 1929ء میں انہیں اپنے عم زاد مولوی عبدالقادر صدیقی صاحب کے پاس بہاولپور بھیج دیا۔ جنہوں نے انہیں صادق ڈین ہائی سکول بہاولپور میں داخل کرا دیا۔ مولوی عبدالقادر انہیں خود بھی تعلیم دیتے تھے۔ بڑے بھائی صالح محمد انہیں خرچہ روانہ کر دیا کرتے تھے۔

ڈیڑھ سال بعد ان کے بڑے بھائی وفات پا گئے اور گھر سے اخراجات آنے کا سلسلہ یکدم منقطع ہو گیا۔

دلشاد کلانچوی نے سرکاری یتیم خان میں داخلہ کیلئے درخواست دی۔ آٹھویں جماعت پاس کرنے تک سرکاری یتیم خانہ (دارلاطفال) میں داخل کر لیا گیا۔ آپ ذہین بھی تھے اور محنتی بھی۔ انہوں نے دل لگا کر تعلیم حاصل کی اور 1933ء میں آٹھویں جماعت کے امتحان میں ریاست بہاولپور میں اول آئے۔

یتیم خانہ کی انتظامیہ کیلئے یہ بڑے اعزاز کی بات تھی۔ وہاں کے سپرنٹنڈنٹ مفتی مشتاق احمد کھرل نے انہیں خصوصی اجازت نامہ کے ذریعے بی۔ اے تک یتیم خانہ کے ذریعے تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دلا دی اور انہیں یتیم خانہ کا کپتان بھی بنا دیا۔

اس طرح یتیم خانہ کی تاریخ میں دلشاد کلانچوی پہلے طالب علم تھے جنہیں کالج تک تعلیم دلائی گئی ورنہ اس سے پہلے دسویں پاس کرنے کے بعد طالب علم کو یتیم خانہ سے فارغ کر دیا جاتا تھا۔

1935ء میں انہوں نے 20 سال کی عمر میں میٹرک کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ اس شاندار کامیابی کے بعد انہیں ایم۔ اے تک یتیم خانہ کی طرف سے مالی امداد دی جاتی رہی۔

میٹرک کے بعد اسی سال وہ صادق ایجرٹن (ایس۔ ای) کالج بہاولپور میں داخل ہو گئے۔ 1939ء میں بی۔ اے کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا ہوسٹل رہتے تھے۔ انہیں ہوسٹل کا مانیٹر بنا دیا گیا۔ اس دوران وہ کالج کی بزم ادب کے سیکرٹری بھی رہے۔

1937ء تا 1939ء میں کالج میگزین ''نخلستان ادب'' کے ایڈیٹر رہے۔ باسکٹ بال ٹیم کے کپتان تھے اور میچ

جتوانے میں بنیادی کردار ادا کرتے تھے۔

1939ء میں بی۔اے کرنے کے بعد لاہور چلے گئے اسلامیہ کالج کے شعبہ معاشیات میں داخل ہو گئے۔ایم۔اے معاشیات کی ڈگری حاصل کی۔

1941ء میں ایم۔اے کرنے کے بعد وہ بہاولپور واپس آ گئے۔نوکری حاصل کرنے کی تگ و دو میں ایک سفارش کے ذریعے کامیاب ہوئے۔27 مئی 1942ء کو انہیں 54 روپے ماہانہ تنخواہ پر کلرک بھرتی کر لیا گیا۔مستقل ملازمت سے قبل 1942ء میں ان کی شادی ہو گئی۔

یکم جون 1943ء کو ایس۔ای کالج بہاولپور میں آپ کیلئے ایک نئی آسامی پیدا کی گئی اور بطور لیکچرر پڑھانا شروع کیا۔وحدت مغربی پاکستان قائم ہونے اور ریاست بہاولپور کی انفرادی حیثیت ختم ہونے کے بعد 14 اکتوبر 1955ء کو انہیں ترقی دے کر پروفیسر بنا دیا گیا۔

18 ستمبر 1963ء میں گورنمنٹ ڈگری کالج بہاولنگر کے پرنسپل کا چارج سنبھالا۔3 مئی 1969ء گورنمنٹ ڈیرہ غازی خاں اور اگلے سال 19 مارچ 1970 کو وہ ایس۔ای کالج کے پرنسپل بنا دیے گئے۔

یہ وہی تعلیمی ادارہ تھا جہاں سے آپ نے بی۔اے کیا تھا اور ایک عرصہ تک پڑھایا بھی تھا۔ایس۔ای کالج میں آنے کے بعد کالج کی عمارت میں توسیع کرائی۔کھیل کے میدان تیار کروائے معاشیات کے مضمون میں بی۔اے آنرز کی کلاس کا اجراء کرایا۔

ایک سال بعد 3 مارچ 1971ء کو چھپن سال کی عمر میں ریٹائر ہو گئے۔وہ کہا کرتے تھے کہ ”میرے لیے یہ ایک بہت بڑا اعزاز ہے کہ میں نے جس کالج میں تعلیم پائی جہاں سے میں نے بطور لیکچرر ملازمت کا آغاز کیا اسی کالج کا پرنسپل رہ کر ریٹائر ہوا ہوں“۔

6 نومبر 1972ء کو امیر آف بہاولپور نواب عباس خان عباسی نے انہیں صادق عباسی (پرائیوٹ) کالج ڈیرہ نواب کا پرنسپل مقرر کر دیا اور 4 مارچ 1974ء تک کام کرتے رہے۔

1989ء میں اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور میں شعبہ سرائیکی کا آغاز ہوا تو 74 سال کی عمر کے باوجود تادم مرگ قلیل معاوضے پر پڑھاتے رہے۔16 فروری 8 شوال 1417ء ہجری 82 سال کی عمر میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔(121)

وہ سرائیکی زبان کے محسن اور سرائیکی ادب کے خالق تھے۔ان کی علمی ادبی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔اللہ انہیں غریق رحمت کرے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔

وہ ایک مخلص، خیر خواہ اور جفاکش انسان تھے۔ایسے انسان کبھی کبھی پیدا ہوتے ہیں۔

علمی وادبی خدمات

دلشاد کلانچوی کی ادبی زندگی کا آغاز زمانہ طالب علمی سے ہو گیا تھا۔ وہ ابھی چھٹی ساتویں جماعت میں زیر تعلیم تھے کہ بچوں کے رسالوں کے لئے لکھنا شروع کر دیا۔

میٹرک پاس کرنے تک ان کی کئی کاوشیں چھپ چکی تھیں۔ ایس۔ ای کالج میں داخل ہو تو کالج میگزین "نخلستان ادب" کے لئے لکھتے رہے اور بطور ایڈیٹر انہوں نے اپنا علمی وادبی مقام منوایا۔

دلشاد کلانچوی بنیادی طور پر معلم تھے انہوں نے طلبہ کی درسی ضروریات کے لئے چھ کتب لکھیں۔ جن میں تین اردو میں ہیں۔ "اصلاحاتِ معاشیات"، "رہبر معاشیات"، "پاک و ہند نظریات معاشیات"۔ تین کتابیں انگلش میں ہیں۔ Descriptive اور، Intermediate Economics (Made Easy)، Economic Terms Econmis of Bharat and Pakistan شامل ہیں۔

بچوں کے ادب پر آپ نے اردو اور سرائیکی میں آٹھ کتب تحریر کیں۔ "آؤ مجھے پہچانو"، "اللے بلے بوں"، "بختاور لوکا"، "پاکستانی قاعدہ"، "جڈاں رسول کریمؐ بال ہن"، "جڈاں رسول کریمؐ کوں نبوت ملی"۔ "جڈاں رسول کریمؐ جینگر ہن"، "چنگاہاں اقبال" "سرائیکی قاعدہ" اور "نیا ستارہ" شامل ہیں۔

دلشاد کلانچوی نے تاریخ ادب و ثقافت کے حوالے سے چار کتب تصنیف کیں۔ ان میں "سرائیکی اور اسکی نثر" (1982ء) اور "ضلع بہاولپور (تاریخ، ثقافت، ادب)" (1997ء) شامل ہیں۔ ترتیب و تدوین کے حوالے سے "نور نامہ" (1975ء)، "خیابانِ خرم" (1986ء) اور "معراج نامہ" (1987ء) میں مدون کیں۔

تراجم کے حوالے سے آپ نے گراں قدر کام کیا ہے۔ انہوں نے اردو اور انگریزی کی جن نثری کتب کا سرائیکی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ وہ یہ ہیں۔

نذیر احمد دہلوی کی کتاب "باغ و بہار" کا ترجمہ "توبہ زاری" کے عنوان سے 1978ء میں کیا۔ امتیاز علی تاج کے ڈرامے "انار کلی" کا ترجمہ (1978ء)، شیکسپئر کے ڈرامے "میکبتھ" کا سرائیکی ترجمہ "اقتدار دی ہوس"۔ (1978ء) محمد حسین آزاد کی کتاب "نیرنگ خیال" کا ترجمہ "خاباں وچ خیال" (1980ء)، آغا حشر کا ڈرامہ خوبصورت "بلا" کا ترجمہ "سچ ڈکھاں دی، سچ پھلاں دی" (1981ء) اور مولانا سعید احمد دہلوی کی تصنیف "معجزات رسولؐ" کا سرائیکی ترجمہ "رسول کریمؐ دے معجزے" کے عنوان سے 1983ء میں کیا۔

فاضل مترجم نے منظوم اردو کتب کا منظوم سرائیکی ترجمہ بھی کیا۔ ان میں غالب کی منتخب غزلوں کا منظوم سرائیکی ترجمہ "غالب دیاں غزلاں" (1969ء) اور میر حسن کی مثنوی "سحر البیان" کا منظوم سرائیکی ترجمہ بعنوان "مثنوی دلبہار" (1984ء) شامل ہیں۔

مترجم ذی وقار نے منظوم سرائیکی کلام سے اردو نثری ترجمہ بھی کیا۔ انتخاب دیوان خواجہ غلام فرید 1973ء اور

مولوی عبدالحکیم اچوی کی مثنوی یوسف زلیخا ۱۹۷۵ء میں اردو ترجمہ کیا۔ علاوہ ازیں آپ نے ڈاکٹر کرسٹوفر
انگریزی کتاب A century of Saraiki Studies in English کا ترجمہ "سرائیکی مطالعے
کا ترجمہ 1986ء میں کیا۔

مذہبی حوالے سے آپ نے 1975ء میں "چالیہہ حدیثاں" کے عنوان سے عربی متن کا سرائیکی ترجمہ کیا۔

قرآنیات کے حوالے سے آپ نے گراں قدر کام کیا ہے جس میں قرآن پاک کا سرائیکی ترجمہ سوکھے
ترجمے والا قرآن شریف، جس کے دو ایڈیشن 1983ء اور 2000ء میں شائع ہو چکے ہیں۔

قرآن پر دوسرا اہم یہ کہ آپ نے سورۃ الفاتحہ کی تفسیر "دلشادیہ تفسیر القرآن العظیم" رقم کی جس کے
ایڈیشن 1984ء اور 1998ء میں شائع ہوئے۔

اقبالیات کے موضوع پر فاضل مترجم نے چار کتب تصنیف کیں۔ جن میں سے دو اردو اور دو سرائیکی زبان میں
ہیں۔ اقبال اور اُنکی اردو شاعری پر نظر (اردو) 1955ء اقبال شناسی اور ایجرٹن کالج میگزین (اردو) 1992ء "
اقبال سرائیکی 1985ء اور ساڈا ابحث اقبال (سرائیکی) 1985ء شامل ہیں۔

فریدیات پر بھی آپ نے قابل قدر کاوشیں کی ہیں۔ 1982ء میں آپ کی کتاب "کون فرید فقیر" شائع ہوئی
اس کا دوسرا ایڈیشن 1999ء میں سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے شائع کیا۔

اس کے علاوہ "فریدیات" (1971ء) اور فریدی ڈوہڑے (1972ء) بھی آپ کی موقر تصانیف ہیں
1991ء میں تفہیم فرید کے سلسلے میں آپ کی ایک اور کتاب "فریدی کافیاں" شائع ہوئی علاوہ ازیں "فریدیات" کے سلسلے
میں آپ کے کئی مضامین شائع ہوئے۔

آپ کا ایک ناول "سارے سکھن سہا گوے" اور افسانوں کا مجموعہ "رات دی کندھ" ہیں۔

دلشاد کلانچوی نے بطور شاعر بھی اپنا لوہا منوایا۔ ان میں کلام کلانچوی، نعتیہ سی حرفی، نواں سوجھلا، نویں نسل
چھولیاں، نیا ستارا، چنگیر اہم مجموعے ہیں۔

آپ کے سرائیکی زبان میں لکھے گئے مضامین کی تعداد بہتر جبکہ اردو مضامین گیارہ کے قریب ہیں۔ آپ نے
متعدد ادبی اداروں میں بھی خدمات سرانجام دیں۔ انہوں نے 23 مارچ 1971ء کو سرائیکی لائبریری قائم کی
سرائیکی" کے مدیر رہے۔ سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور میں بطور ممبر نگران کونسل، جنرل سیکرٹری اور صدر کی حیثیت سے
سرانجام دیتے رہے۔

فاضل مترجم کو تین کتابوں پر ادبی ایوارڈ دیا گیا۔ "کون فرید فقیر" اور "سرائیکی زبان تے ادب" کو اکادمی ادبیات
پاکستان نے 1983ء اور 1989ء میں خواجہ فرید ایوارڈ دیا۔ بہاولپور دی تاریخ تے ثقافت پر حکومت پاکستان
1989ء میں ایوارڈ دیا آپ کو "محقق سرائیکی ادب" کی سند اعزاز اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کی جانب سے خواجہ فرید
کے علاوہ کئی اسناد اور شیلڈز دی گئیں۔

المرجان قرآن مجید دا سرائیکی ترجمہ

مفتی عبدالقادر سعیدی مرحوم و مغفور

مقام تصنیف بھونگ صادق آباد تاریخ تصنیف 2000ء

یہ قرآن مجید کا ترتیب زمانی کے اعتبار سے پانچواں مکمل معرّیٰ ترجمہ ہے جو بد قسمتی سے ابھی تک زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکا اسے مفتی عبدالقادر سعیدی صاحب نے تصنیف کیا ہے۔ فاضل مترجم نے بڑی محنت کے ساتھ خوشنویسی کی عمدہ مثال قائم کرتے ہوئے رقم کیا ہے۔ قرآن مجید کا عربی متن جلی حروف میں ہے۔ اور عربی متن کے نیچے سرائیکی ترجمہ دیا گیا ہے۔ زیر نظر ترجمہ بین السطور اور تحت اللفظ ہے ہر لفظ کے معنی اسی لفظ کے نیچے تحریر کیے گئے ہیں۔ جس سے قاری تفہیم قرآن میں آسانی محسوس کرتا ہے۔ فاضل مترجم دیہاتی علاقے میں قرآن مجید کی تعلیم دے رہے ہیں اور دیہات میں لوگ عربی نہیں جانتے اس لئے آپ نے سرائیکی ترجمہ کر کے قارئین کو دقت سے بچایا ہے۔

مترجم ذی وقار نے اس ترجمے کی وجہ تصنیف بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

"2000ء میں میرا گلا بیٹھ گیا ڈاکٹروں نے میرے بولنے اور خطاب پر پابندی لگا دی تو میں نے لکھنا شروع کر دیا میں نے سوچا قرآن پاک کے سرائیکی تراجم نایاب ہیں جو ہیں ان میں جاذبیت نہیں ہے میرے پاس وقت فارغ ہوتا تھا اس لیے شوق پیدا ہوا کہ قرآن مجید کا سرائیکی ترجمہ کیا جائے اس سے سرائیکی زبان کی خدمت بھی ہو جائے گی اور قرآن مجید کا صحیح ترجمہ بھی لوگوں کی سمجھ میں آجائے گا"۔ (122)

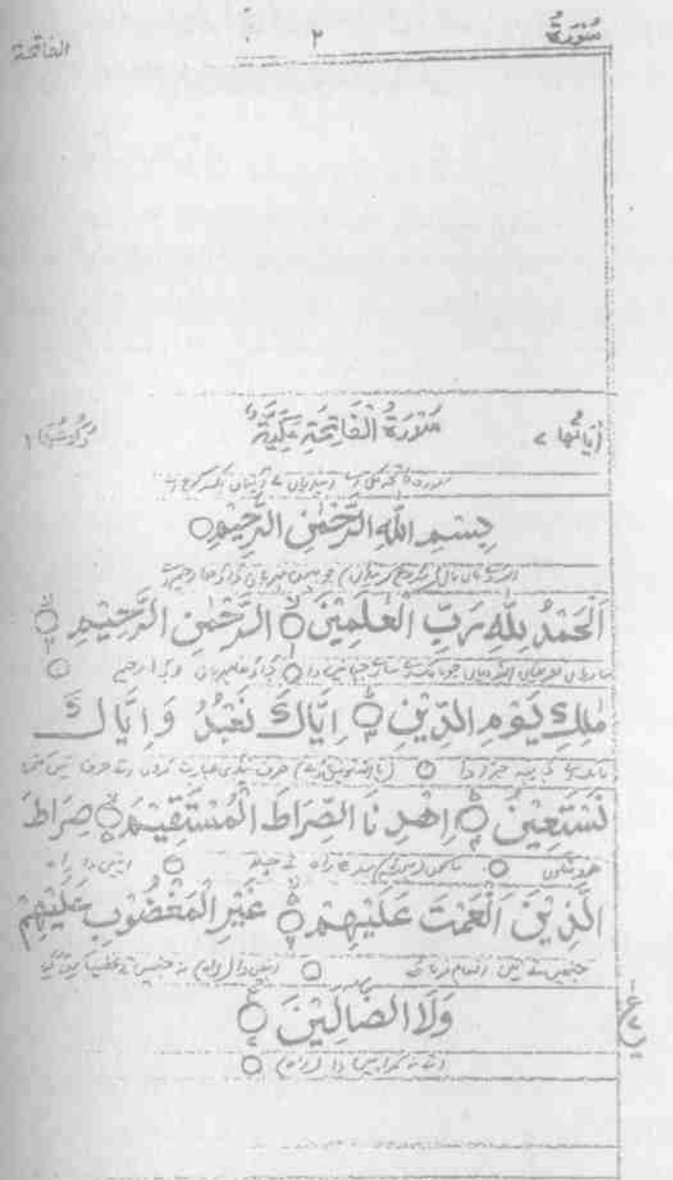
مصنف موصوف ترجمے کے ماخذ کے بارے میں کہتے ہیں:

"ترجمہ کرتے وقت میرے سامنے کئی تراجم اور تفاسیر تھیں مگر میں نے خاص طور پر تین تراجم سے استفادہ کیا ان میں امام اہلسنت احمد رضا خاں بریلوی رحمتہ اللہ علیہ، علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمتہ اللہ علیہ اور جسٹس پیر کرم شاہ الازہری کے تراجم شامل ہیں"۔ (123)

زیر نظر ترجمہ ضخیم ہے اور 626 صفحات پر مشتمل ہے یہ قلمی نسخہ ہے ابھی تک زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکا۔ معرّیٰ تراجم میں اس کا نمایاں مقام ہے۔ مترجم ذی وقار نے جہاں قرآن پاک کی تفہیم کے لئے سعی جمیلہ کی ہے وہاں سرائیکی علمی ادب میں گراں قدر اضافہ کیا ہے۔

فاضل مترجم کی یہ علمی کاوش اس لیے بھی لائق صد تحسین ہے کہ آپ نے بیماری کے دوران بھی اپنا وقت قرآن حکیم کی تفہیم اور قرآنی تعلیمات کے فروغ کیلئے مخصوص کیا ایسا دلکش کام دوسری زبانوں میں بہت کم ملتا ہے۔

زیر نظر ترجمہ فاضل مترجم کے بقول بغیر کسی تعطل کے ایک سال کے عرصے میں مکمل کیا گیا یہ ایک عظیم کام تھا۔ جسے تکمیل کے مرحلے تک پہنچانے کے لئے کئی سال درکار تھے۔ مترجم ذی وقار نے اسے اپنی علمی اور فنی مہارت سے سالوں کا کام دنوں میں مکمل کیا اب وہ اس کی نوک پلک درست کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ اس میں قطع و برید کے علاوہ ترمیم و اضافہ بھی کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ وہ اس میں حاشیہ کا اضافہ کر کے مستقبل میں اسے زیور طباعت سے آراستہ کریں۔


سُوْرَۃٌ ۲ الفاتحۃ

اٰیَاتُھَا ۷ سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃِ مَکِّیَّۃٌ رُکُوْعُھَا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ

نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ

الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ

وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ ع

منزل ۱

مفتی عبدالقادر کے سرائیکی ترجمے کا نمونہ

طریقہ کار

زیرِ نظر ترجمہ قرآن پاک کا پانچواں مکمل سرائیکی ترجمہ ہے۔ جو غیر مطبوعہ ہے اور سرائیکی قرآنی ادب میں میں قابل قدر اضافہ ہے۔ اس ترجمے میں آغاز سے اختتام تک یکسانیت پائی جاتی ہے۔ فاضل مترجم نے یہ ترجمہ بین السطور اور تحت اللفظ کرنے کا معروف طریقہ اختیار کیا ہے۔

مترجم ذی وقار پہلے قرآن پاک کا عربی متن جلی حروف میں رقم کرتے ہیں پھر اس کے نیچے سرائیکی ترجم دیتے ہیں۔ ہر آیت اور رکوع کے آخر میں نمبر درج کرتے ہیں۔ فاضل مترجم نے ترجمے میں قوسین کے اندر تشریحی کلمات بھی تحریر کیے ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن مجید کی اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

"اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" (۱: الفاتحہ: ۵)

"ساکوں (ہمیشہ) سدھے راہ تے چلا"۔ (124)

اسی طرح درج ذیل آیت کا ترجمہ لکھیں:

"وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" (۲: البقرہ: ۵)

"اتے اوہے ای (ڈو ہیں جہانیں) کامیاب ان"۔ (125)

ہر سورت کے آغاز میں اس کی مکمل آیات اور رکوع کی تعداد دی گئی ہے اور یہ بھی رقم کیا گیا ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے یا مدنی اور ترتیب توفیقی کے اعتبار سے سورۃ کا نمبر بھی تحریر کیا گیا ہے:

اٰیاتُھا ۱۷ (۸۶) سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ ۳۶ رُكوعُھا

"سورۃ طارق مکی اے ایندیاں ۱۷ آیتاں ہک رکوع اے" (126)

فاضل مترجم نے سرائیکی کے ریاستی لہجے کو اپنانے کا عمدہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ مثال کے طور پر یہ آیت ملاحظہ ہو:

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ (سورۃ الانشقاق: ۱)

"جڈاں اسمان پھٹ ویسے"۔ (127)

اسی طرح سورۃ البقرہ کی یہ آیت دیکھیں:

"وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ" (۲: البقرہ: ۸)

"اتے لوکاں وچوں کئی او من جو آکھدن اساں ایمان آندا اللہ تے"۔ (128)

مترجم نے بین السطور ترجمہ کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ بہت ہی معروف ہے ترجمہ رقم کرتے وقت عربی متن اور اس کی نیچے سرائیکی ترجمہ میں سطر کا خیال رکھا گیا ہے۔ ہر عربی لفظ کے نیچے اس کا متبادل سرائیکی لفظ لکھا گیا ہے جیسے:

"اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ" (سورۃ البقرہ ۲۵)

"یقیناً انہیں واسطے باغات ان وہندیاں جن جنہیں دے تلے نہراں"۔ (129)

زیرِ نظر ترجمے میں شروع سے آخر تک ایک ہی طریقہ کے تحت قرآن حکیم کا متن اور سرائیکی ترجمہ رقم کیا گیا ہے۔ جسمیں یکسانیت ہے۔

مصنف نے قرآن مجید کے متن میں آیات کے نمبر رکوع نمبر اور منزل کے نمبر بڑی احتیاط سے درج کیے ہیں۔

محاسن

زیر نظر ترجمہ مصنف موصوف کی علمی اور قابل قدر کاوش ہے اور گوناگوں اوصاف سے متصف ہے۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔

فاضل مترجم کے ترجمے کا ایک وصف یہ ہے کہ آپ نے تحت اللفظ ترجمہ کیا ہے تحت اللفظ ترجمہ عام قارئین کیلئے بھی مفید ہوتا ہے اور تفہیم میں بھی آسانی ہوتی ہے مثال کے طور پر اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

"اِنَّا اَرْسَلْنَا نُوحًا اِلٰی قَوْمِهٖ" (سورۃ نوح :۱)

"بے شک اساں بھیجا نوح کوں اوندی قوم دے"۔(130)

اس ترجمے میں ہر عربی لفظ کے نیچے اس کا متبادل سرائیکی لفظ دے دیا گیا ہے جس سے قاری کو لغت میں معنی ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اسی طرح سورۃ البقرہ کی اس آیت کے ترجمے کو دیکھیں:

"كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ" (سورۃ البقرۃ ۱۱۳)

"اینویں تاں انہیں آکھیا جیہڑے جاہل ہن"۔(131)

اس ترجمے سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فاضل مترجم نے ہر لفظ کے نیچے اس کا ترجمہ رقم کیا ہے تا کہ عربی کے ہر لفظ کے سرائیکی معنی آسانی سے سمجھ میں آ جائیں۔

اس ترجمے کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ یہ ترجمہ نہایت سادہ اور سلیس ہے۔ فاضل مترجم نے نہایت سادگی کے ساتھ قرآن پاک کا سرائیکی ترجمہ کیا ہے۔ دقیق اور مشکل الفاظ استعمال نہیں کیے۔ سادگی اور روانی اس ترجمے کا حسن ہے جیسے

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ (سورۃ العلق:۱)

(اے حبیبؐ) پڑھو اپنے رب دے ناں نال جیں پیدا کیتے"۔(132)

اسی طرح مندرجہ ذیل آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى (سورۃ المعارج:۱۷)

"سڈیسے او نکوں جیں کنڈ ڈتی ہئی تے منہ پھیریا ہا"۔ (133)

ان آیات میں نہایت ہی سادہ اور رواں ترجمہ رقم کیا گیا ہے جس سے عربی متن کی تفہیم آسان ہو گئی ہے اور قاری قرآن کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔

فاضل مترجم کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ آپ نے کم سے کم تشریحی کلمات دیے ہیں۔ جن سے مترجم ذی وقار کا زبان پر عبور نمایاں ہوتا ہے مثال کے طور پر درج ذیل آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (سورۃ العصر:۳)

"مگر جیرہے ایمان گھن آئے اتے نیک عمل کیتو نے اُتے ہک بے کوں حق دی نصیحت کیتو نے

اتے ہک بے کوں صبر دی نصیحت کیتو نے"۔ (134)

فاضل مترجم نے کم سے کم تشریحی کلمات رقم کر کے ترجمے کے پیرایہ بیان کو بے جا طوالت سے بچایا ہے جس سے ترجمے کا حسن برقرار رہا ہے اور قاری کیلئے دلچسپی کا باعث ہے۔

زیر نظر ترجمے کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ اس میں مکمل ابلاغ موجود ہے۔ قاری قرآن مجید کے عربی متن کے صحیح مفہوم تک آسانی سے پہنچ جاتا ہے جیسے:

إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ (البروج:۱۲)

"بے شک پکڑ تیڈے رب دی بہوں سخت اے"۔(135)

مندرجہ بالا آیت کے سرائیکی ترجمے میں مکمل ابلاغ موجود ہے اور یہی ایک ترجمے کی بہت اہم خوبی ہے کہ عربی متن میں اللہ تعالیٰ کا مقصود و مطلب قاری تک پہنچ جائے۔

مصنف موصوف نے سرائیکی زبان کی وسعت حلاوت اور بیارت کو سامنے رکھ کر ترجمہ رقم کیا ہے تاکہ قرآن حکیم کے صحیح مفہوم کو سمجھا جا سکے مثال کے طور پر اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ (البقرہ:۷۷)

"(بھلا) کیا او نہیں جانڑدے جو بے شک اللہ جانڑدے جو کجھ اے لوکیندن تے جو کجھ ظاہر کریندن"۔(136)

اس آیت کے ترجمے میں مصنف نے سرائیکی زبان کی صفات کو عمدہ طریقے سے استعمال کیا ہے اور خوبصورت پیرایہ بیان میں زبان کی مٹھاس اور چاشنی کو نمایاں کیا ہے۔ فاضل مترجم ایک عرصے سے درس و تدریس سے منسلک ہیں۔ تحریر و تقریر میں خاص مقام رکھتے ہیں اس لیے آپ کی تحریر اثر انگیز ہے جسکی وجہ سے یہ ترجمہ قاری کے دل میں اتر جاتا ہے جیسے:

الْقَارِعَةُ مَا الْقَارِعَةُ (سورۃ القارعہ:۲۔۱)

"دل دہلاڈیون والی کیا ہے دل دہلاڈیون والی"۔(137)

اسی طرح ایک اور مثال ملاحظہ ہو:

وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا (الدھر:۲۶)

"اتے رات دے وچوں کجھ وقت اونکوں سجدہ کرو تے اوندی تسبیح آکھو لمبی رات"۔ (138)

ان آیات کے ترجمے میں اثر آفرینی اپنی مثال آپ ہے مترجم ذی وقار نے ترجمے کو سرائیکی میں اس طرح ڈھالا ہے کہ یہ قاری کے دل پر اثر انداز ہوتا ہے اور یہی ایک اچھے ترجمے کی خوبی ہوتی ہے۔

زیر نظر ترجمے کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ یہ مخطوطہ ہے۔ فاضل مترجم نے اپنے قلم سے قرآن مجید کا عربی متن اور سرائیکی ترجمہ رقم کیا ہے۔ اس لیے اغلاط کے امکانات کم ہیں اگرچہ یہ ترجمہ غیر مطبوعہ ہے مگر خوشنویسی اور ترتیب و حسن کو پیش نظر رکھیں تو یہ مطبوعہ تراجم سے کم نہیں۔

مترجم ذی وقار کے ترجمے کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ آپ نے اسے علالت کے دوران تحریر کیا ہے اور اس حالت میں قرآن پاک کا عربی متن اور سرائیکی ترجمہ رقم کرنا سرائیکی زبان سے محبت قرآن حکیم سے گہری وابستگی کو ظاہر کرتا ہے۔

فاضل مترجم کے ترجمے کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ یہ سرائیکی زبان کے معروف لہجے ریاستی کا بے باک ترجمان ہے جیسے مثال:

الَّذِينَ (البقرہ:۳) کا ترجمہ "جیرھے"(139)

اسی طرح

أُنْزِلَ إِلَيْكَ (سورۃ البقرہ:۴) "اتاریا تساں ڈے"۔(140)

ایک اور مثال دیکھیں:

مُسْتَهزِءُوْنَ (سورۃ البقرہ:۱۴) کا ترجمہ ''مذاق بنڑیندوں'' (141)

سورۃ الکوثر میں یہ ترجمہ دیکھیں:

الابتر (سورۃ الکوثر:۳) کا ترجمہ ''اوترک'' (142)

ایک اور مثال دیکھیں:

کالفراش (سورۃ القارعہ:۴) کا ترجمہ ''تڈلے'' (143)

اسی طرح:

الْحَطَبِ (سورۃ اللھب:۴) کا ترجمہ ''کاٹھیاں، اگنڈھا'' (144)

اور حَبْل مِنْ مَسَدٍ (سورۃ اللھب:۵) کا ترجمہ ''کھبڑ'' (145)

ایک اور مثال دیکھیں:

نِسَاءَ كُمْ (سورۃ البقرہ:۴۹) کا ترجمہ ''تساڈیں دھیریں کوں'' (146)

اسی طرح: اَنْزَلْنَا (سورۃ البقرہ:۵۹) کا ترجمہ ''پٹھیا'' (147)

فاضل مترجم نے ان مثالوں میں ریاستی لہجے کے الفاظ جیرھے، ڈِ ے، بنڑیندوں، اوترک، تڈلے، کھبڑ، دھیریں اور پٹھیا استعمال کر کے ترجمے کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے۔

اگر اس ترجمے کو ریاستی لہجے کا سرتاج کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا آپ کا یہ ترجمہ سرائیکی دینی ادب میں گراں قدر اضافہ ہے۔

نقد و نظر

زیرِ نظر ترجمہ قرآن پاک کے سرائیکی منظوم تراجم میں ایک منفرد اضافہ ہے۔ فاضل مترجم نے قرآن حکیم کے ساتھ اپنی گہری وابستگی کا ثبوت دیا ہے۔ ان کی یہ کاوش قابل قدر ہے اور قابل ستائش بھی مگر اس میں کچھ سقم رہ گئے ہیں جن کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

منظوم تراجم کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ عام فہم ہو اور اس میں مانوس اور دخیل کلمات نہ ہوں یا کم از کم ہوں پیرایہ بیان آسان اور اسلوب رواں اور سلیس ہو۔ گر ترجمہ عام فہم نہ ہو اور اس میں متروک اور غیر مانوس کلمات زیادہ ہوں تو قاری کو سمجھنے میں بے حد دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

کیونکہ منظوم ترجمے میں حاشیہ اور تفسیر تو ہوتی نہیں۔ ذہن میں اٹھنے والے اشکالات کا جواب قاری کیلئے مشکل پیدا کرتا ہے۔ فاضل مترجم نے اس ترجمے میں عربی فارسی کلمات کا سہارا لیا ہے حالانکہ متبادل سرائیکی کلمات موجود ہیں چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

الرَّحِیْم	کا ترجمہ	''وڈا رحیم''
المَغْضُوْبِ	کا ترجمہ	''غضب کیتا گیا''
الضَّآلِّیْنَ	کا ترجمہ	''گمراہیں''(148)
بِالْغَیْبِ	کا ترجمہ	''غیب''
هُدًى	کا ترجمہ	''ہدایت''(149)
ءَاَنْذَرْتَهُمْ	کا ترجمہ	''آپ انہیں کوں ڈرسناؤ''
عَذَابٌ	کا ترجمہ	''عذاب''
الْمُفْسِدُوْنَ	کا ترجمہ	''فسادی''
لَا یَشْعُرُوْنَ	کا ترجمہ	''شعور کیتی''(150)
طُغْیَانِهِمْ	کا ترجمہ	''اپنی سرکشی''
یَعْمَهُوْنَ	کا ترجمہ	''سرگردان''
شَیٰطِیْنِهِمْ	کا ترجمہ	''اپنے شیطانیں''(151)
لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ	کا ترجمہ	''واسطے رغبت قریش دے''
اٰمَنَهُمْ	کا ترجمہ	''انہیں کوں امن ڈتس''
خَوْفٍ	کا ترجمہ	''خوف''

اَلْمَاعُوْنَ	کا ترجمہ	''معمولی چیز'' (152)
اَعْطَیْنٰکَ	کا ترجمہ	''تہاکوں عطا کیتی'' (153)
اِھْبِطُوْا	کا ترجمہ	''اترو نجو''
کلمات	کا ترجمہ	''کلمات'' (154)
یُذَبِّحُوْنَ	کا ترجمہ	''ذبح کر ڈیندے ہن''
اَلْحَقُّ	کا ترجمہ	''حق''
اَلْبَاطِل	کا ترجمہ	''باطل'' (155)
اَلْمَنَّ وَسَلْوٰی	کا ترجمہ	''من تے سلویٰ''
طَیِّبٰتِ	کا ترجمہ	''پاک صاف چیزاں'' (156)
تَکْتُمُ	کا ترجمہ	''چھپاوے'' (157)
مَثَابَۃً	کا ترجمہ	''مرکز''

مندرجہ بالا مثالوں میں مترجم نے عربی اور فارسی کلمات استعمال کیے ہیں۔ ان یا تو من وعن وہی الفاظ دوبارہ رقم کر دیے گئے ہیں یا پھر فارسی زبان کے کلمات دے دیے گئے ہیں۔

اگر غضب کا ترجمہ ''کاوڑ'' الضالین کا ''تھڑ کیے ہوئے'' اور شعور کا ''سمجھ'' کیا جاتا تو زیادہ بہتر ہوتا اور ترجمے کا حسن اور بڑھ جاتا۔ اس سے قاری کیلئے قرآن کی تفہیم مشکل ہوگئی ہے۔

معنوی ترجمے میں ابہام قطعاً نہیں ہونا چاہیے۔ ایسے پیرایہ بیان میں ترجمہ ہو کہ الفاظ کے معنی واضح ہو جائیں اور عمومی مفہوم بھی عیاں ہو جائے۔ کسی ترجمے میں ابہام کا ہونا بڑا نقص ہے اس سے قاری غلط مطلب بھی سمجھ سکتا ہے جس سے بجائے فائدے کے نقصان ہو سکتا ہے۔

زیر نظر ترجمے میں کہیں کہیں ابہام پایا جاتا ہے۔ مطلب واضح نہیں ہوتا قاری کو وقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے مثال کے طور پر درج ذیل آیات کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

فَادْعُ لَنَا رَبَّکَ یُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَ قِثَّآئِهَا
وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا (سورۃ البقرہ:۶۱)

''اپنے رب کنوں دعا منگ جو ساڈے کیتے (من وسلویٰ دے بدلے)
او چیزاں کڈھے جیڑھیاں زمین جاوے (مثلاً) ساگ (سبزیاں) کھیرے پاپیاں،
کنک [illegible] رجی وی دال تے وسل (158)

ایک اور مثال دیکھیں:

إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيلًا (سورۃ المزمل:٦)

بے رات دا اٹھن (نفس کوں) سخت لتاڑن والا اے اتے ہوں درست گالھ والا اے"(159)

اسی طرح:

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللَّهِ (سورۃ البقرہ:۱۴۰)

"اتے اوں کنوں وڈا ظالم کون اے جیرھا گواہی چھپاوے (اور گواہی) جیرھی اوں کنے اللہ دی طرفوں آوے"(160)

ان تینوں مثالوں میں ترجمے میں ابہام پایا جاتا ہے اور ابہام کسی بھی ترجمے کا اہم نقص ہوتا ہے۔ اگر فاضل مترجم اس سقم کو دور کر دیتے تو ترجمہ زیادہ بہتر ہوتا۔ ترجمے میں ابہام کی وجہ سے قاری صحیح اور واضح مطلب نہیں پہنچ سکتا۔ ان مثالوں میں "جواونے" من وسلوی، بے رات اور لتاڑن والا جیسے الفاظ سمجھ سے بالاتر ہیں۔

زیر نظر ترجمہ براہ راست عربی متن سے نہیں کیا گیا بلکہ اردو ترجمے کو سرائیکی میں ڈھالا گیا ہے۔ بقول مترجم ذی وقار انہوں نے خاص طور پر امام احمد رضا خاں بریلویؒ، سید احمد سعید کاظمیؒ اور پیر کرم شاہ الازہریؒ کے ترجمے کو ماخذ بنایا ہے(161) اس لیے سرائیکی زبان کے ترجمے جو حسن ہونا چاہیے تھا وہ موجود نہیں ہے مثال کے طور پر:

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ (سورۃ القدر:۱)

"بے شک اساں اینکوں اتاریے شب قدر وچ"۔ (162)

اس ترجمے سے واضح ہوتا ہے کہ یہ اردو ترجمے کا تتبع ہے۔ اگر فاضل مترجم "اتاریے" اور "شب قدر" کی بجائے سرائیکی زبان کے خالص رقم کرتے تو زیادہ صائب ہوتا۔

اس ترجمے کا ایک اور سقم عدم فصاحت ہے۔ یہ ترجمہ سرائیکی زبان کے عام قارئین کیلئے لکھا گیا ہے مگر تفہیم قرآن کیلئے انہیں دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے مثال کے طور پر اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا (سورۃ المزمل:۱۰)

"تے انہیں کو چھوڑو اچھی طرح چھوڑن"۔(163)

اسی طرح یہ آیت ملاحظہ فرمائیے:

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ (الفجر:۱۳)

"وت چھٹے ماریا انہیں تے تیڈے رب سوٹا عذاب دا"(164)

مندرجہ بالا مثالوں میں چھوڑو اچھی طرح چھوڑن اور "ماریا سوٹا" فصیح ترجمہ نہیں ہے۔ "صب" کے معنی "انڈیلنے" اور "برسانے" کے ہوتے ہیں اور ان الفاظ کی بجائے سرائیکی الفاظ لائے جاتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔

سوانح مترجم

پیدائش 1954ء **رحلت: ۱۵ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ**

مفتی عبدالقادر سعیدی موضع واگھوان (ظاہر پیر) تحصیل خان پور میں 1954ء کو پیدا ہوئے (165) یہ گاؤں رحیم یار خان سے ستر کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد پیشے کے اعتبار سے بڑھئی تھے۔ آپ نے گورنمنٹ پرائمری سکول واگھوان سے ابتدائی اردو تعلیم حاصل کی۔ بعدازاں فاضل مترجم نے مدرسہ سعیدیہ کاظمیہ ظاہر پیر میں علامہ خورشید احمد فیضیؒ سے اکتساب کیا۔ اس مدرسے میں آپ نے قرآن پاک ناظرہ پڑھا عربی اور فارسی کی۔ تعلیم بھی یہیں سے حاصل کی 77-1976ء میں مدرسہ انوار العلوم ملتان میں علامہ سعید احمد کاظمیؒ سے دورہ حدیث کیا۔

علمی اورادبی خدمات

تعلیم کی تکمیل کے بعد مترجم ذی وقار نے عملی زندگی کا آغاز بطور مدرس کیا۔ 1977ء میں مدرسہ سعیدیہ کاظمیہ ظاہر پیر میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا جو دو سال تک جاری رہا پھر آپ نو سال تک مدرسہ قمر دینیہ بدر الاسلام اقبال آباد میں صدر مدرس رہے بعدازاں دربار محمد یار رحمۃ اللہ علیہ گڑھی اختیار خاں میں قائم مدرسے میں پڑھاتے رہے۔

فاضل مترجم مئی 1991ء سے مدرسہ عربیہ تعلیم القرآن غازی جامع مسجد بھونگ تحصیل صادق آباد میں مہتمم اور مدرس کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ پورے علاقے میں آپ کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ مترجم ذی وقار عالم اور فاضل ہونے ساتھ اچھے خطاط بھی ہیں ان کی خطاطی میں مہارت کا سب سے بڑا ثبوت زیر نظر موقر ترجمہ ہے۔

فاضل مترجم کی سب سے بڑی علمی کاوش قرآن پاک کا مکمل معرّیٰ ترجمہ ہے۔ اس ترجمے سے جہاں سرائیکی ادبی ادب کو فروغ حاصل ہوا ہے وہاں سرائیکی نثر کا دامن بھی وسیع ہوا ہے۔ مترجم ذی وقار نے یہ ترجمہ رقم کر کے قرآن حکیم سے والہانہ عقیدت اور اپنی مادری زبان سرائیکی سے محبت کا حق ادا کیا ہے اگرچہ یہ ترجمہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے مگر سرائیکی ادبی ادب کا قیمتی اثاثہ ہے۔ فاضل مترجم اس پر نظر ثانی اور حاشیہ رقم کر کے زیورِ طباعت سے آراستہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

مترجم ذی وقار کو سرائیکی کے ساتھ ساتھ عربی پر بھی دسترس حاصل ہے۔ 1984ء میں مدرسہ قمر دینیہ بدر الاسلام اقبال آباد میں درس و تدریس کے دوران فتح پور کمال کے مولانا محمد بخش نے آیت مباہلہ کے بارے میں سوال لکھا تو آپ نے اس آیت کی تفسیر عربی زبان میں "بے نقط" لکھ کر بھیجی۔ 1986ء میں تنظیم المدارس پاکستان کے تحت منعقدہ امتحان جسمیں 1700 علماء کرام نے شرکت کی فاضل مترجم عربی زبان میں پرچہ حل کرتے ہوئے پاکستان بھر میں اول آئے۔

مفتی ہونے کے ناطے آپ نے کئی فتوے دیے جن میں احسن الفتاویٰ اور طلاق ثلاثہ (احادیث کی روشنی میں) قابلِ ذکر ہیں۔ فاضل مترجم نے کئی رسائل بھی تحریر کیے جن میں فرقہ ناجیہ (احادیث کی روشنی میں) جسمیں 73 فرقوں کے بارے میں لکھا گیا ہے ان میں جماعت حق کونسی ہے آپ نے رسول کریم ﷺ کی بے مثلیت پر بھی ایک رسالہ تحریر کیا ہے۔

مدرسہ عربیہ تعلیم القرآن غازی جامع مسجد بھونگ صادق آباد میں درجہ عالیہ کے طلباء کو زیور تعلیم سے آراستہ کرتے رہے نماز جمعہ کی خطابت اور فتویٰ نویسی میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ تمام عمر رشد و ہدایت کے چشمے جاری و ساری رہے۔ قرب و بعد سے لوگ ان کے فیوضات سے مستفید ہوتے رہے۔

مُفسّر تراجم

سرائیکی زبان دنیا کی قدیم ترین زبانوں میں سے ایک ہے۔ یہ بڑی وقیع زبان ہے۔ اسکی قدامت، وسعت، طلاوت، لطافت، سلاست، جاذبیت، غنائیت اور سذاجت اپنی مثال آپ ہے۔ یہ زبان جتنی قدیم ہے۔ اتنا ہی اس کا دینی ادب قدیم ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی آمد کے ساتھ ہی اس زبان میں دینی ادب تخلیق ہونا شروع ہو گیا مگر سہولیات نہ ہونے کی وجہ سے وہ ذخیرہ محفوظ نہ رہ سکا۔

سرائیکی زبان میں قرآن پاک کے پہلے ترجمے کا سراغ ۱۳۱۳ھ ہجری (۱۸۹۰ء) میں ملتا ہے (166) یہ ترجمہ مولوی احمد بخش مرحوم و مغفور نے کیا جو جزوی ہے اور معرّٰی ہے۔ تاہم بعد ازاں یہ سلسلہ تادم تحریر جاری و ساری ہے۔ اس کے بعد بہت سے لوگوں نے قرآن پاک کے تراجم رقم کیے۔ جن میں سے کچھ کامل ہیں اور کچھ جزوی۔ ان تراجم میں معرّٰی، محشّی، منظوم اور مفسر شامل ہیں۔

میری تحقیق کے مطابق اب تک قرآن حکیم کے کامل مفسر تراجم کی تعداد تین ہے۔ اس سلسلے میں مولانا غلام محمد چاچڑانی نے اولین کاوش کی۔ آپ کی تفسیر کا نام "تفسیر اتالیقی بزبان سرائیکی" ہے۔ یہ بہت ہی ضخیم تفسیر ہے۔ آپ نے یہ تفسیر مدینہ منورہ (سعودی عرب) میں مکمل کی۔ یہ ابھی تک زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکی۔

سرائیکی مفسر تراجم میں دوسری بڑی علمی کاوش مولانا نظام الدین نظامی نے کی۔ آپ کی رقم کردہ تفسیر "ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی المعروف سوغات نظامی" کے نام سے موسوم ہے۔ فاضل مفسر کی زندگی نے وفا نہ کی اور آپ اسے شائع نہ کر سکے۔ ترتیب زمانی کے لحاظ سے تیسری بڑی علمی کاوش پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق شاکر کی ہے۔ آپ کا ترجمہ پانچواں، مکمل مطبوعہ ترجمہ بمعہ تفسیر ہے۔ اسے قرآن مجید کی سات منازل کے اعتبار سے سات جلدوں میں منقسم کیا گیا ہے۔

یہ مفسر ترجمہ ہر اعتبار سے انفرادیت کا حامل ہے۔ اس سے فاضل مترجم کے سرائیکی میں قرآن مجید کے تراجم سے قلبی وابستگی اور مکمل آگاہی کا پتہ چلتا ہے۔

ان تفاسیر میں فاضل مصنفین نے اپنے اپنے علاقائی لہجوں کی نمائندگی کی ہے اور اپنے تئیں سرائیکی ترجمے میں خالص سرائیکی الفاظ لانے کی شعوری کوشش کی ہے۔ ان تراجم میں سلاست روانی اور اثر آفرینی اپنی مثال آپ ہے یہ تینوں مفسر تراجم سرائیکی قرآنی ادب کا قیمتی سرمایہ ہیں۔

زیر نظر مفسر تراجم میں بہت سے اوصاف پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے دو کا خاص وصف ان کا قلمی نسخہ ہونا ہے۔ جبکہ تیسرے ترجمے کا خاص وصف یہ ہے کہ یہ سات جلدوں پر مشتمل ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق شاکر نے قرآن مجید کی منازل کے اعتبار سے سات حصوں میں منقسم کیا ہے۔

ذیل میں مذکورہ مفسر تراجم میں سے ہر ایک کا الگ الگ جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

تفسیر اتالیقی بزبان سرائیکی

مولانا غلام محمد مستوئی چاچڑانی مرحوم ومغفور

مقام تصنیف: مدینہ منورہ (سعودی عرب)　　تاریخ تصنیف: 1413 سے 1417 ہجری تک

یہ تفسیر سرائیکی قرآنی ادب کا شاہکار نمونہ ہے۔ اس سے سرائیکی دینی ادب میں بے مثال اضافہ ہوا ہے آپ کی علمی کاوش لائق صد تحسین ہے۔ آپ نے اس تفسیر کا نام "تفسیر اتالیقی" اس لیے رکھا کہ آپ کے دادا مولانا نور محمد خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کے اتالیق تھے۔ (167) زیر نظر تفسیر غیر مطبوعہ ہے اور اس کا قلمی نسخہ قصر فرید لائبریری متصل ضلع راجن پور میں موجود ہے۔ (168) یہ تفسیر مفسر ذی وقار کے اپنے قلم سے رقم کی گئی ہے۔ (169) یہ مخطوطہ ہے اور یہ مکمل قرآن مجید کا سرائیکی ترجمہ اور تفسیر ہے۔

مفسر نے اپنے ترجمے کی بنیاد مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ کے اردو ترجمہ پر رکھی ہے۔ (170) اعلم ... کی تصنیف کے مطابق مترجم ذی وقار نے قرآن حکیم کا تین زبانوں اردو، فارسی اور سرائیکی میں ترجمہ کیا۔ (171) لیکن کوشش بسیار کے باوجود سرائیکی ترجمہ کے علاوہ دوسری کسی زبان میں ترجمہ دستیاب نہ ہو سکا۔ تفسیر کا آغاز اس ... ہے۔

"شریعت کڈاں کنوں بنی، غور نال تے دل نال پڑھو"

جبکہ اس کا اختتام "دعائے ختم القرآن الکریم" کے ساتھ کیا گیا ہے۔

اس تفسیر کا مخطوط کشادہ تقطیع پر رقم ہے۔ جس کا سائز "8.5 x 11.5" ہے اور ایک صفحہ پر سطور کی تعداد ۲۳ تک ہے۔ یہ بہت ضخیم تفسیر ہے۔ اس کے کل صفحات کی تعداد ۷۹۱ ہے۔ اس تفسیر کو ۱۴۱۳ ہجری اور ۱۴۱۷ ہجری کے ... رقم کیا گیا۔ مصنف موصوف زیادہ عرصہ دیار نبی مدینہ منورہ (سعودی عرب) میں مقیم رہے اس لیے آپ نے حرم ... بیٹھ کر یہ تفسیر مکمل کی۔ مذکورہ ۷۹۱ صفحات کے علاوہ مسودے کے آغاز میں ستتر صفحات کا بسیط مقدمہ بھی موجود ہے ... آغاز میں یہ دعا رقم کی گئی ہے۔

رَبِّ يَسِّرْ وَلَا تُعَسِّرْ وَتَمِّمْ بِالْخَيْرِ

مقدمہ کا عنوان "تاریخ قدیم دی جھلک وی پڑھ ڈیکھو" تحریر کیا گیا ہے بعد ازاں درود شریف تعویذ نامہ ... حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ھود علیہ السلام اور عرب کی مختصر تاریخ بیان کی گئی ... رسول کریم ﷺ کی ولادت باسعادت مکی اور مدنی زندگی کے اہم واقعات اور خلفاء راشدین کا تذکرہ موجود ہے ... مقدمے میں علم غیب حاضر و ناظر، نعرہ یا رسول اللہ، اولیاء اللہ سے مدد مانگنا، محفل میلاد، چالیسواں، فاتحہ پڑھنا ... جنازہ، مزارات پر گنبد بنانا، مزارات پر پھول چڑھانا، اولیاء کے نام کے جانور پالنا اور عرس جیسے موضوعات پر ... گئے ہیں۔

مذکورہ مقدمہ میں تقریباً پندرہ صفحات پر تورات کے حوالے سے انبیاء کرام کے سلسلہ نسب تحریر کیے گئے ... رسول کریم ﷺ کا حلیہ مبارک، سلسلہ نسب، ازواج مطہرات کے ساتھ ساتھ سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرہ کے شان ... کیے گئے ہیں۔

صفات قرآن کریم

تنزیل الرحمن الموسوم

بہ انوار حقیقی بہ شرح اتالیقی

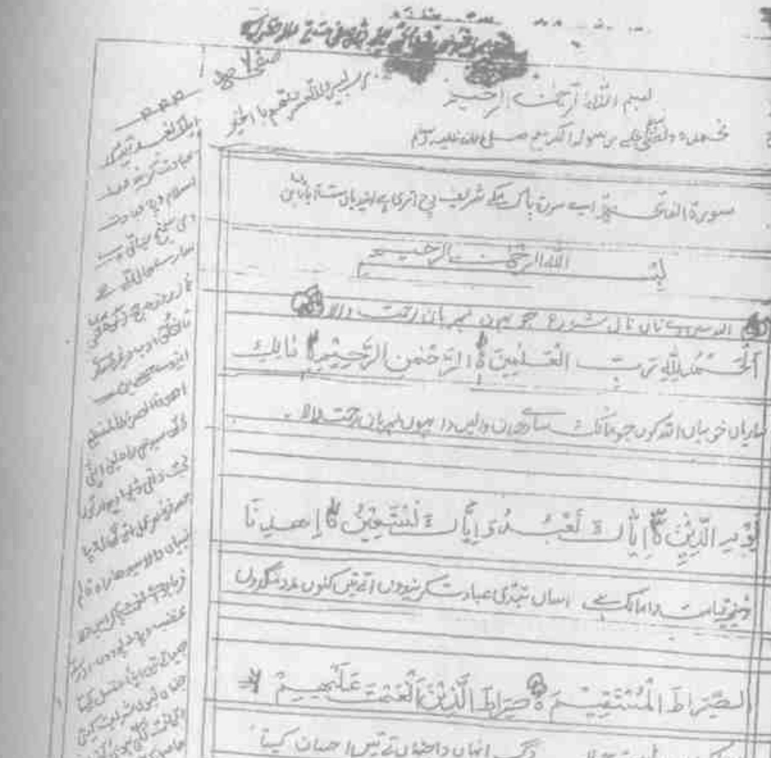
بزبان سرائیکی

[illegible]

تفسیر اتالیقی

بزبان سرائیکی

سرورق تفسیر اتالیقی بزبان سرائیکی از مولانا غلام محمد چاچڑانی


بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ الفاتحہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین ۝ الرحمن الرحیم ۝ مالک

یوم الدین ۝ ایاک نعبد و ایاک نستعین ۝ اھدنا

الصراط المستقیم ۝ صراط الذین انعمت علیہم

غیر المغضوب علیہم ولا الضالین

مولانا غلام محمد چاچڑانی کے سرائیکی ترجمے اور تفسیر کا نمونہ

طریق کار

یہ موقر ترجمہ قرآن حکیم کا بین السطور، محشی اور مفسر تراجم میں سے ایک ہے۔ اسے مولانا غلام محمد چاچڑانی مرحوم مغفور نے اپنے قلم سے مکمل قرآن پاک کا عربی متن (جلی حروف میں) اور سرائیکی ترجمہ اور تفسیر رقم کی ہے۔

تفسیر کے پہلے صفحے پر صفات قرآن کریم کے ساتھ سرائیکی ترجمے کا ماخذ مولانا احمد رضا خان صاحب کا اردو ترجمہ بتایا گیا ہے۔ آغاز میں تقریباً تیس صفحات میں شریعت کو تین طبقات:

(۱) آدمؑ سے نوحؑ تک (۲) حضرت نوحؑ سے موسیٰؑ تک اور (۳) حضرت موسیٰؑ سے رسول کریم ﷺ تک بیان کیا گیا ہے۔

اس میں حضرت آدمؑ سے لیکر رسول کریم ﷺ تک تمام انبیاء کے مختصر حالات عرب کی مختصر تاریخ رسول کریم ﷺ کی ولادت سے وفات تک کے حالات اور خلفاء راشدین کے نظام حکومت کے حالات کا اجمالی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

معلوم ہوتا ہے شروع کے یہ اسی صفحات تفسیر مکمل ہونے کے بعد رقم کیے گئے ہیں۔(172) ان میں فروعی مسائل انبیاء کرام کے شجرہ نسب تورات کے حوالے سے تحریر کیے ہیں۔ رسول کریم ﷺ کے حلیہ مبارک، ازواج مطہرات، کنیزان، اولاد رسول کریم ﷺ کا سلسلہ نسب بھی رقم کیا گیا ہے۔

سورۃ الفاتحہ کا ترجمہ و تفسیر شروع ہونے سے پہلے سورۃ ھذا اور سورۃ البقرہ کا شان نزول لکھا گیا ہے اور قرآن مجید کی ۱۱۴ سورتوں کی فہرست دی گئی ہے۔

زیر نظر تفسیر میں ہر صفحے کے بالکل اوپر سپارے کا نام سورۃ کا نام سپارے کا نمبر اور صفحہ نمبر رقم کیے گئے ہیں۔ یہ مربوط طریقہ آغاز سے اختتام تک یکسانیت کے ساتھ پایا جاتا ہے۔

ہر آیت کے اختتام پر نمبر رقم کیے گئے ہیں جبکہ رکوع کے آخر میں رکوع نمبر تحریر نہیں کیے گئے جبکہ بعد میں رکوع نمبر بھی رقم کیے گئے ہیں۔ ہر آیت کے ترجمے کے ساتھ حاشیہ اور شان نزول رقم ہے۔ مفسر ذی وقار نے اس طرح سے ترجمہ رقم کیا ہے کہ اسے محشی اور مفسر دونوں تراجم میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

فاضل مترجم نے ہر پارے کے اختتام پر تاریخ سن ہجری میں اور مقام کتابت مدینہ منورہ (سعودی عرب) تحریر کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے یہ تفسیر روضہ رسولؐ اور مسجد نبوی کے سائے میں بیٹھ کر رقم کی ہے۔

ہر سورۃ کے آغاز میں اس کا نام مکی اور مدنی ہونے کی وضاحت، آیات کی تعداد اور رکوع کی تعداد کلمات اور حروف کی تعداد بیان کی گئی ہے جیسے:

"سورۃ عبس مکی ہے۔ ایندیاں ۴۲ آیاتاں تے ہک رکوع ۱۳۰ کلمے تے ۵۳۳ حرف"(173)

زیر نظر ترجمے کے آغاز میں ستر صفحات پر مشتمل ایک بسیط مقدمہ دیا گیا ہے۔ جس میں حواشی اور افادات رقم ہیں۔ حواشی پر عنوانات رقم کیے گئے ہیں۔ تفسیر کے آغاز میں تسمیہ تحریر نہیں ہے۔ جبکہ صفحہ سترہ پر تحریر ہے۔ جبکہ ہر سورت کے آغاز میں تسمیہ اور اس کا سرائیکی ترجمہ لکھا گیا ہے۔

محاسن

زیر نظر تفسیر ایک منفرد تفسیر ہے جو مصنف موصوف نے روضہ رسول ﷺ اور مسجد نبوی کے سائے میں بیٹھ کر سعودی عرب کے شہر مدینہ منورہ میں اپنے قلم سے رقم کی ہے۔ یہ تفسیر سرائیکی قرآنی ادب کا قیمتی سرمایہ ہے جو کہ گوناگوں خوبیوں سے متصف ہے جن میں چند درج ذیل ہیں:

تفسیر اتالیقی سرائیکی زبان کے معروف لہجہ ریاسی کا نمائندہ شاہکار ہے۔ فاضل مترجم نے اس لہجے کی مٹھاس اور لطافت کو احسن طریقے سے بیان کیا ہے مثال کے طور پر اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (سورۃ الفاتحہ ۴)

''اساں ہیڈی عبادت کریندوں اے تیں کنوں مدد منگدوں''۔(174)

اس ترجمے میں ''کریندوں'' اور ''منگدوں'' ریاستی لہجے کے خوبصورت الفاظ ہیں مترجم ذی وقار نے سرائیکی زبان کی حلاوت کو پیش نظر رکھا جو اس ترجمے کا بہت بڑا وصف ہے۔

اس ترجمے کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ فاضل مفسر نے قرآنی آیات کی تفسیر اور ترجمے میں احادیث مبارکہ کے حوالے بھی درج کیے ہیں مثال کے طور پر:

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (سورۃ البقرہ:۲)

سرائیکی ترجمہ ''ایندے وچ ہدایت ہے ڈروالیں کوں''(175)

اس ترجمے کی تفسیر میں درج ذیل حدیث مبارکہ رقم کی ہے۔

''حضرت سیدنا عباس سئیں کنوں روایت ہے جو پرہیزگار او ہے جو شرک اتے وڈے گناہ توں اتے بدی کنوں بچے''

فاضل مترجم نے قرآن فہمی میں اہمیت حدیث کو سمجھتے ہوئے متعدد مقامات پر حوالے دیے ہیں۔ جس سے اس تفسیر کی اہمیت دوچند ہوگئی ہے اور قارئین کے لئے آسانی پیدا ہوگئی ہے۔

زیر نظر ترجمے کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ اس میں خالص سرائیکی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جس سے عام قارئین بھی قرآنی آیات کا مفہوم آسانی سے سمجھ سکتے ہیں مثال کے طور پر اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا (الزلزال ۱۔۲)

'جڈاں زمین کھڑیں وچ تھرتھراوی ویسے جیویں ایندا کھڑاں لوڑن ہے بھوئیں اب اتے زمین اپنے بوجھ باہر سٹیسے'(176)

اس آیت کے ترجمے میں ''کھڑاں'' اور ''بھوئیں اب'' خالص سرائیکی الفاظ ہیں۔ ایسے الفاظ کے استعمال سے جہاں فاضل مترجم کی زباندانی کا پتہ چلتا ہے وہاں عام قارئین قرآن کا ترجمہ آسانی سے سمجھ جاتے ہیں۔

فاضل مفسر کی تفسیر کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ آپ نے مختلف تفاسیر سے استفادہ کیا ہے اور تفسیر میں متعلقہ تفسیر کا حوالہ بھی دیا ہے۔ مثلاً:

۱۰ ں کے حوالے سے تفسیر "روح البیان" (177) اور سورۃ الکوثر کی تفسیر میں تفسیر ی قشیری (178)

زیر نظر ترجمے کا ایک وصف یہ بھی کہ فاضل مترجم نے قرآن پاک کے عربی متن کا بامحاورہ سرائیکی ترجمہ رقم کیا
بامحاورہ ترجمہ تحت اللفظ ترجمے کی نسبت آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے۔
مترجم ذی وقار نے بامحاورہ ترجمہ کرکے قارئین کے لیے آسانی پیدا کی ہے۔ مثال کے طور پر اس آیت کا ترجمہ
ملاحظہ فرمائیں:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (سورہ البقرہ:۲۳)

"اتے جیکر تساکوں کجھ شک ہووے ایں وچ جو اساں نے اپنے اوں خاص بندے تے لاتھا
تاں ایں وانگوں ہک سورۃ تاں گھن آوو"۔(179)

مندرجہ بالا آیت کے ترجمے میں مترجم ذی وقار نے اس طرح بامحاورہ ترجمہ کیا ہے کہ عام قاری بھی آسانی
قرآن پاک کو سمجھ سکتا ہے اور اس سے قرآن پاک کی طرف رغبت میں اضافہ بھی ہو سکتا ہے۔
اس ترجمے کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ مصنف موصوف نے قرآنی آیات کے شان نزول بھی تفصیل کے ساتھ در
کیے ہیں تا کہ قرآنی متن کے ترجمے اور تفسیر کے سمجھنے میں دقت نہ ہو۔
مثال کے طور پر سورۃ الفلق اور سورۃ الناس (معوذتین) کا شان نزول تفصیل کے ساتھ رقم کیا ہے۔ جسمیں ا
یہودی لبید بن عاصم کا رسول کریم ﷺ پر جادو کرنا اور اسی حوالے سے حضرت اسماء بنت عمیس کی روایت کردہ حدیث (جا
ترمذی) بھی درج ہے۔(180)
زیر نظر ترجمے کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ فاضل مترجم نے اسے اپنے قلم سے رقم کیا ہے اور اپنے ہاتھ سے لکھی ہو
تحریر اغلاط سے پاک ہوتی ہے۔
اس ترجمے کا ایک بہت بڑا وصف یہ بھی ہے کہ مصنف موصوف نے دیار رسول ﷺ میں اقامت کے دوران
تفسیر کی کتابت کی جو اس تفسیر کی انفرادیت بھی ہے ایسا امتیاز بہت کم لوگوں کو حاصل ہے۔
زیر نظر تفسیر کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ فاضل مترجم علم وفضل اور تزکیہ نفس کے اعلیٰ درجے پر فائز ہیں۔ ان کا مد
منورہ (سعودی عرب) میں قیام پذیر ہونا، پانچ وقت مسجد نبوی ﷺ میں باجماعت نماز ادا کرنا اور ہر وقت روضہ رسول ﷺ
کی زیارت کرنا معمولی بات نہیں ہے اس سے مترجم ذی وقار کی اللہ تعالیٰ سے محبت رسول کریم ﷺ سے عشق قرآن کریم
گہری وابستگی اور سرائیکی زبان سے محبت جھلکتی ہے۔
زیر نظر ترجمہ وتفسیر ایک شاہکار تصنیف ہے اسکی کتابت اور اس کی محنت اپنی مثال آپ ہے۔ اس سے مترجم کا
اور روحانی مقام واضح ہوتا ہے۔ یہ تفسیر کئی حوالوں سے یادگار کام ہے اور یہ کئی اعتبار سے معتبر اور منفرد تفسیر ہے۔

نقد و نظر

زیر نظر تفسیر سرائیکی دینی ادب کی یادگار تصنیف ہے جو مدینۃ الرسولؐ (سعودی عرب) میں رقم کی گئی جو اس تحریر کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ یہ تفسیر اگرچہ گوناگوں خوبیوں سے متصف ہے مگر اس میں کچھ سقم بھی موجود ہیں جن کا ذکر نہ کرنا علمی خیانت ہوگی۔

اس تفسیر کا ایک سقم یہ ہے کہ اس میں متعدد مقامات پر عربی اور فارسی کے کلمات استعمال کیے گئے ہیں، جس سے ترجمہ قدرے مشکل ہو گیا ہے۔ اور اس سے ترجمے کا حسن برقرار نہیں رہا۔

مثال کے طور پر اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰی غَضَبٍ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (البقرہ ۹۰)

"چا ہے وتی لھاوے یا غضب اُتے غضب تے لائق تھا اتے کافریں کیتے خواری وا عذاب ہے" (181)

اسی طرح ایک اور مثال دیکھیں:

قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ (الرعد: ۲۷)

"تساں فرماوو بے شک اللہ جیں کوں چاہے گمراہ کریندے"۔ (182)

مندرجہ بالا آیات کے ترجمے میں وتی، غضب، لائق، خواری، عذاب اور گمراہ غیر مانوس کلمات ہیں۔ ان کے متبادل سرائیکی الفاظ موجود ہیں۔ اگر عربی اور فارسی کلمات استعمال نہ کیے جاتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔

مترجم مرحوم و مغفور کافی عرصہ سعودی عرب مقیم رہے اور وہ عربی زبان سے بھی واقف تھے مگر بعض مقامات پر معنوی سقم پایا جاتا ہے۔ جیسے:

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ (الفجر: ۱۳)

"انہاں تے تساڈے رب نے عذاب دا سونا قوت نال ماریا"۔ (183)

اس ترجمے میں "سوط" کے معنی "سونا" درست معلوم نہیں ہوتے عربی زبان میں "عصا" کے معنی سونٹا ہوتے ہیں۔ سوط کے معنی "چابک" یا "کوڑا" ہوتے ہیں۔ فاضل مترجم نے اس بات کا خیال نہیں رکھا دوسری بات یہ ہے کہ عذاب قوت غیر سرائیکی الفاظ ہیں۔

تکرارِ لفظی معنی بھی ترجمے کے حسن کو ماند کر دیتا ہے۔ فاضل مترجم نے بعض مقامات پر اس کا خیال نہیں رکھا۔ مثال کے طور پر اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ (النبأ: ۴، ۵)

"ہاں ہاں ہُن جان گھنسن ولا ہاں ہاں جان گھنسن"۔

مندرجہ بالا ترجمے میں "ہاں ہاں" کا بار بار آنا مناسب معلوم نہیں ہوتا ایسا لگتا ہے جیسے ترجمہ عجلت میں کیا گیا ہے۔ فاضل مترجم کی ترجمہ پر گرفت کمزور ہوتی دکھائی دیتی ہے۔

زیرِ نظر ترجمے میں بین السطور ترجمہ کیا گیا ہے ایک سطر میں قرآن حکیم کا عربی متن دیا گیا ہے۔ بالکل متن کے نیچے دوسری سطر میں اس کا ترجمہ رقم کیا گیا ہے تاہم کچھ آیات کے ترجمے میں ایسا نہیں ہے جس سے قاری کو قرآنی الفاظ کے معنی سمجھنے میں دقت پیش آتی ہے۔

فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (سورۃ النازعات:۲۴)

کا ترجمہ اس آیت کے نیچے لکھنے کے بجائے سطر کے آخر میں رقم کیا گیا ہے (185) اگر اس بات کا خیال رکھا جاتا تو زیادہ صائب ہوتا کیونکہ اگر قاری کو عربی الفاظ کے نیچے سرائیکی ترجمہ نہیں ملتا تو قرآن پاک کی تفہیم آسان نہیں رہتی۔

فاضل مترجم نے خود صفحہ اول پر لکھا ہے کہ اس ترجمے کے لئے مولانا احمد رضا خان بریلویؒ کے ترجمے سے استفادہ کیا گیا ہے۔ مولانا احمد رضا خانؒ ایک مکتبِ فکر کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس لیے یہ ترجمہ ایک مکتبِ فکر کی نمائندگی کرتا ہے۔

مفسر ذی وقار نے صفحہ ۱۹ پر اولیاء اللہ سے مدد مانگنے کے حوالے قرآن و حدیث سے دیے ہیں مثلاً:

قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ

''فرمایا کون ہے جو مدد کرے میڈی طرف اللہ دے حواریں نے آکھیا اساں مدد کریسوں اللہ دے دین دی''۔

پھر ایک اور مثال دی

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

''نیک کم تے ہک ڈوجھے دی مدد کرو اتے پرہیزگاری دی اتے گناہ تے مدد نہ کرو ہک ڈوجھے دی''۔

اسی طرح محفل میلاد، فاتحہ، چالیسواں، دعا بعد نماز جنازہ، مزارات پر پھول ڈالنا اور عرس کے بارے میں لکھنے سے ایک مکتبِ فکر کی نمائندگی ہوتی ہے۔

مفسر مرحوم و مغفور نے علم غیب کے حوالے سے اپنے عقیدے کے حق میں دلائل رقم کیے ہیں اور دوسرے فرقوں کے خیالات کو رد کیا ہے۔ اسی طرح فاضل مترجم نے اپنے اوپر ایک فرقے کا لیبل لگا لیا ہے۔ اگر فروعی مسائل کو نہ چھیڑا جاتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔

فاضل مترجم نے غیر مصدقہ بیان بھی رقم کیے ہیں۔ مثلاً:

''آپ نے آنحضورﷺ کی چار کنیزوں کا ذکر کیا ہے (186) جن سے آپ تمتع فرمایا کرتے تھے۔ ان کنیزوں کے نام ماریہ، ریحانہ، جمیلہ اور نفیسہ بتائے ہیں''۔ حالانکہ تحقیق یہ ہے کہ رسول اکرمﷺ نے ماریہ قبطیہ کے علاوہ کسی سے تمتع نہیں فرمایا نہ ہی وہ آپﷺ کی لونڈی تھیں۔ (187)

زیرِ نظر ترجمے کا ایک سقم یہ بھی ہے کہ اس میں املاء کی اغلاط پائی جاتی ہیں مثال کے طور پر صفحہ ۱۵ پر حضرت زکریا علیہ السلام کا نام ''ز'' کی بجائے ''ذ'' سے رقم کیا گیا ہے جو یوں ہے ''حضرت ذکریا علیہ السلام'' جو درست نہیں ہے۔

اس تفسیر میں ایک سقم یہ بھی ہے کہ اس میں تضاد بیانی ہے رسول کریمﷺ کی ولادت صفحہ نمبر ۱۲ پر ۱۲ ربیع الاول ۲۹ اگست ۵۶۸ء درج ہے جبکہ صفحہ نمبر ۲۸ پر ۶ اپریل ۵۷۱ء رقم کیا گیا ہے۔

اگرچہ یہ تفسیر نہایت ہی محنت اور عقیدت سے تحریر کی گئی ہے۔ مگر اس سے عام قاری سے زیادہ درس نظامی کا متعلم ہی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

ولادت: 1335ھ/1904ء   رحلت: 2007ء

مقام ولادت: چاچڑاں (رحیم یار خان)   مقام رحلت: مدینہ منورہ (سعودی عرب)

مولانا غلام محمد مستوئی بستی چاچڑاں (ضلع رحیم یار خاں) میں ۱۳۳۵ء ہجری (188) (مجاہد جتوئی کے مطابق) جبکہ محمد اسلم میتلا اپنی کتاب "لعل سرائیکی دے" میں لکھتے ہیں۔

"انہاں دے بقول انہاندی پیدائش خواجہ غلام فریدؒ دے وصال دے ترے سال بعد تھئی" (189)

خواجہ غلام فریدکا انتقال ۱۹۰۱ء میں ہوا اس سے یہ معلوم ہوا کے مصنف موصوف کی پیدائش ۱۹۰۴ء میں ہوئی۔

چاچڑاں شریف کی وجہ شہرت حضرت خواجہ غلام فریدؒ کی جائے پیدائش ہے اس لئے مولانا غلام محمد نے اپنے کو چاچڑانی کہلوایا۔

مولانا غلام محمد چاچڑانی مولانا فقیر بخش چاچڑانی کے فرزند تھے جو مولانا برخوردار مرحوم و مغفور (اتالیق حضرت خواجہ غلام فریدؒ) کے بیٹے تھے آپ کے آباؤ اجداد نامور علماء میں شمار ہوتے تھے۔ اس لیے مترجم ذی وقار نے تمام تر تعلیم اپنے دادا اور باپ سے حاصل کی۔

آپ کے دادا مولانا برخوردار خواجہ غلام فریدؒ کے اتالیق تھے وہ خود بھی شاعر تھے اور خواجہ غلام فرید کو فارسی کتب پڑھائیں تھیں (190)

مولانا برخوردار دو دھہ تاجچ (لیاقت پور) سے چاچڑاں میں آباد ہوئے۔ مسجد کے امام اور خطیب رہے انہوں نے خواجہ غلام فریدؒ کا سرائیکی اور اردو دیوان ۱۳۰۲ھ میں اپنے قلم سے لکھا۔ ان کے بعد ان کے بیٹے مولانا فقیر بخش اور ان کے بیٹے مولانا غلام محمد نے قلمی دیوان فرید لکھنے کا کام جاری رکھا۔

مولانا غلام محمد چاچڑانی اپنی زمین کی دیکھ بھال بھی کرتے رہے پھر آپ کو جوانی ہی میں مدینہ منورہ جانے کی سعادت نصیب ہوئی اور بلدیہ مدینہ میں ملازمت اختیار کی وہیں سے ریٹائر ہوئے اور تادم مرگ مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہے اور ۵ ستمبر ۲۰۰۷ء میں خالق حقیقی سے جا ملے اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

علمی وادبی خدمات:

آپ ساری زندگی پڑھنے اور لکھنے میں مصروف رہے مذہب سے اس قدر لگاؤ تھا کہ چالیس حج کیے جن میں سے چھ حج پیدل کیے۔ آپ اسلامی علوم کے ماہر تھے فریدیات پر انہیں دسترس حاصل تھی۔ ماہر لسانیات کی حیثیت سے عربی، فارسی، اردو اور سرائیکی کے ماہر تھے انگلش بھی جانتے تھے۔ (191)

مولانا غلام محمد چاچڑانی کی سب سے بڑی علمی کاوش "تفسیر اتالیقی بزبان سرائیکی ہے۔ جو ۹۱۷ صفحات پر مشتمل ضخیم کتاب ہے جسے آپ نے مدینہ منورہ میں رقم کیا۔ دلائل الخیرات درود شریف کا سرائیکی ترجمہ بھی کیا۔

خواجہ غلام فرید احمد رحمتہ اللہ علیہ سے نسبت کے سبب وحدت الوجود اور ابن العربی پر گفتگو کرتے رہتے تھے۔ آپ سچے عاشق رسول تھے مدینہ منورہ کے بڑے بڑے شیوخ آپ کے پاس آتے رہتے تھے اور اپنے علم کی پیاس بجھاتے تھے

ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی المعروف سوغات نظامی

مولانا حکیم محمد نظام الدین نظامی مرحوم و مغفور

مقام تصنیف: صادق آباد (رحیم یار خاں) تاریخ تصنیف: 1980ء تا 1987ء

یہ مُفسّر ترجمہ "ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی المعروف سوغات نظامی" کے نام سے معنون ہے یہ مولانا حکیم محمد نظام الدین نظامی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے لکھا ہوا مخطوطہ ہے جو ان کے بیٹے حکیم سلطان محمود (صادق آباد) کے پاس موجود ہے (192) یہ غیر مطبوعہ کامل مفسر ترجمہ ہے جو مصنف موصوف کی گراں قدر علمی کاوش ہے۔

وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے مفسر ذی وقار دیباچہ میں رقمطراز ہیں:

"اج کل زمانیدی رفتار کردار، گفتار دی ضرورت دے تحت تفسیر حسینی فارسی دے ترجمہ زبان سرائیکی بہاولپوری دے لکھن دا خیال دامنگیر تھی پیا جو زبان سرائیکی دے بولن والے مسلمان اپنی پیاری زبان دی چاشنی چکھ کراہیں قرآن مجید دے معنی مطالب سمجھ کراہیں نور معرفت حاصل کرن دی کوشش کرن۔ اللہ تعالیٰ پڑھن والیاں کوں انھاں تر تیاں پھلیاں حرفاں دے پڑھن نال ہدایت چا عطاء فرمائے تے ایں بدکار خطا کار دو اذریعہ نجات آخرت بن ونجے"۔(193)

مترجم مزید لکھتے ہیں "جو ایہ عاجز ناچیز بسبب کمال بے بضاعتی اتے بے مائیگی دے ایہ ہوس اتے خواہش ہر گز نہیں رکھیندا جو مرے حضرات مصنفین اتے مولفین وچ شمار کیتا ونجے۔ اتے اپنی کم استعداد علمی اتے عملی دا مظاہرہ کرن نہیں چاہندا کیوں جو ایہ نالائق اہل علم اہل حلم فضل اہل وکمال دے سامنے ہک ادنیٰ مبتدی (تختی خان) دی حیثیت رکھدے"۔(194)

فاضل مترجم نے کسر نفسی کرتے ہوئے یا اعتراف حقیقت کرتے ہوئے اپنی بے بضاعتی اور بے مائیگی کا اعتراف کیا ہے یہ جذبہ قابل قدر ہے۔ اس ترجمے کی تصنیف کا آغاز ۱۰ مارچ ۱۹۸۰ء بمطابق ۲۲ ربیع الثانی ۱۴۰۰ ہجری کو کیا گیا۔ (195) جبکہ اختتام ۱۹۸۷ء میں ہوا۔(196) فاضل مترجم نے تفسیر کا آغاز اپنے عربی اشعار سے کیا ہے جنکی تعداد آٹھ ہے۔ مقدمہ میں وجہ تالیف بیان کرنے کے بعد آخر میں اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ روز قیامت اسی تفسیر کے اوراق اور رسول کریم ﷺ کی شفاعت میری بخشش کا ذریعہ بن جائے۔

زیر نظر تصنیف بہت ضخیم ہے ہر پارہ تقریباً دو سو صفحات پر مشتمل ہے یہ غیر مجلد ہے۔ ہر پارہ الگ الگ رقم کیا گیا ہے۔ تفسیر کے آخر میں ایک ضمیمہ بعنوان "در بارہ دعا" دیا گیا ہے جو چودہ صفحات پر مشتمل ہے اس میں اسلام میں دعا کا مقام بیان کیا گیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت جو دعا کی تھی اس سے لیکر قرآن حکیم میں موجود دعاؤں کا تذکرہ کیا گیا ہے اور مناجات بھی رقم کی گئی ہیں۔

یہ تفسیر تادم تحریر غیر مطبوعہ ہے فاضل مترجم و مفسر کی زندگی نے وفا نہ کی ورنہ وہ اسے زیور طباعت سے ضرور آراستہ کرتے۔ مصنف موصوف نے بہت اچھے خوشنویس تھے۔ عربی متن اور سرائیکی ترجمہ و تفسیر دیدہ زیب ہے۔

۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کاپی ۱ پارہ الم

ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی

المعروف

سوغات نظامی

سرورق ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی المعروف سوغات نظامی از مولانا محمد نظام الدین نظامی

7

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَعُوْذُ پناہ گھِندا ہاں میں اَتے التجا کریندا ہاں میں بِاللّٰہِ ساتھ
نال معبود برحق دے اتے خداوند مطلق دے مِنَ الشَّیْطٰنِ
کنوں شر وسوسے شیطان دے (جو سرکش ٹھگباز فریب ڈیون
والا ہے، یا رحمت الٰہی کنوں پرے اتے دور رہیا ہویا ہے
الرَّجِیْمِ نکالیا ہویا ہے جنت دے باغیں کنوں
یا بھجایا ہویا ہے آسماندے طبقیں کنوں)

سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃِ مَکِّیَۃٌ وَھِیَ سَبْعُ اٰیَاتٍ
سورۃ فاتحہ مکے شریف وچ نازل تھئی اتے اوہ ست آیتاں ہِن

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
شروع کریندا ہاں میں نال ناں اللہ دے جو ڈاڈھا مہربان نہایت رحم والا ہے

مولانا محمد نظام الدین نظامی کے سرائیکی ترجمے اور تفسیر کا نمونہ

طریق کار

زیرِ نظر تفسیر کو ایک مربوط طریق کار کے تحت منضبط کیا گیا ہے۔ شروع سے آخر تک یکسانیت پائی جاتی ہے۔
مترجم نے لفظی ترجمہ کیا ہے بعد ازاں آیات کی تشریح رقم کی گئی ہے اور پھر اردو، فارسی اور عربی کے اشعار تحریر کیے گئے ہیں
یہ ترجمہ بین السطور ہے لیکن ہر آیت کا الگ الگ ترجمہ ہے پہلے ہر آیت کا عربی متن دیتے ہیں پھر اس کے
لفظی ترجمہ لکھتے ہیں۔ آیات کے نمبر درج نہیں کیے گئے البتہ رکوع نمبر رقم ہیں ہر پارے کا ترجمہ و تفسیر الگ الگ ہیں۔
تحت اللفظ ترجمہ میں اس بات کا خیال رکھا گیا ہے۔ ہر عربی لفظ کے بالکل نیچے سرائیکی معنی آجائیں مثال کے طور
پر اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ (البقرہ:۱۳)

''تاں آکھدن کیا ایمان آنوں اساں جیویں جو ایمان آندے بے عقلاں''۔(197)

فاضل مترجم نے بعض مقامات پر تشریحی کلمات بھی استعمال کیے ہیں جیسے:

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ (سورۃ رحمان:۳)

''سجھ اتے چندر ہک حساب معلوم کنوں ہن اتے گھا (انگوری) اتے درخت فرمانبرداری کریندے ہن''۔(198)

اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں۔:

''سجھ (آفتاب) چندر (ماہتاب) چلدے ہن ہک حساب معلوم نال''۔(199)

فاضل مفسر نے منفرد طریقے سے تفسیر رقم کی ہے۔ پہلے قرآن پاک کا عربی متن جلی حروف میں دائیں
لفظی ترجمہ رقم کرتے ہیں پھر سرائیکی تفسیر جسمیں ابیات، نظم اور مثنوی عربی، فارسی، اردو اور سرائیکی میں قلمبند کرتے
وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (سورۃ البقرہ:۱۱۵)

''اتے واسطے اللہ تعالیٰ دے ہے مشرق اتے مغرب پچھے جیڈے منہ کروتساں پس اُدھائیں منہ اللہ تعالیٰ دا تحقیق
ہے وڈا مغفرت کرن والا جانن والا''(200)

ترجمے کے بعد راقم نے اپنے اشعار رقم کیے ہیں نمونہ ملاحظہ ہو

جن وانس وملک کا وہ ایک ہی معبود ہے — جو ہر مکاں موجود ہے جو ہر زماں موجود ہے
معرفت کا نور ہو تو ہر جگہ موجود ہے — کور چشمی میں تو پھر موجود نا موجود ہے

ان ابیات کے بعد فارسی مثنوی تحریر ہے نمونہ ملاحظہ ہو:

از نبی اَیْنَمَا تُوَلُّوْا خواں — ثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ن متمم داں
یعنی آں سو کہ روی قصد آری — تا حق بند کیش یگذاری

لفظی ترجمہ کرتے سطر کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔ ہر سطر کا ترجمہ اسی کے نیچے رقم کیا گیا ہے جیسے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ (سورۃ الذاریت:۵۶)

''اتے نہیں پیدا کیتا اساں جناں تے آدمیاں کوں مگر ایں واسطے جو عبادت کرن میڈی''(201)

ترجمے کے آخر میں ''دعا'' کے بارے میں ایک بسیط ضمیمہ رقم کیا گیا ہے۔

زیرِ نظر مفسر ترجمہ بہت سے حوالوں سے منفرد ہے۔ فاضل مترجم نے ایک فارسی تفسیر کو منتخب کرکے سرائیکی اور فارسی زبان کی خدمت کی ہے۔ تمام مفسرین نے عربی زبان سے تفاسیر لکھیں مگر آپ نے فارسی تفسیر کا سرائیکی ترجمہ کرکے نئی روایت قائم کی۔

"ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی" حکیم نظام الدین نظامی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک بہت ہی عظیم اور قابل قدر کام ہے۔ آپ نے وسعت اور ہمہ جہت خصوصیات کے ساتھ اس کو سرائیکی زبان میں ڈھالا ہے۔ آپ نے جس قدر محنت سے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے اسکی نظر نہیں ملتی اس لیے یہ بہت سی خوبیوں سے متصف ہے۔

کسی بھی مخطوطے کا اصل حسن اسکی کتابت ہوتی ہے ایسا لگتا ہے مفسر مرحوم و مغفور فن کتابت کے بہت بڑے ماہر تھے عربی، فارسی، اردو اور سرائیکی زبانوں میں آپ کی تحریر خوشنویسی کی عمدہ مثال ہے۔

اس تفسیر کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ سرائیکی زبان کے مشہور لہجے بہاولپوری / ریاستی کا شاہکار نمونہ ہے اور اس میں ریاستی لہجے کی حلاوت نمایاں ہے مثال کے طور پر اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ (سورۃ البقرہ: ۱۰۸)

"کیا چاہندو تساں ایہ جو سوال کرو پیغمبر اپنے کوں (202)

اس آیت کے ترجمے میں "چاہندو" ریاستی لہجے کا خوبصورت لفظ ہے۔ اس میں لہجے کی مٹھاس اور ادبی چاشنی اپنی مثال آپ ہے۔ فاضل مصنف نے ریاستی لہجے کی نمائندگی کا حق ادا کیا ہے۔

زیرِ نظر ترجمے کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ فاضل مترجم نے تحت اللفظ اور بین السطور ترجمہ رقم کرکے قاری کے لیے قرآنی مفہوم سمجھنے کے لئے آسانی پیدا کی ہے ہر لفظ کے نیچے اسکے معنی تحریر کیے گئے ہیں جیسے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (سورۃ القمر: ۱۵)

"اے تحقیق آسان کر ڈتا اساں قرآن واسطے یاد کرن دے پھر کوئی یاد کرن والا ہے"۔ (203)

مندرجہ بالا ترجمے میں ہر عربی لفظ کے نیچے اس کا متبادل سرائیکی لفظ دیا گیا ہے اس سے ترجمہ کو سمجھنا سہل ہو گیا ہے اور قاری کو لغت میں الفاظ کے معنی ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں رہتی اور قاری کی دلچسپی میں اضافہ ہوتا ہے۔

مترجم ذی وقار نے اس سرائیکی تفسیر میں جس قدر محنت سے کام کیا ہے ایسا کام اردو تفاسیر میں بہت کم ملتا ہے۔ آپ نے بہت ہی آسان اور خالص سرائیکی زبان استعمال کی ہے تا کہ عام خواندہ قاری بھی اس سے استفادہ کرسکیں مثلاً:

ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (سورۃ البقرہ: ۶)

"جو دھرکاؤ تساں اے محمدؐ انہاں کوں یا نہ دھرکاؤ تساں انہاں کوں او ایمان نہ ایسن"۔ (204)

اس ترجمے میں سرائیکی زبان کی بسارت نمایاں ہے۔ فاضل مترجم نے قاری کے لیے تفہیم کو آسان بنایا ہے اور اسے قرآن حکیم کی طرف راغب کرنے کی شعوری کوشش کی ہے اس سے مصنف کی زبان پر گرفت کا اندازہ ہوتا ہے۔

مصنف موصوف کی تفسیر کا ایک اہم وصف یہ ہے کہ آپ نے قرآن مجید کی مختلف آیات کے سرائیکی ترجمے کے بعد اردو، سرائیکی، عربی اور فارسی اشعار، ابیات، مثنوی، رباعی اور نظم کی صورت میں ایک مربوط طریقے کے ساتھ رقم کیے ہیں جیسے:

فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ (سورۃ الحدید:۱٦)

''تاں سخت تھی گئے دل انھاندے''۔(205)

اس آیت کی تفسیر میں مندرجہ ذیل فارسی اشعار رقم ہیں:

دلے کزنور معنی نیست روشن

مخوانش دل کہ آں سنگ است وآہن

دلے کز گرد غفلت زنگ دارد

ازاں دل سنگ وآہن ننگ دارد

قرآن پاک کی تفاسیر میں ایسی مثالیں بہت کم ہیں کہ تفسیر میں جا بجا اشعار رقم کیے گئے ہوں۔ یہ فاضل مصنف کا کمال ہے کہ انہوں نے تفسیر کے دوران ایسے خوبصورت اشعار، موقع ومحل کے ساتھ اس طرح مزین کیے ہیں جیسے انگوٹھی میں نگینہ ہو۔

زیرِ نظر ترجمے کا ایک وصف یہ ہے کہ اس میں مکمل ابلاغ موجود ہے، جس سے مترجم ذی وقار کی دونوں زبانوں میں مہارت کا پتہ چلتا ہے مثال کے طور پر اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

وَالطُّوْرِ وَكِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ (سورۃ الطور:۳۔۱)

''قسم طور سینا پہاڑی دے اتے قسم ہے کتاب لکھی ہوئی دی وچ صحیفے کھولے ہوئے دے''۔(206)

مندرجہ بالا ترجمے قاری آسانی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے کلام کے مقصد تک پہنچ جاتا ہے اور اچھا ترجمہ وہی ہوتا ہے جس میں مکمل ابلاغ موجود ہو فاضل مترجم نے ترجمے کے اس فنی اصول کو سامنے رکھ کر ترجمہ رقم کیا ہے۔

فاضل مترجم ومفسر نے اپنے قلم سے اتنی ضخیم تفسیر لکھی ہے اسکی ضخامت بھی اس کا ایک عظیم وصف ہے۔

زیرِ نظر تفسیر ایک وصف یہ بھی ہے کہ اس میں بزرگانِ دین کے اقوال کا تزکرہ بھی موجود ہے مثلاً:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (سورۃ البقرہ:۱۰)

''ڈکھاتوں اساں کوں سدھی راہ''۔(207)

اس ترجمے میں ایک قول بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں

''حضرت قطب العارفین غوث الورصلین ناصر الحق والدین خواجہ عبیداللہ قدس سرہ، ایہا دے معنی وچ ہک وڈا نکتہ اتے بہوں اچھی گالھ فرمائی اے یعنی اپنی محبت اتے مشاہدے توں مشرف فرماتاں جو اونی طرف اتے میڈے غیر دی طرف التفات (رغبت) کرن توں آزاد تھی ونجوں''

مترجم ذی وقار کا علم وفضل اور شعر وسخن میں کمال بھی اس تفسیر کا اہم وصف ہے۔ قلمی مخطوطے کے حوالے سے ''ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی'' ایک یادگار تصنیف ہے ایسے کام صدیوں بعد ہوتے ہیں خاص طور پر اس کی خوشنویسی قابلِ داد ہے اور اگر ضخامت کے حوالے سے دیکھیں تو اس قلمی نسخہ کا اتنا ضخیم ہونا مفسر کی محنت اور تبحر علمی کا مظہر ہے۔

نقد و نظر
زیر نظر مفسر ترجمہ ضخامت کتابت اور علمی و ادبی حوالے سے سرائیکی قرآنی ادب کا قیمتی سرمایہ ہے۔ یہ بہت سی خوبیوں سے متصف ہے تاہم اس میں کچھ سقم رہ گئے ہیں جن کا ذکر نہ کرنا علمی خیانت ہوگی۔ مترجم ذی وقار نے بعض مقامات پر غیر مانوس کلمات کا سہارا لیا ہے جو قاری کے لئے دقت کا سبب بن سکتا ہے مثال کے طور پر اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآئَكُمْ (سورۃ البقرہ:۸۴)

''جو نہ ہارو خون اپنے رشتہ داروں دا''۔(208)

مندرجہ بالا ترجمے میں معنوی سقم پایا جاتا ہے۔ ''تسفکون'' کا ترجمہ ''ہارو'' ذرا مشکل اور نا قابل فہم ہے ''ہارو'' کی بجائے ''وہاؤ'' ہوتا تو زیادہ صائب ہوتا ایک اور مثال دیکھیں:

يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ (سورۃ الحدید:۱۴)

''پکریسن انھاں کوں کیا نہ ہاسے اساں رلے تساڈے''۔(209)

اس ترجمے میں ''پکریسن'' کا لفظ قاری کے لئے غیر مانوس ہے۔ اگر اس کے متبادل ''سڈ مریسن'' یا ''آواز ڈیسن'' ہوتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔

اس ترجمے کا ایک سقم یہ بھی ہے کہ اس میں فاضل مترجم نے اکثر مقامات پر دو مختلف کلمات کو ملا کر لکھ دیا ہے جس سے قاری مشکل کا شکار ہو سکتا ہے مثال کے طور پر، ''قول'' اور ''دے'' کو ملا کر ''قولدے'' انھاں اور ''دے'' کو ملا کر ''انھاندے'' ''ابی'' اور ''طالب'' کو ملا کر ''ابیطالب''، ''مسلماناں'' اور ''دی'' کو ملا کر ''مسلمانا ندی'' اور ''کھاون'' اور ''والے'' کو ملا کر ''کھانونوالے'' رقم کیا گیا ہے۔ اس میں دو مختلف الفاظ کو یکجا کر کے لکھا گیا ہے جو کتابت کا ایک سقم ہے۔ نون غنہ اور نون نقطہ والی کا فرق واضح نہیں کیا گیا۔

زیر نظر ترجمے کا ایک سقم یہ بھی ہے کہ اس میں اردو الفاظ کثرت سے ہیں۔ اگرچہ فاضل مترجم نے یہ ذکر کہیں نہیں کیا کہ انہوں نے کسی اردو ترجمے کو ماخذ بنایا ہے مثلاً:

ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ (سورۃ البقرہ:۲۹)

''پھر قصد کیتا آسمان پیدا کرن دی طرف''(210)

اسی طرح ایک اور مثال دیکھیں:

وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ (سورۃ البقرہ:۲۳)

''اتے پکارو تساں حاضرین اپڑیں کوں یا تاں کوں''۔(211)

ان دونوں آیات کے تراجم میں قصد، طرف، پکارو اور حاضرین کے الفاظ سرائیکی نہیں ہیں۔ اس سے جہاں قاری کے لئے دقت پیدا ہو سکتی ہے وہاں ترجمے کا حسن بھی متاثر ہوتا ہے۔

اس ترجمے کا ایک سقم یہ بھی ہے کہ اس میں بعض عربی اشعار کی نقل بجا طور پر نہیں ہو سکی۔ مثال کے طور پر

وَفِی البحر ھمّ نظامی غریقٌ
فیا ربِّ اغفر ذنوباً کثیراً (212)

اس شعر میں "ھم" نا قابل فہم ہے۔ اگر یہ ضمیر ہے تو اس کا مضاف البحر ہوگا۔ جو مصرف بالام نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح صفحہ نمبر ۵ پر بھی عربی اشعار درست نظر نہیں آتے۔

زیر نظر ترجمے کا ایک سقم یہ بھی ہے کہ اس میں بعض مقامات پر تشریحی ترجمہ دیا گیا ہے جس سے قاری کے لیے دقت پیدا ہو سکتی ہے مثال کے طور:

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا (البقرہ:۳۸)

"اتے اکھیا اساں دوبارہ اترو تجو جنت کنوں یا آسماناں کنوں تُساں سبھ"۔(213)

اسی طرح ایک اور مثال دیکھیں۔

هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (سورۃ البقرہ:۳۷)

"او ہے توبہ دی توفیق ڈیون والا مہربان توبہ کرن والیں تے"(214)

خط کشیدہ کلمات قابل غور ہیں۔ ترجمہ نہیں تفسیر معلوم ہوتی ہے۔ یہ تشریحی ترجمہ ہے اس سے ترجمے کا حسن برقرار نہیں رہتا۔ ترجمے کا اہم وصف اختصار ہے۔ فاضل مصنف نے پیرایہ بیان میں غیر ضروری طوالت کا سہارا لیا ہے جس سے ترجمے کا مکمل ابلاغ نہیں ہو سکتا۔ اس ترجمے کا ایک سقم ابہام ہے۔ بعض آیات کا ترجمہ واضح نہیں ہے اچھا ترجمہ وہ ہوتا ہے جو عیاں اور نا قابل فہم نہ ہو مندرجہ ذیل آیات کے تراجم مبہم ہیں۔

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى (سورۃ البقرہ:۱۲۵)

"اتے پکڑ رکھو کنوں مقام ابراہیم علیہ السلام نماز دی جگہ"۔(215)

اسی طرح اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (سورۃ البقرہ۱۲۸)

"اے رب اساڈے اتے کر ڈے اساں ڈوہاں کوں ثابت اسلام تے واسطے اپنے اتے کنوں اولاد اساڈی دے ہک گروہ مطیع (فرمانبردار) واسطے اپنے"۔(216)

دونوں آیات میں لفظ "کنوں" اگرچہ سرائیکی ہے مگر ترجمہ کی تفہیم میں مانع نظر آتا ہے۔ مندرجہ بالا تراجم ابہام کا شکار ہیں۔ قاری کے لیے قرآنی آیات کی تفہیم ادق ہے جب تک ترجمہ صاف اور واضح نہ ہو اور قابل فہم نہ ہو تو وہ اچھا ترجمہ نہیں کہلاتا۔ فاضل مترجم نے اس بات کو پیش نظر نہیں رکھا۔

زیر نظر ترجمے کا ایک سقم عدم فصاحت ہے مثال کے طور پر اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ (سورۃ البقرہ۲۰)

"اتے جڈاں اندھیرا تھی ویندے اتے اُٹھاندے تاں کھڑ ویندن اتے اگر چاہے اللہ تعالیٰ جو کھس گھنے کن انہاں دے اتے اکھیں انہاں دیاں"۔(217)

اس آیت کا ترجمہ فصاحت کے معیار پر پورا نہیں اترتا "سمع" کے معنی کن (کان) اور ابصار کے معنی آنکھیں صحیح ترجمہ نہیں ہے۔ اس کے اصل معنی سنن "(سننا) کے ہیں اس وجہ سے یہ ترجمہ بعض مقامات پر عدم فصاحت کا شکار ہے۔

اگرچہ زیر نظر ترجمہ پیرایہ بیان کی طوالت، غیر ضروری تشریحی کلمات، اردو الفاظ کی کثرت، طرز تحریر کی خامیاں، ابہام غیر مانوس کلمات اور معنوی سقم کا شکار ہے پھر بھی مصنف موصوف کی محنت قرآن حکیم سے قلبی وابستگی اور مادری زبان سرائیکی سے والہانہ محبت قابل قدر اور قابل ستائش ہے۔

سوانح مترجم

ولادت: 1900ء رحلت: 1987ء

حکیم مولوی محمد نظام الدین ۱۹۰۰ء کو گوٹھ جھوڑا تحصیل صادق آباد ضلع رحیم یار خاں میں پیدا ہوئے۔(218) درس وتدریس اور طبابت آپ کا خاندانی پیشہ تھا اس حوالے سے آپ کے خاندان کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ گھر میں مذہبی ماحول ملا اس لیے دین کی طرف دلچسپی بڑھی۔ فاضل مترجم نے ابتدائی دینی تعلیم گھر سے حاصل کی بعد ازاں مدرسہ قاسم العلوم گھوٹکی (سندھ)، مدرسہ عربیہ تعلیم القرآن غازی جامع مسجد بھونگ (صادق آباد) اور ڈہرکی (سندھ) کے مدارس میں علم کے حصول میں مصروف رہے اسی دوران آپ نے عربی فاضل کا امتحان پاس کیا۔(219)

او۔ٹی۔ ٹیچر کی حیثیت سے عملی زندگی کا آغاز کیا۔ گورنمنٹ مڈل سکول میں تینتیس سال تک ہیڈ ماسٹر رہے اور اسی سکول سے ۱۹۷۸ء میں ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔ ملازمت کے ساتھ ساتھ آپ مسجد کے امام اور خطیب بھی تھے جہاں آپ لوگوں کو وعظ و نصیحت بھی کرتے تھے۔ آپ کے والد ماجد مولوی احمد دین عالم ہونے کے ساتھ ساتھ حکیم بھی تھے۔ لہٰذا مترجم نے بھی طبابت کا پیشہ اختیار کیا اور تادم مرگ اس پیشے سے وابستہ رہے۔ آپ وفاقی طبی کونسل کے منظور شدہ حکیم بھی تھے۔

مترجم ذی وقار مدرس اور عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ عربی، فارسی، اردو سرائیکی کے شاعر بھی تھے۔ علمی و ادبی محافل کا انعقاد بھی کرتے رہتے تھے آپ کو قرآن مجید سے گہری وابستگی تھی۔ اس لیے لوگوں میں اسکی تعلیمات عام کرنا آپ کی زندگی کا مقصد تھا۔ فاضل مترجم نے ۱۹۸۷ء میں وفات پائی۔(220)

عالمی اور دینی خدمات

حکیم مولوی محمد نظام الدین نظامی ممتاز عالم دین، مدرس اور طبیب تھے۔ ان شعبوں میں آپ کی بے شمار خدمات ہیں فاضل مترجم کی سب سے بڑی علمی کاوش "ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی المعروف سوغات نظامی ہے"۔ اس ضخیم تفسیر سے آپ کی قرآن مجید سے گہری وابستگی اور سرائیکی زبان سے محبت کا پتہ چلتا ہے۔ یہ تفسیر دینی ادب کا قیمتی سرمایہ ہے قبل ازیں آپ نے قرآن حکیم کا اردو ترجمہ بھی کیا۔(221) جو ہمیں دستیاب نہیں ہو سکا۔ بطور ہیڈ ماسٹر آپ نے 33 سال تک نور و معرفت کی روشنی پھیلا کر علم دوستی کا ثبوت دیا اور ہزاروں تشنگان علم کی پیاس بجھائی۔ آپ کی یہ تعلیمی خدمات مدتوں یاد رکھی جائیں گی۔

فاضل مترجم علم دین کی حیثیت مساجد میں خطابت کرتے تھے۔ لوگوں میں تبلیغ کی آپ نے امامت بھی کی۔ مسجد کے امام اور خطیب کی باتیں لوگوں کے دلوں پر گہرا اثر کرتی ہیں اس لیے آپ محلہ کے لوگوں کے لیے رشد و ہدایت کا منبع تھے اور اصلاح معاشرہ کے لیے کوشاں رہتے تھے۔

مترجم ذی وقار شاعر بھی تھے۔ آپ نے چار زبانوں عربی، فارسی، اردو اور سرائیکی میں شاعری کی جسکے جوہر آپ نے "ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی المعروف سوغات نظامی" میں دکھائے ہیں۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو چاروں زبانوں پر دسترس حاصل تھی، علاوہ ازیں آپ نے مشہور لوک داستان "سسی پنوں" کے حوالے سے سسی کے منظوم حالات رقم کیے۔ (وضاحت عرض ہے کہ مذکورہ صدر معلومات کا زیادہ حصہ ان کے صاحبزادے حکیم سلطان محمود کے ملفوظات سے ماخوذ ہے)

تیسیر القرآن (المعروف سوکھی تفسیر)

پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق شاکر

تاریخ تصنیف : 2005ء مقام تصنیف : ملتان

یہ قرآن مجید کا کامل مظہر ترجمہ ہے جو کہ قرآن حکیم کی سات منزلوں کے مطابق سات جلدوں پر مشتمل ہے۔ ہر جلد قرآن پاک کی ایک منزل پر محیط ہے۔ اس کا ٹائٹل چہار رنگا ہے اور جدید فنی مہارت اور سنہری حاشیے کے ساتھ آراستہ کیا گیا ہے ٹائٹل کے آغاز میں سورۃ القمر کی درج ذیل آیت سنہری حروف کے ساتھ رقم کی گئی ہے۔

وَ لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اس کے تفسیر ہذا کا نام "تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر" مصنف موصوف نام ڈاکٹر محمد صدیق شاکر اور ناشر "سرائیکی سدھ سراں ملتان" خوبصورت سنہری حروف میں لکھے گئے ہیں۔ یہ ایک ضخیم اور بسیط تفسیر ہے اور اس کی جلد خوبصورت اور بہت مضبوط ہے۔

اس کا سرورق نہایت خوبصورت ہے۔ گرافک پروگرام کے تحت ایک یادگار کام ہے۔ اس کی تفسیر کی کمپوزنگ جدید فنی مہارت کی عمدہ مثال ہے۔ شاہد کریم کی ذاتی دلچسپی اور محنت کی وجہ سے یہ کمپوزنگ خوبصورت اور معیاری نظر آتی ہے۔

زیر نظر تفسیر کا دیباچہ دو عنوانات کے تحت رقم کیا گیا ہے "دوپلھی گالھ" میں وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے فاضل مترجم رقمطراز ہیں:

"کلام اللہ دی ترجمانی کرݨ کوئی معمولی کم نئیں بلکہ ہوں وݙی ذمہ داری دا کم ہے۔ ایں وݙے کم دی ذمہ داری کہیں وݙے بندے کوں چاوݨی چاہدی ہئی پر کہیں وݙے بندے ایں پاسے توجہ نہ ݙتی جیکر کہیں ݙتی دی ہئی تاں ادھوری"۔(222)

"وچھیکڑی گالھ" کے عنوان سے مترجم ذی وقار لکھتے ہیں:

"قرآن مجید دی عربی عبارت کو کھولن ویلے ترے گالھیں ہر ویلے میݙے اگوں رہن۔

(۱) ہک تاں سوکھا خیال رکھے

(۲) قرآن مجید دی عربی عبارت دی ترجمانی

(۳) ترجمی گالھ ہر فرقہ واسطے قابل قبول ہووے (223)

اس کے بعد "تدریر تفسیر" کے عنوان سے تفسیر کے مضامین کی فہرست چار عنوانات ۱۔ گنتری ۲۔ سورت ۳۔ عنوان مضمون ۴۔ صفحہ نمبر کے تحت دی گئی ہے جو گیارہ صفحات پر مشتمل ہے بعد ازاں "نقشے تے نمونے" کے تحت ایک فہرست دی گئی ہے جن کی تعداد پندرہ ہے۔

زیر نظر تفسیر میں "قرآن مجید دیاں سورتاں" کے عنوان سے قرآن مجید کی سورتوں کا تعارف دیا گیا ہے۔ جس کے پانچ کالم ہیں: ۱۔ گنتری ۲۔ ناں سورت ۳۔ سورت کے نام کا سرائیکی ترجمہ ۴۔ سپارہ نمبر ۵۔ منزل کا نمبر۔ یہ تعارف چھ صفحات پر مشتمل ہے اس کے بعد ایک اور عنوان "قرآن مجید دے رکوع تے آیتاں" کے

تحت ہر سورۃ کے نام کے ساتھ رکوع اور آیات کی تعداد تحریر کی گئی ہے جو تین صفحات پر مشتمل ہے۔

''قرآن مجید دی تلاوت دے اشارے'' کے عنوان سے قاری کی سہولت کے لیے رموز و اوقاف (Punctuation) پر مشتمل اشاریہ دیا گیا ہے جو تین صفحات پر مشتمل ہے۔ اس تفسیر میں ''قرآن دی سنجان'' کے عنوان سے چودہ صفحات پر مشتمل ایک بسیط مقالہ رقم کیا گیا ہے۔ اس میں لفظ قرآن کے معنی اس کی شان اور عظمت خصوصیات لہاوت (نزول)، لکھت (کتابت)، اچھے وصف (خصوصیات) اور جوڑ (ربط) کو وضاحت سے رقم کیا گیا ہے۔

فاضل مصنف نے اشارے کے عنوان سے مآخذ کا ذکر بھی کیا ہے۔ جن سے مترجم نے استفادہ کیا۔ ان کی تعداد پندرہ ہے۔ ہر سورت سے پہلے اس کے مضامین کا تعارف ''اچھیاں گالھیں'' کے عنوان سے دیا گیا ہے۔

زیر نظر تفسیر میں قرآن پاک کا عربی متن تاج کمپنی کے مروجہ اور متداول رسم الخط میں ہے۔ ترجمہ بامحاورہ سلیس اور تسلسل کے ساتھ ہے۔ تحت اللفظ ترجمے کی روایت سے ہٹ کر ترجمہ کرتے وقت مضمون کا خیال رکھا گیا ہے۔

اس کے آخر میں قرآن پاک کے قدیم اور پرانے سرائیکی تراجم کے نمونے دیے گئے ہیں۔ بعد ازاں ''تندیر موضوعات'' کے عنوان کے تحت موضوعات کی ایک طویل فہرست دی گئی ہے جس کے چار کالم ہیں۔

۱۔ موضوعات ۲۔ تفصیلات ۳۔ سورۃ ۴۔ صفحات۔ یہ فہرست حروف ابجد کے اعتبار سے ترتیب دی گئی ہے اور یہ تیس صفحات پر مشتمل ہے۔

زیر نظر تفسیر کی پہلی جلد رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ بمطابق اکتوبر 2005ء میں سرائیکی سدھ سراں نے شائع کی یہ یوسف مرید پرنٹنگ پریس ملتان سے زیور طباعت سے آراستہ ہوئی اور اس کے تقسیم کار فاروقی کتب خانہ ملتان ہیں۔

اس تفسیر کے مصنف موصوف ڈاکٹر پروفیسر محمد صدیق شاکر مدظلہ العالی عربی زبان کا ادراک رکھتے ہیں۔ آپ عربی اور اسلامیات کے استاد ہیں۔

سرائیکی ان کی مادری زبان ہے اور سرائیکی زبان و ادب کے مطالعہ کا اچھا مذاق رکھتے ہیں۔ قرآن مجید اور اس کی تعلیمات سے گہرا تعلق بھی ہے۔ اس بنا پر قرآن حکیم کے سرائیکی زبان میں ترجمے اور تفسیر کا جو ذہنی معیار وہ رکھتے ہیں وہ ایسے ہی فاضل لوگوں کا خاصہ ہے جنہیں ڈاکٹر محمد صدیق شاکر کی طرح دونوں زبانوں پر عبور حاصل ہو۔

ایک عرصے سے سرائیکی زبان میں ایسی ہی تفسیر کی کمی محسوس کی جا رہی تھی جسے فاضل مفسر نے پورا کر دیا ہے اس کام کے سلسلے میں حوصلہ افزائی کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''میں انہاں خوش نصیب لوکاں وچوں ہاں جہاں علامہ عبدالرشید طالوت کولوں عربی تے سرائیکی وچ کم کرن دا شوق گھدا''۔(224)

اس سے فاضل مترجم کے سرائیکی میں قرآن مجید کے تراجم سے قلبی وابستگی اور مکمل آگاہی کا پتہ چلتا ہے۔ اگرچہ یہ تفسیر بہت سارے مفسرین کے بعد لکھی گئی ہے۔

دیر آید درست آید تاہم بہت اچھی کاوش ہے اور سرائیکی دینی ادب میں گراں قدر اضافہ ہے۔ یہ ایک ضخیم اور بسیط تفسیر ہے اور ترتیب زمانی کے اعتبار سے مطبوعہ کامل تراجم و تفسیر میں پانچویں نمبر پر ہے۔



سرورق تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر از پروفیسر ڈاکٹر صدیق شاکر

آیاتہا ۷ (۱) سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃِ مَکِّیَّۃٌ (۵) رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۱ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۲
مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۳ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۴
اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۵ صِرَاطَ الَّذِیْنَ
اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ ۙ۬ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۷ ع

شروع آلی ایہ سورت مکی ہے۔ ایندے وچ ہک رکوعؑ تے ست آیتاں ہن۔

شروع اللہ دے ناں نال جیڑھا بہوں مہربان تے ڈاڈھا رحم کرݨ آلا ہے۔ ﴿۱﴾ سبھے تعریفاں جہاناں دے مالک اللہ کیتے ہن۔ ﴿۲﴾ (او) بہوں مہربان تے ڈاڈھا رحم کرݨ آلا ہے۔ ﴿۳﴾ (او) بدلے دے ڈینہہ دا مالک ہے۔ ﴿۴﴾ اساں صرف تیڈی ای عبادت کریندے ہیں تے تیڈے کولوں ای مدد منگدے ہیں۔ ﴿۵﴾ ساکوں سدھی راہ تے لا۔ ﴿۶﴾ راہ انہاں لوکاں دی جنہاں تے تیں انعام کیتا۔ نہ راہ انہاں لوکاں دی جنہاں تے توں کوڑ ہیوں۔ اتے نہ (راہ) بُھلّے لوکاں دی۔ ﴿۷﴾

پروفیسر ڈاکٹر صدیق شاکر کے سرائیکی ترجمہ وتفسیر کا نمونہ

طریق کار

یہ مفسر ترجمہ سرائیکی نثر کے فروغ میں نمایاں مقام رکھتا ہے۔ یہ تقریباً 2200 صفحات پر مشتمل ایک ضخیم اور بسیط تفسیر ہے۔ جسے فاضل مصنف نے دینی جذبے کے تحت رقم کیا ہے۔ زیر نظر تفسیر کے آغاز میں دیباچہ دو عنوانات "مطلبی گالھ" اور "مچھیکوی گالھ" کے عنوان سے تحریر کیا گیا ہے۔ جس میں اس ترجمہ و تفسیر کی وجہ تالیف، غرض و غایت بیان کی گئی ہے اور ان لوگوں کا تذکرہ ہے جنہوں نے مصنف موصوف کا حوصلہ بلند کیا۔ علاوہ ازیں اولین سرائیکی تراجم کا ذکر بھی شامل ہے۔ دیباچہ میں فاضل مترجم رقمطراز ہیں:

"تفسیر دا کم استاد محترم مولوی عبدالواسع ہوراں شروع کیتا ہئی جیڑھا ادھورا رہ گیا۔ میں دراصل ہوں کم کوں پورا کرن دی کوشش کیتی ہم" (225) مترجم ذی وقار اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ میڈی کمزوریاں کوں معاف فرماوے میڈی ایں نکی جئیں محنت کوں قبول فرماوے (آمین)۔" (228)

دیباچے کے بعد "تندیر تفسیر" کے عنوان سے گیارہ صفحات پر مشتمل تفسیر کے مضامین چار کالموں میں رقم کیے گئے ہیں جن میں گنتری، سورۃ کا نام، عنوان مضمون اور صفحہ نمبر شامل ہیں۔ زیر نظر تفسیر میں "نقشے تے نمونے" کے عنوان سے ایک فہرست دی ہے جن کی تعداد پندرہ ہے۔

فاضل مصنف نے قرآن مجید کی سورتوں کی ایک فہرست مرتب کی ہے جس میں گنتری ناں سورۃ سرائیکی ترجمہ، سپارہ نمبر اور منزل نمبر کے عنوان سے پانچ کالم ہیں۔ قرآن پاک کی سورتوں کے نام کا سرائیکی ترجمہ بھی رقم کیا گیا ہے مثلاً الفاتحہ کا ترجمہ "منڈھ" البقرہ کا "گاں" المائدہ کا "کندورہ" النحل کا "ماکھی دی مکھی اور العنکبوت کا "ڈاھنہ ور" کیا گیا ہے۔ (227) بعد ازاں قرآن مجید کے رکوع اور آیات کی تعداد ترتیب توقیفی کے تحت رقم کی گئی ہے۔ فاضل مترجم نے "قرآن مجید دی تلاوت دے اشارے" قاری کی سہولت کے لیے تین صفحات میں درج کیے ہیں۔ "قرآن دی سنجان" کے عنوان سے ایک بسیط مقالہ جس میں قرآن پاک کے نزول، کتابت، اوصاف اور ربط کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔

فاضل مصنف نے "اشارے" کے عنوان سے مآخذ کی ایک فہرست دی ہے جن سے انہوں نے استفادہ کیا۔ سورت کے آغاز سے پہلے "اچھیاں گالھیں" کے عنوان سے اس سورت کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔

فاضل مترجم کے ترجمہ پیش کرنے کا طریق کار اور نشست اس طرح سے ہے کہ وہ دائیں صفحے پر عربی متن دیتے ہیں پھر اس کے نیچے رواں سرائیکی ترجمہ ضبط فرماتے ہیں۔ متن میں جتنی آیات ہوتی ہیں ان کی عددی ترتیب کے ساتھ ان کا ترجمہ آجاتا ہے۔ ہر آیت کے آخر میں اس کا نمبر درج ہوتا ہے۔ متن اور ترجمے کے بالکل سامنے والے صفحے پر آیات کی تفسیر ہوتی ہے جس کا ایک موزوں اور خوبصورت عنوان ہوتا ہے۔

دایاں صفحہ متن اور ترجمے کے لیے مخصوص ہے جبکہ بایاں صفحہ تفسیر کے لیے وقف ہے۔ بالعموم تفسیر ایک صفحے پر مشتمل ہوتی ہے اگر اسے دوسرے صفحے پر لے جایا جاتا ہے تو وہ پورے صفحے پر محیط ہوتی یوں ترجمہ اور تفسیر آمنے سامنے ہیں اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ نیا صفحہ نئے متن اور ترجمے کے ساتھ ہو اور اس کا مقابل اس کی تفسیر ہو۔

آخر میں تفسیر کے مضامین کی فہرست "تندیر موضوعات" کے عنوان سے رقم کی گئی ہے جس کے چار کالم ہیں۔ یہ فہرست حروف ابجد کے اعتبار سے ہے اور تیس صفحات پر مشتمل ہے اس سے اس تفسیر کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

محاسن

زیر نظر مفسر ترجمہ ترتیب زمانی کے لحاظ سے پانچواں مکمل مطبوعہ ترجمہ ہے جو سرائیکی زبان کے خصائص حلاوت، لطافت، سلاست، غنائیت اور وسعت سے مزین ہے۔ یہ ترجمہ کئی خوبیوں سے متصف ہے جن میں سے کچھ مندرجہ ذیل ہیں۔

اس کا پہلا وصف یہ ہے کہ یہ مکمل بامحاورہ رواں اور سلیس ترجمہ ہے۔ مثلاً اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (سورۃ الفاتحہ:۵)

''ساکوں سدھی راہ تے لا''(228)

اسی طرح اس آیت کا ترجمہ دیکھیں:

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (البقرہ:۵)

''ایجھے لوک اپنے مالک دے آکھے وچ ہن اتے ایجھے لوک تو ڑ چڑھن آلے ہن''۔(229)

ان دونوں آیات کا ترجمہ مکمل رواں ترجمہ ہے۔ تحت اللفظ ترجمہ رواں نہیں ہوتا اس لیے اس کی تفہیم آسان نہیں ہوتی جب کہ یہ ترجمہ بامحاورہ اور سلیس ہے اس لیے اس ترجمے کی افادیت بڑھ گئی ہے۔

فاضل مترجم نے اس ترجمے میں سادہ پیرایہ بیاں اور عام فہم زبان استعمال کی ہے، جس سے عام قاری بھی استفادہ کر سکتا ہے۔ اس ترجمے کا یہ وصف انفرادیت کا حامل ہے جیسے:

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ:۲۸۶)

''اللہ کہیں کوں تکلیف نی ڈیندا۔ جا، جتی کہیں دی ہڈی سہوے''۔(230)

مندرجہ بالا ترجمہ سادہ پیرایہ بیان کی عمدہ مثال ہے۔ یہ ترجمہ قاری کے لیے دلچسپی کا باعث ہے۔ فاضل مترجم نے عام فہم زبان استعمال کر کے زبان پر اپنی گرفت کا ثبوت دیا ہے اور ترجمہ کی اہمیت دوچند ہو گئی ہے۔

اس ترجمے کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ اس میں مترجم ذی وقار نے کم از کم تشریحی کلمات استعمال کیے ہیں، جس سے ترجمے کا حسن بڑھ گیا ہے اور ترجمہ کے فنی اصولوں کا تقاضا بھی پورا ہو گیا ہے مثلاً:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ
إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ (۲:البقرہ:۱۶۸)

''لوکو! زمین وچ جو کجھ حلال تے پاک ہے، کھاوو۔ شیطان دا پیرا نہ چاؤ۔ بے شک او تہاڈا اپتّا ویری ہے''(231)

مندرجہ بالا ترجمے میں فاضل مترجم نے نہایت مہارت اور اختصار کے ساتھ ترجمہ رقم کیا ہے۔ اس میں تشریحی کلمات کم از کم استعمال کیے گئے ہیں۔ ترجمے میں غیر ضروری طوالت سے گریز کیا گیا ہے اس سے مصنف موصوف کی فنی مہارت سامنے آتی ہے۔

فاضل مترجم نے عربی متن کی مکمل ترجمانی کی ہے، جس کی وجہ سے اس ترجمہ میں مکمل ابلاغ موجود ہے۔ ترجمے کا مقصد اسی وقت پورا ہوتا ہے جب متن کا اصل منشا قاری تک پہنچ جائے۔ مثال کے طور پر اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ (البقرہ:۱۸)

''ڈورے ہن، گنگے ہن، اندھے ہن اس کیتے ہن نہ ولسن پچھاں ولن جوگے نی''۔(232)

مندرجہ بالا ترجمے میں قرآن حکیم کی اس آیت کی مکمل ترجمانی موجود ہے اور اس آیت اللہ تعالیٰ جو کچھ اپنے بندے سے کہنا چاہتا ہے اس کے قاری کو مکمل ابلاغ حاصل ہو جاتا ہے اور یہ اس ترجمے کا اہم وصف ہے۔

زیر نظر ترجمے کا ایک انفرادی وصف یہ ہے کہ یہ واحد مفسر ترجمہ ہے جو مطبوعہ ہے اور کامل ہے۔ میری رسائی دو ایسے مفسر تراجم تک ہوئی ہے جو ابھی تک زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکے۔ یہ اعزاز صرف پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق شاکر کو حاصل ہے کہ ان کا یہ مفسر ترجمہ سات جلدوں پر مشتمل ہے۔

فاضل مترجم کا طریق کار کا حسن بھی اپنی مثال آپ ہے۔ شروع سے لے کر آخر تک ایک ضابطہ اور ایک ہی اصول کے تحت ترجمہ رقم کیا گیا ہے۔ تفسیر کا ہر صفحہ نئے موضوع کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔ ان موضوعات کے عنوانات بہت خوبصورت اور فصیح جیسے: ''رب دی سنجان'' موٹے دے مال دی ونڈ'' اور ''ڈکھی مسلماناں کوں ترسلا''۔

اس ترجمے کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ یہ خالص قدیم ملتانی لب و لہجے کا شاہکار ہے۔ فاضل مترجم اور ان کے خاندان کے لوگ ملتان کے پرانے باسی ہیں۔ یہ واحد کامل ترجمہ ہے جو ملتانی لہجے کی نمائندگی کرتا ہے مثال کے طور پر:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىٓ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ
مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ (البقرہ:۱۸۵)

''رمضان دا مہینا او ہے، جیندے وچ قرآن لتھا جیڑھا لوکاں کیتے ہدایت ہے اتے اوندے وچ
ہدایت تے (کوڑ سچ) دے نکھیڑے دیاں نشانیاں ہن'' (233)

''مندرجہ بالا ترجمے میں ''لتھا''، ''جیڑھا''، ''کوڑ سچ'' اور ''نکھیڑے'' ملتانی لب و لہجے کے خاص الفاظ ہیں۔ ملتان دنیا کے قدیم ترین شہروں میں شمار ہوتا ہے اس لیے اس کی زبان اور لب ولہجہ بھی انتہائی قدیم ہے۔ فاضل مترجم نے سرائیکی زبان کے قدیم اور خوبصورت الفاظ استعمال کیے ہیں۔

زیر نظر مفسر ترجمے کی یہ انفرادیت ہے کہ اس میں چارٹ، نقشے اور اشاریے دیئے گئے ہیں جو قاری کے لیے بہت ہی مفید ہیں مثال کے طور پر ''بنی اسرائیل دا بیناد ے تھل وچ رل بھل'' (صفحہ 107) غزوہ احد دا میدان جنگ (نقشہ صفحہ 373) ان نقشوں کی مدد سے قرآنی آیات کی تفہیم آسان ہو جاتی ہے۔ اس سے مفسر ذی وقار کی تاریخ پر گرفت سامنے آتی ہے۔ اس ترجمے کا ایک وصف یہ ہے کہ اس کے آغاز میں ایک جامع دیباچہ رقم کیا گیا ہے جس میں وجہ تالیف کے ساتھ ساتھ مترجم ذی وقار نے اپنے اساتذہ کا تذکرہ کیا ہے۔ قرآن کے اولین مطبوعہ سرائیکی تراجم کے بارے میں معلومات، فاضل مترجم قرآن پروفیسر دلشاد کلانچوی کے ساتھ خط و کتابت اور قرآن حکیم کا سرائیکی ترجمہ و تفسیر کرتے وقت اپنی تین ترجیحات رقم کی ہیں۔

فاضل مترجم نے آخر میں ''تندیر موضوعات'' کے عنوان کے تحت ایک فہرست مرتب کی ہے جو حروف ابجد کے اعتبار سے ہے اور تیس صفحات پر مشتمل ہے اس میں چار کالم ہیں۔ ۱۔ موضوعات ۲۔ تفصیلات ۳۔ سورت ۴۔ صفحات۔ اس طرح ہر صفحہ کے عربی متن اور ترجمہ کے سامنے والے صفحہ پر قاری کی سہولت کے لیے One Word میں موضوع کی سرخی دی گئی ہے جس سے پورے صفحے کا خلاصہ سمجھ میں آ جاتا ہے جیسے ''اللہ دی کتاب دا ایک'' (صفحہ 61) اور ''انسان تے رب رحمان''۔ (صفحہ 91) تفسیر کے موضوعات کی یہ فہرست مصنف موصوف کے ترجمے کا اہم وصف ہے جو کسی اور ترجمے میں نہیں ملتا۔

زیرِ نظر ترجمہ گوناں گوں خوبیوں سے متصف ہے۔ اس میں سلاست بھی ہے لسانی حلاوت بھی ہے۔ آسانی اور یسر کا دامن بھی ہاتھ سے نہیں چھوٹا لیکن کچھ سقم بہرحال نظر آتے ہیں جن کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

ایک بڑا سقم تو یہ ہے کہ قاری متن اور ترجمے کو ساتھ ساتھ نہیں پڑھ سکتا پہلے اسے لامحالہ طور پر عربی متن پڑھنا پڑے گا پھر نیچے اس کا ترجمہ تلاش کرنا پڑے گا اس سے قاری کو دقت پیش آسکتی ہے۔ جب کہ تحت اللفظ اور بین السطور ترجمے میں ایسا نہ ہوتا ہے قاری ایک ہی نظر میں عربی متن کے ایک ایک لفظ کا ترجمہ معلوم کر سکتا ہے۔ ایسا قاری جو ہر لفظ کے سرائیکی معنے جاننا چاہتا ہے اس کی تشنگی برقرار رہے گی۔

ایک سقم یہ بھی ہے کہ فاضل مترجم کا تعلق کسی خاص مکتبِ فکر سے نہیں (جس کا انہوں نے اپنے ترجمے کے دیباچے میں ذکر کیا بھی ہے) اور نہ ہی وہ کسی درسِ نظامی کے شعبے سے وابستہ ہیں۔ اس لیے ان کے ترجمے کو عام پذیرائی نہیں مل سکے گی۔ دھڑے بندیوں کے اس دور میں فاضل مترجم کا یہ انداز مقبول نہیں اگر وہ کسی نہ کسی دھڑے سے وابستہ ہوتے تو ترجمہ کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا اور قارئین کی شرح میں بھی کثرت آتی۔

زیرِ نظر ترجمے کا ایک سقم یہ بھی ہے کہ اس کا انداز عالمانہ نہیں عامیانہ ہے۔ ترجمے کے الفاظ عام فہم ہیں۔ سرائیکی کے ادق اور پرشکوہ کلمات نہیں جس سے وہ عالمانہ اور ادیبانہ اسلوب نہیں بنتا۔ اس سے قاری کے لیے تو آسانی ہو گئی ہے لیکن سرائیکی ادیبوں کے ہاں شاید اس اسلوب کی پذیرائی نہ ہو۔

اس ترجمے کا ایک سقم یہ بھی ہے کہ خاص ملتانی شہری لہجہ میں ہے۔ فاضل مترجم کا تعلق چونکہ ملتان کے قدیم خاندان لنگاہ سے ہے کٹر ملتانی اور شہری ہونے کی وجہ سے سرائیکی کے ٹھیٹھ الفاظ ترجمہ موصوف میں جگہ نہیں پا سکے۔ زبان کی صحت اور سلامتی شہر سے زیادہ دیہات میں ملتی ہے۔ بدویت ہر زبان کا ایک حسن ہوتا ہے جو یہاں نظر نہیں آتا۔

ترجمہ موصوف کا ایک سقم یہ بھی ہے کہ ترجمہ کسی خاص لہجے کا ترجمان نہیں ریاستی، ڈیروی، پوٹھوہاری اور جھنگوی لہجوں کا ایک ملغوبہ ہے۔ ایک بے قاعدہ سرائیکی لہجہ جسے شہری لہجہ تو کہہ سکتے ہیں مکمل ملتان لہجہ نہیں جسے آمیزش سے پاک لہجہ نہیں کہہ سکتے دوسرے لہجوں کے اثرات جگہ جگہ نمایاں ہوتے ہیں۔ بس ایک پڑھے لکھے ملتانی شہری کا لہجہ ہے اسے شاید دوسرے لہجوں کے رسیا پسند نہ کریں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مترجم ذی وقار کے ترجمہ کو یہ انفرادیت حاصل ہے کہ وہ ملتانی لہجے کا واحد ترجمان ہے۔ اس وقت جتنے مکمل تراجم موجود ہیں۔ ان میں ملتانی لہجے میں طبع آزمائی کرنے والے صرف وہی ہیں۔ باقی مترجمین سرائیکی کے دوسرے لہجوں سے متعلق ہیں۔ ملتانی لہجے میں صرف یہی ترجمہ ہے۔

لیکن اسے ملتانی لہجے کا ترجمان نہیں کہا جا سکتا جیسے خان محمد لسکانی کے ترجمے کو ڈیروی اور پروفیسر دلشاد کلانچوی کے ترجمے کو ریاستی لہجے کو یہ وصف حاصل ہے کہ ان کے ترجمے ان کے مخصوص لہجے کے ترجمان ہیں۔

سوانح مترجم

ولادت 1941 بقید حیات ہیں

پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق شاکر 11 نومبر 1941 کو کوٹلہ تولے خان (کوٹلہ تغلق خان) ملتان میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق لنگاہ (لاہوری) خاندان سے ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد رنجیت سنگھ کے زمانے میں ملتان آئے۔ کنویں پر ایک مسجد تعمیر کی جو مسجد لاہوریاں کے نام سے مشہور ہے۔ فاضل مترجم کے دادا حاجی نبی بخش نامور عالم دین بھی تھے ان کی بہت بڑی ذاتی لائبریری تھی آپ کے والد محمد شاکر کپڑے کی تجارت سے منسلک تھے۔

آپ فرماتے ہیں؛

''میں نے جب شعور کی آنکھ کھولی میرے اردگرد کتب ہی کتب تھیں۔ گھر میں صرف ایک ہی کشادہ کمرہ تھا۔ جس کے اندر چاروں طرف دیوار گیریں نصب تھیں۔ جن پر بڑی خوبصورتی کے ساتھ چرمی پشتے والی بڑے سائز کی کتب سجی تھیں۔ گھر میں برتنوں سے زیادہ کتابیں نظر آتی تھیں۔ یہی ہمارا موروثی ورثہ تھا۔ میرے والد صاحب اگرچہ تاجر پیشہ تھے مگر سیاست اور طبابت ان کے مشاغل تھے اور علم و ادب سے گہرہ شغف رکھتے تھے۔ اقبالیات ان کا چہیتا موضوع تھا۔ کلام اقبال جھوم جھوم کر پڑھتے تھے۔ بیشتر کلام نوک زبان تھا۔ سرائیکی شاعری سے بھی ان کا دلی لگاؤ تھا۔ شعر و سخن سے دلچسپی مجھے انہیں سے ملی۔

میری ذہنی تربیت میں جہاں میرے والد بزرگوار کا حصہ ہے وہاں میرے عظیم اساتذہ کا بھی ہے۔ مولانا عبدالواسع صاحب جن سے میں نے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھا اور علوم عربیہ کے درس سنے وہ میرے سب سے بڑے مربی ہیں۔ انہوں نے میرے دل میں عربی زبان و ادب کا ذوق اجاگر کر دیا۔ سرائیکی کے ساتھ لگاؤ مجھے مولانا عبدالرشید طالوت کی صحبت سے حاصل ہوا۔''

مترجم ذی وقار نے ملت ہائی سکول ملتان سے میٹرک 1958ء میں کیا۔ گورنمنٹ ایمرسن کالج ملتان سے انٹرمیڈیٹ 1960ء اور گریجویشن 1962ء میں کی اور اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی سے 1964ء میں ایم اے عربی کیا بعد ازاں ایم اے اسلامیات 1965ء، ایم اے اردو 1966ء اور ایم اے تاریخ 1967ء میں کیا پھر پنجاب یونیورسٹی لاہور سے 1992 میں Ph.D کی ڈگری حاصل کی۔

عملی زندگی کا آغاز بطور لیکچرر عربی/ اسلامیات ولایت حسین اسلامیہ کالج ملتان سے 1965 میں کیا پھر 1967 میں مرے کالج سیالکوٹ میں عربی/ اسلامیات کے استاد مقرر ہوئے بعد ازاں 1973 میں گورنمنٹ ملت کالج ملتان میں درس و تدریس سے منسلک ہو گئے اور 2001 میں اسی کالج سے ریٹائرڈ ہو گئے۔

علمی و ادبی خدمات

فاضل مترجم کثیر التصانیف مصنف ہیں اب تک آپ پچاس سے زائد کتب لکھ چکے ہیں۔ جو مختلف موضوعات پر ہیں۔ آپ کی سب سے بڑی علمی اور دینی کاوش "تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر" ہے جو قرآن پاک کا مکمل سرائیکی ترجمہ اور تفسیر ہے یہ تفسیر سات جلدوں پر مشتمل ہے۔

بطور سیرت نگار آپ نے چھ سے زائد ضخیم کتب تصنیف کیں اور صدارتی ایوارڈ حاصل کیے ان میں "سئیں سوہنڑیں دی سیرت" 1995ء، "سئیں سوہنڑیں دا خلق" 1996ء، "سئیں سوہنڑیں دا ذکر" 1997ء، اس کتاب کو دو مرتبہ ایوارڈ ملا۔ "سئیں سوہنڑیں دا کمال" 1998ء، "سئیں سوہنڑیں دا جمال" 1999ء، "سئیں سوہنڑیں دا جلال" 2000ء، "سئیں سوہنڑیں دی سنجانڑ"، "ذکر نبیؐ اپڑیں وچ"، "ذکر نبیؐ اور پریں وچ" اور "ذکر نبیؐ پہلے نمیاں وچ" ایک ہی جلد میں "سئیں سوہنڑیں دا ذکر" کے نام سے مطبوعہ ہیں۔ "نکیاں دیا وڈیاں گالھیں" (بچوں کے لیے سرائیکی سیرت کی کتاب) اور "سئیں سوہنڑیں دے فرمان" زیر طبع ہیں۔

انبیاءؑ سیریز کے حوالے سے "پاکیزہ کہانیاں" کے عنوان سے انبیاءؑ کے قصے رقم کیے۔

سیرت سیریز کے عنوان سے آپ کی اردو تصانیف درج ذیل ہیں۔ بچوں کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم، دل کی باتیں، کردار کی مہک، تنگ آمد بجنگ آمد، آستین کے سانپ، دہشت گردی کا صفایا، اندھیرا اور اجالا، اشک پاک، سفر وسیلہ ظفر، سچائی کا جادو، الذکر الرفیع، توبہ کی حقیقت، نکات حیات، حکایات عجب۔

صحابہؓ سیریز کے عنوان سے آپ نے درج ذیل کتب تصنیف کیں۔ انصار کا ایثار، مہاجرین کا وقار، نرالے لوگ، انوکھی باتیں، فقر بوذرؓ، صدق سلمانؓ، زور حیدرؓ، سوز صدیقؓ، عشق بلالؓ، موج غم، شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن، تقیبان وفا، سوز جگر اور خون جگر۔

فاضل مترجم کی سرائیکی تصانیف میں "سئیں وڈا" (قائد اعظمؒ کے سوانح حیات)، سرائیکی ادبی سنگھار (گرائمر اور بلاغت) اور ہنجوں ہٹ ہٹ (سرائیکی افسانے) شامل ہیں۔

متفرق کتب میں "تلمیحات فرید" اور "اقبال اور قرآن" آپ کی گراں قدر اور قابل ستائش کاوشیں ہیں۔ علاوہ ازیں "کھلدیاں کلیاں" بھی آپ کی یادگار تصنیف ہے۔

درسی کتب کے حوالے سے متعدد کتب تصنیف کیں۔ انٹرمیڈیٹ کے لیے تاریخ اسلام سال اول (معروضی و انشائی)، تاریخ اسلام سال دوم (معروضی و انشائی) اسلامیات لازمی (معروضی و انشائی) اسلامیات اختیاری سال اول (معروضی و انشائی)، اسلامیات اختیاری سال دوم (معروضی و انشائی)، عربی سال اول (معروضی و انشائی)، عربی سال دوم (معروضی و انشائی)۔

بی اے کی کتب میں اسلامیات لازمی (بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان)، اسلامیات لازمی (اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور) اور عربی آپشنل شامل ہیں۔

علمی وادبی خدمات/مصروفیات

پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق شاکر اپنی علمی وادبی ذوق کی تکمیل کے لیے 1985ء میں "سرائیکی سدھ سراں" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔

اس کے مقاصد میں "سرائیکی علم وادب کا فروغ اور سرائیکی جسے ڈوہڑے اور مرثیے کی زبان سمجھا جاتا تھا، اسے علمی زبان کا مقام دلانا"۔ اس ادارے کے قیام سے فاضل مترجم قرآن پروفیسر عطا محمد دلشاد کلانچوی بہت خوش ہوئے اور انہوں نے اپنے ایک خط میں لکھا:

"کھٹ گھدے وے، تاں وی سونھڑاں کم وی سونھڑاں"

پروفیسر دلشاد کلانچوی کی دعا اور تاثرات سے فاضل مفسر کی کارکردگی کو جلا ملی۔

فاضل مترجم وسیرت نگار نے ایک اور ادارہ "اکادمی سیرت" کے نام سے 1992ء میں قائم کیا اس ادارے کا اہم مقصد سرائیکی اور اردو زبان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ، اور اولیاء عظام کی سیرت کو اجاگر کرنا ہے۔

فاضل مترجم شب وروز طالب علموں خصوصاً Ph.D کے سکالرز اور تشنگان علم کی پیاس بجھانے اور آبیاری کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔

علم وفضل اور تزکیہ نفس آپ کی شخصیت کے اہم اوصاف ہیں آپ اساتذہ کرام اور اپنے شاگردوں کی علمی وادبی معاونت میں ہر وقت مصروف نظر آتے ہیں۔

ایوارڈز/اعزازات:

آپ کی کئی کتب کو ایوارڈز ملے۔ پانچ مرتبہ صدارتی ہجرہ ایوارڈ صدر پاکستان غلام اسحٰق خان، فاروق لغاری، رفیق تارڑ اور پرویز مشرف سے وصول کیے۔

فاضل مترجم نے اپنی علمی وادبی کاوشوں کی وجہ سے "مسعود کھدر پوش ایوارڈ" پانچ مرتبہ حاصل کیا۔ یہ بہت بڑے اعزازات ہیں۔ جو آپ کو نصیب ہوئے۔

مصنف موصوف کا تعلق ایک علمی خاندان سے ہے۔ ان کے دادا محترم بہت بڑے عالم دین تھے۔ انہوں نے اپنے پیچھے ایک بہت بڑا علمی سرمایہ کتابوں کی شکل میں چھوڑا۔ جن کی تعداد سینکڑوں میں تھی۔

قرآن، حدیث، فقہ اور متفرق موضوعات پر یہ کتابیں موجود تھیں۔ "تاج العروس شرح القاموس" جیسی قیمتی کتب اس خزینہ علمی میں موجود تھیں۔

تفاسیر میں "الکشاف بیضاوی، جلالین اور روح المعانی وغیرہ دستیاب تھیں۔

نورالایمان (سرائیکی ترجمہ قرآن پاک)

ملک ریاض شاہد

تاریخ کتابت: 08-2007ء　　　مقام کتابت: بہاولپور

قرآن مجید کے کامل سرائیکی تراجم میں ایک منفرد ترجمہ ملک ریاض شاہد کی تصنیف ہے۔ جو "نورالایمان" کے نام سے معنون ہے۔ مصنف موصوف ایک اچھے کاتب ہیں۔ انہوں نے وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے کہا:

''میں چھوٹے قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا تو میرے دل میں خیال آیا کہ یہ تو ایک چھوٹا سا قرآن ہے کیوں نہ ایک بہت بڑا قرآن ہو''۔(234)

چنانچہ آپ نے "36 x "23 سائز کے آرٹ کارڈ پر عربی کتابت شروع کی تا کہ ایک بڑے سائز کا قرآن مجید سامنے آئے۔ تیس پاروں کی کتابت مکمل کرنے کے بعد آپ کو اس کلام مقدس کا سرائیکی ترجم رقم کرنے کا خیال دامن گیر ہوا۔ بعدازاں آپ نے مولانا رضاء المصطفیٰ سعیدی کے اردو ترجمے "نورالایمان" کو سرائیکی میں ڈھالا۔(235)

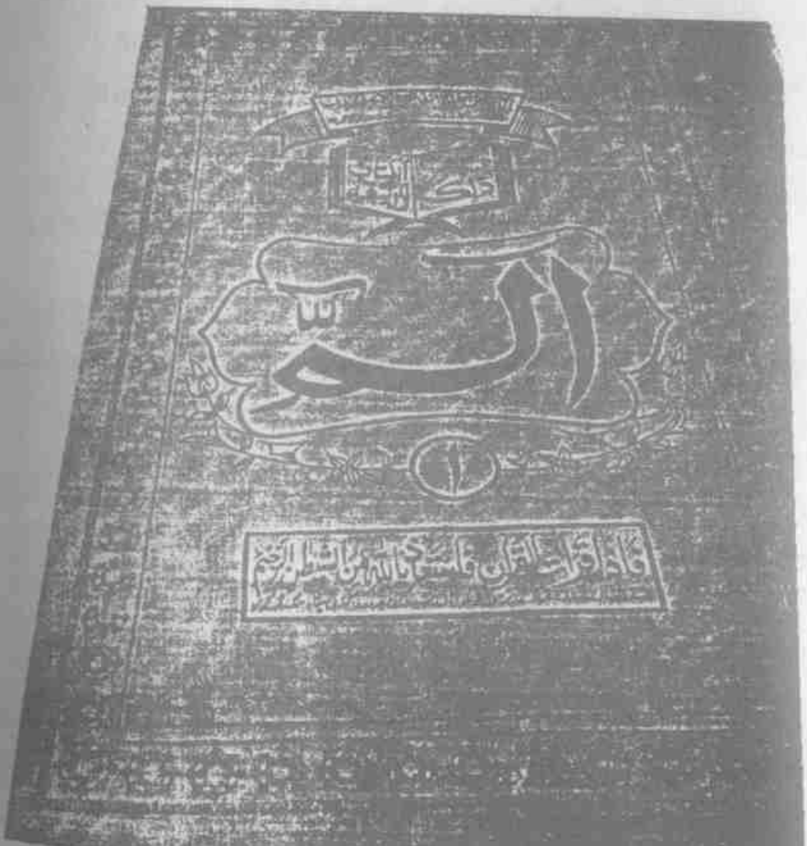
یہ قرآن مجید چھتیس انچ لمبے اور تئیس انچ چوڑے سائز کے آرٹ کارڈ کے دونوں طرف کتابت کیا گیا ہے۔ یہ 841 (آٹھ سو اکتالیس) کارڈز پر تحریر کیا گیا۔ اس طرح سے کل صفحات کی تعداد 1682 (ایک ہزار چھ سو بیاسی) بنتی ہے۔ ہر پارہ الگ الگ کم خواب کے سرخ رنگ کے خوبصورت جلد کے ساتھ مزین ہے۔ ہر پارے کے زیادہ تر 56 صفحات ہیں۔ بعض پاروں کے صفحات 56 اور 60 کے درمیان بھی ہیں۔ اس قرآن مجید کا وزن تقریباً تیرہ من ہے۔

مترجم نے اس کی کتابت کا آغاز بروز جمعرات 19 جنوری 2007ء کو شروع کیا اور چودہ ماہ کی شب و روز کی محنت کے بعد 16 مارچ 2008ء کو مکمل ہوا۔ مترجم کا کہنا ہے کہ وہ چوبیس گھنٹوں میں سے اٹھارہ گھنٹے کام کرتے تھے۔ صرف چھ گھنٹے آرام کرتے تھے (236) مصنف نے مزید بتایا کہ اس نیک کام میں میرے والد صاحب ملک ممتاز احمد زاہد (جو صحافی، خطاط، ڈرامہ نگار، ادیب اور شاعر ہیں) میری حوصلہ افزائی اور میری مالی مدد بھی فرمائی، بڑے بھائی ملک اعجاز پنٹر اور ملک غلام یسٰین اختر نے بھرپور معاونت کی۔ اس کے علاوہ اس کام کو دیکھنے والوں نے اس کی خوب پذیرائی فرمائی اور مالی معاونت سے بھی سرفراز فرمایا۔

بقول ملک ریاض شاہد وہ کتابت کے دوران دعا کیا کرتے "اے میرے اللہ اس کام کی تکمیل تک مجھے زندگی کی مہلت دینا"۔ انہوں نے قرآن لکھتے وقت درود شریف کا ذکر جاری رکھا۔ وہ اسے چھوٹے سائز میں چھاپنا چاہتے ہیں۔

اس کی کتابت کے لئے بانس کے چار قلم استعمال ہوئے جو فاضل مترجم نے خود بنائے۔ اعراب کی درستی مفتی فیض احمد سعیدی (خان پور نورنگا) نے کی۔ اس کے ہر صفحے پر 9 سطور ہیں۔ ہر سطر کے عربی متن کے بیک گراؤنڈ میں خانہ کعبہ اور مسجد نبوی کا عکسی خاکہ ہے۔ تمام صفحات کی لیمینیشن کروائی گئی ہے۔ ہر پارہ چھپن سے ساٹھ کے درمیان صفحات پر مشتمل ہے۔ جنہیں خوبصورت بردار قرمزی عنابی رنگ کے کپڑے کے ساتھ جلد کیا گیا ہے جو نہایت دیدہ زیب ہے۔

مترجم قرآن "نورالایمان" ابھی تک مخطوطہ ہے۔ قلمی ہے۔ تا حال اس کی طباعت کا کوئی اہتمام نہیں۔ اس عظیم کام کو زیور طباعت سے آراستہ کرنے کے لیے زر کثیر کی ضرورت ہوگی۔ جس کا مترجمین کے پاس سر دست کوئی بندوبست نہیں۔ بقول مترجمین جیسے ہی وسائل نے اجازت دی وہ اسے افادہ عام کے لئے چھوٹے یا بڑے سائز میں چھاپ کر منصہ شہود پر لائیں گے۔



سرورق نورالایمان قرآن پاک دا سرائیکی ترجمہ از ملک ریاض شاہد



ملک ریاض شاہد کے سرائیکی ترجمے کا نمونہ

طریق کار

قرآن مجید مسلمانوں کی مقدس کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اکرم ﷺ کے ذریعے انسانیت کے لئے عظیم تحفہ کے طور پر اتاری گئی۔ آپ ﷺ نے نہ صرف قرآن مجید کو سینہ مبارک میں محفوظ رکھا تھا بلکہ صحابہ کرامؓ نے بھی اس خزانے کو لکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے سینوں میں سجا دیا اور پھر یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

ملک ریاض شاہد بنیادی طور پر کاتب ہیں۔ لہٰذا وہ کتابت کے سارے رموز جانتے ہیں۔ انہوں نے کتابت کا جو انداز اپنایا وہ نہایت دلکش اور دیدہ زیب ہے۔ یہ قرآن مجید قلمی مخطوطہ ہے۔ اس کے عربی متن اور سرائیکی ترجمے کا طریق کار دوسرے تراجم سے مختلف ہے۔ جیسے یہ دوسرے تراجم سے ہر حوالے سے منفرد ہے ویسے ہی اس کا طریق کار بھی منفرد ہے۔

اس قرآن پاک کے سولہ سو بیاسی صفحات ہیں اور ایک صفحہ پر نو سطور ہیں۔ قرآن مجید کا عربی متن بہت ہی خوبصورت، جاذب نظر کتابت کے ساتھ جلی حروف میں رقم کیا گیا ہے۔ عربی متن کے نیچے موٹے حروف میں سرائیکی ترجمہ تحریر کیا گیا ہے۔ ترجمہ سطر کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ کہیں کہیں سرائیکی ترجمہ دوسری سطر میں بھی چلا جاتا ہے اور یہ بین السطور ترجمہ ہے جیسے:

يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ (۱۰۱:القارعۃ:۴)

''جیں ڈینہہ آدمی ہوسن جیوں کھنڈیے پتنگے''۔(237)

عام طور پر ہر آیت کا ترجمہ اس کے نیچے رقم کیا گیا ہے۔ جو مجوزہ بین السطور تراجم میں پایا جاتا ہے۔

یہ قرآن مجید الگ الگ تیس پاروں میں خوبصورت اور مضبوط جلد کے ساتھ مزین ہے۔ ہر پارہ چھپن سے ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ اکثر پاروں کے صفحات چھپن ہیں۔ اس قرآن مجید کا تمام عربی متن بانس کی لکڑی سے تیار کردہ قلم سے لکھا گیا ہے۔ اس میں ترجمہ کرتے وقت سورتوں کا اعتبار نہیں رکھا گیا اور نہ ہی رکوع کا۔ صفحے اور سطر کے فرق کو بھی پیش نظر نہیں رکھا گیا۔ ہر سطر میں آٹھ سے دس کلمات ہیں۔

مترجم موصوف نے لفظی ترجمہ کیا ہے جو کہ آسان سرائیکی زبان میں ہے اور عام قاری کو مفہوم سمجھنے میں دقت پیش نہیں آتی۔ مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۱:۱الفاتحہ:۱)

''ساریاں خوبیاں اللہ کوں جہڑا مالک سارے جہان والیاں دا''۔(238)

ترجمہ کرتے وقت مترجم ذی وقار نے اگر سطروں اور آیات کا اعتبار نہیں کیا لیکن جہاں نئی سورۃ کا آغاز ہوتا ہے اسے نئے صفحے کی بجائے نئی سطر سے آغاز کیا گیا ہے۔ سورۃ کے آغاز سے پہلے سورۃ میں موجود آیات کی تعداد سرائیکی میں بتائی جاتی ہے۔ اور رکوعات کی تعداد بھی بتائی جاتی ہے۔ پھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور اس کے بعد آنے والی سطر کو ذرا نمایاں کیا جاتا ہے۔ باقی متن سے یہ دو سطور زیادہ جلی اور عیاں ہوتی ہیں۔

کیونکہ پورا قرآن مجید ایک جیسے صفحات پر مرقوم ہے اور ہر صفحہ خوبصورت حاشیے کے ساتھ مزین ہے اس لیے صفحہ بھی جس سے سورۃ کا آغاز ہوتا ہے وہ بھی خوبصورت حاشیے سے آراستہ ہوتا ہے۔ یہی حال پارے کے پہلے صفحے کا ہوتا ہے۔ مترجم ذی وقار متن اور ترجمے میں جس کا سب سے زیادہ خیال رکھا ہے وہ خوبصورتی ہے۔

محاسن

قرآن مجید کا یہ قلمی مخطوطہ جو مترجم کے قلم سے رقم کیا گیا ہے۔ یہ قرآن مجید کا نواں کامل سرائیکی ترجمہ ہے۔ جو گوناگوں خوبیوں سے متصف ہے۔ اس میں سرائیکی زبان کے اوصاف بھی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً حلاوت، لطافت، سلاست، روانی، مٹھاس، ادبی چاشنی اور وسعت وغیرہ۔ ذیل میں اس ترجمے کے چند محاسن کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

زیر نظر ترجمے کا پہلا وصف یہ ہے کہ اس کی کتابت کشادہ ہے قاری کو پڑھنے میں دقت نہیں ہوتی۔ جلی حروف کی وجہ سے اس کا حسن اور بڑھ گیا ہے۔ یہ تحریر خوش منظر ہے جسے دیکھ کر دل خوش ہوتا ہے۔

اس ترجمے کا دوسرا وصف یہ ہے کہ اس کی زمین سبز رنگ ہے۔ جس پر قرآن مجید کا عربی متن رقم کیا گیا ہے اور متن کی ہر سطر کے پاس منظر میں مسجد نبوی اور خانہ کعبہ کا عکسی خاکہ دیا گیا ہے۔ اس لیے جاذب نظر ہے اور دلوں کو موہ لیتا ہے۔

ترجمہ میں اردو، فارسی اور عربی کے الفاظ بہت زیادہ ہیں۔ اور سرائیکیت بھی کم ہے لیکن بایں ہمہ اسکی اپنی ایک انفرادیت ہے جو دوسرے تراجم میں نہیں ملتی وہ یہ کہ اس کا عربی متن اور سرائیکی ترجمہ بہت روشن اور بالکل واضح ہے۔

ملک ریاض شاہد کے ترجمے کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ ہر عمر کا قاری استفادہ کر سکتا ہے۔ بچہ، بوڑھا اور جوان بھی، مبتدی بھی اور منتہی بھی۔ سب اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اور یہ اسی نیک دینی جذبے کے تحت رقم کیا گیا ہے۔

زیر نظر ترجمہ ایک نادر قرآنی نسخہ ہے۔ اس کی خوشنمائی دیکھ کر اسے پڑھنے کو دل کرتا ہے اور پڑھتے وقت دل چاہتا ہے کہ یہ نظروں سے اوجھل نہ ہو۔ یہ بھی اس ترجمے کا ایک خاص وصف ہے۔

''نورالایمان'' کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ یہ زیارت گاہِ خلائق ہے۔ لوگ دور دور سے اس کی زیارت کے لئے آتے ہیں کیونکہ اس ترجمے میں وہ ندرت پائی جاتی ہے۔ جو دوسرے تراجم میں موجود نہیں۔ یہ ظاہری اور باطنی دونوں خوبیوں سے آراستہ ہے۔ اس لحاظ سے اس کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔ ایک طرف وہ عجیب وغریب سائز میں ہے دوسرا ترجمہ سرائیکی میں کیا گیا ہے تیسرا دیدہ زیب ہے چوتھا تمام قرآن مجید کے صفحات منقش ہیں:

مترجم ذی وقار کے ترجمے میں بھی ایک حسن ہے۔ ترجمہ آسان اور سلیس سرائیکی میں کیا گیا ہے نہ پڑھنے میں دقت ہوتی ہے اور نہ سمجھنے میں چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا (۲:البقرہ:۲۶)

''بے شک اللہ اوندے نال حیا نئیں فرمیندا جو مثال سمجھاون کوں جیہوں جہیں چیز دا ذکر فرمائے مچھر ہووے یا اوندے توں ودھ کے''۔ (239)

دوسری مثال ملاحظہ فرمائیں:

وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا (۷۸:۴۰)

''اتے کافر آکھیسی ہائے میں کہیں طرح خاک تھی ویندا''۔ (240)

ایک اور مثال دیکھیں:

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ (۸۱:۱-۲)

''جڈاں دھپ لپیٹی ونجے۔ اتے جڈاں تارے چھڑ یون''۔ (241)

آیات کے ترجمے میں سلاست بھی ہے اور آسانی بھی۔ قاری کو پڑھنے اور سمجھنے میں دشواری نہیں ہوتی۔

زیر نظر ترجمے سے فاضل مترجم کی قرآن مجید سے گہری عقیدت اور مادری زبان سرائیکی سے بے حد محبت عیاں ہوتی ہے۔ آپ کی یہ پاکیزہ کاوش سرائیکی دینی ادب میں ایک نادر اضافہ ہے۔ یہ ترجمہ گوناں گون خوبیوں سے متصف ہے لیکن بعض مقامات پر اس میں کچھ سقم رہ گئے ہیں جن کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

مترجم کے ترجمے میں دخیل کلمات استعمال ہوئے ہیں جس سے ترجمے کے فنی اصولوں کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ ترجمے کا حسن بھی برقرار نہیں رہا اور قاری کے لئے یہ ترجمہ مشکل بھی ہے مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

عَبَسَ وَتَوَلّٰى اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى (۸۰:عبس:۱۔۲)

''تیوری چڑھائی اتے منہ پھیریا اتے اوندے کول او نابینا حاضر تھیا''۔(242)

مندرجہ بالا ترجمے میں ''تیوری چڑھائی''، ''نابینا'' اور ''حاضر'' دخیل کلمات ہیں۔ اس وجہ سے یہ ترجمہ فصیح نہیں رہا۔ اگر ان کلمات کی بجائے سرائیکی الفاظ لائے جاتے تو زیادہ صائب ہوتا۔ اسی طرح ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں۔

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ (۸۹:الفجر:۱۳)

''اتے تہاڈے رب نے عذاب دا کوڑا بقوت مارا''(243)

اس آیت کریمہ کے ترجمے میں بھی ''عذاب'' اور ''بقوت مارا'' دخیل کلمات ہیں۔ ''رب'' کا ترجمہ بھی نہیں کیا گیا اور ''کوڑا'' کی بجائے ''چابک'' استعمال کیا جاتا تو ترجمہ بہتر ہوتا۔ اس سے ترجمے کے حسن اور فصاحت میں کمی آگئی ہے۔ ترجمے کا ایک سقم یہ بھی ہے کہ اس میں متابعت پائی جاتی ہے۔ اس بارے میں مترجم خود گویا ہیں کہ انہوں نے مولانا رضا المصطفیٰ سعیدی کے اردو ترجمے کو سرائیکی زبان میں ڈھالا ہے(244) مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ (۲:البقرہ:۵۷)

''تے اساں ابر کوں تیڈا سائبان کیتا''۔(245)

اس ترجمے میں ''ابر'' اور ''سائبان'' غیر سرائیکی الفاظ ہیں۔ اس سے مصنف موصوف کے اس دعوے کو تقویت ملتی ہے کہ آپ کا سرائیکی ترجمہ اردو ترجمے کا تتبع ہے اگر ان کا تتبع ہے اگر ان کلمات کی بجائے سرائیکی الفاظ لائے جاتے تو ترجمہ زیادہ فصیح ہوتا۔ زیر نظر ترجمے کا ایک سقم یہ بھی ہے کہ یہ ترجمہ کہیں کہیں صحت کے معیار پر پورا نہیں اترتا مثال کے طور پر تسمیہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''اللہ دے ناں نال شروع جیہڑا بہوں مہربان رحم والا''۔(246)

اس ترجمے میں ''الرحیم'' کا ترجمہ فصیح نہیں ہے۔ صرف ''رحم والا'' کافی نہیں ہے اگر ''بہوں رحم والا'' یا ''ڈاڈھے رحم والا'' ہوتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔ اسی طرح اس ترجمے کا ایک سقم ابہام بھی ہے مثلاً:

وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى (۲:البقرہ:۵۷)

''تے تیڈے اُتے من تے سلویٰ لہایا''۔(247)

اس آیت کریمہ کے ترجمے میں ابہام پایا جاتا ہے کیونکہ ''من'' اور ''سلویٰ'' کا ترجمہ نہیں دیا گیا۔ اس لیے قاری کو دقت پیش آسکتی ہے۔ معیاری ترجمہ وہ ہوتا ہے جس میں فصاحت اور بلاغت ہو مگر مندرجہ بالا ترجمہ میں ایسا نہیں ہے۔

سوانح مترجم

ولادت: 1979ء **بقید حیات ہیں**

ملک ریاض شاہد کا خاندان بنیادی طور پر زمیندار اور کاشتکار ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ کا گھرانہ علمی وادبی خدمات بھی سرانجام دے رہا ہے۔

آپ کے والد ماجد ملک ممتاز زاہد بیک وقت کاتب، اخبار نویس، ڈرامہ نگار، ادیب، سرائیکی اور اردو کے شاعر ہیں، علاوہ ازیں آپ ایک سرائیکی ماہنامہ "سنیہڑا" کے مدیر بھی ہیں۔ یہ رسالہ ایک عرصے سے شائع ہو رہا ہے۔

ملک ممتاز زاہد کی پہچان بطور ڈرامہ نگار ہے۔ آپ نے پاکستان ٹیلی ویژن اور نجی چینلز کے لئے کئی سرائیکی ڈرامے تحریر کیے۔ خاص طور پر "کملا" "نصیب" "پچھتاوا" اور "عشق آتش" بہت مقبول ہوئے۔ آپ ادبی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ مثالی کاشتکار بھی ہیں۔ آپ کی کئی کتب ادبی موضوعات پر بھی شائع ہو چکی ہیں جن میں "انوار مٹھن کوٹ" اور "موسکیاں" قابل ذکر ہیں۔

چنانچہ فاضل مترجم نے ایسے علمی وادبی ماحول میں آنکھ کھولی۔ آپ 1979ء میں بہاولپور سے چند میل دور واہی حسین میں پیدا ہوئے جو کراچی جاتے ہوئے مین روڈ پر آتا ہے۔ گھر کا ماحول مذہبی تھا۔ اس لیے آپ کی نشوونما اسلامی تعلیمات کے مطابق ہوئی۔

ابتدائی دینی تعلیم والدین سے حاصل کی۔ اس کے بعد گورنمنٹ پرائمری سکول واہی حسین سے پرائمری کا امتحان پاس کیا۔ بعدازاں گورنمنٹ ہائی سکول نور پور نورنگا سے میٹرک کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی ادبی کتب کا مطالعہ بھی کیا۔

حصول تعلیم کے بعد ملک ریاض شاہد کاشتکاری سے منسلک ہو گئے لیکن ساتھ ساتھ کتابت اور صحافت کا پیشہ بھی اختیار کیا۔ آپ سرائیکی ماہنامہ "سنیہڑا" کے نائب مدیر ہیں۔

آپ نے ہفت روزہ "نوائے احمد پور شرقیہ"، روزنامہ "جاگ"، روزنامہ "تسلسل" اور روزنامہ "آرزو" میں بطور کاتب کئی سال تک خدمات سرانجام دیں۔

فاضل مترجم کو قرآن مجید اور تصوف سے گہری دلچسپی ہے۔ خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ سے خاص عقیدت ہے۔ اور اسی عقیدت کے پیش نظر آپ کے پیرومرشد حضرت خواجہ معین الدین محبوب سجادہ نشین دربار عالیہ حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کوٹ مٹھن (راجن پور) ہیں۔ قرآن مجید سے گہری وابستگی کا ثبوت آپ کا تحریر کردہ قلمی نسخہ "نور الایمان" ہے۔ آپ نے جس طرح مکمل قرآن مجید کی کتابت کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کا سرائیکی ترجمہ بھی بڑی محنت اور جانفشانی سے کیا گیا ہے۔

فاضل مترجم اس مقدس سرائیکی ترجمے کو "مسجد نبوی" مدینہ منورہ (سعودی عرب) میں تحفۃً دینا چاہتے ہیں اور ساتھ ہی اس قرآن مجید کو مروجہ سائز میں شائع کرنے کا عزم بھی رکھتے ہیں۔

فاضل مترجم نے اپنے آپ کو قرآن کے لیے وقف کر رکھا ہے اور لوگوں کو بھی قرآن سے روشناس کرنے اور سرائیکی ترجمے کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کے لئے کوشاں ہیں۔

حوالہ جات باب دوم

1- حفیظ الرحمٰن مولانا، قرآن مجید مترجم، بہاولپور، عزیز المطابع، ۱۳۷۲ھ، ص ۲۔

2- حفیظ الرحمٰن مولانا، بارحاں سورۃ شریف، بہاولپور، عزیز المطابع، ۱۳۷۱ھ، ص ۱۔

3- حفیظ الرحمٰن مولانا، قرآن مجید مترجم، بہاولپور، عزیز المطابع، دیباچہ، ص د۔

4- ایضاً، دیباچہ، ص ۲۔

5- احمد بخش مولوی، پارہ آلم مترجم، ملتانی، لاہور، گلزاری محمدی، ۱۸۹۰ء۔

6- صابر ملتانی خیرالدین مولانا، پارہ اول با محاورہ، بزبان ملتان، لاہور، گیلانی پریس، ۱۹۲۵ء۔

7- عبدالتواب ملتانی مولانا، عم یتساءلون، ملتان، عبدالواسع تاجران کتب، ۱۹۳۵ء۔

8- حفیظ الرحمٰن مولانا، قرآن مجید مترجم، بہاولپور، عزیز المطابع، ۱۳۷۲ھ، ص ۷۔

9- ایضاً، ص ۷۔

10- ایضاً، ص ۲۔

11- ایضاً، ص ۲۹۔

12- ایضاً، ص ۳۴۴۔

13- ایضاً، ص ۹۔

14- ایضاً، ص ۱۹۔

15- ایضاً، ص ۹۵۸۔

16- ایضاً، ص ۹۵۸۔

17- ایضاً، ص ۹۵۸۔

18- ایضاً، ص ۹۵۶۔

19- ایضاً، ص ۹۵۳۔

20- ایضاً، ص ۹۱۶۔

21- ایضاً، ص ۸۵۰۔

22- ایضاً، ص ۸۸۴۔

23- ایضاً، ص ۹۵۷۔

24- ایضاً، ص ۸۲۲۔

25- ایضاً، ص ۹۴۷۔

26- ایضاً، ص ۷۔

27- ایضاً، ص ۲۔

28- ایضاً، ص۴۔
29- ایضاً، ص۹۵۷۔
30- دلشاد کلانچوی، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف، ملتان، ابن کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰، ص۶۹۶۔
31- عبدالحق مہر ڈاکٹر، قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان، سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۴۰۴ھ، ص۹۱۷۔
32- خان محمد لسکانی، قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال، اسلام آباد/ انگلینڈ، اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز، ۱۹۹۱، ص۷۵۹۔
33- عبدالتواب ملتانی مولانا، عم یتساءلون، ملتان عبدالواسع تاجران کتب، ۱۹۴۰، ص۳۷۔
34- صالحہ رحمن، مولانا حفیظ الرحمن فن تے شخصیت، بہاولپور، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، مقالہ (ایم۔اے سرائیکی) ص۱۱۔
35- ایضاً، ص۲۳۔
36- عبدالحق مہر ڈاکٹر، قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان، سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۴۰۴ھ، دیباچہ۔
37- ایضاً، ص۹۲۴۔
38- ایضاً، ص ط۔
39- ایضاً، ص۱۵۔
40- ایضاً، ص۱۔
41- ایضاً، ص۷۷۶۔
42- ایضاً، ص۳۸۳۔
43- ایضاً، ص۱۔
44- ایضاً، ص۶۵۱۔
45- ایضاً، ص۳۲۵۔
46- ایضاً، ص۹۱۶۔
47- ایضاً، ص۸۹۳۔
48- ایضاً، ص۲۔
49- ایضاً، ص۹۰۶۔
50- ایضاً، ص۹۰۷۔
51- ایضاً، ص۱۔
52- ایضاً، ص۵۔
53- ایضاً، ص۹۲۱۔
54- ایضاً، ص۲۹۹۔
55- ایضاً، ص۷۹۸۔
56- ایضاً، ص۸۹۲۔

57- عبدالحق مہر ڈاکٹر، جو ہم پہ گذری، سوانح حیات غیر مطبوعہ، ۱۹۹۲ء، ص ۱۴۔
58- منیر احمد شامی پروفیسر، شاہکار ملتان، ملتان ادارہ تحقیق و ادب، اشاعت ثانی، ۲۰۰۵ء، ص ۱۵۱۔
59- ایضاً، ص ۱۵۵۔
60- ایضاً، ص ۱۵۴۔
61- فرحت علیم، ڈاکٹر مہر عبدالحق کی تعلیمی و تحقیقی خدمات کا جائزہ، تحقیقی مقالہ ایم۔اے ایجوکیشن، ملتان یونیورسٹی
ایجوکیشن، ۲۰۰۵۔۲۰۰۳ء، ص ۱۸۔
62- عبدالحق مہر ڈاکٹر، جو ہم پہ گذری، خود نوشت سوانح حیات (غیر مطبوعہ) ۱۹۹۲ء، ص ۱۸۴۔
63- رفیق احمد نعیم لسکانی بلوچ، ملاقات، ڈیرہ غازی خان۔
64- سجاد حیدر پرویز ڈاکٹر، سرائیکی زبان و ادب کی مختصر تاریخ، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۱ء، ص ۲۲۴۔
65- رفیق احمد نعیم لسکانی بلوچ، ملاقات، ڈیرہ غازی خان۔
66- خان محمد لسکانی / رفیق احمد نعیم لسکانی، قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال، سرے ۱/ اسلام آباد، اسلام انٹرنیشنل
۱۹۹۱ء، ص ۶۵۷۔
67- ایضاً، ص ۳۔
68- ایضاً، ص ۲۔
69- ایضاً، ص ۳۰۔
70- ایضاً، ص ۵۰۵۔
71- ایضاً، ص ۳۔
72- ایضاً، ص ۳۳۲۔
73- ایضاً، ص ۲۔
74- ایضاً، ص ۵۲۴۔
75- ایضاً، ص ۳۵۹۔
76- ایضاً، ص ۵۳۰۔
77- ایضاً، ص ۲۷۔
78- ایضاً، ص ۵۰۱۔
79- ایضاً، ص ۱۔
80- ایضاً، ص ۴۸۷۔
81- ایضاً، ص ۲۔
82- ایضاً، ص ۴۷۰۔
83- ایضاً، ص ۲۔

84- ایضاً،ص۸۔
85- ایضاً،ص۸۔
86- ایضاً،ص۴۹۷۔
87- ایضاً،ص۱۔
88- ایضاً،ص۱۔
89- روزنامہ الفضل، ربوہ ۱۷ مئی ۲۰۰۱ء، ص۳۔
90- رفیق احمد نعیم لسکانی، انٹرویو، ڈیرہ غازی خاں، ۳۰ ستمبر ۲۰۰۷ء۔
91- دلشاد کلانچوی، سوکھے سرائیکی کلانچوی قرآن، ملتان ابن کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء۔
92- سجاد حیدر پرویز پروفیسر، سرائیکی زبان و ادب کی مختصر تاریخ، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۱ء، ص۳۴۲۔
93- ایضاً،ص۳۴۱۔
94- دلشاد کلانچوی، سوکھے سرائیکی کلانچوی قرآن، ملتان ابن کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء۔
95- ایضاً،ص۳۔
96- ایضاً،ص۴۔
97- ایضاً،ص۲۰۔
98- ایضاً،ص۵۸۰۔
99- ایضاً،ص۵۔
100- ایضاً،ص۵۴۶۔
101- ایضاً،ص۶۹۷۔
102- ایضاً،ص۶۹۳۔
103- ایضاً،ص۳۲،۳۳۔
104- ایضاً،ص۶۱۔
105- ایضاً،ص۶۹۲۔
106- ایضاً،ص۲۔
107- ایضاً،ص۳۔
108- ایضاً،ص۱۳۔
109- ایضاً،ص۱۳۔
110- ایضاً،ص۵۔
111- ایضاً،ص۶۸۸۔
112- ایضاً،ص۶۸۸۔

113۔ ایضاً،ص۱۵۔
114۔ ایضاً،ص۱۹۔
115۔ ایضاً،ص۱۰۔
116۔ ایضاً،ص۹۔
117۔ ایضاً،ص۲۴۔
118۔ ایضاً،ص۴۔
119۔ ایضاً،ص۴۔
120۔ ایضاً،ص۱۰۔
121۔ شوکت مغل، دلشاد کلانچوی فن اور شخصیت، بہاولپور، اکادمی سرائیکی ادب، ۲۰۰۴ء، ص۱۶۔
122۔ سعیدی عبدالقادر مفتی، ملاقات، بھوگ صادق آباد، ۲۰۰۷_۶۰_۱۶
123۔ سعیدی عبدالقادر مفتی، ملاقات، بھوگ صادق آباد، ۲۰۰۷_۶۰_۱۶
124۔ سعیدی عبدالقادر مفتی، المرجان سرائیکی ترجمہ، قلمی نسخہ، بھوگ صادق آباد، ص۲۔
125۔ ایضاً،ص۳۔
126۔ ایضاً،ص۶۰۹۔
127۔ ایضاً،ص۶۰۶۔
128۔ ایضاً،ص۴۔
129۔ ایضاً،ص۶۔
130۔ ایضاً،ص۵۸۴۔
131۔ ایضاً،ص۲۰۔
132۔ ایضاً،ص۶۱۷۔
133۔ ایضاً،ص۵۸۲۔
134۔ ایضاً،ص۶۲۱۔
135۔ ایضاً،ص۶۰۸۔
136۔ ایضاً،ص۱۴۔
137۔ ایضاً،ص۶۲۰۔
138۔ ایضاً،ص۵۹۵۔
139۔ ایضاً،ص۳۔
140۔ ایضاً،ص۳۔
141۔ ایضاً،ص۵۔

142۔ ایضاً،ص۶۲۳۔

143۔ ایضاً،ص۶۲۰۔

144۔ ایضاً،ص۶۲۲۔

145۔ ایضاً،ص۶۲۴۔

146۔ ایضاً،ص۹۔

147۔ ایضاً،ص۱۱۔

148۔ ایضاً،ص۲۔

149۔ ایضاً،ص۳۔

150۔ ایضاً،ص۴۔

151۔ ایضاً،ص۵۔

152۔ ایضاً،ص۶۲۲۔

153۔ ایضاً،ص۶۲۳۔

154۔ ایضاً،ص۸۔

155۔ ایضاً،ص۹۔

156۔ ایضاً،ص۱۰۔

157۔ ایضاً،ص۲۲۔

158۔ ایضاً،ص۱۱۔

159۔ ایضاً،ص۵۸۸۔

160۔ ایضاً،ص۲۲۔

161۔ عبدالقادر سعیدی مفتی، ملاقات ۱۶ جون ۲۰۰۷ء، بھوتگ صادق آباد۔

162۔ سعیدی عبدالقادر مفتی، الرجان سرائیکی ترجمہ، قلمی نسخہ، بھوتگ صادق آباد، ص ۶۱۷۔

163۔ ایضاً،ص۵۸۹۔

164۔ ایضاً،ص۶۱۲۔

165۔ عبدالقادر سعیدی مفتی، ملاقات ۱۶ جون ۲۰۰۷ء، بھوتگ صادق آباد۔

166۔ عبدالتواب ملتانی، لاہور، گلزار محمدی، ۱۸۹۰ء۔

167۔ مجاہد جتوئی، اطوار فرید، ملتان، جھوک پبلیشرز، ۲۰۰۳ء، ص ۱۴۔

168۔ جاوید چنوار، قصر فرید لائبریری کوٹ مٹھن میں موجود نادر قلمی اور مطبوعہ کتب کا اشاریہ، ملتان، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان، س ن، ص ۱۳۹۔

169۔ غلام محمد چاچڑانی مولانا، تفسیر اتالیقی، قلمی نسخہ، قصر فرید لائبریری کوٹ مٹھن، ۱۳۱۳ء، ص ۷۹۱۔

170۔ ایضاً، ص ۱۔

171۔ اسلم میتلا، انٹرویو، مرحوم مفسر کے دوست، ۱۵ جنوری ۲۰۰۸ء، جہانیاں۔

172۔ غلام محمد چاچڑانی مولانا، تفسیر اتالیقی، قلمی نسخہ، قصر فرید لائبریری کوٹ مٹھن، ۱۳۱۳ء، ص ۱۵۔

173۔ ایضاً، ص ۷۶۷۔

174۔ ایضاً، ص ۱۔

175۔ ایضاً، ص ۳۔

176۔ ایضاً، ص ۷۸۴۔

177۔ ایضاً، ص ۷۸۰۔

178۔ ایضاً، ص ۷۸۸۔

179۔ ایضاً، ص ۷۔

180۔ ایضاً، ص ۷۸۹۔

181۔ ایضاً، ص ۲۰۔

182۔ ایضاً، ص ۳۲۸۔

183۔ ایضاً، ص ۷۷۷۔

184۔ ایضاً، ص ۷۶۴۔

185۔ ایضاً، ص ۷۶۶۔

186۔ ایضاً، ص ۶۸۔

187۔ شبلی نعمانی علامہ، سیرت النبیؐ جلد اول، لاہور، نیشنل بک فاؤنڈیشن، ص ۴۱۰۔

188۔ مجاہد جتوئی، اطوارِ فرید، ملتان، جھوک پبلیشرز، ۲۰۰۳ء، ص ۱۵۔

189۔ اسلم میتلا، لعل سرائیکی دے، غیر مطبوعہ

190۔ مجاہد جتوئی، اطوارِ فرید، ملتان، جھوک پبلیشرز، ۲۰۰۳ء، ص ۱۴۔

191۔ اسلم میتلا، لعل سرائیکی دے، غیر مطبوعہ

192۔ سلطان محمود حکیم (بیٹا)، ملاقات، صادق آباد ضلع رحیم یار خاں، ۱۶ جون ۲۰۰۷ء۔

193۔ نظام الدین نظامی مولانا، ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی، قلمی نسخہ، ۱۹۸۷ء، ص ۶۔
194۔ ایضاً، ص ۵۔
195۔ ایضاً، ص ۳۔
196۔ سلطان محمود حکیم (بیٹا)، ملاقات، صادق آباد، ۱۶ جون ۲۰۰۷ء۔
197۔ نظام الدین نظامی مولانا، ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی، قلمی نسخہ، ۱۹۸۷ء، ص ۲۳۔
198۔ ایضاً، ص ۹۵۔
199۔ ایضاً، ص ۹۵۔
200۔ ایضاً، ص ۱۶۳۔
201۔ ایضاً، ص ۱۳۔
202۔ ایضاً، ص ۱۵۳۔
203۔ ایضاً، ص ۸۲۔
204۔ ایضاً، ص ۱۷، ۱۸۔
205۔ ایضاً، ص ۱۷۲۔
206۔ ایضاً، ص ۱۶۔
207۔ ایضاً، ص ۱۰۔
208۔ ایضاً، ص ۱۱۹۔
209۔ ایضاً، ص ۱۷۱۔
210۔ ایضاً، ص ۴۷۔
211۔ ایضاً، ص ۳۷۔
212۔ ایضاً، ص ۱۷۰۔
213۔ ایضاً، ص ۵۹۔
214۔ ایضاً، ص ۵۸۔
215۔ ایضاً، ص ۱۷۸۔
216۔ ایضاً، ص ۱۸۳۔
217۔ ایضاً، ص ۳۱۔
218۔ سلطان محمود حکیم (بیٹا)، ملاقات، صادق آباد، ۱۶ جون ۲۰۰۷ء۔

219- ایضاً

220- ایضاً

221- ایضاً

222- محمد صدیق شاکر، ڈاکٹر، تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر، ملتان، سرائیکی سدھ سراں، ۲۰۰۵ء، ص ۳۔

223- ایضاً، ص ۷، ۸۔

224- ایضاً، ص ۴۔

225- ایضاً، ص ۶۔

226- ایضاً، ص ۹۔

227- ایضاً، ص ۲۱، ۲۲۔

228- ایضاً، ص ۵۲۔

229- ایضاً، ص ۶۰۔

230- ایضاً، ص ۳۰۴۔

231- ایضاً، ص ۱۹۴۔

232- ایضاً، ص ۷۲۔

233- ایضاً، ص ۲۰۶۔

234- ریاض شاہد ملک، انٹرویو، یکم جون ۲۰۰۸ء، واہی حسین (بہاولپور)۔

235- ایضاً

236- ایضاً

237- ریاض شاہد ملک، نور الایمان، قرآن مجید سرائیکی ترجمہ، بہاولپور، قلمی نسخہ، ۲۰۰۸ء، ص ۱۹۷۸۔

238- ایضاً، ص ۱۔

239- ایضاً، ص ۸۳۔

240- ایضاً، ص ۱۵۷۶۔

241- ایضاً، ص ۱۴۹۸۔

242- ایضاً، ص ۱۵۰۲۔

243- ایضاً، ص ۱۵۸۸۔

244- ریاض شاہد ملک، انٹرویو، یکم جون ۲۰۰۸ء، واہی حسین (بہاولپور)۔

245- ریاض شاہد ملک، نور الایمان، قرآن مجید سرائیکی ترجمہ، بہاولپور، قلمی نسخہ، ۲۰۰۸ء، ص ۸۸۔

246- ایضاً، ص ۱۔

247- ایضاً، ص ۸۸۔

باب سوم
قرآنِ مجید کے جزوی سرائیکی تراجم

☆ پارہ الٓمٓ مترجم ملتانی مصنفہ ۱۳۱۲ھ	مولوی احمد بخش المتخلص بصادق رحمتہ اللہ علیہ
☆ پارہ اول مترجم با محاورہ بزبانِ ملتانی	مولانا محمد خیر الدین صابر ملتانی مرحوم و مغفورؒ
☆ پارھاں سورتاں سرائیکی ترجمے نال	مولانا حفیظ الرحمٰن حفیظؔ بہاولپوری مرحوم و مغفورؒ
☆ پارہ الٓمٓ، سیقول تلک الرسل سرائیکی ترجمہ	مولانا نور احمد ابن شمس الدین سیالؒ
☆ قرآن کریم وچوں چوٹویاں آیتاں	استاد خان محمد لسکانی، استاد رفیق احمد نعیم لسکانی
☆ عَمَّ یَتَسَاءَلُونَ، مترجم سرائیکی	استاذ محمد رمضان طالب مدظلہ العالی
☆ عَمَّ یَتَسَاءَلُونَ، الٓمٓ دا ترجمہ ملتانی زبان وچ	مولانا عبدالتواب سلفی ملتانی مرحوم و مغفورؒ
☆ متعدد سورتیں اور قرآنی آیات مترجم سرائیکی	محمد رمضان طالبؔ مدظلہ العالی
☆ قرآن کریم دی یارھاں سورتاں دا کا سرائیکی ترجمہ	جناب حافظ مختار احمد شاہدؔ عباسی
☆ دلشادیہ تفسیر القرآن العظیم سورۃ الفاتحہ	پروفیسر عطا محمد دلشاد کلانچوی رحمتہ اللہ علیہ
☆ الحمد للہ سرائیکی زبان وچ سورۃ فاتحہ دی تفسیر	ڈاکٹر مہر عبدالحق رحمتہ اللہ علیہ
☆ فرید التفاسیر یعنی تفسیر سرائیکی پارہ الٓمٓ	علامہ محمد اعظم سعیدی مدظلہ العالی
☆ قرآن کریم مع سرائیکی ترجمہ منظوم	جناب عبدالوہاب عباسی دام برکاتہم
☆ قرآنی سورتیں مع سرائیکی ترجمہ منظوم	جناب پروفیسر غلام رضا سیورا بھٹی
☆ سو جھل سوچاں، رحمتِ دعا، سو جھل نعمتاں	جناب محمد رمضان طالبؔ مدظلہ العالی

قرآن مجید کے جزوی تراجم کا چارٹ

نمبر شمار	نام	مترجم	سن طباعت	مقام طباعت	ناشر/امین	کیفیت
1	پارہ الم	مولوی احمد بخش	1313ھ	لاہور	گلزار محمدی	مطبوعہ
2	پارہ اول مترجم با محاورہ بزبان ملتانی	مولانا خیر الدین صابر ملتانی	1344ھ	لاہور	گیلانی پریس	مطبوعہ
3	عم یتساءلون ، الم دا ترجمہ ملتانی زبان وچ	عبدالتواب ملتانی	1359ھ	ملتان	مولوی عبدالواسع تاجران کتب	مطبوعہ
4	تفرید القرآن	نور احمد سیال	1975ء	بہاولپور	انجمن حفظ القرآن	مطبوعہ
5	دلشادیہ تفسیر سورۃ الفاتحہ	دلشاد کلانچوی	1984ء	بہاولپور	سرائیکی لائبریری	مطبوعہ
6	الحمدللہ	ڈاکٹر مہر عبدالحق	1986ء	ملتان	سرائیکی ادبی بورڈ	مطبوعہ
7	فرید التفاسیر یعنی تفسیر سرائیکی	علامہ محمد اعظم سعیدی	1988ء	کراچی	سرائیکی ادبی سنگت	مطبوعہ
8	سیپارہ ۳۰ عم متعدد سورتیں اور قرآنی آیات	محمد رمضان طالب	2001ء	ڈیرہ غازی خان	فرید سرائیکی سنگت	مطبوعہ
9	قرآن کریم دی یارھاں سورتاں دا سرائیکی ترجمہ	حافظ مختار احمد شاہد عباسی	2006ء	رحیم یار خان	ملکیہ مصنف	غیر مطبوعہ
10	قرآن کریم معہ سرائیکی ترجمہ منظوم	عبدالوہاب عباسی	1998ء	بہاولپور	ملکیہ مصنف	غیر مطبوعہ
11	قرآنی سورتیں معہ سرائیکی ترجمہ منظوم	غلام رضا سیورا بھٹی	2007ء	سٹوٹگارٹ (جرمنی)	ملکیہ مصنف	غیر مطبوعہ
12	بارھاں سورتاں سرائیکی ترجمے نال	مولانا حفیظ الرحمن حفیظ	1371ھ	بہاولپور	عزیز المطابع	مطبوعہ
13	قرآن کریم وچو چھوٹیاں آیتاں	خان محمد لسکانی، رفیق احمد نعیم لسکانی	1989ء	ربوہ	نظارت اشاعت	مطبوعہ
14	سوہجل سوچاں، رحمتِ دعا سوہجل نعمتاں	محمد رمضان طالب	2003ء	ڈیرہ غازی خان	فرید سرائیکی سنگت	مطبوعہ

جزوی تراجم

اگر قرآن پاک کے سرائیکی تراجم کا مختصر تاریخی جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ زیادہ تر تراجم جزوی ہیں۔ کامل تراجم کی فہرست جزوی سے کم ہے۔ جزوی تراجم میں معرّی، محشّی، مفسر اور منظوم سب شامل ہیں، بیشتر منثور ہیں کچھ منظوم بھی ہیں۔ اکثر مطبوعہ ہیں صرف دو غیر مطبوعہ تراجم ہیں۔ یہ ایک بحر بیکراں ہے جس میں رنگا رنگ جوہر دستیاب ہیں یا یوں کہیے کہ ایک لہلہاتا چمن ہے جس میں رنگا رنگ پھول کھلے ہیں ہر پھول کی اپنی رنگت اور منفرد مہک ہے۔ دلآویزی میں ایک سے ایک بڑھ کر ہے۔ میں نے ان گلہائے رنگا رنگ کو اور ان مقدس جواہر پاروں کو بڑی عرق ریزی کے ساتھ جمع کیا ہے گو ان میں بعض صرف ایک ہی پارے پر منحصر ہیں لیکن سب قدر و منزلت کے اعتبار سے آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہیں۔

ان جمع شدہ جواہر پاروں کی تعداد ۱۴ تک پہنچی ہے۔ ان میں کچھ معرّی ہیں تو کچھ محشّی، کچھ مفسر ہیں تو کچھ منظوم ہیں۔ بعض کا تعلق ریاستی لہجے سے ہے۔ کچھ ڈیروی لہجے میں باقی کا تعلق ملتان کے خاص لہجے ملتانی سے ہے۔ عدداً ان کا جائزہ اس طرح پیش کیا جاسکتا ہے:

معرّی پانچ، محشّی دو، مفسر تین اور منظوم چار ہیں۔

اگر لہجوں کے اعتبار سے شمار کیا جائے تو ریاستی لہجہ کے پانچ ڈیروی لہجہ کے چار اور ملتانی لہجے کے پانچ تراجم ہیں۔

ان جواہر پاروں کے مترجمین میں سے بعض کا تذکرہ کامل تراجم میں ہو چکا ہے جسے ڈاکٹر مہر عبدالحق اور پروفیسر دلشاد کلانچوی مرحوم۔ اگر سرائیکی دینی ادب تیس ہزار صفحات پر پھیلا ہوا ہے تو سرائیکی تراجم اور تفاسیر کے صفحات پندرہ ہزار سے زائد ہیں۔ مکمل سرائیکی تراجم کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اب جزوی تراجم کا جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

زیر نظر جزوی تراجم میں سب سے پہلا ترجمہ چودہ ہجری کے اوائل کا ہے۔ "الفضل للمتقدم" کے اعزاز کے ساتھ مولوی احمد بخشؒ (متوفی ۱۳۶۴ھ) نے کیا۔ یہ پہلے پارے کا ترجمہ ہے جس پر پارہ الٓمّ مترجم ملتانی'' کا عنوان رقم ہے۔ قرآن پاک کا قدیم ترین مطبوعہ ترجمہ ہے۔ جو 1890ء بمطابق 1313ھ میں شائع ہوا۔(1)

ترتیب زمانی کے اعتبار سے دوسرا جزوی سرائیکی ترجمہ" پارہ اوّل مترجم با محاورہ بزبان ملتانی'' کے نام سے مولانا خیر الدین صابر ملتانیؒ (متوفی ۱۳۷۰ھ) نے کیا جو 1344ھ میں زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔(2)

سرائیکی زبان میں ہونے والے جزوی تراجم کے حوالے سے تیسری کاوش مولانا عبدالتواب ملتانی مرحوم و مغفور کی ہے۔ انہوں نے ''عمّ یتساءلون، الٓمّ دا ترجمہ ملتانی زبان وچ'' کے عنوان سے ترجمہ بالترتیب 1359ھ اور 1375ھ میں تصنیف کیا جسے ان کے بیٹے الہاشمی مولوی عبدالواسع مرحوم نے ملتان سے شائع کیا۔(3)

''سرائیکی وچ ترجمہ قرآن مجید مترجم'' کے عنوان سے حافظ محمد یوسف چغتائی نے 1952ء میں کبیروالا سے شائع کیا۔(4) قرآن پاک کے پہلے تین پاروں کا سرائیکی ترجمہ نور احمد ابن شمس الدین سیال نے تصنیف کیا جسے انجمن حفاظ القرآن بہاولپور نے شائع کیا بعد ازاں ''دلشادیہ تفسیر القرآن العظیم سورۃ الفاتحہ'' کے نام سے دلشاد کلانچوی کے قلم سے رقم ہوئی۔ ''الحمد للہ سرائیکی زبان وچ سورۃ فاتحہ دی تفسیر'' ڈاکٹر مہر عبدالحق کی کاوش جسے سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے 1986ء میں شائع کیا۔ علامہ محمد اعظم سعیدی کی ''فرید التفاسیر یعنی تفسیر سرائیکی'' 1988ء میں کراچی سے زیور طباعت سے آراستہ ہوئی۔

معزی تراجم

سرائیکی زبان لاکھوں کی نہیں کروڑوں کی زبان ہے۔ایک وقیع زبان ہونے کے ناطے سے اس کے اندر بحر بیکراں کی وسعت موجود ہے اس کی حلاوت قابل ذکر اور لطافت قابل رشک ہے۔اس میں سلاست بھی ہے سنداجت بھی ہے۔فاضل مترجمین نے ان سب خوبیوں سے متصف زبان میں قرآن حکیم کی ترجمانی کی کوشش کی ہے۔پہلی کاوش مولوی احمد بخش رحمۃ اللہ نے کی۔

جزوی معزی تراجم میں دوسری کاوش مولانا خیرالدین صابرؔ ملتانی (متوفی ۱۳۷۰ ہجری) کی ہے انہوں نے قرآن پاک کے پہلے پارے کا سرائیکی معزی ترجمہ کیا ہے جسے فاضل مترجم نے مخدوم مرید حسین قریشی سجادہ نشین دربار حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانیؒ کے ارشاد پر کیا اور یہ ترجمہ گیلانی پریس لاہور سے ۱۳۴۴ ہجری بمطابق 1925ء میں شائع ہوا۔

معزی جزوی تراجم میں "بارھاں سورۃ" کے عنوان سے مولانا محمد حفیظ الرحمٰن حفیظ نے سلسلہ عزیزیہ نمبر 41 کے تحت عزیزالمطابع برقی پریس بہاولپور سے ۱۳۷۱ھ میں شائع کیا بعدازاں آپ نے قرآن پاک کا مکمل معزی سرائیکی ترجمہ تصنیف کیا جو ۱۳۷۲ھ میں شائع ہوا اس کا ذکر پہلے باب میں ہو چکا ہے۔

ان تراجم میں ایک ترجمہ ایسا بھی ہے جس پر مترجم کی جگہ مہتمم کا نام دیا ہے۔وہ نام گرامی الحاج حکیم حافظ محمد یوسف چغتائی کا ہے۔یہ پہلے پارے کا ترجمہ ہے۔

مطالعہ سے عیاں ہوتا ہے کہ ترجمہ من وعن مولانا حفیظ الرحمٰن حفیظ کے ترجمہ کی نقل ہے۔جو قبل ازیں بہاولپور سے طبع ہوا۔طبع شدہ جزوی تراجم میں ایک کاوش مولانا نور احمد ابن شمس الدین سیال رحمتہ اللہ علیہ کی ہے۔جنہوں نے قرآن حکیم کے پہلے تین پاروں کا سرائیکی معزی ترجمہ تصنیف کیا جنہیں ترتیب وار 1976ء اور دوسرا پارہ 1976ء میں انجمن حفظ قرآن بہاولپور نے زیور طباعت سے آراستہ کیا جبکہ تیسرے پارے کا ترجمہ 1986ء میں سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے شائع کیا۔(5)

جزوی تراجم میں ایک کاوش خان محمد لسکانی بلوچ اور رفیق احمد نعیم لسکانی بلوچ کی ہے جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے فاضل مترجمین نے قرآن مجید کے کامل کے ترجمے کے علاوہ "قرآن کریم وچوں چونڑیاں آیتاں" کے عنوان کے تحت قرآن پاک کے اہم مضامین کے اعتبار سے کچھ آیات کا سرائیکی زبان میں معزی ترجمہ بھی کیا ہے جسے نظارت اشاعت ربوہ نے 1989ء میں شائع کیا۔(6)

قرآن پاک کا ایک اور جزوی معزی ترجمہ حافظ مختار شاہدؔ عباسی نے رقم کیا ہے جو تادم تحریری غیر مطبوعہ ہے۔یہ ترجمہ گیارہ سورتوں پر مشتمل ہے یہ واحد جزوی ترجمہ ہے جو زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہے۔یہ تمام معزی تراجم بہت سی خوبیوں سے متصف ہیں اور یہ قرآن مجید کی ترجمانی کی عمدہ مثالیں ہیں۔

آئندہ صفحات میں مذکورہ تراجم میں سے ہر ایک کا الگ الگ جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

پارہ الٓمّ مترجم ملتانی

مولوی احمد بخش المتخلص بصادق رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ طباعت: 1313ھ مقام طباعت: لاہور

یہ قرآن حکیم کا پہلا مطبوعہ منظوم ترجمہ ہے جسے مولوی احمد بخش صادق رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۶۳ھ) نے تصنیف فرمایا۔ یہ قرآن پاک کے پہلے پارے کا سرائیکی ترجمہ ہے۔ سرورق پر سن ہجری سمیت اس کا نام یوں رقم کیا گیا ہے: ''پارہ الٓمّ مترجم ملتانی ۱۳۱۳ھ''۔ اس کے ناشر عبدالعزیز محمد عبدالرشید علی محمد تاجر کتب کشمیری بازار لاہور ہیں۔ یہ قرآن پاک کے سرائیکی ترجمے کی اولین کاوش ہے۔ اس سے پہلے کامل تراجم یا جزوی تراجم میں کسی ترجمے کا سراغ نہیں ملتا۔

سرورق پر وجہ تالیف یوں رقم کی گئی ہے۔

''حسب فرمائش مولوی فخر الدین بسعی محمد عبدالرشید علی محمد تاجر کتب لاہور''۔

سرورق پر سن طباعت بھی درج ہے۔ جسے دائرہ میں جلی حروف میں لکھا گیا ہے۔

''پارہ الٓمّ مترجم ملتانی ۱۳۱۳ھ''

اس ترجمے کے صفحہ اول پر لکھا ہے:

''سپارہ مترجم زبان ہندی وچ جیکوں مولوی احمد بخش صاحب ترجمہ کیتا''۔

کیونکہ اس وقت ہندوستان میں بولی جانیوالی ہر زبان کو ہندی کہا جاتا تھا یہاں تک کہ اردو کو بھی ہندی کہا جاتا تھا۔ یہ بات اس ترجمے کی قدامت کو ظاہر کرتی ہے۔

فاضل مترجم نے بین السطور اور تحت اللفظ ترجمہ رقم کیا ہے اور یہ ترجمہ سرائیکی زبان کے معروف لہجے ڈیروی کی نمائندگی کرتا ہے۔ مصنف موصوف نے سرائیکی زبان کے خالص اور ٹھیٹھ الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اس ترجمے کے آخری صفحہ پر ''اشتہار واجب الاظہار'' کے عنوان سے جناب فخر الدین صاحب کا ایک مضمون ہے جس میں مادری زبان کی اہمیت بیان کی گئی ہے لکھتے ہیں:

''علم پڑھنے کے واسطے بڑا ضروری امر یہ ہے کہ مخلوق کی جو زبان ہو اسی میں کتابیں ہوں۔ اختلاف زبانوں کا خدا نے بنایا ہے اور جس جس قوم کی جو زبان خدا تبارک تعالیٰ نے بنائی ہے اس کے حق میں خدا نے وہی منظور رکھی ہے خدا تعالیٰ کو مخلوق کی بولی کی بہت رعایت ہے جیسا کہ مخلوق کی زبان کے مطابق کتابیں اترتی رہیں اور پیغمبر مبعوث ہوتے رہے ہیں نیز جملہ علماء متقدمین و متاخرین نے بھی ہر ملک میں مخلوق کی زبان میں کتابیں تصنیف کی ہیں۔ منافع یہ ہیں کہ اپنی زبان کی کتاب پڑھنا آسان اور اس کے پڑھنے پر طبیعت بہت رغبت کرتی ہے''۔

''المنادی بندہ فخر الدین متوطن ڈیرہ غازی خان'' (7)

زیر نظر ترجمہ بتیس صفحات پر مشتمل ہے۔ قرآن پاک کا عربی متن اور سرائیکی ترجمہ خط نستعلیق میں رقم کیا گیا ہے۔ آخر میں بزبان عربی کاتب کا نام اور سکونت کا تذکرہ ہے۔ جو ان الفاظ کے ساتھ ہے:

کَتَبَہٗ اَبُو عَبدِاللّٰہ اِمَامُ الدِّینَ ساکن کیلیا نوالہ

(اس کی کتابت قصبہ کیلیا نوالہ کے رہائشی ابو عبداللہ امام الدین نے کی۔ (8)



سرورق پارہ الم مترجم ملتانی از مولوی احمد بخش مطبوعہ 1890ء



٢

سورة الفاتحة مكية ومدنية وهي سبع آيات

بسم الله الرحمن الرحيم ○

الحمد لله رب العالمين ○ الرحمن الرحيم ○

ملك يوم الدين ○ إياك نعبد وإياك

نستعين ○ اهدنا الصراط المستقيم ○

صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب

عليهم ولا الضالين ○

سورة البقرة مدنية وهي مائتان وست وثمانون آية

بسم الله الرحمن الرحيم ○

الم ○ ذلك الكتب لا ريب فيه هدى

للمتقين ○ الذين يؤمنون بالغيب و

مولوی احمد بخش کے سرائیکی ترجمے کا نمونہ

طریق کار

زیر نظر ترجمہ ایک مخصوص طریق کار کے تحت ضبط تحریر میں لایا گیا ہے۔ شروع سے آخر تک ایک مربوط طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ ہر مترجم کا اپنا طریق کار ہوتا ہے آپ کے ترجمے کی یہ انفرادیت ہے کہ ترجمہ اگرچہ بین السطور ہے مگر نہ تو ترجمہ بامحاورہ ہے نہ ہی لفظی اور نہ ہی تحت اللفظ ہے۔ مثال کے طور پر اس آیت قرآنی ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (سورہ البقرہ)

''خدا تعالیٰ نے فرمایا میں تیکوں لوکیں دا امام بنڑاونڑ والا ں''۔(9)

قرآن مجید کے عربی متن کو موٹے جلی حروف میں رقم کیا گیا ہے۔ جبکہ سرائیکی ترجمہ چھوٹے حروف میں لیا گیا ہے غیر ضروری تشریحی کلمات کے ذریعے بے جا طوالت آ گئی ہے جیسے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْهَا (سورہ البقرہ)

''اتیں اوں کنوں زیادہ ظالم ہیاں کونی جیکیں جوایں گالھ کنوں جو خدا تعالیٰ دی مسیت وچ اوندے ناں دا ذکر کر یسے منع کیتے''۔(10)

اس ترجمے میں آیت کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ ہر آیت کا ترجمہ اس کے نیچے آ جاتا ہے۔ ایک آیت کا ترجمہ دوسری آیت کے نیچے نہیں جاتا مثال کے طور پر اس آیت قرآنی کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ (سورۃ الفاتحہ:۳)

''قیامت دے ڈینہہ دا مالک''(11)

ترجمہ رقم کرتے وقت سطر کی پابندی کی گئی ہے۔ ایک سطر کا ترجمہ دوسری سطر میں نہیں جاتا۔ عربی متن کے نیچے ہر لفظ کا سرائیکی متبادل لفظ رقم کیا گیا ہے تاہم کہیں کہیں تشریحی کلمات کا سہارا لیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر درج ذیل آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (سورۃ الفاتحہ:۳)

''اتیں ایں جہان وچ ہر کہیں تے مہربانی اتیں اوں جہان وچ مسلمانیں تیں''(12)

ہر سورۃ کے آغاز میں عربی زبان کے جلی حروف میں سورۃ کا نام مکی یا مدنی اور آیات کی تعداد رقم کی گئی ہے جیسے:

''سُوْرَۃُ الْفَاتِحَةِ مَکِّیَّةٌ اَوْ مَدَنِیَّةٌ وَهِیَ سَبْعُ اٰیٰتٍ''۔(13)

فاضل مصنف نے کسی آیت کے آخر میں اس کا نمبر درج نہیں کیا اور نہ ہی سرائیکی ترجمے میں آیات کے نمبر رقم کیے گئے ہیں تاہم رکوع نمبر تحریر کئے گئے ہیں البتہ سورۃ الفاتحہ کا رکوع نمبر تحریر نہ ہے۔ ہر سورۃ کے آغاز میں تسمیہ جلی حروف میں رقم کی گئی ہے اور اس کے نیچے سرائیکی ترجمہ منضبط کیا گیا ہے۔ زیر نظر ترجمے کی Setting اور انداز کتابت خوبصورت ہے ہر صفحے پر عربی متن کی گیارہ سطریں ہیں اور یہی طریقہ آغاز سے اختتام تک اپنایا گیا ہے۔

ترجمے کے آغاز میں نہ دیباچہ شامل ہے نہ اشاریہ نہ فہرست اور نہ ہی کچھ مصنف کی طرف سے لکھا گیا ہے۔ قاری کیلئے بھی کچھ تحریر نہیں کیا گیا اور نہ ہی آخر میں کوئی دعا تحریر کی گئی ہے۔ البتہ آخری صفحہ پر جناب فخر الدین صاحب کا ایک مضمون موجود ہے۔

محاسن

زیرِ نظر ترجمہ قرآن مجید کے سرائیکی ترجمے کی اولین کاوش ہے۔ یہ ترجمہ قدیم ہونے کے ساتھ گوناگوں خوبیوں سے متصف ہے۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔ اس ترجمے کا بڑا وصف یہ ہے کہ مترجم مرحوم نے ایسا سادہ اور تحت اللفظ ترجمہ کیا ہے کہ ہر لفظ کے نیچے اس کے معنی آ گئے ہیں۔ اس سے قرآن پاک کے ہر لفظ کے معنی سمجھ میں آ جاتے ہیں جیسے:

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (البقرہ:۴)

"ہک سیڈی بندگی کریندے ہیں تیں ہک تیں کنوں یاری منگدی ہیں"۔(14)

اسی طرح اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَارَیْبَ فِیْہِ ھُدًی (البقرہ:۲)

"ایسا کتاب ایندے وچ کوئی شک نہیں راہ ڈکھاونٹر والی"۔(15)

ان دونوں آیات کے ترجمے میں فاضل مترجم نے سرائیکی زبان کی عبارت کو عمدہ طریقے سے بیان کیا ہے۔ جس سے قاری قرآن مجید کے عربی متن کے ہر لفظ کے سرائیکی متبادل الفاظ سمجھنے پر قادر ہو گیا ہے۔

فاضل مصنف کے ترجمے کا سب سے بڑا وصف اس کی قدامت اور اولیت ہے۔ عربی میں کہتے ہیں "الفضل للمتقدم"۔ یہ ترجمہ سب سے پہلا مطبوعہ ترجمہ ہے جو کہ ۱۳۱۳ھ بمطابق 1860ء شائع ہوا(16) یہ اس کی امتیازی حیثیت ہے جو کسی اور ترجمے کو حاصل نہیں۔

مصنف موصوف کے ترجمے کا ایک اور وصف یہ ہے کہ آپ نے قارئین تک قرآن پاک کا صحیح مفہوم پہنچانے کے لئے اس وقت کا عام فہم لہجہ اپنایا ہے مثال کے طور پر اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرہ:۲۱)

"اولوکو بندگی کرو آپڑیں رب دی جئیں تساکوں پیدا کیتے اتے انہیں کوں جیڑھے تساں کنوں اگیں ہن متاں بچدے ہووو"(17)

اس آیت کے ترجمے میں فاضل مصنف نے سادہ، سہل اور عام فہم سرائیکی الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اچھا ترجمہ وہی ہوتا ہے جو پہلی نظر میں سمجھ آ جائے اور قاری کی دلچسپی کا باعث ہو۔ مترجم ذی وقار کے ترجمے کا ایک حسن یہ بھی ہے کہ آپ کا ترجمہ اثر انگیز ہے۔ قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا جیسے درج ذیل آیت کا ترجمہ:

کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَکُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ (البقرہ:۲۸)

"کیویں کفر کریندے او خدا تعالیٰ نال ہاوے موئے ہوئے پچھیں جوالیس تساکوں پچھیں مریسی تساکوں پچھیں جولیسی تساکوں پچھیں اُحیندو ولے ویسو"۔(18)

اس آیت میں مصنف موصوف فکر آخرت کیلئے قاری کی توجہ موثر طریقے سے مبذول کرائی ہے۔ یہ ترجمہ اثر آفرینی کی عمدہ مثال ہے۔ فاضل مترجم نے سرائیکی زبان کے خالص اور ٹھیٹھ الفاظ استعمال کیے ہیں جو عام فہم اور روزمرہ کے مطابق ہیں یہ بھی اس ترجمے کا ایک وصف ہے جیسے:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ (البقرہ:۴۴)

"ہیں لوکیں کوں چنگی ڈسیندیوا تیں آپ کوں وسریندیو"۔(19)

قدامت اور اولیت کے شرف اپنی جگہ ہیں۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ترجمہ بہت سی خوبیوں سے متصف ہے۔ الفاظ کا چناؤ بھی خوب ہے۔ پیرایہ بیان بھی سادہ ہے لیکن ان محاسن کے علاوہ ترجمے میں کچھ سقم رہ گئے ہیں۔ ابتدائی کاوشوں میں اس طرح کے سقم کا پایا جانا کوئی اہمیت نہیں رکھتا بہر حال ان کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

زیرِ نظر ترجمے کا ایک سقم یہ ہے کہ اس میں غیر مانوس کلمات استعمال کئے گئے ہیں۔ جن سے قاری کیلئے دقت پیش آ سکتی ہے مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ اُوْلٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (البقرہ)

"جیر حید ے کنڈ حنز و احکم خدا کیتے اتیں فساد کریندن زمین وچ ایہے ان زیانیں لبھز والے"۔(20)

مندرجہ بالا ترجمے میں "جیر حید ے" "کنڈ حنز" اور "لبھز" قاری کیلئے اوق ہیں۔ اگر ان کی بجائے سہل اور آسان الفاظ استعمال کئے جاتے تو زیادہ بہتر ہوتا اور قرآن پاک کی تفہیم آسان ہو جاتی۔ "جیر حد ے کی جگہ "جیہڑ ے" اور "کنڈ حنز کی "کنڈ حین" ہوتا تو زیادہ قابل فہم ہوتا۔

اس ترجمے کا ایک سقم یہ بھی ہے کہ اس میں نہ تو عربی متن میں آیات کے نمبر نہ ہیں اور نہ ہی سرائیکی ترجمے میں ہیں۔ جس سے دقت پیش آ سکتی ہے۔ مترجم ذی وقار کے ترجمے کا ایک سقم یہ بھی ہے کہ اس میں ابہام پایا جاتا ہے۔ ابہام ترجمے کی اصل روح کو ختم کر دیتا ہے جب تک ترجمہ واضح نہ ہو ترجمے کا حق ادا نہیں ہوتا جیسے:

وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (البقرہ:۳) "اتیں اوں مال وچوں جنہیں کوں ڈِتس خرچ کریندن"۔(21)

"ڈِتس" کی جگہ "اساں ڈِتا" چاہیے تھا۔ مال کا ذکر نہ ہوتا تو ترجمہ زیادہ فصیح ہوتا۔ اس ترجمے کا ایک سقم یہ بھی ہے کہ اس میں غیر ضروری تشریحی کلمات استعمال کیے گئے ہیں۔ اس سے جہاں ترجمے کا حسن متاثر ہوا ہے وہاں پیرایہ بیان بھی طویل ہو گیا ہے جیسے تسمیہ کا ترجمہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ دے ناں نال شروع کریندا اں جوایں جہان وچ ہر کہیں تیں مہربانی اتیں اوں جہان وچ مسلمانیں تیں"(22)

اس ترجمے میں غیر ضروری تشریحی کلمات کے استعمال سے تسمیہ کا ترجمہ بہت طویل ہو گیا ہے۔ اس سے ترجمے کے فنی اصول قائم نہیں رہتے۔ زیرِ نظر ترجمے کا ایک سقم یہ بھی ہے کہ یہ ترجمہ فصیح نہیں ہے۔ فصاحت و بلاغت کسی بھی ترجمے کا حسن ہوتا ہے فاضل مترجم نے فصاحت کو پیش نظر نہیں رکھا مثال کے طور پر:

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (البقرہ:۱۲۹) "تحقیق توں ایں قادر جا نزنو والا"۔(23)

اسی طرح ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (البقرہ:۱۲۸) "تحقیق توں ایں توبہ قبول کرنزو والا مہربان"۔(24)

"الحکیم" کے معنی "بہوں سیانا" یا "زبردست" ہونے چاہئیں اسی طرح "العزیز" کے معنی "ڈاڈھا" یا "زبردست" ہوتے ہیں۔ عزیز کا ترجمہ "قادر" فصیح نہیں اسی طرح "الرحیم" کے معنی "ڈاڈھا مہربان" صحیح ترجمہ ہے۔ "مہربان" صحیح ترجمہ نہیں ہے۔ اگر فاضل مترجم "بہوں سیانا" ڈاڈھا اور ڈاڈھا مہربان" لکھ دیتے تو زیادہ فصیح ہوتا۔

سوانح مترجم

ولادت:1885ء　　　　رحلت:1945ء

مولوی احمد بخش رحمۃ اللہ علیہ کے آباؤ اجداد میں سے حافظ عبداللہ اور حافظ عبدالکریم مرحوم و مغفور گردش زمانہ سے اپنے اصل وطن ٹانک (ڈیرہ اسماعیل خان) سے پرانے ڈیرہ غازیخان میں تشریف لاکر سکونت اختیار کی۔ آپ کے خاندان کی علمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے "شرح وقایہ" اور "الھدایہ" فقہ کی معتبر کتب (قلمی) ابھی تک موجود ہیں۔ جن پر کہیں کہیں پشتو میں چھوٹے چھوٹے حاشیے لکھے ہوئے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب تصنیف پشتو بولنے والے تھے دوسرا یہ کہ وہ کتب مذکورہ پر عبور رکھتے تھے۔ حواشی سے مطالب کا استخراج ان پر سہل تھا۔ فاضل مترجم کے پر دادا مولانا حافظ محمد شفیع مرحوم و مغفور کی علمی خدمات سے یہ خاندان روشن ہوا اور علمی فضیلت میں بلند مقام حاصل کیا۔ ابتداء سے انتہا تک تحصیل علوم کی متداولہ کتب ان کے قلم سے رقم کی ہوئیں موجود ہیں جن کی صحت کے علاوہ ان کے حواشی سے مکمل استفادہ کیا جا سکتا ہے ان کتب میں "توضیح وتلویح" اور "بیضاوی شریف" شامل ہیں۔

مولانا حافظ محمد شفیع مرحوم و مغفور کے دو بیٹوں مولانا رحمت اللہ مرحوم و مغفور اور مولوی حافظ محمد عطاء اللہ مرحوم و مغفور نے تونسہ میں شیخ المشائخ حضرت خواجہ سلیمان تونسوی مرحوم و مغفور سے شرف بیعت کیا بعد ازاں مرحوم و مغفور کو خلافت اور اجازت بیعت سے بھی معزز فرمایا۔ مولوی حافظ عطاء اللہ کے بیٹے مولانا مفتی مولوی دین محمد مرحوم مغفور جو فاضل مترجم کے والد گرامی تھے اعلیٰ پائے کے عالم تھے۔ انہوں نے بہت سی کتب تصنیف کی جن میں دلائل الخیرات محشی و دیگر معروف ہیں۔ ان کے علاوہ انہوں نے وہابیوں کی تردید میں متعدد مسائل لکھے۔ مولوی احمد بخش مرحوم و مغفور کا ایسے علمی گھرانے میں پیدا ہونا آپ کے علم و فضل اور تزکیہ نفس کی دلالت کرتا ہے آپ کی مرقد پر لگے کتبہ پر تاریخ وفات ۱۳۶۴ھ/1945 تحریر ہے۔

علمی خدمات

پیشہ کے حوالے سے ان کی خدمات کا ذکر کیا جا سکتا ہے جیسے خطیب، امامت کا منصب، درس و تدریس، تصوف وغیرہ۔ حضرت علامہ مولانا مولوی احمد بخش مرحوم و مغفور کے حالات زندگی اور علمی خدمات تفصیل سے معلوم نہیں ہو سکیں تاہم آپ سب بڑی علمی کاوش جو ہمارے سامنے ہے۔ وہ قرآن مجید کے پہلے پارے کا سرائیکی ترجمہ ہے۔ اس سے ان کی قرآن حکیم سے گہری وابستگی اور سرائیکی زبان سے محبت کا پتہ چلتا ہے۔

فاضل مترجم نے دین اسلام کی تبلیغ اور قرآن فہمی کیلئے ایک مسجد تعمیر فرمائی جو ان کے نام سے مسجد مولوی احمد بخش سے مشہور ہے۔ جس کی بنیاد ۱۳۳۳ھ/1915ء میں رکھی گئی آپ اس مسجد کے بانی اور متولی تھے۔

مترجم مرحوم و مغفور کے پوتے جناب احسان الحق نے بتایا کہ "مولوی احمد بخش" امام اہل سنت مولانا احمد رضا خان بریلوی کے خلیفہ رہے۔ انہوں نے رویت ہلال کا تصور پیش کیا اور بے نقط فارسی اشعار بھی لکھے"۔ (25)

اس کی شہادت ان کے مزار پر نصب کتبے سے ملتی ہے۔

مترجم ذی وقار کی مرقد جو کہ آپ کی قائم کردہ مسجد میں ہے کتبے پر تحریر ہے۔

"بانی مسجد حضرت علامہ مولانا مولوی احمد بخش المتخلص بصادق"

پارہ اول الٓمٓ مترجم بامحاورہ بزبانِ ملتان

حضرت مولانا محمد خیر الدین صابر ملتانی لنگاہ مرحوم ومغفور

تاریخ طباعت: 1344ء مقام طباعت: لاہور

زیرِ نظر ترجمہ ملتانی لہجے کا سلیس اور بامحاورہ ترجمہ ہے۔ اس کا شمار قرآن پاک کے اولین سرائیکی تراجم میں ہوتا ہے۔ اس زمانے میں ملتان میں طباعت کی سہولتیں میسر نہ تھیں۔ مصنف موصوف نے لاہور سے طبع کرا کے ہندوستان کے سب خانوں میں یہ ترجمہ بھیجا۔ فاضل مترجم کی یہ کاوش ان کی قرآن مجید سے والہانہ وابستگی اور سرائیکی زبان سے محبت کا اظہار ہے۔ اس ترجمے کے سرورق پر سب سے اوپر سورۃ الفاتحہ کی یہ آیت تحریر ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

آیت کے نیچے "بعنایت وتوفیق ربانی" رقم ہے۔ پھر تاریخ طباعت ۱۳۴۴ھ درج ہے۔ (28)

ترجمے کا عنوان یوں رقم کیا گیا ہے۔ "پارہ اول مترجم بامحاورہ بزبان ملتانی"

قرآن مجید کے جزوی تراجم میں یہ دوسرا سرائیکی ترجمہ ہے جو ضبط تحریر میں لایا گیا اور زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔ اس کی طباعت کا اہتمام مصنف ذی وقار نے خود فرمایا جس کا ثبوت اس بیان سے ملتان ہے جو زیرِ نظر ترجمہ کے سرورق پر تحریر ہے۔ اس کے مطابق اس کی طباعت 1344 ہجری بمطابق 1925ء میں ہوئی۔ یہ پہلا باقاعدہ سلیس سرائیکی ترجمہ ہے جو ضبط تحریر میں لایا گیا جیسا کہ صفحہ اول کے دیئے گئے عنوان سے عیاں ہوتا ہے:

"پارہ اول مترجم بامحاورہ میز بان ملتانی"

اس زمانے میں سرائیکی زبان کو ملتانی کہا جاتا تھا اس لیے فاضل مترجم نے یہ لفظ استعمال کیا۔

وجہ تالیف کے ضمن میں ان کے اپنے قلم سے سرورق پر یہ کلمات ضبط ہیں:

"حسب الارشاد عالیجناب محسن القوم مخدوم الملک حضرت مخدوم شیخ مرید حسین صاحب قریشی اسدی الہاشمی مسند نشین سجادہ بارگاہ حضرت غوث بہاء الحق زکریا ملتانی قدس سرہ"۔

ان سطور سے ظاہر ہوتا ہے کہ مترجم ذی وقار نے مخدوم مرید حسین قریشی کی تحریک پر زیرِ نظر ترجمہ تصنیف کیا۔ آخری دو سطور میں یہ الفاظ رقم ہیں جن میں مطبع کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

"فقیر محمد خیر الدین صابر ملتانی نے ترجمہ کر کے اپنے اہتمام سے گیلانی پریس لاہور میں چھپوا کر شائع کیا"۔

یہ ترجمہ کشادہ تقطیع کے کاغذ پر رقم ہے۔ جس کی لمبائی تقریباً دس انچ اور چوڑائی ساڑھے سات انچ ہے۔ صفحات کی تعداد بیاسی تک پہنچتی ہے یہ قرآن مجید کا پہلا سرائیکی ترجمہ ہے جو اس منفرد انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ ایک پورے صفحے پر عربی متن اور اس کے سامنے بائیں ہاتھ کے صفحے پر اس کا سرائیکی ترجمہ مرقوم ہے۔ دونوں متن اور ترجمہ ایک ہی طرح کی جلی حروف میں رقم ہیں۔ ترجمہ اور متن دونوں دوسرے حاشیہ کے مستطیل نما چوکھٹ میں سجے ہوئے ہیں۔ اعراب واضح اور ترجمہ روشن ہے پڑھنے میں قطعاً دقت نہیں ہوتی۔



پارۂِ اوّل

مترجم بامحاورہ

زبانِ ملتانی

رموز اوقاف قرآن شریف

(ا) ایہ آیت دی نشانی ہے۔

مر۔ اِتھاں ضرور ٹھہرنا رکھنا چاہیے۔

ج۔ اِتھاں ٹھا رکھنا نہ رکھنا ڈوہیں جائز ہن۔

ط۔ اِتھاں ٹھا رکھنا چاہیے۔

ن۔ اِتھاں ٹھا نہ رکھنا چنگاں ہے۔

ص۔ اِتھاں ملا کے پڑھنا چاہیے۔ جو تھک ونجے تاں ٹھیرن دی رخصت ہے۔

صلے۔ اِتھاں ملا کے پڑھنا بہوں چنگاں ہے۔

ق۔ اِتھاں ملا کے پڑھنا چاہیے۔

صل۔ اِتھاں ملا کے پڑھنا چنگاں۔ اتے ٹھیر ونجناں بہوں چنگاں لگدے۔

قف۔ اِتھاں ٹھا رکھنا چاہیے۔

س۔ اِتھاں ٹھیرنا چاہیے۔

وقفہ۔ اِتھاں ٹھیرے پر ساہی نہ گھنے۔

وقف۔ اِتھاں زیادہ ٹھیرے پر ساہی نہ گھنے۔

لا۔ اِتھاں اصلوں نہ ٹھیرے۔

سرورق پارہ اول مترجم بامحاورہ بزبانِ ملتانی از مولانا خیر الدین صابر ملتانی مطبوعہ 1925ء لاہور

اِیہا سُورَت فاتحہ ہے جو مکّے شریف وِچ نازل تھئی ہے اتے ایندیاں ست آیتاں ہِن

شروع کریندا ہاں نال ناں اللہ دے جیڑھا بہوں

رحم والا اتے وڈا مہربان ہے ○

ہر طرح دی تعریف خدا کوں ہی ٹھہندی ہے جیڑھا سارے جہاناں دی پالن والا ہے ②

بہوں رحم والا اتے مہربان ہے ③ ڈینہ قیامت دا مالک ہے ④ اللہ سائیاں!

اساں خاص تیڈی بندگی کریندے ہائیں اتے خاص تیں کنوں ہی مدد

منگدے ہائیں ⑤ اساکوں دین دا سِدھا راہ ڈِکھا ⑥ اونہاں لوکاں دا

راہ ڈِکھا جِنہاں دے اُوتے تیں انعام کیتا ہے ⑦ نہ اونہاں دا راہ

ڈِکھا جِنہاں تے تیڈا غضب نازل تھیا ہے اتے نہ اونہاں دا

راہ ڈِکھا جیڑھے سِدھے راہ کنوں بھُلے ہوئے ہِن۔

مولوی محمد خیر الدین صابر ملتانی" ہوراں دے ترجمے دا نمونہ مطبوعہ ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء لاہور

مولانا خیر الدین صابر ملتانی کے سرائیکی ترجمے کا نمونہ

طریق کار

قرآن پاک کے اس ترجے کا اپنا ایک منفرد انداز ہے ایک مربوط طریق کار کے تحت رقم کیا گیا ہے جس میں شروع سے لے کر آخر تک یکسانیت پائی جاتی ہے۔ مترجم ذی وقار دائیں صفحے پر عربی متن جلی حروف میں ضبط فرماتے ہیں جبکہ اسی صفحے کے بالکل سامنے بائیں صفحہ پر سرائیکی ترجمہ رقم کرتے ہیں مثلاً صفحہ نمبر ۲ پر سورۃ الفاتحہ کا عربی متن دیا گیا ہے اور صفحہ نمبر ۳ پر اسی سورۃ کا سرائیکی ترجم تحریر کیا گیا۔(27)

فاضل مترجم نے ہر سورۃ کے آغاز میں پہلے سورۃ کا نام مکی یا مدنی اور آیات کی تعداد رقم کی ہے پھر سامنے صفحے پر سرائیکی ترجمہ تحریر کیا ہے جیسے:

سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سَبْعُ اٰيَاتٍ

''ایہا سورت فاتحہ ہے جو مکے شریف وچ نازل تھئی ہے اتے ایندیاں ست آیتاں ہن''۔(28)

اسی طرح

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ مِائَتَانِ وَسِتٌّ وَثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَاَرْبَعُوْنَ رُكُوْعًا

''ایہا سورت بقرہ ہے جو مدینے شریف وچ نازل تھئی ہے اتے ایندیاں دو سو چھیاسی آیتاں ہن''۔(29)

ایک اور منفرد بات جو اس ترجمہ میں ملتی ہے وہ یہ ہے کہ ہر صفحے پر موجود آیات کی الگ الگ گنتی ہے۔
مترجم نے ترجمہ کے آغاز میں رموز اوقاف قرآن شریف کے عنوان سے ایک خوبصورت اشاریہ بھی دیا ہے تاکہ قرآن پاک پڑھنے والے کو پڑھتے وقت کا سامنا نہ ہو۔ وہ اس اشاریہ کے مطابق کلام پاک کی تلاوت کرتا جائے جہاں ٹھہرنا مقصود ہو وہاں ٹھہرے اور جہاں ملانے کی ضرورت ہو وہاں ملائے۔ مثلاً پر تین اشارات کی توضیح یوں کی گئی ہے۔

ک — اتھاں ٹھہرنا چاہیے
س — اتھاں ٹھہرے پر ساہ نہ کڈھے
لا — اتھاں اصلوں نہ ٹھہرے (30)

فاضل مترجم نے بامحاورہ ترجمے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ قاری کیلئے موزوں ہے۔ مثال کے طور پر اس آیت مبارکہ کا ملاحظہ فرمائیں:

يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ (البقرہ)

''اونہاں وچوں ہک ہک ایہ چاہندا ہے جو میڈی ہزار ورہے عمراں ہووے ہا''۔(31)

مصنف ذی وقار کے اپنے قلم سے ایک خط شکستہ میں ایک نوٹ دیا ہوا ہے۔ جس پر سن طباعت اور عیسوی دونوں درج ہیں اور اسی تحریر میں مخدوم مرید حسین قریشی سجادہ نشین درگاہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی مرحوم و مغفور کا ذکر ہے جنہوں نے مترجم موصوف کو قرآن پاک کے سرائیکی ترجمہ کی ترغیب یا تلقین فرمائی۔
اسی مختصر تحریر میں اس چھاپہ خانے کا بھی بتایا گیا ہے جس میں ذی شان ترجمہ طبع ہوا۔ ورثہ دستیاب نادر و مقدس سرورق معدوم اور صفحات اول و دوم شکستہ اور بوسیدہ ہیں۔ اس کے بعد صفحہ آٹھ تک شکستگی کا عنصر غالب ہے۔

محاسن

زیر نظر ترجمہ قرآن مجید کے اولین سرائیکی تراجم میں سے ایک ہے جو گوناگوں خوبیوں سے متصف ہے جو مترجم مرحوم و مغفور کے فضل و کمال اور ان کے علمی تبحر کو ظاہر کرتا ہے۔ اس ترجمے کا پہلا وصف یہ ہے کہ اس میں خالص سرائیکی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں مثلاً:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (سورۃ الفاتحہ)

''ہر طرح دی تعریف خدا کوں ای تھیہندی ہے جیڑھا سارے جہاناں دے پالن والا ہے۔''(32)

اسی طرح

وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَۃِ لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنْہُ الْاَنْھٰرُ وَاِنَّ مِنْھَا لَمَا یَشَّقَّقُ فَیَخْرُجُ مِنْہُ الْمَآءُ (سورۃ البقرہ)

''اتے پتھراں وچوں بعضے ایہو جہیں وی پتھر ہوندے ہن جو اونہاں وچوں پانی دیاں نہراں وہہ نکلدیاں ہن اتے بعضے پتھر ایہو جہیں وی ہوندن جو پھاٹ ویندن اتے اونہاں کنوں پانی جھردا ہے۔''(33)

مندرجہ بالا ترجمے میں "تھیہندی"، "وہہ" اور "جھردا" خالص سرائیکی الفاظ ہیں۔ مترجم نے ان الفاظ کو بڑے خوبصورت انداز میں رقم کیا ہے، جس سے ترجمے کا حسن دوبالا ہو گیا ہے۔ جن سے سرائیکیت پوری طرح عیاں ہوتی ہے۔

اس ترجمے کا ایک وصف یہ ہے کہ سرائیکی کے معروف لہجے ملتانی کا شاہکار ترجمہ ہے۔ مصنف موصوف نے ملتان کے علاقے میں بولی جانے والی سرائیکی زبان کے الفاظ کثرت سے استعمال کیے ہیں مثال کیلئے اس آیت کا ترجمہ دیکھیں:

ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ (سورۃ البقرہ)

''جو تساں عذاب الٰہی کنوں اونہاں کوں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ، او ایمان گھناون والے اصلوں نہیں''۔(34)

اسی طرح ایک اور آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

فِیْ طُغْیَانِھِمْ یَعْمَھُوْنَ (سورۃ البقرہ)

''او اندھیاں مندھیاں وانگوں اودرے ہوئے پھروے ہن''۔(35)

ان آیات کے تراجم میں مترجم نے ملتانی لہجے کے متعدد الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ان میں "اصلوں" "اندھیاں مندھیاں وانگوں" اور "اودرے ہوئے" شامل ہیں مترجم نے ان الفاظ کے استعمال سے ترجمے کا حسن بڑھایا ہے۔

فاضل مترجم کے ترجمے کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ یہ قرآن مجید کا سرائیکی منظوم مطبوعہ اور قدیم ترجمہ ہے، جو رواں اور سلیس پیرائے میں ہے۔ اس کا شمار اولین کاوشوں میں ہوتا ہے جزوی تراجم میں کوئی ایسا ترجمہ نہیں جو سلاست اور فصاحت میں اس کے پائے کا ہو۔

زیر نظر ترجمے کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ اس کے دائیں صفحہ پر قرآن حکیم کا عربی متن ہے اور سامنے بائیں صفحے پر سرائیکی ترجمہ ہے۔ اس سے قاری کو آمنے سامنے متن اور ترجمے کی سہولت حاصل ہوتی ہے اور رواں ترجمہ ہے اس سے قرآن مجید کی تفہیم آسان ہو گئی ہے مثال کے طور پر ان آیات کا سرائیکی ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ (سورۃ البقرہ)

''اے لوکو تساں اپنے پالن والے دی عبادت کرو''۔(36)

اسی طرح اس آیت مبارکہ کا ترجمہ دیکھیں:

يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (سورۃ البقرہ)

''اے بچڑے میڈے رب سائیں ایں دین اسلام کوں تساڈے واسطے چن گھدا ہے اتے پسند فرمایا ہے پس تساں اسلام تے ہی مریا ہے۔''(37)

ان دونوں آیات کا ترجمہ فاضل مترجم کے لسانی حسن کو نمایاں کرتا ہے یہ بامحاورہ ترجمہ فنی اصولوں پر پورا اترتا ہے اور یہ ترجمہ مصنف موصوف کی قابل قدر کاوش ہے اور اس سے قرآن فہمی آسان ہوگئی ہے۔

زیر نظر ترجمے کا ایک وصف مکمل ابلاغ ہے۔فاضل مصنف نے حتی المقدور کوشش کی ہے کہ قرآن مجید کی ہر آیت کا اصل مقصد قاری تک پہنچ جائے۔

فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا (سورۃ البقرہ)

''توں آپ ساڈے واسطے اپنے رب کوں دعا منگ جو زمین ساڈے کان جیڑھیاں جیڑھیاں پیدا کریندی ہے جیویں ساگ تے پاپیاں اتے تھوم اتے موہری دی دال اتے وصل ایجھے چیزاں من تے سلویٰ دی جا پیدا کرے۔''(38)

مندرجہ بالا ترجمے میں مکمل ابلاغ موجود ہے جو کسی اچھے ترجمے کا اہم وصف ہوتا ہے مترجم مرحوم و مغفور نے قرآن میں مشیت ایزدی کو سامنے رکھ کر قاری تک اصل مفہوم پہنچانے کی شعوری کوشش کی ہے اور اس سے قارئین کی شرح اور دلچسپی میں اضافہ ہوتا ہے۔

اس ترجمے کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ فاضل مترجم نے کم از کم تشریحی کلمات استعمال کیے ہیں جس سے ترجمے کا حسن بڑھ گیا ہے مثال کے طور پر تسمیہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''شروع کریندا ہاں ناں اللہ دے جیڑھا ہوں رحم والا اتے وڈا مہربان ہے۔''(39)

اس ترجمے میں مصنف موصوف نے نہایت مہارت اور اختصار کے ساتھ ترجمہ رقم کیا ہے۔غیر ضروری طوالت سے گریز کیا گیا ہے اور ترجمہ کے فنی اصولوں کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

فاضل مترجم کے ترجمے کا ایک وصف اثر آفرینی ہے جوں جوں قاری ترجمہ پڑھتا جاتا ہے اس کے دل میں منشاء ایزدی سرایت کرتی جاتی ہے مثال کے طور پر اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ (سورۃ البقرہ)

''جیں رب تساڈے واسطے دافرش وچھایا اتے آسمان دی چھت بنائی اتے آسمان کنوں مینہ وسا کے اوں کنوں تساڈے کھاون دے پھل پیدا کیتے۔''(40)

اس ترجمے میں انسان کے دل و دماغ پر اثر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کیلئے کتنی نعمتیں پیدا کی ہیں اور وہ اس کا شکر بجا نہیں لاتا۔اس سے قاری کے اندر یہ تحریک پیدا ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات ہر وقت یاد رکھے۔

زیرِ نظر ترجمہ فاضل مترجم کی منفرد کاوش ہے۔ اس میں بہت سے محاسن ہیں مگر کچھ سقم رہ گئے ہیں جن کا ذکر نہ کرنا علمی خیانت ہوگی اس ترجمے میں سب سے بڑا سقم کتابت اور لکھت کا ہے مختلف الفاظ کو ملا کر لکھ دیا گیا ہے، جس سے قاری کو پڑھتے ہوئے دقت محسوس ہوتی ہے مثلاً 'لوکاں' اور 'دا' کو ملا کر" لوکاندا" 'اونہاں' اور 'دا' کو جوڑ کر" اونہاندا" اور 'جیو ندے' اور 'ویلے' کو ملا کر 'جیو جیو یلے' لکھ دیا گیا۔

مندرجہ بالا مثالوں میں کتابت کا یہ انداز بہت بڑا سقم ہے اور قاری کیلئے نا قابل فہم ہے اگر ان الفاظ کو الگ الگ رقم کیا جاتا تو زیادہ صائب ہوتا اور قاری کیلئے پڑھنا سہل ہوتا۔ مصنف موصوف کے ترجمے کا ایک سقم یہ بھی ہے کہ اس میں بعض مقامات پر عربی فارسی اور اردو کے کلمات استعمال کیے گئے ہیں اگر وہاں متبادل سرائیکی الفاظ لکھ دیے جاتے تو ترجمے کا حسن بڑھ جاتا جیسے:

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (سورۃ البقرہ)

"کوئی تعجب نہیں جو تساں پرہیزگار بݨ ونجو"۔(41)

ایک اور مثال دیکھیں:

فَتَلَقّٰى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ (سورۃ البقرہ)

"پچھے آدم علیہ السلام عذر معذرت دے کائی کلمے اپنے رب کنوں سکھ گھدے۔"(42)

مندرجہ بالا آیات کے ترجمے میں تعجب پرہیزگار معذرت اور کلمے غیر سرائیکی الفاظ ہیں۔

اگر ان کلمات کی بجائے سرائیکی الفاظ استعمال کیے جاتے تو زیادہ بہتر ہوتا اور ترجمے کا حسن دوبالا ہو جاتا۔

زیرِ نظر ترجمے کا ایک تحریری سقم یہ ہے کہ اس میں سرائیکی املاء اور رسم الخط درست نہیں ہے سرائیکی زبان کے خاص آوازیں ٻ، ڄ، ڈ، ڳ اور ݨ ہیں جن کی وجہ سے سرائیکی زبان کو دوسری زبانوں پر امتیاز حاصل ہے یہ خاص الفاظ جہاں استعمال ہوئے ہیں وہاں نقاط یا ط کا اضافہ نہیں کیا گیا۔

ڈکھا جبکہ ڈکھا ہونا چاہیے تھا　　　پالن والا کو پالݨ والا ہونا چاہیے تھا

ڈسنبہ کو ڈیتہ ہونا چاہیے تھا　　　اسی طرح آپنے کو آپݨے ہونا چاہیے تھا

سرائیکی املاء کی یہ بے ضابطگیاں اکثر مقامات پر موجود ہیں اگر اس بات کو پیش نظر رکھا جاتا تو قاری کو دقت کا سامنا نہ کرنا پڑتا غالباً اس زمانے میں سرائیکی زبان کا رسم الخط اردو فارسی سے الگ نہیں تھا اس لیے فاضل مصنف نے اردو اور فارسی کے مروجہ رسم الخط کو اپنایا ہے۔

اس ترجمہ کا ایک سقم عدم فصاحت ہے۔ اچھا ترجمہ وہی ہوتا ہے جو واضح ہو اور صحیح مفہوم ادا کرے۔ لیکن زیرِ نظر ترجمے میں فصاحت کا خیال نہیں رکھا گیا مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا سرائیکی ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا (سورۃ البقرہ)

"پس شیطان نے اونہاں کو بھُندلا کے بہشت کنوں تِلکا گھتیا"۔(43)

یہ مندرجہ بالا آیت کا ترجمہ عدم فصاحت کا شکار ہے "بھُندلا" اور "تِلکا" کے کلمات اگرچہ ٹھیٹھ سرائیکی ہیں مگر زود فہم نہیں۔

سوانح مترجم

ولادت 1867ء **رحلت 1951ء**

مولانا محمد خیر الدین صابر ملتانی لنگاہ مرحوم و مغفور ملتان کی نواحی بستی بہادر پور میں ۲ ربیع الاول 1284ھ بمطابق 14 جولائی 1867ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے خاندان کے ایک بزرگ حضرت مولانا آمرزیدہ رحمۃ اللہ علیہ دہلی سے ملتان تشریف لائے اور نواحی بستی میں سکونت اختیار کی وہ اپنے وقت کے فاضل اور صاحب کشف بزرگ تھے وہ کتب کے لدے ہوئے کئی اونٹ ہمراہ لائے تھے۔

اس خاندان کے ایک بزرگ حاجی ابوالخیر چشتی اپنے مرشد خواجہ عبید اللہ چشتیؒ کی محبت میں محلہ قدیر آباد ملتان رہائش پذیر ہوئے تو اس وقت مصنف موصوف کی عمر تین سال تھی۔ آپ نے قرآن مجید اور کچھ ابتدائی کتب اپنے والد ماجد اور کچھ کتب مولانا برخوردار داماد خواجہ عبید اللہ ملتانیؒ سے پڑھیں بعد ازاں عربی اور فارسی کی اعلیٰ تعلیم کیلئے اندرون حسین آگاہی محلہ کمنگراں کی معروف دینی درسگاہ میں داخل ہوئے۔

یہ درسگاہ خانوادہ شیخ فخر الدین عراقیؒ کے بزرگ حضرت خواجہ خدا بخش چشتیؒ اور آپ کے فرزند حضرت خواجہ نظام بخشؒ کے دم قدم سے آباد تھی۔ مولانا خیر الدین صابر ملتانیؒ کافی عرصہ تک اس مدرسے میں درس وتدریس میں مشغول رہے اور ملتان کے نامور عالم دین مولانا نظام الدینؒ سے بھی عربی کتب پڑھیں۔

فاضل مترجم 12 ذی الحج 1370ھ بمطابق 13 ستمبر 1951ء انتقال فرما گئے آپ کی مرقد عالی حضرت بہاء الدین زکریا کے مزار کے حاطہ میں ہے۔

علمی وادبی خدمات

آپ کا تعلق صوفیاء کے سلسلہ چشتیہ سے تھا ان کے بزرگ بھی اس سلسلے سے منسلک تھے۔ سلسلہ سہروردیہ کے ساتھ بھی آپ کا تعلق رہا۔ فاضل مترجم نے 1886ء میں اندرون بوہڑ گیٹ ملتان کتب خانہ صابر ملتانی کے نام سے نشر واشاعت کا ایک ادارہ قائم کیا جس کے ذریعے زیادہ تر مفلس شعراء اور ادباء کی کتب خود زر کثیر خرچ کر کے شائع کیں۔ ابتداء میں سرائیکی زبان کے مرثیوں کی کتب طبع کرائیں بعد ازاں بزرگان دین کی سوانح حیات اور تذکرے شائع کرتے رہے۔ یہ مطبوعہ کتب پورے ہندوستان میں کے دور دراز شہروں شہروں میں بذریعہ ڈاک بھجواتے تھے۔ آپ کے ادارے کے شائع شدہ کتب سینکڑوں کی تعداد میں موجود ہیں۔

فاضل مترجم کو بچپن ہی سے شعر گوئی کا شوق تھا فارسی اردو اور سرائیکی کے معروف شاعر تھے۔ آپ کا کلام ہندوستان کے معروف رسائل میں شائع ہوا آپ نے بذریعہ خط وکتابت داغ دہلوی سے سخن گوئی میں اصلاح لی آپ کا دیوان "یادگار صابر" کے نام سے شائع ہوا آپ صابر تخلص فرماتے تھے۔

فن تاریخ گوئی اور قصیدہ گوئی میں بھی آپ نے شہرت حاصل کی۔ اس فن میں آپ نے مفتی غلام سرور لاہوری سے شرف تلمذ حاصل کیا جو اس زمانے میں اس فن کی مہارت رکھتے تھے اسی طرح مرثیہ گوئی میں آپ کی مہارت مسلم ہے۔

آپ کا مراثی کا مجموعہ چھپ چکا ہے۔ آپ معروف مرثیہ نگار کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔

بارھاں سورۃ شریف سرائیکی ترجمے نال

مولانا محمد حفیظ الرحمٰن حفیظ مرحوم و مغفور☆

تاریخ طباعت: 1371ھ　　　　مقام طباعت: بہاولپور

یہ قرآن مجید کی بارہ منتخب سورتوں کا سرائیکی ترجمہ ہے جسے فاضل اجل مولانا محمد حفیظ الرحمٰن حفیظ صاحب مرحوم و مغفور نے ۱۳۷۱ھ میں تصنیف فرمایا اور اپنے مطبع الموسوم عزیز المطابع بہاولپور سے طبع فرمایا اور مکتبہ عزیزیہ نے اسکی اشاعت فرمائی۔ عزیز المطابع مولانا مرحوم کی ملکیت تھا ان کی تمام تصانیف اس مطبع میں زیور طباعت سے آراستہ ہوئیں اور مکتبہ عزیزیہ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ بھی مولانا مرحوم کی تحویل میں تھا وہی اس کے ناشر ہیں۔

سرورق مکرر ہیں ایک نہیں دو ہیں ان دونوں میں فرق ہے پہلے سرورق پر سب سے اوپر "بسم اللہ الرحمن الرحیم" اوراس کے نیچے "نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم" رقم کیا گیا ہے۔ نیچے ترجمے کا عنوان "بارھاں سورۃ شریف" اوراس کے نیچے مصنف کا نام رقم کیا گیا ہے۔ سرورق کی زمین پھولدار حاشیہ مختصر اور ڈیزائن رنگدار ہے۔

دوسرے سرورق کا حاشیہ ڈبل ہے اس کے اوپر سلسلہ عزیزیہ نمبر 41 رقم کیا گیا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے مصنف موصوف اس سے پہلے چالیس کتب شائع کر چکے تھے۔ چوکھٹے میں ترجمے کا عنوان، مترجم کا نام، طابع کا نام، ناشر کا نام اور تاریخ طباعت تحریر کی گئی ہے۔ دونوں چوکھٹے خوبصورت پھولوں کے ساتھ مزین کیے گئے ہیں سرورق یک رنگا ہے اوراسے دیکھ کر دل خوش ہوتا ہے۔

زیرنظر ترجمہ بارہ منتخب سورتوں کا ترجمہ ہے۔ یہ ابتداء ہے اس بڑے کام کی جو مصنف موصوف نے ایک سال بعد ۱۳۷۲ھ میں قرآن مجید کا مکمل ترجمہ تصنیف کیا۔ یہ اس عملی کاوش کی پہلی قسط تھی۔ مترجم ذوی قار جن بارہ سورتوں کا انتخاب فرمایا وہ یہ ہیں سورۃ یسین، الفتح، الرحمٰن، الواقعہ، الملک، نوح، المزمل، النبا، الفجر، الاخلاص الفلق اور الناس شامل ہیں۔

ان کا ترجمہ مولانا کے مترجم قرآن سے یکسر مختلف ہے۔ منتخب سورتوں کی ترتیب خاص ہے سورۃ یٰسین کا ترتیب توقیفی کے اعتبار سے چھتیسواں نمبر ہے اور یہ پارہ بائیس اور تئیس میں ہے۔ سورۃ الفتح (48) پارہ چھبیس میں ہے سورہ الرحمٰن اور الواقعہ بالترتیب پچپن نمبر پارہ نمبر ستائیس میں ہیں سورۃ الملک، نوح اور مزمل، انتیسویں پارے میں ہیں جبکہ سورۃ النباء 78، الفجر 79 الاخلاص 112 الفلق 113 اور سورۃ الناس 114 نمبر پر ہیں اور یہ سب آخری پارے میں ہیں۔

ان سورتوں کے وجہ انتخاب کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ مولانا مرحوم نے اس کی کہیں وضاحت نہیں فرمائی۔ اس ترجمے کا نہ تو کوئی دیباچہ ہے اور نہ مقدمہ جس سے یہ معلوم کیا جا سکے فاضل مترجم نے ان سورتوں کو کیوں منتخب کیا ان کو ان میں کیا چیز پسند آئی انہوں نے ان کے انتخاب میں طویل یا مختصر کا لحاظ بھی نہیں رکھا۔ ان میں کوئی مضمون بھی ایک جیسا نہیں نہ کوئی اہمیت والی خاص بات نظر آتی ہے۔ مولانا مرحوم ہی بتا سکتے تھے کہ انہوں نے سورتوں کا انتخاب کیوں کیا؟

"بارہاں سورۃ شریف" خوبصورت کتابت اور مضبوط جلد کے ساتھ چالیس صفحات پر مشتمل ہے۔

☆ مصنف کے سوانح باب دوم میں دے دیے گئے ہیں۔

طریق کار

مولانا مرحوم کا یہ بارہ سورتوں کا سرائیکی ترجمہ اس معروف طریق کار کے تحت کیا گیا ہے جو عام طور پر اس وقت مروجہ تھا وہ اس طرح کہ پہلے اوپر عربی متن پھر ترجمے کے نیچے ایک لائن پھر عربی متن والے خانے کو سبز رنگ دیتے ہیں ترجمہ سفید ہوتا ہے مگر مصنف موصوف نے جو طریق کار اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ متن اور ترجمہ دونوں کی زمین سفید ہے۔

قرآن مجید کا عربی متن جلی حروف کے ساتھ معرب ہے۔ کسی ماہر کاتب کی تحریر کردہ ہے اس کے نیچے سرائیکی ترجمہ خط نستعلیق میں ہے جو خوش خط ہے دیکھنے سے بھلا معلوم ہوتا ہے۔

فاضل مترجم نے یہ ترجمہ ایک مربوط طریق کار کے تحت ضبط فرمایا ہے۔ آغاز سے انجام تک یکسانیت پائی جاتی ہے ترجمہ سطور کے اعتبار سے نہیں بلکہ آیات کے اعتبار سے ہے جہاں آیت ختم ہوتی ہے وہیں ترجمہ ختم ہو جاتا ہے۔

زیر نظر ترجمہ تحت اللفظ بالکل نہیں ہے کہ اس کے معنی عربی کلمات کے نیچے مل جائیں ترجمہ نہ بامحاورہ ہے اور تحت اللفظ بس نیم ہے نہ پورا بامحاورہ ہے اور نہ مکمل تحت اللفظ۔ اگر قاری لفظ کے نیچے سرائیکی ترجمہ دیکھنا چاہے تو وہ کہیں کہیں مل جائے گا اور کہیں نہیں ملے گا مثال کے طور پر اس آیت کریم کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا (یٰسین:۸)

''اساں انہاں دے گردناں وچ طوق گھت ڈتے''۔(44)

یہ بامحاورہ ترجمہ ہے اگر تحت اللفظ ہوتا تو یوں ہوتا'' بے شک اساں گھت ڈتا وچ گردناں انہیں دے طوق''۔

اس آیت کا ترجمہ دیکھیں یہ بامحاورہ نہیں تحت اللفظ ہے۔ متن کے ہر لفظ کے تحت اس کے معنی مل جاتے ہیں

اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى (۳۲-یٰسین:۱۲)

''بے شک اساں جویسوں مردیاں کوں''۔(45)

مکمل بامحاورہ ترجمہ یوں ہوتا ہے ''بے شک اساں مردیاں کو جویسوں''

ہر سورۃ کے آغاز میں سورۃ کی اور رکوع کی تعداد پہلے عربی میں بتائی گئی ہے مقام نزول بھی رقم ہے۔ بعد ازاں فاضل مترجم اس کا ترجمہ ضبط فرماتے ہیں مثال کے طور پر:

سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ عِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

''سورۃ مزمل مکے وچ لتھی اتے ایندے ویہہ آیتاں اتے ڈو رکوع ہن''۔(48)

ہر سورۃ کے شروع میں تسمیہ اور اس کا سرائیکی ترجمہ یوں رقم کیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''شروع نال ناں اللہ تعالیٰ دے (جیڑھا) وڈا بخشش والا نہایت مہربان ہے''۔

زیر نظر ترجمے میں حروف مقطعات کا ترجمہ نہیں ہے۔ جیسے یٰسین کا ترجمہ یٰسین ہی لکھا ہے۔ ہر سورۃ نئے صفحے سے شروع ہوتی ہے چاہے پچھلی سورہ پورے صفحہ پر نہ بھی ہو مگر سورۃ الفتح ختم ہونے پر اسی صفحہ پر سورۃ الرحمٰن کا آغاز کر دیا ہے۔ سورۃ المرسل کے اختتام کے فوراً بعد سورۃ النبا کا آغاز کیا گیا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ہر سورت کی الگ کتابت کرائی گئی۔ کہیں کہیں تشریح کلمات بھی لاتے ہیں مگر وہ قوسین میں ہیں۔

محاسن

زیرِ نظر ترجمہ جزوی تراجم میں طباعت کے اعتبار سے چوتھے نمبر پر ہے۔ اس سے قبل مولوی احمد بخش مرحوم و مغفور، مولانا محمد خیر الدین صابر ملتانی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبدالتواب صاحب سلفی ملتانی مرحوم و مغفور کے سرائیکی تراجم شائع ہو چکے تھے۔ مولانا حفیظ الرحمٰن مرحوم و مغفور کا بارہ سورتوں کا یہ ترجمہ انفرادیت کا حامل ہے اور گوناگوں اوصاف سے متصف ہے جن میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

فاضل مترجم کے ترجمے کا ایک وصف یہ ہے کہ آپ نے ترجمہ عام فہم اور سادہ اسلوب بیان میں کیا ہے مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (۵۵ الرحمٰن: ۳،۴)

''پیدا کیتا آدمی کوں سکھایا اوکوں بولنڑ'' (47)

مندرجہ بالا ترجمے میں اندازِ بیاں اتنا سادہ ہے کہ اسے عام قاری بھی آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے کیونکہ اگر آسان پیرایہ بیان ہو تو ایک تو ترجمے کے حسن میں اضافہ ہوتا اور دوسرا یہ کہ قاری کی دلچسپی میں اضافہ ہوتا ہے اور قارئین کی شرح میں اضافہ ہوتا ہے۔

مترجم ذی وقار کے ترجمے کی ایک خوبی یہ ہے کہ ترجمے بہت حد تک تحت اللفظ ہے جس کی وجہ سے عربی متن کے نیچے انہی کلمات کے سرائیکی متبادل الفاظ مل جاتے ہیں اور قاری کو دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا مثلاً:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ

''کیا نہ ڈٹھا تیں کیا کیتا پروردگار تیڈے نے نال عاد''۔ (48)

مندرجہ بالا آیت کے ترجمے میں ہر عربی کے لفظ کے نیچے سرائیکی لفظ ضبط کیا گیا ہے۔ قاری کو لغت کا سہارا نہیں لینا پڑتا اور تحت اللفظ ترجمے کی یہی خوبی ہوتی ہے کہ قاری آسانی کے ساتھ ہر لفظ کے معنی اور مفہوم سمجھ سکتا ہے اور ترجمہ اس کیلئے مشکل نہیں ہوتا۔ فاضل مترجم کے ترجمے کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ انھوں نے سرائیکی کے خالص الفاظ استعمال کیے ہیں جو قاری کیلئے غیر مانوس نہیں ہوتے مثال کے طور پر اس آیت کریم کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

يَا اَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا (۷۳: المزمل: ۱،۲)

''اے کپڑا اویڑھنڑ والے کھڑا رہیا کر رات کوں پر تھوڑا جیا''۔ (49)

اس ترجمے میں مترجم نے سرائیکی زبان کی لطافت اور حلاوت کا خوبصورت استعمال کیا ہے۔ خالص سرائیکی الفاظ نے ترجمے کو چار چاند لگا دیے ہیں اور قاری کیلئے یہ ترجمہ ادق اور مشکل نہیں رہا۔ زیرِ نظر ترجمے کا ایک وصف فصاحت ہے۔

وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ (۵۵: الرحمٰن ۹)

''اتے قائم رکھوں یعنی سدھا کرو تولنڑ نال انصاف دے اَتے نہ گھٹ کرو تول کوں'' (50)

مندرجہ بالا ترجمے مترجم ذی وقار نے بڑی مہارت کے ساتھ قرآن مجید کے عربی متن کی وضاحت اور بلاغت کو نمایاں کیا ہے اور پیغام الٰہی کو موثر انداز میں پیش کرنے کی شعوری کوشش بھی کی ہے اور قرآن پاک کا صحیح مفہوم قارئین تک پہنچایا ہے۔

نقد ونظر

زیرِ نظر ترجمہ بہت سے اوصاف سے بہرہ ور ہے۔ الفاظ کا انتخاب بھی خوب ہے پیرایہ بیاں بھی سادہ ہے۔ سرائیکی دینی ادب میں قابل قدر اضافہ بھی ہے لیکن ان محاسن علاوہ اس میں کچھ سقم رہ گئے ہیں جن کا ذکر ضروری ہے۔ ایک سقم یہ ہے کہ اس میں کہیں کہیں غیر مانوس کلمات استعمال کیے گئے ہیں جن سے قاری کیلئے دقت پیش آسکتی ہے جیسے

فَشَارِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمْ (٥٦:واقعہ:٥٥)

''ول پیونڑ والے ہو پیونڑ ترہ والے اٹھاں دا''(51)

مندرجہ بالا آیت کے ترجمے میں "پیونڑ" اور "ترہ" قاری کیلئے اجنبی اور غیر مانوس کلمات ہیں اگر پیونڑ کی بجائے پیوݨ اور ترہ کی بجائے تریہہ (پیاس) ہوتا تو زیادہ صائب ہوتا۔ اور قاری کیلئے ادق اور مشکل نہ ہوتا۔ مترجم نے قرآن مجید کے عربی متن سے براہ راست سرائیکی ترجمہ نہیں کیا بلکہ شاہ رفیع الدینؒ کے اردو ترجمے کا تتبع فرمایا ہے۔ آپ نے قرآن مجید کے مکمل ترجمہ میں بھی شاہ صاحب کے اردو ترجمے کو سرائیکی میں ڈھالا ہے ان بارہ سورتوں میں بھی یہ بات عیاں ہے مثلاً:

وَاَنْزَلْنَامِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَاۗءً (٧٨:البنا:١٤)

''اتے لہایا اساں نچوڑنڑ والے بدلیاں کنوں پاݨیں''۔(52)

اس ترجمے سے صاف ظاہر ہے کہ یہ ترجمہ اردو ترجمے کا تتبع ہے اگر ترجمہ براہ راست عربی متن سے کیا جاتا تو زیادہ صائب ہوتا اور یہ اس ترجمے کا سب سے بڑا سقم ہے۔ ترجمہ درست اور بلیغ اسی وقت ہوسکتا ہے جب اسے اصل زبان سے رقم کیا جائے فاضل مترجم کے ترجمے کا ایک سقم یہ بھی ہے کہ اس میں بے شمار الفاظ عربی، فارسی اور اردو کے ہیں جن سے ترجمہ کا حسن برقرار نہیں رہ سکا مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

اِنَّآ اَرْسَلْنَانُوْحًااِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ (٧١:نوح:١)

''تحقیق بھیجیا اساں نوح کوں طرف قوم اوندی دے جو ڈرا تو قوم آپڑیں کوں''(53)

اس آیت کے ترجمے میں "تحقیق"، "طرف" اور "قوم" غیر سرائیکی الفاظ ہیں اگر ان کی بجائے خالص سرائیکی الفاظ لائے جاتے تو ترجمہ زیادہ فصیح ہوتا اور اس سے ترجمے کے فنی تقاضے بھی پورے ہوجاتے اور قاری کو بشارت حاصل ہو جاتی۔ زیرِ نظر ترجمے کا ایک سقم یہ بھی ہے کہ اس میں سلاست اور روانی موجود نہیں ہے۔ اس سے قاری کو دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے مثال کے طور پر درج ذیل آیت مبارکہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

وَاَمَّآاِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّاۗلِّيْنَ (٥٦:الواقعہ:٩٢)

''اتے جیکر ہے کوڑا کرݨ والے گمراہاں وچوں''(54)

مندرجہ بالا ترجمے میں سلاست اور روانی کی کمی ہے جس سے قاری کیلئے مشکل پیش آسکتی ہے۔ اگر مصنف موصوف ترجمے کے دوران سلاست اور روانی کو پیش نظر رکھتے تو زیادہ بہتر ہوتا اور قاری کی دلچسپی میں بے حد اضافہ ہوتا

اس ترجمے کا ایک سقم یہ بھی ہے کہ اس میں کچھ آیات کے نمبر تحریر نہیں کیے گئے مثلاً سورۃ الواقعہ میں آیت نمبر 24 سے لیکر آیت نمبر 96 تک نمبر تحریر نہیں کیے گئے۔ اسی طرح سورۃ النبا میں آیت نمبر 27 سے لیکر آیت نمبر 40 تک آیات کے نمبر رقم نہیں کیے گئے اگر ان آیات کے نمبر رقم ہوتے تو قاری کیلئے آسانی ہوتی۔

تفرید القرآن

مولانا نور احمد ابن شمس الدین سیال مرحوم و مغفور

تاریخ طباعت: 1975ء مقام طباعت: بہاولپور

مولانا نور احمد ابن شمس الدین سیال رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید کے پہلے تین پاروں کا سرائیکی زبان میں معری ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ الگ الگ پاروں میں زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔

قرآن کریم پارہ:۱ تفرید القرآن انجمن حفظ قرآن بہاولپور نے مکتبہ جدید پریس لاہور سے ۱۳۹۵ھ طبع کرایا۔اس کا سائز ۱۸/۸×۲۳ ہے یہ اٹھائیس صفحات پر مشتمل ہے پارہ:۲ تفرید القرآن انجمن حفظ قرآن بہاولپور نے مکتبہ جدید پریس لاہور سے ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء میں شائع کرایا اس کا سائز بھی ۱۸/۸×۲۳ ہے اور یہ بتیس صفحات پر مشتمل ہے۔(55)

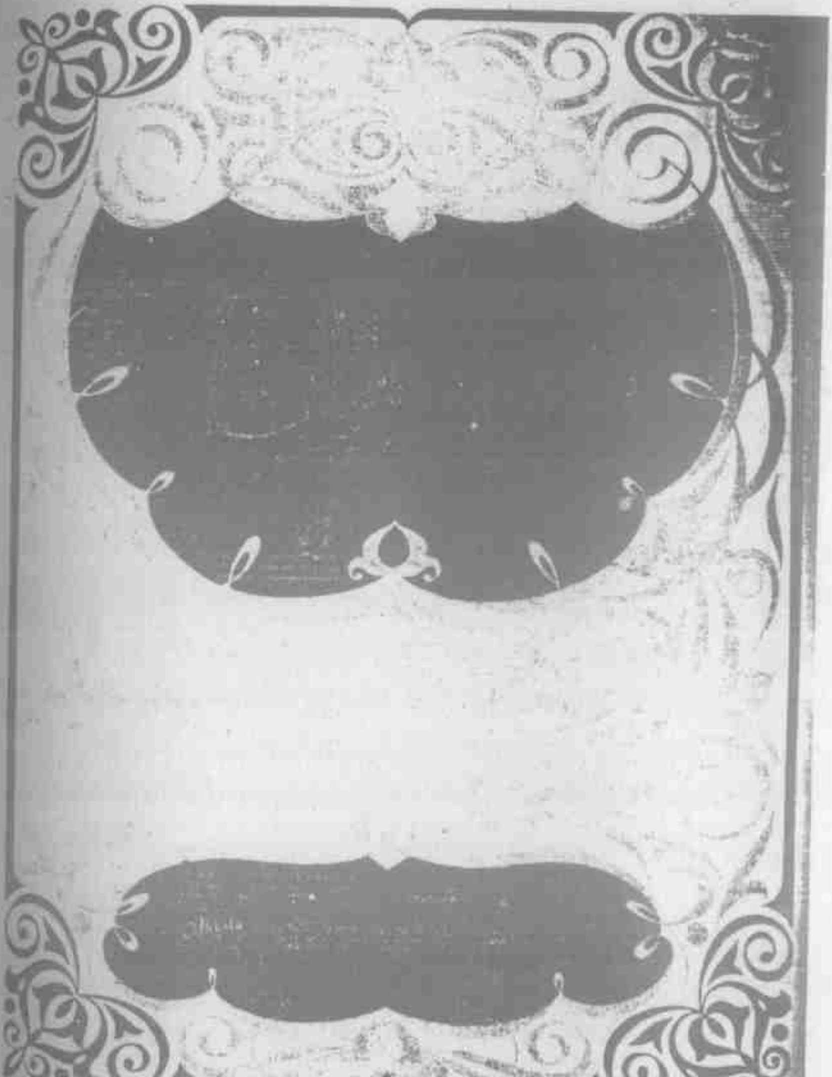
فاضل مصنف کا پارہ:۳ تلک الرسل کا سرائیکی ترجمہ سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور نے ۱۹۸۶ء میں شائع کیا۔(56) اس کے چوبیس صفحات ہیں۔ پہلے دونوں پارے کشادہ تقطیع میں ہیں جبکہ تیسرا پارہ عام کتابی سائز میں ہے۔ پہلے دو پاروں میں اردو ترجمہ بھی شامل ہے۔ یہ اردو ترجمہ جناب حضرت فضل شاہ صاحب کی ہدایت پر ڈاکٹر محمد اشرف فاضلی نے کیا ہے جبکہ سرائیکی ترجمہ مولانا نور احمد ابن شمس الدین سیال مرحوم و مغفور نے تصنیف کیا ہے۔ ان کے ناشر سید نذیر علی شاہ ریٹائرڈ بریگیڈیئر ہیں جو انجمن حفظ قرآن بہاولپور کے صدر منصب پر فائز تھے۔

زیر نظر ترجمے کے عربی متن کے دو خطاط کے نام سید انور حسین اور نفیس رقم تحریر ہیں جبکہ اردو اور سرائیکی ترجمے کے کاتب کا نام رقم نہیں کیا گیا اس کے پرنٹر رشید احمد چوہدری اور مطبع مکتبہ جدید پریس لاہور ہیں۔

زیر نظر ترجمہ کے آخر میں وجہ تالیف بھی بیان کی گئی ہے جو ان کلمات کے ساتھ ہے۔ موجودہ سائنسی اور ٹیکنیکی دور میں دنیا بھر میں برائی انتہا کو پہنچ چکی ہے اور یہ بات درد مند دل رکھنے والوں کیلئے ایک لمحہ فکریہ ہے۔

اسی صورتحال سے متاثر ہو کر انجمن نے قرآن کریم کی سلسلہ وار طباعت کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ دراصل انجمن حفظ قرآن بہاولپور پاکستان نہ صرف تیسری دنیا بلکہ ساری دنیا کے فائدے کیلئے قرآن کریم میں بیان فرمائے گئے اصولوں کی اشاعت بمطابق ہدایت حکومت پاکستان خدمت انجام دینے کی سعادت حاصل کر رہی ہے کیونکہ زمانہ مستقبل میں مادی ترقی کے ساتھ ساتھ روحانی ترقی بھی انشاء اللہ ہو کر رہے گی۔ پارہ سیقول کے آخر میں جناب عبدالناصر ڈائریکٹر آف پبلک ریلیشنگ قاہرہ (مصر) طباعت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''آئندہ ترجمہ تفرید القرآن کو ترجمہ مفہوم قرآن پاک کے ٹائٹل سے سنوارا جائے اور یہ خیال رکھنا چاہیے کہ ترجمہ اس کے سوا کوئی حیثیت نہیں رکھتا کہ اس کے ذریعے قرآن پاک کے اصل متن کے سمجھ میں آجانے والے مفہوم کو ایسے لوگوں پر ظاہر کرنے کی کوشش کی جارہی ہے جو قرآن پاک کو عربی میں پڑھ یا سمجھ نہیں سکتا۔ ترجمہ کے پچھلے سرورق پر سرٹیفکیٹ دیئے گئے ہیں ایک میں متن کی صحت کی تصدیق کی گئی ہے دوسرے سرٹیفکیٹ میں اس کے ترجمہ کی توثیق فرمائی گئی ہے۔



سرورق تفرید القرآن از مولانا نور احمد سیال مطبوعہ 1975ء

سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ
مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ
الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۚ قُلْ
لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ۚ
يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾
وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ
اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ
عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ
الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۗ
وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ
كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ
مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ
يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ۚ
وَ اِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً
اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ۗ
وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ
اِيْمَانَكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ
لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾
قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ
فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً
تَرْضٰهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ
شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ

اب بیوقوف لوگ کہیں گے کہیں ... سے جس پر یہ تھے، کس نے پھیر دیا ہے۔ فرما دیجئے اللہ ہی کے لئے مشرق و مغرب ہے، جسے چاہے صراط مستقیم کی طرف ہدایت فرماتا ہے۔

اور اسی طرح ہم نے تمہیں امت وسط ٹھہرایا ہے، تاکہ تم لوگوں پر شاہد ہو اور یہ رسول تم پر شاہد ہوں اور ہم نے وہ قبلہ جس پر تم تھے اسی لیے مقرر فرمایا تھا کہ دیکھیں کون رسول کی اتباع کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے اور بیشک یہ بھاری تھی، مگر ان پر جنہیں اللہ نے ہدایت دی اور اللہ تمہارا ایمان ضائع کرنے والا نہیں۔ بیشک اللہ لوگوں پر یقیناً مہربان نہایت رحم فرمانے والا ہے۔

ہم آپ کے رخ کے بار بار آسمان کی طرف ہونے کو دیکھ رہے ہیں، تو ہم ضرور آپ کو آپ کی رضا کے قبلے کی طرف پھیر دیں گے، تو اپنا رخ

ہُݨ بیوقوف لوک اکھیسن اِنھاں (مسلماناں) کوں اُوندے قبلے توں جیں تے ایہ ہن کیں پھیر ڈِتے فرما ڈیوو، اللہ سائیں دا ہی ہے مشرق اتے مغرب، جیکوں چاہے صراط مستقیم دی طرف ہدایت فرما ڈیندے۔

اتے ایں طرح اساں تہاکوں درمیانی امت بݨائے ہن، جو تساں لوکاں تے شاہد تھیوو اتے ایہ رسول پاک تساں اُتے شاہد ہوون اتے اساں او قبلہ جیں تے تساں ہاوے ایں واسطے مقرر فرمایا ہا کہ ڈیکھوں (اجو) کون اساݙے رسول پاک دی اتباع کریندے، اتے کون (اُنھاں وچوں) پچھلے پیریں پھر ویندے اتے بے شک ایہ ہئی ڈاڈھی بھاری ہم اپر سوائے انہاں دے جنہاں کوں اللہ سائیں ہدایت ݙتی، اتے اللہ سائیں تہاݙے ایمان کوں ضائع کرݨ والا نہیں۔ بے شک اللہ سائیں لوکاں تے یقیناً بہوں مہربان وݙا رحم والا ہے۔

اساں تہاݙے رخ دے وَل وَل اَسمان دی طرف پھرݨ کوں ݙیکھ رہے ہیں، تاں اساں تہاکوں تہاݙی مرضی والے قبلے ڈو ضرور پھیریسوں، سو اپنا رخ مسجد الحرام دی

مولانا نوراحمد سیال کے سرائیکی ترجمے کا نمونہ

طریق کار

یہ ترجمہ ایک مربوط طریق کار کے تحت منضبط ہے۔ آغاز سے اختتام تک یکسانیت پائی جاتی ہے زیر نظر ترجمے کے پہلے دو پارے جو کہ انجمن حفظ قرآن بہاولپور نے شائع کیے ان کا انداز ہر صفحے کے درمیان میں قرآن مجید کا عربی متن دیا گیا ہے۔ متن کے دائیں طرف ڈاکٹر محمد اشرف فاضلی کا اردو ترجمہ اور بائیں طرف مولانا نور احمد ابن شمس الدین سیال مرحوم و مغفور کا سرائیکی ترجمہ رقم کیا گیا ہے۔

اس ترجمے کے ہر صفحہ پر چاروں طرف خوبصورت حاشیہ سبز رنگ میں جبکہ قرآن مجید کے عربی متن کیلئے سبز رنگ کی زمین تیار کی گئی ہے۔ عربی متن اور ترجمے کی کتابت جلی حروف میں کی گئی ہے۔ قرآن حکیم کے عربی متن میں آیات کے نمبر درج کیے گئے ہیں جبکہ اردو اور سرائیکی ترجمے میں آیات کے نمبر تحریر نہیں ہیں۔

ترجمہ کے آغاز میں مترجم کی طرف سے کوئی دیباچہ تحریر نہیں کیا گیا نہ ناشر کی طرف سے کوئی پیش لفظ دیا گیا ہے تاہم ترجمے کے آغاز سے پہلے ایک صفحہ پر اردو ترجمے کے مصنف، سرائیکی ترجمے کے مصنف، خطاط، ناشر، پرنٹر مطبع کے نام درج کیے گئے ہیں اور طباعت کی تاریخ بھی رقم کی گئی ہے۔

یہ ترجمہ نہ تو بین السطور ہے نہ تحت السطور اور نہ ہی تحت اللفظ بلکہ متقابل ہے۔ یہ ترجمہ لفظی نہیں بلکہ بامحاورہ ہے جیسے اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (سورۃ البقرہ:۱۵۳)

"اے ایمان والیو صبر اتے صلوٰۃ نال مدد گھنو بے شک اللہ سئیں صبر پر کرن والیاں دے نال ہے" (57)

اردو اور سرائیکی تراجم کا بغور مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مترجم نے عربی متن سے سرائیکی ترجمہ نہیں کیا بلکہ ڈاکٹر محمد اشرف فاضلی کے اردو ترجمے ہی کو سرائیکی میں ڈھال دیا ہے جیسے اس آیت کا اردو سرائیکی ترجمے ملاحظہ فرمایئے:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (سورۃ البقرہ:۱۶۱)

اردو ترجمہ ڈاکٹر محمد اشرف فاضلی:

"بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور کافر ہی مر گئے ان پر اللہ کی لعنت ہے اور سب ملائکہ اور انسانوں کی لعنت ہے"

سرائیکی ترجمہ مولانا احمد ابن شمس الدین سیال:

"بے شک جیڑھے لوگ کافر تھی گئے تے موئے ای کافر اتھاں تے اللہ سائیں دی لعنت ہے

اتے سب ملائکہ دی اتے انساناں دی کٹھی"۔ (58)

زیر نظر ترجمے میں آیت کا لحاظ رکھا گیا ہے یعنی ترجمے میں آیت کی پابندی کی گئی ہے۔ ترجمے کے آخر میں انتساب بھی تحریر کیا گیا۔ تلک الرسل پارہ نمبر ۳ سرائیکی ترجمہ نور احمد سیال جس کے ناشر سرائیکی ادبی مجلس بہاولپور ہیں اس میں صرف سرائیکی ترجمہ ہے۔ اس میں ہر صفحے کے دائیں طرف قرآن مجید کا عربی متن ہے جبکہ بائیں طرف سرائیکی ہے یعنی متقابل ترجمہ ہے ترجمہ زرد رنگ کے کاغذ پر چھاپا گیا ہے جبکہ ہر صفحے کے چاروں طرف خوبصورت پھولدار حاشیہ ہے جو سبز رنگ میں ہے۔ قرآن پاک کے عربی متن میں ہر آیت کے بعد اس کا نمبر دیا گیا ہے جبکہ سرائیکی ترجمے میں آیات کے نمبر رقم نہیں ہیں۔

زیر نظر ترجمہ سرائیکی دینی ادب کا قیمتی سرمایہ ہے اور مصنف موصوف کی قابل قدر کاوش ہے۔ یہ پہلے تین پاروں کا سرائیکی معرّی ترجمہ ہے جو کئی خوبیوں سے مزین ہے۔ اس ترجمے کا ایک بڑا وصف یہ کہ اس میں سرائیکی کے ساتھ ساتھ اردو ترجمہ بھی دیا گیا ہے جس سے اسکی افادیت دو چند ہوگئی ہے۔ سرائیکی ترجمہ مولانا نور احمد ابن شمس الدین سیال کا ہے جبکہ اردو ترجمہ جناب ڈاکٹر محمد اشرف فاضلی صاحب کا ہے۔

اس ترجمے کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ یہ ترجمہ آسان سہل اور بامحاورہ ہے اور قرآنی مفہوم کو واضح کرتا ہے جس سے قاری قرآنی تعلیمات کی طرف راغب ہوتا ہے مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (سورۃ البقرہ:۱۸۳)

اے ایمان الیو! تہاڈے اتے روزے فرض کر ڈتے، جیویں جو تساں تھوں پہلیاں تے فرض کیتے گئے ہن تاں جو تساں متقی تھی وچو۔ (59)

مندرجہ بالا ترجمہ نہایت ہی آسان اور قابل فہم ہے مشکل اور ادق کلمات سے گریز کیا گیا ہے اور یہی ایک اچھے ترجمے کا وصف ہوتا ہے کہ وہ قاری کیلئے بیارت کا باعث ہو اور جلد سمجھ میں آجائے۔ مترجم کے ترجمے کا ایک وصف سرائیکی زبان کے خالص اور ٹھیٹھ الفاظ کا استعمال ہے اس سے ترجمے کے حسن میں اضافہ ہوا ہے مثلاً یہ ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (البقرہ:۱۸۸)

"اتے آپس وچ ہک بے دا مال کوڑ بجتوڑ نال نہ کھاؤ اتے نہ ئی حاکماں کولہ اینہہ لیوں پچاؤ جو لوکاں دے مال وچوں کجھ کاں گناہ نال کھا گھنوا تے تہاکوں پتہ ئے"۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ (البقرہ:۲۳۳)

"اتے ماناواں پورے ڈو سال اپنے بالاں کوں تھنج پلاون" (61)

مندرجہ بالا ترجمے میں "کوڑ بجتوڑ اینہہ لیوں کجھ کاں اور تھنج کے الفاظ ٹھیٹھ سرائیکی ہیں اس سے ترجمے کے فنی اور لسانی حسن میں اضافہ ہوا ہے اور مصنف موصوف نے ترجمے کو قابل بنانے کی شعوری کوشش کی ہے۔

مترجم ذی وقار کا ترجمہ ریاستی لہجے کا شاہکار ہے۔ اس سے سرائیکی زبان کے اس معروف لہجے کی مٹھاس وسعت اور فصاحت سامنے آئی ہے جیسے:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا (التوبہ:۲۴۷)

"اتے انہاں دے نبی انہاں کوں فرمایا کہ بے شک اللہ سائیں نے طالوت کوں تہاڈا بادشاہ ٹھہایائے" (62)

اسی طرح یہ مثال دیکھیں: فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ (البقرۃ:۲۴۹)

"ول جڈوں طالوت لشکراں نال شہروں نکھتا" (63)

ان آیات کے تراجم میں "ٹھہائے" "جڈوں" اور "نکھتا" ریاستی لہجے کے خوبصورت الفاظ ہیں۔ سرائیکی وسیع زبان ہے۔ فاضل مترجم نے بہاولپور ریاست کے لہجے کی نمائندگی بھرپور انداز میں کی ہے۔

زیر نظر ترجمے سے مصنف موصوف کی قرآن مجید سے وابستگی اور سرائیکی زبان سے محبت کا پتہ چلتا ہے۔ یہ بہت سی خوبیوں سے متصف ہے تاہم اس میں کچھ سقم بھی پائے جاتے ہیں جن کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

فاضل مترجم بعض مقامات پر غیر مانوس کلمات استعمال کیے ہیں جو قاری کیلئے دقت کا باعث ہیں مثال کے طور پر اس آیت مبارکہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (البقرہ:۱۶۸)

"اے لوکوز مین وچوں حلال اتے پاک چیز اں کھاؤ اتے شیطانی کھت کھت ڈے پچھوں نہ لگو بے شک او تہاڈا کھلیا کھلایا دشمن اے۔(64)

اس ترجمے میں "کھت کھت" اور "کھلیا کھلایا" غیر مانوس الفاظ ہیں۔ فاضل مصنف نے ڈاکٹر محمد اشرف فاضلی کے اردو ترجمے کو ماخذ بنایا ہے۔ انہوں نے "خطوت" کا ترجمہ "وسوسے" کیا ہے جو کہ دیگر تراجم سے مختلف ہے۔ دوسرے اردو مترجمین نے "خطوت" کا ترجمہ "وسوسے" نہیں کیا۔

مصنف موقف کا ترجمہ بعض مقامات پر فصاحت کے معیار پر پورا نہیں اترتا جس سے تفہیم قرآن میں مشکل پیدا ہو گئی ہے جیسے:

وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِیْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ (البقرہ:۲۰۴)

"کیوں جو او اللہ سائیں کوں ئی گواہ چا ٹھہیندے او نھ تے جو دل وچ ہودس حالانکہ او جھگڑیاں وچ اوڈا الڈھاے"(65)

اس آیت کے ترجمے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ عدم فصاحت کا شکار ہے عام فہم نہیں ہے عربی کلمہ "لد" کا ترجمہ "لڈھ" کیا گیا ہے جو غیر مانوس ہے اور عام قاری اس کو سمجھنے سے قاصر ہے۔

مترجم ذی وقار نے کہیں کہیں غیر ضروری تشریحی کلمات کا سہارا لیا ہے جو با محاورہ ترجمے میں مناسب معلوم نہیں ہوتا مثال کے طور پر اس آیت کریم کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ (سورۃ آل عمران ۳۵)

"جڈاں آکھیاں عمران دی تریمت (حنہ بنت فاقوذ) جو پروردگار میں ایں بال کوں جیڑھی سرکار وچ نذر کریندم جو ہے میڈے پیٹ وچ (میڈی خدمت داری تھوں آزاد) بس توں ایں کوں میں کنوں قبول فرما چا"۔(66)

مندرجہ بالا ترجمے سے غیر ضروری تشریح کلمات کی وجہ سے بے جا طوالت سے ترجمے کا حسن گھسیا گیا ہے۔ اچھا ترجمہ وہی ہوتا ہے جو اختصار اور فصاحت کا نمونہ ہو اور قاری کو تفہیم کیلئے آسانی ہو۔

زیر نظر ترجمے کا ایک سقم بھی یہ بھی ہے کہ اس میں بعض مقدمات پر ابہام پایا جاتا ہے، جس سے قاری قرآن مجید کا اصل مفہوم سمجھنے میں دقت محسوس کرتا ہے مثال کے طور پر اس آیت مبارکہ کا ترجمہ ملاحظہ کریں:

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِی الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ (سورۃ البقرہ:۲۰۵)

"اتے جڈاں او وَلے تاں زمین وچ فساد دی سا یو کریندے اتے رڑھ اتے نسل کوں ہلاک کریندے"(67)

اس ترجمے میں "سایو" کا لفظ ابہام پیدا کر رہا ہے۔ اس سے قاری قرآن مجید کے صحیح مفہوم تک نہیں پہنچ سکتا اور یہ بات ترجمے کے فنی اصولوں کیخلاف ہے اچھے ترجمے کا وصف ہے کہ وہ واضح اور فصیح ہو۔

زیر نظر ترجمے کا ایک سقم یہ بھی ہے کہ فاضل مترجم نے اکثر مقامات پر عربی فارسی اور اردو کے الفاظ ... ہیں اگر ان الفاظ کے متبادل سرائیکی الفاظ استعمال کیے جاتے زیادہ بہتر ہوتا مثلاً:

يَهْدِىْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (البقرہ:۱۴۲)

"جیکوں چاہے صراط مستقیم دی طرف ہدایت فرما ڈیندے"۔(68)

ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں:

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (البقرہ:۲۵۲)

"ایہ اللہ سائیں دیاں آیتاں ہن جو اساں تہاڈے اتے حق نال تلاوت کریندے ہیں
اتے بے شک آپ مرسلین وچوں ہن"(69)

پہلی آیت میں "صراط مستقیم"، "ہدایت"، "طرف" اور دوسری آیت میں "حق" اور "مرسلین" خالص عربی کلمات ہیں جن کے سرائیکی مترادف الفاظ آسانی سے مل سکتے تھے لیکن مترجم محترم نے عربی کلمات کا سہارا لیا ہے جو متن میں ہیں اس سے ترجمہ اور مشکل ہو گیا ہے۔

زیر نظر ترجمے کا ایک سقم یہ بھی ہے کہ اس میں سلاست اور روانی کی کمی ہے جبکہ سلاست اور روانی ترجمے کا حسن ہوتا ہے اور قارئین کیلئے رغبت کا باعث ہوتا ہے اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا (آل عمران:۸)

"(جیڑھے اکھیندے راہندن کہ) "رب سیں آں! اساڈیاں دلیں کوں ڈنگا نہ تھیون ڈیویں بعد ایندے
جو اساکوں ڈے ڈتی ہووی ہدایت۔"(70)

اس ترجمے میں سلاست اور روانی کا فقدان ہے اور ترجمے کو مشکل بنا دیا گیا ہے۔ بامحاورہ ترجمے کا وصف یہ ہوتا ہے کہ وہ رواں اور سادہ ہوتا ہے مگر مصنف موصوف نے اس بات کو پیش نظر نہیں رکھا مزید یہ کہ "ربنا" میں "نا" کے معنی نہیں دیے گئے۔ "رب سیں آں" کی بجائے "ساڈے رب سیں آں" ہونا چاہیے تھا۔ فاضل مترجم کے اس ترجمے میں سب سے بڑا سقم یہ ہے یہ ہے کہ عربی متن سے براہ راست نہیں کیا گیا بلکہ اردو ترجمے کا تتبع ہے مثلاً:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ (سورۃ البقرہ:۱۸۵)

"رمضان شریف دا مہینہ جیندے وچ قرآن کریم نازل تھیا لوکاں واسطے ہدایت ئے اتے ہدایت دیاں روشن نشانیاں اتے فرقان"(71)

اس ترجمے سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نے ساتھ دیے گئے اردو ترجمے کا تتبع فرمایا۔ اگر مترجم ذی وقار اردو ترجمہ کو ماخذ بنانے کی بجائے قرآن مجید کے عربی متن سے سرائیکی رقم کرتے تو زیادہ صائب ہوتا۔ اس ترجمے میں بالعموم عربی کی بجائے اردو ترجمے کو سرائیکی میں ڈھالا گیا۔ پارہ دوم میں یہ بات خاص طور پر پائی جاتی ہے۔

زیر نظر ترجمے کا ایک سقم یہ بھی ہے کہ ترجمہ فصیح نہیں ہے مثال کے طور پر اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا (سورۃ البقرہ:۲۵۴)

"اے (من گھنن والے) مومنو! کریندے رہائے خرچ"(72)

"اے من گھنن والے مومنو" کی ترکیب خوب ہے مومن کہتے ہی اسے ہیں جو مان لینے والے ہوتے ہیں۔

بہت سی خوبیوں سے متصف ہونے کے باوجود اس ترجمے میں اکثر مقامات پر عربی کلمات کا ترجمہ رہ گیا ہے۔ اس طرح معنوی سقم بھی پایا جاتا ہے جیسے مذکورہ صدر آیت میں قرآنی لفظ "فرقان" کے معنی فرقان ہی کیے گئے ہیں۔

ولادت: 15 نومبر 1908ء   رحلت: 30 دسمبر 2004ء

حاجی نور احمد سیال شہیدؔ شبیری 15 نومبر 1908ء کو سمہ سٹہ ضلع بہاولپور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حاجی شمس الدین سیال ریلوے ملازم تھے۔ گھر کا ماحول مذہبی تھا۔ والدین سے قرآن مجید پڑھا۔ مسجد میں شیخ سعدی شیرازی کی کتب پڑھیں۔ بہاولپور اور کہروڑ پکا (لودھراں) میں بھی پڑھتے رہے۔ بعد ازاں تقریباً بیس سال کی عمر میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ 9 ستمبر 1928ء میں ریلوے میں ملازمت اختیار کی۔ سندھ کے مختلف شہروں میں تعینات رہے۔ ریلوے میں انتالیس سال ملازمت مکمل کرنے کے بعد 28 ستمبر 1967ء نواب شاہ جنکشن سے بطور سٹیشن ماسٹر ریٹائر ہوئے۔

ان دنوں آپ کا بڑا بیٹا شاہ محمد ایک پرائیویٹ کمپنی میں سیلز منیجر تھا اور لاہور میں رہتا تھا۔ کچھ عرصہ کے لیے آپ وہاں تشریف لے گئے۔ قرب مکانی کی وجہ سے رشید احمد چوہدری مالک مکتبہ جدید پریس لاہور سے واقفیت ہو گئی۔ انہوں نے سید نذیر علی شاہ (ریٹائرڈ بریگیڈیئر) صدر انجمن حفظ قرآن بہاولپور، جو لاہور آئے ہوئے تھے، سے تعارف کرایا۔ اس بنا پر آپ کو "تفرید القرآن پارہ اول و دوم" کے سرائیکی ترجمے کا موقع ملا۔ کچھ عرصہ بعد واپس سمہ سٹہ آ گئے۔ سید نذیر علی شاہ کی نظر مناسبت سے سرائیکی ادبی مجلس اور انجمن حفظ قرآن بہاولپور کی رکنیت اختیار کی۔

حاجی نور احمد سیال قرآن مجید کے پہلے تین پاروں کے سرائیکی تراجم رقم کرنے کے ساتھ ساتھ بہت سی ادبی خدمات سرانجام دیں۔ آپ کو ادب سے جنون کی حد تک گہرا لگاؤ تھا۔ دن رات تصنیف و تالیف میں مصروف رہتے تھے۔

علمی و ادبی خدمات

مصنف موصوف ایک ادبی تنظیم "مجلس احباب" کے سرپرست تھے۔ نظم و نثر دونوں اصناف کے مزاج آشنا تھے۔ اردو اور سرائیکی میں شاعری کرتے تھے۔ شاعری میں "شہیدؔ" تخلص کرتے تھے۔ حاجی نور احمد سیال کو سرائیکی زبان سے خاص شغف تھا۔ اس زبان کے مختلف پہلوؤں کے اساسی عناصر و اجزاء کے تاریخی و تشکیلی ارتقاء کے صوتی اور تحریری خواص کی تحقیق میں گہری دلچسپی رکھتے تھے۔

آپ نے متعدد تصانیف طبع کیں۔ جن میں "تفرید القرآن پارہ: ۱" (1975)، "تفرید القرآن پارہ: ۲" (1976)، "پارہ تلک الرسل" (1986)، "الحروف والالوف"، "بخت و تخت" (1980)، "ذی شان کریما" فارسی سے سرائیکی منظوم ترجمہ (1983)، نوائے نور (اردو شاعری 1985)، "آئینہ حیرت"، "پاک سی حرفی"، "سرائیکی حروف تہجی" MINIMAX، دریا بہ حباب اندر (انفس و آفاق) 1985ء شامل ہیں۔

سرائیکی نمونہ کلام ملاحظہ فرمائیں:

کہیں کوڑ دی گر ہے عادت بنائی
اوندی روز محشر نہ تھیسی رہائی
بھراوا تُوں ہن کوڑ اصلوں نہ ماریں
تے کوڑیاں دی مانند ذلت نہ دھاریں

قرآن کریم وچوں چݨوِیاں آیتاں سرائیکی ترجمے نال

خان محمد صاحب لسکانی بلوچ، رفیق احمد نعیم صاحب لسکانی بلوچ ☆

تاریخ طباعت: 1989ء　　　مقام طباعت: ربوہ

یہ قرآن مجید کی منتخب آیات کا سرائیکی ترجمہ ہے جسے خان محمد صاحب لسکانی بلوچ مرحوم و مغفور اور رفیق احمد نعیم صاحب لسکانی بلوچ نے تصنیف کیا۔ جماعت احمدیہ نے ان منتخب آیات کو دنیا کی متعدد زبانوں میں ترجمہ کر کے شائع کیا جن میں سے ایک یہ بھی ہے۔ زیرِ نظر ترجمے کا سرورق دلکش ہے ترجمے کے عنوان "قرآن کریم وچوں چوݨیاں آیتاں" کے نیچے انگریزی الفاظ میں اس کا ترجمہ دیا گیا ہے: Slected Verses of the Holy Quran in Saraieki حاشیہ صرف دائیں طرف ہے۔ خوبصورت پھولدار حاشیہ بنایا گیا ہے جس کی صورت اس طرح سے ہے کہ حاشیے سے متصل تسمیہ اور سورۃ الفاتحہ عربی متن میں اعراب کے ساتھ رقم ہے کتاب کی پشت پر بھی ترجمے کا عنوان انگریزی حروف میں مرقوم ہے۔

مندرجہ بالا وضاحت کے بعد اگلے صفحے پر مصنف کا نام، معاون کا نام، ناشر کا نام نظارت اشاعت ربوہ پاکستان اور طابع کا نام "ضیاء الاسلام پریس ربوہ" انگریزی میں ثبت ہے۔ یہ کتاب 1989ء میں شائع ہوئی (73) چوتھے صفحے پر عنوانات کی فہرست تدریج کے عنوان سے دی گئی ہے جو دو صفحات پر مشتمل ہے۔ وہ اکیس موضوعات یہ ہیں: حرف مقصد، اللہ سئیں، فرشتے قرآن مجید، اللہ دے نبی، اسلام دا پیغمبر، عبادت نماز، روزہ، اللہ دی راہ وچ خرچ، حج تبلیغ، اخلاق تے آداب مال دا انتظام تے اوندے اصول، جہاد، مومنین دیاں صفتاں، تربیت دا مقام، وہاج (سود)، پیش گوئیاں، قدرت دا ݙکھݨ قرآن دیاں دعائیں اور کجھ سورتاں۔ بعد ازاں چار صفحات پر مشتمل ایک مقدمہ ہے جس کا عنوان حرف مقصد دیا گیا ہے یہ مقدمہ نظارت اشاعت کی طرف سے ہے جو ناشر ہیں اس مقدمے میں وجہ تالیف بیان کی گئی ہے۔

"اے ݙاڈھی درد آلی ڳال ہِ جو چوڈہ سو سال کنیں اج تئیں صرف ۲۵ زبانیں وچ ایں کتاب دا ترجمہ تھئے تے بائبل دے منن والے ایندا ترجمہ ۱۸۰۸ زبانیں کنیں وی زیادہ وچ ایندا ترجمہ کر چکین۔ ایہا ڳال سوچ کے ساری دنیا دی وکا جماعت "عالمگیر جماعت احمدیہ" نے ایں سب توں باعزت تے چنگے کم کوں 1989ء جیڑھا ایندا سو سالہ جشن دا سال۔ گھٹ کنیں گھٹ انجھی پنجھا زبانیں وچ ایندا ترجمہ کرݨ دا پکا ارادہ کر گھدے جیڑھیاں دنیا دے وݙے وݙے علاقیں وچ بولیاں ویندن تے اے کوشش وی ہے جو مکمل تے پوری ترجمے دی تیاری دے نال نال ٻنہیں زبانیں وچ گھٹ کنیں گھٹ کجھ حصے دا ترجمہ تھی ونجے۔"

اس کے بعد کتاب کا آغاز ہوتا ہے۔ پہلے نو صفحات کی گنتی ہے اصل کتاب کی گنتی دوبارہ شروع ہوتی ہے جو ستاون تک ہے اس طرح کتاب کے مجموعی صفحات کی تعداد چھیاسٹھ تک جا پہنچی ہے۔

☆ فاضل مترجمین کے سوانح باب دوم میں دیے دیے گئے ہیں۔

طریق کار

فاضل مترجمین کا ترجمہ کرنے کا وہی طریق کار ہے جو جماعت احمدیہ کی طرف سے قرآن پاک کے مکمل مطبوعہ سرائیکی ترجمے کا ہے۔ وہ ایک مربوط ضابطے کے مطابق ہے جس میں آغاز سے اختتام تک یکسانیت پائی جاتی ہے۔

قرآن مجید کے عربی متن اور سرائیکی ترجمے سے پہلے ایک مختصر سی تشریح ہے جو عنوان کی وضاحت کرتی ہے جیسے پہلے صفحے کا عنوان ہے "اللہ"۔ عنوان "اللہ" کے نیچے پانچ سطور میں موضوع کی تشریح کی گئی ہے لکھتے ہیں:

"اللہ غالب ہستی داناں ہ عربی زبان وچ اللہ دا لفظ کہیں بی شئے یا ہستی کیتے کڈاہیں ولی استعمال نی تھیا۔ اللہ دے بے ناں جیر ھے ڈوجھی زبانیں وچ استعمال تھیندن یا پاتے او صفتاں ہن یا اللہ دے معنی ان اے زیادہ جمع دی صورت آندن "اللہ" دا لفظ کڈاہیں جمع نی آندا انگریزی وچ وی لفظ اللہ دے سوا کوئی بیا لفظ نہیں آندا ایں واسطے ایں زبان وچ ترجمہ کرن کیتے لفظ "اللہ" استعمال کیتا گئے"۔(74) پھر نیچے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد وہ آیات دی گئی ہیں جو اس موضوع سے متعلق سمجھی جاتی ہیں مثلاً اللہ کے بیان میں سورۃ الفاتحہ رقم کی گئی ہے علاوہ ازیں سورۃ الحدید التغابن، الانعام البقرہ اور سورۃ الحشر کی آیات شامل ہیں جو توحید سے متعلق ہیں اور ان آیات کا منظوم سرائیکی ترجمہ ضبط تحریر میں لایا گیا ہے۔

زیر نظر ترجمہ بین السطور نہیں بلکہ دائیں بائیں ہے یعنی دائیں ہاتھ قرآن مجید کا عربی متن ہے جو صفحے کے درمیان میں ختم ہو جاتا ہے صفحے کے بائیں طرف اس کا سرائیکی ترجمہ ہے۔ یہی طریق کار کتاب کے آخر تک چلا جاتا ہے۔ ایک موضوعات میں سب کا متن اور ترجمہ اسی ترتیب سے دیا گیا ہے مثال کے طور پر قرآن مجید کی وضاحت میں آیات اسی طرح سے رقم کی گئی ہیں:

الٓمٓ	میں اللہ ہوں جاندا اں
اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ	بے شک اے قرآن وڈی عظمت ولاہ
فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ	ہک لکھی ہوئی کتاب وچ موجود
فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ	ایندے وچ قائم رہن والے حکم ہن۔(75)

ترجمہ آیت کے اعتبار سے رقم کیا گیا ہے۔ اگر قرآن مجید کی آیت ایک سے زیادہ سطور پر مشتمل ہو تو ترجمہ بھی اسی حساب سے ہوتا ہے مثلاً عبارت میں یہ آیت یوں تحریر کی گئی ہے:

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ	نمازیں دی حفاظت کرو تے تے اوچلی
الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ	نماز دی وی تے اللہ سیں کیتے فرمانبردار بن کے کھڑے تھی ونجو

ترجمہ بامحاورہ کیا گیا ہے مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ	بے شک مومن کامیاب تھی گئے۔(77)

قرآن پاک کی آیات کا یہ سرائیکی ترجمہ اردو ترجمے کا تتبع ہے۔ کہیں کہیں سرائیکی کلمات کی جگہ اردو، عربی یا فارسی کلمات کا سہارا لیا گیا ہے جیسے:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ	توں آکھ ڈے جو میں مخلوق دے رب دی پناہ منگدا اں۔(78)

مترجمین اس عمومی طریق کار سے سرمو منحرف ہوتے نظر نہیں آتے۔ جماعت احمدیہ نے جن سے فاضل مترجمین ...ترجمہ کا جو طریق کار واضح کیا ہے وہ اسکی پوری پوری پابندی کرتے ہیں۔

محاسن

زیرِ نظر ترجمہ مترجمین کی علمی کاوش ہے۔ انہوں نے مختلف موضوعات پر قرآنی آیات کو یکجا کر کے ہر موضوع کو واضح کرنے کی شعوری کوشش کی ہے۔ یہ ترجمہ بہت سے خوبیوں سے بہرہ ور ہے جن میں سے کچھ یہ ہیں۔

اس ترجمے کا ایک وصف یہ ہے کہ یہ ترجمہ بامحاورہ اور رواں ہے اور یہی ایک اچھے ترجمے کی بہت بڑی خوبی ہوتی ہے مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجاً

''توں لوکیں کوں ڈیکھیں جو اوالله دے دین وچ ٹولے ٹولے داخل تھیندے بن'' (79)

مندرجہ بالا ترجمہ روانی کا حسن اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ اس سے فاضل مترجمین کا دونوں زبانوں پر عبور ثابت ہوتا ہے۔ سادگی اور روانی نے قارئین کی دلچسپی میں اضافہ کیا ہے اور ترجمے کے حسن میں بھی اضافہ ہوا ہے۔

ترجمے کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ اس میں خالص سرائیکی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جو روزمرہ کی زبان میں ہوتے ہیں اس لئے ترجمہ عام فہم ہے اور قاری کیلئے دلچسپی کا باعث ہے مثلاً:

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ

''تے نماز باجماعت ٹھبا کے پڑھو تے زکوۃ ڈیوو تے رکوع کرن والیں نال رکوع کرو''۔ (80)

اس ترجمے میں ''ٹھبا'' کا لفظ خالص سرائیکی لفظ ہے اس سے ترجمے میں لسانی حسن پیدا ہوا ہے اور سرائیکی زبان کی حلاوت عیاں ہوئی ہے۔ مترجمین نے آغاز سے اختتام تک ترجمے کو سرائیکی زبان کی بیانات سے مزین کرنے کی شعوری کوشش کی ہے۔ زیرِ نظر ترجمے کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ اس میں حروف مقطعات کا ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔ اکثر مفسرین کی رائے کے مطابق ان کا علم الله تعالی کے سوا کسی کو نہیں مگر فاضل مترجمین نے حروف مقطعات کا سرائیکی ترجمہ رقم کیا ہے جیسے

الٓمٓ ''میں الله بہوں جاندا اں'' (میں الله بہت جانتا ہوں)

حٰمٓ ''بہوں تعریف کیتا گئے تے بہوں بزرگ شان والا''۔ (81) (بہت تعریف کیا گیا اور بہت بزرگ شان والا)

حروف مقطعات کے ترجمے سے اس کو انفرادیت حاصل ہو گئی ہے کیونکہ مروجہ تراجم میں خواہ وہ کسی بھی زبان میں کیوں نہ ہوں حروف مقطعات کے تراجم رقم نہیں کیے گئے ایسا پہلی بار ہوا کہ کسی مترجم نے حروف مقطعات کا ترجمہ کیا ہو۔

اس ترجمہ کا ایک اور وصف یہ ہے کہ یہ سہل اور آسان ہے۔ ادق اور مشکل تراجم قارئین کی دلچسپی سے خالی ہوتے ہیں۔ فاضل مترجمین نے اسی بات کو پیش نظر رکھا ہے مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ

''توں آکھ ڈے جو الله ہک ہِ او بے نیاز نہ او کہیں دا پتر تے نہ کہیں دا پیو ہِ تے اوندا کوئی ثانی نئیں''۔ (82)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''میں شروع کریندا اں الله دے ناں نال جیرھا بن منگے ڈیون والا تے ڈِل ڈِل رحم کرن والا ہِ''

اس ترجمے میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ عام خواندہ قاری بھی اسے بآسانی سمجھ سکتا ہے اور اس سے قرآن مجید کے قارئین کی شرح میں اضافہ ناگزیر ہے کیونکہ زبان خود کوئی اہمیت نہیں رکھتی اس کا اسلوب بیان ہی موثر ہوتا ہے۔ مترجمین نے قارئین میں قرآن فہمی کا شوق پیدا کرنے کیلئے سہل اور آسان ترجمہ رقم کیا ہے۔

سرائیکی زبان میں حلاوت اور جاذبیت کے باعث کانوں میں رس گھولتی شیرینی الفاظ و معنی کی وسعت اور فصاحت و بلاغت کا ایک سمندر موجزن ہے۔ سرائیکی ایک زندہ زبان ہے یہ ان تمام خوبیوں سے متصف ہے۔ جو ایک زندہ زبان کے شایانِ شان ہوتی ہیں۔

مترجمین نے ان تمام اوصاف کو اپنے ترجمے میں عیاں کرنے کی قابل قدر کاوش کی ہے مگر اس میں کچھ سقم رہ گئے ہیں جن کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ اس ترجمے کا ایک سقم یہ ہے کہ اس میں دخیل کلمات استعمال کیے گئے ہیں۔ کہیں اردو کہیں عربی اور کہیں فارسی کے الفاظ ملتے ہیں مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ

''انہیں لوکیں دا رستہ جنہیں تے تیں انعام کیتن تے بعد وچ انہیں تے نہ غضب تھیا تے نہ او گمراہ تھین'' (83)

مندرجہ بالا ترجمے میں ''انعام'' اور ''غضب'' عربی جبکہ گمراہ فارسی زبان کا لفظ ہے ''غضب'' کا متبادل لفظ ''کاوڑ'' ہے اور ''گمراہ'' کیلئے ''تھڑ کیے'' ہوئے موزوں لفظ ہے۔ اگر فاضل مترجمین یہ خالص سرائیکی الفاظ استعمال کرتے تو زیادہ صائب ہوتا۔ زیرِ نظر ترجمے کا ایک سقم یہ بھی ہے کہ یہ اردو ترجمے کا تتبع ہے۔ اس کو قرآن مجید کے عربی متن سے براہ راست سرائیکی میں نہیں ڈھالا گیا بلکہ اردو ترجمے کی سرائیکی بنائی گئی ہے۔ مثلاً:

اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ

''بے شک اساں ایکوں واضح قرآن بنائے تاں جو تساں ایکوں سمجھو'' (84)

اس ترجمے سے صاف عیاں ہے کہ اسے اردو ترجمے سے سرائیکی زبان میں ڈھالا گیا ہے۔ یہ بات ترجمے کے فنی اصولوں کے خلاف ہے اور اس سے ترجمے کا حسن بھی برقرار نہیں رہتا کیونکہ ہر زبان کا اپنا مزاج ہوتا ہے۔ دونوں زبانوں کے پیرایہ بیان کی مطابقت ضروری ہوتی ہے۔ اس ترجمے کا ایک سقم یہ بھی ہے کہ یہ عدم فصاحت کا شکار ہے اور اس سے معنوی سقم بھی پیدا ہو جاتا ہے مثال کے طور پر مترجمین نے درج ذیل آیت کا سرائیکی ترجمہ اپنے عقیدے کے مطابق کیا ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا

''محمد ﷺ تساں جوانیں وچوں کہیں دا پیو تھیں تے نہ تھیسی پر اے ہے جو او اللہ دا رسول تے نبیں دی مہر

تے اللہ سئیں ہر شے کوں ڈاڈھا جانن والا ہے'' (85)

اس ترجمے میں ''خاتم'' کے معنی ''مہر'' کیے گئے ہیں۔ ہم مسلمانوں کے نزدیک خاتم کے معانی تکمیل اور ختم کرنے کے ہیں۔ اور 'خاتم النبیین' کا مطلب واضح طور پر یہ ہے کہ ہمارے پاک نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رسالت کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے اور مکمل طور پر ختم ہو گیا۔ اُن کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا اور نہ ہی کسی ظلی، بروزی یا کسی اور قسم کے نبی کے لیے کسی قسم کی گنجائش ہے۔ زیرِ نظر ترجمے کا ایک سقم یہ بھی ہے کہ اس میں کہیں کہیں تشریحی کلمات استعمال کیے گئے ہیں جس سے ترجمہ طویل ہو جاتا ہے مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

''ساریاں صفتاں اللہ سئیں کیتے جیہڑا سارے جہانیں دا پالنہار'' (86)

یہ محض ترجمہ نہیں بالکل تشریحی ترجمہ ہے۔ معیاری ترجمہ وہ ہوتا ہے جس میں تشریحی کلمات شاذ ہوں اور اس میں قرآن مجید کے متن کا مکمل ابلاغ ہو اس طرح ترجمے کے پیرایہ بیان میں طوالت آجاتی ہے اور یہ اس ترجمے کا ایک سقم ہے۔

سپارہ عَمَّ یَتَسَاءَ لُوْنَ مترجم سرائیکی

استاذ محمد رمضان طالبؔ مرحوم مغفور

تاریخ طباعت: 2001ء　　　مقام طباعت: ڈیرہ غازیخان

فاضل مترجم نے قرآن پاک کے سرائیکی تراجم کے حوالے سے کئی کتب اور کتابچے تصنیف کیے ہیں جو سرائیکی دینی ادب کا قابل قدر سرمایہ ہیں اور یہ ان کی قرآن مجید سے گہری وابستگی اور سرائیکی زبان سے محبت کا ثبوت ہیں۔

زیر نظر ترجمہ قرآن مجید کے آخری پارے کا سرائیکی معنٰی ترجمہ ہے۔ اس کا سرورق دو رنگوں نیلے اور سفید میں خوبصورت اور دیدہ زیب ڈیزائننگ کے ساتھ بنایا گیا ہے۔ سب سے اوپر "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم" لکھا گیا ہے اس کے نیچے ذالک الکتب لاریب فیہ اور اس کا سرائیکی ترجمہ "ایں کتاب وچ کوئی وی شک کائے نی" تحریر ہے۔

سرورق کے بالکل درمیان میں ایک خوبصورت مربع چوکھٹے میں "سپارہ ۳۰ عم" کا عنوان دیا گیا ہے اور اس کے دائیں اور بائیں طرف مصنف موصوف کا ایک شعر بھی تحریر کیا گیا ہے جو ایک حدیث پاک کا ترجمہ ہے:

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرآنَ وَ عَلَّمَهُ

جو پڑھاوے تے پڑھے قرآن کوں
جان بہتر اوں بھلے انسان کوں

مترجم ذی وقار نے دیباچے میں اس ترجمہ کی وجہ تالیف اور غرض و غایت بیان کی ہے۔ انہوں نے رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں دوران اعتکاف قرآن پاک کے آخری پارے کا عربی متن اور سرائیکی ترجمہ اپنی قلم سے مکمل کیا وہ لکھتے ہیں۔ "ایں دفعہ رمضان شریف وچ ہک سنگتی چوہدری عبدالعزیز دے آکھے اعتکاف دی خاطر مسیت وچ ان بیٹھم وقت گذارن کیتے قرآن لکھن والی گال یاد آ گئی تے دل آکھیا جو:

بیکار نہ رہ کجھ کیتا کر
اس پلو پاؤ کے سیتا کر

"ایویں اللہ دی آس تیں سئیں ڈاکٹر مہر عبدالحق مرحوم، سئیں پروفیسر دلشاد کلانچوی مرحوم تے سئیں ابن احسن کلیم دی تقلید وچ قرآن پاک دے آخری سپارے کوں نہ صرف نقل کر گھدم بلکہ اوندا اپنی ماں بولی سرائیکی وچ ترجمہ ای کر گھدم (الحمدللہ) اللہ تعالیٰ دا لکھ شکر تے احسان ہے جو اوں رحیم تے کریم ذات میں جہیں بدکار تے بدخط کوں اپنے پیارے آخری نبی حضرت محمد ﷺ دے صدقے اپنے سوہنے کلام دے لکھن دی سعادت نصیب کیتی ہے تے میڈی عاجزانہ دعا ہے جو میڈی ایں چھوٹی جہیں کوشش کوں شرف قبولیت عطا کر کے میڈی بخشش دا ذریعہ بنا ڈیوے آمین"۔

مصنف نے دیباچے میں معاونین اعجاز ڈیروی، محمد امین خان چانڈیہ اور اختر کھوسہ کے مشوروں اور دعاؤں کا شکریہ ادا کیا ہے اور اس سپارے کی تحریر کا ثواب رسول اکرم ﷺ کی نذر کر کے اپنے پوتوں اور پوتیوں کے نام معنون کیا ہے۔

آخر میں قرآنی آداب، قرآنی برکات اور بغیر ہدیہ کے ملنے کے پتے تحریر کیے گئے ہیں۔ دیباچہ میں تاریخ طباعت 2001ء جبکہ صفحہ نمبر 32 پر 2002ء رقم ہے۔ یہ ترجمہ 32 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے ناشر اعجاز ڈیروی اور اختر کھوسہ عہدیداران فرید سرائیکی سنگت ڈیرہ غازیخان ہیں۔

طریق کار

مترجم ذی وقار قرآن مجید کے حوالے سے کثیر التصانیف مصنف ہیں۔ آپ نے قرآن پاک کے منثری مخطی اور منظوم سرائیکی تراجم تصنیف کیے ہیں ہر ایک کا طریق کار الگ الگ ہے۔

زیر نظر کتاب کا آغاز ایک مختصر سے دیباچے سے ہوتا ہے جس میں انہوں نے اپنے قرآن پاک لکھنے کی خواہش کا ذکر کیا ہے اور دوستوں کا شکریہ ادا کیا ہے۔ جو اس کام میں ان کے معاون بنے اور اپنے بچوں کیلئے درازی عمر کی دعا اور اپنے لیے بخشش کی دعا کی ہے۔

ہر سورت کے آغاز میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اور اس کا سرائیکی ترجمہ ''شروع اللہ دے ناں نال جیڑھا رحمان تے رحم کرن والا ہے'' رقم کیا گیا ہے۔

فاضل مترجم نے اوپر قرآن مجید کا عربی متن جلی حروف میں دیا ہے اور اس کے نیچے سرائیکی ترجمہ ہے۔ بالعموم ترجمہ عربی متن کے مطابق رقم ہے۔ لیکن کہیں کہیں ایک سطر کا ترجمہ دوسری سطر میں چلا جاتا ہے۔

ترجمہ آیات کے اعتبار سے ہے عربی متن میں جہاں آیت ختم ہوتی ہے گول دائرے میں اس کا نمبر مرقوم ہوتا ہے یوں ہر سورت کی آیات کے الگ الگ نمبر ہیں سورت کے شروع میں جیسا کہ قرآن مجید میں ہوتا ہے آیات اور رکوعات کی تعداد نہیں بتائی گئی۔

کچھ سورتوں کے آغاز میں اس کا نام مقام نزول آیات اور رکوع کی تعداد مرقوم ہے لیکن بعض سورتیں ایسی ہیں جن کے آغاز میں یہ تفصیل درج نہیں ہے۔ سورۃ العصر کے آغاز میں تفصیل یوں درج کی گئی ہے۔ دائیں طرف آیات کی تعداد درمیان میں سورۃ کا نام اور مقام نزول اور بائیں طرف، رکوع کی تعداد رقم کی گئی ہے:

آیتاں (۳)　　سورۃ عصر　　مکی ہے　　رکوع (۱) (88)

فاضل مترجم نے کہیں کہیں لفظی ترجمہ کیا ہے لیکن زیادہ تر بامحاورہ ترجمہ مرقوم ہے مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ (۱۰۷: الماعون: ۱)

''کیا تساں اوں آدمی کوں ڈٹھے جو جزا دے ڈینہہ دا انکاری ہے'' (89)

پورے پارے کی کتابت جیسا کہ دیباچے میں مذکور ہے مصنف گرامی قدر نے خود کی ہے ظاہر ہے کہ کاتب کی کتابت اور عام آدمی کی کتابت میں فرق ہوتا ہے یہ فرق پوری طرح سے عیاں ہے اسے خوشخطی تو نہیں کہہ سکتے البتہ متن اور ترجمہ آسانی سے پڑھے جاسکتے ہیں۔

متن عربی رسم الخط میں ہے۔ ترجمہ خط نستعلیق میں ہے قدرے شکستہ اور دیوانی ہے سطور کا خاص خیال رکھا گیا ہے برابر ہیں اور سیدھی ہیں اعراب بڑی جزم کے ساتھ لگائے گئے ہیں البتہ کہیں کہیں سہو رہ گئے ہیں۔

پارے کے آخر میں ''دعائے ختم القرآن'' ہے جو عربی میں ترجمے کے بغیر ہے۔ دعا کے بعد اعجاز القرآن پر ایک مختصر سا نوٹ ہے۔ نوٹ کے اختتام پر اللہ کا شکر ادا کیا گیا ہے اور تاریخ طباعت بھی تحریر کی گئی ہے ٹائٹل کی پشت پر قرآنی آداب اور قرآنی برکات تحریر ہیں۔

محاسن

زیرِ نظر سیپارہ ۳۰ عـمّ سرائیکی قرآنی ادب اور معرّی تراجم میں گراں قدر اضافہ ہے۔اس سے مصنف موصوف کی اسلام سے محبت عیاں ہوتی ہے۔یہ ترجمہ بہت سے اوصاف اور محاسن سے آراستہ ہے۔

اس ترجمے کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ مترجم ذی وقار نے خود اپنے قلم سے رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں دوران اعتکاف مسجد میں بیٹھ کر رقم کیا۔یہ ان کی قرآنی مجید سے گہری وابستگی اور سرائیکی سے محبت کا بین ثبوت ہے۔

فاضل مترجم کے اس معرّی ترجمے کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ آپ نے سرائیکی زبان کے خالص اور ٹھیٹھ الفاظ بڑے خوبصورت انداز میں تحریر کیے ہیں مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ (۸۱:التکویر:۱)

''جڈاں سجھ کوں ولیٹیا ویسی'' (90)

اس ترجمے میں ''سجھ'' اور ''ولیٹیا'' خالص سرائیکی الفاظ ہیں جو قاری کیلئے غیر مانوس نہیں بلکہ عام فہم ہیں اس سے ترجمے حسن میں اضافہ ہوا ہے اور سرائیکی زبان کی فصاحت بھی عیاں ہوتی ہے۔

مترجم موصوف نے زیرِ نظر ترجمے میں سلاست اور روانی کا بہت خیال رکھا ہے۔اچھا ترجمہ وہی شمار ہوتا ہے جو عام قاری کے لئے بھی عام فہم اور اسکی دلچسپی کا باعث ہو مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کے ترجمہ پر غور فرمائیں:

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا (۹۱۔الشمس:۱۔۲)

''قسم ہے سجھ دی تے اوندی دھپ دی تے قسم اے چندر دی جو اوندے پچھوں آوے'' (91)

مندرجہ بالا ترجمہ سلاست اور روانی کی عمدہ مثال ہے۔فاضل مترجم صاحب ذوق اور ترجمے کے فن میں مہارت رکھتے ہیں اس لیے آپ نے ترجمے کے حسن کو برقرار رکھنے کیلئے اس میں لسانی خوبیوں کو مدِنظر رکھا ہے۔

اس ترجمے کا ایک وصف اثر آفرینی ہے۔اسلوب بیان قاری کو متاثر کرتا ہے مثلاً ان آیات کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اَلْقَارِعَةُ مَا الْقَارِعَةُ (۱۰۱۔القارعہ:۱۔۲)

''کڑوا کرن والی کیا ہے کڑوا کرن والی'' (92)

اسی طرح

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا (۹۹۔الزلزال:۱)

''جیں ویلے زمین تے بھوئیں اب آسی'' (93)

مندرجہ بالا آیات کا ترجمہ اثر انگیز ہے قاری کو عارضی دنیا بھول جاتی ہے اور فکر آخرت کرنے لگتا ہے اُسے اسلام کے بنیادی عقیدے آخرت پہ پختہ یقین ہو جاتا ہے اور اس سے فاضل مترجم کی فنی مہارت بھی عیاں ہوتی ہے۔

مصنف موصوف کے ترجمے کا ایک وصف یہ ہے کہ یہ ترجمہ ڈیروی لہجے کا شاندار ترجمان ہے مثال کے طور پر درج ذیل آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ (۸۱:التکویر:۱۸)

''تے فجر جڈاں دم گھنے'' (94)

''گھنے'' خالص ڈیروی لہجے کا لفظ ہے۔فاضل مترجم نے اکثر مقامات پر ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جن سے یہ ترجمہ سرائیکی زبان کے معروف لہجے ڈیروی کا شاہکار لگتا ہے۔

نقد و نظر

مصنف موصوف سرائیکی زبان و ادب کے کثیر التصانیف مصنف ہیں۔ ان کی علمی و ادبی کاوشیں سرائیکی زبان کا قیمتی اثاثہ ہیں۔

زیر نظر ترجمہ ان کے محنتی اور صاحب ذوق ہونے کا واضح ثبوت ہے۔ یہ ترجمہ بہت سی خوبیوں سے بہرہ ور ہے مگر اس میں کچھ سقم بھی رہ گئے ہیں جن کا ذکر نہ کرنا علمی خیانت ہوگی۔

قرآن مجید کی صحت کے ساتھ کتابت ایک مشکل اور صعب کام ہے۔ مصنف گرامی قدر نے بڑی محنت اور لگن سے اس کام کو پورا فرمایا۔ کتابت تو ہو گئی لیکن صحت کا دامن چھوٹ گیا کتابت کی اغلاط تقریباً ہر صفحہ پر سہواً ہو گئی ہیں۔

یوں لگتا ہے مصنف نے لکھنے کے بعد کسی قاری / حافظ سے سند تصدیق نہیں لی مثلاً صفحہ نمبر 3 سورۃ النباء کی آیت نمبر 5 صفحہ نمبر 40 سورۃ النزعٰت کی آیت نمبر 10 اور اسی طرح سورۃ عبس صفحہ نمبر 7 آیت نمبر 4 اور صفحہ نمبر 8 پر آیت نمبر 32،34 میں کتابت کی اغلاط رہ گئی ہیں۔

فاضل مترجم قرآن مجید کا ترجمہ بڑی لگن اور ذوق سے فرماتے ہیں جیسا کہ انہوں نے دیباچہ میں قرآن پاک سے اپنی محبت کا ذکر فرمایا ہے یقیناً ترجمہ کرتے وقت ان حضرات کے تراجم پیش نظر رہے ہوں گے۔ اس سب کچھ کے باوجود زیر نظر ترجمہ صحت اور فصاحت کے معیار پر پورا نہیں اترتا بعض مقامات تو صحت کے طالب ہیں جیسے:

"سیعلمون" کا ترجمہ "جلدی ویسن" رقم کیا گیا اس کا درست ترجمہ "جلدی جان ویسن" ہے اسی طرح "جعلنا" کا ترجمہ "تے کیا" مرقوم ہے اس کا درست ترجمہ "تے بنڑایا" ہونا چاہیے تھا۔(95)

فاضل مصنف نے اسی سورۃ کی آیت نمبر 12 میں "سبعاً شداداً" کا ترجمہ "سخت آسمان" تحریر کیا ہے اگر مندرجہ بالا ترجمہ میں "سخت" کی بجائے "مضبوط" ہوتا تو زیادہ فصیح ہوتا زیر نظر ترجمے میں معنوی سقم کی ایک مثال ملاحظہ فرمایئے:

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ (۸۹:الفجر ۱۳)

"بس میڈے رب انہاں تے سٹیا اوکھا عذاب"(96)

مترجم نے اس آیت میں "سوط" کے معنی "اوکھا" رقم کیے ہیں جبکہ اس کے درست معنی "کوڑے" اور "چابک" کے ہیں یہ اس ترجمے کا معنوی سقم ہے معنوی سقم کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمایئے:

يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ (۱۰۱:القارعۃ:۴)

"جئیں ڈینہہ آدمی مکڑی وانگے پُٹھے تھے پئے ہوسن"(97)

"فراش" مکڑی کو نہیں پروانے کو کہتے ہیں۔ جس کے معنی سرائیکی میں "بھنبھوٹیاں" یا "پتنگے" کیا جانا چاہیے۔ اسی طرح "مبثوث" کے معنی "پُٹھے" نہیں بلکہ "منتشر" اور "بکھرے ہوئے" کے ہیں۔

سرائیکی میں اسے "وچھلے ہوئے" تے "اودرے ہوئے" کے الفاظ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ فاضل مترجم کے ترجمے میں اس طرح کے معنوی سقم رہ گئے ہیں اور ان کو دور کر لیا جاتا تو زیادہ صائب تھا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس پاکیزہ اور گراں قدر کاوش میں علمیت کم اور سرائیکیت زیادہ عیاں ہے۔

سوانح مترجم

ولادت:1935ء 11نومبر2009ء

استاذ محمد رمضان طالب ڈیروی مدظلہ العالی 1935ء کو ڈیرہ غازیخان میں پیدا ہوئے۔ یہ شہر پاکستان کے چاروں صوبوں کے سنگم پر واقع ہے۔ آپ کا خاندان اس شہر کے بلاک نمبر 48 جو چھر بازار کے نام سے مشہور ہے کے بھٹی برادری سے تعلق رکھتا ہے آپ کے آباؤ اجداد ڈیرہ غازی خان کے پرانے شہر دریائے سندھ کے کنارے پر آباد تھے وہاں بھی خاندان کی بہت بڑی برادری جن میں اکثر مزدور طبقہ سے تعلق رکھتے تھے اور کچھ زمیندار اور سوداگر تھے لیکن زیادہ تر لوگ قصائی موچی کے پیشوں کے ساتھ رزق حلال کی تلاش میں رہتے تھے۔

فاضل مترجم کے دادا رحیم بخش مرحوم اور والد محمد بخش مرحوم و مغفور چھر بازار میں آباد ہوئے۔ آپ کے والد نے ہوٹل کا کاروبار شروع کیا مگر ان کے خاندان میں خدمت خلق کا جذبہ موروثی تھا آپ کے باپ اور دادا طبابت بھی کرتے تھے اور وہاں حکیم کے نام سے مشہور تھے اور ہڈی جوڑ "سرائیکی پٹی بدھ" کا کام رضا کارانہ طور پر کرتے تھے۔

مترجم ذی وقار کی تعلیم و تربیت آپ کے والدین کی مرہون منت ہے۔ چھ سات کی عمر میں آپ نے قرآن مجید پڑھ لیا۔ ابتدائی تعلیم فریدیہ سکول سے حاصل کی۔ قیام پاکستان کے بعد 1952ء میں اسلامیہ سکول ڈیرہ غازیخان سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ 1954ء میں ٹیچرز ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ بہاولپور سے JAV کیا اور 17 مارچ 1995ء میں عملی زندگی کا آغاز گورنمنٹ سکول شادن لُنڈ سے بطور ٹیچر کیا بعد ازاں گورنمنٹ مڈل سکول کوٹ چھٹہ تبادلہ کر دیا گیا وہاں کے ہیڈ ماسٹر سرائیکی زبان و ادب کے دانشور محمد علی کیفی جام پوری نے محمد رمضان طالب شاعری کی خداداد صلاحیت کو بھانپ لیا اسی دوران آپ نے فاضل پنجابی کا امتحان پاس کیا۔

دوران ملازمت آپ گورنمنٹ سکول سوکڑ، "درکھان والا"، کوٹ مٹھن (مارچ 1957ء تا دسمبر 1958ء بطور انگلش ٹیچر) کوٹ چھٹہ (1958ء تا 1960ء) مانہ احمدانی (1960ء تا 1962ء) بعد ازاں 1962ء تا 1974ء) مانہ احمدانی (1960ء تا 1962ء) بعد ازاں 1962ء تا 1977 تقریباً بارہ سال گورنمنٹ مڈل کوٹ ہیبت 1974ء تا 1977ء جامع ہائی سکول ڈیرہ غازیخان 1977ء تا 1978ء گورنمنٹ مڈل سکوک عالی والا اور آخر میں گورنمنٹ ہائی سکول نمبر 1 ڈیرہ غازیخان 1978 تا 1982 تک تعینات ہے اور اسی سکول سے دسمبر 1982ء میں ریٹائرمنٹ لے لی۔

فاضل مترجم ملازمت کے دوران ٹیچرز یونین میں بھی سرگرم رہے اور اساتذہ کی فلاح و بہبود کیلئے کام کیا۔ محکمہ شہری دفاع میں ابتدائی طبی امداد کی حوالے سے خدمت خلق کرتے رہے۔ آپ نے اپنی ادبی سفر کا آغاز مارچ 1952ء میں میٹرک کا امتحان دینے کے بعد نعت گوئی سے شروع کیا اس دوران آپ کئی ادبی تنظیموں کی روح رواں رہے جن میں "بزم ساحل" اور "فرید سرائیکی سنگت" شامل ہیں آپ نے کئی یادگار مشاعروں میں بھی شرکت کی۔

فاضل مترجم نے سات آٹھ عمرے اور دو حج کیے اور آیت اللہ خمینی کی پہلی برسی پر ایران کا سفر بھی کیا۔

آپ نے اپنے مخصوص آبائی پیشے طب و حکمت کے شعبہ ہڈی جوڑ کو خدمت خلق اور روزگار کا حصہ بنایا ہوا تھا۔ آپ صحافی بھی تھے پریس کلب کی رکنیت بھی تھی۔ 11 نومبر 2009 کو انتقال ہوا۔

علمی وادبی خدمات

مترجم ذی وقار کثیر التصانیف مصنف ہیں۔ آپ کی تصانیف میں مذہبی کتب قرآن پاک کے تراجم، صحابہ کرام، احادیث مبارکہ کے سرائیکی تراجم، شاعری، سفرنامے اور کئی کتابچے شامل ہیں۔

قرآنیات کے حوالے سے آپ نے متعدد کتب تحریر کیں۔ ان میں "قرآن پاک دیاں چالیہی آیتاں" سرائیکی ترجمہ (1995ء) "قرآن پاک آخری ڈاہ سورتیں" دا سرائیکی ترجمہ تے تشریح (1409ھ) "چندھراں سورۃ" سرائیکی ترجمہ (2002ء) "سیپارہ ۳۰ عم" سرائیکی ترجمہ (2001ء) "سوجھل سوچاں" قرآنی آیات دا انگریزی ترجمہ منظوم سرائیکی (2003ء) سورۃ الرحمٰن اردو انگریزی تے سرائیکی منظوم ترجمہ (۲۰۰۵ء)، "رحمت دعا" قرآنی دعائیں معہ اردو انگریزی و منظوم ترجمہ سرائیکی (۲۰۰۶ء) شامل ہیں۔

سیرت رسول ﷺ پر "محبوبؐ رب دا" ایوارڈ یافتہ سرائیکی نثر (1994ء) "سوہنے سچے" رسول کریم ﷺ دے مکتوبات کا سرائیکی ترجمہ (1998ء) "سوجھل خبران" رسول کریم ﷺ کے صحابہ کرامؓ کو جوابات (2005ء) "مشکوٰۃ شریف وچوں ڈو سو حدیثاں" سرائیکی ترجمہ (1995ء) "سو حدیثاں" سرائیکی ترجمہ (1995ء) "چالیہی حدیثاں" سرائیکی ترجمہ "پھنوار" مجموعہ کلام اینکی اشاعت تین بارہوئی "او جھن" کے عنوان سے قصیدہ بردہ شریف کا منظوم سرائیکی ترجمہ (2002ء) میں کیا۔

2007ء میں "سوجھل سیرت" متفرق کتب میں "ارکان اسلام" اردو نثر میں "ارکان اسلام اور ان کے احکام" 1986ء "ڈاہ غازی" صحابہ کرامؓ 1988ء "ڈاہ شہید" صحابہ کرام 1988ء "ڈاہ ولی" 1991ء "ڈاہ دوزخی" 1991ء، "پیارے رسول دیاں پیاریاں دعائیں" (اردو ترجمے کے ساتھ) 1989ء اور 1994ء میں "ادبی گلدستہ" شائع کی جو سرائیکی وسیب کے سو سے زائد شعراء کی ڈائریکٹری ہے۔

شاعری کے حوالے سے آپ کی کئی کتب شائع ہوئیں جن میں 'سوچاں سکھ دیاں' دعائیہ کلام دو ایڈیشن شائع ہوئے 1991,1987ء "جھریتاں" غزل دوہڑے قطعات اور نظموں کا سرائیکی مجموعہ (1988) "سکھ سہل" سرائیکی ڈوہڑے اور قطعات "دل ایک سمندر" اردو مجموعہ (1998) "سوجھل سہل" سرائیکی اصلاحی مجموعہ کلام "سکھ دے ساہ" شائع ہوا۔

فاضل مترجم نے ادبی تنظیمیں بھی قائم کیں۔ 1952ء "بزم سائل" اور 1987ء میں "فرید سرائیکی سنگت" قائم کی۔ اسی سنگت کے زیر اہتمام سرائیکی اردو ادبی جریدہ ماہنامہ فرید رنگ کا اجراء کیا گیا اس کا پہلا شمارہ مارچ 1988ء میں شائع ہوا۔

مصنف موصوف کو کئی ایوارڈ اور اعزازات سے نوازا گیا جو ان کے علمی وادبی خدمات کا اعتراف ہیں۔ ان میں فرید ایوارڈ، نور محمد سائل ایوارڈ، دلچسپ ایوارڈ، حسن کارکردگی ایوارڈ، مسعود کھدر پوش ایوارڈ اور ان کے علاوہ کئی میڈیل اور شیلڈز بھی حاصل کیں۔

فاضل مترجم نے سفرنامے بھی تصنیف کیے، جن میں "سفر سوہنے دیس دا" حج کے بارے ہے جو 2005ء میں شائع ہوا، جبکہ "عمرہ دا سفرنامہ" اسی سال زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔ 2006ء میں مترجم ذی وقار کی آپ بیتی "میں کون"؟ فرید سرائیکی سنگت نے شائع کی۔

محشّی تراجم

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سرائیکی کا شمار دنیا کی قدیم ترین زبانوں میں ہوتا ہے۔ اس کا ذخیرہ الفاظ، محاورے، تراکیب، شاعری اور دوسری اصناف اسکی قدامت کے ثبوت کیلئے کافی ہیں۔ اسیؑ حوالے سے سرائیکی زبان کا دینی ادب بھی بہت قدیم ہے۔ وہ قدیم قلمی سرائیکی ادب زمانے کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکا۔

میری پانچ سالہ تحقیقی جدوجہد اور عرق ریزی سے دستیاب ہونے والے جزوی تراجم کی تعداد پندرہ ہے۔ ان میں دو تراجم کے علاوہ جو بالترتیب محشّی اور منظوم ہیں باقی سب زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ ان میں محشّی، مفسر، معرّی اور منظوم تراجم شامل ہیں۔

جزوی تراجم میں سب سے اولین کاوش مولانا عبدالتواب ملتانی مرحوم و مغفور کی ہے۔ یہ قرآن مجید کے دو پاروں کا محشّی ترجمہ ہے۔ پہلا پارہ الٓمّ اور آخری عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ ہے جسے مصنف موصوف نے اپنی زندگی میں تصنیف فرمایا۔ سب سے پہلے قرآن مجید کا آخری پارہ شائع ہوا اس وقت مترجم ذی وقار بقید حیات تھے۔ اس کی طباعت سال ۱۳۵۹ھ بمطابق 1940ء ہے اس پر فاضل مترجم کا نام تحریر نہیں ہے بعد ازاں 1956ء بمطابق ۱۳۷۵ھ اسکی دوسری قسط شائع ہوئی یہ قرآن مجید کا پہلا پارہ الٓمّ میں ہے یہ بھی محشّی ترجمہ ہے فاضل مترجم کا نام اس پر بھی تحریر نہیں ہے۔

ان پاروں کے تراجم کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں سرائیکی ترجمے کے ساتھ ساتھ جناب شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اردو ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔ ان دونوں پاروں کو مترجم ذی وقار کے بیٹے مولوی عبدالواسع صاحب نے مکتبہ سلفیہ قدیر آباد ملتان سے چھپوایا۔

محشّی تراجم کے حوالے سے ایک اور اہم نام استاذ محمد رمضان طالبؔ مدظلہ العالی کا ہے۔ انہوں نے محشّی، معرّی اور منظوم تراجم تصنیف کیے ہیں۔ محشّی تراجم کے حوالے سے ان کی تین کاوشیں سامنے آئی ہیں ان کی پہلی تصنیف "قرآن پاک دیاں آخری ڈاہ سورتیں دا ترجمہ تے تشریح" ہے اس میں قرآن مجید کی آخری دس سورتوں "الفیل، الماعون، الکفرون اللھب، القریش، الکوثر، النصر، الاخلاص، الفلق، الناس اور سورۃ الفاتحہ" کا ترجمہ و تشریح ہے یہ یکم رمضان 1409ھ میں شائع ہوئی۔

محشّی تراجم کے حوالے سے تیسرے مصنف حافظ مختار احمد شاہد عباسی ہیں۔ انہوں نے قرآن پاک کی گیارہ سورتوں کا سرائیکی ترجمہ اور حاشیہ رقم کیا ہے۔ ان سورتوں میں " العلق، التکاثر، العصر، الھمزہ، الفیل، القریش، الماعون، الکوثر، الکفرون، النصر اور المدثر" شامل ہیں۔ یہ ترجمہ مترجم موصوف کے اپنے قلم سے لکھا گیا ہے۔ آسانی سے پڑھا جا سکتا ہے عربی متن خطِ نسخ میں ہے اور ترجمہ خطِ نستعلیق میں ہے۔

اب ہر ایک پر الگ الگ نظر ڈالتے ہیں۔

☆ عَمَّ یَتَسَاءَ لُونَ اتے الٓمٓ دا ترجمہ ملتانی زبان وچ

مولانا عبدالتواب صاحب سلفی محدث ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

مقام طباعت: ملتان **تاریخ طباعت: 1359ھ/1375ھ**

یہ قرآن مجید کے دو پاروں کا ترجمہ ہے۔ پہلا الٓمٓ اور آخری عم یتساء لون ہے دونوں پاروں کا ترجمہ بھی ہے جسے مولانا علامہ عبدالتواب محدث ملتانیؒ نے اپنی زندگی میں تصنیف فرمایا۔ آخری پارہ آپ کی زندگی میں شائع ہوا جبکہ پہلا پارہ ان کی رحلت کے بعد ان بڑے بیٹے مولانا عبدالواسع مرحوم ومغفور نے طبع فرمایا۔

پہلے قرآن مجید کا آخری پارہ عم یتساءلون شائع ہوا جس کے سرورق پر یہ تحریر درج ہے۔

''الحمدللہ جو قرآن پاک دے ترجیویں عم یتساءلون دا ترجمہ ملتانی زبان وچ اللہ تعالی دے فضل تے کرم نال لکھا گیا اتے ۱۳۵۹ھ دے پنجویں مہینے جمادی الثانی دے وچ''

اس کے ناشر مولوی عبدالواسع صاحب اولادہ، تاجران کتب ملتان ہیں جبکہ طابع مقبول عام پریس لاہور ہیں۔

بعدازاں پہلا پارہ زیور طباعت سے آراستہ ہوا اس کے سرورق پر تحریر ہے۔

''الحمدللہ جو قرآن پاک دے پہلے پارے الٓمٓ اردو ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب دا ترجمہ ملتانی زبان وچ اللہ تعالی دے فضل تے کرم نال لکھیا گیا اتے ۱۳۷۵ھ دے اٹھویں مہینے شعبان دے وچ''

اس کے ناشر بھی مولوی عبدالواسع صاحب اولادہ تاجران کتب مالکان مکتبہ سلفیہ محلہ قدیر آباد ملتان ہیں۔ طابع کا نام درج نہیں ہے لیکن اغلب یہ ہے کہ اس پارہ کی طباعت بھی اسی پرانے مقبول عام پریس لاہور ہی میں ہوئی ہوگی۔

سرورق کی تحریر سے عیاں ہوتا ہے کہ قرآن مجید کا مکمل ترجمہ تصنیف ہو چکا تھا مگر اس کی طباعت اقساط میں ہوئی۔ پہلی قسط جمادالثانی 1359ھ میں طبع ہوئی دوسری قسط انتیس پارے کی ہونی چاہیے تھی لیکن اس کی بجائے پہلے پارے کی آئی اور وہ بھی پورے سولہ سال بعد، طویل عرصہ تک طباعت تعطل کا شکار رہی۔ اہم بات یہ ہے کہ دونوں پاروں پر مترجم کا نام رقم نہیں ہے۔ بقول پروفیسر ڈاکٹر صدیق شاکر" یہ ترجمہ مولانا عبدالتواب ملتانی کے صاحبزادے عبدالواسع نے تصنیف کیا"۔ یہ قرآن پاک کا مکمل ترجمہ تھا لیکن ناسازگار حالات کی وجہ سے محفوظ رہ سکا، ہوسکتا ہے کہ اس عظیم کام کا آغاز تو مولانا عبدالتوب نے کیا ہو اور اس کی تکمیل ان کے صاحبزادے عبدالواسع نے فرمائی ہو۔ (98) محمد تنزیل الصدیقی رقمطراز ہیں۔

''مولانا عبدالتواب ملتان مرحوم کو ملتانی زبان کی ترویج واشاعت کا بڑا شوق تھا اس سلسلہ میں قرآن مجید کا ترجمہ سرائیکی ملتانی زبان میں شروع کیا اس کے چند پارے بھی شائع کیے۔''(99)

اس سے عیاں ہے کہ قرآن مجید کے ترجمے کی مکمل طباعت مصنف کی زندگی میں نہیں ہوسکی۔ پہلے پارے کی طباعت ان کی وفات کے نو سال بعد ہوئی۔ (100) ٹائٹل پر قرآن مجید کی یہ آیت تحریر ہے جسکے نیچے سرائیکی ترجمہ بھی دیا گیا ہے

وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّکْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ

''تحقیق سوکھا کرڈِتا اساں قرآن کوں رکھنڑ واسطے سو کوئی ہے یاد رکھنڑ والا''۔

۱۹۵۶ء

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

تحقیق سوکیتا اساں قرآن کوں یاد کرن واسطے سو کوئی ہے یاد کرن والا پڑھن والا

الحمدللہ جو قرآن پاک دے پہلے پارے

الٓمٓ

اردو ترجمہ شاہ رفیع الدین
صاحب رحمۃ اللہ علیہ

دا ترجمہ ملتانی زبان وچ
اللہ تعالیٰ دے فضل تے کرم نال لکھیا گیا
تے سنہ ۱۳۷۵ھ دے اٹھویں مہینے شعبان دے وچ

مولوی عبدالواسع صاحب وادولاد تاجران کتب

مالکان مکتبہ سلفیہ محلہ قدیرآباد ملتان نے چھپوایا

تعداد اشاعت ...۱   قیمت ۸...

تے آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ ترتیب وار اینہ طرح نال ہک ہک سیپارہ چھپدا رہسی (اللہ دی توفیق نال)

سرورق الٓمٓ دا ترجمہ ملتانی زبان وچ از مولانا عبدالتواب ملتانی مطبوعہ 1956ء



مولانا عبدالتواب ملتانی کے سرائیکی ترجمے اور حاشیے کا نمونہ

طریق کار

ترتیب زمانی کے لحاظ سے یہ تیسرا جزوی مطبوعہ مختشی ترجمہ ہے۔ اس سے قبل مولانا احمد بخش مرحوم و مغفور اور مولانا محمد خیر الدین صابر ملتانی کے سرائیکی ترجمے کا سراغ ملتا ہے جو منثری تراجم تھے۔ مختشی تراجم میں زیر نظر ترجمہ پہلا ہے اور اولیت کے شرف سے ہمکنار ہے۔ زیر نظر ترجمہ ایک مربوط طریق کار کا حامل ہے۔ جس میں شروع سے آخر تک کمال یکسانیت پائی جاتی ہے طریق کار یہ ہے کہ فاضل مترجم پہلے جلی حروف میں قرآن پاک کا عربی متن دیتے ہیں پھر اس کے نیچے الفاظ کے اعتبار سے معنی ضبط فرماتے ہیں۔ ایک سطر میں جتنے عربی کلمات ہوتے ہیں نیچے اتنے ہی سرائیکی الفاظ آتے ہیں۔

فاضل مترجم نے ترجمہ کرتے وقت آیت کا نہیں بلکہ سطر کا خیال رکھا ہے۔ مصنف موصوف بڑی مہارت سے عربی کلمات کے متبادل کلمات لاتے ہیں۔ محاورہ کی پابندی نہیں کی گئی یہ مکمل لفظی تحت اللفظ ترجمہ ہے اور روایتی انداز میں بین السطور ترجمہ ہے۔ اس ترجمے کے دونوں پاروں میں آیات کے نمبر درج نہیں کیے گئے اور نہ ہی رکوع کی تعداد بتائی گئی ہے۔ البتہ ہر آیت کے آخر میں آیت کے ختم ہونے کی نشانی گول دائرہ اور رکوع ختم ہونے پر ''ع'' رقم کی گئی ہے۔

پہلے پارے ہر صفحے کے بالکل اوپر دائیں سے پارے کا نام صفحہ نمبر منزل نمبر اور سورۃ کا نام دیا گیا ہے جبکہ آخری پارے میں منزل نمبر رقم نہیں ہے۔ قرآن مجید کے پہلے پارے کے ترجمے میں دونوں سورتوں کے آغاز میں سورۃ کا نام، مقام نزول، آیات اور رکوع کی تعداد پہلے عربی میں ہے بعد میں اس کا سرائیکی ترجمہ دیا گیا ہے۔ مثلاً:

سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سَبْعُ آيَاتٍ

''سورۃ فاتحہ مکے وچ نازل تھی اتے ایندیاں ست آیتاں ہن۔ (101)

زیر نظر ترجمے میں عربی متن کے نیچے سرائیکی ترجمہ رقم کیا گیا ہے جبکہ سرائیکی ترجمے کے بالکل نیچے شاہ رفیع الدین مرحوم و مغفور کا اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔ یا تو قارئین کی سہولت کیلئے اردو ترجمے کے بالکل اوپر سرائیکی ترجمہ دیا گیا ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مصنف موصوف شاہ رفیع الدینؒ کے ترجمے کا بالکل عکس دینا چاہتے ہوں تا کہ غلطی کا امکان کم ہو اس ترجمے میں کہیں کہیں تشریحی کلمات بھی استعمال کیے گئے ہیں۔ مثلاً:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (ا۔ الفاتحہ ۴)

''چا ھندے ہا ئیں چلا ساکوں راہ سدھا''۔ (102)

اس میں ایک سطر کا ترجمہ دوسری سطر میں نہیں جاتا ایک آیت کا ترجمہ دوسری آیت میں نہیں جاتا۔ اسی طرح اس کا حاشیہ بھی دوسرے صفحے پر نہیں ہے بلکہ ایک ہی طریق کار کا تحت آغاز سے اختتام تک ترجمہ رقم کیا گیا ہے۔ ہر آیت کے ترجمے میں حاشیہ کے نمبر لکھ دے گئے ہیں اور نمبر کے مطابق حواشی رقم کیے گئے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

''تحقیق اللہ اُتے ہر شئی دے پورا قادر ہے''۔

اردو ترجمہ: ''اللہ تعالی اوپر ہر چیز کے قادر ہے''۔

اس ترجمے میں نہ تو دیباچہ ہے نہ اشاریہ اور نہ اختتامیہ، نہ کوئی فہرست نہ مصنف نے اپنے لیے کچھ لکھا ہے۔

محاسن

یہ ترجمہ بہت سے اوصاف اور محاسن سے آراستہ ہے اور قرآن پاک کے محشّی سرائیکی تراجم میں اولین کاوش ہے جو سرائیکی دینی ادب کا قیمتی سرمایہ ہے۔ اس ترجمے کا ایک وصف یہ ہے کہ یہ سرائیکی زبان کا پہلا محشّی ترجمہ ہے مثلاً اس آیت کریم کا ترجمہ اور حاشیہ ملاحظہ فرمائیں:

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ (۲۔البقرہ۔۴۳)

"اتے قائم کرو نماز اتے ڈیوو زکوۃ اتے رکوع کرو نال رکوع کرن والیاں دے"(103)

اس آیت مبارکہ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔

"ایں آیت شریف کنوں ایہ معلوم تھیا جو نماز جماعت نال پڑھنی چاہیے۔"

اس حاشیے میں قاری کی تفہیم کیلئے ترجمہ کی مختصر تفسیر موجود ہے۔ فاضل مترجم نے اختصار اور جامعیت کے ساتھ حواشی رقم کیے ہیں تاکہ قارئین کی دلچسپی برقرار رہے اور قرآن فہمی کے ذوق میں اضافہ ہو۔

اس ترجمے کا ایک وصف یہ ہے کہ یہ تحت اللفظ ترجمہ ہے۔ قرآن مجید کے ہر عربی کلمہ کے نیچے اس کا متبادل سرائیکی لفظ مل جاتا ہے اور قاری کو لغات میں ڈھونڈنا نہیں پڑتا مثلاً:

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ (۱۰۵۔الفیل۔۱)

"کیا نہیں جانا تیں کیویں کیتا رب تیڈے نے نال ہاتھیاں والیاں دے۔"(104)

فاضل مصنف نے عمدہ طریق سے ہر لفظ کے نیچے اس کا ترجمہ دیا ہے جس سے قاری کیلئے آسانی پیدا ہو گئی ہے اور قارئین کی شرح میں اضافہ ہو سکتا ہے کیونکہ آسان ترجمہ رغبت کا باعث بھی ہوتا ہے۔

فاضل مترجم کے ترجمے کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ یہ بین السطور ترجمہ ہے۔ ایک سطر کا ترجمہ دوسری سطر میں نہیں جاتا۔ ایک سطر میں قرآن پاک کا عربی متن جلی حروف میں ہے اور اس کے نیچے سرائیکی ترجمہ رقم ہے اور اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے ہر سطر کا ترجمہ اسی کے نیچے ہو۔ اس ترجمے کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ اس میں عربی متن کے نیچے سرائیکی ترجمہ ہے اور پھر سرائیکی ترجمے کے نیچے شاہ رفیع الدین مرحوم و مغفور کا اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔ اس سے قرآن پاک کی تفہیم میں مزید آسانی پیدا ہو گئی ہے اور سرائیکی زبان کے نئے قاری اس سے بھرپور فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

مترجم نے سرائیکی زبان کے خالص ٹھیٹھ الفاظ استعمال کر کے سرائیکی ترجمے کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے جیسے

اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (۱۰۲۔التکاثر۔۲،۱)

"روجھایا تساکوں بہوں تھیون (دی حرص) تے اینہ حد تیں جو ڈٹھیاں تساں قبراں"(105)

اس آیت کے ترجمہ میں "روجھایا"، "بہوں تھیون" اور "ڈٹھیاں" خالص سرائیکی الفاظ ہیں اور اچھا ترجمہ وہی ہوتا ہے جس میں خالص زبان استعمال کی گئی ہو اور قاری کیلئے قابل فہم ہو۔

اس ترجمے کا ایک وصف فصاحت و بلاغت بھی ہے جیسے مندرجہ ذیل آیت کا ترجمہ دیکھیں:

الَّذِیْ خَلَقَکَ فَسَوّٰکَ فَعَدَلَکَ (۸۲۔الانفطار۔۷)

"جئیں بنڑایا تیکوں وت درست کیتس تیکوں وت برابر کیتس تیکوں"۔(106)

نقد و نظر

مولانا عبدالتواب ملتانی مرحوم و مغفور کا محشی سرائیکی ترجمہ دو پاروں پر مشتمل ہے مگر اس میں ان کی محنت اور کاوش قابل قدر ہے اور اس کا شمار سرائیکی کے اولین مطبوعہ تراجم میں ہوتا ہے۔ یہ ترجمہ گونا گوں اوصاف سے متصف ہے مگر اس میں کچھ سقم بھی رہ گئے ہیں جن کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

اس ترجمے کا ایک سقم یہ ہے کہ ان آیات میں اور رکوع نمبر تحریر نہیں کیے گئے۔ قرآن کریم کے مروجہ نسخے جو میسر ہیں تقریباً سب میں آیات کے نمبر رقم کیے گئے ہیں مگر مصنف موصوف نے اس بات کو پیش نظر نہیں رکھا جس سے قاری کیلئے دقت پیش آسکتی ہے۔

فاضل مترجم کے ترجمے ایک سقم یہ بھی ہے کہ یہ ترجمہ شاہ رفیع الدین کے اردو ترجمے کا بالکل تتبع ہے اگر اردو اور سرائیکی ترجمے کو ایک نظر دیکھیں تو یوں لگتا ہے۔ جیسے فاضل مترجم نے عربی متن کو دیکھا ہی نہیں صرف اردو ترجمے ہی کی سرائیکی بنادی ہے یہ بہت بڑا سقم ہے اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔

اس بارے میں میری حقیر رائے یہ ہے کہ مترجم موصوف نے علم و فضل میں کمال رکھنے کے باوجود اردو ترجمے کا تتبع فرمایا ہے یقیناً اس کی وجہ ان کا حزم و احتیاط کا طریق ہے۔

انہیں موخر اردو ترجمہ شاہ رفیع الدین مرحوم و مغفور سے انحراف انہیں پسند نہ تھا اس لیے ہو بہو من و عن عربی متن کا لحاظ کے بغیر اردو ترجمے ہی کی سرائیکی دے دی گئی ہے۔ اگر مولانا موصوف چاہتے تو براہ راست عربی متن سے سرائیکی ترجمہ دے سکتے تھے۔ فاضل مترجم ملتان کے پرانے رہائشی اور ان کی مادری زبان سرائیکی تھی اور دوسری طرف علم و فضل میں کمال رکھتے تھے یقیناً ان کا سرائیکی ترجمہ سرائیکی زبان کی چاشنی سے ہمکنار ہوتا۔ یہ سقم جو اردو ترجمے میں تتبع کی وجہ سے ہو گیا ہے وہ ہرگز نہ ہوتا۔

ایک تو شاہ رفیع الدین مرحوم و مغفور کے ترجمے کو اردو تراجم میں اولین کا شرف حاصل ہے دوسرا وصف یہ ہے کہ اس ترجمے کی صحت پر مکاتب فکر متفق ہیں۔ غالباً مولانا موصوف نے اسی بات کو مدنظر رکھ کر یوں تتبع فرمایا ہے یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ مولانا نے سہل پسندی کی خاطر محنت سے بچنے کیلئے ایسا کیا وہ تو محنت کے رسیا اور جفاکش انسان تھے جس کا ثبوت ان کی دیگر تصانیف و تالیف سے عیاں ہے۔ مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ (۸۶:الطارق:۱)

''قسم ہے اسمان دی اتے رات کوں آونوالے دی'' (107)

''قسم ہے آسمان کی اور رات کو آنیوالے کی'' (اردو ترجمہ شاہ رفیع الدین)

اس سے عیاں ہوتا ہے فاضل مترجم نے شاہ رفیع الدین کے ترجمے کو سرائیکی میں ڈھالا ہے اس کا ثبوت پارے کے سرورق پر دیے گئے بیان بھی نہیں ملتا ہے الفاظ یہ ہیں۔

''الحمد اللہ جو قرآن پاک دے پہلے پارے الٓمٓ اردو ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب علیہ دا ترجمہ ملتانی زبان وچ میں اللہ تعالیٰ دے فضل تے کرم نال لکھیا گیا۔''

سوانح مترجم

ولادت: 1871ء   رحلت: 1947ء

مولانا عبدالتواب سلفی محدث ملتانی جمادی الثانی بمطابق ۳۱ اگست ۱۸۷۱ء کو ملتان میں پیدا ہوئے۔(109) آپ کا نسب نامہ یوں ہے محمد عبدالتواب بن مولانا قمرالدین بن بدرالدین شاہ علی مردان بن علی مدد بن حافظ عنایت اللہ بن فقیر عبدالقادر اویسی قادری اور آخر آپ کا شجرہ نسب حضرت اویس قرنیؒ سے جاملتا ہے۔

مولانا عبدالتواب ملتانی کے مورث اعلیٰ مولانا عبدالقادر اویسی ایک روایت کے مطابق عراق سے اور دوسری روایت کے مطابق یمن سے ہجرت کر کے ملتان آبسے تھے۔(110) گویا آپ کا تعلق ملتان کے قدیم خاندان اویسیہ سے بنتا ہے۔ یہ خاندان اندرون بوہڑ گیٹ بازار صرافاں میں آباد ہے یہ خاندان حنفی المسلک ہے مولانا عبدالتواب ملتانی بھی آغاز جوانی میں اسی مسلک سے منسلک تھے۔

بعدازاں آپ کا تعلق مولانا عبدالحق ملتانی سلفی مرحوم ومغفور سے جو اندرون حسین آگاہی میں مقیم تھے ان سے ہو گیا ان سے علمی فیض حاصل کیا اور ان کے شاگردوں میں شامل ہو گئے بعدازاں ان کا مسلک اختیار کر لیا مسلک کی اس تبدیلی کے بعد مولانا موصوف اپنے قدیمی گھر اندرون بوہڑ گیٹ سے ہجرت فرما کر بیرون بوہڑ گیٹ سول ہسپتال کے عقب میں آباد ہو گئے مولانا مرحوم ومغفور فرمایا کرتے تھے:

''ہم جس آبادی میں آئے ہیں اس کا نام قدیرآباد ہے یہ نام ہم نے رکھا ہے''۔

گو اس سے بعض لوگوں نے اختلاف کیا لیکن اس میں کوئی شک نہیں مولانا موصوف قدیرآباد کے پرانے باسی تھے اس محلے کی رونق اور شہرت بڑھانے میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ اب بھی اس محلے کی شہرت مولانا عبدالتواب ملتانیؒ اور ان کے بیٹے مولانا عبدالودود مرحوم کے دم قدم سے ہے جن کے نام سے موسوم سوہن حلوہ ان کی یاد تازہ کرتا ہے۔

فاضل مترجم نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد مولانا قمرالدینؒ سے حاصل کی۔ انہوں نے مولانا سلطان محمود ملتانیؒ کے مشورے سے اپنے تینوں صاحبزادوں کو مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی کی خدمت میں دہلی بھیجا۔ حصول تعلیم کے بعد مولانا عبدالتواب ملتانیؒ نے علمی زندگی کا آغاز درس وتدریس سے کیا۔ تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع کیا اور دینی کتب شائع کیں۔ محلہ قدیرآباد ملتان میں مسجد ومدرسہ کی بنیاد رکھی۔ مولانا مرحوم ومغفور ملتان کے سب سے بڑے تاجر کتب تھے متعدد دینی کتب زیور طباعت سے آراستہ کیں مصر اور لبنان کے مطابع بھی آپ سے براہ راست تجارت کیا کرتے تھے آپ کا قائم کردہ ادارہ مکتبہ سلفیہ بہت معروف تھا۔ فاضل مترجم نے بذریعہ درس وتدریس اور خطابت تبلیغ دین کا کام جاری رکھا آپ اپنے مدرسے میں علم حدیث کے علاوہ فقہ کی تعلیم بھی دیتے تھے آپ انتہائی کم گو تھے۔ جمعہ کا خطبہ آہستہ آہستہ فرماتے تھے عموماً علماء اور طلباء کو کھانا گھر سے لا کر خود کھلاتے تھے۔ مہمان نواز تھے تہجد ان کا معمول تھا نماز خشوع وخضوع سے پڑھتے یادداشت اور حافظہ قابل رشک تھا۔

مولانا طویل عرصہ تک علمی ودینی خدمت سرانجام دینے کے بعد 9 رجب ۱۳۶۶ھ بمطابق ۲۹ مئی ۱۹۴۷ء انتقال فرما گئے۔ انہوں نے اپنے پیچھے ایک بڑا ذخیرہ کتب چھوڑا اور ایک یادگار مسجد جو انہی کے نام سے موسوم ہے۔

علمی دینی خدمات

فاضل مترجم کی دینی وعلمی خدمات احاطہ تحریر میں لانا مشکل کام ہے کیونکہ آپ کثیر التصانیف مصنف و مولف تھے اور ایک عظیم شخصیت اور نابغہ عصر ہستی تھے۔ ذیل میں اختصار کے ساتھ ان کی علمی و دینی خدمات کا جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔ کتب کی طباعت کیلئے مولانا موصوف کے مقاصد تجارتی سے کہیں زیادہ تبلیغی ہوا کرتے تھے۔

اکثر کتب مستحق علماء اور طلباء میں مفت تقسیم کر دیتے۔ جو لوگ یکمشت ادائیگی نہیں کر سکتے تھے اسکی قیمت خریدار سے اقساط میں لے لیا کرتے۔ مکتبہ سلفیہ پر بھی تبلیغ وہدایت کرتے تھے۔ کتب خانہ آنے والے ہر شخص کو دینی مسائل سے آگاہ فرماتے۔ بڑے ٹھنڈے اور میٹھے انداز میں تبلیغ کرتے تھے۔ دوران گفتگو کی کسی گواری کا احسان تک نہ ہوتا اور ہنستے ہنستے مسئلہ بیان کرتے۔

مصنف موصوف کا زمانہ جنوبی ایشیاء میں علم حدیث کے فروغ اور عروج کا زمانہ تھا۔ محدثین ہند کی مساعی جمیلہ سے علم حدیث کے گراں قدر خزانے منصۂ شہود پر آرہے تھے۔ بعض کتب شروح وحواشی اور اعلیٰ تحقیقی معیار کے ساتھ زیور طباعت سے آراستہ ہو رہی تھیں۔ مولانا موصوف اسی ہندی دبستان حدیث کے اہم رکن تھے جن کا مقصد علم حدیث کا فروغ تھا۔ آپ نے ان کی پیروی کرتے ہوئے اپنی توجہ کتب حدیث کے مخطوطات کی طرف مبذول کی تاکہ اسلاف کا وہ قیمتی خزانہ محفوظ رہ سکے۔

مولانا عبدالتواب ملتانیؒ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے امام ابوبکر ابن ابی شیبہ کی مایہ ناز کتاب "المصنف" کو زیور طباعت سے آراستہ کیا۔ 1340ھ میں مولانا نے امام باغندی کی مسند عمر بن عبدالعزیز امام نووی کی "الاشارات الی بیان الاسماء المبہمات" اور علامہ تقی الدین سبکی کی "القول المحمود فی تبرئہ سیدنا داؤد" شائع کی۔

علاوہ ازیں آپ نے متعدد کتب شائع کیں جن میں "جزء لطیف فی شرح حدیث ماذئبان جائعان للامام ابن رجب البغدادی، حاشیہ السندی علی الصحیح المسلم للشیخ ابی الحسن السندی"، کتاب القبل والمعانقہ والمصافحہ لابن العربیؒ، تحفۃ الودود فی احکام المولود للامام ابن القیم الجوزیہ، تفسیر سورۃ النصر لابن رجب البغدادی؛ المختصر النافع فی اصول الحدیث للجرجانیؒ، شرح الصدور للقاضی الشوکانیؒ، "فتح الغفور للعلامہ حیات السندیؒ، معدل الصلوۃ للبرکلی، کتاب الیقین لابن ابی الدنیا، فضائل ابی بکر صدیق ابی طالب العشاریؒ اور رفع الملام عن آئمہ الاعلام للشیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ شامل ہیں۔

مولانا موصوف کا سب سے بڑا علمی کارنامہ قرآن مجید کا مکمل سرائیکی ترجمہ تھا۔ افسوس کہ وہ مکمل طور پر دستیاب نہیں ہے صرف پہلا اور آخری زیور طباعت سے آراستہ ہو سکا۔ آپ کی دیگر تعلیقات میں کچھ درج ذیل ہیں بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام امام شہاب الدین احمد بن حجر العسقلانی کی معروف کتاب کا ترجمہ۔ وحواشی "بلوغ المرام" کے نام سے تصنیف کیا ترجمہ صحیح بخاری ترجمہ حواشی "مشکوۃ المصابیح" ترجمہ وحواشی الحزب لمقبول ترجمہ وحواشی الحزب الاعظم تعلیقات المصنف ابن ابی شیبہ حواشی مسند عمر بن عبدالعزیزؒ تعلیق تحفۃ الودود باحکام المولود الابن القیم تعلیق حاشیہ صحیح مسلم لابی الحسن السندی حواشی صدف بہائی حواشی شرح مائۃ عامل حواشی تفسیر عزیزی سورۃ المومنون تک تعلیق المسارعہ الی المصارعہ للسیوطی تعلیقات مختصر قیام اللیل وقیام رمضان، حواشی الاشارات الی بیان اسماء المبہمات للنووی اور تعلیقات علی کتاب القبل المعانقہ والمصافحہ لابن العربی شامل ہیں۔

قرآن پاک دیں آخری ڈہ سورتیں دا ترجمہ تے تشریح

استاذ محمد رمضان طالب مرحوم مغفور

تاریخ طباعت: یکم رمضان المبارک 1409ھ   مقام طباعت: ڈیرہ غازی خان

یہ چھپن صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ ہے۔ جس میں قرآن پاک کی آخری دس سورتوں "الفیل، القریش، الماعون الکوثر، الکافرون، النصر، اللھب، الاخلاص، الفلق اور الناس کے علاوہ سورۃ الفاتحہ کا ترجمہ وتفسیر دی گئی ہے۔ مصنف موصوف کی یہ کاوش سرائیکی دینی ادب میں گراں قدر اضافہ ہے۔ زیرِ نظر کتاب کا انتساب مترجم ذی وقار نے قرآن پڑھنے اور پڑھانے والوں کے نام فرمایا ہے جوان کلمات کے ساتھ ہے "لوکھوں ہر اوں مسلمان دے ناں جیں کوں اللہ تعالیٰ قرآن شریف پڑھن تے پڑھاون دی توفیق بخشی اے"۔(111) دیباچہ "پہلی گال" کے عنوان سے ہے۔ جس میں فاضل مترجم نے کئی باتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اس میں کتاب کی وجہ تالیف بھی بیان کی ہے فرماتے ہیں۔

"میں نہ تاں کوئی مفسر ہاں تے نہ عالم فاضل میڈے کمّ وچ چنگیں کا کمّی پر اللہ ستار ہے تے میڈے گناہیں تیں اوندی پردہ پوشی داکج ہے۔ دعا منگدا اں جو او غفار تے ستار اپنی رحمت دی چادر ہیٹھ لکائی رکھے"۔(112)

زیرِ نظر کتاب اگرچہ چھپن صحافت پر مشتمل ہے لیکن سرورق اور ترتیب مواد کے اعتبار سے خوب ہے۔ سرورق سبز اور سفید رنگوں میں بہار دکھا رہا ہے۔ پھولوں کا ایک گلدستہ بنایا گیا ہے۔ جس میں بارہ پھول ہیں اوپر والے پھول میں "الفاتحہ" کا عنوان دیا گیا ہے۔ نیچے کے پھول میں مترجم کا نام محمد رمضان طالب مرقوم ہے۔ دائیں طرف کے پھولوں میں پانچ سورتوں کے نام دیے گئے ہیں۔ اسی طرح بائیں طرف کے پانچ پھولوں میں بقایا پانچ سورتوں کے نام دیے ہوئے ہیں۔ دائیں طرف سورتوں کے نام "الفیل الماعون، الکافرون، اللھب، الفلق" اور بائیں طرف میں مذکور سورتوں کے نام اس ترتیب سے ہیں: "القریش، الکوثر، النصر، الاخلاص اور الناس"۔

سورتوں کی یہ ترتیب مترجم کی اپنی پسند کی ہے قرآن مجید میں دی گئی ترتیب سے مختلف ہے شاید مصنف کے پیش نظر صرف خوبصورتی اور موزونیت ہے۔

کتاب کے دوسرے صفحے پر ضابطہ دیا گیا ہے۔ سب سے اوپر "تمام حقوق مصنف کے پاس ہیں درج ہیں"۔ اس کے نیچے انتساب ہے پھر اللہ تعالیٰ سے قرآن پاک پڑھنے کی توفیق کیلئے دعا کی گئی ہے بعد ازاں کتاب کی تیاری میں جن جن میں لوگوں نے ہاتھ بٹایا ان کا نام مرقوم ہے۔

کتاب کا ٹائٹل جناب خورشید شمیم الخطاط نے ڈیزائن کیا۔ کتابت کی ذمہ داری ممتاز القلم کے سپرد ہوئی۔ نگرانی اور اہتمام جناب حاجی محمد حیات صاحب اور میاں اخلاق احمد سعید صاحب نے فرمائی۔

مصنف محمد رمضان طالب صاحب ہیں۔ جبکہ فرید سرائیکی سنگت اس کے ناشر ہیں۔ انہوں نے "چھاپہ خانہ سندھ الیکٹرک پریس، ڈیرہ غازی خان" سے چھپوا کر نشر فرمایا۔ مطبوعہ کتب کی تعداد ایک ہزار بتائی گئی اور کتاب پر ہدیہ دس روپے ضبط ہے۔

طریق کار

زیرِنظر کتابچہ میں مصنف ذی وقار نے جو اسلوب اور طریق کار اپنایا ہے وہ یہ ہے کہ جس سورۃ کی توضیح مقصود ہوتی ہے پہلے اس کا نام دیتے ہیں نام کے معنی ومطالب بیان کرتے ہیں۔ زمانہ نزول اور شان نزول کی وضاحت فرماتے ہیں بعدازاں قرآن مجید کا عربی متن دیتے ہیں اور اس کے نیچے سرائیکی ترجمہ ضبط فرماتے ہیں۔ ہر آیت الگ الگ مکمل اعراب کے ساتھ مستطیل چوکھٹے میں رقم کی گئی ہے۔ اس کے بالکل نیچے معنی دیے گئے ہیں صرف معنی نہیں بلکہ ہر لفظ کی مکمل تشریح اور قواعد توضیح بھی ہے ہر لفظ کا صیغہ اس کا قواعد کی رو سے مقام وغیرہ بیان کیا گیا ہے۔

تمہید کے طور پر سورۃ فاتحہ کا ترجمہ اور تشریح بھی دی گئی ہے۔ عمومی طریق کار کے مطابق پہلے عربی متن اور ترجمہ ہے پھر آیت کے الفاظ معنی دیے گئے ہیں۔ آخر میں ہر آیت کی الگ الگ تشریح دی گئی ہے۔ جیسے" ایاک نعبد وایاک نستعین" کو چوکھٹے میں دیا گیا ہے۔ اس کے نیچے "ایاک نعبد اور نستعین" کے الگ الگ معنی ہیں جیسے" ایاک" "اے مفعول واحد ہے تے ایندا معنی ہے اساں صرف تیڈی" ،"نعبد" ،"اے لفظ عبادت توں نکلتے تے ایندا معنی ہے اساں عبادت کریندوں" ،"نستعین" ،"اے لفظ اعانت وچوں ہے تے ایندا مطلب ہے اساں مدد منگدوں"۔

زیرِنظر ترجمے میں شان نزول کا الگ موضوع ہے۔ جس میں ہر سورت کی وجہ نزول کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ زمانہ نزول کا بھی تعین فرمایا گیا ہے۔ سورۃ کے شان نزول کے ساتھ زمانہ نزول کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ مصنف موصوف نے سلیس اور رواں تشریح رقم کی ہے اور کتاب کے آخری صفحات میں ایک منظوم دعا ہے جو مفسر کے شعری کمال کا ثبوت ہے۔

ہر سورۃ کا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد پورا اور مکمل متن دیا جاتا ہے۔ نیچے متن کا مکمل ترجمہ ہوتا ہے اس کے بعد سورت کو کئی حصوں میں تقسیم کرکے ہر حصے کے الگ الگ حل لغات اور تشریح کی گئی ہے مثلاً سورۃ الفیل کا متن تین سطروں میں ہے نیچے اس کا ترجمہ چار سطروں میں دیا گیا ہے پھر پوری سورۃ کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے پہلا حصہ یہ ہے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ

آیت مستطیل چوکھٹے میں ہے نیچے" الم تر کیف فعل ربک باصحب الفیل" کے تشریحی معنی ہیں ان الفاظ ومعنی یا حل لغات کے بعد تشریح کا عنوان ہے۔ جس میں مذکورہ حصے کے تشریح کی گئی ہے

اسی طرح اس سورۃ کا دوسرا حصہ ہے:

اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ

آیت مستطیل چوکھٹے میں ہے نیچے" یجعل کیدھم، تضلیل" کے تشریحی معانی دیے گئے ہیں اس کے بعد تشریح کا عنوان ہے جس میں مذکورہ صدر حصے کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔ اسی طرح زیرِنظر سورۃ کا تیسرا حصہ یوں مذکور ہے۔

وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ

آیت مستطیل چوکھٹے میں ہے نیچے" ارسل لیے طیرا ابابیل" تشریحی معانی دیے گئے ہیں بعدازاں تفسیر کیلئے تشریح کا عنوان لگایا گیا ہے جسمیں صرف اس حصے کی تفسیر ہے۔ زیرِنظر سورۃ کا چوتھا حصہ یوں ہے:

تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ

آیت مستطیل چوکھٹے میں نیچے" ترمیھم، بحجارۃ، سجیل" کے الفاظ کے تشریحی معانی دیے گئے ہیں۔ حل لغات کے بعد تشریح کا عنوان لگایا گیا ہے۔ زیرِنظر ترجمے کا پانچواں اور آخری حصہ یہ ہے:

فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ

حسب سابق اس میں پہلے الفاظ ومعنی ہیں پھر تشریح ہے۔

محاسن

فاضل مصنف سرائیکی کے صاحب طرز ادیب اور شاعر ہیں۔ کثیر التصانیف ہیں آزمودہ کار شخصیت سن رسیدہ بزرگ ہیں۔ زبان پر مکمل عبور حاصل ہے آپ کی یہ کاوش بہت سی خوبیوں سے بہرہ ور ہے۔

زیر نظر ترجمے کا پہلا وصف یہ ہے کہ مترجم ذی وقار نے سرائیکی زبان کے آسان اور عام فہم الفاظ استعمال کیے ہیں جس سے عام قاری کیلئے قرآن مجید کا سمجھنا آسان ہوگیا ہے مثال کے طور پر:

فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ

اس آیت کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں

''ہک ڈینہ او ہاری اوندی بگی وچ پھس گئی اوں رسی کوں کڈھن دی بہوں کوشش کیتی پر رسی انجھا گھوگھا تھی جو او ترپ ترپ کے مرگئی۔''(113)

مندرجہ ذیل بالا تفسیر میں ''بگی'' اور ''گھوگھا'' سرائیکی زبان کے وہ الفاظ ہیں جو روزمرہ میں استعمال ہوتے ہیں۔ اس سے تفسیر آسان اور عام فہم ہوگئی ہے اور اس سے قاری میں دلچسپی کے جذبات موجزن ہوتے ہیں۔

فاضل مترجم و مفسر کے ترجمے اور تشریح کا ایک وصف یہ بھی ہے سلاست اور روانی کو پیش نظر رکھا گیا ہے مثال کے طور پر درج ذیل آیات کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (۱۔الفاتحہ:۵)

''ساکوں سدھا رستہ ڈکھا''۔(114)

اسی طرح سورۃ الماعون کی پہلی دو آیات کا ترجمہ دیکھیے:

اَرَءَيْتَ الَّذِیْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ فَذٰلِكَ الَّذِیْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ (۹۷:الماعون:۱۔۲)

''کیا تیں اوں شخص کوں ڈٹھے جیں قیامت دے ڈینہ کوں کوڑا کیتے اے او ہو ہے جیڑھا یتیمیں کوں دھکے ڈیندے''۔(115)

مندرجہ بالا تراجم میں سلاست اور روانی اپنی مثال آپ ہے۔ مصنف موصوف نے ترجمے کے فنی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن پاک کے صحیح مفہوم کی ترجمانی کیلئے طرز تحریر کا وہ انداز اپنایا ہے جو قاری کیلئے ادق اور مشکل نہیں ہے۔

فاضل مفسر نے عربی قواعد کی مکمل تشریح و توضیح بھی کی ہے تاکہ قاری عربی گرامر سے واقف ہوجائے مثال کے طور پر ''قل'' کی تشریح میں لکھتے ہیں: ''قل اے امر دا صیغہ ہے ایندا معنی ہے ''تو آکھ ڈے واضح کر ڈے، اے حکم حضور کریمؐ تے انہاں دی امت واسطے ہے۔''(116)

مصنف موصوف نے تاریخی واقعات کا ذکر بھی کیا ہے مثلاً سورۃ الفیل میں یمن کے حاکم ابراہہ کا واقعہ اور سورۃ النصر کے حوالے سے فتح مکہ کے بعد شان نزول کا ذکر ہے۔ زیر نظر ترجمے میں بعض الفاظ کے سرائیکی معنی خوب آئے ہیں جیسے صفحہ 39 پر ''تبت'' کے معنی ''ترٹ ونجن'' ''مان ختم تھیون، ناکام تھیون'' اسی طرح صفحہ 44 پر ''الصمد'' کے معانی بے نیاز جیندا اہر کوئی محتاج ہووے او کہیں دا محتاج نہ ہووے ہر کوں ڈیون والا تے کہیں کنوں نہ گھنن والا'' قابل غور ہیں۔

فاضل مصنف کا ترجمہ اور تشریح عام فہم ہے۔ اسے آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے قاری کو سمجھنے کیلئے عرق ریزی نہیں کرنی پڑتی ابلاغ کامل ہے۔ جو کچھ مصنف بتانا چاہتا ہے وہ پہلی نظر ہی سے قاری کے ذہن میں اتر جاتا ہے۔ یہ آسان اور سہل ہے الفاظ معنی بھی آسان توضیح و تشریح بھی آسان اور ترجمہ بھی آسان ہے اور یہ بہت بڑا وصف ہے۔ اسکی کتابت بہت عمدہ اور خوبصورت حاشیے سے مزین ہے۔

زیر نظر تفسیر مصنف موصوف کی دینی اور علمی کاوش ہے۔ اس میں جن سورتوں کو ترجمہ و تشریحات کیلئے منتخب کیا گیا ہے وہ بہت ہی اہم ہیں اور فاضل مصنف نے اپنے تئیں بھرپور کوشش سے اوصاف اور محاسن سے آراستہ کیا ہے مگر اس میں کچھ سقم بھی موجود ہیں جن کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ مترجم ذی وقار ترجمے میں اردو فارسی اور عربی کے الفاظ استعمال کیے ہیں جو اس ترجمے کا ایک سقم ہے مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ (۱۰۷:الماعون:۳)

"تے مسکین کوں کھاون دی ترغیب نئیں ڈیندا" (117)

اس ترجمے میں "مسکین" اور ترغیب غیر سرائیکی الفاظ ہیں اگر ان الفاظ کے متبادل سرائیکی الفاظ لائے جاتے تو زیادہ بہتر ہوتا اور قرآن فہمی آسان ہو جاتی۔ اس ترجمے کا ایک سقم یہ بھی ہے کہ قرآنی کلمات کے سرائیکی معنی صحت اور فصاحت کے معیار پر پورے نہیں اترتے۔ جیسے الرحمن الرحیم کے معنی صرف مہربان کیے گئے ہیں (118) حالانکہ یہ مبالغے کے صیغے ہیں۔ "بہوں" یا "ڈاڈھا" کے کلمات سے اس کا اظہار ضروری تھا۔ اس طرح "یحعل" کے معنی "مکمل طور تمی" رقم کیے گئے ہیں جو درست نہیں۔ اس کے معنی ہونے چاہئیں "بنا چھوڑا" لیـدھـم کے معنی ہیں "اسم اشارہ ہے" تحریر ہیں (119) جبکہ یہ اشارہ نہیں ضمیر متصل ہے یعنی ان کی عدم فصاحت کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیے:

"تـرمیھم" "رم، کرن دا معنی مارن ہے یہ لفظ رم نہیں" "رمی" ہے اس کے معنی مارن کے ہوتے ہیں (120) اسی طرح یـــرآئـــون کا ترجمہ "ریاکاری، ڈکھاوا کرن والے لوگ" کیا گیا ہے (121) اس کے درست معنی ہیں "ڈکھاوا کریندن" یہ فعل مضارع ہے سورۃ الکوثر میں اِنّا کے معانی "بے شک بالکل سچ ہے" کیے گئے ہیں اس کے درست معنی "بے شک اساں" ہیں۔ فاضل مترجم نے اغـنـی کے معنی "غنی تھی گیا" ضبط فرمائے ہیں۔ (123) یہ فعل لازم نہیں متعدی ہے اسکے درست معنی ہوں گے "غنی نہ بنڑایا"۔ "ما اغنی عنہ مالہ" کا فصیح سرائیکی ترجمہ یوں ہوگا:

"اوندے مال اوکوں سا دا سو کھانہ کیتا"

یا

"اوندا مال اوندے کہیں کم نہ آیا"

اسی سورۃ میں مسد کے معنی "موٹی اور مضبوط" کیے گئے ہیں جبکہ اصل معنی "منج اور کھجور کے گاچے" کے ہیں۔

مصنف نے بعض جگہ ادھورے معنی تحریر کیے ہیں مثلاً "سورۃ النصر" کے ان الفاظ کے تراجم پر غور فرمائیں۔

استغفرہ "بخشش دی دعا منگ" یہ ادھورے معنی ہیں پورے معنی ہیں "اوں کنوں بخشش منگ" اِنّہ "بے شک" ادھورے معنی ہیں "بے شک او" کان "اوہو" پورے معنی ہیں "او ہے"

ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں۔ "یدا" "یدوی جمع ہے۔ جبکہ یہ جمع نہیں تثنیہ ہے۔ "تبت" "تب" "ترٹ ونجن نامراد تھی ونجن" ان دونوں کے معنی مصدر سمجھ کر کیے گئے ہیں حالانکہ یہ دونوں ماضی کے صیغے ہیں مصدر نہیں درست معنی ہیں، "ترٹ گئے یا ترٹ پوون"

اس معنوی سقم سے عیاں ہے کہ مصنف عربی زبان سے واقف نہیں اور اس میں علمیت کم اور سرائیکیت زیادہ ہے۔

قرآن پاک دیاں چالھی آیتاں سرائیکی ترجمے نال

استاذ محمد رمضان طالب ڈیروی مرحوم و مغفور

تاریخ طباعت: یکم جنوری 1995ء　　　　مقام طباعت: ڈیرہ غازی خان

مصنف موصوف کی علمی اور دینی خدمات سرائیکی ادب کا قیمتی اثاثہ ہیں۔ خاص طور پر آپ نے سرائیکی نثر میں گر ان قدر اضافہ کیا ہے۔ زیر نظر کتابچہ قرآن پاک کی چالیس منتخب آیات کا سرائیکی ترجمہ اور تشریح ہے۔

پہلے صفحہ پر اخلاق احمد سعید بھٹی نائب صدر فرید سرائیکی سنگت ڈیرہ غازی خان رقمطراز ہیں۔

"فرید سرائیکی سنگت نویں سال 1995ء دی ابتداء اپنے ایں چھوٹے جہیں دینی کتابچے نال کریندی پئی ہے تے اللہ تعالیٰ ساڈی اے کوشش قبول فرماوے ساکوں قرآن پاک دی سمجھ ڈیوے تے ایں تے عمل دی توفیق ڈیوے۔"

زیر نظر ترجمے کا ثواب رسول کریم ﷺ کے طفیل محمد بخش مرحوم اور صوفی عبدالسلام مرحوم کو بخشا گیا ہے۔

اس کتابچے کی طباعت کے سلسلے میں اعجاز ڈیروی، اقبال ندیم بھٹی، خورشید شمیم اختر کھوسہ، عبدالحمید صدیقی، صوفی عبدالقیوم، محمد امین چانڈیہ اور محمد اسلم ہیر کا شکریہ ادا کیا گیا ہے۔

یہ کتابچہ ڈیرہ ایجوکیشنل پریس ڈیرہ غازی خان میں طبع ہوا۔ اس کے ناشر اخلاق احمد سعید بھٹی نائب صدر فرید سرائیکی سنگت رجسٹرڈ ڈیرہ غازی خاں ہیں۔ خاص طور پر ان معاونین کے نام معنون کیا گیا ہے جو سعودی عرب میں مقیم ہیں۔ ان میں چاچا محمد حیات فیروز، حاجی محمد اسماعیل شوری، قاری محمد طارق اور محمد اشفاق شامل ہیں۔

طریق کار

یہ قرآن مجید کی چالیس چھوٹی چھوٹی آیات کا مجموعہ ہے جو کلام پاک کی مختلف سورتوں سے لی گئی ہیں۔ مصنف نے کہیں نہیں بتایا کہ مجوزہ آیات کا انتخاب کیوں کر کیا گیا اور ان کے پیش نظر کیا کیا باتیں تھیں کیونکہ ان منتخب آیات کا نہ تو موضوع ایک ہے اور نہ ہی وہ کسی خاص سورت سے لی گئی ہیں ان میں جو بات مشترک نظر آتی ہے وہ آیات کا مختصر ہوتا ہے۔ بس مصنف نے پورے قرآن پاک سے چالیس ایسی آیات کا انتخاب کر لیا جو مختصر تھیں چاہے وہ معانی اور مطالب میں بالکل ہی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ترجمے کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے گیا ہے اور نیچے سرائیکی ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔ ہر آیت کا عربی متن ایک مستطیل چوکھٹے میں دیا گیا ہے جو جلی حروف میں ہے اور مکمل اعراب کے ساتھ ہے ترجمہ اور تشریح کے مستقل عنوان ہیں جو ہر آیت کے ترجمے کے بعد پیہم آتے ہیں یہ تواتر شروع سے آخر تک پایا جاتا ہے۔

قرآن مجید کے عربی متن کے نیچے سرائیکی ترجمہ دیا گیا اور ترجمے کے بعد سرائیکی میں مختصر تشریح رقم کی گئی ہے تاہم آیت نمبر 39 تا 39 کی تشریح ضبط تحریر میں نہیں لائی گئی۔ آیات کا ترجمہ محاورہ کیا گیا ہے ترجمہ بین السطور نہیں ہے بلکہ پہلے آیت ہے پھر اس کا رواں ترجمہ ہے جو ایک یا دو سطروں میں دیا گیا ہے۔ اس ترجمے میں نہ کوئی اشاریہ ہے اور نہ اختتامیہ۔ مصنف نے اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا اور نہ ہی قارئین کیلئے کچھ لکھا ہے۔

فاضل مترجم نے سرائیکی قرآنی ادب پر قابل تحسین کام کیا ہے اور اپنی علمی کاوش کو زیور طباعت سے آراستہ بھی کیا ہے۔ یہ ترجمہ گونا گوں اوصاف سے متصف ہے۔ اس مختصر علمی کاوش کا ایک وصف یہ ہے کہ اس میں قرآن پاک کی وہ آیات منتخب کی گئی ہیں جو انسانی زندگی کی راہنمائی کیلئے مشعل راہ ہیں جیسے:

اَلاَ بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

"سنو اللہ تعالیٰ دے ذکر نال دل کوں آرام تھیندی اے" (127)

ایک اور آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ

"ہر ذی روح موت دا ذائقہ چکھسے"۔ (128)

ان دونوں آیات کے تراجم میں جہاں ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر اور شکر کرنے کی ہدایت ملتی ہے وہاں انسان کو موت کیلئے ہر وقت تیار رہنے کی تلقین بھی ملتی ہے اور اصل حقیقت آخرت کی تیاری کا درس بھی ملتا ہے۔

زیر نظر کتابچہ کا ایک وصف اختصار ہے مثال کے طور پر اس آیت کریم کا ترجمہ وتشریح ملاحظہ فرمائیں:

وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْیٖ وَ نُمِیْتُ وَ نَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ

ترجمہ: "تے بے شک اساں جیندا کریندے ہیں تے مریندے ہیں تے اساں ای وارث ہیں۔" (129)

تشریح: "انویں رب العالمین ڈو جگ دا خالق مالک تے پالک ہے، پر ایں آیت پاک وچ اللہ تعالیٰ فرمیندے جو مارن تے جوالن صرف میڈے ہتھ وچ ہے جو میں ای اصل وارث تے مالک ہاں اس ترجمے کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ اس میں سلاست اور روانی ہے جو قاری کے دل میں مطالعے کیلئے رغبت پیدا کرتی ہے۔ مثلاً:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ

"بے شک اساں انسان کوں سوہنی شکل وچ پیدا کیتے"۔ (130)

اسی طرح اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ

"سنو! بے شک اللہ سئیں دے دوستیں کوں نہ کوئی ڈر ہے تے نہ او موجھے ہن"۔ (131)

مندرجہ بالا آیات کے تراجم میں سلاست اور روانی کی وجہ سے ترجمے میں فصاحت اور بلاغت آ گئی ہے جو قاری کیلئے دلکشی کا باعث ہے اور تفہیم قرآن میں ممد و معاون ہے۔

زیر نظر ترجمے کا سب سے بڑا حسن آیات کا انتخاب ہے۔ مترجم ذی وقار نے جن چالیس آیات کا انتخاب کیا ہے وہ معنوی لحاظ سے خوب ہیں۔ ہر آیت کا اپنا اپنا موضوع ہے کسی آیت میں نماز کے قیام اور زکوۃ کی ادائیگی کا حکم ہے کسی آیت ذکر و شکر کی بات ہے۔ ایک آیت میں سود کی حرمت اور صدقے کی حلت کا بیان ہے۔ ایک آیت میں اللہ کی کبریائی اور شان کا بیان ہے۔ ایک آیت میں منافقین کی مذمت کی گئی ہے اور ان کیلئے عذاب الیم کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ ایک آیت میں شرک کی مذمت ہے اور توحید کی اہمیت ہے۔ ایک آیت ایسی ہے جس میں پرہیز گاروں کو جنت اور اس کے انعامات کی خوشخبری ہے۔ منتخب آیات میں سے ایک میں رزق کی کشادگی اور تنگی کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ "اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے رزق کی تنگی اور فراخی۔"

سرائیکی قرآنی ادب استاذ محمد رمضان طالبؔ مرحوم ومغفور کے ذکر کے بغیر نامکمل ہے۔ آپ نے قرآن پاک کی کئی سورتوں کے سرائیکی زبان میں منثری مختصر اور منظوم تراجم کیے ہیں جو ان کی قرآن پاک سے گہری وابستگی اور سرائیکی زبان سے محبت کا ثبوت ہے۔ آپ کا یہ ترجمہ بہت سے خوبیوں سے بہرہ ور ہے مگر اس میں کچھ سقم رہ گئے ہیں جن کا ذکر نہ کرنا علمی خیانت ہوگی۔

فاضل مصنف نے بعض آیات کے ترجمے میں غیر سرائیکی الفاظ استعمال کیے ہیں جن سے ترجمہ عام قاری کیلئے ادق اور مشکل ہو گیا ہے مثال کے طور پر درج ذیل آیات کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ

''اللہ تعالیٰ ہر شے دا پیدا کرن والا ہے تے او ہر شئے دا ہی نگہبان ہے''۔(132)

اسی طرح

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ

''بے شک متقی باغیں تے چشمیں وچ رہسی''(133)

ان آیات کے تراجم میں نگہبان اور متقی کے الفاظ کے متبادل اگر سرائیکی الفاظ لائے جاتے تو ترجمہ زیادہ قابل فہم ہوتا نیز متقین کا لفظ جمع ہے جبکہ اس کا ترجمہ واحد متقی کیا گیا ہے۔

زیر نظر ترجمے میں کہیں کہیں معنوی سقم رہ گیا ہے مثال کے طور پر پہلی آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

''ساریاں تعریفاں ڈو جہاناں دے رب واسطے ہن''۔(134)

''ڈو'' نہیں ''سب جہاناں'' ہونا چاہیے۔ عالمین جمع کا صیغہ ہے۔

اسی طرح:

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ

''اساں ہوں دی (رب دی) عبادت کریندے تے اوندے کولوں ای مدد منگدے ہیں''۔(135)

ترجمہ میں سہو عیاں ہے ''اِیَّاکَ'' ضمیر حاضر ہے۔ ترجمہ کرتے وقت اس کا خیال نہیں رکھا گیا۔ اس کا درست ترجمہ یوں ہونا چاہیے تھا۔

''اساں تیڈی ای عبادت کریندے ہیں تے تیڈے کولوں ای مدد منگدے ہیں''۔

کتاب ہذا کے پانچویں صفحہ پر'' الحی القیوم'' کے معنی میں صرف ''القیوم'' کے معنی رقم کیے گئے ہیں' الحی' کے معنی نہیں آئے۔

اسی طرح زیر نظر کتابچے میں یا تو آیات پر اعراب نہیں لگائے گئے ہیں اگر لگائے گئے تو وہ غلط ہیں۔ عربی متن درست نہ ہے اور صفحہ نمبر 10,9,8,7,6,5,4 پر اعراب کی اغلاط کثرت سے ہیں۔

المختصر یہ کہ فاضل مصنف کی گرانقدر کاوش میں علمیت سے زیادہ سرائیکیت جھلکتی ہے۔

پندھراں سورۃ مع سرائیکی ترجمہ

استاذ محمد رمضان طالبؔ مرحوم و مغفور

تاریخ طباعت: 2002ء مقام طباعت: ڈیرہ غازیخان

مترجم سرائیکی زبان وادب کے حوالے سے اہم مقام رکھتے ہیں۔ سرائیکی قرآنیات پر ان کی کئی کتب شائع ہو چکی ہیں۔ زیر نظر کتابچہ ان کا ایک اور علمی کارنامہ ہے۔ اس کا سرورق دو رنگوں سیاہ اور سفید خوبصورت حاشیے اور پھولوں سے مزین کیا گیا ہے۔ سب سے اوپر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا ہے اور نیچے حدیث مبارک کا منظوم ترجمہ رقم ہے۔

جو پڑھاوے یا پڑھے قرآن کوں
جاݨ بہتر اوں بھلے انسان کوں

اس شعر کے نیچے دائیں طرف "رنگ فرید" اور بائیں طرف دینی تحریر نمبر ۴ دائروں میں مرقوم ہے۔ سرورق کے بالکل درمیان میں عنوان "پندھراں سورۃ" تحریر ہے نام کے نیچے دائیں طرف مصنف موصوف کا اسم گرامی اور بائیں طرف اعجاز ڈیروی کا نام لکھا ہوا ہے۔ سب سے نیچے ناشر کا نام فرید سرائیکی سنگت رجسٹرڈ ڈیرہ غازی خان رقم کیا گیا ہے۔

مترجم ذی وقار نے قرآن مجید کی پندرہ سورتوں کا انتخاب کیا ہے۔ ان سورتوں میں "الفاتحہ، الضحیٰ، القدر، العصر، الھمزہ، الفیل، القریش، الماعون، الکوثر، الکافرون، النصر، اللھب، الاخلاص، الفلق اور الناس شامل ہیں۔ مصنف موصوف وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"اللہ تعالی داوڈا فضل تے احسان ہے اوں کریم ذات نے ساکوں صرف اشرف المخلوقات بنایا بلکہ اپنے پیارے تے آخری نبی حضرت محمد ﷺ دا امتی وی بنایا (الحمد اللہ) کجھ عرصہ پہلے میڈے ہک خطاط سنگتی اپنے سوہݨے ہتھ نال قرآن پاک لکھݨ دی خواہش ظاہر کیتی میں وی ایں نیک کم وچ اونکی رلاوݨ دا خیال کیتا بد خط ہووݨ دی وجہ توں اوں سنگتی دے اگوں منتائی رکھی جو میڈی لکھائی کجھ چنگی تھی ونجے، پر میڈے سنگتی دی مصروفیت تے بے نیازی دے نال میڈی قسمت وی ساتھ نہ ڈتا تے دل دی خواہش دل وچ رہ گئی۔ اللہ تعالی میڈے اوں سنگتی کوں قرآن دے لکھݨ دی ہمت تے توفیق عطا فرماوے آمین۔ ایں دفعہ رمضان شریف دی آمد تیں اپنے ہک سنگتی حاجی عبدالعزیز دے آکھے تے اعتکاف وچ بیٹھم تاں قرآن پاک لکھݨ دی گالھ یاد آئی تے دل آکھیا جو:

بیکار نہ رہ کجھ کیتا کر
ہس پلو پاڑ کے سیتا کر

رب العالمین پیارے حبیب ﷺ دے صدقے میں بدکارتے بدخط کوں اپنے کلام دیاں کجھ آخری سورتاں ترجمے تے شان نزول نال لکھݨ دی سعادت نصیب کیتی "الحمد للہ" اللہ تعالی میڈی ایں چھوٹی جہیں کاوش کوں قبول فرما کے میڈی بخشش دا ذریعہ بݨا ڈیوے آمین"۔

فاضل مترجم نے اس کتابچے کو اپنے پوتوں اور اسلامی مجاہدین و شہداء کشمیر، فلسطین، بھارت، بوسنیا، چیچنیا، فلپائن اور کوسوو کے نام معنون کیا ہے اور اس علمی کام کے معاونین اعجاز ڈیروی محمد امین چانڈیہ اور اختر کھوسہ کا شکریہ ادا کیا ہے اور قارئین سے اپنی تندرستی ایمان کی سلامتی اور خاتمہ بالخیر کی دعا کی ہے۔

طریق کار

فاضل مترجم کا یہ محشی ترجمہ ایک مربوط طریق کار کے تحت منضبط ہے۔ اس میں آغاز سے انجام تک یکسانیت پائی جاتی ہے۔ مصنف موصوف پہلے جلی حروف میں قرآن مجید کا عربی متن رقم کرتے ہیں پھر اس کے نیچے آیت کے اعتبار سے سرائیکی ترجمہ تحریر کرتے ہیں۔ ایک سطر میں جتنے کلمات ہوتے ہیں نیچے اتنے ہی سرائیکی الفاظ آتے ہیں۔

زیرِ نظر ترجمہ بامحاورہ ہے۔ مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا سرائیکی ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (ا۔الفاتحہ:۵)

"ساکوں سدھے رستے تیں چلا"۔(136)

مترجم ذی وقار نے بین السطور ترجمہ کیا ہے آپ نے ترجمہ کرتے وقت آیت کا اعتبار نہیں بلکہ سطر کا خیال رکھا ہے آپ بڑی مہارت کے ساتھ عربی کلمات کے متبادل سرائیکی کلمات لاتے ہیں مگر محاورے کی پابندی کرتے ہیں۔ مثلاً

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (۱۰۸۔الکوثر:۱۔۲)

"بے شک اساں تہاکوں کوثر عطا کیتی بس اپنے رب دی نماز پڑھو تے قربانی کرو"۔(137)

ہر سورۃ کے آغاز میں اس کا نام مقام نزول آیات اور رکوع کی تعداد رقم کی گئی ہے۔ بعدازاں ان کا سرائیکی ترجمہ تحریر کیا گیا ہے اور ہر سورۃ کے ساتھ ترتیب توقیفی کے اعتبار سے اس کا نمبر بھی درج کیا گیا ہے مثلاً:

آیاتہا ۳ سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ رکوعہا ۱

آیتاں (۳) سورۃ عصر مکی ہے رکوع (۱)(138)

ہر سورۃ کی ہر آیت کے نمبر درج ہیں اور رموز اوقاف کی نشاندہی بھی کی گئی ہے ترجمے کا آغاز سورۃ فاتحہ سے کیا گیا ہے اور ترجمہ کے بعد فاضل مترجم نے اپنے دو اشعار دیے ہیں۔(139)

الحمدللہ والناس تیئں ذکر اے خداوی ذات دا
ایندی تلاوت تے عمل رستہ ہے اِس نجات دا
مدنی محمدؐ پاک دا ہے خلق بس ایہا کتاب
طالبؔ کروں ول ول شکر رب دی ڈِتی این ڈات دا

مصنف موصوف نے ہر سورۃ کے آغاز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد اس کا سرائیکی ترجمہ دیا ہے پھر قرآن مجید کا عربی متن اور اس کے نیچے سرائیکی ترجمہ رقم کیا گیا بعدازاں سورۃ کا شان نزول اور مختصر شرح کی گئی ہے مثلاً:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اللہ دے ناں نال جو ڈاڈھا رحمان تے ول ول رحم کرن والا ہے"

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ

"(اے محمد ﷺ) آکھ ڈے اللہ ہک ہے اللہ بے نیاز ہے اوں کہیں کوں جمیا نہ او جمیا گئے"

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ

"تے کوئی وی اوندی برابری کرن والا نہیں"۔(140)

محاسن

زیر نظر کتابچہ قرآن پاک کے سرائیکی بخشی تراجم میں اہمیت کا حامل ہے اور بہت سے اوصاف اور محاسن سے آراستہ ہے۔اس میں قرآن مجید کی پندرہ منتخب اور اہم سورتوں کا سرائیکی ترجمہ اور شان نزول تحریر کیا گیا ہے جو سرائیکی دینی ادب میں قابل قدر اضافہ ہے۔

اس ترجمے کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ مصنف موصوف نے قرآن پاک کی سورتوں کا ترجمہ دوران اعتکاف مسجد میں بیٹھ کر رمضان المبارک کے مہینے میں اپنے قلم سے خود تحریر کیا ہے۔جو ان کی قرآن پاک سے گہری وابستگی اور مادری زبان سرائیکی سے محبت کا ثبوت دیتا ہے۔ترجمے کا ایک وصف یہ بھی ہے آپ نے ترجمہ بین السطور کیا ہے جس سے قاری کو قرآن مجید کے الفاظ کے معنی بھی سمجھنے میں دشواری پیش نہیں آتی مثال کے طور اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ (۹۳:الضحیٰ:۱۰)

"تے ورآئے سوالی کوں نہ جھڑوک"(141)

مندرجہ بالا ترجمہ بین السطور ہونے کی وجہ سے قابل فہم ہو گیا ہے کیونکہ اس میں آیت اور سطر کا خیال رکھا گیا ہے جس سے قاری کا عربی متن کا سرائیکی ترجمہ سمجھنا ادق اور مشکل نہیں ہے اور یہ بات قاری کی دلچسپی کا باعث ہے۔

اس بخشی ترجمے کا ایک اور وصف اثر انگیزی ہے قرآن مجید کا یہ اعجاز ہے کہ دلوں پر گہرا اثر کرتا ہے۔فاضل مصنف نے اپنے طرز تحریر میں کلام پاک اس اعجاز کو برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے مثلاً:

اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ (۱۰۴_الھمزہ:۲)

"جئیں مال کٹھا کیتا تے اونکوں گنڑ یا"۔(142)

مندرجہ بالا ترجمہ میں اثر آفرینی ہے قاری کے دل کو یہ بات چھولیتی ہے کہ مال جمع کرنے والا اور اس کو گننے والا دولت کو قبر میں ساتھ نہیں لے جاسکتا اور نہ ہی کفن میں جیب ہوتی ہے۔فاضل مترجم دولت کی بجائے آخرت کی فکر دلاتی ہے۔زیر نظر بخشی ترجمے کا ایک وصف یہ ہے کہ اس میں سرائیکی زبان کے خالص اور عام فہم الفاظ استعمال ہوئے جس سے تفہیم آیات میں آسانی پیدا ہوگئی ہے مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ (۱۰۵:الفیل:۵)

"بس انہاں کوں کھادے بھوں وانگ کرڈتا"(143)

مترجم ذی وقار نے"کھادے بھوں"اور"وانگ" کے سرائیکی الفاظ کو استعمال کر کے ترجمے کو فصیح بنا دیا ہے اس سے ترجمے کا حسن بڑھ گیا ہے اور مصنف موصوف کی سرائیکی زبان پر گرفت عیاں ہوئی ہے۔

اس ترجمے کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ یہ ترجمہ سرائیکی زبان کے ڈیروی لہجے کا شاہکار ہے مثلاً:

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ (۱۱۲:الاخلاص)

"اوں کجھ نیں جنویا تے نہ او جنویا گئے"۔(144)

"جنویا" ڈیروی لہجے کا خالص لفظ ہے۔اسی طرح کئی دوسرے مقامات پر بھی اس لہجے کی نمائندگی نظر آتی ہے۔ فاضل مترجم نے منفرد انداز میں اپنے لہجے کو سرائیکی ترجمے میں ڈھالا ہے یہ بھی اس ترجمے کا ایک وصف ہے۔

نقد و نظر

فاضل مصنف صاحب طرز ادیب کثیر التصانیف اور شاعر بھی ہیں۔ عشق الٰہی اور عشق رسول ﷺ کے جذبے سے سرشار ہیں۔ آپ نے قرآن مجید کی منتخب سورتوں اور آیات کا ترجمہ و تشریح اور بعض کا سرائیکی زبان میں منظوم ترجمہ کیا ہے جو آپ کی قرآن مجید سے گہری وابستگی اور سرائیکی زبان سے محبت کو ظاہر کرتا ہے۔

زیر نظر تحشی ترجمہ مصنف موصوف نے بڑی عقیدت اور لگن کے ساتھ رمضان المبارک کے مہینے میں دوران اعتکاف منضبط فرمایا۔ ترجمہ کی کتابت مصنف ذی وقار نے خود کی ہے خوب ہے لیکن خوش نویسی کے فنی تقاضوں کو پورا کرتی نظر نہیں آتی یہ اس ترجمے کا بڑا سقم ہے۔

منتخب سورتیں سورۃ فاتحہ کو چھوڑ کر جو ابتداء میں تمہید کے طور پر دی گئی ہیں قرآن مجید کے آخری پارے سے لی گئی ہیں جو بالعموم قاری کو یاد ہوتی ہے۔ اس لیے بظاہر ان کے پڑھنے میں کوئی وقت نہ ہوگی لیکن کہیں کہیں اعراب واضح نہیں اگر قاری ان میں الجھ گیا تو وہ کتاب سے کما حقہ حظ نہیں اٹھا سکے گا۔ مثال کے طور پر یہ آیات بغیر اعراب کے ہیں ان کا پڑھنا ایک عام قاری کیلئے مشکل کا باعث ہوگا غلطی کے احتمال سے ہی نہیں بچ سکے گا:

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (۹۳: الضحیٰ: ۱۱)(145)

اسی طرح:

اَلَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَةِ (۱۰۴: الھمزہ: ۷)(146)

اس ترجمے کا ایک سقم یہ بھی ہے کہ یہ ترجمہ اردو ترجمے کا تتبع ہے مثال کے طور پر

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ (۱۰۵: الفیل: ۱)

"کیا تساں نہیں ڈٹھا جو تیڈے رب ہاتھی والیاں نال کیا سلوک کیتے"۔(147)

اسی طرح

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ (۱۰۶: القریش: ۱)

"قریش مانوس تھی گئی"(148)

اگر چہ مندرجہ بالا ترجمہ رواں سرائیکی میں ہے لیکن اردو ترجمے کو سرائیکی میں ڈھالا گیا ہے۔ اگر ترجمے میں سرائیکی کے خاص الفاظ استعمال کیے جاتے تو زیادہ بہتر ہوتا اور سرائیکی ترجمے کا حسن بھی برقرار رہتا۔ زیر نظر ترجمے کا ایک سقم یہ بھی ہے کہ کہیں کہیں ترجمہ صحت و فصاحت کے معیار پر پورا نہیں اترتا مثلاً:

تَبَّتْ يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ (۱۱۱: اللھب: ۱)

"ترٹ ونجن ابولہب دے ہتھ تے او ہلاک تھیوے"۔(149)

اگر اس آیت کا ترجمہ اس طرح سے کیا جاتا تو زیادہ فصیح ہوتا:

"شالا ابولہب دے ڈوہیں ہتھ ترٹ پوون تے آپ ترٹ مرے"۔

سرائیکی ایک وسیع زبان ہے اس کا اپنا ایک مزاج ہے اگر ترجمہ کرتے وقت اس بات کا خیال نہ رکھا جائے تو ترجمہ بے جان اور بے روح کلمات کا مجموعہ بن کر رہ جاتا ہے۔

زیر نظر ترجمے میں ایک سقم یہ بھی ہے کہ اس میں تشریح مختصر ہے جس میں شان نزول اور دیگر وضاحت طلب امور کا تذکرہ کیا گیا ہے خوب ہے مگر تشنہ ہے۔

قرآن مجید کی گیارہ منتخب سورتوں کا سرائیکی ترجمہ

حافظ مختار احمد شاہد عباسی مدظلہ العالی

تاریخ تصنیف: 2006ء   مقام تصنیف: رحیم یار خان

یہ قرآن مجید کا سرائیکی ترجمہ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے مصحف پاک کی گیارہ سورتوں کا ترجمہ ہے جسے حافظ مختار احمد شاہد عباسی نے کیا ہے۔ سورتوں کا یہ انتخاب آخری پارے میں سے کیا گیا ہے۔ ترجمہ منثر ی ہے غیر منظوم ہے جو ابھی تک زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکا۔ مترجم ذی وقار ایم اے عربی ہیں اس لیے عربی زبان سے وابستگی ظاہر ہے۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ کچھ عرصہ عربی کے لیکچرر رہے۔ آپ نے قرآن مجید کی گیارہ سورتوں کا سرائیکی ترجمہ کیا جن میں سورۃ العلق التکاثر، العصر، الھمزۃ، الفیل، القریش، الکوثر، الماعون، الکافرون، النصر اور المدثر شامل ہیں۔

زیر نظر ترجمہ مترجم موصوف کے اپنے قلم سے لکھا گیا ہے۔ آسانی سے پڑھا جا سکتا ہے قرآن پاک کا عربی متن عربی رسم الخط یعنی خط نسخ میں ہے جب کہ سرائیکی ترجمہ اردو رسم الخط یعنی خط نستعلیق میں ہے۔ خط نستعلیق سے زیادہ خط دیوانی اور شکستہ ہے۔ متن اور ترجمہ دونوں کا پڑھنا آسان ہے۔ یہ تحشی ترجمہ ہے البتہ بعض سورتوں کے حاشیے تحریر نہیں کیے گئے۔

مصنف موصوف وجہ تالیف کے بارے میں فرماتے ہیں:

''یہ میرے دل کی خواہش تھی کہ میں خود قرآن پاک کا سرائیکی ترجمہ کروں اور اسے پڑھوں میں کسی اور کا مرقوم ترجمہ نہیں پڑھنا چاہتا تھا اس لیے ہے میرے اندر کی خواہش اور جذبہ یہ تھا کہ ایسا ترجمہ ہو جو گرائمر کی رو سے صحیح ہو اور عام فہم ہو''

فاضل مصنف اس ترجمے کو مستقبل میں مکمل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور تادم تحریر وہ ترجمہ رقم کر رہے ہیں۔

مترجم نے ترجمہ کرتے وقت سورتوں کی ترتیب توقیفی یا ترتیب نزولی کو پیش نظر نہیں رکھا بلکہ اپنی مرضی سے فہرست ترتیب دی۔ سب سے پہلے سورۃ العلق کا ترجمہ رقم کیا ہے یہ سورۃ ترتیب نزولی کے اعتبار سے پہلی سورۃ ہے۔ اور اس میں پہلی وحی کی پانچ آیات اس میں شامل ہیں جو غار حرا میں نازل ہوئیں تھیں۔ ترتیب توقیفی کے اعتبار سے یہ چھیانوے نمبر پر ہے۔ سورۃ العلق کے بعد سورۃ التکاثر ہے جس میں قبر، آخرت اور دوزخ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ ان کی اہمیت دو چند ہے۔ اس لیے فاضل مترجم نے ان کے ترجمے کو ترجیح دی۔ سورۃ التکاثر کے بعد سورۃ العصر ہے جس میں نیک عمل اور ایک دوسرے حق اور نصیحت کے حوالے سے اہم ہے۔ بعد ازاں سورۃ الھمزہ ہے پھر سورۃ الفیل ہے جس میں ایک تاریخی واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالی نے کس طرح چھوٹے چھوٹے پرندوں سے ہاتھیوں کی فوج کو تتر بتر کر دیا۔ پھر سورۃ الماعون ہے جس میں آخرت کا انکار کرنے والوں یتیم اور مسکین کو دھکے دینے والوں نماز میں کوتاہی کرنے والوں اور ریا کار لوگوں کیلئے وعید سنائی گئی الماعون کے بعد سورۃ کوثر الکافرون کے بعد سورۃ الفتح اور آخر میں دوسری وحی کی آیات شامل ہیں۔

فاضل مترجم نے ان سورتوں کے انتخاب کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ یہ مشکل سورتیں ہیں اور عربی ادب کے لحاظ سے ادق ہیں اس لیے میں نے ان کا ترجمہ رقم کیا ہے تا کہ عام قاری بھی قرآن مجید کا مفہوم آسانی سے سمجھ سکیں۔

مترجم ذی وقار قرآن مجید کے ترجمے کو مکمل کر کے اسے زیور طباعت سے آراستہ کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا ہے انہوں نے طبع نہ ہونے کی وجہ مالی مشکلات بتائیں۔ اس لیے کوئی مترجم بھی سرپرستی کے بغیر ترجمہ طبع نہیں کرا سکتا۔

(5)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

شروع اللہ دے ناں نال جیڑھا رحمٰن تے رحیم ہے

قُلْ یٰاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَاۤ اَعْبُدُ مَا

آکھو ڈیوو دینڑ اے انھاں دے وچ وچ ہوڑ والو میں بندگی نی کریندا جیندی

تَعْبُدُوْنَ ۝ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ

تساں کریندو ۔ تے ناں تساں بندگی کریندو جیندی میں کریندا ہاں۔

وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝ وَلَاۤ اَنْتُمْ

تے ناں کڈھیں میں بندگی کریسا ں جیندی تساں پئے کریندو ۔ ناں تساں بندگی کرݨ والے او

عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِیْنُكُمْ وَلِیَ دِیْنِ

جیندی میں پیا بندگی کریندا ں ۔ تساں دے کیتے تساڈا رستہ میڈے کیتے میڈا رستہ ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

اللہ دے ناں نال جیڑھا مہربان تے رحم کرݨ والا ہے

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝

جیڑاں اللہ دی مدد تے فتح آ ونجے ۔ ۝ تے توں

وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ

لوکیں کوں اللہ دے دین وچ ٹولیاں ٹولیاں بݨ تے آ ندا ڈیکھو

اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

گھنے تاں اپݨے رب دی تعریف نال تسبیح کرو تے اوندے کنوں

وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝

مغفرت منگو ۔ بلا شک اوہی توبہ قبول کرݨ والا ہے ۔

حافظ مختار احمد شاہد احمد عباسی کے سرائیکی ترجمے کا نمونہ

طریق کار

فاضل مترجم نے قرآن مجید کی گیارہ سورتوں کا جزوی محشی ترجمہ کیا ہے۔ یہ سرائیکی ترجمہ بین السطور اور بامحاورہ ہے۔ ہر سورۃ کے شروع میں بسم الله الرحمن الرحیم رقم کیا گیا ہے اور نیچے اس کا سرائیکی ترجمہ تحریر کیا گیا ہے۔

تمام سورتوں کے تراجم میں ایک ہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے پہلے ایک سطر میں قرآن مجید کا عربی متن دیا گیا ہے پھر اس کے نیچے اس کا سرائیکی ترجمہ تحریر کیا گیا ہے مثال کے طور پر سورۃ العصر کا آغاز ملاحظہ فرمائیں:

وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ (۱۰۳العصر:۱،۲)

جلدی گذرن والے زمانے دی قسم بے شک انسان ڈاڈھے گھانے وچ ہے۔(150)

فاضل مترجم نے سطر کا خیال نہیں رکھا ہے۔ بلکہ آیت کا خیال رکھ کر ترجمہ رقم کیا ہے۔ مترجم ذی وقار کا طریق کار یہ ہے کہ پہلے جلی حروف میں قرآن مجید کا عربی متن دیتے ہیں پھر اس کے نیچے الفاظ کے اعتبار سے معانی/معنی ضبط فرماتے ہیں۔ ایک سطر میں جتنے عربی کلمات ہوتے ہیں نیچے اتنے ہی سرائیکی الفاظ آتے ہیں۔

ترجمہ جملے یا آیات کا اعتبار نہیں بلکہ سطور کا خیال رکھا گیا ہے۔ مصنف موصوف بڑی مہارت سے عربی کلمات کے متبادل سرائیکی الفاظ لاتے ہیں مثال کے طور پر اس آیت مبارکہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ (۱۰۵الفیل:۱)

''کیاں توں نی ڈٹھا تیڈے رب نے ہاتھی والیں نال کیا کیتی''۔

زیر نظر ترجمہ جزوی محشی ہے۔ بعض سورتوں کے حاشیے رقم کیے گئے ہیں بعض کے حاشیے ضبط تحریر میں نہیں لائے گئے۔ سورۃ العلق، التکاثر، العصر، القریش، الکوثر، الماعون الکافرون اور النصر کے حاشیے رقم نہیں کیے گئے البتہ سورۃ الھمزہ، الفیل اور المدثر کے حاشیے احاطہ تحریر میں لائے گئے ہیں۔ مثلاً سورۃ الھمزہ کے حاشیے ان الفاظ کے معنی تحریر کیے گئے ہیں:

ھمزۃ عیب گو لمزۃ طعنہ ڈیون والا حطمۃ انسان کوں چُر چُر کرن والی بھا

ممددۃ ستون اسی طرح سورۃ الفیل کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیے:

کید، مکر، سجیل، کچے پکے مٹی دے غلول، ابابیل، جھنڈ۔ اسی طرح سورۃ المدثر کا حاشیہ دیکھئے:

حمر کھوتے، بھمین بجے پاسے والے، تذکرہ دماغ وچ یاد کیتی شے، عسیر، اوکھا، عنیداً، اندر گندرا

صعود، چڑھائی

فاضل مصنف نے کہیں کہیں واحد جمع بھی رقم کیے ہیں مثلاً سورۃ المدثر کے حاشیے میں رقمطراز ہیں:

ثیاب کپڑے واحد ثوب

سورۃ المدثر پر فاضل مترجم نے خصوصی توجہ فرمائی ہے اور ترجمہ کے دونوں طرف حواشی ہیں جن میں حل لغات اور قواعد کی گتھیاں سلجھائی ہیں۔ خط قدرے شکستہ ہے لیکن بآسانی پڑھا جا سکتا ہے۔ عربی اور سرائیکی دونوں کے رسم الخط پر فاضل مصنف مکمل دسترس رکھتے ہیں۔ کالی روشنائی کا استعمال فرمایا ہے جس سے تحریر زیادہ نمایاں اور روشن ہو گئی ہے۔

محاسن

زیرِ نظر ترجمہ جزوی مُحشّی ہے یعنی نہ تو پوری طرح سے معرّیٰ ہے اور نہ مُحشّی ہے اور بہت سے اوصاف اور محاسن سے آراستہ ہے۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔ ترجمہ سرائیکی زبان کے معروف لہجے ریاستی کا مکمل ترجمان ہے مثلاً:

ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (۱۰۲: التکاثر: ۴)

"ول تساکوں اے پچ دی خبر جلدی تھی ویسے"۔ (151)

اسی سورۃ کی ایک اور آیت کا ترجمہ دیکھئے:

ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ

"وَل ڈینہہ تساڈے کولوں نعمتاں دے بارے وچ پچھ گچھ تھیسے"۔

ان دونوں آیات کے تراجم میں ویسے اور تھیسے خالص ریاستی لہجے کے الفاظ ہیں مصنف موصوف نے ان الفاظ کے استعمال سے ترجمے کے حسن کو برقرار رکھا ہے اور ایسے الفاظ استعمال نہیں کیے جو قاری کیلئے اجنبی ہوں۔

فاضل مترجم کے ترجمے کا ایک وصف یہ ہے کہ اس میں آسان اور عام فہم سرائیکی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جسے عام قاری بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے مثال کے طور پر اس آیت مبارکہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (۱۱۰: النصر: ۲)

"تے توں لوکیں کوں اللہ دے دین وچ ٹولیاں ٹولیاں بن تے آندا ڈیکھ گھنے" (152)

مندرجہ بالا ترجمہ نہایت آسان ہے اور اس میں سرائیکی زبان کی بیارت نمایاں نظر آتی ہے۔ اس زبان میں الفاظ کا ایک ذخیرہ ہے جسے جہاں چاہیں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس سے سرائیکی زبان کی مٹھاس اور ادبی چاشنی محسوس کی جا سکتی ہے۔

مترجم ذی وقار کا انداز تحریر موثر ہے جس کو پڑھنے سے قاری کے دل پر گہرا اثر ہوتا ہے اور وہ ایک خاص کیفیت محسوس کرتا ہے مثال کے طور پر سورۃ المدثر کی درج ذیل آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ (۷۴: المدثر: ۸، ۹، ۱۰)

"جڈاں بگل وچ پھوک ماری ویسے تے او ڈینہہ ڈاڈھا مشکل ہوسے کافریں اتے کوئی سوکھا نہ ہوسے"۔ (153)

یہ ترجمہ اثر آفرینی کی عمدہ مثال ہے۔ اسے پڑھنے سے انسان کو فکر آخرت لاحق ہوتی ہے اور وہ برے اعمال سے پرہیز کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور آخری نبی حضرت محمد ﷺ کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کی کوشش کرتا ہے۔ زیرِ نظر ترجمے کا ایک اور وصف ہے کہ اس میں قرآن مجید کے عربی متن کی مکمل ترجمانی موجود ہے جس سے صحیح ابلاغ ہو جاتا ہے۔ مثلاً:

اَلَّذِيْ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ (۱۰۶: القریش: ۴)

"او رب جیرھا انھاں کوں بکھ وچ کھاناڈِتے ڈر وچ انھاں کوں امان ڈِتی ہِے"۔ (154)

مندرجہ بالا ترجمے میں مکمل ابلاغ موجود ہے۔ مصنف موصوف عربی اور سرائیکی کو جانتے ہوئے اس طرح ترجمہ ضبط فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کا مقصد من وعن قاری تک پہنچ جائے اور قرآنی احکامات پر عمل پیرا ہو سکے۔

مترجم ذی وقار کے ترجمے کا ایک وصف یہ بھی ہے۔ کہ اس میں تشریحی کلمات کم سے کم استعمال کیے گئے ہیں۔ اس سے ترجمے کے حسن میں اضافہ ہوا ہے مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا سرائیکی ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (۹۶: العلق: ۱۹)

اے نبی خبردار! توں اوندے پچھوں نہ لگ تے سجدہ کریندا رہو تے اپنے رب دے قریب تھیندا ونج۔ (155)

زیر نظر ترجمہ بہت سے اوصاف سے بہرہ ور ہے۔ جزوی تراجم میں یہ مخشی ترجمہ جو واحد ہے اور غیر مطبوعہ ہے۔ مترجم ذی وقار نے قرآنیات کے حوالے سے قابل قدر کام کیا ہے مگر اس میں کچھ سقم رہ گئے ہیں جن کا ذکر کرنا ضروری ہے۔
اس ترجمے کا ایک سقم یہ بھی ہے کہ اس میں کہیں کہیں غیر مانوس کلمات استعمال کیے گئے ہیں جن میں قاری مشکل سے دوچار ہو سکتا ہے مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ (۱۰۹:الکوثر:۳)

"بلاشک تیڈا اویری ہی اُنڈمنڈ ھے"۔(156)

لفظ "اُنڈمنڈ" عربی کلمہ "الابتر" کا ترجمہ ہے۔ اس کے سرائیکی ہونے میں کوئی شبہ نہیں لیکن یہ عام فہم نہیں۔ اس کی جگہ "اوتر ک" ہوتا تو زود فہم ہوتا۔ زیر نظر ترجمے میں عربی، فارسی اور اردو کے الفاظ بھی استعمال کیے گئے ہیں اگر ان کی بجائے متبادل سرائیکی الفاظ لائے جاتے تو زیادہ بہتر ہوتا جیسے:

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (۱۰۳:العصر:۳)

"تے ہک بے کوں سچ گال دی وصیت کریندے رہیے تے آپس وچ صبر دی نصیحت کریندے رہے۔"(157)

مندرجہ بالا ترجمے میں اگر وصیت صبر اور نصیحت کی بجائے خالص سرائیکی الفاظ لائے جاتے تو زیادہ بہتر ہوتا اور ترجمہ واضح بھی ہوتا۔ دوسری زبانوں کے الفاظ کے استعمال سے ترجمہ پرکشش نہیں رہا۔ اس ترجمے کا ایک سقم یہ بھی ہے کہ فاضل مترجم نے کہیں کہیں تشریحی ترجمہ کا انداز اختیار فرمایا ہے جیسے اس آیت میں ملاحظہ فرمائیں:

وَالْعَصْرِ (۱۰۳:العصر:۱)

"جلدی گذرن والے زمانے دی قسم"۔(158)

مندرجہ بالا ترجمے میں جلدی گذرن والے الفاظ کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ فاضل مترجم نے صرف توضیحاً ایسا کیا ہے۔ اس سے ترجمے میں طوالت آگئی ہے جس سے ترجمہ کا حسن ماند پڑ گیا ہے۔ ترجمہ صحت کے اعلیٰ معیار پر پورا نہیں اترتا جیسے:

تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيلٍ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ (۱۰۵:الفیل:۴-۵)

"انھاں دے اتے گارے توں بنے غلول سٹیندے رہیے بس انہیں کوں چبائے ہوئے
بھوسہ دی طرح تیڈے رب نے بنا ڈتا"(159)

حجارہ کا ترجمہ "غلول" سے کیا گیا ہے جو صحیح نظر نہیں آتا۔ زیر نظر ترجمے میں سلاست اور روانی کی کمی نظر آتی ہے جیسے سورۃ الماعون کی پہلی آیت کا ترجمہ دیکھیں یہ نقص بین السطور اور تحت اللفظ ترجمہ میں اکثر پایا جاتا ہے:

أَرَءَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ (۱۰۷:الماعون:۱)

"کیا توں اوکوں ڈٹھے جیڑھا انصاف تھیون والے ڈینہہ کوں نی منیدا"۔(160)

کتابت اگرچہ مصنف محترم کے اپنے قلم سے ہے۔ لیکن پھر بھی اغلاط موجود ہیں ہے۔ اراد اللّٰہ بھذا مثلا کو اراد اللہ بھذ مثلا لکھا ہے مثلاً کو مڈلا لکھا گیا ہے، ث ش بن گئی ہے۔ یہ ایک قبیح غلطی ہے۔(161)

سوانح مترجم

ولادت: 3 اپریل 1962ء **بقید حیات ہیں**

حافظ مختار احمد شاہد عباسی مدظلہ العالی 3 اپریل 1962ء کو بستی میاں والی قریشیاں ضلع رحیم یار خان میں پیدا ہوئے آپ کا گھرانہ علم وفضل اور تذکیہ نفس میں بہت مشہور ہے۔ آپ کے والد ماجد زمینداره کرتے تھے۔ فاضل مترجم نے ابتدائی تعلیم گورنمنٹ پرائمری سکول قادر دی پل سے حاصل کی۔ چونکہ آپ کو بچپن ہی سے عربی زبان سے محبت تھی آپ نے قرآن پاک بھی اسی جذبے سے حفظ کیا۔ بعد ازاں گورنمنٹ مڈل سکول میاں والی قریشیاں سے مڈل اور گورنمنٹ کمپری ہنسو ہائی سکول رحیم یار خان سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کیلئے مصنف موصوف رحیم یار خان تشریف لے گئے وہاں گورنمنٹ خواجہ فرید کالج رحیم یار خان سے انٹرمیڈیٹ اور بی اے کے امتحانات پاس کیے بعد ازاں اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے عربی زبان وادب میں ایم اے کیا۔ عملی زندگی کا آغاز بطور لیکچرر عربی گورنمنٹ کالج صادق آباد ضلع رحیم یار خان سے کیا۔ 1990ء سے 1993ء تک درس وتدریس سے منسلک رہنے کے بعد شعبہ تعلیم کو خیرباد کہہ دیا۔

آج کل محکمہ واپڈا میں ملازمت کر رہے ہیں۔ مصنف موصوف ملازمت کے ساتھ ساتھ سماجی حلقوں میں جانے پہچانے جاتے ہیں ادبی محافل اور مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں اور خدمت خلق کے کاموں میں پیش پیش رہتے ہیں۔

علمی وادبی خدمات

فاضل مترجم کو بچپن ہی سے مذہب سے لگاؤ تھا۔ گھر کا ماحول مذہبی تھی چنانچہ قرآن پاک حفظ کیا اور کلام پاک سے اپنا سینہ منور کیا اور قرآن مجید اور عربی زبان سے محبت کی وجہ سے عربی زبان وادب میں ایم اے کا امتحان پاس کیا۔ رفتہ رفتہ قرآن پاک سے محبت بڑھتی چلی گئی تو آپ نے اپنی مادری زبان میں کلام مقدس کا ترجمہ کرنا شروع کیا۔

مترجم ذی وقار نے 1977ء سے لکھنا شروع کیا۔ شاعری بھی کرتے ہیں۔ معمولات زندگی میں دفتر، مطالعہ، کرنا لکھنا پڑھنا، ادبی محافل اور مشاعروں میں شرکت کرنا شامل ہے۔ آپ عشق الہی اور عشق رسول ﷺ سے سرشار رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے گہرے لگاؤ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں۔

علماء کرام کی تقاریر بھی سنتے ہیں۔ ایک مرتبہ آپ علامہ سعید احمد کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر سے بہت متاثر ہوئے۔ اسی طرح سے مولانا عبداللہ درخواستی کے بیان کے بھی وہ گرویدہ ہیں۔ فاضل مترجم شاعر بھی ہیں اور شاعری میں اقبال کی نسبت غالب کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ آپ کو غزل کہنا زیادہ پسند ہے نمونہ کلام ملاحظہ فرمائیں:

فساد آب و دانہ رہ گیا ہے
نہ وہ پہلا زمانہ رہ گیا ہے
یہاں ہر چیز بدلی جا رہی ہے
تعلق کب پرانا رہ گیا ہے
تقاضے دوستی کے بھی نئے ہیں
مزاج خسروانہ رہ گیا ہے
تڑپ اٹھتا ہے شاہد دل تبھی تو
کوئی غم معجزانہ رہ گیا ہے

مُفسّر تراجم

سرائیکی ایک قدیم اور وسیع زبان ہے۔ اسے دنیا میں بولی جانے والی تمام زبانوں میں ساتھواں نمبر حاصل ہے اور اس وقت اکادمی ادبیات اسلام آباد کے مطابق سب سے زیادہ کتب سرائیکی میں شائع ہو رہی ہیں۔ ساتھ ساتھ سرائیکی دینی ادب میں بھی روز بروز اضافہ ہو رہا ہے خاص طور پر قرآن مجید کے تراجم قابل قدر کام ہو رہا ہے۔

اب تک دستیاب جزوی تراجم کی تعداد تیرہ ہے۔ ان میں منظوم تین ہیں منثری پانچ ہیں محشّی دو ہیں۔ ایک محشّی ترجمہ غیر مطبوعہ ہے جبکہ مفسر تراجم کی تعداد تین ہے یہ تمام کے تمام تراجم اپنے اپنے اعتبار سے اہمیت کے حامل ہیں۔

جزوی مفسر تراجم میں ترتیب زمانی کے لحاظ سب سے اولین کاوش پروفیسر عطا محمد دلشاد کلانچوی مرحوم و مغفور کی ہے "دلشادیہ تفسیر القرآن العظیم سورۃ الفاتحہ" کا پہلا ایڈیشن 1984ء میں مصنف موصوف کی زندگی میں جبکہ دوسری بار اسکی اشاعت ان کی وفات کے بعد 1999ء میں ہوئی اس کو عام کتابی سائز میں چھاپا گیا ہے پہلی اشاعت میں اڑتالیس صفحات تھے جبکہ دوسرے ایڈیشن میں تریسٹھ صفحات ہیں۔

مفسر تراجم میں ہر ایک مصنف کا طریق کار مختلف ہے۔ اس تفسیر میں حل لغات دیے گئے ہیں بعد میں تفسیر دی گئی ہے فاضل مترجم آٹھ صفحات میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر رقم کی ہے۔ قواعد اور گرائمر کو بھی زیر بحث لاتے ہیں۔ مفسر ذی وقار نے منفرد انداز میں تفسیر تحریر کی ہے جو اثر انگیز ہے۔

ترتیب زمانی کے اعتبار سے دوسری تفسیر بھی سورۃ الفاتحہ کی ہے جسے ڈاکٹر مہر عبدالحق نے تصنیف کیا اسے "الحمدللہ سرائیکی زبان وچ سورۃ فاتحہ دی تفسیر" کا نام دیا گیا۔ اسے سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے 1986ء میں شائع کیا۔ مصنف موصوف نے تفسیر عنوانات کے تحت رقم کی۔ پوری سورۃ کی تفسیر کو آٹھ حصوں میں منقسم کیا گیا ہے۔ یہ تفسیر بہت ضخیم ہے جو کہ دو سو سات صفحات پر مشتمل ہے۔

ڈاکٹر مہر عبدالحق مرحوم و مغفور نے اس تفسیر میں قرآن و حدیث کے حوالے بھی رقم کیے ہیں اور اس میں فارسی اور اردو کے اشعار بھی تحریر کیے ہیں۔ مفسر محترم نے الفاظ کی وضاحت عام فہم انداز میں کی ہے۔

جزوی مفسر تراجم میں تیسری تفسیر "فرید التفاسیر یعنی تفسیر سرائیکی" ہے جسے علامہ محمد اعظم سعیدی نے تصنیف کیا ہے جن دو تفاسیر کا ذکر کیا گیا ہے وہ دونوں صرف سورۃ الفاتحہ کا ترجمہ و تفسیر ہے جبکہ یہ تفسیر قرآن مجید کے پہلے پارے پر مشتمل ہے۔ اس تفسیر اور باقی دونوں تفاسیر میں انداز کا فرق، سائز کا فرق اور طباعت کا فرق نمایاں ہے۔ یہ تفسیر مروجہ قرآن مجید کے سائز کے مطابق شائع کی گئی ہے۔ علمی مواد کے اعتبار سے بڑی گرانقدر تفسیر ہے آپ نے یہ تفسیر رقم کرتے وقت بہت سی تفاسیر سے استفادہ کیا ہے۔ یہ سلاست اور روانی کی عمدہ مثال ہے۔ حوالہ جات خوب ہیں اور یہ ریاستی لہجے کی نمائندگی کرتی ہے۔ آئندہ صفحات میں الگ الگ جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

دلشادیہ تفسیر القرآن العظیم سورۃ الفاتحہ

پروفیسر عطا محمد دلشاد کلانچوی ☆

تاریخ طباعت : طبع اول 1984ء ،طبع دوم 1999ء مقام طباعت : بہاول پور

''دلشادیہ تفسیر القرآن العظیم سورۃ الفاتحہ'' جیسا کہ نام سے ظاہر ہے سورۃ فاتحہ کی سرائیکی تفسیر ہے۔ جس کے اب تک دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ پہلا ایڈیشن 1984ء بمطابق 1404ھ میں طبع ہوا ہے۔ سرائیکی لائبریری بہاولپور نے شائع کیا۔ طباعت منزل پریس ملتان سے ہوئی۔ اس وقت پروفیسر عطا محمد دلشاد کلانچوی بقید حیات تھے۔

زیر نظر تفسیر کا دوسرا ایڈیشن مصنف موصوف کی رحلت کے بعد اکادمی سرائیکی ادب بہاولپور نے شائع کیا جسے جھوک پرنٹرز ملتان نے زیور طباعت سے آراستہ کیا۔

کتاب کے دونوں ایڈیشن اگرچہ عام کتابی سائز میں ہیں۔ طباعت میں بھی یکسانیت ہے۔ دونوں عام کاغذ پر طبع کیے گئے ہیں البتہ بعض باتوں میں پہلے ایڈیشن سے دوسرا ایڈیشن قدرے بہتر ہے۔ پہلا ایڈیشن سادہ اور یک رنگا ہے۔ جب کہ دوسرا ایڈیشن ذرا پرتکلف اور دو رنگوں میں ہے۔ پہلے ایڈیشن کا کوئی سرپوش نہیں اور نہ ہی وہ مجلد ہے۔ اس کے مقابلے میں دوسرا ایڈیشن سبز رنگ کے خوبصورت ٹائٹل سے آراستہ ہے۔ کتابت بھی دونوں کی مختلف ہے۔

پہلے ایڈیشن کی کتابت باریک اور سادہ ہے دوسرے ایڈیشن کی کتابت جلی اور کشادہ ہے۔ اس لیے دونوں کی ضخامت میں بھی فرق ہے۔ پہلا ایڈیشن اڑتالیس صفحات پر مشتمل ہے جبکہ دوسرے ایڈیشن کے صفحات ترییسٹھ ہیں۔ جس پر مضبوط کارڈ کا کور ہے۔ جس کی پشت پر بک سیلر کا ایک مختصر اشتہار ہے کتاب کے ملنے کا نام پتہ دیا گیا ہے۔

کتاب کا آغاز تسمیہ سے کیا گیا ہے۔ آغاز کے بعد الگ صفحہ پر معذرت کے عنوان سے ایک صفحہ پر مشتمل مصنف موصوف نے اپنی کم علمی اور قرآن کے حوالے سے اپنی کم مائیگی کا اظہار فرمایا ہے۔ وہ بڑے خلوص اور دل سوزی کے ساتھ رقم فرماتے ہیں:

''میں نہ کوئی عالم ہاں، نہ مفسر، نہ محدث اتے نہ تفسیر داعلم جانڑداں۔ میں قرآن حکیم دی ہک اہم سورۃ دی تفسیر لکھی ہے لکھی کیا ہے؟ تفسیراں پڑھ تے تالیف وترتیب ڈِتی اے ایہ میڈی کوشش تے اللہ تعالیٰ دی توفیق نال تہاڈے پیش ہے جو میڈے بھرا تے بھینڑیں وی ایکوں پڑھ سکن تے ول خدا کرے جو انہاں کوں وڈیاں وڈیاں تفسیراں پڑھن داشوق تھی ونجے تے اوڈیکھن جو قرآن حکیم دیاں علم وحکمت دیاں سونہڑیاں گالھیں اساڈے دل و دماغ کوں کیویں روشن کر ڈیندن تے اساکوں سدھے رستے لیندن!

ایں مختصر جہی تفسیر وچ میڈیاں کوتاہیاں ضرور ملسن ایہ میڈی کم علمی دی وجہ کوں ہن جیکر میکوں ورجیسو تاں شکریے نال درست کر ڈِتیاں ویسن''۔

زیر نظر تفسیر کے سرورق کے اوپر تحریر ہے: ''قرآنی تفسیر کیتے سرائیکی زبان وچ پہلی پیش کش''۔

☆ مترجم موصوف کے سوانح اور علمی خدمات کا تذکرہ باب دوم میں دیا جا چکا ہے۔

طریق کار

زیر نظر تفسیر قرآن مجید کے سرائیکی مفسر تراجم میں اولین کاوش ہے۔ اس سے پہلے کسی سرائیکی تفسیر کا سراغ نہیں ملتا۔ البتہ محشی تراجم اس سے پہلے شائع ہو چکے ہیں۔ فاضل مفسر نے کتاب کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کیا ہے۔ پھر اگلے صفحہ پر معذرت کے نام سے ایک بیان دیا ہے۔ جس میں انہوں نے اپنے قارئین سے بڑے خلوص کے ساتھ اپنی کم علمی اور کم مائیگی کا ذکر کیا ہے۔ بعد ازاں اگلے صفحہ پر کتاب کے مضامین کی ایک فہرست مرتب کی ہے جو "تندیر" کے عنوان سے ہے۔ تفسیر کا آغاز کرنے سے پہلے سورۃ الفاتحہ کا مکمل عربی متن جلی حروف میں دیا ہے پھر بین السطور تحت اللفظ ترجمہ درج ہے۔ سرائیکی ترجمہ وہی ہے جو ان کے مترجم قرآن میں ہے۔

سورۃ الفاتحہ کے عربی متن کے اوپر تسمیہ رقم کیا گیا ہے۔ تسمیہ کے دائیں طرف "سورۃ فاتحہ مکیہ" لکھا گیا ہے جبکہ بائیں طرف "رکوع آیات" درج ہیں تسمیہ کے نیچے اس کا سرائیکی ترجمہ ضبط تحریر میں لایا گیا ہے۔

مفسر ذی وقار نے سورۃ الفاتحہ کی تفسیر سے پہلے آٹھ صفحات میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کی تفسیر رقم کی ہے کیونکہ یہ قرآن حکیم کی مستقل آیت ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا پس منظر بیان کیا گیا ہے اور پھر الگ الگ بسم اللہ، اللہ، الرحمٰن، اور الرحیم کی تفسیر بیان کی گئی ہے پھر رحمٰن اور رحیم میں فرق و امتیاز بتایا گیا ہے۔ فاضل مفسر نے سورۃ الفاتحہ کی تفسیر کے لیے خاص طریقہ اپنایا ہے۔ احادیث کے ذریعے اس کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ مفسر ذی وقار پہلے ایک لفظ لکھتے ہیں بعد ازاں اس کی تفصیل رقم کرتے ہیں۔ کہیں کہیں پوری آیت درج کرتے ہیں پھر اس کی تشریح لکھتے ہیں۔ تشریح میں آیات کا حوالہ بھی دیتے ہیں مثلاً صفحہ نمبر ۲۰ پر رقمطراز ہیں:

"ایں سورۃ دے ستادی لفظاں وچوں کوئی ہک اجیا کائے نہیں جیہڑا عربی، فارسی یا اردو دے روزمرہ درج استعمال نہ تھیندا ہووے اللہ تعالیٰ دی وڈے فخر نال آکھیے"۔

وَ لَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْم

"یعنی ول اساں تیکوں ست آیاتاں بخشن، جیہڑیاں جیہڑا ولا پڑھیاں ویندن، ایہ قرآن عظیم ہے"۔(162)

فاضل مفسر قواعد اور گرائمر کو بھی زیر بحث لاتے ہیں مثلاً اَلَّذِیْنَ کے حوالے سے لکھتے ہیں "جمع دا صیغہ ہے"۔

مصنف موصوف نے سورۃ الفاتحہ کی تفسیر سے پہلے دس صفحات کی تمہید رقم کی ہے جس میں سورۃ الفاتحہ کا تعارف شامل ہے۔ آیت اور سورۃ کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم کی وضاحت کی گئی ہے۔ مفسر ذی وقار پہلے پوری آیت لکھتے ہیں پھر ایک ایک لفظ کی وضاحت کرتے ہیں پہلے حل لغات دیتے ہیں پھر اس کے تشریحی معنی رقم کرتے ہیں جیسے:

صِرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ

"صراط دے لفظی معنی راہ، رستے تے طریقے دے ہن"۔

مستقیم دے معنی سدھے تے سچے دے ہن"۔(163)

حل لغات کے بعد مترجم ذی وقار دو کلمات کی تشریح کرتے ہیں جو تقریباً دو صفحات پر مشتمل ہے۔

"صراط المستقیم یا سدھا راہ او ہوندے جیندے اتے ٹردے انسان جلدی اپڑیں منزل مقصود کوں پج ونجے......الخ"۔

مفسر مرحوم و مغفور نے مخصوص طریقے سے سورۃ الفاتحہ کی تفسیر تحریر کی ہے۔ انہوں نے "معذرت" میں خود لکھا ہے کہ بہت سی تفاسیر کو پڑھ کر اس کو لکھا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے سورۃ الفاتحہ کی تفسیر کا علمی مواد وہی ہے جو پہلے مفسرین پیش کر چکے ہیں آپ نے بس اسے سرائیکی میں ڈھالا ہے۔

محاسن

زیرِ نظر تفسیر ایک گرانقدر علمی سرمایہ ہے جس سے سرائیکی کا دامن مالا مال ہو گیا ہے۔ فاضل مصنف چونکہ سرائیکی کے جید عالم اور نامور ادیب ہیں اس لیے انہوں نے اول سے آخر تک ایک خاص اسلوب اختیار فرمایا ہے جو نہایت آسان اور سادہ ہے۔ جس سے عام قاری بھی قرآن کی تفہیم میں وقت محسوس نہیں کرتا جیسے ''الحمد'' کی تفسیر دیکھیں:

''حمد دے معنی ہن ساری تعریف، ہر طرح دی تعریف، ہر قسم دی تعریف یعنی کوئی وی تعریف جہڑی ازل کنوں گھن تے ابد توڑیں کیتی ونج سگدی ہے۔ کیوں جو او جہان دنیا دیاں ساریاں صفتاں دا مالک ہے او سارے جہاناں دا پالن والا ہے۔۔۔۔۔۔ حمد ثنائے جمیل کوں آکھیا ویندے یعنی سوہنڑیں کنوں سوہنڑیں تعریف جیندی تھی سگدی ہے اور اللہ تعالیٰ دی ہے ہیں واسطے حمد دے نال ''الف'' تے ''لام'' لا ڈتا گئے یعنی حمد و ثنا وچ جو کجھ آکھ سگدے تے جتی کجھ آکھ سگدے او سب کجھ اللہ تعالیٰ کیتے ہے ایہ سب حمد تے شکر جو کوں چھکدے بلکہ ایں سمجھو جو ''الحمد'' دا کلمہ تاں اللہ تعالیٰ نے آپڑیں کیتے پسند فرمایا ہوئے صوفیاء دے نزدیک حمد خود ذات معبود دے جمال و کمال کوں ظاہر کرن داناں ہے۔''(164)

اس تفسیر کا ایک وصف یہ ہے کہ مصنف موصوف نے عربی زبان کے مسلمہ اصول و قواعد کو پیش نظر رکھا ہے تاہم اپنی رائے اور استدلال کا استعمال بھی کیا ہے لفظ اللہ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں:

''اللہ'' ایہ اسم جامد ہے یعنی ایہ کہیں بے لفظ یا مصدر کنوں کائے نہیں نکلیا نہ ایندا جمع ہے نہ تثنیہ تے نہ ایندا ترجمہ قرآن کریم دے نازل تھیون کنوں پہلے وی لفظ ''اللہ'' موجود ہا جاہلیت دے زمانے وچ شاعر ایں ناں کوں اپنے شعراں وچ لکھ گھن اللہ اسم ذات دے طور تے اللہ تعالیٰ دا ہک ناں ہے تے اسم ذات ہوون دی وجہ کنوں اللہ تعالیٰ دیاں ساریاں صفاتاں اتے حاوی ہے۔''(165)

زیرِ نظر تفسیر کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ مصنف موصوف نے اکثر مقامات پر دیگر فاضل مفسرین کے حوالے بھی دیے ہیں جیسے'' اِیَّاکَ نَعۡبُدُ'' کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

''امام ابن کثیر لکھدن جو اتھاں ہک بندہ اللہ تعالیٰ نال گالھیں کریندے پر ''میں'' دی بجائے جمع دا صیغہ یعنی ''اساں'' استعمال کریندے چنگی ایڑیں گالھ کرے باقی ساریاں کوں درلے رلاتے آہدے جو اساں سارے جیڑی ای عبادت کریندے ہیں اتھاں او آپڑیں جتی تعظیم تے جھکوائی ڈکھا سگدے ڈکھاوے باقی لوکاں کوں چھوڑ ے''۔(166)

''دلشادیہ تفسیر'' کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ اس میں اثر آفرینی ہے۔ قرآن مجید کا یہ اعجاز بھی ہے۔ مصنف موصوف کے طرزِ تحریر نے اس اعجاز کو چار چاند لگا دیے ہیں مثال کے طور پر اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ کی تفسیر دیکھیں:

''سورۃ فاتحہ دی ایہ اہم ترین دعا ہے ایہ چنگی بندیاں کیتے کائے نہیں رسولاں پیغمبراں کیتے وی ہے ایہ دعا ہر شخص کیتے ہر کم کیتے ہے جیں طرحاں آخرت دی کامیابی ایں صراط المستقیم تے چلن نال ہے جہڑی بہشت دو گھن ویندی اے۔''(167)

فاضل مفسر کی تفسیر کا ایک وصف یہ ہے کہ اس میں علمِ کلام کے حوالے سے فرقہ جبریہ اور قدریہ کے خیالات کو سہل انداز میں رد کیا ہے۔

یہ تفسیر سرائیکی قرآنی ادب کا شاہکار ہے اور اولین کاوشوں میں سے ہے اور بہت سی خوبیوں سے متصف ہے مگر اس میں کچھ ایسے سقم رہ گئے جن کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ زیر نظر تفسیر کا ایک سقم یہ ہے کہ اس میں اکثر مقامات پر عربی، فارسی اور اردو الفاظ استعمال کیے گئے ہیں مثال کے طور پر اِیَّاکَ نَعْبُدُ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں:

"ایاک نعبد دے معنی ہن اساں محض تیڈی ای عبادت کریندے ہیں عبدیت ترائے قسم دی ہوندی ہے ہک تاں اے اقرار جو اساں تیڈی ای پرستش تے پوجا کریندے ہیں تیڈے اگوں حاضر تھیندے ہیں تے سر جھکیندے ہیں۔ بیا جو اساں اطاعت گذار وی ہیں جیڑھا حکم کریں اوندے متن کیتے اتے اوندے اتے عمل کرن کیتے تیار ہیں"۔(168)

مندرجہ بالا تفسیر میں محض، عبادت، عبدیت، پرستش، اطاعت گذار اور عمل غیر سرائیکی الفاظ ہیں۔ اگر ان کلمات کی بجائے سرائیکی کے متبادل الفاظ استعمال کیے جاتے تر جمہ و تفسیر کا حسن دوبالا ہو جاتا۔

اس تفسیر کا ایک سقم یہ بھی ہے کہ فاضل مفسر عربی زبان پر عبور نہیں رکھتے تھے۔ انہوں نے خود اس بات کو تسلیم بھی کیا ہے اس لیے ان کی یہ تفسیر براہ راست عربی متن سے نہیں بلکہ اردو تفسیر کی سرائیکی تفسیر ہے۔ تفسیر در تفسیر کی وجہ سے اس تفسیر میں سقم موجود ہے جیسے ایاک نعبد کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

"عبادت روحانی تعلیم تے تربیت کیتے ہے عبادت کرن نال انسان کوں اپڑیاں کمزوریاں تے کوتاہیاں دا شعور حاصل تھیندے اللہ تعالیٰ دی معرفت تے اوندیاں صفاتاں دا احساس تھیندے اوندے مختار کل ہوون دے یقین آندے۔"(169)

اس تفسیر میں سرائیکیت کم اور اردویت زیادہ ہے یہ تفسیر اردو کا تتبع ہے۔ زیر نظر تفسیر کا ایک سقم یہ بھی ہے کہ اس میں سلاست اور روانی کی کمی ہے جس سے قاری کو تفہیم میں دقت پیش آسکتی ہے مثال کے طور پر لعدنا کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں:

" اللہ تعالیٰ نے عقل تے سمجھ دے ذریعے انسان دے اگوں اوندی ترقی تے عروج و کمال کیتے ساریاں راہیں کھول ڈتن تے سارے وسائل تے ذریعے موجود کر ڈتن انھاں کاہلوں پتہ لگدے جو انسان اللہ تعالیٰ دی ساری مخلوقات دا حاصل تے مرکز ہے تے اشرف المخلوقات ہے"۔(170)

ادق کلمات کی وجہ سے سلاست اور روانی میں کمی آگئی ہے۔ سادہ اور سہل الفاظ ہوتے تو سلاست کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹتا۔ فاضل مفسر کی تفسیر میں معنوی سقم بھی ملتا ہے مثلاً صفحہ نمبر ۰ اپر اقراہ کا معنی "پڑھن" درج ہے اس میں نہ تو عربی لفظ درست ہے اور نہ اس کے معنی صحیح ہیں اقراہ کی درست کتابت اس طرح سے ہے "اقرأ" اور اس کے معنی "پڑھن" نہیں "پڑھ" ہیں۔(171) کلمہ طیبہ کے اعراب غلط لگائے گئے ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

اعراب یوں لگائے گئے ہیں

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدُ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (172)

جب کہ یہ اعراب یوں ہونے چاہیے تھے

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (173)

اَلْحَمْدُلِلّٰہ سرائیکی زبان وچ سورۃ فاتحہ دی تفسیر

ڈاکٹر مہر عبدالحق مرحوم ومغفور ☆

تاریخ طباعت: 1986ء **مقام طباعت: ملتان**

زیرِ نظر تفسیر قرآن پاک کے جزوی مفسر سرائیکی تراجم میں ایک منفرد تفسیر ہے۔ اسے ڈاکٹر عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے تصنیف کیا اور اسے سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے منزل آرٹ پریس ملتان سے شائع کیا اس پر اشاعت کی تاریخ رقم نہیں ہے مگر ڈاکٹر مہر عبدالحق مرحوم مغفور کی غیر مطبوعہ خودنوشت ''جو ہم پہ گذری'' جو آپ نے 1992ء میں تحریر کی اس میں فاضل مفسر نے اسکی شاعت کا سال 1986ء درج کیا ہے۔(173)

قرآن مجید کی پہلی سورۃ الفاتحہ کی یہ تفسیر 207 صفحات پر مشتمل ہے۔ سرورق بہت خوبصورت اور دو رنگوں سے مزین ہے۔ تمام صفحات کی زمین سبز ہے جبکہ کتابت کالی روشنائی سے کی گئی ہے۔ ہر صفحے پر ایک پٹی کی صورت میں سورۃ الفاتحہ کا متن تحریر ہے اور اس تفسیر کی کتابت مختار حسین اسدی نے کی ہے۔ فاضل مفسر نے تفسیر کی قیمت کیلئے یہ کلمات رقم کیے ہیں۔

1۔ کتاب دے لفظ لفظ تے غور وفکر کرن داوعدہ

2۔ آپڑیں زندگی کوں قرآن حکیم دے ڈکھائے ہوئے رستے تے ٹورن داعہد

3۔ مصنف دے حق وچ دعائے عفو

4۔ ایں صدقے کوں جاری رکھن کیتے جتنا عطیہ کوئی ڈے سگے۔

اس تفسیر کے آغاز میں فاضل مفسر نے ''پہلی گالھ'' کے عنوان سے تیرہ صفحات پر مشتمل دیباچہ تحریر کیا ہے جس میں علامتی انداز میں وجہ تالیف بیان کی ہے۔ آپ نے یہ تفسیر ستر سال کی عمر میں لکھی۔ آپ نے اسے اپنی پوری زندگی کا نچوڑ کہا ہے اور اس تفسیر کی وجہ تالیف اپنے گناہوں کے بدلے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اسکی رحمت اس کا عفو اور اس کے الطاف و عنایات کی خواہش بتایا ہے۔ مفسر ذی وقار رقمطراز ہیں:

''میں نیت دے پورے خلوص اتے آپڑیں محدود علم دی پوری سچائی دے نال سورۃ فاتحہ دی مختصر جھیئی تفسیر تہاڈی خدمت وچ پیش کرن دی جسارت کریندا اں پیاں میڈی آکھی ہوئی گالھ تہاکوں پسند آوے تاں میڈے حق اچ خیر دا کلمہ آکھا ہے تہاڈی دعا میڈے آئندہ دے سفر کیتے زادراہ بن ویسی، کوئی گالھ تہاڈے اعلیٰ معیار تے پوری نہ اترے تاں ایکوں میڈی کم علمی تے محمول کر کے میکوں معاف چا کرا ہے۔''(174)

ترتیب زمانی کے اعتبار سے قرآن پاک کے جزوی مطبوعہ مفسر سرائیکی ترجمے میں یہ دوسری کاوش ہے۔ یہ ایک بسیط تفسیر ہے جو جلی حروف میں خوبصورت کتابت کے ساتھ رقم کی گئی ہے اور اسے بہت ہی دلکش اور منفرد انداز طباعت سے آراستہ کیا گیا ہے۔ مفسر موصوف نے اس سے قبل قرآن پاک کا مکمل سرائیکی ترجمہ تصنیف کیا اور قرآنی علوم پر انگلش اور اردو میں متعدد کتب تحریر کیں۔

☆ فاضل مترجم کی سوانح اور علمی خدمات کا تذکرہ باب دوم میں دیا جاچکا ہے۔

طریق کار

زیر نظر تفسیر سرائیکی دینی ادب میں گراں قدر اضافہ ہے۔ ساری تفسیر عنوانات کے تحت ایک مربوط طریقے کے ساتھ رقم کی ہے آپ کی یہ کاوش قابل ستائش ہے۔ کتاب کے آغاز میں ایک جامع دیباچہ ہے۔ دیباچہ سے پہلے عربی میں ایک دعا ہے جس کے سامنے اس کا سرائیکی ترجمہ کیا گیا ہے۔ دیباچہ میں کتاب کی وجہ تالیف کا ذکر ہے اور تمثیلی انداز میں اس کی قدر و قیمت بیان کی گئی ہے۔ دیباچہ تیرہ صفحات میں پھیلا ہوا ہے جس میں سورۃ فاتحہ کے مختلف نام جیسے "ام القرآن" اور "السبع المثانی" کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے اور ان پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ دیباچہ اٹھارہ صفحات تک پھیلا ہوا ہے اس کے بعد تفسیر صفحہ انیس سے شروع ہوتی ہے۔ پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تشریح و توضیح ہے جو صفحہ پچپن تک چلی جاتی ہے۔ چھتیس صفحات میں پھیلی ہوئی بسم اللہ کی اس تفسیر میں ذات الٰہی کی عظمت اور شان بیان کی گئی ہے۔

بسم اللہ کی تفسیر کے بعد صفحہ ستاون سے سورۃ فاتحہ کی اصل تفسیر شروع ہوتی ہے۔ مفسر کا طریق یہ ہے کہ پہلے عربی متن کا ایک جملہ لکھتے ہیں اسی کو عنوان بنا کر نیچے آئندہ تفسیر کا خاکہ دیتے ہیں جیسے الحمد للہ کے عنوان کے تحت جو خاکہ دیا ہے وہ پندرہ سطروں پر مشتمل ہے اسی طرح رب العالمین کا خاکہ تیرہ سطروں میں دیا گیا ہے۔ ہر عنوان کے تحت خاکہ پھر اس دیے ہوئے خاکے کے مطابق آئندہ صفحات میں اس کی توضیح ہوتی ہے۔

اس تفسیر میں فارسی اور اردو کے اشعار بھی ہیں۔ اور قرآن و حدیث سے حوالہ جات بھی۔ حوالہ جات قرآن پاک سے ہوں یا حدیث سے ان کا صرف سرائیکی ترجمہ رقم کیا گیا ہے۔ قرآن پاک کا حوالہ دیتے وقت صرف سورۃ اور آیت کا نمبر تحریر کر دیتے ہیں سورۃ کے نام کا ذکر نہیں کرتے۔

سورۃ کی تفسیر آٹھ حصوں میں منقسم ہے ہر حصہ کا الگ عنوان کے نیچے مضامین کا خاکہ ہے وہ آٹھ عنوان یہ ہیں۔

1. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
2. الحمد لِلّٰه
3. رب العالمین الرحمٰن الرحیم
4. مالک یوم الدین
5. ایاک نعبدو ایاک نستعین
6. اهدنا الصراط المستقیم
7. صراط لذین انعمت علیهم
8. غیر المغضوب علیهم ولا الضالین

عنوانات مذکورہ میں سے صرف پہلے عنوان کا سرائیکی ترجمہ دیا گیا ہے باقی بغیر ترجمے کے ہیں۔

ہر حصہ کے آخر میں قرآن مجید سے حوالہ جات کی فہرست دی گئی ہے آیات کی عربی نہیں صرف سرائیکی ترجمہ ہے۔

کتاب کے آخر میں "قرآن مجور" کے نام سے ایک ضمیمہ دیا گیا ہے جس میں علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک اقتباس کو نقل کر کے اس پر بھرپور تبصرہ فرمایا گیا ہے۔

کتاب کے آخر میں کتاب کی طباعت میں معاونت کرنے والوں کا شکریہ ادا کیا گیا ہے۔

محاسن

ڈاکٹر مہر عبدالحق مرحوم و مغفور نے قرآن مجید کا مکمل سرائیکی معرّیٰ ترجمہ تصنیف کیا جو 1984ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔ مترجم قرآن ہونے کے ناطے سے مصنف موصوف کیلئے سورۃ الفاتحہ کی تفسیر رقم کرنا آسان تھا اس لیے زیر نظر تصنیف بہت سی خوبیوں سے متصف ہے۔

مفسر ذی وقار کی تفسیر کا پہلا وصف یہ ہے کہ آپ نے تفسیر کا آغاز اس اثر انگیز دعا سے کیا ہے:

''دعا'' اَللّٰھُمَّ نَوِّرْ بِکِتٰبِکَ قَلْبِیْ وَ اشْرَحْ صَدْرِیْ وَانْطِقْ بِہٖ لِسَانِیْ بِجُوْدِکَ وَ قُوَّتِکَ یَا قَوِیُّ

''یا اللہ آپڑیں کتاب دے نال میڈے قلب کوں روشنی عطا کر ڈے اتے ایں کتاب نال میڈے سینے کوں وسعت اتے کشادگی بخش ڈے اتے ایں کتاب دی مدد نال میڈی زبان کوں بولن سکھا آپڑیں جود و عطا اتے قوت دے ذریعے اے طاقت اتے قوت والے اللہ''۔(175)

زیر نظر تفسیر کا ایک وصف یہ ہے کہ اس میں سینتیس صفحات پر بسم اللہ الرحمٰن کی تفسیر رقم کی گئی ہے اور قارئین کیلئے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کے تمام حروف کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا اور اسکی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ ایک ایک لفظ کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے جیسے اسم کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''عربی زبان دے وچ ہر لفظ دا ہک مادہ ہوندے جیڑھا اوں لفظ دے بنیادی معنیاں کوں ظاہر کریندے اسم دا مادہ ''س۔م۔و'' ہے۔ ''سماء'' ہر اچی شے کوں آہدن اچی شئے پرے کنوں نظر آویندی ہے تے سنجاتی ویندی ہے جیڑھی نشانی یا علامت کنوں کوئی شے سنجاتی ونج سکدی ہے اوکوں اسم آہدن''۔

مصنف موصوف کی تفسیر کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ آپ کے بعض دلائل کی تصدیق کیلئے غیر مسلم مصنفین کی کتابوں کا ذکر بھی کیا ہے مثلاً خدا کے وجود کے بارے میں ان کتب کا تذکرہ کیا ہے:

پروفیسر سورے کی کتاب ''Moral Values and the idea of God'' اور پروفیسر وہائٹ ہیڈ کی کتاب ''Science and the Modern World'' ان کتابوں کے تذکرے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ مفسر ذی وقار غیر متعصب تھے اور علمی حوالوں کیلئے مطالعے کو اہمیت دیتے تھے۔(177)

مفسر مرحوم و مغفور صاحب طرز ادیب بھی تھے اس لیے آپ کی تفسیر کا اسلوب بیان ادبی حسن کا مظہر ہے۔ قرآن حکیم کی اس آیت مبارکہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

''کیا تیکوں نظر آندے رحمٰن دی تخلیق کاری دے وچ کوئی فرق کوئی کمی کوئی جھول کوئی نقص؟ آپڑیں نگاہ کوں ہک واریں ولا پلٹا کے ڈیکھ کتھائیں کوئی دراڑ نظر آندی ہے تیکوں؟ ہک واری ولدی نگاہ مار بلکہ ڈو واری تیڈی نگاہ تیڈے کول ناکام تھی کے اتے تھک ہٹ کے ولدی ول آسی اتے کہیں

قسم دے عیب کوں نہ بھول بکسی"۔(سورۃ الملک آیت ۳)(178)

مندرجہ بالا ترجمے میں جہاں قرآن مجید کا اصل مفہوم واضح ہوتا ہے وہاں ترجم کا ادبی حسن بھی اپنی مثال آپ ہے۔مصنف نے ترجمے میں ادبی چاشنی اور حسن کو پیش نظر رکھا ہے۔

زیر نظر تفسیر کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ چھوٹی سے سورت کی تفسیر بہت ہی ضخیم اور بسیط ہے جو دو سوسات صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اس قدر ضخامت سے مصنف موصوف کے علم وفضل اور تزکیہ نفس کا پتہ چلتا ہے۔

فاضل مفسر کی تفسیر کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ آپ نے تعصب کی پرواہ کیے بغیر تمام عالم کے بانیان مذاہب کا بھی تذکرہ انتہائی عزت واحترام کے ساتھ کیا ہے اور تقابل ادیان کے اصولوں کو سامنے رکھ کر بدھ مت، ہندومت اور شنتوازم کا تذکرہ بھی کیا ہے۔(179)

اثر انگیزی کسی بھی ترجمے کا اہم جزو ہے۔اگر مفسر کی موثر تحریر قاری پر اثر انداز ہو جائے تو یہ اسکی بہت بڑی کامیابی ہے مثلاً پانی کے بار میں رقمطراز ہیں:

"اساڈے ساھویں پہلی مثال پانڑیں دی آندی ہے زندگی دی بنیاد پانڑیں تے رکھی گئی ہے کہیں ذی حیات کوں صرف رطوبت دی لوڑھ ہے کہیں کوں پورے سمندر دی۔تاہم دنیا دے وچ پانڑیں دا صرف وجود ہوون کافی نہ ہا ایندے کیتے اے ای لازمی ہا جو اے ہک خاص ترتیب دے نال اتے ہک خاص انتظام تحت ہووے۔"(180)

فاضل مفسر کی پانی کے بارے میں منفرد تحریر ہے۔جو دل کو گہرائی سے چھو لیتی ہے۔مصنف موصوف کا قلم ایسی تحریر رقم کرتا ہے۔جو اثر آفرینی کی عمدہ مثال ہوتی ہے یہ بھی اس تفسیر کا وصف ہے۔

مفسر ذی وقار سرائیکی کے فاضل اور صاحب طرز ادیب ہیں۔زیر نظر کتاب اگر چہ رواں سرائیکی میں ہے لیکن اس میں اردو فارسی اور عربی کے کلمات کی کثرت ہے اس سے علمیت تو عیاں ہوتی ہے لیکن سرائیکیت نہیں۔معلوم ہوتا ہے کہ مصنف موصوف کے پیش نظر علمی موضوعات تھے جن کو انہوں نے علمی زبان میں بیان کر دیا۔

مفسر ذی وقار کی تفسیر کے بعض نکات بہت خوب ہیں جیسے ربوبیت کے تحت انہوں نے صوفیاء کے "منازل ستہ" کا ذکر بڑے عمدہ انداز میں کیا ہے۔لکھتے ہیں:

"جمادات دے عالم کنوں گھن کے انسانی عالم تئیں عالم ناسوت وچ عالم ملکوت وچ عالم جبروت وچ اتے عالم لاہوت وچ"۔(181)

اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ مفسر مرحوم ومغفور کی تصوف پر بھی گہری نظر ہے اور وہ ان کو خوبصورت طرز تحریر میں لانے کا ہنر بھی جانتے ہیں اور ان کی اس وصف نے اس تفسیر کی اہمیت میں اور اضافہ کر دیا ہے۔

نقد ونظر

زیرِ نظر تفسیر قرآن مجید کے مفسر سرائیکی تراجم میں ترتیب زمانی کے اعتبار سے دوسری کاوش ہے۔ آپ نے بہت ہی محنت اور خلوص کے ساتھ قرآن پاک سے وابستگی کا ثبوت دیا ہے۔ مفسر ذی وقار نے علمی موضوعات کو اپنی کتاب میں سمو کر سرائیکی کے دامن کو علمیت سے مالا مال کر دیا ہے مگر اس میں کچھ سقم بھی رہ گئے ہیں جن کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

فاضل مفسر نے سرائیکی تفسیر میں عربی فارسی اور اردو کلمات کثرت سے استعمال کیے ہیں۔ تفسیر میں سرائیکیت کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹتا نظر آتا ہے اس سے قاری کو دقت پیش آسکتی ہے مثلاً لکھتے ہیں:

''انسانی ذات والیاں صلاحیتاں سوا انسان دے بئی کہیں مخلوق کوں نھیں ڈِتیاں گیاں ایں امتیازی خصوصیات دی وجہ نال اے ساری مخلوق کنوں افضل تے اشرف اے لیکن ایں فضیلت تے شرف دے لائق اوں ویلے تھی سکسی جیڑھے ویلے اے آپڑیاں امکانی صلاحیتاں کوں استعمال وچ گھن آسی''۔

اس تفسیر میں امتیازی صلاحیتاں فضیلت شرف افضل امکانی اور اشرف غیر سرائیکی الفاظ ہیں اگر ان کی بجائے سرائیکی الفاظ استعمال کیے جاتے تو زیادہ بہتر ہوتا اور تفہیم آسان ہو جاتی۔

اس تفسیر کا ایک سقم یہ بھی ہے کہ اس میں بے جا طوالت ہے کیونکہ اختصار کسی بھی تفسیر کا وصف ہوتا ہے مگر زیرِ نظر تفسیر میں بعض مقامات پر غیر ضروری طوالت ہے اگر تفسیر جامع اور مختصر ہوتی تو زیادہ صائب ہوتا۔

زیرِ نظر تفسیر کا ایک سقم یہ بھی ہے کہ اسے کسی اردو تفسیر سے سرائیکی میں ڈھالا گیا ہے۔ اگرچہ مفسر ذی وقار نے کہیں بھی کسی مفسر یا تفسیر کا ذکر نہیں کیا مگر طرزِ تحریر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تفسیر کسی اردو تفسیر کا تتبع ہے جیسے:

''قرآن حکیم دی تعلیم دے مطابق اللہ تعالیٰ تمام اسباب Causes دا پہلا سبب First Cause ہے ادھو کل موجودات دا سبب آفرین وی ہے تے ہر ممکن الوجود ہستی دا سرچشمہ تے ماخذ تے مصدر وی ہے اللہ ابجھیں مستقل اتے قائم بالذات ہستی ہے جیڑھی ہر تغیر دی وی خالق ہے۔'' (182)

اس تفسیر میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ کسی اردو تفسیر کو سرائیکی زبان میں ڈھالا گیا ہے اور یہ کسی اردو تفسیر کا تتبع ہے جو قاری کیلئے مشکل اور ادق ہے۔

اس تفسیر کا ایک سقم یہ بھی ہے کہ اس میں سلاست اور روانی کی کمی ہے۔ غیر سرائیکی کلمات کی وجہ سے پیرایہ بیان میں طوالت ہے جو مطالعہ کیلئے رغبت کا باعث نہیں بن سکتی۔

اس تفسیر میں الفاظ پر اعراب لگائے گئے ہیں جو صحت کے معیار پر پورے نہیں اترتے جیسے:

''کفارہ'' لکھا گیا ہے جبکہ ''کفارہ'' ہونا چاہیے تھا۔ ''غزل'' کو ''غزل'' رقم کیا گیا ہے۔

اس تفسیر کا ایک سقم یہ بھی ہے عربی تراکیب کو فارسی تراکیب پر قیاس کرتے ہوئے اعراب لگا دیے گئے ہیں۔ جیسے

''قرآن مجید'' کو ''قرآن مجید'' رقم کیا گیا ہے۔ (184)

فرید التفاسیر یعنی تفسیر سرائیکی پارہ الٓمٓ
مولانا علامہ محمد اعظم سعیدی دامت برکاتھم

مقام طباعت: ٹیونیشیا لائن کراچی — تاریخ طباعت: 1988ء

فرید التفاسیر یعنی تفسیر سرائیکی قرآن مجید کے پہلے پارے کی تفسیر ہے جو علامہ محمد اعظم سعیدی دامت برکاتھم کی تصنیف ہے۔ اس کے ناشر سرائیکی ادبی سنگت ٹیونیشیا لائن کراچی ہیں۔ اس مطبوعہ جزوی سرائیکی تفسیر کا سرورق دو خوبصورت رنگوں سے مزین ہے۔ زمین نارنجی اور سفید رنگ میں ہے جسے سبز رنگ کے حاشیے میں سیٹ کیا گیا ہے۔ سرورق پر سب سے اوپر آیت کریمہ مدور شکل میں نقش ہے جس کے نیچے پہلا پارہ لکھا ہوا ہے۔ آیت یہ ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ

آیت کے نیچے نارنجی دائرے میں سفید حروف میں ''فرید التفاسیر یعنی تفسیر سرائیکی'' مرقوم ہے۔

اس تفسیر کے دوسرے صفحہ پر ''اپنی گالھ'' کے عنوان سے شہاب اقبال اویسی صدر سرائیکی ادبی سنگت پاکستان اور جام شبیر جنرل سیکرٹری سرائیکی ادب سنگت کراچی پاکستان نے اپنی ادبی تنظیم کی کارکردگی بیان کی ہے اور قارئین سے اس تفسیر کے بارے میں رائے طلب کی ہے لکھتے ہیں:

''کیوں جو اساڈی مقدس ماںبولی وچ اللہ سئیں دی کتاب دی اے پہلی تفسیر ہے جیکوں وچ سرائیکی بھرانویں کوں ارداس ہے جو اپنے تاثرات ضرور بھیجن اتے اساڈی خامیاں کوں وی نشابر کرن''۔ (185)

کتاب کے تیسرے صفحہ پر ''حرف حقیقت'' کے نام سے مصنف موصوف نے ایک دیباچہ لکھا ہے جس میں انہوں نے کتاب کے نام اور اس کی وجہ تالیف کا تذکرہ کیا ہے۔ نام اور عنوان کے بالکل نیچے مترجم ذی وقار کا اسم گرامی ضبط ہے۔ سب سے نیچے نارنجی زمین کے ساتھ مستطیل شکل کے چوکھٹے میں ناشر کا مکمل نام و پتہ درج ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

''ہر شخص دی کوئی نہ کوئی عادت ہوندی اے اتے میڈی عادت ہے لکھن میڈے محترم سنگتی اتے ماہنامہ تمیان دے مدیر سئیں مولانا شاہ حسین گردیزی میکوں آکھیا جو اپنی عادت کوں فائدہ چاتے اپنی سرائیکی زبان وچ تفسیر لکھ ثواب تھیسی اتے بیا کجھ نہ تاں سرائیکیاں کوں چنگی شے پڑھن کوں مل پوسی''۔ (186)

یہ تو تھی کتاب کی وجہ تالیف۔ اس کے نام رکھنے کے بارے میں مفسر ذی وقار اپنا نقطہ نظر بیان کر کے اس تفسیر کا نام خواجہ فرید رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر ''فرید التفاسیر'' رکھا جیسے وہ خود فرماتے ہیں:

''میں پہلے ای ذہن وچ اے گالھ رکھ گھدی ہئی جو تفسیر داناں پیر فرید سئیں دے حوالے نال رکھیساں الحمد اللہ سورۃ النساء تک ترجمہ نے تفسیر مکمل تھی گئی اے۔ ہولے ہولے اے کم اگی تے ٹردا پے پر خیال ہا جو کجھ نہ کجھ حصہ چھپوا تے ایندے بارے علما تھین تے دانشوریں دے تاثرات دی روشنی وچ ایں کم کوں اگی تو ٹوراں کیوں جو اج وا قاری اختلافی مسائل کنوں اکتا گئے اوصاف ستھری حقیقت دی گول وچ ہے اتے میں وی قیاسی گالھیں کنوں کنی کریندیاں زیادہ تر حقائق بارے گالھ کیتی اے۔''

مصنف موصوف نے آخر میں قارئین سے معذرت بھی کی ہے۔ اپنے پرخلوص معذرانہ لہجے میں فرماتے ہیں:
''میکوں تسلیم اے جو میں اپنی کم علمی دے باعث ڈھیر حقیقتاں تئیں نہیں پج سکیاں اونویں وی قرآن شریف تاں بے کنار سمندر ہے جیندے ہک ہک لفظ وچ ڈھیر مطالب، مفاہیم اتے معلومات دے خزانے لکے ہن قیامت تئیں وی مفسرین رج حقیقت نہ پھول سکسن''۔(187)

دیباچہ کے بعد چوتھے صفحے پر''لفظ لفظ سنڈ'' کے عنوان سے مفتی محمد رفیق حسنی کی تقریظ ہے جو ایک صفحے پر مشتمل ہے۔ قرآن مجید کے سرائیکی تراجم کی مختصر تاریخ اور فرید التفاسیر کا فاضلانہ تعارف ہے تراجم قرآن کے بارے میں لکھتے ہیں:
''میں باقی اصناف کوں کنی کریندیاں صرف قرآن دے حوالے نال گالھ کریساں سرائیکی دھرتی علم و عمل دیاں ڈوو ڈیاں ہستیاں پیدا کیتن شیخ عبدالعزیز پرہاروی سئیں قرآن دی تفسیر ''لوح محفوظ'' لکھی ہئی صابر ملتانی دا پہلے سپارے دا ترجمہ 1925ء وچ چھپیا ہا بیٹ جکھڑ دے ہک مولانا صاحب نے وی پہلے سپارے دا ترجمہ تے تفسیر کیتی ہئی اتے اوندی تصحیح خواجہ فرید سئیں کیتی ہی مولوی عبدالواسع ہوریں وی ترجمہ کیتا مولوی احمد بخش نے پہلے پارے دا ترجمہ 1890ء وچ کیتا ہا ڈاکٹر مہر عبدالحق دا مکمل ترجمہ قرآن چھپ گئے۔ ایندے علاوہ ڈھیر لوک ہن جیڑھے قرآن دا ترجمہ تے تفسیر پئے لکھدن جینویں تحصیل خان پور دے مولانا نبی بخش صاحب ہن اتے بقول شیخ القرآن مولانا فیض احمد اویسی سمہ سٹہ دے ہک مولانا صاحب دی ڈھیر سپاریں دا ترجما تے تفسیر لکھ چکن۔''(188)

فرید التفاسیر کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:
''ایں ویلے میڈے سامنڑے علامہ محمد اعظم سعیدی دا ترجمہ تے تفسیر رکھی اے سعیدی صاحب وسیع المطالعہ، وسیع النظر اتے صاحب فکر محقق تے دانشور ہن انہاندا علمی مقام وی محتاج تعارف نہیں ایں کنوں پہلے آداب و اخلاقیات نال متعلق آیتاں دی تشریح و تفسیر ''درس قرآن'' لکھ چکن جیڑھی کراچی دے بعض پرائیویٹ انگلش میڈیم سکولاں وچ بطور نصاب شامل ہے اتے ہن پہلے سپارے دا ترجمہ تے تفسیر پئے چھپویندن ترجمہ اتے تفسیر وچ بلاشبہ ندرت ہے البتہ بعض مقامات ایجھے ہن جتھاں محدود فکر والے لوگ تفسیر بالرائے دا الزام لا سگدن جیڑھا نتیجہ مختلف تفاسیری روایات وچ تطبیق دے بعد کڈھیا ونجے او تفسیر بالرائے نہیں ہوندی جیویں جو حاشیہ 195 تے 101 کوں تفسیر بالرائے نہیں آکھا ونج سگدا ابہر حال علامہ سعیدی نے اپنی عاقبت دا ڈھیر سامان کٹھا کر گھدے اللہ تعالی انہاں کوں توفیق ڈیوے جو او ایں کم کوں مکمل کر سکن۔''(189)

فرید التفاسیر کیلئے مترجم ذی وقار نے جن تفاسیر سے استفادہ کیا یا جن لوگوں سے انہوں نے علمی معاونت حاصل کی مفسر نے ان کا تذکرہ بھی کیا ہے لکھتے ہیں:
''میں قرآن شریف دا بغور مطالعہ شروع کیتا اتے تفسیراں کھیاں کیتیاں تفسیر کبیر، تفسیر ابن کثیر، خازن، ضیاء القرآن، تفہیم القرآن، معارف القرآن دے علاوہ تفسیر ماجدی دی پڑھی ذہن وچ ڈھک گالھیں کٹھیاں تھی پیاں مفسرین دیاں اختلافی گھتیاں زیادہ گنجل بنج گیاں ول سئیں شاہ حسین گردیزی تے مفتی محمد رفیق حسنی دے نال کجھ مسائل حقائق اتے مقامات وغیرہ تے گالھ مہاڑ کرتے نتیجہ تے پج ویندا ہم''۔(190)



سرورق فرید التفسیر یعنی تفسیر سرائیکی از علامہ محمد اعظم سعیدی مطبوعہ 1988ء

سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ   بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ   اٰيَاتُهَا (٧) رکوعها

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝٢ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝٣ اِيَّاكَ

اللہ سئیں کیتے ہن سبھے تعریفاں ۱؎ جو پالݨ والا ہے سبھناں جہانیں دا ۲؎ بہوں مہربان ہمیشہ رحم کرݨ والا ہے ۳؎ مالک ہے حساب دے ݙینہہ دا ۴؎

۱؎ الحمد للہ کنوں مراد او صفتاں ہن جیہڑیاں جو ما فوق الاسباب ہن، ہر طرح دی تعریف دی مستحق صرف اللہ دی ذات ہے کیوں جو سبھے صفتاں تے خوبیاں دا مالک اللہ سئیں ہے، اتھاں ہک سوال ذہن وچ امدے جو اللہ سئیں نے اپنی مخلوق وچ وی ہزاراں صفتاں رکھین حضور علیہ السلام دیاں کائی صفتاں قرآن شریف وچ موجود ہن، جیویں جو رؤف رحیم، سیتا بصیر و البشیر، نذیر، سراج منیر ہن ایندے علاوہ بئی کئی تھی ہن جیہناں دیاں صفتاں قرآن وچ ہن دل حضرت جبریل علیہ السلام تے اللہ دے نیک مومن بندیاں دے اوصاف دا وی ذکر ہے۔

ایندا جواب ایہ ہے جو اللہ سئیں دیاں صفتاں ازلی تے ابدی ہن اتے مخلوق دیاں صفتاں عارضی تے اللہ دیاں ݙتیاں ہویاں ہن، صرف حضور علیہ السلام دیاں کجھ صفتاں ابدی ہن مگر ازلی کینی جیویں جو نبوت ہے اوندی ابتدا ہے لیکن انتہا کینی فرض کر مخلوق دیاں وصفاں دا سر چشمہ اتے انہاں دا خالق، تے ول ݙیوݨ والا اللہ سئیں ہے ایں سانگے سبھے صفتاں اتے خوبیاں دا مالک صرف اللہ سئیں ہے اتھوں معلوم تھیا جو تعریف کہیں دی وی کیتی ونجے حقیقت وچ او تعریف اللہ سئیں دی ہے۔

الحمد للہ ہک دعویٰ ہے جیندے وچ ایہ ݙسیا گئے جو سبھے تعریفیں تے صفتیں دا حقدار صرف اللہ سئیں ہے اتے رب العٰلمین ۝ الرحمن الرحیم ۝ مٰلک یوم الدین ۝ ایں دعوے دیاں دلیلاں ہن۔

۲؎ لفظ اللہ ذاتی ناں ہے تے ہݨ اوندی صفت ربوبیت دا ذکر ہے، کیوں جو ہر قسم دی مخلوق اپݨے وجود سانگے خالق دی محتاج ہے اتے وجود کوں قائم رکھݨ سانگے رب تے پروردگار دی محتاج ہے، رب دا معنی ہے ہر شئے کوں ہوندے ہوئے اوندی کمال دی حد تئیں پچاوݨ والا اتے اوندی لوڑاں کوں پورا کرݨ والا، مدارک جلد ۱ صفحہ وچ ہے ھو المالک ایت والمالک ہی تدبیر والعا فرانتهاۃ وھو اسم اللہ الاعظم رب مصدر ہے جیندا معنی ہے تربیت ݙیوݨ، ۔ اتے تربیت کوں عربی وچ آہدن کہیں شئے کوں اوندی ازل تے فطری طاقت دے مطابق ہوندے ہوئے آخری لوڑ دی حد تئیں پچاوݨا۔ روح المعانی

العلمین، اسم آلہ دا صیغہ تے عالم دی جمع ہے، ایں کنوں ہر او شئے مراد ہے جیندا وجود خالق کائنات دے وجود دی دلیل بݨے بھاویں او انسان ہووے یا حیوان، پہاڑ ہوون تے بھاویں ریت دے ٹبے، امام نسفی فرمیندن والعالم کل ما علم بہ الخالق من الاجسام والجواھر والاعراض او کل موجود سوی اللہ تعالیٰ سمی بہ لانہ علم علی وجودہ۔ مدارک صفحہ ۱۲ ۔ یعنی ہر او شئے جیندا وجود ہے اتے جیکوں انسان اکھیں نال ݙیکھ سگے یا حواس دے نال اوکوں محسوس کر سگے او ہر شئے عالمین دے جامع لفظ وچ گݨیں ویندی، مطلب ایہ ہے جو اللہ سئیں دا نظام ربوبیت ہر قسم دی مخلوق کوں شامل ہے، بھاویں کئی اوکوں ڄاݨے یا نہ ڄاݨے، جیویں ہر شئے دا خالق اللہ سئیں ہے اینویں ہر شئے کوں اوندے کمال دی حد تئیں پچاوݨ والا وی اللہ سئیں ہے۔

علامہ محمد اعظم سعیدی کے سرائیکی ترجمے اور تفسیر کا نمونہ

طریق کار

فرید التفاسیر یعنی تفسیر سرائیکی قرآنی ادب کا قیمتی سرمایہ ہے۔ یہ ترتیب زمانی کے اعتبار سے تیسرا مفسر ترجمہ ہے۔ زیر نظر تفسیر ایک مربوط طریق کار کے تحت منضبط ہے آغاز سے اختتام تک یکسانیت پائی جاتی ہے۔

سرورق کے بعد ایک صفحے پر ناشرین کا بیان ہے جسمیں انہوں نے سرائیکی ادبی سنگت ثقافتی ادبی اور علمی کاوشوں کا ذکر کیا ہے۔

اس کے بعد "حرف حقیقت" کے عنوان سے ایک مختصر سا مقدمہ ہے جو ایک صفحے پر مشتمل ہے جس پر فاضل مصنف نے وجہ تالیف اور اپنے علمی ماخذ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ آخر میں قارئین سے دعا کی درخواست کی ہے اور اپنی کم علمی کا اعتراف فرماتے ہوئے چشم پوشی کی گذارش کی ہے۔

مصنف موصوف نے اپنے ماخذ میں جن تفاسیر کے نام رقم کیے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا خاص مکتب فکر سے تعلق نہیں بلکہ آپ نے تمام مکاتب فکر کی تفاسیر سے استفادہ کیا ہے۔

تفسیر کا آغاز ایک سطر میں یوں رقم ہے:

سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اٰيَاتُهَا (۷) رکوعها

دائیں طرف سورۃ کا نام اور اس کا مکی ہونا تحریر ہے درمیان میں تسمیہ ہے اور بائیں طرف آیات اور رکوع کی تعداد بتائی گئی ہے مگر نیچے ترجمہ میں صرف تسمیہ کا ترجمہ ہے باقی کلمات کا سرائیکی ترجمہ نہیں ہے۔ متن دیتے ہیں یہ متن دو چار سطرں میں ہوتا ہے متن کے اختتام پر بالکل اس کے نیچے سرائیکی ترجمہ ہوتا ہے پھر تفسیر شروع ہوتی ہے جو ایک یا کئی صفحات پر مشتمل ہوتی ہے۔ جگہ جگہ عربی تفاسیر کے حوالے دیئے ہوتے ہیں۔

مفسر ذی وقار عربی متن کے نیچے آیت کا ترجمہ دیتے ہیں پھر ترجمے میں وضاحت طلب نکات پر نمبر لگاتے ہیں۔ ترجمے کے بعد انہی نمبروں کے اعتبار سے تفسیر رقم فرماتے ہیں۔ بامحاورہ متن اگر ایک صفحے پر ختم ہو رہا ہے تو ترجمہ اگلے صفحے تک چلا جاتا ہے مثال کے طور پر ان آیات کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○

"اللہ سئیں کیتے ہن سبھے تعریفاں (۱) جو پالن والا ہے سبھنا ئیں جہانیں دا"۔ (۲)

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

"بہوں مہربان ہمیشہ رحم کرن والا ہے"۔ (۳)

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○

"اے ملک ہے حساب دے ڈیہنہ دا" (۴) (191)

سورۃ الفاتحہ کی تفسیر پانچ صفحات پر مشتمل ہے۔

فاضل مفسر تفسیر میں گرائمر کی گتھیاں بھی سلجھائے ہیں مثلاً لکھتے ہیں:

"العلمین"، "اسم آلہ تے عالم دی جمع ہے ایں کنوں ہر او شے مراد اے جیندا او جود خالق کائنات دے وجود دی دلیل بنے بھانویں او انسان ہووے یا حیوان پہاڑ ہوون بھاویں ریت دے ٹبے۔" (192)

محاسن

یہ تفسیر سرائیکی قرآنی ادب خاص طور پر سرائیکی نثر کا بیش بہا علمی خزانہ ہے۔ فاضل مفسر جید عالم ہیں اس تفسیر میں بہت سے اوصاف ہیں جن میں سے کچھ مندرجہ ذیل ہیں:

مفسر ذی وقار کی تفسیر کا ایک وصف یہ ہے کہ آپ کی تفسیر میں سلاست اور روانی ہے اور آپ کی تفسیر کا انداز عام فہم ہے مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ (سورہ الفاتحہ:۴)

ترجمہ "اتے تیں کنوں مدد منگدوں"۔

تفسیر "انسان اقرار کریندے جو یا اللہ جیویں اساں تیڈی عبادت کریندوں ایویں مدد وی صرف تیں کوں منگدوں حقیقی مالک وی توں ہیں اتے ڈیون والا وی توں ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔الخ"(193)

اس ترجمے اور تفسیر میں سلاست اور روانی اپنی مثال آپ ہے۔ فاضل مفسر نے عام قارئین کیلئے عام فہم اور سادہ انداز تحریر میں تفسیر رقم کی ہے۔

مصنف موصوف نے اپنے ترجمے اور تفسیر میں برموقع اور برمحل سرائیکی زبان کے ٹھیٹھ اور خالص الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ایک طرف تو یہ الفاظ عربی متن کے متبادل ہیں اور دوسری طرف سرائیکی زبان کی حلاوت، لطافت، جاذبیت اور وسعت کی عمدہ مثال ہیں مثلاً:

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ (سورہ البقرہ۱۷)

انہاں دی مثال اوں شخص وانگوں ہے جیں بھاباٹی ول جیں ویلے چودھاروں روشنی تھی گئی تاں اللہ تے اونہدے نور کوں چا گھدا اتے چھوڑ ڈتا انہاں کوں اندھارے وچ انہاں کوں کجھ وی نہ بجھدا ہا"۔(194)

مندرجہ بالا ترجمے میں "وانگوں، چودھاروں، بھا اور بجھدا" خالص سرائیکی الفاظ ہیں جو ترجمے کے حسن کو دوبالا کرتے ہیں۔ فاضل مفسر کی تفسیر کا ایک اہم وصف یہ بھی ہے کہ آپ معروف اور نامور عربی مفسرین کی آرا نقل فرماتے ہیں، جیسے حروف مقطعات کے حوالے سے "الف لام میم" کی تفسیر میں "تفسیر کبیر" اور "روح المعانی" کے حوالے دیے ہیں "روح المعانی" کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

"حروف مقطعات بارے روح المعانی وچ اے جو انہاں حرفاں دا صحیح مفہوم حضور نبی کریم کوں معلوم اے اتے ولیاں کوں انہاں دا علم حضور کریم دے دربار وچوں حاصل تھے۔"(195)

یہ کسی بھی تفسیر کا اہم وصف ہوتا ہے کہ اس میں بڑے بڑے مفسرین کی آراء سے مزین ہوا۔ اس سے مفسر کے وسیع المطالعہ ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

فاضل مفسر نے "قرآن خود قرآن کا مفسر ہے" کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک آیت کی توضیح و تفسیر میں دیگر آیات کا حوالہ دیا ہے مثلاً سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 3 میں متقین کی صفات میں ایمان بالغیب، نماز اور انفاق فی سبیل اللہ

قرآن مجید کی کئی آیات کو رقم کیا ہے جو فاضل مفسر کی قرآن پاک سے گہری وابستگی کا ثبوت ہے۔

زیر نظر تفسیر میں حوالہ جات خوب ہیں جیسے:

جادو کی حقیقت کے سلسلے میں پانچ حوالے مذکور ہیں ان حوالوں میں ایک حوالہ عربی معجم تاج العروس کا ہے۔ تفسیر روح المعانی کا حوالہ ہے علاوہ ازیں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے رقم کیے گئے ہیں جو اس تفسیر کا اہم وصف ہے۔

عربی تفاسیر کے ان حوالوں سے مترشح ہوتا ہے کہ فاضل مفسر عربی زبان پر مکمل عبور رکھتے ہیں۔

اس تفسیر کا ایک وصف یہ ہے کہ یہ سرائیکی زبان کے معروف لہجے ریاستی کا شاہکار ہے۔ اس لہجے کی حلاوت سے تفسیر کا حسن دوبالا ہو گیا ہے مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (سورۃ البقرہ:۴۴)

''کیاں تساں حکم ڈیندے لوکاں کوں نیکی دا تے بُھلا ڈیندے اپنے آپکوں اتے تساں پڑھدے ہو کتاب کیا تہاکوں عقل کینھی (197)

اس ترجمے میں ریاسی لہجے کے خوبصورت الفاظ مستعمل ہوئے ہیں۔ اگر چہ مصنف موصوف ایک عرصے سے کراچی میں مقیم ہیں مگر سرائیکی وسیب سے اتنا دور رہتے ہوئے بھی آپ نے اس لہجے کی مٹھاس کو اوجھل نہیں ہونے دیا۔

فاضل مفسر کی تفسیر کا ایک وصف اثر آفرینی ہے آپ کا طرز تحریر قاری کے دل کو متاثر کرتا ہے اور وہ قرآن فہمی کی طرف راغب ہوتا ہے مثلاً ہدایت کے دو معنی لکھتے ہیں ایک ''رستہ ڈکھاون'' اور دوسرے معنی کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

''اتھاں ڈوجھا معنی مراد اے یعنی ''توڑ پچاون'' کیوں جو انسانی دی منزل مقصود صراط مستقیم اے ایں سانگے اتھاں معنی اے تھیسے اساکوں سدھے رستے تے ٹور تے اوں تے ثابت قدم رکھ''۔(198)

مفسر ذی وقار کی تفسیر کا یہ انداز موثر ہے اور اچھا ترجمہ اور تفسیر وہی شمار ہوتا ہے جو اثر انگیز ہو اور قاری کے دل متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

سرائیکی زبان پر جو ایک داغ تھا کہ یہ دوہڑوں اور مرثیوں کی زبان ہے فاضل مفسر کی اس علمی کاوش سے وہ داغ دھل گیا ہے اس سے سرائیکی ادب میں گراں قدر اضافہ ہوا ہے یہ ایک بیش بہا علمی خزانہ ہے اردو تفاسیر کے پائے کی تفسیر ہے جو ایک صفحہ پر کئی کئی حوالوں سے مزین ہے مثلاً صفحہ نمبر 54 اور 55 پر تاج العروس، ضیاء القرآن، تفسیر کبیر، تفسیر خازن، روح المعانی، تفسیر عزیزی اور وحفت اقطاب کے قابل قدر حوالے دیے گئے ہیں۔(199)

زیر نظر تفسیر میں علمی نکات خوب آئے ہیں اس سے سرائیکی نثر کا دامن وسیع ہوا ہے اور یہ تفسیر گوناگوں خوبیوں سے متصف ہے اور قابل قدر کاوش ہے۔

"فرید التفاسیر یعنی تفسیر سرائیکی" سرائیکی قرآنی ادب کا شاہکار نمونہ ہے جو قرآن پاک کو سمجھنے اور اس کے اصل مفہوم تک پہنچنے میں بہت مفید ہے۔ یہ سرائیکی زبان کا بہت بڑا علمی کارنامہ جو فاضل مفسر کیلئے آخرت کا زادِ راہ ہے اگرچہ یہ تفسیر گوناگوں خوبیوں سے متصف ہے تاہم اس میں کچھ سقم رہ گئے ہیں جن کا ذکر کرنا بہت ضروری ہے۔

اس تفسیر کا ایک سقم یہ ہے کہ مفسر ذی وقار نے عربی فارسی اور اردو کے کلمات سے استعمال کیے ہیں جس سے عام قاری کے لئے تفہیم مشکل ہوگئی ہے مثلاً "الحمدللہ" کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

"الحمدللہ کنوں مراد اوصفتاں ہن جیڑھیاں مافوق الاسباب ہن ہر طرح دی تعریف دی مستحق صرف اللہ دی ذات اے کیوں جو ایجھے صفتاں تے خوبیاں دا مالک اللہ سئیں اے۔" (200)

مندرجہ بالا تفسیر میں غیر مانوس کلمات عام قاری کیلئے ناقابل فہم ہیں۔ خاص طور پر مافوق الاسباب کا متبادل سرائیکی لفظ دے دیا جاتا تو زیادہ صائب تھا۔

زیر نظر تفسیر میں معنوی سقم بھی پایا جاتا ہے۔ فاضل مفسر نے بعض الفاظ کے وضاحت بیان نہیں کی عربی کلمات ہی درج کر دیے ہیں مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى (سورۃ البقرہ: ۵۷)

"اتے بھیجا تہاڈے سانگے من وسلویٰ" (201)

مندرجہ بالا ترجمے میں من وسلویٰ کا ترجمہ رقم نہیں کیا گیا ہے اس کی تفسیر ملاحظہ ہو:

"کجھ مفسرین لکھدن جو بنی اسرئیلیاں کوں اے حکم ڈتا گیا ہا او من وسلویٰ اتنا ای جمع کرن جتنا کھا سگن مستقل سانگے جمع نہ کرن پر اوحرص تے لالچ کرن لگ پئے اتے من وسلویٰ کٹھا کرن شروع کر ڈتا ایں طرح انہاں اللہ سئیں دے حکم دی نافرمانی کیتی اتے اپنے آپ تے ظلم کیتا یعنی ایں نعمت کنوں بعد وچ محروم تھی گئے ہن من وسلویٰ دا نزول رک گیا ہا (202)

مندرجہ بالا تفسیر اور ترجمے من وسلویٰ کا نہ تو ترجمہ کیا گیا ہے اور نہ ہی تفسیر میں انکی وضاحت کی گئی ہے اس سے قاری کیلئے اس آیت کی تفہیم مشکل ہوگئی ہے جو اس تفسیر کا بہت بڑا سقم ہے۔

یہ تفسیر عام قاری کیلئے شاید اتنی فائدہ مند نہ ہو کیونکہ بعض مقامات خاصے مشکل اور صعب ہیں جن کو ایک صاحب علم ہی سمجھ سکتا ہے گویا یہ تفسیر عوام کیلئے نہیں خواص کیلئے ہیں۔

اس تفسیر کا ایک سقم یہ بھی ہے کہ متن میں سنگین اغلاط ہیں مثلاً صفحہ 14 اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ کے کلمات رہ گئے ہیں اس طرح بعض مقامات پر متن اور ترجمے کا تطابق نہیں متن اگر صفحہ 14 پر ہے تو اس کا ترجمہ صفحہ 16 پر ہے اور بعض مقامات پر ترجمہ اور تفسیر مل گئی ہے اگر درمیان میں ایک لکیر ہوتی تو زیادہ بہتر ہوتا۔ (203)

زیر نظر تفسیر کا ایک سقم یہ بھی ہے کہ اس میں غیر ضروری مباحث ہیں جن میں گریز کیا جا سکتا تھا جیسے صفحہ 54 اور 55 پر جادو کے بارے میں غیر ضروری طوالت آگئی ہے (204) اسی طرح مشکل علمی پیرایہ بیان ہے جیسے ایک استاد اپنے شاگردوں کو درس دے رہا ہو یہ بھی اس تفسیر کا ایک سقم ہے۔

سوانح مترجم

پیدائش 1950ء **بقید حیات ہیں**

مولانا موصوف کے سوانح کا سب سے بڑا ماخذ ایک کتابچہ ہے جو مولانا کے نام سے پروفیسر محمد عامر گرگیج اور محمد اختر محلو ایم اے نے ترتیب دیا۔ کتابچے کا عنوان "مختصر تعارف علامہ محمد اعظم سعیدی فن اور شخصیت" ہے جسے پاکستان سرائیکی قومی اتحاد ماڈل ویلج سفاری پارک گلشن اقبال کراچی نے شائع کیا۔

مولانا علامہ محمد اعظم سعیدی دامت برکاتہم 17 اکتوبر 1950ء بمطابق 1369ھ کو پیدا ہوئے (یہ تاریخ پیدائش ان کے قومی شناختی کارڈ کے مطابق ہے۔ سرکاری ریکارڈ میں شاید اس سے مختلف ہو اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا)۔

ضلع رحیم یار خان تحصیل لیاقت پور موضع کھوکھر وڑ دمور اجیسی گم نام بستی میں اس گوہر نایاب نے پیدا ہو کر نام پیدا کیا۔ یہ سرائیکی بولنے والوں کا علاقہ ہے۔ آپ ایک زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کے والد جام احمد یار لاکھا مرحوم اس علاقے کے مشہور کاشتکار اور سماجی کارکن تھے۔ آپ کے خاندان کے کی علمی اور سماجی خدمات اہل علاقہ سے پوشیدہ نہیں ہیں مذہبی حوالے سے آپ کا خاندان علم و فضل اور تزکیہ نفس میں بہت مشہور ہے۔

علامہ اعظم سعیدی کے گھر کا ماحول مذہبی تھا اس لیے ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کی۔ بعد ازاں مولانا نور احمد راجوڑ کے صاحبزادے مولانا محمد افضل راجوڑ رحمۃ اللہ علیہ نے پہلا عربی قاعدہ "یسرنا القرآن" پڑھایا یہ آپ کے پہلے استاد تھے اور انہوں نے ہی آپ کو قرآن مجید پڑھایا مقامی سکول کے اساتذہ غلام سرور سیال اور ماسٹر منیر احمد نے آپ کو لکھنا پڑھنا سکھایا۔

بعد ازاں مصنف موصوف نے مولانا عبدالکریم اعوانؒ جو مولانا خورشید احمد فیضی کے استاد تھے اور مولانا محمد نواز اویسی کے مدرسے میں درس دیتے تھے فیض حاصل کیا پھر مفتی عبدالواحدؒ سے جو چاچڑاں شریف کوٹ مٹھن میں مدرسہ فریدیہ میں مدرس تھے دینی علم حاصل کیا بعد ازاں سراج الفقہاء مولانا سراج احمد مکھن بیلوی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھتے رہے۔

14 اگست 1963ء میں جب صدر پاکستان ایوب خان نے جامعہ عباسیہ کو جامعہ اسلامیہ کا درجہ دیا تو مصنف موصوف نے غزالی زماں سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ سے "التخصص فی الادب العربیۃ" کی ڈگری حاصل کی اور وفاقی تنظیم المدارس سے ایم اے کا امتحان پاس کیا۔

فاضل مترجم نے قاضی القضاۃ مفتی اعظم بونیر، شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد سلیمان رضوی، مفتی محمد حسین نعیمی مولانا غلام رسول سعید اور محترم زبیر رانا کا تلمیذ ہونے کا شرف حاصل کیا۔

ذریعہ معاش کے حوالے سے علامہ محمد اعظم سعیدی نے کچھ عرصہ باقاعدہ صحافت کی پھر سرائیکی ادبی سنگت کے پلیٹ فارم سے سرائیکی زبان میں ماہنامہ "سدھ سدھار" بھی نکالا۔ یہ رسالہ دو سال تک باقاعدہ نکلتا رہا بعد ازاں "فکر پاروی" کے نام سے خالص علمی اور تحقیقی رسالہ نکالا اور اب ڈاکٹر محمد شکیل اوج کی سربراہی میں شائع ہونے والے علمی تحقیقی مجلہ "التفسیر" کے مدیر (ایڈیٹر) ہیں جو باقاعدگی سے طبع ہو رہا ہے اور آپ پرائیویٹ ادارے میں ملازمت بھی کر رہے ہیں

علمی وادبی خدمات

علامہ محمد اعظم سعیدی دامت برکاتہم کی شخصیت اور ان کا علمی ادبی تحقیقی اور تاریخی کام محتاج تعارف نہیں۔ تفسیر، فقہ، سیرت، تصوف، مذہب، عقائد، فلسفہ، تذکرہ، تاریخ، سوانح، کہانی، قصص، شاعری اور عروض وغیرھم پر آپ کے تحریری کام نے انہیں نامور اہل علم کی صف میں لا کھڑا کیا ہے۔

ان کی تحریریں ان کی فکری پرواز کی غماز ہیں۔ اور کئی علوم کا احاطہ کرتی ہیں۔ آپ کے قارئین کا حلقہ کراچی سے پشاور تک پھیلا ہوا ہے۔

فاضل مفسر کی مطبوعہ کتب کی تعداد چھتیس اور زیر طبع کتب کی تعداد چودہ کے قریب ہے آپ کی چند کتب درج ذیل ہیں: مخزن کلیات (علم کلام)، کشکول سعدی (سیرت)، شرح زرادی (علم صرف)، سیف سعیدیہ (عقائد)، یونانی فلاسفر (فلسفہ) آئینہ اہل حدیث (تاریخ)، صور اسرافیل (تاریخ وحدیث وعقائد)، شادی پر سہرا بندی (ثقافت)، شرح اشعار مسلم (حدیث وادب)، درس قرآن (علم تفسیر)، سورہ فاتحہ علم تفسیر آئمہ مجددین (تذکرہ)، فضائل ودرود (عقائد)، ولایت کی تصویر (تصوف وتذکرہ)، حدیث قسطنطنیہ (علم وحدیث وتنقید)، قرآن اور بلاغت عرب (قرآنی ادب)، قربانی کی ابتداء وارتقاء (تاریخ)۔

تنبیہ الغافلین (اخلاقیات)، تاریخ الخلفاء (تاریخ)، سمندر کی لہروں سے ریت کی لہروں تک (سفرنامہ)، ملفوظات گنج شکرؒ (تصوف)، ہمارا اسلام (دینیات)، سرائیکی قومیں اور آثار عرب میں (تاریخ وثقافت)، معترضین امیر معاویہ (تذکرہ)، حیات حضرت ابوبکر صدیقؓ اور (تذکرہ) دعاؤں کا تحفہ (دعائیں) مذکورہ کتب اردو زبان میں تصنیف کی گئی ہیں۔

سرائیکی زبان کی اہم کتب مندرجہ ذیل ہیں:

درود دیاں حدیثاں (حدیث)، خطبات شریفہ (توحید)، انوار جمالیہ (تصوف وتذکرہ)، تفسیر سرائیکی (علم تفسیر) روہیلی فطرت (کہانی)، روہی لیر کتیر (کہانی) اکھیں وچ دوزخ (شاعری)، وادی پنجند وچ صحافت اور رمز فریدی (ادب)۔

فاضل مفسر کی زیر طبع کتب کی تعداد چودہ ہے جو زیور طباعت سے آراستہ ہو رہی ہیں:

عصیدہ الشہدہ (ترجمہ)، رتون (مقالات)، آکھ فرید الف (مقالات تفسیر سرائیکی 14 پارے مکمل ترجمہ وتفسیر)، تفسیری اقتباسات (تصوف)، کوفی راویان حدیث (حدیث)، مقالات سعیدی، اصحاب جرح وتعدیل، کشف الاستار (ترجمہ)، مبدأ رحمت (علم نحو)، تاریخی کڈھی کڈھارا (ثقافت)، سرائیکی قومیتی تاریخ (تاریخ)، غوث اعظم واولیا مقام، ردائف مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم قصیدہ نعتیہ جن (ترجمہ)۔

علاوہ ازیں آپ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے آپ نے علماء کرام کی کتب پر ابتدائیے تقریظیں رقم کی ہیں جو تیس کے قریب ہیں۔

فاضل مصنف نے متعدد ایوارڈ حاصل کیے ہیں جن میں مجروح اللہ آبادی ایوارڈ، شیخ پر ہاروی ایوارڈ، خواجہ فرید ایوارڈ شامل ہیں۔ اکادمی ادبیات کی طرف سے گورنر سندھ عشرت العباد اور چیئرمین اکادمی جناب افتخار عارف نے خواجہ فرید ایوارڈ عطا کیے۔

منظوم تراجم

سرائیکی زبان کا شمار دنیا کی قدیم ترین زبانوں میں ہوتا ہے اور کسی بھی زبان کی قدامت کی سب سے بڑی دلیل قسم قسم کے الفاظ کے ذخیرے، محاورے روز مرہ اور تراکیب ہوتی ہیں اور اس زبان کا ایک لفظ کئی معنی و مفہوم رکھتا ہے۔ سرائیکی زبان کی قدامت کے یہ ثبوت قدم قدم پر نظر آتے ہیں۔ سرائیکی زبان کا قدیم ترین ادب شاعری میں ملتا ہے جن میں دوہڑے، ماہیے، بھی، لولیاں، گاؤن، ڈھپے، گھڑولی اور کافیاں شامل ہیں۔ اسلام کی آمد کے بعد تولد نامہ، گھڑولی نامہ، بارات نامے، تاج نامے، درود نامے، وصال نامے، تورا، جوگی نامہ، جلوطے نامے، بدھ نامہ اور تعتیہ ڈھولے شامل ہیں۔

بعد ازاں سرائیکی دینی ادب میں حمد، مولود، نعت، مراثی تحریر کیے گئے۔ اس زبان میں بے انتہا دینی ادب تخلیق کیا گیا مگر وہ ذخیرہ محفوظ نہ رہ سکا۔ میری پانچ سال کی تحقیق اور عرق ریزی سے مجھے قرآن پاک کے تیرہ جزوی تراجم دستیاب ہوئے جن میں کچھ نثری کچھ منظوم کچھ مفسر تراجم بھی ہیں اور تین جزوی تراجم ایسے ہیں جو منظوم ہیں۔

سب سے اولین کوشش جناب محمد رمضان طالب کی ہے۔ 2003ء میں فاضل مترجم نے ''سوجھل سوچاں'' کے عنوان سے قرآنی آیات کا منظوم سرائیکی ترجمہ کیا۔ مصنف موصوف نے 2005ء میں سورۃ الرحمٰن کا منظوم سرائیکی ترجمہ رقم کیا بعد ازاں 2006ء میں ''رحمت دعا'' کے عنوان سے قرآنی دعائیں منظوم کیں۔ آپ کے یہ تینوں جزوی تراجم زیور طباعت سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ قرآن مجید کے منظوم سرائیکی ترجمے میں دوسری کاوش جناب عبدالوحاب عباسی کی ہے وہ قرآن مجید کو سرائیکی اشعار میں ڈھال رہے ہیں۔ اب تک وہ پہلے دس پاروں کا منظوم سرائیکی ترجمہ کر چکے ہیں۔ وہ دس دس پاروں کی تین جلدوں میں منظوم ترجمہ مکمل کرنا چاہتے ہیں یہ منظوم ترجمہ غیر مطبوعہ ہے۔ قرآن مجید کو سرائیکی میں منظوم کرنے والی ایک ہستی جناب غلام رضا سیورا بھٹی کی ہے۔ انہوں نے قرآن مجید کی متعدد سورتوں کا منظوم سرائیکی ترجمہ رقم کیا ہے۔ مصنف موصوف جرمنی میں مقیم ہیں اور پی ایچ ڈی کر رہے ہیں۔ دوران تحقیق مجھے ایک سرائیکی قاعدے کی پشت پر سورۃ الفاتحہ کا منظوم سرائیکی ترجمہ دعا کے عنوان سے ملا ہے اسے مصنف موصوف جناب عبداللطیف بھٹی نے شائع کیا ہے ملاحظہ فرمائیں:

کل صفت ہے تیڈی خدا — توں رب ہیں کل جہاں دا
رحمٰن توں تے رحیم وی — مالک توں یوم حساب دا
تیڈی بندگی میڈا اسلسلہ — منگتے اساں تیڈے خدا
جئیں راہ تیڈے ہن کرم — ہوں راہ توں سب کوں بچا

یہ ایک قابل قدر کاوش تو ہے لیکن اس میں معنوی تقاضے پورے نہیں ہوتے اس لیے اس ترجمے کو زیر بحث نہیں لایا گیا یہ منظوم ترجمہ عربی متن کے بغیر ہے عنوان الفاتحہ کے بجائے دعا ہے۔

آئندہ صفحات میں مذکورہ تراجم میں ہر ایک کا الگ الگ جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

قرآن کریم مع ترجمہ منظوم سرائیکی

عبدالوہاب عباسی مدظلہ العالی

تاریخ تصنیف: 1998ء سے تاحال جاری مقام تصنیف: بہاولپور

یہ قرآن پاک کا پہلا جامع منظوم سرائیکی ترجمہ ہے جس کی تکمیل کے لئے عبدالوہاب عباسی کوشاں ہیں۔اب تک وہ دس پاروں کا منظوم سرائیکی ترجمہ مکمل کر چکے ہیں۔مصنف موصوف دس دس پاروں کی تین جلدوں پر محیط ترجمہ زیور طباعت سے آراستہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

سرورق بہت ہی دیدہ زیب ہے جو پھولوں سے سجا ہے۔ مستطیل چوکھٹا اس کے حسن میں اور اضافہ کر رہا ہے۔سارے عنوانات پھولوں میں تحریر کیے گئے ہیں اور تحریر خط نسخ سے مزین ہے۔سرورق کے بالکل اوپر قرآن کی یہ آیت رقم کی گئی ہے:

هَٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ

اس کے نیچے سرائیکی ترجمہ نہیں دیا گیا تاہم کل کے درمیان میں ترجمے کا عنوان " قرآن کریم مع منظوم ترجمہ سرائیکی" تحریر ہے اور بالکل نیچے قرآن مجید کی اہمیت کی واضح کرنے کیلئے فارسی کا یہ شعر لکھا گیا ہے۔

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

مصنف موصوف نے یہ منظوم ترجمہ 1998ء میں شروع کیا جو تاحال جاری ہے۔ان کا کہنا ہے کہ میں نے قرآن کی محبت میں سرکاری ملازمت کو خیر باد کہا اور اب یکسوئی کے ساتھ ترجمہ تصنیف کر رہا ہوں وہ پرامید ہے کہ یہ کام جلد پایۂ تکمیل کو پہنچے گا اس عظیم کام کا بیڑہ انہوں نے کیوں اٹھایا اس بارے میں وہ خود فرماتے ہیں:

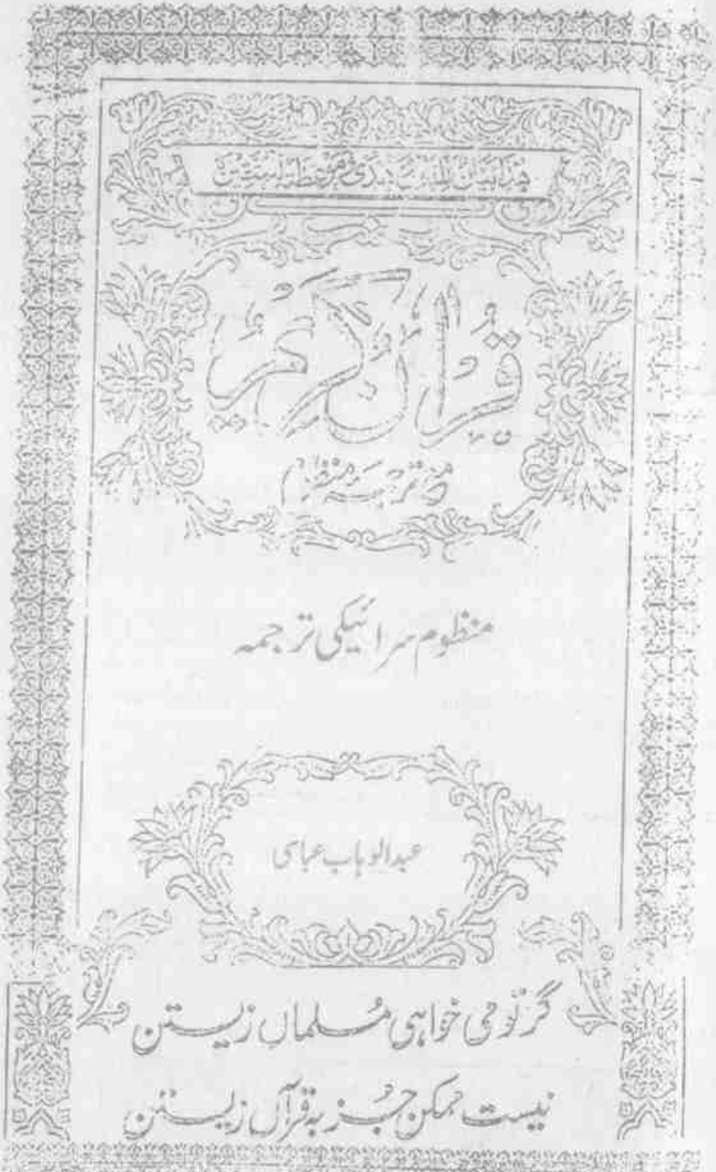
"جب میں نے مولانا حفیظ الرحمٰنؒ اور پروفیسر دلشاد کلانچوی مرحوم و مغفور کے منشور تراجم دیکھے تو دل میں خیال آیا کہ اسے نظم میں ڈھالا جائے۔"(205)

شاعر محترم نے کہا کہ ان کے چھوٹے بھائی عبدالرزاق عباسی ایڈووکیٹ نے میری حوصلہ افزائی کی اور مواد اکٹھا کرنے میں میری معاونت بھی کی۔

انہوں نے مزید کہا کہ" وقت کے ساتھ ساتھ مذہبی رجحانات تقویت پکڑتے گئے آخرکار اس مقام پر لے آئے کہ اپنی شاعرانہ صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے سرائیکی زبان کی خدمت کرنے کی ٹھان لی یہی وجہ ہوئی اور دل نے کہا کہ کام شروع کیا جائے چنانچہ منظوم ترجمہ شروع کیا سب سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ترجمہ کیا"۔(206)

شروع اللہ دے ناں تو کریندا ہاں جو آقا ہے
بہوں ہے مہرباں جو کہ نہایت رحم والا ہے

پھر آیت الکرسی کا ترجمہ منظوم کیا پھر پہلے پارے کا ترجمہ شروع کر دیا الحمدللہ یہ کام تاحال جاری ہے۔


هذا بيان للناس وهدى وموعظة للمتقين

قرآن کریم

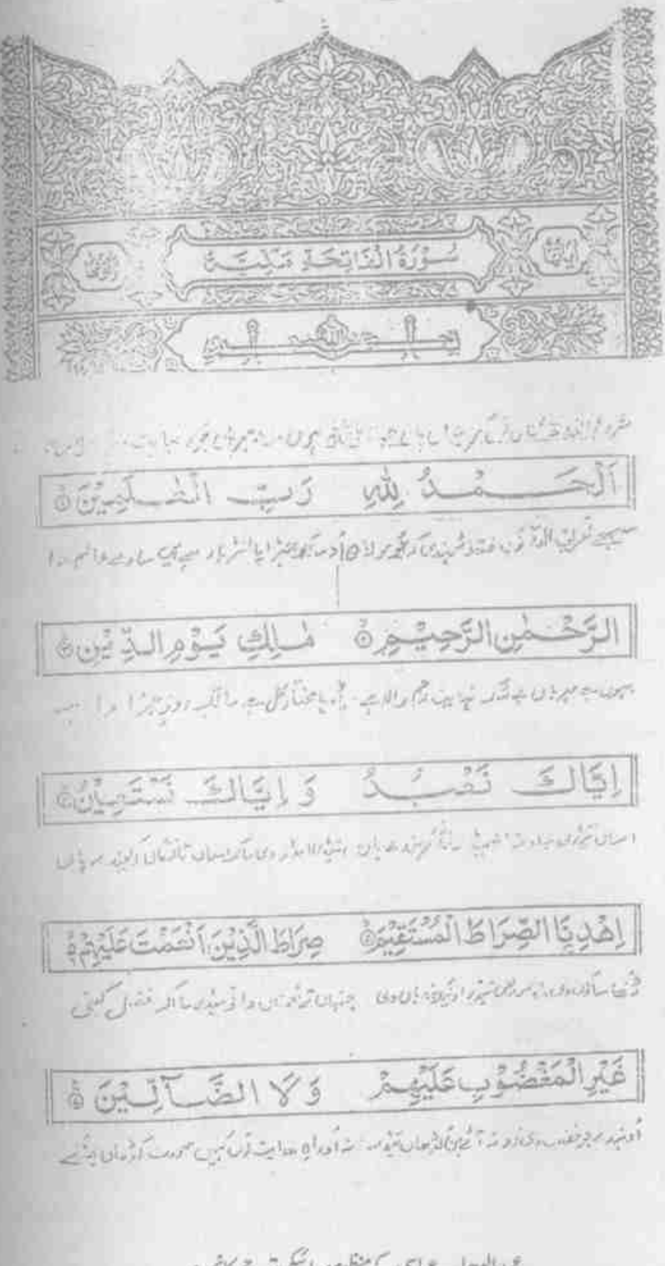
مع ترجمہ منظوم

منظوم سرائیکی ترجمہ

عبدالوہاب عباسی

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

سرورق قرآن کریم معہ ترجمہ منظوم سرائیکی از عبدالوحاب عباسی



سُورَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ ۝

عبدالوہاب عباسی کے منظوم سرائیکی ترجمے کا نمونہ

طریق کار

حافظ قاری عبدالوہاب عباسی کا یہ منظوم ترجمہ سرائیکی دینی ادب میں منفرد اضافہ ہے اور منظوم تراجم کے حوالے سے انہیں شرف اولیت حاصل ہے۔ یہ ترجمہ مربوط طریق کار کے تحت منضبط کیا گیا ہے اور اس میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ فاضل مترجم نے قرآن مجید کا مروجہ عربی متن چسپاں کر کے بین السطور منظوم ترجمہ تصنیف کیا ہے۔ جس قدر ایک سطر میں عربی متن موجود ہے صرف اسی کا ترجمہ رقم کیا گیا ہے جیسے:

فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَاحَوْلَهٗ　　ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ (207)

جڈاں ماحول روشن تھی گیا ہرسو بہوں سارا
خدا نے کھس گھدی بینائی انہاں دی کرڈ تا اندھارا

مصنف موصوف نے مولانا عبدالرشید نعمانی کی "لغات القرآن" کی تین جلدوں سے استفادہ کیا ہے اور منظوم سرائیکی ترجمہ کرتے وقت مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم و مغفور کے اردو ترجمے کو ماخذ بنایا ہے۔ مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا منظوم ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ　　اَوْ نُنْسِهَا (208)

جڈاں حکما اساں موقوف کیتی ہے کوئی آیت
بھلا ڈیندن یا کجھ آیات کوں او ازرہ حکمت

اسی طریق کار سے آپ نے اردو ترجمے کو سرائیکی میں ڈھالا ہے۔ بعض مقامات پر فاضل مترجم نے کچھ آیات کا ایک مصرع میں ترجمہ کیا ہے مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ (۲:البقرہ:۹۵)

خدا تاں ظالماں دے حال توں ہے خوب ایں واقف (209)

قرآن مجید کے عربی متن میں ہر آیت کے بعد گول دائرے میں آیات کے نمبر رقم کیے گئے ہیں جبکہ اشعار کے سامنے آیات کے نمبر مرقوم نہیں ہیں۔ عربی متن میں رموز او قاف قرآن مجید کی بھی تحریر کیے گئے ہیں۔

قرآن مجید کا عربی متن معرب ہے۔ اسے اس طرح سے رقم کیا گیا ہے کہ ہر سطر دو مصرعوں پر مشتمل ایک شعری صورت میں دکھائی دیتی ہے جس آیت یا اس کے کسی حصے کا منظوم ترجمہ مقصود ہوتا ہے اسے دو برابر حصوں میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ پھر اس کے نیچے سرائیکی کے ایک شعر میں دو مصرعوں کے ساتھ رقم ہوتا ہے۔ جہاں ایسا کرنا ممکن نہ ہو عربی متن کو دو حصوں میں تقسیم کی بجائے ایک ہی حصے میں لکھ دیا جاتا ہے جو سطر کے درمیان میں ہوتا ہے نیچے ترجمہ بہر حال دو مصرعوں میں ہوتا ہے مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا سرائیکی منظوم ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ　　لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ (۲:البقرہ:۱۱۸)(210)

ایہ آکھیا انہاں سب نے علم توں ہن جو کہ بے بہرا
کریندا کیوں نہیں گالھیں اساڈے نال رب ساڈا

تمام کا تمام متن بڑی خوبصورتی کے ساتھ چھوٹے چھوٹے حصوں میں منقسم کر دیا گیا ہے۔ ہر حصہ ایک مستطیل چوکھٹے میں سجا دیا گیا ہے جسے دیکھ کر کشادگی کا احساس ہوتا ہے۔

محاسن

زیر نظر سرائیکی منظوم ترجمہ سرائیکی قرآنی ادب کا ایک شاہکار نمونہ ہے اور منظوم ہونا اس کی بہت بڑی انفرادیت ہے اور یہ ترجمہ بہت سے اوصاف اور محاسن سے آراستہ ہے بالعموم ردیف اور قافیہ کی پابندی کی گئی ہے لیکن کہیں کہیں نظم آزاد کا سہارا بھی لیا گیا ہے۔ یہی اس ترجمے کا سب سے بڑا حسن ہے مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا

ول اللہ نے سکھائے ناں بہوں سارے اے آدم کوں۔

اسی طرح ایک اور مثال دیکھیے:

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (۲۔البقرہ:۳۱،۳۲)

"تو بے شک اے خدا ایں علم والا صاحب حکمت" (211)

ان آیات کا ترجمہ اگرچہ نظم آزاد ہے مگر اس میں شعریت اور ادبی چاشنی اپنی مثال آپ ہے۔ ان اوصاف کی وجہ سے یہ ترجمہ سب سے منفرد ہے اور سرائیکی دینی ادب کا قیمتی سرمایہ ہے۔ اس ترجمے کے پہلے صفحے کی پہلی سطر ہی سے کشادگی کا احساس ہوتا ہے دیکھتے ہی دل باغ باغ ہو جاتا ہے شروع سے آخر تک قاری اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا۔

اس ترجمے کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ اسکی زبان عام فہم ہے جسے عام قاری بھی آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے اور قرآنی مفہوم کی تہہ تک پہنچ سکتا ہے مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اِيَّاكَ نَعْبُدُ   وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (۱۔الفاتحہ:۴)

اساں تیڈی عبادت اے میڈے اللہ کریندے ہاں   تیڈی امداد دی مالک اساں تانگاں رکھیندے ہاں (212)

مندرجہ بالا ترجمے میں نہایت ہی سادہ اور آسان زبان استعمال کی گئی ہے جو عام خواندہ قاری کیلئے بھی اتنی ہی مفید ہے جتنی پڑھے لکھے کیلئے یہی اس ترجمہ کا وصف ہے۔ زیر نظر ترجمے کا پیرایہ بیان سادہ ہے بالعموم آسان اور عام فہم سرائیکی کلمات استعمال کیے گئے ہیں مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ   وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ (۲۔البقرہ:۳۳)

میں اوں سب توں وی واقف ہاں تساں جو کجھ کریندے ہو   میکوں اوندی خبر وی ہے تساں جیہڑا لوکیندے ہو (213)

مترجم نے ادق اور مشکل کلمات سے احتراز کیا ہے اور مشکل پیرایہ بیان پر آسان پیرایہ زبان کو ترجیح دی ہے اور قاری کی دلچسپی کو پیش نظر رکھا ہے۔ اس ترجمے کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ اس میں دخیل کلمات شاذ ہیں پائے جاتے ہیں لیکن کم ہیں اور شاعرانہ حسن سوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مترجم کو فقید المثال شعری ملکہ عطا کیا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ ان میں حافظ میاں محمد "تفسیر محمدی کے راقم" کی روح حلول کر آئی ہے۔ ان جیسی علمیت تو نہیں لیکن شعری مہارت میں ان کے ہم پلہ نظر آتے ہیں۔ انہیں اگر سرائیکی کے حافظ میاں محمد کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا مثلاً سورۃ الفاتحہ کی ابتدائی دو آیات کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ   رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سبھے تعریف اللہ کوں فقط جھندی کہ جو مولا   اور مالک جیہڑا پالنہار ہے ایں سارے عالم دا

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ   مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ

بہوں ہے مہربان بے شک نہایت رحم والا ہے   او با مختار کل ہے مالک روز جزا دے ہے (۱۔الفاتحہ:۲،۳)

نقد و نظر

زیرِ نظر منظوم ترجمہ سرائیکی دینی ادب کا گرانقدر سرمایہ ہے جس سے سرائیکی قرآنی ادب کا دامن مالا مال ہو گیا ہے۔ یہ ایک منفرد ترجمہ ہے اور مصنف نے اپنے شعری سخن کو شیریں سخن میں ڈھالا ہے اور قاری کی دلچسپی میں اضافہ کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔ مترجم نے منظوم ترجمے کو خوبیوں سے متصف کیا ہے مگر اس میں کچھ سقم ہیں جن کا ذکر نہ کرنا علمی خیانت ہوگی۔ اگرچہ اس میں دخیل کلمات شاذ ہیں لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ترجمہ دیگر زبانوں کے کلمات سے پاک ہے مثلاً:

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ (۲:البقرۃ:۱۳)(215)

یقین رکھو شعور حق تو اے سب ایں بیگانے ہن
مگر اے سارے بھولے خود حقیقت نہ سجانڑدے ہن

مندرجہ بالا منظوم ترجمے میں شعورِ حق، یقین، بیگانے اور حقیقت غیر سرائیکی الفاظ ہیں اور خالص سرائیکی الفاظ لائے جاتے تو زیادہ صائب تھا اسی طرح ذیل میں دی گئی آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (۲:البقرہ:۳۲)

توبے شک اے خدا ہئیں علم والا صاحبِ حکمت۔(216)

اس ترجمے میں بھی حقیقت کا لفظ غیر سرائیکی ہے اگر اس کی بجائے سرائیکی لفظ رقم کیا جاتا تو زیادہ بہتر ہوتا اور ترجمہ فصیح ہوتا۔ فاضل مترجم کے ترجمہ میں معنوی سقم بھی پایا جاتا ہے مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ (۲:البقرہ:۳)(217)

اوہا نیدے رکھیندے دِن جو ہر ہک غیب تے ایمان
جہڑے دل نال پڑھدے ہن نماز اپڑیں سوئے یزداں

اس ترجمے میں معنوی سقم رہ گیا ہے جس سے ترجمہ عدم فصاحت کا شکار ہو گیا ہے "ہر ہک غیب تے ایمان" درست نہیں اور پھر "سوئے یزداں" نے ترجمے کو مزید مشکل بنا دیا ہے۔ اگر مصنف اس کا خیال رکھتے تو بہتر ہوتا۔ ترجمہ کا ایک اور سقم یہ ہے کہ یہ اردو ترجمہ کا تتبع ہے جیسا کہ مترجم نے خود کہا ہے کہ انہوں نے اشرف علی تھانویؒ کے اردو ترجمے سے استفادہ کیا ہے مثلاً:

وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ(218)

بھکدا چھوڑا انہاں کوں اندھارے وچ اینویں رولے
ودے ہن ایں اندھارے وچ او گونگے اندھے تے ڈورے

اس ترجمے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ مصنف موصوف نے مِن و عَن اردو ترجمے کو سرائیکی میں ڈھالا ہے۔ اگر فاضل مترجم سرائیکیت کو پیشِ نظر رکھتے تو ترجمے کا حسن دوبالا ہو جاتا اور سرائیکی زبان کی حلاوت اور وسعت نمایاں ہوتی۔ زیرِ نظر ترجمے کا ایک سقم ابہام ہے جس سے ترجمہ کا مفہوم غیر واضح ہو گیا ہے مثلاً:

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى (۲:البقرہ:۱۲۵)

بنڑایا جب اساں کعبہ کوں سب دا مامن و معبد
بنڑاؤ چا مقام پاک ابراہیم کوں مسجد

سوانح مترجم

ولادت: 1957ء　　　　　　　　　　　　　　بقید حیات ہیں

عبدالوہاب عباسی 14 اگست 1957ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق ریاست بہاولپور کے عباسی خاندان سے ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد احمد پور شرقیہ (بہاولپور) سے بیس کلومیٹر دور قصبہ سجاول پور میں رہائش پذیر تھے۔ یہ قصبہ آپ کے جدامجد سجاول خاں عباسی کے نام پر ہے۔ جن کا شجرہ نسب والی ریاست بہاولپور بہاول خاں عباسی سے ملتا ہے۔

فاضل مترجم کے والد محترم عبدالقادر جوہر عباسی نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم اے فارسی کیا تھا اور درس و تدریس سے منسلک تھے۔ زندگی کے آخری ایام تک شعبہ فارسی اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں پڑھاتے رہے۔ آپ اردو، فارسی اور سرائیکی کے قادرالکلام شاعر تھے۔ جوہر تخلص کرتے تھے۔ ان کی شخصیت اور شاعری کے حوالے سے اردو، فارسی اور سرائیکی میں مقالے تحریر کیے گئے۔

مترجم ذی وقار کو گھر میں علمی و ادبی ماحول ملا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم مدرسہ فاروقیہ عربیہ بہاولپور سے حاصل کی۔ قاری عبدالقادر صاحب سے قرأت کی تعلیم حاصل کی۔ بعدازاں جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں قاری محمد اسد اللہ کے پاس قرآن مجید حفظ کیا۔ ثانوی تعلیمی بورڈ ملتان سے "عالم اردو" کا امتحان پاس کیا اور اسی ادارے سے میٹرک کی ڈگری حاصل کی۔ عبدالوحاب عباسی نے 14 مئی 1976ء کو محکمہ Evacuee Trust Property (متروکہ وقف املاک حکومت پاکستان) میں بطور Rent Collecter ملازمت کا آغاز کیا۔ دوران ملازمت ایف اے کا امتحان تعلیمی بورڈ بہاولپور سے پاس کیا۔ بعدازاں اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔

والد صاحب کو دیکھ کر شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ انہوں نے اصلاح اور حوصلہ افزائی کی تو اعتماد پیدا ہوا۔ بہاولپور کی کئی شخصیات کی ہجو لکھی۔ بھائی نے مشورہ دیا کہ ایسا کام کریں جو یادگار ہو۔ لہذا قرآن مجید کا منظوم سرائیکی ترجمہ کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ سب سے پہلے سورۃ الفاتحہ کا ترجمہ کیا۔ عبدالوحاب عباسی ڈاکٹر اسرار احمد کی تحریر، علامہ احمد سعید کاظمی اور مولانا عبداللہ درخواستی کی تقریر سے متاثر ہیں۔ تبلیغ کے حوالے سے مولانا طارق جمیل کو پسند کرتے ہیں۔ تصنیف و تالیف، شاعری اور باغبانی سے گہری دلچسپی ہے۔ میاں مسعود احمد دین پوری آپ کے مرشد ہیں۔ آپ کو مشکل شاعر جن کے کلام میں گہرائی ہو پسند ہیں۔ آپ کے پسندیدہ اردو شعراء میں غالب، اقبال اور فیض شامل ہیں۔

مصنف موصوف وحاب تخلص کرتے ہیں۔ آپ کے دو شعری مجموعے "وریدہ سن" اور "فکر نو دمیدہ" زیر طبع ہیں۔ غزل آپ کی پسندیدہ صنف ہے۔ آپ کی ایک غزل کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

کوئی رستہ نظر نہیں آتا
دل یہ بستا نظر نہیں آتا
قہقہوں میں جو بات کرتا تھا
اب وہ ہنستا نظر نہیں آتا
جس قدر مجھ میں ہے تڑپ اس کی
وہ ترستا نظر نہیں آتا
شہر الفت میں پھر کے دیکھ لیا
کچھ بھی سستا نظر نہیں آتا

قرآن مجید دیاں چھوٹیاں سورتاں سرائیکی ترجمے نال

جناب غلام رضا سیورا بھٹی

تاریخ تصنیف: 2007ء مقام: سٹوٹگارٹ (جرمنی)

یہ قرآن مجید کی متعدد سورتوں کا سرائیکی میں منظوم ترجمہ ہے۔(220) جسے جناب غلام رضا بھٹی نے تصنیف فرمایا جس میں سے ایک سورۃ الفاتحہ کا ترجمہ سرائیکی اخبار ڈیتھ وار''جھوک'' ملتان کی 28 اکتوبر 2007ء کی اشاعت میں طبع ہوا۔(221) بسم اللہ کا ترجمہ ایک شعر میں کیا گیا ہے جبکہ سورۃ الفاتحہ کو آٹھ اشعار میں منظوم کیا گیا ہے۔عنوان میں فاتحہ جلی حروف میں رقم کیا گیا ہے۔عنوان کے نیچے تسمیہ عربی زبان میں رقم ہے اوراس کے نیچے سورۃ الفاتحہ کی ہر آیت الگ الگ تحریر ہے اوراس کے نیچے ہر آیت کا ایک شعر میں ترجمہ دیا گیا ہے۔

قرآن پاک کا عربی متن اور سرائیکی ترجمہ خوبصورت کمپوزنگ سے مزین ہے۔اس ترجمے کے نیچے تین نام حاجی محمد مراد عرف گدا حسین، گلزار حسین، خادم حسین تحریر ہیں۔مزید تحقیق پر پتہ چلا گلزار حسین مصنف موصوف کے والد ماجد ہیں۔ان سے یہی ترجمہ ایک خوبصورت چار رنگوں سے مزین باڈر میں چھپا ہوا ملا۔ترجمے کے آخر میں ''ہک عرض'' کے نام سے قارئین سے یہ درخواست کی گئی ہے:

> ''مرحوم حاجی دین محمد تے مرحوم حاجی دین محمد دیاں ڈالیں، مرحومہ سداں مائی مرحومہ، بختاں مائی تے حاجی دین محمد دیاں دھیاں مرحومہ زہری مائی مرحومہ، اللہ وسائی مرحومہ، سرور مائی تے خادم حسین دے پتر مرحوم ضمیر الحسن تے خادم حسین دی دھی مرحومہ صغریٰ مائی دیاں روحاں کوں ثواب پہنچاون کیتے ہک دفعہ سورۃ فاتحہ پڑھن دی اپیل عرض گذار حاجی محمد مراد عرف گدا حسین گلزار حسین خادم حسین''۔

روزنامہ جھوک ملتان میں شائع شدہ ترجمہ تفسیر باڈر کے ایک چوکھٹے میں تھا جبکہ ترجمہ جدید گرافک آرٹ کے خوبصورت باڈر میں شائع کیا گیا ہے۔فاضل مترجم کے والد ماجد کی وساطت سے جرمنی کے شہر سٹورگارٹ میں رابطہ ہوا انہوں نے وہاں سے متعدد سورتوں کا منظوم ترجمہ ای میل کیا۔

سورۃ اخلاص کے ترجمے میں اوپر سورۃ کا نام جلی حروف میں دیا گیا ہے اس کے نیچے بسم اللہ الرحمن الرحیم رقم کیا گیا ہے اوراس کا ایک شعر میں منظوم سرائیکی ترجمہ دیا گیا ہے۔اس کے بعد سورۃ اخلاص کی دو آیات تحریر کی گئی ہیں اوران کا سرائیکی منظوم ترجمہ دیا گیا ہے۔پھر تیسری آیت تحریر کی گئی ہے اوراس کا ترجمہ دیا گیا ہے بعدازاں چوتھی اور آخری آیت کا عربی متن اور سرائیکی ترجمہ دیا گیا ہے سورہ الاخلاص کا یہ عربی متن اور سرائیکی ترجمہ مخطوط نہیں ہے بلکہ کمپیوٹر سے کمپوز کیا گیا ہے اور غیر مطبوعہ ہے۔مترجم کی تیسری کاوش سورۃ الکوثر کا منظوم سرائیکی ترجمہ ہے۔سورۃ کے نام کے نیچے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم کا سرائیکی منظوم ترجم رقم ہے پھر سورۃ الکوثر کی پہلی آیت کا ترجمہ اسی طرح آخری سطر میں آخری آیت اوراس کا منظوم سرائیکی ترجمہ دیا گیا ہے۔یہ ترجمہ بھی کمپیوٹر سے کمپوز کیا گیا ہے قلمی تحریر نہیں ہے اور غیر مطبوعہ ہے۔اسی طرح باقی سورتوں کے تراجم کیے گئے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

اللہ دے ناں رحمٰن توں　　تے رحیم توں ہے ابتدا

قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ (۱) اَللّٰهُ الصَّمَدُ (۲)

آکھ! او اللہ ہے ہک　　محتاج لوڑ جیکوں کجھ ذرا

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ (۳)

نہ تاں اوں جایا کا ہیں کوں　　تے نہ او کا ہیں توں جما

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا أَحَدٌ (۴)

تے کڈاہیں نہیں تھیا　　اوندے جھیاں کوئی بیا

سورہ کوثر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

اللہ دے ناں رحمٰن توں　　تے رحیم توں ہے ابتدا

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ (۱)

اے نبیؐ بے شک کیتی　　اساں تیکوں کوثر عطا

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (۲)

پڑھ نماز حسن اپنے رب دی　　اتے کر توں قربانی وی چا

إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ (۳)

بے نشان ہے اور یقیناً　　ہے جیڑھا دشمن تیڈا

غلام رضا سیورا بھٹی کے منظوم سرائیکی ترجمے کا نمونہ

غلام رضا سیورا بھٹی کے منظوم سرائیکی ترجمے کا نمونہ

طریق کار

فاضل مترجم نے قرآن پاک کی منتخب سورتوں کا منفرد انداز میں منظوم سرائیکی ترجمہ کیا ہے۔ سب سے پہلے سورۃ کا نام عربی رسم الخط میں جلی حروف میں دیتے ہیں پھر اس کے بعد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تحریر کرتے ہیں اور اسکے نیچے اس کا منظوم سرائیکی ترجمہ دیتے ہیں۔ اس کے بعد ایک ایک آیت کا الگ الگ عربی متن جلی حروف میں دیتے ہیں۔ ہر آیت کے نیچے اس کا منظوم سرائیکی ترجمہ منضبط فرماتے ہیں۔

قرآن مجید کے عربی متن میں ہر آیت کے بعد اس کا نمبر تحریر کرتے ہیں جبکہ سرائیکی ترجمے میں ایسا نہیں کیا گیا ترجمہ بین السطور ہے منظوم سرائیکی ترجمے کا طریق کار ملاحظہ فرمائیے:

سورۃ اخلاص

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

اللہ دے ناں رحمٰن توں   تے رحیم توں ہے ابتدا

قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ (۱) اللّٰهُ الصَّمَدُ (۲)

آکھ! او اللہ ہے ہک   نہیں لوڑ جیکوں کجھ ذرا

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ (۳)

نہ تاں اوں جایا کاہیں کوں   تے نہ او کاہیں توں جما

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا أَحَدٌ (۴)

تے کڈاہیں نہیں تھیا   اوندے جھیاں کوئی بیا

سورہ کوثر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

اللہ دے ناں رحمٰن توں   تے رحیم توں ہے ابتدا

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ (۱)

اے نبیؐ بے شک کیتی   اساں تیکوں کوثر عطا

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (۲)

پڑھ نماز حسن اپنے رب دی   اتے کر توں قربانی وی چا

إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ (۳)

بے نشاں ہے او یقیناً   ہے جیڑھا دشمن تیڈا (222)

محاسن

فاضل مترجم نے اگر چہ چند صرف تین سورتوں کا منظوم سرائیکی ترجمہ کیا ہے پھر بھی آپ کا شاعرانہ کمال عیاں ہے۔ آپ وطن سے دور جرمنی میں رہتے ہوئے قرآن پاک اور سرائیکی زبان سے محبت کا ثبوت دے رہے ہیں۔ مترجم ذی وقار کا یہ منظوم ترجمہ بہت سے محاسن اور اوصاف سے آراستہ ہے جن میں کچھ مندرجہ ذیل ہیں:

زیر نظر ترجمے کا ایک وصف سرائیکیت ہے مثال کے طور پر "ایاک نعبد" کا منظوم سرائیکی ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

اساں کریندے ہیں بس تیڈی عبادت اے خدا (223)

اس شعر میں مصنف نے سرائیکیت کو پیش نظر رکھا ہے۔ اچھا ترجمہ وہی ہوتا ہے جو اصل متن کے مفہوم کو دوسری زبان میں من وعن منتقل کر دے۔ مترجم نے ترجمے کے اس فنی اصول کو پیش نظر رکھ کر منظوم سرائیکی ترجمہ رقم کیا ہے۔ اس ترجمے کا ایک وصف آسانی ہے مترجم ذی وقار نے نہایت ہی سادہ اور آسان الفاظ میں قرآنی مفہوم کو سرائیکی اشعار میں ڈھالا ہے جو قاری کیلئے عام فہم اور دلچسپی کا باعث ہے مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا منظوم ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ

اے نبی، بے شک یقین اساں تیکوں کوثر عطا

مندرجہ بالا شعر میں فاضل مترجم نے خوبصورتی کے ساتھ منظوم سرائیکی ترجمہ کیا ہے۔ اچھی شاعری وہی ہوتی ہے جو آسانی سے دل میں اتر جاتی ہے اور فاضل مترجم یہ ہنر جانتے ہیں اور اس مختصر ترجمے میں آپ کی یہ خوبی عیاں ہو گئی ہے۔

مصنف موصوف موزوں طبیعت کے مالک ہیں۔ شعر گوئی ان کیلئے مشکل نہیں۔ بڑی خوبصورتی کے ساتھ منظوم سرائیکی ترجمہ کیا ہے موزوں الفاظ کا استعمال کیا ہے مثال کے طور پر تسمیہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ دے ناں رحمن توں تے رحیم تو جا ابتدا (225)

زیر نظر شعر میں نہایت موزوں الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اور ایسے لگتا ہے کہ مصنف موصوف کے سامنے لفظ ہاتھ باندھے کھڑے ہیں وہ جیسے چاہتے ہیں استعمال میں لاتے ہیں۔ یہ اس ترجمے کا بڑا وصف ہے۔ فاضل مصنف کے ترجمے کا ایک وصف جاذبیت بھی ہے مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ

ساکوں چلا اوندے اتے ہووے جیڑھا رستہ سدھا

اس ترجمے میں کشش اپنی مثال آپ ہے۔ اس ترجمے جاذبیت کی ایک وجہ تو سرائیکی زبان کی حلاوت اور دوسری وجہ فاضل مترجم کا شاعرانہ حسن ہے۔ آپ شاعری کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں اس لیے مطالعے کی وسعت نے آپ کے ترجمے کے حسن میں اضافہ کیا ہے۔

زیرِ نظر ترجمہ گوناگوں اوصاف سے متصف ہے اسے پڑھ کر قاری اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا۔ زبان عام فہم ہے۔ شاعرانہ حسن سوا ہے۔ ان خوبیوں کے باوجود اس منظوم ترجمے میں کچھ سقم بھی رہ گئے ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں۔
اس ترجمے کا ایک سقم یہ ہے کہ اس میں دخیل کلمات کا سہارا لیا گیا ہے مثال کے طور پر تسمیہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ دے ناں رحمٰن توں　　　تے رحیم توں ہے ابتدا

اس منظوم ترجمے میں ابتداء رحمٰن اور رحیم غیر سرائیکی الفاظ ہیں۔ یہ اردو فارسی اور عربی کے دخیل کلمات کی وجہ مشکل ہوجاتا ہے یہ ترجمہ اردو اور فارسی جاننے والوں کیلئے آسان ہے لیکن عام قاری کیلئے ادق ہے۔
فاضل مترجم کے منظوم ترجمے میں ردیف اور قافیے کی پابندی کو مدنظر رکھنے کی وجہ سے معنوی سقم رہ گیا ہے جیسے

لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ

تے کڈاہیں نجیں تھیا　　　اُوندے جیاں کوئی بیا (226)

مندرجہ بالا ترجمہ میں پختگی نہیں ہے اگر اس ترجمے میں نہ "کوئی تھیا نہ تھیسی" ہوتا تو درست تھا۔ ترجمہ کا واضح اور صحیح معنی نہ ہونا بہت بڑا سقم ہوتا ہے کیونکہ درست معنی نہیں ہوں گے ترجمہ عام فہم نہیں ہوگا اور قاری کیلئے مشکل کا باعث ہوگا زیرِ نظر ترجمے کا ایک اور سقم یہ ہے کہ سرائیکی رسم الخط پختہ نہیں لیکن مبتدی شاعر کیلئے اس رعایت کی گنجائش نکلتی ہے مثلاً:

وَلَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ

نہ تاں اوں جایا کاہیں کوں　　　تے نہ اوکاہیں توں جا (227)

اس طرح اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

ساری تعریف اللہ کیتے　　　جو رب جہاناں دا جیڑا (228)

ان دونوں آیات کے منظوم تراجم میں "کاہیں" "جو" اور جیڑا سرائیکی املا کے حوالے سے درست نہ ہیں۔ اگر جیڑا کی بجائے جیڑھا یا جہڑا ہوتا تو زیادہ بہتر تھا تاہم مبتدی شاعر کیلئے اس رعایت کی گنجائش نکل سکتی ہے اگر اس سقم کو نظر انداز کر دیا جائے تو اصلاح ہوسکتی ہے۔ شاعر نوجوان ہے اس لیے دل کشادہ کرنا چاہیے۔ مترجم ذی وقار کے ترجمے کا ایک سقم ابہام ہے بعض الفاظ کے معنی واضح نہیں ہیں مثال کے طور پر اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ

اے نبی، بے شک کیتی　　　اساں تیکوں کوثر عطا

پہلی آیت کے ترجمے میں کوثر کے معنی واضح نہیں ہے قاری کیلئے کوثر کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔

سوانح مترجم

ولادت:1976ء **بقید حیات ہیں**

غلام رضا سیورا جھی 17 مارچ 1976ء کو بستی حاصل والا کہروڑپکا ضلع لودھراں میں پیدا ہوئے۔ آپ کے آباؤ اجداد پیشے کے اعتبار سے زرگر تھے لیکن آپ کے والد زمیندار ہیں اور علاقے میں سماجی خدمات کیلئے بہت معروف ہیں۔

فاضل مترجم نے گورنمنٹ ہائی سکول کہروڑپکا سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور ایف ایس سی گورنمنٹ ایمرسن کالج ملتان سے کیا۔ بی ایس سی (الیکٹریکل انجینئرنگ) یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی ٹیکسلا 2000ء میں کی۔ اس کے بعد 2002ء میں قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد سے M.B.A (فنانس اینڈ مارکیٹنگ) میں کیا۔ بعدازاں 2004ء میں پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف انجینئرنگ اینڈ اپلائیڈ سائنسز (PIEAS) اسلام آباد سے MSC (انفارمیشن ٹیکنالوجی) اعزاز کے ساتھ کیا۔ اب یہیں سینئر انجینئر/ لیکچرار ہیں۔ یہ انسٹی ٹیوٹ پاکستان انرجی کمشن کا ذیلی ادارہ ہے اور اسے یونیورسٹی کا درجہ حاصل ہے۔ آج کل جرمنی میں سٹوٹگارٹ یونیورسٹی میں ہائر ایجوکیشن کمیشن آف پاکستان کے سکالرشپ میں کمپیوٹر لنگوئسٹکس پر Ph.D کر رہے ہیں۔

مترجم ذی وقار مختلف زبانوں کے ادب میں دلچسپی رکھتے ہیں شاعری کرتے ہیں۔ شاعری میں جی رضا کے نام سے لکھتے ہیں۔ مستقبل میں قرآن پاک کا سرائیکی ترجمہ کرنا چاہتے ہیں۔ سرائیکی ادب کو اچھے انداز میں آن لائن شائع کرنے کیلئے کوشاں ہیں اور پاکستان میں بولی جانے والی زبانوں پر مشینی ترجمے کے حوالے سے کام کرنا چاہتے ہیں۔

علمی وادبی مصروفیات

فاضل مترجم جوش اور ولولے کے ساتھ اپنی صلاحیتیں بروئے کار لا رہے ہیں۔ آپ انتھک کارکن ہیں۔ دیار غیر میں بیٹھ کر قرآن پاک کے سرائیکی ترجمے کو منظوم کر رہے ہیں اور ساتھ ہی سرائیکی زبان میں شاعری کر رہے ہیں پھر مستقبل میں Ph.D مکمل کرنے کے بعد قرآن پاک کا سرائیکی ترجمہ مکمل کرنے کا جذبہ بھی قابل قدر ہے۔

مصنف بنیادی طور پر کمپیوٹر سائنس کے طالب علم ہیں اور اسی مضمون کے ماہر استاد بھی ہیں اور دوران MSC آپ نے تحقیقی مقالہ بھی لکھا۔ آپ کی تعلیمی قابلیت کی وجہ سے جس ادارے میں آپ زیر تعلیم تھے فوری طور پر استاد مقرر کر دیا۔ آپ اپنے مضمون پر دسترس رکھتے ہیں

مختلف زبانوں کے ادب سے آپ کو گہری دلچسپی ہے۔ انگلش، اردو اور سرائیکی میں مہارت ہے جبکہ جرمن فارسی عربی فرانسیسی اور ہسپانوی زبان میں بھی ادراک رکھتے ہیں۔ مترجم ذی وقار نے ایم ایس سی انفارمیشن ٹیکنالوجی میں یونیورسٹی بھر میں پہلی پوزیشن حاصل کی اور GRE ٹیسٹ میں 79% نمبر حاصل کر کے Ph.D کیلئے وظیفہ حاصل کیا۔ آپ کو مطالعے کا بہت شوق ہے۔ مختلف اخبارات اور رسائل آپ کے زیر مطالعہ رہتے ہیں۔

سوجھل سوچاں قرآنی آیتاں دا انگریزی تے منظوم سرائیکی ترجمہ

استاذ محمد رمضان طالب

تاریخ طباعت: 25 دسمبر 2003ء   مقام طباعت: ڈیرہ غازیخان

یہ قرآن مجید کی اٹھاسی آیات کا انگریزی اور منظوم سرائیکی ترجمہ ہے۔ اس کا نام مصنف گرامی قدر نے "سوجھل سوچاں قرآنی آیتاں دا انگریزی تے منظوم سرائیکی ترجمہ" رکھا۔ اس کا سرورق چھ رنگوں میں ہے جو بہت دیدہ زیب ہے اس پر خانہ کعبہ اور روضہ رسول ﷺ کی تصویر بھی ہے۔ زیر نظر ترجمے کے قلمی معاونین اختر کھوسہ، ظفر اقبال انصاری، محمد امین چانڈیہ اور سلیم سیل ہیں اور طباعت میں عبد جام پوری، نواز جاوید، کاشف چوہان اور حاجی محمد مشوری نے معاونت کی اور یہ ارشاد احمد ناصر اجمل حیات بشرا احسان اور صدیق لاشاری کی پیش کش ہے۔ یہ ترجمہ الحسن آرٹ پریس ڈیرہ غازیخان میں زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔ اسے 25 دسمبر 2003ء بمطابق 30 شوال المکرم 1426ھ میں فرید سرائیکی سنگت ڈیرہ غازی خان نے شائع کیا۔ کتاب کا انتساب ان الفاظ کے ساتھ مرقوم ہے:

"ناںواں صاحب قرآن ہادی عالم ختم الرسل تے شافعی امت حضرت محمد ﷺ نے انہاں دے ہراوں امتی دے ناں جو خود قرآن پڑھدے تے پڑھیندے ہن۔"

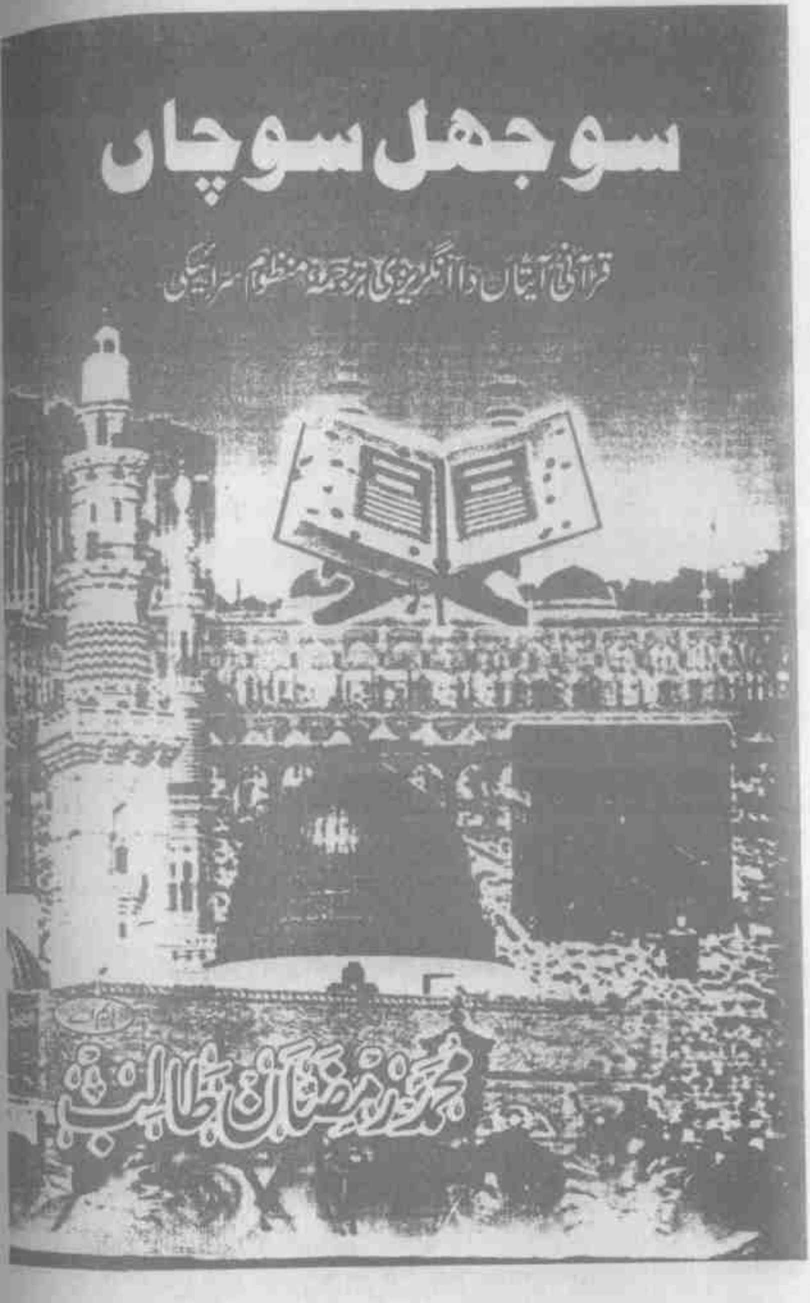
زیر نظر ترجمے کے محرک کا ذکر کرتے فاضل مترجم رقمطراز ہیں:

"کجھ ڈینہہ پہلے میڈے سنگتی ڈاکٹر چوہدری عبدالعزیز میکوں قرآن پاک دے منظوم سرائیکی ترجمے دا مشورہ ڈتا انہاں دے نیک مشورے میکوں فی الحال قرآن پاک دے کجھ آیتاں دا ترجمہ کرن تے تشریحی دی رب سئیں توفیق عطا کیتی جو سوجھل سوچاں ہن۔ گئی اللہ تعالیٰ میڈی این معمولی کوشش کوں قبول فرما کے اپنے محبوب دے صدقے میڈی بخشش این معمولی کوشش کوں قبول فرما کے اپنے محبوب دے صدقے میڈی بخشش دا ذریعہ بناوے تے سوجھل سوچاں دی شمع روشن رہوے"۔ (229)

مصنف موصوف دیباچے میں فرید سرائیکی سنگت کے مقاصد کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"فرید سرائیکی سنگت (رجسٹرڈ) اپنے منشور دے مطابق اسلامی اقدار نظریہ پاکستان دا تحفظ تے قومی تے علاقائی ادب دی ترقی تے اشاعت کتے اپنی مدد آپ دے تحت استطاعت دے مطابق فرض سرانجام ڈیون دی کوشش کریندی پئی اے۔ سنگت دی طرفوں ڈو درجن کتاباں شائع کیتیاں گیاں تے ماہنامہ فرید رنگ دے ذریعے ڈھیر سارے لکھاریں تے شاعریں دی جان سنجان دے علاوہ کم از کم وسیب دے دیہہ حضرات کوں فرید ایوارڈ ڈتے گئے۔ ساڈی ماء بولی سرائیکی شاعری وچ ماشاء اللہ چنگاں مقام حاصل کر گھدے تے نثر دے پاسے وی اوکوں کافی کامیابی حاصل تھی اے۔ البتہ ایندے وچ دینی ادب دا پاسہ توجہ طلب ہے۔ فرید سرائیکی سنگت اپنے منشور دے مطابق دینی ادب دو زیادہ توجہ ڈیندی رہ گئی اے۔ دعا ہے جو اللہ تعالیٰ ساکوں اسلامی اقدار تیں عمل دی توفیق بخشے آمین۔" (230)

فاضل مترجم نے سرائیکی زبان میں قرآنیات پر قابل قدر کام کیا ہے مگر یہ ترجمہ منفرد اور شاہکار کام ہے جو چھیانوے صفحات پر مشتمل ہے۔



سرورق سوجھل سوچاں قرآنی آیتاں دا انگریزی ترجمہ، منظوم سرائیکی از محمد رمضان طالب مطبوعہ 2003ء

فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى
اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ٥

English

But as for him who shall repent and believe and do right, he heply may be one of the successful.

منظوم سرائیکی

توبہ کر ایمان آنے ول کرے چنگے عمل
ہے اُمید بخشش اوندی دا تھی ویسی سامان وَل

تشریح

اللہ تعالیٰ ایں آیت کریمہ دے ذریعے اُنہاں لوگاں کوں بہوں وڈی چھوٹ ڈتی ہے جو کافر ہن یا ظالم ہن یا گمراہ ہن۔ جنہاں دین اسلام کوں پہلے قبول نہیں کیتا تے بعد وچ توبہ کر کے رب کریم تیں ایمان گن ائے تے او چنگے عمل کرن لگ گے۔ تاں اللہ تعالیٰ اُنہاں دے پہلے گناہ بخش ڈیسی۔ تے انہاں تیں اپنی رحمت دا مینہ کر ڈیسی تے انہاں کوں اپنے نیک بندیں وچ شامل کر ڈیسی۔ ایں آیت توں معلوم تھیا تو رب العالمین دی کریم ذات وڈی غفور الرحیم یعنی بخشنہار ہے۔ جے ہر ویلے کافر وی اوندی پناہ وچ آ ویندن تاں اوندی رحمت انہاں تیں چھاں کر ڈیندی ہے انہاں کوں بخش ڈیندی ہے ایندے وچ ساڈے کیتے دی ہدایت ہے جو کہیں دے قصور یا خطا کوں معاف کرن وچ دیر نہ لاؤں ساڈی ایہا نیکی رب قبول کرتے ساڈی بخشش کر سگدے۔

استاذ محمد رمضان طالب کے منظوم سرائیکی ترجمے اور تشریح کا نمونہ

طریق کار

زیرِ نظر ترجمہ فاضل مترجم کی ایک منفرد کاوش ہے جو سرائیکی دینی و ادب میں اہمیت کا حامل ہے اس میں ایک نامی اسلوب نگارش اختیار کیا گیا ہے جو مصنف گرامی قدر کی دیگر تصانیف سے مختلف ہے۔

کتاب کا آغاز انتساب اور ایصال ثواب سے ہوتا ہے اگلے صفحہ پر منظوم سرائیکی دورود شریف کے ساتھ مصنف موصوف کی طرف سے دعا گوؤں اور معاونین کے ناموں کی فہرست دی گئی ہے پھر قارئین کے نام ایک خط ہے جو سلام سے شروع ہوتا ہے اور ایک مختصری دعا کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ خط سرائیکی اشعار کے ساتھ مزین ہے جس میں فاضل مترجم نے اپنی دلی آرزوؤں کا اظہار کیا ہے۔

کتاب چھیانوے صفحات پر مشتمل ہے کتاب کی ترتیب شروع سے لیکر آخر تک ایک ہے دیباچے کے چھ صفحات چھوڑ کر باقی اٹھاسی صفحات پر آیات کا ترجمہ اور تشریح ہے ہر صفحہ پر ایک آیت ہے پہلے صفحہ پر اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیْم ہے اور دوسرے صفحہ پر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم کا ترجمہ اور تشریح دی گئی ہے پھر منتخب آیات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جو چھیاسی صفحات میں پھیلا ہوا ہے۔

تمام آیات مختصر ہیں جو بالعموم ایک سطر میں سما جاتی ہیں پھر ان کا ایک یا دو سطروں میں انگریزی ترجمہ ہے ترجمہ انگریزی کے چھوٹے حروف میں ہے جب کہ اس کا عنوان انگریزی کے بڑے حروف Captial Letters میں ہے انگریزی ترجمے کے اختتام پر نیچے منظوم سرائیکی کے عنوان کے تحت دو مصرعوں میں اس آیت کا سرائیکی ترجمہ ہے۔

نمونے کی ایک آیت ملاحظہ فرمائیں

وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (النور:۳۸)

Allah giveth blessings without stint to whome he will.

منظوم سرائیکی

سب دی پالک ذات رب دی ہے جناب
جیکوں چاہے رزق ڈیوے بے حساب

تشریح:

ایں آیت کریمہ دے ذریعے اللہ تعالیٰ ہک خاص گال دی وضاحت کیتی ہے جو میں ساری دنیا دا خالق مالک تے پالک ہاں تے سب دا روزی رسان ہاں تے رزق ڈیون وچ اس میڈی اپنی مرضی شامل ہے کہیں کوں ڈھیر ڈے کے غنی کراں یا کہیں کوں تھوڑا ڈے کے محتاج کراں۔۔۔۔۔۔الخ" (231)

مصنف گرامی قدر نے کہیں نہیں بتایا کہ انہوں نے انگریزی ترجمہ کہاں سے لیا ہے۔ قیاس ہے کہ سرائیکی ترجمہ تو ان کا اپنا ہے۔ لیکن انگریزی ترجمہ مارما ڈیوک پکتھال کے ترجمے سے لیا گیا۔ آیات منتخبہ کے انگریزی، سرائیکی دونوں تراجم کے بعد ایک مختصری تشریح ہے جو نئے صفحہ سے پہلے ختم ہو جاتی ہے یعنی ہر صفحہ آیت کے عربی متن، ترجمہ انگریزی، ترجمہ سرائیکی منظوم اور تشریح پر محیط ہے تمام آیات اعراب کامل کے ساتھ آراستہ و پیراستہ ہیں۔

محاسن

مترجم ذی وقار نے قرآن حکیم کی منتخب آیات قرآنی کا منظوم سرائیکی ترجمہ تصنیف کر کے ایک منفرد علمی و ادبی کاوش کی ہے۔ اس سے قرآنی ادب میں گرانقدر اضافہ ہوا ہے یہ ترجمہ گوناگوں خوبیوں سے متصف ہے جو درج ذیل ہیں:

پہلا وصف جس کا ذکر کرنا ضروری ہے وہ ہے آیات کا انتخاب۔ فاضل مصنف نے جن قرآنی آیات کا انتخابات کیا ہے وہ دو اوصاف سے متصف ہیں ایک یہ وہ مختصر ہیں دوسرا وہ جامع ہیں۔ زندگی کے کسی نہ کسی شعبے سے متعلق ہیں مثلاً حق گوئی کے بارے میں جس آیت کا انتخاب فرمایا ہے وہ یہ ہے۔(232)

یَا اَهْلَ الْکِتَابِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۳:آل عمران:۷۱)

کوڑ تے سچ کوں ملیندے کیوں ہوے اہل کتاب
جان اجھ کے وی تساں حق تمیں چیندے ہو حجاب

مندرجہ بالا آیت کا انتخاب ایک خاص موضوع کو سامنے رکھ کر کیا گیا۔ یہود و نصاریٰ کتمان حق کے مرتکب ہو رہے تھے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تھی۔ مصنف موصوف نے اس آیت کے ترجمے کو منظوم سرائیکی میں موثر اسلوب میں ڈھالا ہے۔ زیر نظر ترجمے کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ ان منتخب آیات میں دعائیں بھی ہیں مثلاً اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (۲:البقرہ:۲۰۱)(233)

ایں جہاں تے اون جہاں دے ڈے چنگی رب العلا
نار دوزخ توں وی ساکوں خود بچانویں کبریا

اس منظوم ترجمے میں مصنف موصوف نے قاری کی توجہ بڑے موثر انداز میں آخرت کی طرف مبذول کرائی ہے اور سرائیکی ادب کی چاشنی بھی عیاں ہے اور سرائیکی شاعری کا حسن بھی اپنی جگہ نمایاں ہے۔

سرائیکی زبان کی ملاوٹ اور جاذبیت بھی فاضل مترجم کے ترجمے کا ایک وصف ہے جیسے

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (۵۵:الرحمٰن:۱۳)(234)

رب نے کیتیاں نعمتاں جو جگ اتیں تہاکوں عطا
کہڑیاں کہڑیاں نہ منیسو سوچ کے ڈسو بھلا

فاضل مترجم نے جہاں معریٰ اور مخفی ترجمے میں اپنی علمیت اور مہارت کے جوہر دکھائے ہیں وہاں منظوم تراجم میں اپنا لوہا منوایا ہے۔ آپ نے قرآن کو سرائیکی زبان میں اسطرح منظوم کیا ہے کہ پورا مفہوم واضح ہو جاتا ہے جیسے

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْۤ اَمْرِیْ (۲۰:طٰہٰ:۲۶)(235)

دل میڈے کوں کھول رب احسان کر
ہر میڈی مشکل کوں وی آسان کر

اسی طرح

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (۵۵:الرحمٰن:۶۰)

قرآن وچ اعلان ہے رحمان دا
احسان ہے بدلہ فقط احسان دا

نقد و نظر

زیرِ نظر ترجمہ قرآن پاک کے منظوم تراجم میں ایک منفرد اضافہ ہے جو کئی اوصاف سے بہرہ ور ہے مگر اس میں کچھ سقم رہ گئے ہیں۔ آیات کا انتخاب مصنف گرامی نے نہ جانے کس بات کو مدِنظر رکھ کر کیا۔ زیرِ نظر کتاب میں چھیاسی آیات مرقوم ہیں۔ ہر آیت کا اپنا موضوع ہے۔ تعزیرات سے لیکر روزمرہ کے معاملات تک سب سے متعلق آیات کریمہ ضبط کی گئی ہیں۔ ان میں اگر کوئی پہلو مشترک ہے تو وہ ان کا اختصار ہے۔ بے شک تمام آیات مختصر ہیں ان کا اختصار ہی ان کی وجہ انتخاب ہے اگر اس بات سے ہٹ کر مصنف ذی وقار کسی موضوع خاص کے تحت آیات کا انتخاب فرماتے تو وہ تاثیر اور ابلاغ کے اعتبار سے زیادہ سودمند ہوتا یہ اس ترجمے کا سقم ہے۔

منتخب آیات کا انگریزی ترجمہ گو ہمارا موضوع نہیں لیکن کتاب کا ایک جزو لاینفک ہونے کی وجہ سے اس سے اغماض نہیں برتا جا سکتا۔ آیات کریمہ کا انگریزی سے ہٹ کر قدیم کلاسیکل لٹریچر کی انگریزی کو اپنایا گیا ہے جو قاری پر سوائے بوجھ کے اور کچھ نہیں اس سے کتاب کا حسن کم ہوا ہے بڑھا نہیں ہے یہ بھی اس ترجمے کا ایک سقم ہے۔

فاضل مترجم کے ترجمے کا ایک سقم یہ کہ ہے آیات مبارکہ کا عربی متن اگرچہ مُعرب ہے لیکن اس کا اعراب صحت کے معیار پر پورا نہیں اترتا۔ مثلاً:

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ

اس آیت میں "الموتُ" لکھا گیا ہے جبکہ درست اعراب "الموتِ" ہے۔ (236)

اسی طرح:

"فَسَيُحِّدُ" مرقوم ہے واؤ کے بعد الف نہ ہے اور اسی آیت میں الکافرین کو الکافرون لکھا گیا ہے۔ (237)

اعراب کی غلطی کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیں:

فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ

تحریر ہے اموات کو امواتٌ لکھا گیا اسی طرح:

يَاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَارَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ

اس آیت مبارکہ میں "کلوا کو کلو، رزقنکم کو رزقنکم اور اشکروا کو اشکر" لکھا گیا ہے اس آیت کا نمبر بھی درست نہیں ہے۔ آیت نمبر 172 ہے 176 نہیں (238) زیرِ نظر ترجمے میں سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 186 میں فلیستجیبوا لی کو فستجیبو لی لکھا گیا ہے اور اسی سورۃ کی آیت نمبر 196 ملاحظہ فرمایئے۔ (239)

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعَمْرَةَ لِلّٰهِ (240)

اس آیت میں والعمرۃ کو والعمرۃ لکھا گیا ہے، سورۃ الصف کی دوسری آیت میں لم تقولو مالا تفعلون میں لم تقولون کو لم تقلو تحریر کیا گیا ہے اور سورۃ الجن کی آیت نمبر 18 میں وان المساجد اللہ کو وان للہ مسجد للہ لکھا گیا ہے علی حذۃ القیاس شاذ ہی کوئی آیت ایسی ہو جو اعراب کی اغلاط سے پاک ہو۔ متن کے حسن کو جہاں اعراب کی اغلاط نے مات کیا وہاں طباعت کی سقم نے اس میں اور اضافہ کر دیا مثلاً صفحہ نمبر 42,35 اور 79 کا متن پڑھا ہی نہیں جا سکتا۔

رحمت دعا قرآنی دعائیں معہ اردو، انگریزی و منظوم سرائیکی ترجمہ

استاذ محمد رمضان طالبؔ ڈیروی مرحوم و مغفور

تاریخ طباعت: 2006ء مقام طباعت: ڈیرہ غازیخان

''رحمت دعا'' تیس قرآنی دعاؤں کا مجموعہ ہے جسے مصنف نے اردو، انگریزی اور منظوم سرائیکی ترجمے کے ساتھ طبع فرمایا ہے۔ کتاب بشمول مقدمہ و انتساب بتیس صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب عام کتابی سائز میں ہے۔ گرد و پیش سفید کارڈ کے ساتھ ہے جس کے دونوں طرف نیلے رنگ کے خوبصورت باڈر میں کتاب کا نام اور ناشر کا نام درج ہے۔

دائیں طرف کا ٹائٹل اردو رسم الخط میں ہے جبکہ بائیں طرف کا ٹائٹل انگریزی، اردو اور سرائیکی میں ملا جلا ہے انگریزی عنوان ''TheBlessings'' دیا گیا ہے۔ نیچے سرائیکی کے دو اشعار ہیں جو مصنف کے قلم سے ہیں۔ جن میں رب کے حضور دعا اور التجا کی گئی ہے۔ اشعار کے نیچے ''قرآنی آیت انگریزی ترجمہ'' کا عنوان ہے پھر چوکھٹے میں سرائیکی کے ایک شعر کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے رحمت کی دعا کی گئی ہے۔ چوکھٹے کے نیچے Quranic Prayers کا ہیڈنگ دیا گیا ہے۔ کتاب کی پشت پر سب سے نیچے فرید سرائیکی سنگت کا پتہ اور ٹیلی فون نمبر دیا گیا ہے۔ تمام کے صفحات مستطیل چوکھٹے کے اندر ہیں۔ نصف کتاب کے چوکھٹے سیاہ اور باقی نصف کاسنی رنگ کے ہیں۔ کتاب کے شروع میں چھ صفحات پر مشتمل ایک مقدمہ جو مصنف کے قلم سے ہے۔ اسی میں کتاب ہٰذا کی تاریخ تصنیف رقم ہے جو ۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۶ھ بمطابق ۱۱ اپریل 2006ء ہے۔ مقدمہ میں وجہ تالیف بھی بیان کی گئی ہے اس بارے میں فاضل مترجم یوں رقمطراز ہیں:

> ''ربیع الاول کا چاند نظر آ گیا ہے بارہاں وفات اور میلاد النبی ﷺ کی تقریبات زوروں پر ہیں۔ فرید سرائیکی سنگت کی ہر دینی اور قومی تہوار کے موقع پر کچھ نہ کچھ شائع کرنے کی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے وقت گزارنے کیلئے جسکانی صاحب کے ہدیہ رحمت دعا سے روزانہ ورد کی بنا پر ان قرآنی دعاؤں کو دے گئے اردو انگریزی ترجمہ کے ساتھ اپنے قلم کو سرائیکی منظوم مفہوم کے اضافے کے ساتھ شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ ۱۲ ربیع الاول میرے مرحوم بیٹے اخلاق سعید اور 19 اپریل میرے یوم پیدائش ہیں اللہ تعالیٰ ہدیہ قبول فرمائے آمین۔''(243)

مصنف موصوف مزید لکھتے ہیں:

> ''رحمت دعا طاہر شفیق کی تحریر ہے۔ دعا کے بارے میں ان کے کچھ اقتباسات پیش کر کے انہیں بھی اس کتاب کی اشاعت میں حصہ دار بنانا فرض سمجھتا ہوں۔''(244)

مقدمے کے بعد ایک صفحے پر مشتمل انتساب ہے جس میں مصنف موصوف نے اپنی اس کاوش کو اپنے دوستوں اور بزرگوں کے نام منتسب کیا ہے۔ اپنے مخلص اور دیرینہ ساتھیوں کا ذکر کیا ہے جن میں حاجی کریم نواز خان جسکانی کتاب کے معاون طاہر شفیق، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ علیہ، مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ، حضرت مولانا فتح محمد جالندھریؒ، جناب حسین محمد ماریا ڈیوک، حضرت مولانا عبدالماجد دریا آبادی، علامہ عبداللہ یوسف علی صاحب، پسران مصنف جن کے نام کتاب کا انتساب کیا گیا ہے۔

طریق کار

مصنف موصوف نے قرآن مجید کے ترجمے کے حوالے سے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جو نثر میں بھی ہیں نظم میں بھی۔ ہر کتاب کا اپنا اپنا طریق کار اور انداز تصنیف ہے۔ زیر نظر کتاب کا طریق کار یہ ہے کہ موصوف نے دعائے ابراہیمی سے کتاب کا آغاز کیا ہے اور اس سے پہلے ایک طویل مقدمہ ہے جو چھ صفحات پر مشتمل ہے اس میں اپنی دوسری کتب کا ذکر بھی کیا ہے۔ کتاب کے وجہ تالیف کے بارے میں بھی بیان کیا ہے او دعا کی اہمیت اور عظمت کو واضح کیا ہے اس بارے میں رسول ﷺ کا ایک ارشاد نقل فرمایا ہے:

''تم میں سے، جس شخص کیلئے دعا کا دروازہ کھول دیا گیا یعنی دعا مانگنے کی توفیق دے دی گئی اس کیلئے رحمت کے دروازے کھول دیے گئے دعا کے سوا کوئی چیز قضا یعنی تقدیر کو رد نہیں کر سکتی۔''

دعا کی اہمیت وعظمت واضح کرنے کے بعد دعا کی شرائط بیان کی ہیں لکھتے ہیں:

''دعا کے ساتھ توکل علی اللہ اخلاص نیت نیک عمل اور صبر واستقامت ضروری لوازم ہیں۔ اخلاص کے ساتھ مانگی ہوئی دعا جو دل کی گہرائی سے نکلے وہ ذات باری تعالیٰ کے اختیار کل اور وحدت الوجود پر ایمان کو ظاہرہ کرتی ہے''۔(245)

دعا کی قبولیت کیلئے ایمان کامل کا ہونا بھی ضروری ہے لکھتے ہیں:

''پس دعاؤں کو مستجاب بنانے اور دین و دنیا میں خیر وفلاح حاصل کرنے کیلئے خوف خدا تقوی اور اعمال صالحہ بنیادی شرائط ہیں مزید برآں سائل کو صاحب صبر بھی ہونا چاہیے۔ پورے خشوع وخضوع کے ساتھ دعا مانگے اور صدق دل سے مانگے اللہ کی رحمت پر توکل اور اسکی رضا پر سر تعلیم خم کرے''۔(246)

کتاب کا مجموعی طریقہ کار یہ ہے کہ سب سے پہلے دعا کا نام انگریزی اور اردو میں رقم ہوتا ہے وہی اس کا عنوان ہوتا ہے اور اس کے نیچے عربی میں مکمل اعراب کے ساتھ دعا کا متن ہوتا ہے۔ متن جلی حروف میں دیا گیا ہے پہلے اس کا ترجمہ اردو میں ہے پھر انگریزی تراجم نثر میں ہیں اور سرائیکی ترجمہ نظم میں ہے۔

دعاؤں کی ترتیب نہ تو زمانی ہے اور نہ توقیفی فی البدیہہ معلوم ہوتی ہے۔ یہ ترتیب بھی شاید مصنف کی نہیں بلکہ کسی اور صاحب کی ہے جیسا کہ کتاب کے دیباچے میں مرقوم ہے''رحمت دعا'' طاہر شفیق کی مرتب تحریر ہے مترجم رقمطراز ہیں:

''دعا کے بارے میں ان کے کچھ اقتباسات پیش کر کے انہیں بھی اس کتاب کی اشاعت میں حصہ دار بنانا فرض سمجھتا ہوں اللہ تعالیٰ انہیں جزائے کثیر عطا فرمائے۔''

پہلی دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہے اور آخری دعا حضرت نوح علیہ السلام اور تمام مومنین کی دعا ہے۔ دعاؤں کے شروع میں سورۃ الفاتحہ مع ترجمہ انگریزی، اردو اور منظوم سرائیکی مرقوم ہے۔ دعاؤں کے آخر میں مصنف موصوف کی ایک منظوم دعا ہے اور اسکے خواہش کا اظہار کیا گیا ہے جو ان الفاظ کے ساتھ ہے۔

مراں وچ مدینے پاک اندر
بنے قبر بقیع دی خاک اندر
پیوں طالب کوثر سئیں دے ہتھوں
ایہو شوق ہے ہس اوراک اندر

فاضل مترجم کثیر التصانیف مصنف ہیں۔ آپ کی تصنیف کردہ کتب تعداد تیس سے زائد ہے۔ قرآن مجید کے تراجم کے حوالے سے آپ کا کام یادگار رہے گا۔ آپ نے قرآن مجید کی منتخب آیات اور سورتوں کا منثور ترجمہ بھی کیا ہے۔ محشّی ترجمہ بھی ہے اور سب سے زیادہ اہم بات آپ نے قرآن مجید کی مختلف آیات کا منظوم سرائیکی ترجمہ بھی کیا ہے۔ مصنف موصوف نے قرآنی دعاؤں کا جو منظوم ترجمہ رقم کیا ہے وہ بہت سے اوصاف اور محاسن سے آراستہ ہے جن میں کچھ یہ ہیں:

اس ترجمے کا ایک وصف یہ ہے کہ اس میں قرآنی دعاؤں کا انتخاب کر کے اس کا منظوم سرائیکی ترجمہ کیا گیا ہے۔ فاضل مترجم نے بہت ہی خوبصورت انداز میں ان دعاؤں کو منظوم سرائیکی میں ڈھالا ہے مثال کے طور پر دعا تا بعین موسیٰ کا منظوم سرائیکی ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ وَ نَجِّنَا بِرَحْمَتِکَ مِنَ الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ (247)

اے رب اسا ڈے ساکوں توں فتنہ ظالم توں بچا
نجات ڈے کافراں توں اپنی رحمت وچ لکا

مترجم ذی وقار نے ایک شعر میں اس دعا کا خلاصہ دیا ہے جو جامع اور پر مغز ہے۔ آپ نے منفرد انداز میں قرآن مجید کے منثور متن کو منظوم کیا ہے اس سے آپ کی خداداد شاعرانہ صلاحیت عیاں ہوتی ہے یہ مختصر اور جامع ترجمہ ہے۔

فاضل مترجم نے قرآن پاک کے مخزی اور محشّی تراجم بھی خوب کیے ہیں مگر قرآن کے عربی متن کا جسطرح سرائیکی زبان میں منظوم کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ایک شعر میں مکمل ابلاغ ہے مثلاً اس دعا کا منظوم ترجمہ ملاحظہ فرمائے:

اَنِّی مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ (248)

دشمناں دے مقابل بندہ سروں مغلوب ہے
توں مدد کر میڈی رب ایہو میکوں مطلوب ہے

اس منظوم ترجمے میں مصنف نے مختصر اور جامع انداز میں قرآنی مفہوم کو بیان کیا ہے۔ دعا ماثورہ ہے اس میں شعری اور صوتی حسن دونوں موجود ہیں ردیف قافیہ بھی درست ہیں اور مترجم نے خداداد شاعرانہ صلاحیت کا بھرپور انداز میں استعمال کیا ہے۔ زیر نظر منظوم سرائیکی ترجمے میں مترجم نے اثر آفرینی کی کیفیت برقرار رکھی ہے۔ نثر کی نسبت شاعری زیادہ موثر انداز رکھتی ہے ذیل میں اس دعا کا ترجمہ منظوم کیا گیا ہے جو ہر مسلمان نماز میں اللہ تعالیٰ سے التجا کرتا ہے:

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ (249)

میکوں نمازاں قائم کرن والا توں رب سئیں بنا
تے میڈی اولاد سانگے منظور کر ایہا دعا
میکوں تے ماپیو میڈے کوں بخش ڈے رب رحیم
بخشش سارے موماناں دی ڈیہنہ حشر کریں کریم

نقد و نظر

زیر نظر ترجمہ قرآنی دعاؤں کی کتاب "رحمت دعا" تین زبانوں کے تراجم پر منحصر ہے جس میں قاری کیلئے بڑا تنوع اور دلچسپی کا سامان موجود ہے کیونکہ ہمارا موضوع صرف سرائیکی ترجمہ ہے اس لیے ہم اردو اور انگریزی تراجم سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف سرائیکی منظوم ترجمے پر نظر ڈالتے ہیں۔

پہلی بات جو ترجمے میں کھٹکتی ہے وہ یہ ہے کہ مترجم کو ترجمہ کرنے کیلئے ایک چھوٹی سے دعا کیلئے پورا شعر یعنی دو مصرعے لانے پڑے تب بھی ترجمے میں سقم رہ گیا جیسے دعا برائے والدین Prayer for parents ملاحظہ فرمایئے:

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا (250)

میڈی اماں بابے تیں سیں رحماں وا مینہ وسا
انہاں جو کیتی میڈی خدمت ڈے انہاں کوں سیں جزا

اس دعا کا ترجمہ ایک شعر میں کیا گیا ہے پورا ترجمہ نہیں ہوا ترجمہ یوں ہونا چاہیے تھا کہ "اے میرے رب ان دونوں پر مہربانی فرما جیسے انہوں نے مجھے بچپن میں پالا" اس منظوم ترجمے میں صغیرا کے معنی نہیں آئے اور یہی اس ترجمے کا سقم ہے۔ اس ترجمے میں شعری ضرورت کو پیش نظر رکھا گیا ہے جس سے مترجم موصوف سے ترجمے کی صحت کا خیال نظر انداز ہو گیا ہے مثلاً یہ دعا آنحضرت ﷺ Prayer of Prophet Muhammad (S.A.W.S) ملاحظہ فرمایئے:

وَاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا (251)

اس دعا کا ترجمہ دو اشعار میں کیا گیا۔ دعا کے اس آخری حصے کا منظوم ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

اے رب کبریا ساکوں توں رحمت توں نواز
درست کر ڈے کم اساڈے جو توں ہیں اس کارساز

اس پورے شعر میں اس آیت کے معنوی تقاضے پورے نہیں ہوتے اور بعض دعاؤں میں تو ترجمہ عربی متن سے بالکل دور ہو گیا ہے جیسے دعا موسیٰ Prayers of Prophet Musa (AHS) پر نظر ڈالیے (252)

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْ اَمْرِيْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ

اے رب لم بڑل سینہ میڈا توں کھول ڈے
تے ہر میڈے کم دے اندر رحمت دی جھولی جھول ڈے
میڈی زبان دی گنڈھ دی رب ساری ڈے اصلوں ہٹا
لوگ میڈی گال مجھن ساری صاف اے کبریا

ان اشعار میں رحمت دی جھولی جھول، لوگ میڈی گال مجھن اور اے کبریا کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں یہ کن کلمات کے متبادل ہیں کچھ پتہ نہیں۔

سوجھل نعمتاں

استاذ محمد رمضان طالبؔ مرحوم و مغفور

تاریخ: 2006ء　　　　مقام طباعت: ڈیرہ غازی خان

یہ قرآن پاک کی زینت سورۃ الرحمٰن کا اردو اور انگریزی ترجمے کے علاوہ سرائیکی منظوم مفہوم کے ساتھ ساتھ سرائیکی نثر میں وضاحت بھی دی گئی ہے اس کا نام مصنف موصوف نے ''سوجھل نعمتاں'' رکھا۔

اس کا سرورق خوبصورت ہے۔ جس کے اوپر ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' نہایت ہی منفرد انداز میں ہے۔ اس کے نیچے ''فبای الاء ربکما تکذبان'' رقم کیا گیا ہے جس کے نیچے کتاب کا عنوان ''سوجھل نعمتاں'' تحریر کیا گیا ہے۔

سب سے نیچے ناشر کا نام طبع کیا گیا ہے۔ ناشر فرید سرائیکی سنگت ڈیرہ غازی خان نے اسے بلوچ عدنان پریس ڈیرہ غازی خان سے طبع کرایا۔ اس سنگت کے سرپرست جناب اعجاز ڈیروی ہیں اور معاون خاص جناب اختر کھوسہ ہیں۔ دیگر معاونین میں عبدالرحمٰن عبد جام پوری، نواز جاوید، کاشف چوہان، رئیس عدیم، صدیق لاشاری، حاجی محمد مشوری، ارشاد احمد ناصر، اجمل حیات اور مبشر اخلاق ہیں۔ اس کی کمپوزنگ شیخ طارق محمود نے کی ہے اور یہ 5 جنوری 2006ء کو زیور طباعت سے آراستہ ہوئی اور اس کا ہدیہ ''دعا اتحاد عالم اسلام و استحکام پاکستان'' رکھا گیا ہے۔

کتاب کا انتساب ان الفاظ کے ساتھ مرقوم ہے:

'ناںواں صاحب قرآن پاک، ہادی عالم، ختم الرسول تے شافعی امت حضرت محمد ﷺ تے ہر اوں امتی دے ناں جو اللہ تعالیٰ دی طرفوں عطا تھیون بے بہا تے انمول نعمتاں دا شکرادا کریندے۔''

''الحمد لله رب العلمين'' کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے مصنف موصوف لکھتے ہیں:

''اج تو ترے سال پہلے ہک کتاب 'سوجھل سوچاں' دے عنوان نال شائع کیتی ہیندے وچ قرآن پاک دیاں کجھ خاص آیتاں انگریزی ترجمے تے سرائیکی منظوم تے مفہوم نال شائع کیتیاں گیاں بفضل باری تعالیٰ میڈے ایں ہدیے کوں پسند کیتا گیا، فرید سرائیکی سنگت اپنے منشور دے مطابق اسلامی اقدار تے نظریہ پاکستان دا تحفظ دے علاوہ علاقائی ادب دی ترویج تے ترقی واسطے اپنا فرض ادا کرن دی کوشش کریندی اے تے ہر قومی تے مذہبی تہوار دے موقع تیں کوئی چھوٹی وڈی کتاب شائع کرڈیندی اے ایں سال رمضان شریف وچ قرآج پاک دی سورۃ الرحمٰن کوں اردو، انگریزی ترجمے دے علاوہ سرائیکی دے منظوم مفہوم نال شائع کر کے اپنے دل دی حسرت پوری کیتی''۔

زیر نظر ترجمے میں ''سورۃ الرحمٰن'' کا اردو ترجمہ علامہ شبیر احمد عثمانی کا ہے جبکہ انگریزی ترجمہ محمد اشفاق احمد کا ہے۔ مصنف موصوف اس سے پہلے قران پاک کے آخری پارے پچیس سورتوں اور منتخب آیات کا منظوم، نثری، مخمسی اور منظوم ترجمہ بھی کر چکے ہیں۔ سورۃ الرحمٰن کے سرائیکی منظوم مفہوم سے مترجم دی وقار کی ایک اور منفرد کوشش سامنے آئی ہے جو منظوم دینی ادب میں گرانقدر اضافہ ہے۔

طریق کار

مصنف موصوف نے قرآن مجید کی کئی سورتوں اور آیات کے تراجم رقم کیے ہیں، جن میں ہر ایک کا طریق کار مختلف ہے۔ زیر نظر ترجمہ بھی ایک منفرد طریق کار کے تحت کیا گیا ہے جو مربوط ہے اور اس کے آغاز سے اختتام تک یکسانیت پائی جاتی ہے۔ کتاب کا آغاز انتساب سے ہوتا ہے جو پورے ایک صفحے پر مشتمل ہے اگلا صفحہ نمبر 1 ہے۔ جس کا آغاز "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے ہوتا ہے۔ دیباچے میں زیر نظر ترجمے کی وجہ تصنیف بیان کی گئی ہے اور اس ترجمے کی تکمیل میں تاخیر کے اسباب ان اشعار میں بیان کیے گئے ہیں:

ہجھ روز اجر دا رہ ویندے
ایویں وقت گذر دا رہ ویندے
بس طالب رب دے خوف کنوں
دل موت توں ڈر دا رہ ویندے

دیباچے کے آخر میں بخشش، صحت ایمان کی سلامتی اور خاتمہ بالخیر کی دعا کی گئی ہے۔ "سورۃ الرحمٰن" کا تعارف ایک سطر میں صرف عربی زبان میں کرایا گیا ہے جو یوں ہے "سُوْرَۃُ الرَّحمٰنِ مَدَنِیَّۃٌ وَّھِیَ ثَمَانٌ وَّ سَبْعُوْنَ اٰیَۃً وَّ ثَلٰثُ رَکُوْعَاتٍ" بعد ازاں بسم اللہ الرحمن الرحیم رقم کیا گیا ہے اور اس کے نیچے دو سطروں میں اس کا انگریزی ترجمہ دیا گیا ہے پھر ایک شعر میں سرائیکی ترجمہ مرقوم ہے۔(253)

نام اللہ توں شروع جو وڈا رحمان ہے
تے رحیمی دے اندر او آپ ای ذیشان ہے

اس شعر کے بعد سرائیکی نثر میں اسکی وضاحت کی گئی ہے جو گیارہ سطور پر مشتمل ہے۔

اگلے صفحے پر سورۃ الرحمن کی پہلی چودہ آیات کا عربی متن دیا گیا ہے اور بین السطور اردو ترجمہ دیا گیا ہے جو علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا ہے۔ یہ ترجمہ بامحاورہ ہے عربی متن جلی حروف میں دیا گیا ہے اور اردو ترجمہ آسانی سے پڑھا جا سکتا ہے۔ ہر آیت کے آخر میں نمبر تحریر کیا گیا ہے پھر ایک صفحے پر انہیں آیات کا انگریزی ترجمہ مرقوم ہے جو محمد اشفاق احمد کا ہے۔ اس کے بعد ایک صفحے پر "منظوم مفہوم" دیا گیا ہے۔ پھر ایک صفحے پر سرائیکی نثر میں اسکی وضاحت کی گئی۔ ہے سورۃ الرحمن کا مکمل ترجمہ اسی طریق کار کے تحت منضبط کیا گیا ہے۔ آغاز سے انجام تک یکسانیت پائی جاتی ہے۔ انگریزی ترجمہ رکوع کے اعتبار سے تقسیم کیا گیا ہے عربی متن میں جن نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے نیچے ان کی تصویریں ہیں اور صفحہ 16 پر چاند اور سورج کی تصویریں ہیں آیئے ایک مثال ملاحظہ فرمایئے:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلٰلِ وَالْاِ كْرَام

Whoseever is on the earth that is perishing. And shall remain abiding the face of the Lord,majestic,grand. اب سرائیکی منظوم مفہوم ملاحظہ ہو(254)

کجھ نی رہنا اتھاں تھی ویسی سب دنیا فنا
رب ذوالجلال دے نام کوں ہے بس بقا

فاضل مترجم کثیر التصانیف مصنف ہیں۔قرآنی ادب میں آپ کی تمام کاوشیں لائق صد تحسین ہیں۔آپ نے سرائیکی دینی ادب کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔زیر نظر ترجمہ بہت سے اوصاف اور محاسن سے آراستہ ہے جن میں سے کچھ درج ذیل ہیں۔اس ترجمے کا سب سے پہلا وصف یہ ہے کہ قرآن مجید کی ایک ایسی سورۃ کا انتخاب کیا گیا ہے جسے "عروس القرآن" کہا گیا اور یہ قرآن مجید کی سب سے خوبصورت سورۃ ہے۔تاثیر میں اپنی مثال آپ ہے اس کے پڑھنے اور سننے سے قلوب منور ہوتے ہیں مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ (255)

ڈر کے جنہیں کیتی عبادت سوہنے رب دی بے ریا

باغ ڈو جنت دیوچ تھیسن انہاں کوں عطا

اس آیت کے منظوم مفہوم میں مترجم ذی وقار نے تقویٰ کی طرف توجہ دلائی ہے کہ انسان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے دوسری بات یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ریاکاری سے اجتناب کرنا چاہیے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کو جنت میں دو باغ عطا کرے گا۔فاضل مترجم نے اعمال کی جواب دہی اور سزا و جزا کے عمل کو بھی موثر انداز میں بیان کیا ہے اور قاری کو یہ احساس دلایا ہے کہ مجرم کبھی بچ نہیں سکیں گے انہیں ہر صورت میں جہنم میں ڈالا جائے گا اور کسی قسم کی رعایت نہیں برتی جائے گی جیسے:

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ (256)

منہ دے رنگ توں سارے مجرم ہسن سنجا پوتھی ویسن

والیں تے پیریں کنوں آکے ملک پکڑی ویسن

فاضل مترجم کمال تجربے کی بنا پر قاری کو یہ احساس دلایا ہے کہ مجرم اپنے چہرے کے تاثرات سے پہچان لیے جائیں گے اور انہیں ان کی جرم کی سزا ضرور ملے گی اور فرشتے ان کو بالوں اور پاؤں سے پکڑ کے گھسیٹ کر دوزخ میں پھینک دیں گے۔

مصنف موصوف نے جنت کی نعمتوں کا ذکر ادبی چاشنی کے ساتھ کیا ہے۔آپ صاحب طرز ادیب و شاعر ہیں آپ کے کئی شعری مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں اس لیے آپ نے ترجمے کے ادبی حسن کو بھی پیش نظر رکھا ہے مثال کے طور پر اس آیت کریم کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ (257)

خیماں اندر بیٹھیاں ہوسن حوراں وی ہس بے شمار

جنتی لوکاں دی خدمت واسطے ہوسن تیار

مندرجہ بالا شعر میں فاضل مترجم کی خداداد صلاحیت نمایاں ہوتی ہے۔آپ نے زیادہ تر اصلاحی شاعری کی ہے۔اس لئے آپ کے کلام میں یہ پہلو عیاں ہے اور اس سے قاری کو جزا کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کے وعدے کا اظہار بھی ملتا ہے۔

حوالہ جات باب سوم

1۔ احمد بخش مولوی، پارہ الٓم مترجم ملتانی، لاہور، گلزار محمدی، ۱۸۹۰ء۔
2۔ صابر ملتانی خیر الدین مولانا، پارہ اول مترجم بامحاورہ بزبان ملتانی، ۱۹۲۵ء۔
3۔ عبد التواب ملتانی، عمّ یتساءلون، ملتان، عبد الوسیع تاجران کتب، ۱۹۴۰ء۔
4۔ محمد یوسف چغتائی، قرآن مجید مترجم، کبروڑ پکا، دار الشفاء، ۱۹۵۲ء۔
5۔ نور احمد سیال، تفرید القرآن، بہاولپور، انجمن حفظ القرآن، ۱۹۷۵ء۔
6۔ سجاد حیدر پرویز، سرائیکی زبان وادب کی مختصر تاریخ، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۱ء، ص ۳۲۲۔
7۔ احمد بخش مولوی، پارہ الٓم مترجم ملتانی، لاہور، گلزار محمدی، ۱۸۹۰ء، ص آخر۔
8۔ ایضاً، ص ۳۱۔
9۔ ایضاً، ص ۲۷۔
10۔ ایضاً، ص ۲۵۔
11۔ ایضاً، ص ۲۔
12۔ ایضاً، ص ۲۔
13۔ ایضاً، ص ۲۔
14۔ ایضاً، ص ۲۔
15۔ ایضاً، ص ۲۔
16۔ ایضاً، ص ۱۔
17۔ ایضاً، ص ۵۔
18۔ ایضاً، ص ۷۔
19۔ ایضاً، ص ۳۱۔
20۔ ایضاً، ص ۷۔
21۔ ایضاً، ص ۳۔
22۔ ایضاً، ص ۱۔
23۔ ایضاً، ص ۲۸۔
24۔ ایضاً، ص ۲۸۔
25۔ احسان الحق، پوتا مترجم انٹرویو، ڈیرہ غازی خان، ۳۰ ستمبر ۲۰۰۷ء۔
26۔ صابر ملتانی خیر الدین مولانا، پارہ اول مترجم بامحاورہ بزبان ملتانی، لاہور، گیلانی پریس ۱۹۲۵ء، سرورق

27- ایضاً، گیلانی پریس ۱۹۲۵ء، ص ۲۔
28- ایضاً، ص ۳۔
29- ایضاً، ص ۵۔
30- ایضاً، ص ۱۔
31- ایضاً، ص ۵۶، ۵۷۔
32- ایضاً، ص ۳۔
33- ایضاً، ص ۳۲، ۳۳۔
34- ایضاً، ص ۶، ۷۔
35- ایضاً، ص ۱۰، ۱۱۔
36- ایضاً، ص ۱۲، ۱۳۔
37- ایضاً، ص ۷۶، ۷۷۔
38- ایضاً، ص ۳۴، ۳۵۔
39- ایضاً، ص ۳۔
40- ایضاً، ص ۱۲، ۱۳۔
41- ایضاً، ص ۱۲، ۱۳۔
42- ایضاً، ص ۲۲، ۲۳۔
43- ایضاً، ص ۲۲، ۲۳۔
44- حفیظ الرحمٰن مولانا، بارھواں سورۃ، بہاولپور، مکتبہ عزیزیہ ۱۳۷۱ھ، ص ۲۔
45- ایضاً، ص ۳۔
46- ایضاً، ص ۲۳۔
47- ایضاً، ص ۱۶۔
48- ایضاً، ص ۳۸۔
49- ایضاً، ص ۲۳۔
50- ایضاً، ص ۱۶۔
51- ایضاً، ص ۲۳۔
52- ایضاً، ص ۳۶۔
53- ایضاً، ص ۳۰۔

54۔ ایضاً،ص ۲۵۔

55۔ عبید الرحمٰن سیٹھ،سرائیکی کتابیں،بہاولپور،سرائیکی ادبی مجلس،۱۹۸۳ء،ص ۳۵۔

56۔ سجاد حیدر پرویز پروفیسر،سرائیکی زبان وادب کی مختصر تاریخ،اسلام آباد،مقتدرہ قومی زبان،۲۰۰۱ء،ص ۳۴۱۔

57۔ نور احمد سیال،پارہ دوم تفرید القرآن،بہاولپور،انجمن حفظِ القرآن،۱۹۷۶ء،ص ۴۔

58۔ ایضاً،ص ۵۔

59۔ نور احمد بن شمس الدین سیال،تفرید القرآن،بہاولپور،انجمن حفظ القرآن،۱۹۷۶ء،ص ۱۱۔

60۔ ایضاً،ص ۱۳۔

61۔ ایضاً،ص ۲۶۔

62۔ ایضاً،ص ۳۰۔

63۔ ایضاً،ص ۳۱۔

64۔ ایضاً،پارہ ۲،ص ۷۔

65۔ ایضاً،پارہ ۲،ص ۱۷۔

66۔ ایضاً،پارہ ۳،ص ۱۵۔

67۔ ایضاً،پارہ ۲،ص ۱۷۔

68۔ ایضاً،پارہ ۲،ص ۱۔

69۔ ایضاً،پارہ ۲،ص ۳۲۔

70۔ ایضاً،پارہ ۳،ص ۱۱۔

71۔ ایضاً،پارہ ۳،ص ۱۱۔

72۔ ایضاً،پارہ ۳،ص ۱۔

73۔ سجاد حیدر پرویز ڈاکٹر،سرائیکی زبان وادب کی مختصر تاریخ،اسلام آباد،مقتدرہ قومی زبان،۲۰۰۱ء،ص ۳۲۲۔

74۔ خان محمد سلکانی،قرآن کریم وچ چوتھویاں آیتاں،ربوہ،نظارت اشاعت،۱۹۸۹ء،ص ۱۔

75۔ ایضاً،ص ۸،۹۔

76۔ ایضاً،ص ۲۱۔

77۔ ایضاً،ص ۳۹۔

78۔ ایضاً،ص ۵۶۔

79۔ ایضاً،ص ۵۵۔

80۔ ایضاً،ص ۲۳۔

81- ایضاً،ص۹،۸۔
82- ایضاً،ص۵۶۔
83- ایضاً،ص۱۔
84- ایضاً،ص۹۔
85- ایضاً،ص۱۸۔
86- ایضاً،ص۱۔
87- طالبؔ محمد رمضان، پارہ ۳۰ عم، ڈیرہ غازی خان، فرید سرائیکی سنگت، ۲۰۰۱ء، ص۲۔
88- ایضاً،ص۲۸۔
89- ایضاً،ص۲۹۔
90- ایضاً،ص۸۔
91- ایضاً،ص۲۰۔
92- ایضاً،ص۲۷۔
93- ایضاً،ص۲۶۔
94- ایضاً،ص۹۔
95- ایضاً،ص۳۔
96- ایضاً،ص۱۸۔
97- ایضاً،ص۲۷۔
98- صدیق شاکر پروفیسر ڈاکٹر، انٹرویو، ملتان، ۲۱ اپریل ۲۰۰۴ء۔
99- محمد تنزیل الصدیقی الحسینی، اصحاب علم و فضل، کراچی، اصلاح المسلمین پبلیشرز، ۲۰۰۵ء، ص۱۲۹۔
100- ملتانی عبدالتواب مولانا، پارہ الم، ملتان، عبدالواسع تاجران کتب، ۱۳۷۵ھ، ص۱۔
101- ایضاً،ص۲۔
102- ایضاً،ص۲۔
103- ایضاً،ص۱۱۔
104- ایضاً،ص۳۹۔
105- ایضاً،ص۳۷۔
106- ایضاً،ص۱۲۔
107- ایضاً،ص۱۹۔

161۔ ایضاً،ص ۷۔
162۔ دلشاد کلانچوی، دلشادیہ تفسیر القرآن العظیم سورۃ الفاتحہ، طبع دوم ۱۹۹۹ء، ص ۳۰۔
163۔ ایضاً،ص ۵۰۔
164۔ دلشاد کلانچوی، دلشادیہ تفسیر القرآن العظیم، بہاولپور، سرائیکی لائبریری، طبع اول، ۱۴۰۲ھ، ص ۱۸، ۱۹۔
165۔ ایضاً، ۱۹۹۹ء، ص ۲۸۔
166۔ ایضاً، ۱۹۹۹ء، ص ۴۱۔
167۔ ایضاً، ۱۹۹۹ء، ص ۵۳۔
168۔ ایضاً، ۱۹۹۹ء، ص ۱۴، ۳۰۔
169۔ ایضاً، ۱۹۹۹ء، ص ۴۳۔
170۔ ایضاً، ۱۹۹۹ء، ص ۳۹۔
171۔ ایضاً، ۱۹۹۹ء، ص ۱۰۔
172۔ ایضاً، ۱۹۹۹ء، ص ۲۰۔
173۔ ایضاً، ۱۹۹۹ء، ص ۳۴۔
174۔ عبدالحق مہر ڈاکٹر، جو ہم پہ گذری، غیر مطبوعہ ۱۹۹۲ء، ص ۲۳۹۔
175۔ عبدالحق مہر ڈاکٹر، الحمد اللہ، ملتان سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۸۶ء، ص ۱۲۔
176۔ ایضاً،ص ۳۔
177۔ ایضاً،ص ۲۱۔
178۔ ایضاً،ص ۳۵۔
179۔ ایضاً،ص ۴۱۔
180۔ ایضاً، ۴۳، ۴۴۔
181۔ ایضاً،ص ۹۵۔
182۔ ایضاً،ص ۹۹۔
183۔ ایضاً،ص ۸۵۔
184۔ ایضاً،ص ۱۰۷۔
185۔ ایضاً،ص ۱۰۶۔
186۔ سعیدی محمد اعظم علامہ، فرید التفاسیر، کراچی، سرائیکی ادبی سنگت پاکستان، ۱۹۸۸ء، ص ۲۔
187۔ ایضاً،ص ۳۔
188۔ ایضاً،ص ۳۔

189- ایضاً،ص۴۔
190- ایضاً،ص۴۔
191- ایضاً،ص۳۔
192- ایضاً،ص۵۔
193- ایضاً،ص۵۔
194- ایضاً،ص۶۔
195- ایضاً،ص۱۷۔
196- ایضاً،ص۱۰۔
197- ایضاً،ص۵۳،۵۴۔
198- ایضاً،ص۲۹۔
199- ایضاً،ص۸۔
200- ایضاً،ص۵۴،۵۵۔
201- ایضاً،ص۵۔
202- ایضاً،ص۳۲۔
203- ایضاً،ص۳۳۔
204- ایضاً،ص۱۴،۱۵۔
205- ایضاً،ص۵۴،۵۵۔
206- عبدالوھاب عباسی، انٹرویو، بہاولپور، ۱۳ مارچ، ۲۰۰۸ء۔
207- عبدالوھاب عباسی، قرآن کریم مع ترجمہ منظوم، غیر مطبوعہ، ص۱۔
208- ایضاً،ص۵۔
209- ایضاً،ص۳۰۔
210- ایضاً،ص۲۷۔
211- ایضاً،ص۳۴۔
212- ایضاً،ص۹۔
213- ایضاً،ص۱۔
214- ایضاً،ص۱۳۔
215- ایضاً،ص۱۔
216- ایضاً،ص۴۔

217۔ ایضاً،ص۹۔
218۔ ایضاً،ص۲۔
219۔ ایضاً،ص۵۔
220۔ غلام رضا سیورا بھٹی، قرآن مجید دیاں چھوٹیاں سورتاں سرائیکی ترجمے نال، منظوم سرائیکی ترجمہ، غیر مطبوعہ ۲۰۰۷ء۔
221۔ ڈینہہ وار جھوک، ملتان، ۲۸ اکتوبر ۲۰۰۷ء، ص۳۔
222۔ غلام رضا سیورا بھٹی، قرآن مجید دیاں چھوٹیاں سورتاں سرائیکی ترجمے نال منظوم سرائیکی ترجمہ، غیر مطبوعہ، ص۲۔
223۔ ایضاً، ص۱۔
224۔ ایضاً،ص۲۔
225۔ ایضاً،ص۱۔
226۔ ایضاً،ص۲۔
227۔ ایضاً،ص۲۔
228۔ ایضاً،ص۱۔
229۔ محمد رمضان طالب، سوجھل سوچاں، ڈیرہ غازی خان، فرید سرائیکی سنگت، ۲۰۰۳ء، ص۶۔
230۔ ایضاً،ص۵۔
231۔ ایضاً،ص۶۶۔
232۔ ایضاً،ص۲۳۔
233۔ ایضاً،ص۹۶۔
234۔ ایضاً،ص۸۱۔
235۔ ایضاً،ص۹۴۔
236۔ ایضاً،ص۲۹۔
237۔ ایضاً،ص۱۱۔
238۔ ایضاً،ص۱۳۔
239۔ ایضاً،ص۱۶۔
240۔ ایضاً،ص۱۷۔
241۔ ایضاً،ص۸۴۔
242۔ ایضاً،ص۸۵۔
243۔ ایضاً،ص۳۔

244۔ ایضاً،ص۳۔
245۔ ایضاً،ص۴۔
246۔ ایضاً،ص۵۔
247۔ ایضاً،ص۲۱۔
248۔ ایضاً،ص۲۸۔
249۔ ایضاً،ص۲۳۔
250۔ ایضاً،ص۲۴۔
251۔ ایضاً،ص۲۵۔
252۔ ایضاً،ص۲۵۔
253۔ ایضاً،ص۲۔
254۔ ایضاً،ص۱۱۔
255۔ ایضاً،ص۲۳۔
256۔ ایضاً،ص۱۹۔
257۔ ایضاً،ص۳۱۔

باب چہارم

سرائیکی تراجم قرآن کا تقابلی جائزہ

☆ معرّٰی تراجم کا باہمی موازنہ

معنویت، لہجویت، سرائیکیت، ابلاغ، اثر آفرینی

فصاحت، سلاست، ادبی چاشنی، ندرت، متابعت

☆ محشّٰی تراجم کا باہمی موازنہ

معنویت، لہجویت، سرائیکیت، ابلاغ، اثر آفرینی

فصاحت، سلاست، ادبی چاشنی، ندرت، متابعت

☆ مفسر تراجم کا باہمی موازنہ

معنویت، لہجویت، سرائیکیت، ابلاغ، اثر آفرینی

فصاحت، سلاست، ادبی چاشنی، ندرت، متابعت

☆ منظوم تراجم کا باہمی موازنہ

معنویت، لہجویت، سرائیکیت، ابلاغ، اثر آفرینی

فصاحت، سلاست، ادبی چاشنی، ندرت، متابعت

نقشہ پاکستان وہ مقامات جہاں سے سرائیکی تراجم قرآن دستیاب ہوئے



قرآنِ کریم کے سرائیکی تراجم کا چارٹ بلحاظ ابجد

نمبر شمار	مترجم	نام ترجمہ	التوفی	لہجہ	کامل/ جزوی	نوعیت	سن طباعت/ کتابت
1	احمد بخش مولوی مرحوم و مغفور	پارہ الم مترجم ملتانی	ء1945	ڈیروی	جزوی	معرّی	ء1890
2	خان محمد لسکانی بلوچ، رفیق احمد نعیم لسکانی	قرآن کریم وچوں چھوٹیاں آیتاں	ء2000 حیات	ڈیروی	جزوی	معرّی	ء1989
3	خان محمد لسکانی بلوچ، رفیق احمد نعیم لسکانی	قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال	ء2000 حیات	ڈیروی	کامل	معرّی	ء1991
4	دلشاد کلانچوی عطا محمد پروفیسر	دلشادیہ تفسیر القرآن العظیم سورۃ الفاتحہ	ء1997	ریاستی	جزوی	مفسر	ء1984
5	دلشاد کلانچوی عطا محمد پروفیسر	سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف	ء1997	ریاسی	کامل	معرّی	ء2000
6	ریاض شاہد ملک	نور الایمان	حیات	ریاستی	کامل	معرّی	ء2008
7	عبدالتواب ملتانی مولانا	عم یتساءلون، الم ترجمہ ملتانی زبان وچ	ء1947	ملتانی	جزوی	محشّی	ء1940
8	عبدالحق مہر، ڈاکٹر	قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی	ء1995	ملتانی	کامل	معرّی	ء1984
9	عبدالحق مہر، ڈاکٹر	الحمد للہ سرائیکی زبان وچ سورۃ فاتحہ دی تفسیر	1995	ملتانی	جزوی	مفسر	ء1986
10	عبدالقادر سعیدی مفتی	المرجان	حیات	ریاستی	کامل	معرّی	ء2000
11	عبدالوہاب عباسی	قرآن مجید مع سرائیکی ترجمہ منظوم	حیات	ریاستی	جزوی	منظوم	ء1998
12	غلام محمد چاچڑانی مولانا	تفسیر اتا لیقی بزبان سرائیکی	ء2007	ریاستی	کامل	مفسر	ء1996
13	غلام رضا سیورا ابجی	قرآنی سورتیں مع سرائیکی ترجمہ منظوم		ریاستی	جزوی	منظوم	ء2008
14	محمد اعظم سعیدی علامہ	فرید التفاسیر یعنی تفسیر سرائیکی	حیات	ریاستی	جزوی	مفسر	ء1988
15	محمد حفیظ الرحمن حفیظ مولانا	بارھاں سورۃ شریف سرائیکی ترجمے نال	ء1959	ریاستی	جزوی	معرّی	ھ1371
16	محمد حفیظ الرحمن حفیظ مولانا	قرآن مجید مترجم بزبان ریاستی	ء1959	ریاستی	کامل	معرّی	ھ1372
17	محمد خیر الدین صابر ملتانی مولانا	پارہ اول مترجم با محاورہ بزبان ملتانی	ء1951	ملتانی	جزوی	معرّی	ھ1344
18	محمد رمضان طالب	متعدد سورتیں اور قرآنی آیات دا سرائیکی ترجمہ و تشریح	ء2009	ڈیروی	جزوی	معرّی، محشّی، منظوم	ء1995
19	محمد نظام الدین نظامی مولانا	ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی المعروف سوغات نظامی	ء1987	ریاستی	کامل	مفسر	ء1986
20	محمد صدیق شاکر ڈاکٹر پروفیسر	تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر	حیات	ملتانی	کامل	مفسر	ء2005
21	مختار احمد شاہد عباسی	بارھاں سورتاں سرائیکی ترجمے نال	حیات	ریاستی	جزوی	معرّی	ء2006
22	نور احمد ابن شمس الدین سیال	تفرید القرآن	ء2004	ریاستی	جزوی	معرّی	ء1975

سرائیکی تراجم قرآن کا تقابلی جائزہ

سرائیکی تراجم قرآن، جزوی ہوں یا کلی جن تک ہماری رسائی ممکن ہوئی وہ تعداد میں اٹھارہ بنتے ہیں۔ ان کا تعلق سرائیکی کے بولے جانے والے مختلف لہجوں سے ہے۔ کوئی ڈیروی رتونسوی لہجے میں ہیں تو کوئی ریاستی لہجے کے ترجمان ہیں اور کچھ کا تعلق ملتانی اور جھنگوی لہجوں سے ہے۔ تراجم کا ایک چمن زار ہے جس میں رنگا رنگ پھول کھلے ہیں۔ ہر پھول کی اپنی بوباس ہے۔ دل آویزی میں ایک سے ایک بڑھ کر ہے۔

ان تراجم کا اسلوب بیان بھی مختلف ہے۔ بعض تراجم بالکل تحت اللفظ ہیں اور کچھ لفظی قید سے قدرے آزاد ہیں۔ اس کے برعکس کچھ تراجم ایسے ہیں جن کو جزوی یا کلی بامحاورہ کہا جاسکتا ہے۔ بیشتر تراجم ایسے ہیں جو اردو تراجم کی من وعن پیروی کرتے ہیں۔ صرف تراجم کے اردو الفاظ کو سرائیکی کا قالب دے دیا گیا ہے۔ کہیں کہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ اردو ترجمے کے صرف افعال ناقصہ تبدیل کیے گئے ہیں۔ باقی الفاظ کی نشست اور پیرایۂ بیان سب اردو کا ہے۔

سرائیکی ایک وقیع اور وسیع بولی جانے والی زبان ہے۔ اس کا ایک اپنا منفرد مزاج اور الگ اسلوب بیان ہے۔ ترجمہ کرتے وقت اگر اس کا خیال نہ رکھا جائے تو ترجمہ ایک بے جان الفاظ کا مجموعہ بن کر رہ جاتا ہے۔ نہ اس میں سلاست ہوتی ہے نہ حلاوت جو سرائیکی زبان کا ایک خاص وصف ہے۔

معیاری ترجمہ وہ ہوتا ہے جس میں ابلاغ کامل ہو۔ جو بات متن میں ہو اسی کا اظہار ترجمہ میں ہو۔ ترجمہ متن کا جتنا امین ہوگا اتنا معیاری ہوگا۔ اگر ترجمہ اور متن میں ہم آہنگی نہ ہو تو وہ ترجمہ، ترجمہ کہلانے کا مستحق نہیں۔ آئندہ صفحات میں نظائر اور امثال کو پیش نظر رکھ کر اسی بات کا جائزہ لیا جائے گا کہ کونسا ترجمہ کتنا معیاری ترجمانی کا مظہر ہے، ذیل میں منثری تراجم کا باہمی موازنہ پیش کیا جاتا ہے:

منثری تراجم

آیات کریمہ برائے موازنہ

پارہ الم مترجم ملتانی:	مولوی احمد بخش مرحوم و مغفور
قرآن مجید مترجم بزبان ریاستی:	مولانا محمد حفیظ الرحمان حفیظؒ
تفرید القرآن:	مولانا نور احمدؒ ابن شمس الدین سیال
قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی:	ڈاکٹر مہر عبدالحق مرحوم و مغفور
پارہ اول مترجم بامحاورہ بزبان ملتانی:	مولانا محمد خیر الدین صابر ملتانیؒ
قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال:	مولانا خان محمد لسکانی بلوچ رفیق احمد نعیم لسکانی بلوچ
سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن:	پروفیسر دلشاد کلانچویؒ
الرجان:	مولانا مفتی عبدالقادر سعیدیؒ
سپارہ عم:	استاد محمد رمضان طالبؒ

تراجم کا باہمی موازنہ

پارہ الٓمٓ

(۱) بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ترجمہ: مولوی احمد بخشؒ

''اللہ دے ناں نال شروع کریندا ں جواین جہاں وچ ہر کہیں تیں مہربانی اتیں اوں جہاں وچ مسلمانیں تیں۔''(1)

ترجمہ: نوراحمدؒ سیال

''شروع نال اسم اللہ سائیں دے کہ ڈاڈھا مہربان اے،بہوں رحم والا ہے۔''(2)

ترجمہ: عبدالحق مہر ڈاکٹر

''اللہ دے ناں نال جیڑھا بے حد خاص رحمتاں والا تے بے انتہا عام رحمتاں والا ہے۔''(3)

ترجمہ: صابر ملتانی

''شروع کریندا ہاں نال ناں اللہ دے جیڑھا بہوں رحم والا تے وڈا مہربان ہے۔''(4)

ترجمہ: مولانا حفیظ الرحمٰن

''(شروع) نال ناں اللہ تعالیٰ دے (جیڑھا) بہوں رحم والا تے وڈا مہربان ہے۔(5)

ترجمہ: خان محمد لسکانی

''میں اللہ دے ناں دے نال (شروع کریندا ں) جیڑھا بغیر منگے ڈیون والا ، تے ول ول رحم کرݨ والا۔''(6)

ترجمہ: دلشاد کلانچوی

''شروع ہے اللہ دے ناں نال جو ابہوں مہربان تے وڈے رحم والا ہے۔''(7)

ترجمہ: عبدالقادر سعیدی

''اللہ دے ناں نال (شروع کریندا ں) جو بہوں مہربان ڈاڈھا رحیم اے۔''(8)

ترجمہ: رمضان طالب

''شروع اللہ دے ناں نال جو وڈا رحمان تے رحم کرݨ والا ہے۔''(9)

(۲) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۱:الفاتحۃ: ۱)

ترجمہ: مولوی احمد بخشؒ

''سبھے صفتاں اللہ دیں جو سارے جہان دا پالݨ والے۔''(10)

ترجمہ: عبدالحق مہر ڈاکٹر

''سب تعریفاں اللہ دیاں ہن جیڑھا کل جہاناں دا پالݨ ،ودھاوݨ تے پھلاوݨ تے ،پھلاوݨ والا ہے۔''(11)

ترجمہ: صابر ملتانی

''ہر طرح دی تعریف خدا کوں ہی ٹھہندی ہے جیڑھا سارے جہاناں دا پالݨ والا ہے۔''(12)

ترجمہ: مولانا حفیظ الرحمن

"سب تعریف واسطے اللہ تعالیٰ دے ہے جو پالنڑو والا ہے سارے جہان دا۔"(13)

ترجمہ: خان محمد لسکانی

"ساریاں چنگائیاں تے صفتاں اللہ سائیں کیتے ہن جیڑھا سارے جہاناں دا پالن ہار۔"(14)

ترجمہ: دلشاد کلانچوی

"خاص تعریف اللہ کیتے ہے جیڑھا ساریاں جہاناں کوں پالن والا ہے۔"(15)

ترجمہ: عبدالقادر سعیدی

"ساریاں تعریفاں اللہ دیاں جو مالک اے سارے جہانیں دا۔"(16)

ترجمہ: رمضان طالب

"ساریاں تعریفاں اللہ دے واسطے ہن جو ڈو جگ دا رب ہے۔"(17)

(۳) إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا (۲:البقرہ: ۲۶)

ترجمہ: مولوی احمد بخش

"تحقیق خدا تعالیٰ کہیں مثال مارنڑ کوں شرم نہیں کریندا مچھر دی ہووے یا اوں کوں کہیں شئے وادھو دی۔"(18)

ترجمہ: عبدالحق مہر ڈاکٹر

"بے شک اللہ این (گالھ) کنوں نہیں شرماندا جو او بھانویں مچھر دی یا ایں کنوں اتے وی شئے دی مثال ڈیوے۔"(19

ترجمہ: صابر ملتانی

"اللہ سائیں کہیں مثال دے بیان کرن وچ لحاظ نہیں فرمیندا توڑے او مثال مچھر دی ہووے یا ایں کنوں وی ودھکے اد
جہیں شئے دی ہووے۔"(20)

ترجمہ: مولانا حفیظ الرحمن

"بے شک اللہ تعالیٰ نہیں شرم کریندا کنوں ایندے جو بیان کرے مثال بھانویں مچھر دی ہووے اتے
بھانویں ودھی ہوئی اوں کنوں۔"(21)

ترجمہ: خان محمد لسکانی

"بے شک اللہ سائیں کوں کوئی روک کائنیں کہ آنجھی مثال بیان کرے (ڈیوے) جیرھی مچھر دی ہووے
یا اوں کنے وی گھٹ۔"(22)

ترجمہ: دلشاد کلانچوی

"بے شک اللہ ایں گالھ کنوں نہیں شرماندا جو بھاویں مچھر دی، بھاویں ایں کنوں اچی شئے (مکھی کڑے)
دی کوئی مثال ڈیوے چا۔"(23)

ترجمہ: عبدالقادر سعیدی

"بے شک اللہ نہیں چھوڑیندا بیان کہیں مثال دا مچھر دی (مثال) ہووے یا ایں توں اتے (حقارت اچ)۔"(24)

(۴) وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى (۲:البقرہ:۵۷)

ترجمہ مولوی احمد بخش

"اتیں جھڑدا چھتر کتو سے تساڈے اُتے اُتے وٹھیوسے تساڈے اتے شکوا اتیں پکھی بخشیں ہوئے"۔(25)

ترجمہ عبدالحق مہر ڈاکٹر

"اتے اساں تہاڈے اتے جھڑ دی چھاں کر ڈتی ہئی اتے تہاڈے اتے مَن (ہک پھل) اتے سلوی (پڑے)
اساں نازل کیتے"۔(26)

ترجمہ محمد خیر الدین صابر ملتانی

"اتے اساں تساڈے اتے جھڑ بدل دی چھاں کیتی اتے آسمان کنوں کھاون واسطے مَن اتے سلوی بھیجیا"(27)

ترجمہ حفیظ الرحمن حفیظ مولانا

"اتے چھاں کیتی ہائی اتے تساڈے جھڑ دی اتے لہایا اساں اتے تساڈے من (ترنجبین) اتے سلوی (بٹیرے)"۔(28)

ترجمہ خان محمد لسکانی بلوچ

"تے اساں تہاڈے اتے جھڑ دی چھاں کیتی تے تہاڈے واسے کھمبیاں تے بٹیرے لہائے (پیدا کیتے)"(29)

ترجمہ دلشاد کلانچوی پروفیسر

"اتے اساں تہاڈے اتے بدلاں دی چھاں کیتی رکھی، اتے تہاڈے کیتے من تے سلوی (بٹیرے) لہیندے ریہوسے"۔(30)

ترجمہ عبدالقادر سعیدی مفتی

"اتے اساں تہاڈے اتے جھڑ دی چھاں کیتی تے تہاڈے اتے من تے سلوی اتاریوسے"۔(31)

(۵) وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۲:البقرہ: ۴۲)

ترجمہ: مولوی احمد بخش

"اتیں نہ رلاؤ سچ کوں کوڑ نال اتے نہ چھپاؤ سچ کوں جانڑ بجھ کراہیں"۔(32)

ترجمہ: عبدالحق مہر ڈاکٹر

"تے سچ کوں کوڑ دے نال نہ رلاؤ اتے نہ سچ کوں لکاؤ جو تساں جانڑدے ہو"۔(33)

ترجمہ: صابر ملتانی

"اتے سچ کوں کوڑ دے نال نہ رلاؤ ملاؤ اتے تساں جان بجھ کے حق گالھ کوں نہ چھپاؤ"۔(34)

ترجمہ: مولانا حفیظ الرحمن

"اتے نہ ملاؤ سچ کوں نال کوڑ دے اتے نہ لکاؤ سچ کوں اتے تساں جانڑدے ہو"۔(35)

ترجمہ: خان محمد لسکانی

"تے سچ کوڑ کوں ہک نہ بناؤ (رلا ملا نہ ڈیو) اتے سچ کوں لکاؤ وی نہ تے تساں جانڑدے"۔(36)

ترجمہ: دلشاد کلانچوی

"اتے سچ کوں کوڑ نال نہ رلاؤ ملاؤ اتے نہ حقی گالھ کوں لکایا کرو۔ اتے تساں (ایہ گالھیں) جانڑدے وی ہیوے"۔(37)

ترجمہ: عبدالقادر سعیدی

"اتے حق کوں باطل نال نہ ملاؤ اتے حق کوں نہ لکاؤ حالانکہ تساں جانڑدو (ایں کوں)"۔(38)

تقابلی جائزہ

زیر نظر آیات کا ترجمہ ہر مترجم نے اپنے انداز سے کیا ہے۔ ہر ایک کا اپنا لب ولہجہ ہے۔ کسی کا ترجمہ تحت اللفظ ہے۔ کسی کا لفظی اور کسی کا بامحاورہ۔ مگر کئی حوالوں سے اختلافات پائے جاتے ہیں۔ ذیل میں مختلف پہلوؤں کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

معنویت

اچھے ترجمے کا یہ وصف ہوتا ہے کہ اس میں پورا مفہوم واضح ہوتا ہے اور صحیح ابلاغ بھی ہوتا ہے۔ ترجمے میں معنوی سقم ہونا اچھی بات نہیں۔ مندرجہ بالا ترجمے میں ہر مترجم نے جو ترجمہ کیا ہے وہ معنویت کے اعتبار سے پورا نہیں اترتا مثلاً خان محمد لسکانی کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

"میں اللہ دے ناں دے نال (شروع کرینداں) جیرھا بغیر منگیئے ڈیون والا ء تے ول ول رحم کرن والا ء۔"

اس ترجمے میں "رحمان" کے معنی "بغیر منگیئے ڈیون والا" کیے گئے ہیں یہ فصیح ترجمہ نہیں ہے۔ اکثر مترجمین نے "رحمٰن" کا ترجمہ "مہربان" کیا ہے۔ مولانا مفتی عبدالقادر سعیدی کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

"اللہ دے ناں نال (شروع کرینداں) جو بہوں مہربان ڈاڈھا رحیم اے"۔

خان محمد لسکانی اور مفتی عبدالقادر سعیدی دونوں مترجمین نے (شروع کرینداں) قوسین میں رقم کیا ہے۔ اسی طرح مولوی احمد بخش کے ترجمے میں بھی معنویت نہیں ہے۔

"اللہ دے ناں نال شروع کریندا جو ایں جہاں وچ ہر کہیں تیں اتیں اوں جہاں وچ مسلمانیں تیں"

یہ ترجمہ عربی متن کے اعتبار سے معیاری معلوم نہیں ہوتا۔ اس جہان اور اس جہاں کا تو ذکر ہی نہیں ہے۔

اب دوسری آیت ملاحظہ فرمائیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اس آیت میں تین اہم لفظ ہیں جو معنویت کے اعتبار سے اہم ہیں۔ الحمد، رب اور عالمین۔ پہلے الحمد کے معنی کا تقابلی جائزہ لیتے ہیں۔ مولوی احمد بخش نے اس کا ترجمہ "سبھے صفتاں" مہر عبدالحق نے "سب تعریفاں"، صابر ملتانی نے "ہر طرح دی تعریف"، مولانا حفیظ الرحمٰن نے "سب تعریف"، خان محمد لسکانی نے "ساریاں چنگیائیاں تے صفتاں"، دلشاد کلانچوی نے "خاص تعریف"، مفتی عبدالقادر نے "ساریاں تعریفاں" اور رمضان طالب نے بھی "ساریاں تعریفاں" ہی کیا ہے۔ مترجمین کی تمام کاوشیں قابل قدر ہیں۔ لیکن مولوی احمد بخش کا کیا ہوا ترجمہ (سبھے صفتاں) سب سے زیادہ فصیح اور بلیغ ہے۔ تعریف سچی بھی ہو سکتی ہے اور جھوٹی بھی۔ لیکن صفت میں سچائی کا عنصر غالب ہے۔ اس ترجمہ کے اگر کوئی ترجمہ قابل اعتناء ہے تو وہ لسکانی کا ہے۔

اسی طرح رب العلمین کا ترجمہ بھی ہر مترجم نے اپنے اپنے انداز سے کیا ہے۔ مولوی احمد بخش نے اس کا ترجمہ "سارے جہان دا پالنڑ والے" کیا ہے۔ جبکہ مہر عبدالحق نے اس کا ترجمہ طویل پیرایہ بیان میں کیا ہے لکھتے ہیں:

"جیڑھا کل جہاناں دا پالن، ودھاون تے پھلاون والا ہے"۔

مولانا حفیظ الرحمٰن نے اس کا لفظی ترجمہ "جو پالنڑ والا ہے سارے جہان دا" کیا ہے جبکہ دلشاد کلانچوی یہ ترجمہ یوں رقم کیا ہے:

"تجہڑا ساریاں جہاناں کوں پالنڑ والا ہے"

مفتی عبدالقادر سعیدی نے "جو مالک اے سارے جہانیں دا" کیا ہے اور محمد رمضان طالب نے "جڈو جگ دا رب ہے" کیا ہے۔ ان مذکورہ تراجم سب سے بہتر ترجمہ لسکانی کا ہے۔ وہ زیادہ بلیغ ہے۔ مہر عبدالحق کا ترجمہ کم تفسیر زیادہ ہے۔ رمضان طالب "ڈو جگ دا رب ہے" اس میں جمع کا مفہوم واضح نہیں ہوتا جب کہ متن عالمین جمع ہے۔

اب تیسری آیت کا تقابلی جائزہ ملاحظہ فرمائیں:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا

اس آیت میں لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ کا ترجمہ ہر مترجم نے اپنی علمیت کے اعتبار سے کیا ہے مثلاً مولوی احمد بخش نے "مثال مارنڑ کوں شرم نہیں کریندا" کیا ہے، مہر عبدالحق نے اس کا ترجمہ "کہیں مثال دے بیان کرن وچ لحاظ نہیں فرمیندا" تصنیف کیا ہے۔ مولانا حفیظ الرحمٰن لفظی ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نہیں شرم کریندا کنوں ایندے جو بیان کرے"

خان محمد لسکانی نے منفرد کلمات کے ساتھ ترجمہ رقم کیا ہے "کوئی روک کا نہیں کہ انجھی مثال بیان کرے" (ڈیوے)" دلشاد کلانچوی نے "ایں گالھ کنوں نہیں شرماندا" جبکہ مفتی عبدالقادر سعیدی نے "نہیں چھوڑیندا بیان کہیں مثال دا" تصنیف کیا ہے۔ لسکانی کا ترجمہ سب سے زیادہ فصیح ہے۔ مولوی احمد بخش کے ترجمہ میں "مثال مارنڑ" صابر ملتانی کے ترجمہ میں "لحاظ نہیں فرمیندا" دلشاد کلانچوی کے ترجمے میں "ایں گالھ کنوں نہیں شرماندا"۔ سعیدیؒ کے ترجمہ میں "نہیں چھوڑیندا" سقم سے پاک نہیں۔ معنویت کے لحاظ سے لسکانی کا ترجمہ زیادہ فصیح ہے۔

چوتھی آیت میں فاضل مترجمین نے ظَلَّلْنَا، الْغَمَامَ اور الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ کے ترجمے مختلف معنی کے ساتھ کیے ہیں۔ اسی طرح "انزلنا" کا ترجمہ بھی مختلف ہے۔ مولوی احمد بخش نے "موٹھیو سے" مہر عبدالحق "نازل کیتے" صابر ملتانی "سٹیجا"، حفیظ الرحمٰن "لہایا" خان محمد لسکانی "لہائے" دلشاد کلانچوی "لہیندے رہیو سے" اور مفتی عبدالقادر سعیدی نے "اتاریوسے" رقم کیا ہے۔

اسی طرح الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ کے ترجمے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ مولوی احمد بخش نے "شکلوا اور پکھی بھنیں ہوئے"، مہر عبدالحق نے پھل اور بیٹرے۔ صابر ملتانی نے ان کلمات کا ترجمہ رقم ہی نہیں کیا من وعن ویسے ہی لکھ دیا ہے۔ مولانا حفیظ الرحمٰن نے "ترنجبین" اور "بیڑے"، خان محمد لسکانی نے "کھمبیاں تے بیٹرے"، دلشاد کلانچوی نے "بیٹرے" اور مفتی عبدالقادر سعیدی نے من وسلویٰ کا ترجمہ نہیں کیا۔

پانچویں آیت میں ہر مترجم نے حق اور باطل کا ترجمہ "سچ" اور "کوڑ" کیا ہے صرف مفتی عبدالقادر سعیدی نے حق اور باطل لکھا ہے۔ تلبسوا کا ترجمہ تمام مترجمین نے "رلاؤ ملاؤ" لکھا ہے جبکہ مفتی عبدالقادر سعیدی ارو مولانا حفیظ الرحمٰن نے صرف "ملاؤ" لکھا ہے۔ اسی طرح تکتموا کا ترجمہ مولوی احمد بخش اور صابر ملتانی نے "چھپاؤ" باقی تمام مترجمین نے اس کا ترجمہ "لکاؤ" کیا ہے۔

مترجمین حضرات نے اپنے اپنے لہجے میں تراجم رقم کیے ہیں مثلاً نور احمد ابن شمس الدین سیال نے ریاستی لہجے کی نمائندگی کی ہے لکھتے ہیں:

"شروع نال اسم اللہ سیں دے کہ ڈاڈھا مہربان اتے بہوں رحم والا ہے"۔

مولانا حفیظ الرحمٰن اور دلشاد کلانچوی نے بھی ریاستی لہجے کے الفاظ استعمال کیے ہیں جیسے "جیڑھا" اور "وڈا" ان تینوں مترجمین نے ریاستی لہجے کو اپنایا ہے۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے ملتانی لہجے کی بھرپور نمائندگی کی ہے ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

"اللہ دے ناں نال جیڑھا بے حد خاص رحمتاں والا اتے بے انتہا عام رحمتاں والا ہے۔"

اسی طرح مولانا محمد خیر الدین صابر ملتانی ترجمہ یوں رقم کیا ہے:

"شروع کریندا ہاں نال ناں اللہ دے جیڑھا بہوں رحم والا اتے وڈا مہربان ہے۔"

یہ دونوں ترجمے ملتانی لہجے سے متعلق ہیں۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے سرائیکی لہجے سے ہٹ کر رحمٰن اور رحیم کا ترجمہ (بے حد خاص رحمتاں والا) اور "بے انتہا عام رحمتاں والا" کیا ہے جبکہ مولانا محمد خیر الدین صابر ملتانیؒ نے رحمٰن اور رحیم کا ترجمہ "بہوں رحم والا" اور "وڈا مہربان" کیا ہے ہر مترجم اپنے اپنے لہجے میں ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اکثر تراجم میں اردو ترجمے کا تتبع بھی معلوم ہوتا ہے۔ خالص لہجے سے لسانی حسن عیاں ہوتا ہے اور ترجمے کے تقاضے بھی پورے ہوتے ہیں اور اگر دخیل کلمات یا تشریحی کلمات استعمال کیے گئے ہوں تو لہجہ خالص نہیں رہتا اور ان تراجم میں بھی یہی بات محسوس کی جا سکتی ہے۔

دوسری آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا ترجمہ ہر مصنف نے اپنے اپنے علاقائی لہجوں کے اعتبار سے کیا ہے۔ مولوی احمد بخشؒ نے اس آیت کے ترجمے میں "سبھے صفتاں" رقم کیا ہے "سبھے" ڈیروی لہجے کی نمائندگی کرتا ہے جبکہ خان محمد لسکانی نے "جیرھا" کا لفظ استعمال کیا ہے جو ڈیروی لہجہ ہے۔ اسی طرح صابر ملتانی نے "خدا کوں ہی تھبندی ہے" لکھا ہے۔ تھبندی کا لفظ ملتانی لہجے کا لفظ ہے۔

تیسری آیت میں مولوی احمد بخش نے "اوں کنون کہیں شئے وادھو دی" اور خان محمد لسکانی "اوں کنے وی گھٹ" جیسا ترجمہ کر کے ڈیروی لہجے کو اپنایا ہے جبکہ صابر ملتانی نے "ایں کنوں وی ود ھکے" اور مہر عبدالحق نے "این کنوں اتے دی شئے" لکھا جو ملتانی لہجے کی نمائندگی ہے۔ دلشاد کلانچوی نے "ایں کنواچی شئے" اور مفتی عبدالقادر سعیدی نے "ایں توں اتے" کے الفاظ استعمال کیے ہیں جو ریاستی لہجے کی نمائندگی کرتے ہیں۔

چوتھی آیت میں تمام فاضل مترجمین نے "انعام" کا ترجمہ سرائیکی زبان کے مشترک لفظ "جھڑدی چھاں" سے تعبیر کیا ہے۔ یہ لفظ تمام لہجوں کی نمائندگی کرتا ہے مولوی احمد بخشؒ نے انزلنا کا سرائیکی ترجمہ "پٹھیوسے" کر کے خالص ڈیروی لہجے کی نمائندگی کی ہے۔

پانچویں آیت میں "پچ" اور "کوڑ" تمام لہجوں کی نمائندگی کرتے ہیں اسی طرح "رلاؤ" اور "ملاؤ" یا "نکاؤ" جیسے الفاظ بھی تمام علاقوں میں یکساں بولے جاتے ہیں۔ دلشاد کلانچوی نے "اتے نہ حقی گالھ کوں لکایا کرو" ترجمہ کیا ہے جو ریاستی لہجے کی بھرپور نمائندگی ہے۔

سرائیکیت

ترجمے کا اصل حسن زبان ہوتی ہے اور دوسری زبانوں کے الفاظ استعمال کر لیے جائیں تو ترجمے کا حسن برقرار نہیں رہتا۔ زیر نظر تراجم میں سرائیکی الفاظ استعمال کرنے کی کوشش کی گئی ہے مثال کے طور پر خان محمد لسکانی کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

''میں اللہ دے ناں دے نال (شروع کریندا ں) جیڑھا منگیے بغیر ڈیون والا تے ول ول رحم کرن والا ہے۔''

مترجم نے ''منگیے بغیر'' اور ''ول ول'' کے الفاظ استعمال کر کے سرائیکیت کو پیش نظر رکھا ہے۔ آپ واحد مترجم ہیں جنھوں نے ''میں'' کا لفظ استعمال کیا ہے یعنی ''میں اللہ دے ناں نال (شروع کریندا ں) اس ترجمے میں دوسری زبانوں کے الفاظ کم ہیں جبکہ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے ایک سطر کے ترجمے تین چار الفاظ دوسری زبانوں سے لیے ہیں ترجمہ ملاحظہ ہو:

''اللہ دے ناں نال جیڑھا بے حد خاص رحمان والا اتے بے انتہا عام رحماں والا ہے۔''

اس ترجمے میں ''عام''، ''خاص'' اور ''بے انتہا'' جیسے الفاظ کسی دوسرے مترجم نے استعمال نہیں کیے۔

دوسری آیت میں تقریباً تمام مترجمین نے دخیل کلمات سے اجتناب کی شعوری کوشش کی ہے اور سرائیکی زبان کے خالص الفاظ بھی استعمال کیے ہیں جیسے مولوی احمد بخشؒ نے ''سبھے صفتاں''، مہر عبدالحق نے ''ودھاون'' ''پھلاون'' اور ''پھلاون''، صابر ملتانی نے ''شہندی''، خان محمد لسکانی نے ''ساریاں چنگائیاں'' اور محمد رمضان طالب نے ''ڈوجگ'' جیسے الفاظ استعمال کر کے ترجمے کے حسن میں اضافہ کیا ہے۔ دوسری زبانوں کے الفاظ شاذ شاذ ہی آئے ہیں اور ترجمے میں سرائیکیت عیاں ہے۔

تیسری آیت میں بھی فاضل مترجمین نے سرائیکت برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے اس آیت کے ترجمے میں مارعر، وادھو، گالھ، بھانویں، وڈھکے ودھی ہوئی، ڈیوے اور گھٹ جیسے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جو خالص سرائیکی الفاظ ہیں تاہم سب سے زیادہ سرائیکیت خان محمد لسکانی کے ترجمے میں پائی جاتی ہے ترجمہ ملاحظہ ہو:

''بے شک اللہ سئیں کوں کوئی روک کائنیں کہ اتھجی مثال بیان کرے (ڈیوے) جیرھی مچھر دی ہووے یا اوں کنوں وی گھٹ۔''

چوتھی آیت میں مولوی احمد بخشؒ کے ترجمے کو خالص سرائیکی کہا جا سکتا ہے فاضل مصنف لکھتے ہیں:

''اتیں جھڑ دا چھتر گتو سے تساڈے اتے اتے پٹھیو سے تساڈے اتے شکلوا اتیں پکھی بھنیں ہوئے۔''

مہر عبدالحق نے ''جھڑ'' اور ''چھاں'' کے سرائیکی الفاظ کے ساتھ ''سلویٰ'' کا لفظ بھی رقم کیا ہے۔ صابر ملتانی نے من وسلویٰ کا سرائیکی ترجمہ تحریر نہیں کیا۔ مولانا حفیظ الرحمٰن نے من کا ترجمہ ''ترنجبین'' کیا ہے۔ اسی طرح انزلنا کے ترجمے میں دلشاد کلانچوی، خان محمد لسکانی مولانا حفیظ الرحمٰن اور مولوی احمد بخشؒ کا موزوں سرائیکی ترجمہ ہے۔

پانچویں آیت میں تمام مترجمین نے خالص سرائیکی ترجمہ رقم کیا ہے مثال کے طور پر دلشاد کلانچوی کا ترجمہ دیکھیے:

''اتے سچ کوں کوڑ نال نہ رلاؤ ملاؤ اتے نہ حقی گالھ کوں لکایا کرو اتے تساں ''ایہ گالھیں'' جانڑدے وی ہیوے''۔

ان پانچوں آیات کے تراجم سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تمام مترجمین نے حتی المقدور کوشش کی ہے کہ غیر مانوس اور دخیل کلمات نہ آئیں بلکہ خالص سرائیکی میں ترجمہ کیا جائے اور ایک حد تک وہ کامیاب بھی ہوئے ہیں۔ فاضل مترجمین یہ جانتے ہوئے کہ خالص زبان سے ہی ترجمہ ہر دلعزیز ہوتا ہے ترجمہ رقم کرتے ہیں۔

ابلاغ کسی بھی ترجمے میں مکمل ابلاغ کا پایا جانا ضروری امر ہے اس حوالے سے تقابلی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔ پہلی آیت میں الرحمن اور الرحیم دو ایسے الفاظ میں جن کا صحیح ابلاغ ہونا چاہیے۔ مولوی احمد بخش کے ترجمے میں ان دو الفاظ کی وضاحت موجود نہیں ہے۔ نور احمد سیال نے ''ڈاڈھا مہربان'' اور ''بہوں رحم والا''، مولانا حفیظ الرحمن نے ''وڈا مہربان'' اور ''نہایت رحم والا''، مفتی عبدالقادر سعیدی نے ''بہوں مہربان'' تے ''ڈاڈھا رحیم'' کے الفاظ کے ساتھ صحیح ابلاغ کی کامیاب کوشش کی ہے۔ تاہم ان سب سے خان محمد لسکانی کا ترجمہ مختلف ہے ملاحظہ ہو:

''میں اللہ دے ناں دے نال (شروع کرنیداں) جیڑھا بغیر منگیے ڈیون والا ہ تے ول ول رحم کرن والا ہ۔''

دوسری آیت میں اکثر مترجمین نے مختصر پیرایہ جبکہ مہر عبدالحق نے غیر ضروری الفاظ استعمال کیے ہیں ترجمہ ملاحظہ ہو:

''سب تعریفاں اللہ دیاں ہن جیڑھا کل جہاناں دا پالن، وودھاون تے پھلاون، پھلاون والا ہے۔''

اسی حوالے سے مولوی احمد بخش کا ترجمہ مختصر ہے لکھتے ہیں:

''سبھے صفتاں اللہ دیاں ہن جو سارے جہان دا پالنڑ والے۔''

تاہم ان دونوں میں ابلاغ پایا جاتا ہے۔ مفتی عبدالقادر سعیدی اور محمد رمضان طالب کے ترجمے میں صحیح ابلاغ موجود نہیں ہے۔ البتہ مولانا حفیظ الرحمن، دلشاد کلانچوی، خان محمد لسکانی اور صابر ملتانی کے ترجمے میں مکمل ابلاغ پایا جاتا ہے۔

تیسری آیت کے ترجمے میں بھی ابلاغ پایا جاتا ہے۔ مثلاً مولانا حفیظ الرحمن کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

''بے شک اللہ تعالیٰ نہیں شرم کریندا کنوں ایندے جو بیان کرے مثال بھانویں مچھر دی ہووے
اتے بھانویں ودھی ہوئی اوں کنوں۔''

اگرچہ یہ ترجمہ لفظی ہے مگر ابلاغ موجود ہے۔ صابر ملتانی کے ترجمے میں اس سے بڑھ کر ابلاغ ہے ترجمہ ملاحظہ ہو:

''اللہ سئیں کہیں مثال دے بیان کرن وچ لحاظ نہیں فرمیندا توڑے او مثال مچھر دی ہووے یا ایں کنوں وی ودھ کے ادنی
جہیں شئے دی ہووے۔''

اسی طرح مہر عبدالحق، دلشاد کلانچوی، خان محمد لسکانی اور مفتی عبدالقادر کے ترجمے میں بھی برابر ابلاغ پایا جاتا ہے۔

چوتھی آیت کے ترجمے کا تقابلی جائزہ لیں تو ظَلَّلْنَا، الْغَمَام اور انزلنا کے ترجمے میں تو اختلاف نہیں ہے تاہم من وسلوی کے ترجمے کے حوالے سے صحیح ابلاغ موجود نہیں ہے۔ صابر ملتانی اور مفتی عبدالقادر سعیدی نے من وسلوی کا ترجمہ رقم نہیں کیا اور دلشاد کلانچوی نے ''من'' کا ترجمہ نہیں کیا لہٰذا ان مترجمین کے ترجمے میں بلاغت نہیں ہے البتہ مہر عبدالحق نے ان کا ترجمہ ''پھل'' اور ''پیڑے''، مولوی احمد بخش نے شکلوا اور ''پنچھی بھنیں ہوئے'' مولانا حفیظ الرحمن نے ''ترنجبین'' اور ''بٹیرے'' اور خان محمد لسکانی نے ''کھمبیاں'' اور ''بٹیرے'' رقم کر کے صحیح ابلاغ کی بھرپور کوشش کی ہے۔

پانچویں آیت نہایت ہی سادہ اور عام فہم آیت قرآنی ہے جسے آسانی کے ساتھ سمجھا جا سکتا ہے تمام مترجمین نے قرآنی مفہوم کی صحیح ترجمانی کی ہے صابر ملتانی کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

''اتے سچ کوں کوڑ دے نال نہ رلاؤ ملاؤ اتے تساں جانڑ بجھ کے حق گالھ کوں نہ چھپاؤ۔''

اسی طرح مولوی احمد بخش کا ترجمہ بھی بلیغ ہے۔ لکھتے ہیں۔

''اتیں نہ رلاؤ سچ کوں کوڑ نال اتے نہ چھپاؤ سچ کوں جانڑ بجھ کرائیں۔''

تاہم مفتی عبدالقادر سعیدی نے حق اور باطل کا سرائیکی ترجمہ نہ کر کے ترجمے کو بلاغت سے محروم رکھا ہے۔

اثر آفرینی

ترجمے کا ایک وصف اثر آفرینی بھی ہے اگر متن کا صحیح مفہوم واضح ہو جائے اور وہ قاری کے دل پر اثر بھی کرے تو ترجمے کا حق ادا ہو جاتا ہے۔ محترم مترجمین نے بھی ترجمے کو اثر انگیز بنانے کی سعی کی ہے آیئے۔ پہلی آیت کے ترجمے کا تقابلی جائزہ لیتے ہیں:

مولوی احمد بخشؒ نے ترجمہ یوں کیا ہے:

''اللہ دے ناں نال شروع کریندا اں جو ایں جہان وچ ہر کہیں تے مہربان اتے اوں جہان وچ مسلمانیں تیں۔''

نور احمد سیال" الرحمٰن" اور" الرحیم" کا ترجمہ ''ڈاڈھا مہربان'' اور ''بہوں رحم والا'' مہر عبدالحق نے بے حد خاص رحمتاں والا اتے بے انتہا عام رحمتاں والا''، صابر ملتانی نے ''بہوں رحم والا'' اور ''وڈا مہربان''، خان محمد لسکانی نے'' جیرھا بغیر منگیئے ڈیون والا، تے ول ول رحم کرن والا''، دلشاد کلانچوی نے ''بہوں مہربان''؛ ''وڈے رحم والا''، مفتی عبدالقادر سعیدی نے ''بہوں مہربان'' اور ''ڈاڈھا رحیم'' اور محمد رمضان طالبؔ نے'' وڈا رحمان'' اور رحم کرن والا'' کیا ہے۔ یہ سب تراجم اثر آفرینی کی عمدہ مثال ہیں لیکن نور احمد سیال کا'' ڈاڈھا مہربان'' صابر ملتانی ''وڈا مہربان''، مفتی عبدالقادر کا ترجمہ ''ڈاڈھا رحیم'' اور محمد رمضان طالبؔ کا ترجمہ'' وڈا رحمان'' زیادہ اثر انگیز ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ اثر انگیز ترجمہ نور احمد سیال کا ہے۔

دوسری آیت میں تمام مترجمین نے اثر انگیز ترجمے کیے ہیں۔ رب العلمین کا ترجمہ مولوی احمد بخش نے'' سارے جہان دا پالن والے''، صابر ملتانی نے ''جیرھا سارے جہاناں دا پالن والا ہے''، مولانا حفیظ الرحمٰن نے'' جو پالن والا ہے سارے جہان دا''، دلشاد کلانچوی ''جیرھا ساریاں جہاناں کو پالن والا ہے''، جبکہ مفتی عبدالقادر سعیدی نے'' جو مالک اے سارے جہانیں دا'' اور'' محمد رمضان طالبؔ نے'' ڈو جگ دا رب ہے'' کیا ہے۔

تیسری آیت میں مچھر یا اس سے کم تر شئے کے حوالے سے فاضل مترجمین نے موثر ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ مہر عبدالحق نے اس کا ترجمہ'' مچھر دی ایں کنوں اتے دی شئے دی مثال ڈیوے''، صابر ملتانی'' مچھر دی ہووے یا ایں کنوں وی گھٹ کے''، مولانا حفیظ الرحمٰن نے'' مچھر دی ہووے اتے بھانویں ودھی ہوئی اوں کنوں''، دلشاد کلانچوی ''بھانویں مچھر دی، بھانویں ایں کنوں اچی شئے (مکھی، مکڑے)، مفتی عبدالقادر سعیدی'' مچھر دی (مثال) ہووے یا ایں توں اتے (حقارت اچ)''، لیکن اس آیت میں بھی زیادہ موثر ترجمہ یہ ہے'' بے شک اللہ سئیں کوں کوئی روک کائنیں کہ انجھی مثال بیان کرے (ڈیوے) جیرھی مچھر دی ہووے یا اوں کنے وی گھٹ۔''

چوتھی آیت کا ترجمہ بھی اثر آفرینی کی عمدہ مثال ہے اس ترجمے میں بھی تقریباً ایک جیسا ترجمہ رقم کیا گیا ہے **ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ** کا ترجمہ'' اتے اساں تہاڈے اتے جھڑ وی چھاں کیتی'' جبکہ کہ زیادہ بہتر اور موثر ترجمہ'' اتے اساں تہاڈے اتے بدلاں دی چھاں کیتی رکھی'' کیا گیا ہے جسے دلشاد کلانچوی نے تصنیف کیا ہے۔

پانچویں آیت میں محترم مترجمین نے'' سچ'' اور'' کوڑ'' کے ملانے کے حوالے سے موثر انداز میں ترجمہ رقم کیا ہے۔ تقریباً تمام مترجمین نے ملتا جلتا ترجمہ'' سچ تے کوڑ کوں نہ رلاؤ ملاؤ'' کیا ہے اور سب سے اثر انگیز ترجمہ صابر ملتانی نے کیا ہے جو یہ ہے'' اتے سچ کوں کوڑ دے نال نہ رلاؤ ملاؤ اتے تساں جان بجھ کے حق دی گالھ کوں نہ چھپاؤ۔''

فصاحت

ترجمے کا ایک اہم وصف فصاحت ہے۔ اچھا ترجمہ وہی شمار کیا جاتا ہے جو متن کا صحیح مفہوم ادا کرتا ہو، واضح ہو اور اس میں کسی طرح کا سقم نہ ہو۔ ذیل میں ہم فصاحت کے حوالے سے پہلی آیت کا تقابلی جائزہ لیتے ہیں۔ ہر مترجم نے اپنے اپنے ترجمے کو فصیح بنایا ہے لیکن الرحمٰن اور الرحیم کو معنوی اعتبار سے واضح نہیں کیا گیا۔

ہر محترم مترجم نے بسم اللہ کا ترجمہ ''اللہ دے ناں نال شروع کریندا ں'' رقم کیا ہے۔ مہر عبدالحق واحد مترجم ہیں جنھوں نے ''شروع'' کا لفظ استعمال نہیں کیا جبکہ خان محمد لسکانی نے ''میں اللہ دے ناں دے نال (شروع کریندا ں) لکھا ہے یعنی صرف انھوں نے ہی (میں) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ الرحیم کا ترجمہ مولوی احمد بخشؒ نے ''مہربانی''، نور احمد سیال نے ''بہوں رحم والا''، مہر عبدالحق نے ''بے انتہا عام رحماں والا''، صابر ملتانی نے ''وڈا مہربان''، مولانا حفیظ الرحمٰن نے ''نہایت رحم والا''، دلشاد کلانچوی نے ''وڈے رحم والا''، مفتی عبدالقادر سعیدی نے ''ڈاڈھا رحیم'' اور محمد رمضان طالب نے ''رحم کرن والا'' لکھا ہے جبکہ سب سے فصیح ترجمہ خان محمد لسکانی کا ہے جو ''ول ول رحم کرن والا'' ہے۔

دوسری آیت کا تقابلی جائزہ پیش خدمت ہے۔ اس آیت میں الحمدللہ کا ترجمہ مولوی احمد بخش نے ''سبھے صفتاں اللہ دیں''، مہر عبدالحق نے ''سب تعریفاں اللہ دیاں ہن''، صابر ملتانی نے ''ہر طرح دی تعریف خدا کوں ہی ٹھہندی ہے''، مولانا حفیظ الرحمٰن ''سب تعریف واسطے اللہ دے ہے''۔

خان محمد لسکانی نے ''ساریاں چنگائیاں تے صفتاں اللہ کیتے ہن''، دلشاد کلانچوی نے ''خاص تعریف اللہ کیتے ہے''، مفتی عبدالقادر سعیدی نے ''ساریاں تعریفاں اللہ دیاں''، جبکہ محمد رمضان طالب نے ''ساریاں تعریفاں اللہ واسطے ہن'' کیا ہے۔ ان تمام تراجم میں سب سے فصیح ترجمہ ''سبھے صفتاں اللہ دیں'' ہے جو مولوی احمد بخش نے تصنیف کیا ہے کیونکہ تعریف کی بجائے صفت زیادہ واضح ہے۔

تیسری آیت میں اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیٖٓ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا کا ترجمہ مولوی احمد بخش نے ''تحقیق خداتعالیٰ کہیں مثال مارنڑ کوں شرم نہیں کریندا'' کیا ہے جو فصیح نہیں ہے۔ مہر عبدالحق نے اس کا ترجمہ ''بے شک اللہ ایں (گالھ) کنوں نھیں شرماندا'' صابر ملتانی نے ''اللہ سئیں کہیں مثال دے بیان کرن وچ لحاظ نہیں فرمیندا''،

مولانا حفیظ الرحمٰن ''بے شک اللہ تعالیٰ نہیں شرم کریندا''، دلشاد کلانچوی نے ''بے شک اللہ ایں گالھ کنوں نھیں شرماندا'' اور مفتی عبدالقادر سعیدی نے ''بے شک اللہ نہیں چھوڑیندا بیان کہیں مثال دا'' رقم کیا۔ اگرچہ یہ فصیح ترجمے ہیں مگر فصاحت کے معیار پر پورے نہیں اترتے سب سے فصیح ترجمہ خان محمد لسکانی کا ہے جو یہ ہے ''بے شک اللہ سئیں کوں کوئی روک کائنی کہ انجھی مثال بیان کرے (ڈیوے)۔''

چوتھی آیت کے ترجمے میں بعض مترجمین نے من وسلویٰ کا ترجمہ واضح نہیں کیا مثلاً صابر ملتانی اور مفتی عبدالقادر سعیدی نے من وسلویٰ کا ترجمہ رقم نہیں کیا مولوی احمد بخش نے اس کا ترجمہ ''شکلوا اور پکھی بٹیریں ہوئے'' کیا ہے۔ مہر عبدالحق من کا ترجمہ ''ہک پھل'' اور سلویٰ کا ''بیڑے'' کیا ہے۔ مولانا حفیظ الرحمٰن نے ''ترنجبین'' اور ''بیڑے کیا ہے'' دلشاد کلانچوی نے صرف بٹیرے کیا ہے ان تمام تراجم میں قاری کیلئے فصاحت موجود نہیں ہے۔

پانچویں آیت میں حق اور باطل کو ''سچ'' اور ''کوڑ'' لکھا گیا ہے جو فصیح ترجمہ نہیں۔

سلاست

اچھا ترجمہ وہ ہوتا ہے جسمیں سکتہ نہ آئے دریا جیسی روانی ہو۔ سلاست ہی ترجمے کو ممتاز بناتی ہے۔ ذیل میں سلاست کے حوالے سے دی گئی آیات پر نظر ڈالتے ہیں۔ پہلی آیت کے تراجم میں سلاست کا تقابلی جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

نور احمد سیال کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے: ''شروع نال اسم اللہ سئیں دے کہ ڈاڈھا مہربان اتے بہوں رحم والا ہے''، دلشاد کلانچوی نے اس آیت کا ترجمہ ''شروع ہے اللہ دے ناں نال جیہڑا بہوں مہربان تے وڈے رحم والا ہے''،

مفتی عبدالقادر سعیدی نے ''اللہ دے ناں نال شروع کریندا ں جو بہوں مہربان تے ڈاڈھا رحیم اے''، خان محمد لسکانی نے ''میں اللہ دے ناں دے نال (شروع کریندا ں) جیڑھا بغیر منگیئے ڈیون والا ہ تے ول ول رحم کرن والا ہ'' یہ سارے تراجم سلاست کی عمدہ مثال ہیں تاہم مولانا حفیظ کا ترجمہ لفظی ہے اس لیے سلاست میں کمی آ گئی ہے ترجمہ ملاحظہ فرمایئے ''(شروع) نال ناں اللہ تعالیٰ دے (جیہڑا) وڈا مہربان اتے نہایت رحم والا ہے''۔

دوسری آیت میں تمام فاضل مترجمین نے سلاست اور روانی کو ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ مولوی احمد بخش نے اس آیت کا ترجمہ ''سبھے صفتاں اللہ دیں جو سارے جہان دا پالنڑ والے''، صابر ملتانی نے ''ہر طرح دی تعریف خدا کوں ہی جھبندی اے جیڑھا سارے جہاناں دا پالن والا ہے''، دلشاد کلانچوی نے ''خاص تعریف اللہ کیتے ہے جیہڑا ساریاں جہاناں کوں پالن والا ہے'' مفتی عبدالقادر سعیدی نے ''ساریاں تعریفاں اللہ دیاں جو مالک اے سارے جہانیں دا'' خان محمد لسکانی نے ''ساریاں چنگائیاں تے صفتاں اللہ سئیں کیتے ہن جیرھا سارے جہاناں دا پالن ہار'' مولانا حفیظ الرحمٰن نے ''سب تعریف واسطے اللہ تعالیٰ دے ہے جو پالنڑ والا ہے سارے جہان دا'' کیا ہے۔ لیکن سب سے زیادہ سلاست مولوی احمد بخش اور خان محمد لسکانی کے ترجمے میں پائی جاتی ہے اور یہ فصیح بھی ہیں اور متن کا مکمل مفہوم بھی عیاں ہے۔

تیسری آیت کے تراجم میں بھی سلاست اور روانی پائی جاتی ہے۔ مہر عبدالحق نے زیر نظر آیت کے پہلے جز کا ترجمہ ''بے شک اللہ این (گالھ) کنوں نہیں شرماندا'' صابر ملتانی ''اللہ سئیں کہیں مثال دے بیان کرن وچ لحاظ نہیں فرمیندا'' دلشاد کلانچوی نے ''بے شک اللہ تعالیٰ نہیں شرم کریندا'' کیا ہے مولوی احمد بخش نے اس آیت کا ترجمہ ''تحقیق خدا تعالیٰ کہیں مثال مارنڑ کنوں شرم نہیں کریندا'' کیا ہے جو رواں نہیں اور سرائیکی زبان میں ''مثال مارنڑا استعمال نہیں ہوتا تاہم خان محمد لسکانی نے اس کا ترجمہ ''بے شک اللہ سائیں کوں کوئی روک کائنیں'' کیا ہے جس میں زیادہ سلاست پائی جاتی ہے۔

اب ہم سلاست کے حوالے سے چوتھی آیت کے ترجمے کا تقابلی جائزہ لیتے ہیں۔ مولوی احمد بخش نے اس کا ترجمہ ''اتیں جھڑدا چھتر کتوسے تساڈے اتے''، مہر عبدالحق نے ''اتے اساں تہاڈے اتے جھڑ دی چھاں کر ڈتی ہئی''، صابر ملتانی ''اتے اساں تساڈے اتے جھڑ بدل دی چھاں کیتی''، خان محمد لسکانی نے ''تے اساں تہاڈے اتے جھڑ دی چھاں کیتی''، دلشاد کلانچوی نے ''اتے اساں تہاڈے اتے بدلاں دی چھاں کیتی رکھی''، مفتی عبدالقادر سعیدی نے ''اتے اساں تہاڈے اتے جھڑ دی چھاں کیتی'' اور مولانا حفیظ الرحمٰن نے ''اتے چھاں کیتی ہئی اتے تساڈے جھڑ دی'' کیا ہے ان تراجم میں مولوی احمد بخش اور مولانا حفیظ الرحمٰن کا ترجمہ لفظی ہے اس لیے سلاست میں کمی آ گئی ہے۔

پانچویں آیت میں تمام مترجمین نے سلاست اور روانی کے ساتھ ترجمہ رقم کیا ہے مگر مولوی احمد بخش اور مولانا حفیظ الرحمٰن کے ترجمے لفظی ہیں ان میں روانی کم ہے تاہم مہر عبدالحق، صابر ملتانی، خان محمد لسکانی، دلشاد کلانچوی اور مفتی عبدالقادر کے تراجم میں سکتہ نہیں آتا ہے اور قاری کو دریا کے پانی جیسی روانی محسوس ہوتی ہے مثلاً دلشاد کلانچوی کا ترجمہ ملاحظہ ہے:

''اتے سچ کوں کوڑ نال نہ رلاؤ ملاؤ اتے نہ حقی گالھ کوں لکایا کرو اتے تساں (ایہ گالھیں) جانڑدے وی ہیوے۔''

ادبی چاشنی

ترجمے کا ایک اہم وصف ادبی چاشنی ہے کیونکہ اگر ترجمے میں ادبی حسن کے حوالے سے صنائع اور بدائع بھی ملحوظ خاطر رکھے گئے ہوں تو ترجمے کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔ سرائیکی تو ایک وسیع اور وقیع زبان ہے۔ حلاوت اور مٹھاس اس زبان کا اہم وصف ہے جتنی یہ زبان قدیم ہے اس کا ادب بھی اتنا ہی قدیم ہے۔ فاضل مترجمین میں سے اکثر ادیب، دانشور اور شاعر ہیں اس لیے ان تراجم میں ادبی چاشنی عیاں ہے۔

ڈاکٹر مہر عبدالحق کثیر التصانیف مصنف و مولف ہونے کے ساتھ ساتھ شاعر بھی تھے ان کا شعری مجموعہ "لاثریاں" سرائیکی ادب کا قیمتی سرمایہ ہے۔ اسی طرح پروفیسر عطا محمد دلشاد کلانچوی نے بہت سی کتابیں تصنیف اور تالیف کیں اور آپ کی شاعری کے کئی مجموعے شائع ہوئے خاص طور پر "کلام کلانچوی" قابل ذکر ہے۔ استاد محمد رمضان طالبؔ نے قرآن پاک کی منتخب آیات کا منظوم ترجمہ بھی کیا ہے۔ آپ کا کلام شائع بھی ہوا۔ مولانا محمد خیر الدین صابر ملتانی جیسا کہ تخلص صابرؔ سے ظاہر ہے کہ آپ شاعری بھی فرماتے تھے خاص طور پر سرائیکی مرثیہ نگاری میں آپ اہم مقام رکھتے ہیں۔

مولوی احمد بخشؒ کی لوح مزار کے کتبے پر آپ کا تخلص "صادق" تحریر ہے۔ آپ نے بے نقط فارسی اشعار بھی لکھے اس لیے ان محترم مترجمین کے ترجمے میں ادبی چاشنی موجود ہے۔ مترجم پہلی آیت کا ترجمہ ادبی انداز میں یوں کرتے ہیں۔

"اللہ دے ناں نال شروع کریداں جوایں جہان وچ ہر کہیں تے مہربانی اتیں اوں جہان وچ مسلمانیں تیں۔"

اسی طرح صابرؔ ملتانی کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

"شروع کریندا ہاں نال ناں اللہ دے جیڑھا بہوں رحم والا اتے وڈا مہربان ہے۔"

دلشاد کلانچوی دوسری آیت کے ترجمے میں ادبی انداز کو پیش نظر رکھا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

"خاص تعریف اللہ کیتے ہے جیہڑا ساریاں جہاناں کوں پالن والا ہے۔"

اگرچہ مولانا حفیظ الرحمٰن کے نام کے ساتھ ان کا تخلص "حفیظ" مرقوم ہے مگر ان کا ترجمہ تحت اللفظ ہے اس لیے ان کے ترجمے میں ادبی چاشنی کم ہے مثال کے طور پر چوتھی آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

"اتے چھاں کیتی ہائی اتے تساڈے جھڑ وی اتے لہایا اساں اتے تساڈے من (ترنجبین) اتے سلوی (بٹیرے)۔"

مفتی عبدالقادر سعیدی اور خان محمد لسکانی شاعر تو نہیں مگر ان کے ترجمے میں ادبی حسن موجود ہے۔ دوسری آیت میں خان محمد لسکانی کا ترجمہ ادبی حسن کے ساتھ مزین ہے:

"ساریاں چنگائیاں تے صفتاں اللہ سائیں کیتے ہن جیرھا سارے جہاناں دا پالن ہار۔"

ڈاکٹر مہر عبدالحق پانچویں آیت کا ترجمہ ادبی چاشنی کے ساتھ یوں رقم کرتے ہیں:

"اتے سچ کوں کوڑ دے نال نہ رلاؤ اتے نہ سچ کوں لکاؤ جو تساں جانڑدے ہو۔"

فاضل مترجمین صاحب طرز ادیب، دانشور اور شاعر ہیں یا پھر شعری ذوق رکھتے ہیں اس لیے ان کے تراجم میں ادبی چاشنی موجود ہے۔ ہر مترجم کے ترجمے کا الگ الگ رنگ ہے اور محترم مترجمین نے یہ کوشش کی ہے جو کچھ متن میں ہے اسی کا مفہوم ترجمے میں ہو اور ادبی رنگ میں ہو۔ تاہم لفظی اور تحت اللفظ تراجم میں ادبی حسن گو کم سے ہے لیکن بامحاورہ اور رواں تراجم میں ادبی چاشنی خوب پائی جاتی ہے جو قرآن مجید کے سرائیکی تراجم میں دلچسپی کے اضافے کا باعث ہے۔

ندرت

معیاری ترجمہ وہ ہوتا ہے جس میں ندرت ہو۔ یہ فطری بات ہے کہ منفرد چیز دلکش ہوتی ہے۔ زیرِ نظر پانچ آیات کے تراجم کے تقابلی مطالعے سے یہ بات عیاں ہوئی ہے کہ سب مترجمین کے تراجم مختلف ہیں۔ بعض تراجم معیاری بھی ہیں کچھ ترجمہ کہلانے کے حقدار ہی نہیں۔ ذیل میں ہم انفرادیت کے حوالے سے ان آیات کے تراجم کا باہمی موازنہ پیش کرتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے ترجمے میں بعض مترجمین نے الرحمن اور الرحیم کی صحیح وضاحت نہیں فرمائی۔ خاص طور پر مولوی احمد بخش نے متن کا جو مفہوم رقم کیا ہے وہ فصیح نہیں ہے۔ نور احمد سیال نے "ڈاڈھا مہربان" اور "بہوں رحم والا" لکھا ہے ڈاکٹر مہر عبدالحق نے بہت طویل پیرایہ بیان اختیار کیا ہے جبکہ ترجمے میں اختصار ضروری ہے۔ دلشاد کلانچوی نے "بہوں مہربان" اور "وڈے رحم والا" رقم کیا ہے۔ مفتی عبدالقادر سعیدی نے الرحیم کا ترجمہ "ڈاڈھا رحیم" کر کے منفرد ترجمے کی سعی کی ہے الرحیم کا متبادل سرائیکی لفظ نہیں لکھا گیا۔ اسی طرح محمد رمضان طالب نے الرحمن کا ترجمہ وڈا رحمان کیا ہے ان سب تراجم میں منفرد ترجمہ یہ ہے "میں اللہ دے ناں نال (شروع کرینداں) جیرھا بغیر منگیئے ڈیون والاء تے ول ول رحم کرن والاء" ہے جو خان محمد لسکانی کی تصنیف ہے۔

دوسری آیت کے ترجمے میں تمام مترجمین نے رب العلمین کا ترجمہ "سارے جہاناں دا پالن والا" کیا ہے سوائے محمد رمضان طالب کے جنھوں نے اس کا ترجمہ "ڈو جگ دا رب" کیا ہے عالمین جمع ہے اس لیے ڈو جگ درست نہیں اس آیت کے ترجمے میں سب سے زیادہ ندرت کا مظہر مولوی احمد بخش کا ترجمہ ہے جو یہ ہے:

"سبھے صفتاں اللہ دیں جو سارے جہان دا پالنڑ والے"۔

تیسری آیت کے پہلے حصے کے ترجمے کا تقابلی جائزہ لیتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا کا ترجمہ مولوی احمد بخش نے "تحقیق خدا تعالیٰ کہیں مثال مارنڑ کنوں شرم نہیں کریندا" کیا ہے۔ سرائیکی میں "مثال مارنڑ" درست ترجمہ نہیں۔ مہر عبدالحق نے اس کا ترجمہ "بے شک اللہ ایں (گالھ) کنوں نھیں شرماندا" مولانا حفیظ الرحمٰن نے "بے شک اللہ تعالیٰ نہیں شرم کریندا"، دلشاد کلانچوی نے "بے شک اللہ ایں گالھ کنوں نھیں شرماندا" جبکہ مفتی عبدالقادر سعیدی نے "بے شک اللہ نہیں چھوڑیندا بیان کہیں مثال دا" سب سے منفرد ترجمہ خان محمد لسکانی کا ہے لکھتے ہیں "بے شک اللہ سائیں کوں کوئی روک کاوٹ نھیں کہ انجھی مثال بیان کرے (ڈیوے)"۔

چوتھی آیت میں من و سلوی کے حوالے سے مختلف ترجمے مرقوم ہیں فاضل مترجمین نے سلوی کا ترجمہ "بٹیرے" کیا ہے جبکہ من کے ترجمے میں اختلاف پایا جاتا ہے صابر ملتانی اور مفتی عبدالقادر سعیدی نے من و سلوی کا ترجمہ کیا ہی نہیں مہر عبدالحق نے من کا ترجمہ "ہک پھل" جبکہ خان محمد لسکانی نے کھمبیاں کیا ہے۔ اسی طرح "انزلنا" کا ترجمہ بھی مختلف ہے۔ اس آیت کا ترجمہ "اتیں جھڑ دا چھتر گتوسے تساڈے اتے اتے پٹھیوسے تساڈے اتے شکلوا اتیں پکھی بٹیں ہوئے" مولوی احمد بخش کا ہے جو سب سے منفرد ہے۔

مترجمین نے پانچویں آیت کا ترجمہ تقریباً ایک جیسا کیا ہے۔ اس آیت کے ترجمے ایک دوسرے سے مماثلت رکھتے ہیں یہ آسان اور عام فہم آیت ہے مگر "حق" اور "باطل" کو واضح کرنا اتنا آسان نہیں تاہم اس آیت میں صابر ملتانی کے ترجمے میں ندرت ہے۔ ترجمہ یوں ہے "اتے سچ کوں کوڑ دے نال نہ رلاؤ ملاؤ اتے تساں جان بجھ کے حق گالھ کوں نہ چھپاؤ"۔

متابعت

قرآن پاک کے سرائیکی تراجم میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اردو تراجم سے سرائیکی میں ڈھالے گئے اور براہ راست عربی متن سے سرائیکی ترجمہ نہیں کیا گیا۔ بعض مقامات پر تو ایسا لگتا ہے کہ اردو ترجمے کے افعال ناقصہ کو تبدیل کر دیا گیا ہے باقی الفاظ اردو، فارسی یا عربی سے لے لیے گئے ہیں۔ نور احمد سیال نے ڈاکٹر محمد اشرف فاضلی کے اردو کے ترجمے سے تتبع فرمایا ہے۔ مولانا حفیظ الرحمٰن نے برملا لکھا ہے کہ انھوں نے شاہ عبدالقادرؒ کے اردو ترجمے کو ماخذ بنایا ہے۔ دلشاد کلانچوی کا کہنا ہے کہ ان کے سامنے آٹھ دس اردو انگریزی تراجم اور تفاسیر رہے جن سے انھوں نے استفادہ کیا۔ باقی تراجم میں بھی کچھ ایسے ہیں جو اردو تراجم کا تتبع ہیں۔

پہلی آیت کے ترجمے سے مترشح ہوتا ہے کہ اکثر مترجمین نے تسمیہ کے اردو ترجمے کو سامنے رکھ کر ترجمہ کیا ہے جیسے اردو تراجم میں الرحمٰن کا ترجمہ ''مہربان'' اور الرحیم کا ترجمہ ''نہایت رحم کرنے والا'' کیا گیا ہے۔ اسی طرح مترجمین نے من و عن ترجمہ کیا ہے۔ کم و بیش تمام مترجمین نے بسم اللہ کا ترجمہ ''شروع اللہ دے ناں دے نال'' کیا ہے۔ اردو تراجم سے تتبع کی وجہ سے ''الرحمٰن'' اور ''الرحیم'' کے متبادل سرائیکی الفاظ نہیں ملتے سب نے مہربان اور رحم کرنے والا رقم کیے ہیں۔

دوسری آیت کے ترجمے میں بھی ''رب'' کے معنی پالنے والا اور عالمین کا ترجمہ ''سارے جہان'' جیسا کہ اردو تراجم میں ہے۔ انہی الفاظ کو سرائیکی قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم مہر عبدالحق نے اس آیت کے ترجمے کی بجائے سرائیکی زبان میں تشریح اور تفسیر رقم کر دی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

''سب تعریفاں اللہ دیاں ہن، جیہڑا کل جہاناں دا پالن، دودھاون تے پھلاون، ہکلاون والا ہے''۔ اکثر مترجمین نے اردو تراجم کا تتبع کرتے ہوئے الحمد اللہ کا ترجمہ ''سب تعریفاں'' یا ''ساریاں تعریفاں'' کیا جبکہ مولوی احمد بخش نے ''سبھے صفتاں'' اور خان محمد لسکانی نے ''ساریاں چنگائیاں تے صفتاں'' کیا ہے اس ترجمے میں جامعیت ہے اور تتبع بھی نہیں ہے۔

تیسری آیت میں اکثر مترجمین نے یہی ترجمہ رقم کیا ہے کہ ''بے شک اللہ تعالیٰ این گالھ کنوں نہیں شرماندا'' یا اس سے ملتا جلتا ترجمہ تحریر کیا گیا ہے۔ مگر خان محمد لسکانی کا ترجمہ پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اس میں سرائیکیت ہے یہ اردو ترجمے کا تتبع نہیں ہے۔ ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

''بے شک اللہ سائیں کوں کوئی روک کائنیں کہ انجھی مثال بیان کرے (ڈیوے) جیرھی مچھر دی ہووے یا اوں کنوں وی گھٹ۔''

چوتھی آیت میں ''انزلنا'' کے ترجمے کا باہمی موازنہ ملاحظہ فرمائیے۔ مہر عبدالحق نے اس کا ترجمہ ''نازل کیتے''، صابر ملتانی نے ''بھیجا''، مولانا حفیظ الرحمٰن نے ''لہایا''، خان محمد لسکانی نے ''لہائے (پیدا کیتے)''، دلشاد کلانچوی نے ''لہندے ریہو سے'' اور مفتی عبدالقادر سعیدی نے ''اتاریو سے'' کیا ہے۔ مولوی احمد بخش نے اس ترجمے میں خالص سرائیکی لفظ ''منھو سے'' استعمال کیا ہے جو اردو ترجمے کا تتبع معلوم نہیں ہوتا۔

مترجمین نے پانچویں آیت میں تقریباً ایک جیسا انداز اپنایا ہے جو مروجہ اردو تراجم میں بھی پایا جاتا ہے یہ نہایت آسان آیت ہے اس میں اردو ترجمے سے تتبع کی ضرورت نہیں رہتی ''و''، ''لا''، ''حق'' اور ''باطل'' ایسے الفاظ اردو اور سرائیکی میں جذب ہو گئے ہیں اور ''وانتم تعلمون'' قرآن مجید میں بار ہا آیا ہے اس لیے قاری اس کے ترجمے سے واقف ہے۔

آیات کریمہ برائے موازنہ

پارہ عَمَّ یَتَسَآءَلُونَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(۱) وَيَقُوْلُ الْكَافِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا (۷۸:النبا:۴۰)

ترجمہ: حفیظ الرحمٰن

''اتے آکھیسی کافر کاش جو ہوندا میں مٹی۔''(39)

ترجمہ: عبدالحق مہر

''اتے کافر آکھسی کاش میں مٹی ہوندا۔''(40)

ترجمہ: خان محمد لسکانی

''تے کافر آکھسی افسوس میں تے مٹی تھی ونجاں ہا۔''(41)

ترجمہ: دلشاد کلانچوی

''اتے کافر آکھیسے ایویں تھیندا جو میں تاں بس مٹی ہوندا۔''(42)

ترجمہ: عبدالقادر سعیدی

''اتے آکھسے کا کاش میں تھی ونجاں ہا مٹی۔''(43)

ترجمہ: رمضان طالب

''کافر آکھسی کاش میں مٹی ہوندا۔''(44)

(۲) عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى (۸۰:عبس:۱،۲)

ترجمہ: حفیظ الرحمٰن

''تیوری چڑھائی اتے منہ پھیریا ایں کنوں جو آیا اوندے کول اندھا۔''(45)

ترجمہ: عبدالحق مہر

''تریوڑی گھت کے اوں منہ پھیر گھدا جو ہک اندھا اوندے کول آیا۔''(46)

ترجمہ: خان محمد لسکانی

''متھے تے وٹ آندس تے منہ پھیر گھدس جو اوندو ہک اندھا آئے۔''(47)

ترجمہ: دلشاد کلانچوی

''اوں متھے تے وٹ گھتیا تے منہ پھیر گھدا ایں گالھوں جو اوندے کول ہک اندھا آ گیا ہا۔''(48)

ترجمہ: عبدالقادر سعیدی

''منہ وٹائے نے اتے منہ پھیریے نے ایں (گالھ) تے جو انہاں کنے نابینا آئے۔''(49)

ترجمہ: رمضان طالب

''تریڈھی پاتی تے منہ موڑا جیڑھے ویلے اوں کولوں اندھا آیا۔''(50)

(۳) إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَتْ (۸۱:التکویر:۲،۱)

ترجمہ: حفیظ الرحمٰن

''جیڑھے ویلے سورج ویڑھیا ویسی اتے جیڑھے ویلے تارے میلے تھی ویسن۔''(51)

ترجمہ: عبدالحق مہر

''جڈاں سجھ کوں ولیٹ گھدا ویسی اتے جڈاں تارے میلے تھی کے کرن لگ ویسن۔''(52)

ترجمہ: خان محمد لسکانی

''جیلھے سجھ ولیٹ ویسی تے جیلھے تارے دھندلا ویسن۔''(53)

ترجمہ: دلشاد کلانچوی

''جڈاں سجھ کوں ولھیٹ گھدا ویسی جڈاں تارے پھکے پے ویسن۔''(54)

ترجمہ: عبدالقادر سعیدی

''جڈاں سجھ ویڑھ گھدا ویسے اتے جڈاں تارے ڈھہ ویسن۔''(55)

ترجمہ: رمضان طالب

''جڈاں سجھ کوں ولیھٹا ویسی تے جنیں ویلے تارے پھکے تھی ویسن۔'' (56)

(۴) فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ (۸۹:الفجر:۱۳)

ترجمہ: حفیظ الرحمٰن

''ول گھتیا اتے انہاں دے رب تیڈے نے گند عذاب دا۔''(57)

ترجمہ: عبدالحق مہر

''وت تیڈے پروردگار انھاں دے اتے سزا دا چابک سٹیا۔''(58)

ترجمہ: خان محمد لسکانی

''تیڈے رب انہیں تے عذاب دا سوٹا مارئے۔''(59)

ترجمہ: دلشاد کلانچوی

''ڈس تیڈے رب انھاں اتے عذاب دا ہک چابک وسایا۔''(60)

ترجمہ: عبدالقادر سعیدی

''پچھے ماریا انہیں تے تیڈے رب سوٹا عذاب دا۔''(61)

ترجمہ: رمضان طالب

''بس جیڑھے رب انہاں تے سٹیا او کھا عذاب۔''(62)

(۵) يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ (۱۰۱:القارعۃ:۴)

ترجمہ: حفیظ الرحمٰن

''جیویں جے ڈینہہ تھی ویسن آدمی واکوں تتڑیاں پریشان دے۔''(63)

ترجمہ: عبدالحق مہر

''جیویں جے ڈینہہ انسان کھنڈیے ہوئے پتنگاں بھمبھلاں وانگوں تھی ویسن۔''(64)

ترجمہ: خان محمد لسکانی

''جڈاں لوک ایویں تھی ویسن جیویں کھنڈیے ہوئے کھملاٹ۔''(65)

ترجمہ: دلشاد کلانچوی

''اوں ڈینہہ لوک کھنڈے بھنڈے کھمبوٹیاں (بھمبھوٹیاں) وانگوں ودے ہوسن۔''(66)

ترجمہ: عبدالقادر سعیدی

''جئیں ڈینہہ ہوسن لوک جیویں کھنڈے ہوئے ٹڈ اٹے۔''(67)

ترجمہ: رمضان طالب

''جئیں ڈینہہ آدمی مکوڑی وانگے پٹھے تھے پے ہوسن۔''(68)

معنویت

معنویت سے ہماری مراد یہ ہے کہ متن کے اندر موجود تمام کلمات کے معانی اور مفہوم واضح ہوں۔ قاری کو کسی بھی لفظ کے معنی سمجھنے میں دقت نہ ہو۔ زیر نظر آیات میں ہم اسی بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ ان میں معنویت کس حد تک ہے۔ تحت اللفظ ترجمے کی یہ خوبی ہے کہ ہر لفظ کے معنی اس کے نیچے قریب قریب مل جاتے ہیں اس سے قاری کو الفاظ کے مطالب سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے مگر بامحاورہ ترجمہ میں ہر لفظ کے معنی تلاش کرنے میں قاری کو دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے مثلاً پہلی آیت میں مولانا حفیظ الرحمٰن کا ترجمہ ملاحظہ ہو جو کہ تحت اللفظ ترجمہ ہے:

وَيَقُولُ الْكَافِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرَابًا

اتے آکھیسی کافر کاش جو ہوندا میں مٹی۔

بامحاورہ ترجمے میں ایک ایک لفظ کے معنی ڈھونڈنے میں دقت ہوتی ہے۔ مگر پوری آیت کے معنی و مفہوم سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

دوسری آیت کے ترجمے میں مولانا حفیظ الرحمٰن نے لفظی ترجمہ رقم کیا جس میں معنی سمجھنے میں آسانی ہے۔ جس کا ترجمہ مولانا حفیظ الرحمٰن نے "تیوری چڑھائی" اور مہر عبدالحق نے "تریوڑی گھت کے" کیا ہے۔ جو سرائیکی قاری کیلئے عام فہم نہیں۔ تاہم خان محمد لسکانی نے اس کا ترجمہ "متھے تے وٹ آندس"، دلشاد کلانچوی نے "اوں متھے تے وٹ گھتیا"، عبدالقادر سعیدی نے "منہ وٹائے نے" اور محمد رمضان طالب نے "تریڈھی پاتی" کیا ہے۔ جو معنویت کے اعتبار سے زیادہ فصیح ہے۔

تیسری آیت میں "اذا" کا ترجمہ مولانا حفیظ الرحمٰن نے "جیڑھے ویلے" اور خان محمد لسکانی "جیلھے" کیا ہے جبکہ مہر عبدالحق، دلشاد کلانچوی، عبدالقادر سعیدی اور محمد رمضان طالب نے اس کا ترجمہ "جڈاں" کیا ہے جو معنوی لحاظ سے درست ہے۔ اسی طرح کـــورت کا ترجمہ مولانا حفیظ الرحمٰن نے "ویڑھیا ویسی"، مہر عبدالحق نے "ولیٹ گھداویسی"، خان محمد لسکانی نے "ولیٹج ویسی"، عبدالقادر سعیدی نے "ویڑھ گھداویسے" اور محمد رمضان طالب نے اس کا ترجمہ "ولھیٹیا ویسی" کیا ہے۔ ان سب محترم مترجمین کے تراجم میں معنویت پائی جاتی ہے اور ان سرائیکی الفاظ سے کـــورت کے صحیح مفہوم کی ترجمانی ہوتی ہے۔

چوتھی آیت کے تراجم قابل غور ہیں۔ اس آیت کے دو کلمات "فـصـب" اور "ســوط" کے ترجمے قابل غور ہیں۔ جیسے فصب کا ترجمہ مولانا حفیظ الرحمٰن نے "ول گھتیا"، مہر عبدالحق نے "وت سٹیا"، خان محمد لسکانی نے "ماریئے"، دلشاد کلانچوی نے "وسایا" عبدالقادر سعیدی نے ماریا اور محمد رمضان طالب نے "سٹیا" کیا ہے۔ اسی طرح سوط کے معنی مولانا حفیظ الرحمٰن نے "گند"، مہر عبدالحق نے "چابک" خان محمد لسکانی نے "سوٹا"، دلشاد کلانچوی نے "چابک" اور محمد رمضان نے "اوکھا" کیا ہے۔ سوط کے معنی کوڑا یا چابک ہوتے ہیں اس لیئے مولانا حفیظ الرحمٰن اور محمد رمضان طالب کے معنی بہت معلوم نہیں ہوتے۔ معنوی اعتبار سے مہر عبدالحق کا ترجمہ زیادہ فصیح ہے۔

اسی طرح پانچویں آیت کے ترجمے میں "فراش" کے معنی مولانا حفیظ الرحمٰن نے "تتڑیاں"، مہر عبدالحق اور دلشاد کلانچوی نے "بھمبھیاں" خان محمد لسکانی نے "بھمبلاٹ" عبدالقادر سعیدی نے ٹنڈانے اور محمد رمضان طالب نے "مکوڑی" لکھے ہیں۔ فراش عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی پروانہ ہیں اور پروانے کو سرائیکی زبان میں بھمبھوٹیاں کہتے ہیں۔ مولانا حفیظ الرحمٰن نے فراش کا ترجمہ "تتڑیاں" کیا جو درست معلوم نہیں ہوتا۔ محمد رمضان طالب نے مکوڑی لکھا اسلئے اس میں معنوی سقم پایا جاتا ہے۔ عبدالقادر سعیدی نے اس کا ترجمہ "ٹنڈانے" رقم کیا ہے سرائیکی میں ٹنڈانا جگنو کو کہتے ہیں۔ عربی زبان میں اس کے لیے الگ لفظ سے "یراع" استعمال ہوتا ہے جس کے معنی جگنو ہیں۔ اس لیے مفتی عبدالقادر سعیدی کے ترجمے کو صحیح نہیں کہا جا سکتا۔

مذکورہ تراجم میں سرائیکی زبان کے تین واضح لہجے پائے جاتے ہیں۔ ان چھ تراجم میں سے تین ریاستی، دو ڈیروی اور ایک ملتانی لہجے میں ہے۔ ہر لہجے کا اپنا اپنا رنگ اور اپنی شان ہے۔ فرق ملاحظہ فرمائیے۔

پہلی آیت میں خان محمد لسکانی کے سوا سب نے یلیتنی کا ترجمہ کاش کیا ہے۔ "کاش" فارسی زبان کا لفظ ہے جبکہ خان محمد لسکانی نے اس کا ترجمہ "افسوس" کیا ہے اگر لہجے کے حوالے سے بات کی جائے تو لسکانی صاحب کا ترجمہ زیادہ بہتر ہے اس میں مکمل لہجویت موجود ہے کاش سے زیادہ "افسوس" جچتا ہے ترجمہ ملاحظہ ہو:

"تے کافر آکھسی افسوس میں تے مٹی تھی ونجاں ہا"

لہجے کے اعتبار سے خان محمد لسکانی کا ترجمہ زیادہ بہتر ہے محمد رمضان طالبؔ کے ترجمے میں "ؤ" کا ترجمہ "اتے" بھی مرقوم نہیں۔

اب ریاستی لہجے کے حوالے سے ویقول الکافر کے ترجمے کا تقابلی جائزہ لیتے ہیں۔ ریاستی لہجے میں تین تراجم ہیں گو تینوں ایک ہی لہجے سے متعلق ہیں مگر ان میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ شاید یہ اختلاف ریاست کے مختلف علاقوں میں "علاقائی بعد" کی وجہ سے ہے۔ دلشاد کلانچوی بہاولپور کے قریب کلانچ والا کے رہنے والے تھے اور مولانا حفیظ الرحمن شہر سے تعلق رکھتے ہیں۔ مولانا حفیظ الرحمن بہاولپور کے باسی تھے مفتی عبدالقادر سعیدی رحیم یار خاں نے اس کا ترجمہ "اتے اکھیسی کافر" کیا ہے۔ دلشاد کلانچوی نے "اتے کافر آکھیسے" اور مفتی عبدالقادر سعیدی نے "اتے آکھسے کافر" رقم کیا ہے۔ اکھیسی، آکھیسے اور آکھسے اگرچہ تینوں ایک ہی لہجے سے منسلک ہیں مگر مختلف ہیں ان تینوں تراجم میں سے دلشاد کلانچوی کے ترجمے سرائیکیت زیادہ ہے۔

ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

"اتے کافر آکھیسے ایویں تھیندا جو میں تاں بس مٹی ہوندا"

اسی طرح عبس وتولی کے ترجمے میں بھی لہجویت کے رنگ نمایاں ہیں۔ عبس کا ترجمہ عبدالقادر سعیدی نے "منہ وٹائے نے" اور اوں متھے تے "وٹ گھتیا" کیا ہے ایک ہی لہجے سے تعلق رکھنے کے باوجود دونوں مختلف ہیں البتہ مولانا حفیظ الرحمن نے اس کا ترجمہ "تیوری چڑھائی" کیا ہے جو اردو ترجمے کا تتبع معلوم ہوتا ہے۔

ڈاکٹر مہر عبدالحق نے اس کا ترجمہ "تریوڑی گھت کے" کیا ہے جو میری نظر میں موزوں نہیں کیونکہ "تریوڑی" کے ساتھ "گھت" کا لفظ درست معلوم نہیں ہوتا۔ تاہم اس کے مقابلے میں محمد رمضان طالبؔ نے اس کا ترجمہ "تریڈھی پاتی" رقم کیا ہے۔ یہ زیادہ بہتر ترجمہ ہے اور خالص سرائیکی محاورہ ہے اور اس بھی زیادہ موزوں ترجمہ "متھے تے وٹ آندس" ہے جو خان محمد لسکانی نے کیا ہے۔

فاضل مترجمین نے النجوم انکدرت کا ترجمہ اپنے اپنے لہجے کے رنگ میں تحریر کیا ہے۔ مہر عبدالحق نے اس کا ترجمہ "تارے میلے تھی کے کرن لگ ویسن"، مولانا حفیظ الرحمن نے "تارے میلے تھی ویسن"، خان محمد لسکانی نے "تارے دھندلا ویسن"، مفتی عبدالقادر سعیدی نے "تارے ڈیہہ ویسن"، دلشاد کلانچوی نے "تارے پھکے پے ویسن" کیا ہے مگر سب سے موزوں ترجمہ محمد رمضان طالبؔ نے رقم کیا ہے وہ ہے "تارے پھکے تھی ویسن" یہ ترجمہ خالص سرائیکی زبان میں کیا گیا ہے اور اس میں مکمل لہجویت بھی موجود ہے کیونکہ فاضل مترجم صاحب طرز ادیب اور شاعر بھی ہیں اس لیے آپ نے زبان وادب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے خوبصورت ترجمہ تصنیف کیا ہے۔

سرائیکیت

معیاری ترجمہ وہ ہوتا ہے جس میں خالص زبان استعمال کی گئی ہو۔ گر کلام میں سرائیکی زبان کے خصائص پائے جائیں تو یہ کہا جائے گا سرائیکیت اپنے کمال پہ ہے اور اگر ترجمے میں تتبع ہو اور دخیل کلمات کی بھرمار ہو تو ترجمہ معیاری اور عام فہم نہیں رہتا۔ فاضل مترجمین نے اپنے اپنے ترجمے کو خالص سرائیکی زبان میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے تاہم کہیں کہیں مختلف قسم کے سقم بھی موجود ہیں۔

پہلی آیت کے ترجمے میں "کافر" کا ترجمہ کافر ہی کیا گیا ہے اور یـلیتنی کا ترجمہ "کاش" کیا گیا ہے جو فارسی زبان کا لفظ ہے۔ البتہ خان محمد لسکانی نے اس کا ترجمہ "افسوس" کیا ہے۔ اس آیت کے ترجمے میں سب سے زیادہ سرائیکیت دلشاد کلانچوی کے ترجمے میں پائی جاتی ہے ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

"اتے کافر آکھیسے ایویں تھیندا جو میں اس مٹی ہوندا"

اب دوسری آیت کے ترجمہ کا سرائیکیت کے حوالے سے جائزہ لیتے ہیں۔ مولانا حفیظ الرحمٰن نے حضرت شاہ رفیع الدینؒ کے اردو ترجمے کا تتبع فرمایا ہے اس لیے اس میں سرائیکیت کم ہے دوسری آیت میں ترجمہ تحت اللفظ ہونے کی وجہ سے دوسرے تراجم کی نسبت اس میں ابلاغ کم ہے ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

"تیوری چڑھائی اتے منہ پھیریا ایں کنوں جو آیا اوندے کول اندھا" اس ترجمے کے تقابل میں محترم مترجمین نے دوسری زبانوں کے الفاظ استعمال نہیں کیے بلکہ سرائیکی زبان کے خالص الفاظ کو ترجیح دی ہے اور ترجمے کو معیاری بنانے کی کوشش کی ہے۔

تیسری آیت میں فاضل مترجمین نے ایک بھی غیر سرائیکی لفظ استعمال نہیں کیا سوائے مولانا حفیظ الرحمٰن کے جنھوں نے اپنے ترجمے میں صرف ایک غیر سرائیکی لفظ "سورج" استعمال کیا ہے جبکہ باقی تمام مترجمین نے "سجھ" رقم کیا ہے۔ کورت کے ترجمے میں ان چھ مترجمین نے سرائیکی زبان کے چھ مختلف الفاظ استعمال کیے ہیں جو یہ ہیں۔ "ازجیا ویسی" "ولیٹ گھدا ویسی" "ولھیٹیا ویسی"۔ ان الفاظ کے استعمال سے سرائیکیت عیاں ہوتی ہے۔

چوتھی آیت کے ترجمے کے باہمی موازنہ کرتے ہوئے یہ بات سامنے آئی ہے کہ بعض مترجمین نے دخیل کلمات استعمال کیے ہیں۔ اگرچہ شاذ ہیں مثلاً "سوط" کے معنی "چابک" ہیں اور یہ اردو کا لفظ ہے مگر ڈاکٹر مہر عبدالحق اور دلشاد کلانچوی نے چابک کے سرائیکی معنی تحریر نہیں کیے۔ اسی طرح ڈاکٹر مہر عبدالحق کے علاوہ تمام فاضل مترجمین نے عذاب کا ترجمہ عذاب ہی کیا ہے۔ اس لیے اس آیت کے ترجمے میں سرائیکیت کم نظر آتی ہے۔

پانچویں آیت میں تمام مترجمین نے اپنے اپنے انداز میں جو ترجمہ رقم کیا ہے وہ سرائیکیت کا مظہر ہے معنوی اعتبار سے المبثوث کا ترجمہ بھمبھلاں، کھمبھوٹیاں اور کھمبلاٹ درست ترجمہ ہے اور اس میں سرائیکیت بھی ہے لیکن مولانا حفیظ الرحمٰن نے اس کا ترجمہ "ٹڈیاں"، مفتی عبدالقادر سعیدی نے ٹڈانے اور محمد رمضان طالب نے "مکڑی" کیا ہے جو معنوی سقم کا شکار ہے تاہم یہ خالص سرائیکی الفاظ ہیں مترجمین نے حتی المقدور سرائیکی الفاظ استعمال کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ ترجمہ معیاری ہو اور قاری کی دلچسپی میں اضافے کا باعث ہو۔

ابلاغ

ابلاغ سے ہماری مراد یہ ہے کہ ترجمے میں متن کی ترجمانی زیادہ سے زیادہ ہو۔ اور جو کچھ متن میں بیان کیا گیا ہو اس کو پوری طرح سے ترجمے میں سمو دیا گیا ہو۔ پہلی آیت کے ترجمے کا باہمی موازنہ کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ محمد رمضان طالب کے ترجمے میں ابلاغ موجود ہے ترجمہ ملاحظہ ہو:

''کافر آکھسی کاش میں مٹی ہوندا۔''

اس ترجمے میں مکمل ابلاغ ملتا ہے اس کے برعکس مولانا حفیظ الرحمٰن کا ترجمہ جو بامحاورہ نہیں ہے اس لیے دوسرے تراجم کی نسبت اس میں ابلاغ قدرے کم ہے ترجمہ دیکھیے:

''اتے اکھیسی کافر کاش جو ہوندا میں مٹی''

اسی طرح سے مفتی عبدالقادر سعیدی کا ترجمہ دیکھیں:

''اتے آکھسے کافر کاش میں تھی ونجاں ہا مٹی''

اور اب خان محمد لسکانی کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

''تے کافر آکھسی افسوس میں تے مٹی تھی ونجاں ہا۔''

مفتی عبدالقادر سعیدی کا ترجمہ ریاستی لہجے کی نمائندگی کرتا ہے جبکہ خان محمد لسکانی ڈیروی لہجے سے متعلق ہیں ان دونوں تراجم میں کامل ابلاغ ہے۔ صرف لہجوں کا فرق ہے ابلاغ خوب ہے۔

دوسری آیت کے ترجمے میں فاضل مترجمین نے عربی متن کی صحیح ترجمانی کی قابل قدر کاوش کی ہے اور جو کچھ متن میں کہا گیا ہے اسی کو ترجمے میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ مذکورہ آیت ''آیات توبیخ'' میں سے ہے۔ اس لیے محترم مترجمین نے اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے قرآن پاک کے عربی متن کی مکمل ترجمانی کی ہے اس لیے ان تمام مترجمین کے تراجم میں ابلاغ موجود ہے۔

سورۃ التکویر کی پہلی دو آیات جن کے ترجمے کا ہم تقابلی جائزہ پیش کر رہے ہیں وہ قیامت سے متعلق ہیں۔ فاضل مترجمین نے قرآن پاک کے متن کی مکمل ترجمانی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام میں جسطرح قیامت کی نشانیوں کا ذکر کیا گیا ہے کہ سورج اور ستاروں کا کیا حال ہوگا اور کس طرح سے یہ چمکنے اور دمکنے والی چیزیں ایک لمحے میں نیست نابود ہو جائیں گی اس حوالے سے ان تراجم میں مکمل ابلاغ موجود مثال کے طور پر مہر عبدالحق کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

''جڈاں بجھ کو ولیٹ گھدا ویسی اتے جڈاں تارے میلے تھی کے کرن لگ ویسن''

باقی مترجمین کے تراجم میں لہجوں کا فرق تو ہے لیکن سب اس خوبی سے متصف ہیں کہ ان میں مکمل ابلاغ پایا جاتا ہے۔

چوتھی آیت کے ترجمے میں بعض مقامات پر معنوی سقم پایا جاتا ہے جسکی وجہ سے ابلاغ میں کمی آ گئی ہے۔ مولانا حفیظ الرحمٰن نے ''سوط'' کا ترجمہ ''گنڈ'' کیا ہے جو درست معلوم نہیں ہوتا اسی طرح مہر عبدالحق اور دلشاد کلانچوی نے اس کا ترجمہ ''چابک'' رقم کیا ہے جبکہ خان محمد لسکانی اور مفتی عبدالقادر سعیدی نے اس کا ترجمہ ''سوٹا'' کیا ہے اور محمد رمضان طالب اس کا ترجمہ ''اوکھا'' لکھا ہے۔ اس حوالے سے قاری کیلئے ابلاغ موجود نہیں۔

پانچویں آیت میں ''المبثوث'' کے معنی مختلف کیے گئے ہیں مولانا حفیظ الرحمٰن نے ''تڈیاں'' محمد رمضان طالب نے ''مکڑی''، مفتی عبدالقادر سعیدی نے ''ٹنڈالے''، مہر عبدالحق اور دلشاد کلانچوی نے ''بھمبھوٹیاں'' اور خان محمد لسکانی نے ''بھمبلاٹ'' لکھا ہے اس معنوی اختلاف کے باوجود ابلاغ موجود ہے اور قرآن کے پاک عربی متن کے صحیح مفہوم کو سادہ، سہل اور عام فہم انداز میں پیش کیا گیا ہے جس سے مکمل ابلاغ سامنے آتا ہے۔ دلشاد کلانچوی کا ترجمہ ابلاغ کامل کی خوبصورت مثال ہے:

''اوں ڈینہہ لوک کھنڈے پھنڈے بھمبوٹیاں وانگوں ودے ہوسن۔''

اثر آفرینی

اثر آفرینی کے اعتبار سے یوں تو قرآن پاک کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک کلمہ دل میں اتر جانے والا ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی اثر آفرین کلام ہو ہی نہیں سکتا لیکن اس کی ترجمانی میں وہ اثر آفرینی نہیں ملتی جو متن میں ہوتی ہے۔ ذیل میں ہم اس اثر آفرینی کو تراجم میں تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

پہلی آیت کے ترجمے میں الفاظ کا انتخاب خوب ہے۔ جملوں کی بناوٹ بھی عمدہ ہے اور سلاست بھی ہے خاص طور پر محمد رمضان طالب کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

''کافر آکھسی کاش میں مٹی ہوندا۔''

اگر کلام میں الفاظ کے انتخاب کے ساتھ ساتھ غنائیت، مٹھاس، جذباتیت، ترنم، جملوں کی بناوٹ اور اسلوب بیاں خوبصورت ہو۔ اگر یہ تمام چیزیں ایک کلام میں مل جائیں تو اس میں اثر آفرینی بڑھ جاتی ہے قاری پر خوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

دوسری آیت میں خان محمد لسکانی کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

''متھے تے وٹ آندس تے منہ پھیر گھدس جو اوندو ہک اندھا آئے''

اس ترجمے میں اثر آفرینی اس لیے زیادہ ہے کہ اس میں الفاظ کا انتخاب اور جملوں کی بناوٹ خوب ہے۔ سرائیکیت بھی اپنے کمال پہ ہے۔ دلشاد کلانچوی کے ترجمے میں بھی جملوں کی بناوٹ خوب ہے ترجمہ دیکھیے:

''اوں متھے تے وٹ گھتا تے منہ پھیر گھدا اِیں گالھوں جو اوندے کول ہک اندھا آگیا ہا۔''

اس ترجمے میں سلاست اور اسلوب بیاں خوب ہے جسکی وجہ سے اس ترجمے میں اثر آفرینی میں اضافہ ہوا ہے۔

اسی طرح مفتی عبدالقادر سعیدی کا ترجمہ بھی اثر آفرینی کی عمدہ مثال ہے ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

''منہ وٹائے نے اتے منہ پھیرے نے۔''

اس ترجمے میں مٹھاس، جذباتیت اور غنائیت ہے۔ اس ترجمہ سے قاری کے دل پر خوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں کیونکہ اسلوب بیاں اور الفاظ کا انتخاب خوب ہے۔

تیسری آیت کے ترجمے میں تمام فاضل مترجمین نے جملوں کی بناوٹ کا خاص خیال رکھا ہے۔ ترجمے میں سلاست بھی موجود ہے اور پر تاثیر الفاظ کے انتخاب سے سرائیکیت بھی خوب ہے خاص طور پر محمد رمضان طالب کے ترجمے میں اثر آفرینی ملاحظہ فرمائیے:

''جڈاں بجھ کوں ولہیٹیا ویسی تے جئیں ویلے تارے پھکے تھی ویسن۔''

چوتھی آیت کے ترجمے میں فاضل مترجمین نے بعض مقامات پر الفاظ کا انتخاب درست نہیں فرمایا۔ جسکی وجہ سے اثر آفرینی میں کمی آگئی ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کے عربی متن کا صحیح مفہوم بیان نہیں ہو سکا۔ اس آیت کے تراجم میں سب مترجمین نے عذاب کا ترجمہ عذاب ہی کیا ہے۔ صرف مہر عبدالحق نے اس کا ترجمہ سزا کیا ہے۔ اسی طرح ''سوط'' کے ترجمے میں معنوی سقم پایا جاتا ہے اور جملوں کی بناوٹ میں بھی اثر آفرینی کو پیش نظر نہیں رکھا گیا۔

قرآن مجید میں قیامت سے متعلق تمام آیات اثر انگیز ہیں۔ خاص طور پر سورۃ القارعہ قابل ذکر ہے۔ اس سورۃ کی مذکورہ آیت کے حوالے سے محترم مترجمین نے قرآن مجید کے عربی متن کی صحیح ترجمانی کی عمدہ کوشش کی ہے۔ اس ترجمے میں الفاظ کا انتخاب اور سلاست خوب ہے۔ مترجمین نے اپنے اپنے علاقائی لہجوں کو اختیار کیا ہے مگر اسلوب بیاں اور معنویت اس قدر ہے کہ قرآنی آیات کی طرح ان کا ترجمہ بھی پر تاثیر ہے۔

ادبی چاشنی

جب کلام فصیح اور بلیغ ہو اور اس میں کوئی لفظی اور معنوی تعقید نہ ہو۔ لفظ آسان ہوں سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہو پیرایہ بیان واضح ہو اور اس میں کوئی گنجلاہٹ نہ ہو۔ تو کہا جاتا ہے کہ اس کلام میں ادبی چاشنی موجود ہے اس حوالے سے ہم مذکورہ تراجم پر نظر ڈالتے ہیں۔ مہر عبدالحق پہلی آیت کا ترجمہ یوں رقم کرتے ہیں:

''اتے کافر آکھسی کاش میں مٹی ہوندا۔''

یہ ترجمہ فصیح نظر آتا ہے۔ اس میں لفظ بھی آسان ہیں اور فاضل مصنف صاحب طرز ادیب اور شاعر بھی ہیں۔ مہر عبدالحق کے علاوہ دلشاد کلانچوی اور محمد رمضان طالب بھی ایسے شاعر ہیں جن کے شعری مجموعے بھی طبع ہو چکے ہیں۔ خان محمد لسکانی اور مفتی عبدالقادر سعیدی بھی ماہر انشا پرداز ہیں اس لیے ان کا ترجمہ بھی ادبی شاہ پارہ ہے۔ ان تراجم میں سب سے زیادہ جس ترجمہ میں ادبی چاشنی ہے وہ خان محمد لسکانی کا ہے جو یوں ہے:

''تے کافر آکھسی افسوس میں تے مٹی تھی ونجاں ہا۔''

دوسری آیت میں تمام مترجمین کے تراجم میں سلاست اور اثر آفرینی پائی جاتی ہے اور ابہام بھی کم دکھائی دیتا ہے۔ البتہ مولانا حفیظ الرحمٰن کا ترجمہ جو لفظی ہے اور اردو ترجمے کا تتبع بھی ہے۔ اس لیے اس میں ادبی چاشنی کم ہے۔ اس آیت کے ترجمے میں ہر مترجم نے لغوی حسن کے ساتھ ساتھ ادبی حسن کو بھی پیش نظر رکھا ہے اور ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جو مشکل نہیں ہیں دلشاد کلانچوی کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

''اوں متھے تے وٹ گھتیا تے منہ پھیر گھدا۔''

محمد رمضان طالب رقم طراز ہیں:

''تریڑھی پاتی تے منہ موڑا۔''

ان تراجم میں ادبی حسن نمایاں ہے لیکن میرے نزدیک مفتی عبدالقادر سعیدی کے ترجمے میں بھی ادبی چاشنی خوب ہے لکھتے ہیں:

''منہ وٹائے نے اتے منہ پھیریے نے۔''

تیسری آیت کے تراجم کا موازنہ کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ہر مترجم نے جملوں کی ساخت میں ادبی حسن پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ الشمس کورت کا ترجمہ ان الفاظ کے ساتھ کیا گیا ہے ''سجھ کوں ولیٹ گھدا ویسی۔'' ''سجھ ونجیچ ویسی'' اور ''سجھ ویڑھے گدا ویسی'' ان تراجم میں لفظی اور معنوی مشکلات نہیں ہیں تاہم سب سے زیادہ ادبی چاشنی سے مزین ترجمہ محمد رمضان طالب کا ہے لکھتے ہیں ''سجھ کوں ولیٹیا ویسی۔'' یہ بہت ہی فصیح ترجمہ ہے۔

اب ہم چوتھی آیت کے تراجم پر تقابلی نظر ڈالتے ہیں اس آیت کے تراجم میں وہ ادبی حسن نہیں ہے جو پہلی تین آیات کے ترجمے میں ہے اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ بعض مترجمین کے ترجمے میں معنوی سقم موجود ہے، پیرایہ بیان واضح نہیں ہے اور ترجمہ عذاب ہی کیا ہے اوسوط کا ترجمہ سوٹا کیا ہے جو درست معلوم نہیں ہوتا۔ محمد رمضان طالب نے اس کا ترجمہ ''اوکھا'' اور ''گند'' کیا ہے۔ یہ ترجمہ تو بالکل ہی درست نہیں ہے اس لیے اس آیت کے تراجم میں ادبی چاشنی نظر نہیں آتی۔

پانچویں آیت کا ترجمہ قیامت کی نشانیوں سے متعلق ہے اس لیے اس آیت کے مختلف تراجم میں ادبی چاشنی کی بجائے اثر آفرینی نظر آتی ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہر مترجم نے المبثوث کا ترجمہ مختلف کیا ہے۔ مولانا حفیظ الرحمٰن نے ''تتڈیاں''، محمد رمضان طالب نے ''مکڑی''، مفتی عبدالقادر سعیدی نے ''تتڈ لے'' دلشاد کلانچوی اور مہر عبدالحق نے ''بھمبھوٹیاں'' کیا۔ اس طرح ان تراجم میں یکسانیت نہیں پائی جاتی اور ترجمے کا حسن بھی متاثر ہوا ہے اور ادبی چاشنی میں بھی کمی آئی ہے۔ البتہ مہر عبدالحق کے ترجمے میں قدرے چاشنی ملتی ہے۔ جو یہ ہے:

''جیڑھے ڈینہہ انسان کھنڈے ہوئے بھمبھاں وانگوں تھی ویسن۔''

ندرت

جس ترجمے میں عدم تتبع، سلاست، ادبی چاشنی، روانی اور ترجمے کے تمام خواص موجود ہوں تو ایسا ترجمہ ندرت کا حامل ہوگا۔ اب ہم زیرِ نظر تراجم میں وہ انفرادی پہلو تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو ایک معیاری ترجمے میں ہوتے ہیں۔

پہلی آیت کے ترجمے میں تمام فاضل مترجمین نے منفرد انداز اپنایا ہے۔ مولانا حفیظ الرحمٰن نے اس کا ترجمہ "اتے کھیسی کا فر کاش جو ہوندا میں مٹی۔" کیا ہے اگرچہ یہ تحت اللفظ ترجمہ ہے مگر اس ندرت پائی جاتی ہے۔ اسی طرح مہر عبدالحق لکھتے ہیں۔ "اتے کافر اکھیسی کاش میں مٹی ہوندا۔" یہ ترجمہ بھی انفرادیت کا حامل ہے۔ اب محمد رمضان طالب کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

"کافر آکھسی کاش میں مٹی ہوندا۔"

میرے خیال میں یہی سب سے بہتر ترجمہ ہے، اس میں ندرت بھی ہے اور اختصار بھی اسے معیاری ترجمہ کہا جاسکتا ہے۔

سورۂ عبس کی پہلی دو آیات کا ترجمہ بھی ندرت کی عمدہ مثال ہے۔ خان محمد لسکانی نے یہ ترجمہ منفرد انداز میں یوں رقم کیا ہے:

"متھے تے وٹ آندس تے منہ پھیر گھدس جو اوندو ہک اندھا آئے۔"

اس ترجمے جہاں ڈیروی لہجے کی انفرادیت شامل ہے وہاں سلاست، روانی اور ادبی چاشنی بھی موجود ہے۔ اسی طرح محمد رمضان طالب نے بھی ڈیروی لہجے کی ترجمانی کرتے ہوئے معیاری ترجمہ تحریر کیا ہے ترجمہ ملاحظہ ہو۔

"تریڑی پاتی تے منہ موڑ اچھڑ جے ویلے اوں کولوں اندھا آیا۔"

اگرچہ یہ بھی ڈیروی لہجے کا نمائندہ ترجمہ ہے مگر خان محمد لسکانی کے ترجمے سے منفرد ہے۔

تیسری آیت کے ترجمے میں محترم مترجمین نے النجوم انکدرت کا ترجمہ اپنے اپنے منفرد انداز میں رقم کیا ہے۔ مولانا حفیظ الرحمٰن نے اس کا ترجمہ "تارے میلے تھی ویسن"، مہر عبدالحق نے "تارے میلے تھی کے کرن لگ ویسن"، خان محمد لسکانی نے "تارے دھندلا ویسن"، دلشاد کلانچوی نے "تارے پھکے پے ویسن" جبکہ مفتی عبدالقادر سعیدی نے "تارے ڈھہ ویسن" کیا ہے۔ لیکن میری رائے میں سب سے زیادہ ندرت کا حامل ترجمہ وہ ہے جو محمد رمضان طالب نے تحریر کیا ہے فرماتے ہیں: "تارے پھکے تھی ویسن"۔ اسی طرح اذا کا ترجمہ مہر عبدالحق، دلشاد کلانچوی اور محمد رمضان طالب نے "جڈاں" کیا ہے جبکہ خان محمد لسکانی نے "جیلھے" کیا ہے جبکہ مولانا حفیظ الرحمٰن نے اس کا منفرد ترجمہ "جیڑھے ویلے" رقم کیا ہے۔

چوتھی آیت میں فاضل مترجمین سلاست اور روانی کو پیش نظر رکھتے ہوئے منفرد انداز میں ترجمہ تصنیف کیا ہے۔ فَصَبَّ کا ترجمہ مولانا حفیظ الرحمٰن نے "دل گھتیا"، مہر عبدالحق نے "وت سٹیا"، خان محمد لسکانی نے "ماریئے"، دلشاد کلانچوی نے "وسایا"، مفتی عبدالقادر سعیدی نے "پچھے ماریا"، اور محمد رمضان طالب نے "ہس سٹیا" لکھا ہے۔ یہ سارے الفاظ معنوی اعتبار سے خوب ہیں۔ مگر انفرادیت دلشاد کلانچوی کے ترجمے میں پائی جاتی ہے۔

پانچویں آیت کے ترجمے میں وہ تمام خواص موجود ہیں جو ایک معیاری ترجمے کا جزو لاینفک ہوتے ہیں۔ ان میں سلاست بھی ہے اور روانی بھی اور یہ ادبی چاشنی سے بھی مزین ہیں اور کالفراش المبثوث کا ترجمہ تمام مترجمین نے عمدگی کے ساتھ کیا ہے اگرچہ بعض مترجمین کے ترجمے میں معنوی سقم بھی پایا جاتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس آیت کے تمام تراجم میں ندرت میرے نزدیک دلشاد کلانچوی کے ترجمے میں ہے جسے سب سے زیادہ منفرد ترجمہ کہا جاسکتا ہے۔ ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

"اوں ڈینہہ لوک کھنڈے پھنڈے بھنبھوٹیاں وانگوں ودے ہوسن۔"

فصاحت

وہ کلام جس میں ابہام نہ ہو۔ واضح ہو۔ سہل الفہم ہو۔ لفظی اور معنوی مشکلات نہ ہوں۔ قواعد کے لحاظ سے درست ہو اور جملوں کی ساخت کے لحاظ سے حسن ہو۔ ایسے موزوں الفاظ ہوں کہ معنی جلد سمجھ آ جائیں۔ جو بات کی جائے وہ واضح ہو، مکمل ابلاغ ہو اور اثر آفرینی بھی ہو تو کہا جائے گا اس ترجمے میں فصاحت پائی جاتی ہے۔

سورۃ النبا کی مذکورہ آیت ویقول الکافر یلیتنی کنت ترابا کے ترجمے میں ہر مترجم نے فصاحت و بلاغت کو پیش نظر رکھا ہے جب اس آیت کے تراجم کا باہمی موازنہ کرتے ہیں تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ ہر مترجم کا ترجمہ اپنے تئیں واضح ہے اس میں کوئی ابہام نہیں ہے۔ مولانا حفیظ الرحمٰن کا ترجمہ اگرچہ لفظی ہے مگر وہ بھی فصیح ہے۔ خان محمد لسکانی اور محمد رمضان طالب اگرچہ ڈیروی لہجے کی نمائندگی کرتے ہیں لیکن دونوں کا ترجمہ قواعد کی رو سے درست ہے۔ خان محمد لسکانی نے یلیتنی کا ترجمہ "افسوس" کیا ہے جبکہ باقی تمام مترجمین نے اس کا ترجمہ "کاش" رقم کیا ہے اگر اس کے مقابلے میں سرائیکی لفظ لایا جاتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔ بہر حال میری رائے میں سب سے زیادہ فصیح ترجمہ مہر عبدالحق کا ہے لکھتے ہیں:

"اتے کافر آکھسی کاش میں مٹی ہوندا۔"

دوسری آیت کے تراجم میں فصاحت اپنی مثال آپ ہے عبس وتولی کا ترجمہ بہت واضح ہے۔ محمد رمضان طالب نے اس کا ترجمہ "تریڑھی پاتی تے منہ موڑا۔"، مفتی عبدالقادر سعیدی نے "منہ وٹائے نے تے منہ پھیریے نے"، دلشاد کلانچوی نے "اوں متھے تے وٹ گھتیا تے منہ پھیر گھدا"، خان محمد لسکانی نے "متھے تے وٹ آندس تے منہ پھیر گھدس" کیا ہے جو بہت ہی فصیح ترجمہ ہے۔ اس میں لفظی اور معنوی سقم نہیں ملتا۔ خاص طور پر جملوں کی ساخت میں حسن اور ادبی چاشنی موجود ہے۔ مہر عبدالحق نے اس کا ترجمہ "تریوڑی گھت کے اوں منہ پھیر گھدا" جبکہ مولانا حفیظ الرحمٰن نے "تیوری چڑھائی اتے منہ پھیریا" کیا ہے۔ ان دونوں تراجم میں فصاحت نہیں پائی جاتی اور اس میں تتبع کا عنصر زیادہ معلوم ہوتا ہے۔

سورۃ التکویر کی پہلی آیت اذا الشمس کورت کے ترجمے کو تمام فاضل مترجمین نے فصیح و بلیغ بنانے کی شعوری کوشش کی ہے اور وہ اس میں کامیاب بھی ہوئے ہیں۔ اس آیت کے تراجم میں قرآن مجید کے عربی متن کی مکمل ترجمانی موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق قیامت والے دن سورج کو لپیٹ دیا جائے گا اس مفہوم کو محترم مصنفین نے خوبصورت الفاظ میں سمو دیا ہے۔ دلشاد کلانچوی کا ترجمہ سب سے زیادہ فصیح ہے ترجمہ ملاحظہ ہو:

"جڈاں بجھ کوں لپیٹ گھداویسی تے جڈاں تارے پھکے پے ویسن۔"

چوتھی آیت کے تراجم میں بعض مترجمین کے تراجم میں لفظی اور معنوی تعقید پائی جاتی ہے جن سے تراجم میں فصاحت کم ہو گئی ہے۔ مثلاً مولانا حفیظ الرحمٰن نے "سوط" کا ترجمہ "گند" رقم کیا ہے جبکہ اس کا ترجمہ "چابک" ہے اور سرائیکی ترجمہ "چانج" ہے۔ اسی طرح مہر عبدالحق اور مفتی عبدالقادر سعیدی نے اس کا ترجمہ "سوٹا" کیا ہے یہ ترجمہ فصیح نہیں ہے جبکہ محمد رمضان طالب نے اس کا ترجمہ اوکھا کیا ہے یہ بھی واضح ترجمہ نہیں ہے۔ اس لیے کسی ترجمے کو فصیح نہیں کہا جا سکتا ہے۔

پانچویں آیت کے تراجم میں فاضل مصنفین نے کالفراش المبثوث کا ترجمہ اپنے اپنے علم کے مطابق رقم کیا ہے اور ہر مترجم نے "فراش" کے مختلف معنی تحریر کیے ہیں۔ مہر عبدالحق، دلشاد کلانچوی اور خان محمد لسکانی نے اس کا ترجمہ بھنبھوٹیاں اور کھمبلاٹ کیا ہے۔ یہ فصیح ترجمہ ہے جبکہ مولانا حفیظ الرحمٰن، عبدالقادر سعیدی اور محمد رمضان طالب کا ترجمہ ٹڈ لئے اور مکڑی کیا ہے جو فصیح نہیں ہے۔

سلاست

ترجمے میں سلاست مراد یہ ہے کہ الفاظ آسان ہوں۔ پیرایہ بیان سہل اور عام فہم ہو۔ ترجمہ مسلسل ہو اس میں سکتہ نہ آئے۔ اگر ترجمے میں دریا جیسی روانی ہو تو وہ معیاری ترجمہ کہلاتا ہے اب مذکورہ آیات کا سلاست کے حوالے سے موازنہ کرتے ہیں۔

پہلی آیت کے ترجمے میں مولانا حفیظ الرحمٰن کا ترجمہ تحت اللفظ ہے اس لیے اس میں روانی نہ ہونے کے برابر ہے۔ ترجمہ ملاحظہ ہو:

''اتے اکھیسی کافر کاش جو ہوندا میں مٹی۔''

لفظی ترجمہ ہونے کی وجہ سے اس میں سلاست نہیں پائی جاتی۔ اسی طرح مفتی عبدالقادر سعیدی کے ترجمے میں بھی سلاست کی کمی ہے لکھتے ہیں:

''اتے آکھسے کافر کاش میں تھی ونجاں ہا مٹی۔''

مہر عبدالحق کے ترجمے میں سلاست اور روانی خوب ہے ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

''اتے کافر آکھسی کاش میں مٹی ہوندا۔''

میرے رائے میں سب سے زیادہ سلیس ترجمہ خان محمد لسکانی کا ہے ترجمہ پیش خدمت ہے:

''تے کافر آکھسی افسوس میں تے مٹی تھی ونجاں ہا۔''

دوسری آیت کے ترجمے میں سلاست اور روانی اپنی مثال آپ ہے الفاظ کا انتخاب بہت خوبصورت ہے اور ان کا استعمال یوں کیا گیا ہے۔ جیسے مالا میں پھول پروئے گئے ہوں مثلاً دلشاد کلانچوی کا ترجمہ دیکھئے:

''اوں متھے تے وٹ گھتیا تے منہ پھیر گھدا ایں گالھوں جو اوندے کول ہک اندھا آ گیا ہا۔''

اسی طرح محمد رمضان طالب، خان محمد لسکانی اور مفتی عبدالقادر سعیدی کے تراجم میں روانی اور تسلسل کا عنصر موجود ہے مگر مہر عبدالحق اور مولانا حفیظ الرحمٰن کے ترجمے میں روانی میں کمی آگئی ہے۔ مثلاً مولانا حفیظ الرحمٰن کا ترجمہ ملاحظہ ہو: ''تیوری چڑھائی اتے منہ پھیریا ایں کنوں جو آیا اوندے کول اندھا۔'' اس ترجمے میں ''تیوری'' اردو کا لفظ ہے اور تحت اللفظ ترجمے کی وجہ سے ترجمہ سلیس نہیں رہا۔

تیسری آیت میں تمام فاضل مترجمین نے آسان اور عام فہم الفاظ کا انتخاب کیا ہے اور پیرایہ بیان سہل ہے۔ اس وجہ سے یہ تراجم معیاری ہونے کے ساتھ ساتھ سلیس بھی ہیں۔ سلاست کے حوالے سے تیسری آیت کا تقابلی جائزہ ملاحظہ ہو۔ مولانا حفیظ الرحمٰن نے سورۃ التکویر کی پہلی آیت کا ترجمہ ''جیڑھے ویلے سورج ویڑھیا ویسی۔'' اس ترجمے سورج کی بجائے سرائیکی لفظ لایا جاتا تو زیادہ صائب ہوتا۔ مہر عبدالحق نے اور دلشاد کلانچوی نے اس کا ترجمہ ''جڈاں بجھ کوں ولھیٹ گھدا ویسی''، مفتی عبدالقادر سعیدی نے ''جڈاں بجھ ویڑھ گھدا ویسے''، جبکہ ڈیروی لہجے کے ترجمان خان محمد لسکانی اور محمد رمضان طالب ''ولیٹج'' اور ''ولھیٹیا'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں تاہم یہ تراجم سلاست اور روانی میں اپنی مثال آپ ہیں۔ تاہم میری رائے میں سب سے زیادہ سلیس ترجمہ محمد رمضان طالب کا ہے۔ ترجمہ ملاحظہ ہو:

''جڈاں بجھ کوں ولھیٹیا ویسی تے جئیں ویلے تارے پھکے تھی ویسن۔''

چوتھی اور پانچویں کے تقابلی مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان دونوں آیات میں وہ سلاست اور روانی نہیں جو سابقہ تین آیات میں پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض مترجمین نے فصب، سوط اور المبثوث کے ترجمے میں معنویت کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا۔ اس سے ترجمے کی روانی متاثر ہوئی ہے اگر ان تراجم میں معنوی اور لفظی مشکلات نہ ہوتیں، تتبع بھی نہ ہوتا، جملوں کی ساخت میں حسن بھی ہوتا اور فصاحت بھی خوب ہوتی تو سلاست اور روانی کی وجہ سے یہ ترجمہ ادبی شاہ پارہ بن جاتا۔

متابعت

فاضل مترجمین میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جنھوں نے قرآن مجید کے عربی متن کی بجائے اردو تراجم کو سامنے رکھا ہے۔ اس تتبع کی وجہ سے ترجمے کے تقاضے پورے نہیں ہو سکے اور عربی فارسی اور اردو کے الفاظ بھی کثرت سے استعمال کیے گئے ہیں کہیں تو ایسے لگتا ہے جیسے اردو ترجمے کے افعال ناقصہ کو صرف تبدیل کیا گیا ہے۔

پہلی آیت کے ترجمے کا تقابلی جائزہ پیش خدمت ہے مولانا حفیظ الرحمٰن مرحوم و مغفور دیباچے میں رقمطراز ہیں:

''ایں احقر نے آپڑیں ترجمے دی بناوی کم و بیش شاہ عبدالقادرؒ دے ترجمے تے رکھی ہے۔''(69)

اس لیے ان کا ترجمہ بھی شاہ عبدالقادرؒ کی طرح لفظی بھی ہے اور ان کے اردو ترجمے کا مکمل تتبع بھی ہے مثلاً اسی آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

''اتے اکھیس کافر کاش جو ہوندا میں مٹی۔''

اسی طرح دلشاد کلانچوی نے بھی لکھا کہ ''میرے سامنے نو دس ترجمے رہے ہیں جن سے میں نے استفادہ کیا ہے۔'' اس آیت کے ترجمے میں سوائے خان محمد لسکانی کے تمام مترجمین نے یلیتنی کا ترجمہ ''کاش'' کیا ہے جو فارسی کا لفظ ہے اس لیے یہ تراجم تتبع معلوم ہوتے ہیں۔

دوسری آیت کے ترجمے میں بھی مولانا حفیظ الرحمٰن نے عبس کا ترجمہ ''تیوری چڑھائی'' اور مہر عبدالحق نے ''تریوڑی گھت کے اوں منہ پھیر گھدا'' کیا ہے۔ یہ ترجمہ پڑھ کے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ''تیوری چڑھائی'' یا ''تریوڑی'' یہ دونوں کلمات غیر سرائیکی ہیں اور یہ ترجمہ اردو ترجمے کا تتبع معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح مفتی عبدالقادر سعیدی نے ''الاعمٰی'' کا ترجمہ ''نابینا'' کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ''نابینا'' سرائیکی زبان کا لفظ نہیں ہے۔ یہ ترجمہ بھی اردو ترجمے سے سرائیکی میں ڈھالا گیا ہے۔

تیسری آیت میں بھی مولانا حفیظ الرحمٰن نے ''سورج'' کا ترجمہ سرائیکی زبان میں رقم نہیں کیا اور ''اذا'' کا ترجمہ ''جیڑھے ویلے'' کیا ہے۔ ویلے کیلئے اردو زبان میں ''وقت'' استعمال کیا جاتا ہے اور اردو میں اذا کا ترجمہ وقت ہوتا ہے۔ اگر فاضل مترجم ''جیڑھے ویلے'' کی بجائے ''جڈاں'' رقم کرتے تو زیادہ صائب ہوتا۔ اسی طرح مہر عبدالحق اور دلشاد کلانچوی کا ترجمہ بھی متابعت کا شکار ہے۔

سورۃ الفجر کی آیت ۱۳ کے ترجمے میں متابعت نظر آتی ہے۔ الفاظ کا انتخاب خاص نہیں، ترجمہ بھی واضح نہیں اور سہل الفہم بھی نہیں اور جملے کی ساخت میں حسن بھی نہیں ہے۔ اس لیے یہ ترجمہ اردو ترجمے کا تتبع معلوم ہوتا ہے۔ مولانا حفیظ الرحمٰن نے ''سوط'' کا ترجمہ ''گند'' کیا ہے جو درست نہیں شاید اس لیے اردو ترجمے میں ''کوڑا'' کو ''کوڑا'' لکھا گیا۔ جسے فاضل مترجم نے ''گند'' لکھ دیا اسی طرح مہر عبدالحق اور دلشاد کلانچوی نے اس کا ترجمہ ''چابک'' تحریر کیا ہے۔ اس ترجمے میں بھی تتبع معلوم ہوتا ہے۔

پانچویں آیت میں بھی سرائیکیت سے زیادہ اردو کی متابعت نظر آتی ہے۔ الفاظ اردو کے نہ ہوں لیکن ترکیب سے اردو صاف عیاں ہوتی ہے جیسے محمد رمضان طالب کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

''جئیں ڈینہہ آدمی مکڑی وانگے پھٹے تھے پئے ہوسن۔''

اسی طرح مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب کا ترجمہ ہے۔

''جیڑھے ڈینہہ تھی ویسن آدمی واکوں تڈیاں پریشان دے۔''

تڈیاں اور پریشان جیسے الفاظ اور ترتیب کلمات سب بتا رہے کہ اس میں اردو سے تتبع کیا گیا ہے۔

محشّٰی تراجم

محشّٰی تراجم وہ تراجم ہیں جن کے ساتھ مختصر سی تشریح اور تفسیر کی گئی ہے۔ کہیں یہ تشریح اور تفسیر حاشیے پر ہے اور کہیں متن اور ترجمے کے نیچے ہے۔ اس ضمن میں درج ذیل تراجم دستیاب ہوئے جو تمام ترجزوی ہیں۔ کامل تراجم میں محشّٰی دستیاب نہیں ہیں زیرِ نظر محشّٰی تراجم یہ ہیں۔

''قرآن مجید دا ترجمہ ملتانی زبان وچ'' مولانا عبدالتواب صاحب سلفی محدث ملتانیؒ کی تصنیف ہے۔ جو دو پاروں پر مشتمل ہے۔ عَمَّ یتساءلون (پارہ تیس) ۱۳۵۹ھ میں شائع ہوا جب کہ پہلا پارہ الٓمٓ (پہلا پارہ) ۱۳۷۵ھ میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہوا۔ یہ قرآن مجید کے دو پاروں کا محشّٰی ترجمہ ہے۔ آخری پارہ مصنف موصوف کی زندگی میں شائع ہوا اور پہلا پارہ آپ کی وفات کے بعد شائع ہوا۔ اس ترجمے میں شاہ رفیع الدین صاحبؒ کے اردو ترجمے سے استفادہ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ سرورق پر تحریر سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس تحریر سے یہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ قرآن مجید کا مکمل ترجمہ تصنیف ہو چکا تھا مگر اس کی طباعت اقساط میں ہوئی۔ پہلی قسط جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ میں طبع ہوئی جبکہ دوسری قسط شعبان ۱۳۷۵ھ میں سولہ سال کے تعطل کے بعد شائع ہوئی۔ یہ ترجمہ قرآن مجید کے اولین سرائیکی تراجم میں شمار ہوتا ہے۔

محشّٰی تراجم میں دوسرا اہم نام استاد محمد رمضان طالبؔ کا ہے۔ اس سلسلے میں ان کی سب سے پہلی تصنیف ''قرآن پاک دیں آخری ڈاہ سورتیں دا ترجمہ تے تشریح'' ہے۔ اس میں سورۃ الفاتحہ، القریش، الکوثر، النصر، الاخلاص، الفیل، الماعون، الکفرون، اللھب، الفلق اور الناس کا ترجمہ اور تشریح رقم کی گئی ہے۔ یہ محشّٰی ترجمہ یکم رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ کو شائع ہوا اور اسے فرید سرائیکی سنگت ڈیرہ غازی خاں نے زیورِ طباعت سے آراستہ کیا۔

قرآنی ادب کے حوالے سے محمد رمضان طالبؔ کی دوسری کاوش ''قرآن پاک دیاں چالھی آیتاں'' ہے۔ اس میں قرآن مجید کی چالیس منتخب آیات کا ترجمہ اور تشریح کی گئی ہے۔ یہ آیات موضوع کے حوالے سے بہت اہم ہیں۔ اس سے قرآن فہمی میں آسانی پیدا ہوئی ہے اور قارئین کی قرآن مجید سے دلچسپی میں اضافہ ہوا ہے۔ اسے فرید سرائیکی سنگت ڈیرہ غازی خاں نے یکم جنوری ۱۹۹۵ء کو شائع کیا۔

محشّٰی تراجم کے حوالے سے فاضل مترجم کی تیسری قابلِ قدر کاوش ''پندھراں سورۃ'' ہے۔ اس میں قرآن مجید کی پندرہ منتخب سورتوں کا سرائیکی ترجمہ اور تشریح رقم کی گئی ہے۔ ان سورتوں میں الفاتحہ، الکوثر، القدر، الھمزہ، الفیل، القریش، الماعون، الناس شامل ہیں۔ مذکورہ محشّٰی ترجمے کو فرید سرائیکی سنگت ڈیرہ غازی خاں نے ۲۰۰۲ء میں شائع کیا۔

محشّٰی تراجم میں ایک اور قابلِ قدر کاوش حافظ مختار احمد شاہد عباسی کی ہے۔ آپ کا تعلق ضلع رحیم یار خاں سے ہے۔ آپ نے قرآن مجید کی گیارہ سورتوں کا سرائیکی میں ترجمہ کیا ہے جو محشّٰی ہے۔ ان سورتوں میں سورۃ العلق، التکاثر، العصر، الھمزہ، الفیل، القریش، الکوثر، الماعون، الکافرون، النصر اور المدثر شامل ہیں۔ یہ ترجمہ ابھی تک زیورِ طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکا اور اس کا قلمی نسخہ مصنف موصوف کے پاس موجود ہے۔

ذیل میں قرآن مجید کے محشّٰی تراجم کا تقابلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۱) فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا (۱۱۰:النصر:۳)

ترجمہ: مولانا عبدالتواب ملتانی

''پس پاکی بیان کرنال تعریف رب اپڑیندے اتے بخشش منگ اوندکنوں۔
تحقیق اوہے توبہ قبول کرن والا۔''(70)

ترجمہ: محمد رمضان طالب (اشاعت اول)

''توں اپنے رب دی پاکی بیان کرتے اوندے کنوں بخشش وی منگ
بے شک اوہ ڈاڈا توبہ قبول کرن والا ہے۔''(71)

ترجمہ: محمد رمضان طالب (اشاعت دوئم)

''پس اللہ دی تسبیح کرتے رب توں بخشش طلب کرو بے شک اور توبہ قبول کرن والا ہے۔''(72)

ترجمہ: حافظ مختار احمد شاہد عباسی

''تاں اپنے رب دی تعریف نال تسبیح کرتے اوندے کنوں مغفرت منگ
بلاشک اوہی توبہ قبول کرن والا۔''(73)

(۲) وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ (۱۰۵:الفیل:۳)

ترجمہ: مولانا عبدالتواب ملتانی

''اتے چھوڑے (اللہ نے) اتے انہاندے پکھی جماعتاں جماعتاں۔''(74)

ترجمہ: محمد رمضان طالب

''اتیں پکھیں دی جھار نہیں پٹھ ڈتی۔''(75)

ترجمہ: حافظ مختار احمد شاہد عباسی

''تے انہاں دے اتے جھنڈ دے جھنڈ پکھی بھیج چھوڑے۔''(76)

(۳) لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ (۱۰۶:القریش:۱،۲)

ترجمہ: مولانا عبدالتواب ملتانی

''واسطے دل رلاونٹر قریش دے۔ دل رلاونٹر انہاندے وچ سفر سیالے دے اتے هنالے دے۔''(77)

ترجمہ: محمد رمضان طالب

''کیوں جو قریش مانوس تھی گئے۔ سردی تے گرمی دے سفر توں مانوس تھی گئے۔''(78)

ترجمہ: حافظ مختار احمد شاہد عباسی

''(وپار توں) قریش کوں عادی کرن کیتے۔ انھاں کوں گرمی تے سردی دے
پندھ دی عادت پاون کیتے۔''(79)

(۴) اَلَّذِیْنَ ھُمْ یُرَآءُ وْنَ وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ (۱۰۷:الماعون:۵:۶)

ترجمہ: مولانا عبدالتواب ملتانی

''اوہ جو اوہے ڈکھالا کریندے ہن اتے (منگی) نہیں ڈیندے ورتارے والی شئی۔''(80)

ترجمہ: محمد رمضان طالبؔ

''ریاکاری کریندن تے عام ورتیوے دیاں چیزاں ہک بئے کوں نہیں ڈیندے۔''(81)

ترجمہ: حافظ مختار احمد شاہدؔ عباسی

''صرف ڈکھاوا کریندن تے انجھے لوک چھوٹی چھوٹی شئے کنوں وی رکیندن۔''(82)

(۵) اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ (۱۰۸:الکوثر:۱۔۳)

ترجمہ: مولانا عبدالتواب ملتانی

''تحقیق اساں ڈتا تیکوں کوثر۔ پس نماز پڑھو واسطے رب اپڑیندے اتے قربانی کر۔
تحقیق دشمن تیڈا اوہو ہے اوترا۔''(83)

ترجمہ: محمد رمضان طالبؔ

''بے شک اساں تیکوں کوثر عطا کیتی ہے بس توں اپنے رب دی نماز پڑھ تے قربانی کر۔
بیشک تیڈا دشمن بے نام ونشان ہے''(84)

ترجمہ: حافظ مختار احمد شاہدؔ عباسی

''اے بے شک اساں تساکوں وڈی بھلائی دان کیتی ہوتے (اے نبی ﷺ) اپنے رب کوں مناون کیتے نماز پڑھدا رہ
تے قربانی وی کر بلا شک تیڈا ویری ہی اٹھ منڈ ہے۔''(85)

معنویت

معیاری ترجمہ وہ ہوتا ہے جس کے معانی و مفہوم واضح ہوں اور ابلاغ کامل بھی ہو۔ مستعمل الفاظ آسان ہوں اور عام فہم ہوں۔ ترجمے میں معنوی سقم بھی نہ ہو اور اس کے معانی جلد سمجھ میں آ جائیں۔ اب مذکورہ آیات کے تراجم میں معنویت کا تقابلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

پہلی آیت کے ترجمے میں مولانا عبدالتواب ملتانی نے شاہ رفیع الدینؒ کے اردو ترجمے کا تتبع فرمایا ہے۔ لگتا ہے کہ مصنف نے اردو کو سرائیکی میں ڈھالا ہے۔ جس سے اس میں غیر سرائیکی الفاظ آ گئے ہیں جیسے پس، بیان، تعریف رب، بخشش، تحقیق اور توبہ۔ پھر یہ کہ ترجمہ تحت للفظ ہے اس لیے معانی و مفہوم سمجھنے میں دقت آتی ہے۔ اسی طرح محمد رمضان طالبؔ کے ترجمے میں بھی سرائیکیت قدرے کم ہے انھوں نے بھی رب، بیان، بخشش، توبہ اور تسبیح جیسے غیر سرائیکی لفظ استعمال کیے ہیں۔ اگر ان الفاظ کے متبادل سرائیکی الفاظ لائے جاتے تو بہتر ہوتا اس لیے معنویت کے اعتبار سے ترجمہ فصیح نہیں ہے۔
مذکورہ آیت کے ترجمے میں حافظ مختار احمد شاھدؔ عباسی نے بھی سرائیکیت کو پیش نظر نہیں رکھا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

''تاں اپنے رب دی تعریف نال تسبیح کرتے اوندے کنوں مغفرت منگ بلاشک اوہی توبہ قبول کرن والا ہے۔''

سورۃ الفیل کی آیت میں تینوں فاضل مترجمین نے واؤ عاطفہ کا ترجمہ لہجے کے اختلاف کے ساتھ رقم کیا ہے۔ مولانا عبدالتواب نے ''اتے''، محمد رمضان طالبؔ نے ''اتیں'' اور مختار عباسی نے ''تے'' کیا ہے۔ اسی طرح حادمسل کا ترجمہ مولانا عبدالتواب نے ''چھوڑے''، رمضان طالبؔ نے ''پٹھ ڈتی'' اور دوسری اشاعت میں ''بھیج ڈتے'' اور مختار عباسی نے ''بھیج چھوڑیے'' کیا ہے۔ ''چھوڑیے'' اور ''بھیج چھوڑیے'' میں سرائیکیت بالکل کم ہے۔ اردو کو سرائیکی میں ڈھالا گیا ہے۔ سرائیکیت سے حوالے سے ان میں سب سے زیادہ فصیح ترجمہ ''پٹھ ڈتی'' ہے جسے محمد رمضان طالبؔ نے تصنیف کیا ہے۔

تیسری آیت میں لایلف کا ترجمہ مولانا عبدالتواب ملتانی نے ''واسطے دل رلاونڑ'' کیا ہے جبکہ محمد رمضان طالب نے اس کا ترجمہ ''مانوس تھی گئے'' اور مختار عباسی نے ''عادی کرن کیتے'' کیا ہے سرائیکیت کے لحاظ سے مولانا عبدالتواب کا ترجمہ ''دل رلاونڑ'' خوب ہے اگرچہ یہ لفظی ترجمہ ہے لیکن اگر بامحاورہ کا خیال رکھا جائے تو محمد رمضان طالبؔ کا ترجمہ سب سے بہتر ہے تاہم مانوس اردو کا لفظ ہے علاوہ ازیں مولانا عبدالتواب ملتانی گرمی اور سردی کیلئے ''ھنالے'' اور ''سیالے'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں جو معنویت کے اعتبار سے موزوں ترجمہ ہیں۔

سورۃ الماعون کی آیت مبارکہ میں یرآءون کا ترجمہ مولانا عبدالتواب ملتانی نے ''ڈکھالا''، محمد رمضان طالبؔ نے ریاکاری اور مختار عباسی نے ''ڈکھاوا'' کیا ہے۔ معنوی اور مفہوم کے اعتبار سے سب سے زیادہ بہتر ترجمہ محمد رمضان طالبؔ کا ہے ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

''ریاکاری کریندن تے عام ورتیوے دیاں چیزاں وی بئے کوں نہیں ڈیندے۔''

اب ہم سورۃ الکوثر کے ترجمے کا تقابلی جائزہ لیتے ہیں۔ مولانا عبدالتواب ملتانی اور محمد رمضان طالب نے کوثر کا ترجمہ کوثر ہی کیا ہے جبکہ مختار عباسی نے کوثر کا ترجمہ ''وڈی بھلائی'' کیا ہے علاوہ ازیں فاضل مترجم نے سرائیکیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے دشمن کی بجائے ''ویری'' اور بے نام و نشان کیلئے ''انڈ منڈ'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ مختار احمد شاھد عباسی کا ترجمہ مفہوم کے اعتبار سے سب سے بہتر ہے۔

لہجویت

یہ تینوں تراجم تین مختلف لہجوں میں رقم کیے گئے ہیں۔ مولانا عبدالتواب ملتانیؒ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے ملتانی لہجے کی نمائندگی کرتے ہیں۔ محمد رمضان طالبؔ ڈیروی لہجے کے ترجمان ہیں اور مختار احمد شاھد عباسی ریاستی لہجے سے متعلق ہیں۔ ذیل میں ہم ان آیات کا لہجویت کے اعتبار سے تقابلی جائزہ لیتے ہیں۔

پہلی آیت میں مولانا عبدالتواب ملتانیؒ نے 'اتے، منگ، اوندکنوں اور'' اوہ'' کے الفاظ استعمال کر کے ملتانی لہجے کی نمائندگی کی ہے ورنہ باقی سارے الفاظ اردو سے لیے گئے ہیں اور ترجمہ تحت اللفظ ہونے کی وجہ سے لہجویت عیاں نہیں ہوتی۔ اسی طرح محمد رمضان طالبؔ نے اپنے ترجمے میں اردو الفاظ زیادہ استعمال کیے ہیں جس سے ڈیروی لہجے کی بھر پور ترجمانی نہیں ہو سکی اور مختار احمد شاھد عباسی کا ترجمہ بھی سرائیکی زبان کے ریاستی لہجے کا مظہر نہیں ہے مگر معنوی اعتبار سے بہتر ہے۔

اب دوسری آیت کا تقابلی جائزہ لیتے ہیں تینوں محترم مترجمین نے واؤ عاطفہ کا ترجمہ اپنے اپنے لہجے کے اعتبار سے کیا ہے۔ مولانا عبدالتواب نے ''اتے'' محمد رمضان طالبؔ نے ''اتیں'' اور مختار عباسی نے ''تے'' کیا ہے۔ اسی طرح طیرا کا ترجمہ ''پکھی''، ''پکھیں'' کیا گیا ہے۔ علیھم کا ترجمہ مولانا عبدالتواب نے ''اتے انہاندے'' اور مختار عباسی نے ''انہاں دے اتے'' کیا ہے جبکہ محمد رمضان طالبؔ کے ترجمے میں علیھم کے معانی واضح نہیں ہیں۔ مولانا عبدالتواب ملتانی نے ابابیل کا ترجمہ ''جماعتاں جماعتاں'' محمد رمضان طالبؔ نے ''جھاڑ'' جب کہ دوسری اشاعت میں ''غول'' کیا ہے اور مختار عباسی نے ''جھنڈ دے جھنڈ'' رقم کیا ہے لہجویت کے اعتبار سے ''جھاڑ'' سب سے بہتر ترجمہ ہے۔

تیسری آیت میں ایلف کا ترجمہ ہر مترجم نے اپنے اپنے لہجے کے مطابق رقم کیا ہے۔ مولانا عبدالتواب ملتانی اس کا ترجمہ ''دل رلاونڑ'' کیا ہے۔ محمد رمضان طالبؔ نے اس کا ترجمہ ''مانوس تھی گئے'' اور مختار عباسی نے ''عادی کرن کیتے'' کیا ہے۔ اسی طرح الشتاء والصیف کا ترجمہ مولانا عبدالتواب ملتانی نے اس کا ترجمہ ''سیالے دے اتے ھنالے'' کیا جو سرائیکی زبان کے خالص الفاظ ہیں۔ محمد رمضان طالبؔ نے ''سردی تے گرمی'' اور مختار عباسی نے بھی ''گرمی سردی'' تحریر کیا ہے۔ محمد رمضان طالبؔ اور مختار عباسی کا ترجمہ اردو آمیز سرائیکی میں ہے اور مولانا عبدالتواب ملتانی نے اپنے ترجمے (جو لفظی بھی ہے اور اس میں متابعت بھی ہے) میں ملتانی لہجے کے خالص الفاظ استعمال کیے ہیں۔ یہ بہتر ترجمہ ہے۔

لہجویت کے اعتبار سے چوتھی آیت کے ترجمے میں مولانا عبدالتواب ملتانی یراٰءون کا ترجمہ ''ڈکھالا کریندے ھن'' اور الماعون کا ترجمہ ورتارے ''والی شئے'' کیا ہے۔ محمد رمضان طالبؔ نے ''ریاکاری'' اور ''ورتیوے'' اور مختار عباسی نے ''ڈکھاوا کریندن'' اور ''چھوٹی چھوٹی شئے'' رقم کیا ہے۔ ان تراجم کا باہمی موازنہ کرتے ہوئے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ مولانا عبدالتواب ملتانی کا ترجمہ ان سب سے بہتر ترجمہ ہے باقی دونوں تراجم غیر سرائیکی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اس لیے وہ لہجویت کے حوالے سے ترجمے کے معیار پر پورے نہیں اترتے۔

سورۃ الکوثر کے ترجمے میں عبدالتواب ملتانی نے اردو ترجمے کے تتبع میں سرائیکی زبان کو مدنظر نہیں رکھا۔ یہی بات محمد رمضان طالبؔ کے ترجمے میں نظر آتی ہے۔ اس لیے لہجویت کے اعتبار سے مختار عباسی کا ترجمہ بہتر ہے ترجمہ ملاحظہ ہو:

''اے سچ ءاساں تساکوں وڈی بھلائی دان کیتی ءتے (اے نبی ﷺ) اپنے رب کوں مناون کیتے نماز پڑھدا رہ تے قربانی وی کر بلاشک تیڈا ویری ہی انڈ منڈ ہے'' ''انڈ منڈ'' اگرچہ سرائیکی لفظ ہے لیکن اس سے لہجویت کا اظہار خوب ہوتا ہے۔

سرائیکیت

سرائیکی وقیع اور وسیع زبان ہے اس زبان کی حلاوت اور مٹھاس اپنی مثال آپ ہے اور اگر ترجمے میں عربی حسن سے سرائیکی میں صحیح ترجمانی موجود ہو تو ترجمے کے حسن اور کشش میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ پہلی آیت کے ترجمے میں محترم مترجمین نے سرائیکیت کو پیش نظر نہیں رکھا۔ "فسبح" کا ترجمہ مولانا عبدالتواب ملتانی نے "پاکی بیان کر" محمد رمضان طالب نے پہلی اشاعت میں "پاکی بیان کر" اور دوسری اشاعت میں "تسبیح کر" اور مختار عباسی نے بھی یہی ترجمہ رقم کیا ہے۔ زیر نظر آیت کے دوسرے حصے کے ترجمے میں بھی عربی اور فارسی کے الفاظ کثرت سے ملتے ہیں اس لیے ان تراجم میں سرائیکیت نہیں پائی جاتی۔ تاہم مولانا عبدالتواب ملتانی کے ترجمے میں "دل رلاونڑ" اور "ھنالے اور سیالے" کے الفاظ اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ اس ترجمے میں سرائیکیت پائی جاتی ہے۔

دوسری آیت کے ترجمے میں مولانا عبدالتواب ملتانی نے علیہم کا ترجمہ "انہاں دے" محمد رمضان طالب نے ترجمہ رقم ہی نہیں کیا البتہ مختار عباسی نے "انہاں دے" کیا ہے۔ طیرا کا ترجمہ بالترتیب "پکھی"، "پکھیں" اور "پکھی" کیا گیا ہے۔

ابابیل کا ترجمہ مولانا عبدالتواب نے "جماعتاں جماعتاں" محمد رمضان طالب نے "جھار" اور مختار عباسی نے "جھنڈ دے جھنڈ" کیا ہے۔ محمد رمضان طالب نے دوسری اشاعت میں اس کا ترجمہ "غول" کیا ہے۔ میری رائے میں ان تراجم میں زیادہ بہتر ترجمہ محمد رمضان طالب کا ہے کیونکہ اس میں سرائیکیت کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ ترجمہ ملاحظہ ہو:

"اتیں پکھیں دی جھار نہیں پٹھ ڈتی"، "پکھیں، جھار اور پٹھ ڈتی" سے سرائیکیت کا خوب اظہار ہوتا ہے۔

تیسری آیت میں مولانا عبدالتواب ملتانی نے ایلف کا ترجمہ "دل ولاونڑ" محمد رمضان طالب نے "مانوس تھی گئے" اور مختار عباسی نے "عادی کرن کیتے کیا ہے۔ اسی طرح محترم مترجمین نے الشتاء والصیف کا ترجمہ کرتے ہوئے بالترتیب "سیالے اتے ھنالے" اور سردی اور گرمی کے الفاظ رقم کیے ہیں اگرچہ مولانا عبدالتواب ملتانی کا ترجمہ تحت اللفظ ہے تاہم یہ ترجمہ سرائیکیت کے اعتبار سے سب سے زیادہ بہتر ترجمہ ہے ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

"واسطے دل رلاونڑ قریش دے۔ دل رلاونڑ انہاندے وچ سفر سیالے دے اتے ھنالے دے۔"

سورۃ الماعون کی آیات کا ترجمہ کرتے ہوئے مولانا عبدالتواب ملتانی نے "ڈو کھالا"، "منگی" اور ورتوے کے الفاظ کا انتخاب کیا ہے۔ محمد رمضان طالب نے پہلی اور دوسری اشاعت میں سرائیکی کے لفظ "ورتیوے" کے علاوہ باقی الفاظ اردو سے لیے ہیں۔ اسی طرح مختار عباسی کا ترجمہ بامحاورہ ضرور ہے مگر سرائیکی کم اردو زیادہ ہے۔ محمد رمضان طالب نے یرآء ون کا ترجمہ "ریاکاری کریندن" کیا ہے اس لیے موازنہ کرنے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ سرائیکیت کے اعتبار سے سب سے زیادہ صائب ترجمہ مولانا عبدالتواب ملتانی کا ہے۔

سورۃ الکوثر کے ترجمے میں رمضان طالب اور مولانا عبدالتواب نے "کوثر" کا ترجمہ "کوثر" ہی کیا ہے۔ قاری کو یہ دقت ہے کہ "کوثر" کیا چیز ہے ان دونوں مترجمین نے تحقیق، پس، دشمن، رب اور بے نام ونشاں کے غیر سرائیکی الفاظ استعمال کیے ہیں جبکہ شاہد عباسی نے کوثر کا ترجمہ "وڈی بھلائی" اور عطا کا ترجمہ "دان کیتی" کیا ہے۔ اسی طرح دشمن کیلئے ویری اور بے نام ونشاں کیلئے "انڈ منڈ" کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مختار احمد عباسی کا ترجمہ دوسرے تراجم سے بہتر ہے کیونکہ اس میں سرائیکیت کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ "دان" "انڈ منڈ" سرائیکی کی ترجمانی کرتے ہیں۔

ابلاغ

ابلاغ سے مراد ایسا معیاری ترجمہ ہے جس میں متن کی مکمل ترجمانی موجود ہو۔ جو متن میں کہا گیا ہے اس کا پورا مفہوم ترجمے میں سمو دیا گیا ہو ذیل میں اس حوالے سے تقابلی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

پہلی آیت میں مولانا عبدالتواب ملتانی کا ترجمہ تحت اللفظ ہے اس لیے ابلاغ میں کمی آ گئی ہے اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ فاضل مترجم نے اردو ترجمے کا تتبع فرمایا ہے اس لیے ان کے ترجمے میں اردو الفاظ زیادہ ہیں۔ محمد رمضان طالب کے ترجمے میں بھی (پہلی اشاعت اور دوسری اشاعت) متابعت پائی جاتی ہے اس لیے مصنف موصوف کے ترجمے میں ابلاغ کامل نہیں ہے تاہم حافظ مختار احمد شاھد عباسی کے ترجمے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ جو بات کرنا چاہتے ہیں وہ دل میں اتر رہی ہے ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

"تاں اپنے رب دی تعریف نال تسبیح کراتے اوندے کنوں مغفرت منگ۔ بلاشک اوہی توبہ قبول کرن والا"۔

"تواب" مبالغہ کا صیغہ ہے اگر چہ اس کی رعایت ہے ترجمہ یوں ہو "ڈاڈھا توبہ قبول کرن والا" تو اس میں زیادہ ابلاغ ہوگا۔

دوسری آیت کے تراجم کا باہمی موازنہ کرتے ہوئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عبدالتواب ملتانیؒ نے شاہ رفیع الدینؒ کے ترجمے کا تتبع کرتے ہوئے "ارسل" کا ترجمہ "چھوڑے" رقم کیا ہے گویا یہ ترجمہ فصیح نہیں ہے۔ اس لیے اس میں ابلاغ بھی نہیں ہے اسی طرح مختار عباسی نے اس کا ترجمہ "بھیج چھوڑے" تحریر کیا ہے۔ محمد رمضان طالبؔ نے پہلی اشاعت میں "پٹھ ڈتی" اور دوسری اشاعت میں "بھیج ڈتے" کیا ہے۔ میری رائے میں محمد رمضان طالبؔ کی پہلی اشاعت کا ترجمہ سب سے زیادہ بہتر ہے۔ جس میں ابلاغ کامل موجود ہے۔ ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

"اتیں پکھیں دی جھار نہیں پٹھ ڈتی"۔

تاہم اس ترجمے میں "علیھم" کے معانی واضح نہیں کیے گئے اس لیے اس ترجمے میں معنوی سقم بھی پایا جاتا ہے۔

تیسری آیت کے ترجمے میں مولانا عبدالتواب ملتانی نے اردو ترجمے کو سرائیکی میں ڈھالا ہے اس میں ابلاغ کامل نہیں ہے۔ محمد رمضان طالبؔ نے بھی ایسا لگتا ہے جیسے اردو سے سرائیکی بنائی گئی ہو اور پھر اردو کے الفاظ زیادہ ہیں اور اگر الفاظ کی ترتیب درست نہ ہو تو ابلاغ میں کمی آ جاتی ہے تاہم مختار احمد عباسی نے ان باتوں کو پیش نظر رکھا ہے ترجمہ دیکھیے:

"(وپارتوں) قریش کوں عادی کرن کیتے۔ انھاں کوں گرمی تے سردی دے پندھ دی عادت پاون کیتے"۔

سورۃ الماعون کی آخری دو آیات کے ترجمے میں مولانا عبدالتواب ملتانی نے سرائیکیت کو بھی پیش نظر رکھا ہے لیکن لفظی ترجمے کی وجہ سے ابلاغ میں کمی آ گئی ہے۔ مختار عباسی کا ترجمہ بھی فصیح نہیں۔ محمد رمضان طالبؔ کا ترجمہ بھی واضح نہیں تاہم مترجم کی پہلی اشاعت کا ترجمہ واضح بھی ہے اور فصیح بھی ہے اس لیے اس میں ابلاغ کامل پایا جاتا ہے ترجمہ ملاحظہ ہو:

"ریاکاری کریندن تے عام ورتیوے دیاں چیزاں ہک بئے کوں نہیں ڈیندے"۔

سورۃ الکوثر کے ترجمے میں مولانا عبدالتواب کا ترجمہ تحقیق، کوثر، پس، رب، قربانی اور دشمن جیسے غیر سرائیکی الفاظ سے عبارت ہے جو قاری کیلئے ادق ہے۔ محمد رمضان طالبؔ نے بھی کوثر کی وضاحت نہیں کی اور نہ ہی بے نام ونشاں کے معانی واضح کیے ہیں اس لیے ابلاغ میں کمی ہے۔ میری نظر میں مختار عباسی کا ترجمہ سب سے صائب ہے کیونکہ اس میں لفظ کوثر کا سرائیکی ترجمہ کیا گیا ہے اور عطا کا ترجمہ "دان" کر کے اس کی وضاحت کی گئی ہے اور ساتھ ہی دشمن کی بجائے سرائیکی لفظ "ویری" اور "بے نام ونشاں" کے بجائے "انڈ منڈ" کا لفظ رقم ہے۔ اس لیے قاری کیلئے سمجھنے میں آسانی ہے۔

اثر آفرینی

اعجاز القرآن کے حوالے سے قرآن مجید کا ایک اہم وصف اثر آفرینی ہے۔ اس کتاب مقدس کا ایک ایک لفظ دل میں اتر جانے والا اور پرتاثیر ہے۔ ذیل میں اثر آفرینی کے حوالے سے تراجم کا موازنہ پیش کیا جا رہا ہے۔

مولانا عبدالتواب کے پہلی آیت میں تحت اللفظ ترجمہ ہونے کی وجہ سے الفاظ کی ترتیب درست نہیں اس لیے اثر آفرینی میں کمی آ گئی ہے۔ اردو، فارسی اور عربی الفاظ بھی استعمال کیے گئے ہیں اس لیے یہ الفاظ دل میں اترنے والے نہیں۔ محمد رمضان طالب نے اشاعت اول اور دوم میں اس آیت کا ملتا جلتا ترجمہ کیا ہے۔ پہلی اشاعت میں "اپنے رب دی پاکی بیان کر" جبکہ دوسری اشاعت میں "پس اللہ پاک دی تسبیح کر" رقم کیا ہے۔ حافظ مختار احمد شاہد عباسی کا ترجمہ یوں ہے:

"تاں اپنے رب دی تعریف نال تسبیح کرتے اوندے کنوں مغفرت منگ، بلاشک اوہی توبہ قبول کرن والا ہے"

میرے نزدیک اس ترجمے میں سب سے زیادہ اثر آفرینی پائی جاتی ہے کیونکہ اس میں الفاظ کی ترتیب خوب ہے۔

دوسری آیت کے ترجمے میں مولانا عبدالتواب ملتانی کا ترجمہ متابعت کا شکار ہے اور الفاظ کی ترتیب بھی درست نہیں۔ اسی طرح مختار احمد عباسی نے ارسل کا ترجمہ "بھیج چھوڑے" تحریر کیا ہے جو سرائیکی نہیں ہے اس لیے اثر آفرینی موجود نہیں۔ محمد رمضان طالب کی دوسری اشاعت کا ترجمہ تو اردو ترجمے کا تتبع معلوم ہوتا ہے تاہم ان کی اشاعت اول کا ترجمہ دل میں اترنے والا ہے اس لیے اثر انگیز ہے ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

"اتیں پکھیں دی جھار نہیں پٹھ ڈِتی۔"

تیسری آیت کا اثر آفرینی حوالے سے تقابلی جائزہ لیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ مولانا عبدالتواب ملتانی کا ترجمہ لفظی ہونے کے باوجود اثر انگیز ہے۔ محمد رمضان طالب نے اردو الفاظ کا استعمال کیا ہے اس لیے ترجمہ معیاری نہیں رہا اور اثر آفرینی میں کمی آ گئی ہے۔ اسی طرح مختار عباسی کے ترجمے میں بھی الفاظ کی ترتیب درست نہیں اس لیے اثر آفرینی میں کمی آ گئی ہے۔ میری رائے میں مولانا عبدالتواب ملتانی کے ترجمے میں اثر آفرینی زیادہ ہے ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

"واسطے دل رلاونڑ قریش دے۔ دل رلاونڑا انہاندے وچ سفر سیالے دے اتے حنالے دے۔"

اس ترجمے میں سرائیکیت کی وجہ سے اثر آفرینی موجود ہے اگرچہ ترجمہ تحت الفاظ ہے اور متابعت کا شکار بھی ہے۔

چوتھی آیت میں مولانا عبدالتواب ملتانی نے خالص سرائیکی زبان میں تحت اللفظ ترجمہ رقم کیا ہے۔ محمد رمضان طالب نے اشاعت اول اور اشاعت دوم میں اردو آمیز سرائیکی ترجمہ تحریر کیا ہے۔ مختار عباسی نے بھی فصیح ترجمہ نہیں کیا اس لیے یہ ترجمہ اثر آفرینی کے معیار پر پورا نہیں اترتا۔ محمد رمضان طالب کی اشاعت اول کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

"ریاکاری کریندن تے عام ورتیوے دیاں چیزاں ہک ہے کوں نہیں ڈیندے۔"

میرے نزدیک مندرجہ بالا ترجمہ ان تراجم میں سب سے بہتر ہے کیونکہ اس میں اثر آفرینی پائی جاتی ہے۔

سورۃ الکوثر کے ترجمے میں مولانا عبدالتواب ملتانی اور محمد رمضان طالب نے متابعت کی ہے اور الفاظ کا انتخاب اور ترتیب بھی درست نہیں اس لیے اثر آفرینی میں کمی آ گئی ہے جبکہ لفظ "کوثر" کے معنی بھی تحریر نہیں کیے گئے۔ اس کے برعکس مختار احمد عباسی نے اس کا ترجمہ "وڈی بھلائی" رقم کیا ہے اور الفاظ کی ترتیب خوب صورت انداز میں مزین کی ہے جس کی وجہ سے یہ ترجمہ اثر انگیز ہو گیا ہے۔

ادبی چاشنی

اگر ترجمے میں لفظی اور معنوی اعتبار سے مفہوم دلنشیں ہو۔ کلمات کی ترتیب درست اور قواعد کے مطابق ہو۔ زبان فصیح و بلیغ ہو مفہوم سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہو تو کہا جائے گا کہ اس ترجمے میں ادبی چاشنی موجود ہے۔ ذیل میں ہم مذکورہ آیات میں ادبی چاشنی کا تقابلی جائزہ پیش کرتے ہیں۔

پہلی آیت میں مولانا عبدالتواب ملتانی نے تحت اللفظ ترجمہ کیا ہے اس ترجمے میں ادبی چاشنی کم ہے۔ محمد رمضان طالبؔ کے اشاعت اول اور دوم کے ترجمے میں غیر سرائیکی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جس سے ترجمہ کا مفہوم سمجھنے میں دقت پیش آتی ہے اس سے ادبی چاشنی میں بھی کمی آئی ہے۔ البتہ حافظ مختار احمد شاھد عباسی کا ترجمہ بہتر ہے ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

''تاں اپنے رب دی تعریف نال تسبیح کرتے اوندے کنوں مغفرت منگ۔ بلا شک اوہی توبہ قبول کرن والا ہے''

اس ترجمے میں پیرایہ بیان واضح ہے اور کوئی گنجلاہٹ نہیں ہے اس لیے اس میں ادبی چاشنی پائی جاتی ہے۔

دوسری آیت میں مولانا عبدالتواب ملتانی اور مختار عباسی نے جو ترجمہ رقم کیا ہے وہ فصیح نہیں ہے۔ مولانا نے ارسل کا ترجمہ ''چھوڑے'' مختار عباسی نے ''بھیج چھوڑیے'' جبکہ محمد رمضان طالبؔ نے اشاعت دوم میں ''بھیج ڈتے'' کیا ہے یہ تراجم غیر واضح ہیں۔ اس لیے ان میں ادبی چاشنی نہیں ہے البتہ محمد رمضان طالبؔ کا اشاعت اول کا ترجمہ ادبی حسن اور سرائیکیت کا مرقع ہے اور ادبی چاشنی سے مزین ہے۔ میرے خیال میں یہ سب سے بہتر ترجمہ ہے ملاحظہ فرمائیے۔

''اتیں پکھیں دی جھار نہیں پٹھ ڈتی۔''

تیسری آیت میں محترم مترجمین نے ترجمے کا ادبی حسن برقرار رکھا ہے مولانا عبدالتواب ملتانی نے ایلف کا ترجمہ ''دل رلاونڑ'' کیا ہے۔ محمد رمضان طالبؔ نے ''مانوس تھی گئے'' اور مختار عباسی نے ''عادی کرن کیتے'' کیا ہے۔ جو فصیح نہیں ہے البتہ مولانا عبدالتواب ملتانی کا ترجمہ سرائیکیت اور ادبی چاشنی کا حسین امتزاج ہے۔ ترجمہ ملاحظہ ہو:

''واسطے دل رلاونڑ قریش دے۔ دل رلاونڑ انہاندے وچ سفر سیالے دے اتے حنالے دے۔''

اگرچہ یہ ترجمہ تحت اللفظ ہے مگر میرے خیال میں یہ سب سے بہتر ترجمہ ہے اور اس میں ادبی چاشنی موجود ہے۔

سورۃ الماعون کی آخری دو آیاتؔ کے ترجمے میں فاضل مترجمین الفاظ کے انتخاب اور درست ترتیب کا خاص خیال رکھا ہے۔ مولانا عبدالتواب ملتانی نے یرآءون کا ترجمہ ''ڈکھالا کریندے ہن'' اور مختار عباسی نے ''ڈکھاوا کریندن'' کیا ہے البتہ محمد رمضان طالبؔ نے اشاعت اول اور اشاعت دوم میں اس کا ترجمہ ''ریاکاری'' رقم کیا ہے۔ ریاکاری سے صرف نظر کریں تو باقی ترجمے میں ادبی چاشنی موجود ہے ترجمہ ملاحظہ ہو:

''ریاکاری کریندن تے عام ورتیوے دیاں چیزاں ہک بے کوں نہیں ڈیندے۔''

سورۃ الکوثر کے ترجمے میں عبدالتواب ملتانی اور محمد رمضان طالبؔ نے 'کوثر' کا معنی ''کوثر'' ہی رقم کیے ہیں اور قاری کیلئے وضاحت نہیں کی کہ ''کوثر'' سے کیا مراد ہے۔ جبکہ کوثر کے معنی کثرت Abudance ہیں۔ اسی طرح ''عطا'' کے معنی میں بھی تشنگی ہے البتہ مختار عباسی نے کوثر کے معانی ''وڈی بھلائی'' تحریر کیے ہیں اور عطا کے معانی ''دان'' رقم کیے ہیں۔

''اے بیچ وا اساں تساکوں وڈی بھلائی دان کیتی ہے''

اس ترجمے کے معانی و مفہوم دلنشیں ہے اور الفاظ کی ترتیب بھی خوب ہے اور ادبی چاشنی بھی نمایاں ہے۔

ندرت

ترجمے میں ندرت سے مراد یہ ہے کہ ایسا ترجمہ جسمیں معیاری ترجمے کے تمام اوصاف موجود ہوں مثلاً عدم تعقید، سلاست ادبی چاشنی، روانی، فصاحت، ابلاغ اور اثر آفرینی وغیرہ۔ ندرت یا انفرادیت میں لفظی معانی کو پیش نظر رکھا جاتا ہے اور معنویت کو بھی ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے۔ ذیل میں ندرت کے حوالے سے تراجم کا تقابلی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

پہلی آیت میں مولانا عبدالتواب ملتانیؒ نے شاہ رفیع الدینؒ کے ترجمے کا تتبع فرمایا ہے اور ترجمہ بھی لفظی ہے جس میں سلاست اور روانی بھی نہیں ہے اس لیے اسے منفرد ترجمہ نہیں کہا جا سکتا۔ محمد رمضان طالبؔ کا ترجمہ اشاعت اول اور مختار عباسی کا ترجمہ فصیح و بلیغ نہیں ہے۔ اس لیے یہ بھی ندرت کے زمرے میں نہیں آتے۔ میری رائے میں سب سے بہتر ترجمہ محمد رمضان طالبؔ کی اشاعت دوم کا ہے جسمیں انفرادیت پائی جاتی ہے ترجمہ ملاحظہ ہو:

''پس اللہ پاک دی تسبیح کرتے رب توں بخشش طلب کرو۔ بے شک اوتوبہ قبول کرن والا ہے۔''

دوسری آیت کے ترجمے میں عبدالتواب ملتانیؒ کا ترجمہ تحت اللفظ ہونے کی وجہ سے منفرد نہیں۔ محمد رمضان طالبؔ کا ترجمہ اشاعت دوم اور مختار عباسی کے ترجمہ میں معنوی سقم ہے۔ محمد رمضان طالبؔ کے ترجمہ اشاعت دوم میں ''ابابیل'' کا ترجمہ ''ابابیل'' ہی کیا گیا ہے اور مختار عباسی نے ارسل کا ترجمہ ''بھیج چھوڑیے'' کیا ہے۔ جو فصیح نہیں۔ سب سے بہتر ترجمہ محمد رمضان طالبؔ کا اشاعت اول ہے۔ جو منفرد ہے اور اس میں معیاری ترجمے کے تمام خواص موجود ہیں ترجمہ ملاحظہ ہو:

''اتھیں پکھیں وی جھار نہیں پٹھ ڈتی''۔

تیسری آیت میں مولانا عبدالتواب ملتانیؒ کا ترجمہ لفظی ہے اور لفظی ترجمہ منفرد ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اس میں سلاست اور روانی موجود نہیں ہوتی۔ معانی و مفہوم بھی واضح نہیں ہے۔ محمد رمضان طالبؔ کا ترجمہ بھی اردو ترجمے کا تتبع معلوم ہوتا ہے اور اس میں مانوس، سفر، سردی اور گرمی جیسے غیر سرائیکی الفاظ بھی استعمال کیے گئے ہیں اور اس میں عربی متن کی مکمل ترجمانی بھی نہیں ملتی۔ اس لیے اس ترجمے میں ندرت نہیں پائی جاتی۔ ان تراجم میں مختار عباسی کے ترجمے میں انفرادیت ہے۔

''(وپارتوں) قریش کوں عادی کرن کیتے۔ انھاں کوں گرمی تے سردی دے پندھ دی عادت پاون کیتے۔''

چوتھی آیت کے ترجمے کو مولانا عبدالتواب ملتانیؒ نے تحت اللفظ رقم کیا ہے کہ ترجمے میں سلاست بھی نہیں اور اچھے کے ترجمے اوصاف بھی موجود نہیں۔ اس لیے اس ترجمے میں انفرادیت موجود نہیں۔ مختار عباسی کا ترجمہ غیر واضح ہے اور اس میں ابہام بھی پایا جاتا ہے البتہ محمد رمضان طالبؔ کے دونوں ترجمے اشاعت اول و دوم منفرد ہیں۔ ترجمہ اشاعت اول ملاحظہ ہو:

''ریاکاری کریندن تے عام ورتیوے دیاں چیزاں ہک بئے کوں نہیں ڈیندے۔''

سورۃ الکوثر کے ترجمے میں مولانا عبدالتواب ملتانیؒ اور محمد رمضان طالبؔ نے بعض کلمات کے معانی و مفہوم کو واضح نہیں کیا۔ اس لیے یہ ترجمہ تشنہ رہ گیا ہے۔ اور ترجمے میں غیر سرائیکی الفاظ بھی استعمال کیے گئے ہیں مگر میری رائے میں مختار عباسی کا ترجمہ انفرادیت کا حامل ہے ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

''اے سچ واساں تساکوں وڈی بھلائی دان کیتی وے تے (اے نبی ﷺ) اپنے رب کوں مناون کیتے نماز پڑھدا رہو تے قربانی وی کر۔ بلاشک حیڈا اوہری ہی انڈ منڈ ہے۔''

یہ ترجمہ ندرت کا حامل ہے کیونکہ اس میں وہ تمام اوصاف موجود ہیں جو ایک معیاری ترجمے میں ہوتے ہیں۔ فصاحت و بلاغت، سلاست و روانی، ابلاغ کامل، ادبی چاشنی اور قرآن مجید کے عربی متن کی مکمل ترجمانی موجود ہے۔

فصاحت

فصیح کلام وہ ہوتا ہے جس میں چار باتیں پائی جاتی ہوں۔

1۔ قواعد کے خلاف نہ ہو۔ 2۔ اس کے الفاظ ثقیل نہ ہوں۔

3۔ لفظی ابہام نہ ہو۔ 4۔ معنوی ابہام نہ ہو۔

فصیح ترجمہ وہ ہوتا ہے جس میں ایسے کلمات ہوں جن کی ادائیگی میں دقت نہ ہو۔ غریب اور غیر مانوس کلمات نہ ہوں اور تعقید لفظی اور تعقید معنوی سے پاک ہو۔ ذیل میں فصاحت کے حوالے سے آیات کا تقابلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

سورۃ النصر کی مذکورہ آیت کے ترجمے میں الفاظ و معانی سامنے رکھے جائیں تو مولانا عبدالتواب ملتانیؒ اور محمد رمضان طالبؔ کے تراجم واضح ہیں۔ اور اگر مفہوم اور معانی دونوں سامنے ہوں تو سب سے فصیح ترجمہ حافظ مختار احمد شاحد عباسی کا ہے۔ اس کے بعد محمد رمضان طالبؔ کا اور پھر مولانا عبدالتواب ملتانیؒ کا۔ مختار عباسی کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

''تاں اپنے رب دی تعریف نال تسبیح کرتے اوندے کنوں مغفرت منگ، بلاشک اوہی توبہ قبول کرن والا ہے۔''

دوسری آیت جو سورۃ الفیل سے لی گئی ہے اس میں بھی مولانا عبدالتواب ملتانیؒ کا ترجمہ شاہ رفیع الدینؒ کے اردو ترجمے کا تتبع ہے اور ترجمہ غیر واضح بھی ہے۔ اسی طرح محمد رمضان طالبؔ کا ترجمہ اشاعت اول اور اشاعت دوم بھی عدم فصاحت کا شکار ہے البتہ مختار عباسی کا ترجمہ سب سے واضح ہے ترجمہ ملاحظہ ہو:

''تے انہاں دے اتے جھنڈ دے جھنڈ پکھی بھیج چھوڑیے۔''

مندرجہ بالا ترجمہ سب سے فصیح ترجمہ ہے مفہوم اور معانی واضح ہیں اور قرآن مجید کے عربی متن کی مکمل ترجمانی بھی ہے۔ جملوں کی ساخت بھی خوب ہے اور ایسے موزوں الفاظ استعمال کیے گئے ہیں کہ معنی جلد سمجھ میں آجاتے ہیں۔

تیسری آیت میں مولانا عبدالتواب کے ترجمے میں قرآن مجید کے عربی متن کی مکمل ترجمانی موجود نہیں ہے۔ ترجمہ لفظی ہے اس لیے سلاست اور روانی بھی نہیں پائی جاتی۔ الفاظ بھی عام فہم نہیں ہیں۔ قاری کو رکنا اور سوچنا پڑتا ہے اسی طرح محمد رمضان طالبؔ کا ترجمہ غیر مانوس کلمات کی وجہ سے فصیح نہیں ہے۔ سرائیکی قاری کیلئے مانوس، سفر، سردی اور گرمی جیسے الفاظ سلاست میں مانع ہیں۔ میری نظر میں سب سے فصیح ترجمہ مختار عباسی کا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

''(وپارتوں) قریش کوں عادی کرن کیتے۔ انھاں کوں گرمی تے سردی دے پندھ دی عادت پاون کیتے۔''

سورۃ الماعون کی مذکورہ آیت میں مولانا عبدالتواب ملتانیؒ کا ترجمہ فصاحت کے معیار پر پورا نہیں اترتا کیونکہ مرقوم ترجمہ واضح نہیں ہے۔ محمد رمضان طالبؔ کے دو ترجمے اشاعت اول اور اشاعت دوم ملتے جلتے ہیں۔ مختار عباسی کا ترجمہ بھی غیر واضح ہے۔ میری رائے میں سب سے فصیح ترجمہ اشاعت اول محمد رمضان طالبؔ کا ہے جو ابہام سے پاک ہے اور سہل الفہم ہے۔ مفہوم اور معنوی اعتبار سے سب سے بہتر ترجمہ ہے۔

سورۃ الکوثر کے سرائیکی ترجمے کا تقابلی جائزہ لیں یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ مولانا عبدالتواب ملتانیؒ اور محمد رمضان طالبؔ کا ترجمہ اردو ترجمے کا تتبع ہے اور بعض کلمات کے متبادل سرائیکی الفاظ استعمال نہیں کیے گئے البتہ مختار عباسی کا ترجمہ مفہوم کے اعتبار سے سب سے بہتر ترجمہ ہے اور اس میں قرآن مجید کے متن کی مکمل ترجمانی موجود ہے اور اس میں سرائیکیت بھی خوب ہے اور یہ ترجمہ دل میں اتر جانے والا ہے اور اس میں ادبی حسن بھی موجود ہے۔

متابعت

مترجم کیلئے ضروری ہے کہ وہ جس زبان سے ترجمہ کررہا ہے اس پر عبور رکھتا ہو اور ترجمہ کرتے وقت اسی زبان کے الفاظ استعمال کرے۔ گویا اس کے پاس ذخیرہ الفاظ ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر ایسا نہ ہو اور مترجم دوسری زبانوں سے الفاظ لے آئے تو کہا جائے گا اس ترجمے میں تتبع کیا گیا ہے۔ تتبع کی وجہ سے ترجمے کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے فصیح ترجمہ وہ ہوگا جس میں تتبع نہ ہونے کے برابر ہو۔ ذیل میں متابعت کے حوالے سے مذکورہ قرآنی آیات کا موازنہ پیش کیا جاتا ہے۔

پہلی آیت کے ترجمے میں مولانا عبدالتواب ملتانیؒ نے شاہ رفیع الدینؒ کے اردو ترجمے کو من وعن سرائیکی میں ڈھال دیا ہے مثلاً فسبح بحمد کا ترجمہ شاہ صاحب نے ''پس پاکی بیان کر ساتھ تعریف'' رقم کیا ہے۔ اس ترجمے صرف ایک لفظ ساتھ کا ترجمہ ''نال'' تحریر کر دیا گیا ہے باقی تمام الفاظ ویسے کے ویسے لکھ دیئے گئے ہیں۔ محمد رمضان طالبؔ اور مختار عباسی کا ترجمہ پڑھ کر بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ دونوں مترجمین نے کسی اردو ترجمے کا تتبع کیا ہے۔ لیکن سب سے زیادہ متابعت مولانا عبدالتواب ملتانیؒ کے ترجمے میں پائی جاتی ہے۔

اسی طرح دوسری آیت کے ترجمے میں محمد رمضان طالبؔ کے دونوں ترجمے اشاعت اول اور اشاعت دوم میں (خاص طور پر) تتبع پایا جاتا ہے ترجمہ ملاحظہ ہو:

''تے انہاں تیں ابابیل پکھی دے غول بھیج ڈتے۔''

مولانا عبدالتواب ملتانی نے ''علیھم'' کا ترجمہ ''اتے انہاں دے'' لکھا ہے جبکہ شاہ رفیع الدین صاحب کا اردو کا ترجمہ ''اوپر ان کے'' مرقوم ہے اس سے متابعت عیاں ہو جاتی ہے۔ مختار عباسی نے اس کا ترجمہ ''انہاں دے اتے'' کیا ہے اور ابابیل کا ترجمہ ''جھنڈ دے جھنڈ'' تحریر کیا ہے۔ اس سے اردو ترجمے سے متابعت واضح ہو جاتی ہے۔

تیسری آیت کے ترجمے میں ''لایــــلف '' کا ترجمہ شاہ رفیع الدینؒ نے اردو میں ''واسطے الفت والانے'' کیا ہے جب کہ مولانا عبدالتواب ملتانیؒ نے اسی کو سرائیکی میں ڈھال کر ''دل رلاونڑ'' کر دیا ہے۔ محمد رمضان طالبؔ نے اس کا ترجمہ ''مانوس تھی گئے'' رقم کیا ہے۔ مختار عباسی نے اس کا ترجمہ ''عادی کرن کیتے'' لکھا ہے۔ میری رائے میں سب سے زیادہ متابعت مولانا عبدالتواب ملتانیؒ کے ترجمے میں پائی جاتی ہے۔

چوتھی آیت میں محمد رمضان طالبؔ نے ''یــــرآءُون '' کا ترجمہ 'ریا کاری' کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہ اردو ترجمے کا تتبع ہے۔ مختار عباسی نے ''صرف ڈکھاوا کریندن'' کیا ہے۔ اس میں بھی متابعت ہے لیکن سب سے زیادہ متابعت مولانا عبدالتواب ملتانی کے ترجمے میں ہے۔ شاہ رفیع الدینؒ نے یرآءُون کا ترجمہ اردو میں ''دکھلاتے ہیں لوگوں کو'' کیا ہے جبکہ مولانا نے اسے سرائیکی میں ''ڈکھالا کریندے ھن'' بنا دیا ہے۔ متابعت کی ایک اور مثال الماعون کا ترجمہ شاہ صاحب نے ''برتنے کی چیز کو'' لکھا ہے اور مولانا نے اس کا ترجمہ ہو بہو ''ورتاوے والی شئے'' لکھ دیا ہے۔ متابعت صاف ظاہر ہے۔

سورۃ الکوثر کے ترجمے میں محمد رمضان طالبؔ نے واضح طور پر اردو ترجمے کو سرائیکی میں ڈھالا ہے اور مختار عباسی نے اپنے ترجمے میں سرائیکیت کو پیش نظر رکھا ہے لیکن مولانا عبدالتواب ملتانیؒ نے متابعت کی انتہا کر دی ہے۔ ''تحقیق دی ہم نے تجھکو'' کو ''تحقیق اساں ڈتا تیکوں''، ''پس نماز پڑھ'' کو بالکل ویسے ''پس نماز پڑھ'' لکھ دیا ہے اور ''تحقیق دشمن تیرا'' کو ''تحقیق دشمن تیڈا'' لکھ کر متابعت کو ثابت کر دیا ہے۔ لہٰذا کوئی ترجمہ بھی ایسا نہیں جو تتبع سے پاک ہو۔

سلاست

سلاست سے مراد روانی ہے ایسی روانی جو دریا کے پانی میں ہوتی ہے قاری پڑھتا جائے سکتہ نہ آئے۔ اسے رکنا اور سوچنا نہ پڑے ذیل میں سلاست کے حوالے سے دی گئی آیات پر نظر ڈالتے ہیں۔

پہلی آیت کے تراجم پر نظر ڈالیں تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ مولانا عبدالتواب ملتانیؒ کا ترجمہ تحت اللفظ ہے اور تحت اللفظ ترجمہ سلاست میں مانع ہوتا ہے اس لیے مولانا مرحوم و مغفور کے ترجمے میں سلاست اور روانی میں کمی آگئی ہے۔ محمد رمضان طالبؔ کے ترجمے میں قدرے سلاست ہے۔ سب سے زیادہ سلاست حافظ مختار احمد عباسی کے ترجمے میں ہے۔

''تاں اپنے رب دی تعریف نال تسبیح کراوندے کنوں مغفرت منگ۔ بلاشک اوہی توبہ قبول کرن والا ہے۔''

آیئے اب دوسری آیت کے تراجم میں روانی تلاش کرتے ہیں۔ مولانا عبدالتواب ملتانیؒ کے ترجمے میں ''لفظی ترجمہ'' سلاست اور روانی میں مانع ہے۔ محمد رمضان طالبؔ کے ترجمہ اشاعت دوم میں روانی میں کمی آگئی ہے کیونکہ اس ترجمے میں ابابیل، غول اور ''بھیج ڈتے'' ایسے الفاظ ہیں جن کے بارے میں قاری کو سمجھنے کے لیے سوچنا پڑتا ہے۔ میری نظر میں ان تراجم میں سے سب سے زیادہ سلاست مختار عباسی کے ترجمے میں پائی جاتی ہے کیونکہ یہ رواں ترجمہ ہے اور فصیح بھی ہے۔ الفاظ عام فہم ہیں قاری کو کسی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

''تے انہاں دے اتے جھنڈ دے جھنڈ پکھی بھیج چھوڑیے۔''

تیسری آیت میں مولانا عبدالتواب ملتانیؒ نے شاہ رفیع الدینؒ کے اردو ترجمے کا تتبع کیا ہے اور ترجمہ بھی تحت اللفظ ہے۔ تحت اللفظ ترجمے میں روانی ہوتی ہی نہیں۔ محمد رمضان طالبؔ کے ترجمے میں غیر سرائیکی الفاظ کے استعمال سے سلاست اور روانی میں کمی آگئی ہے۔ مختار عباسی کا ترجمہ طویل تو ہے سادہ اور رواں ہے اس میں قاری کیلئے سادہ اور عام فہم الفاظ استعمال کیے گئے ہیں ترجمہ ملاحظہ ہو:

''(وپارتوں) قریش کوں عادی کرن کیتے۔ انھاں کوں گرمی تے سردی دے پندھ دی عادت پاون کیتے۔''

چوتھی آیت میں مولانا عبدالتواب ملتانیؒ کا ترجمہ لفظی ہے اس لیے سلاست اور روانی موجود نہیں۔ مختار عباسی کے ترجمے میں قدرے روانی ہے۔ سب سے زیادہ روانی محمد رمضان طالبؔ کے ترجمے میں پائی جاتی ہے کیونکہ اس میں سادہ اور عام فہم الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اور قرآن مجید کے عربی متن کا مکمل مفہوم سادہ الفاظ میں بیان کیا گیا ہے ترجمہ ملاحظہ ہو:

''ریاکاری کریندن تے عام ورتیوے دیاں چیزاں ہک بئے کوں نہیں ڈیندے۔''

سورۃ الکوثر میں مولانا عبدالتواب ملتانیؒ کے ترجمے میں تحت اللفظ ترجمہ سلاست میں مانع ہے اور انہوں نے پہلی آیت کا ترجمہ یوں رقم کیا ''تحقیق اساں ڈتا تیکوں کوثر'' تحقیق اور کوثر کا سرائیکی سے کیا تعلق؟ ایسے الفاظ سلاست میں مانع ہیں۔ محمد رمضان طالبؔ کے ترجمے میں قدرے روانی پائی جاتی ہے لیکن اس میں بھی کوثر، رب، دشمن اور بے نام و نشاں جیسے الفاظ غیر سرائیکی ہیں۔ میری نظر میں سب سے زیادہ سلیس ترجمہ مختار عباسی کا ہے۔ اگرچہ ترجمہ طویل ہے مگر عام فہم الفاظ کی وجہ سے قاری کو رکنا اور سوچنا نہیں پڑتا۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ آپ نے لفظ ''کوثر'' کا سرائیکی میں ترجمہ کیا ہے جبکہ اکثر مترجمین نے اسے کوثر ہی لکھا ہے علاوہ ازیں مختار عباسی نے عطا کا سرائیکی ترجمہ ''دان''، دشمن کا ''ویری'' اور بے نام و نشاں کا ''انڈ منڈ'' کر کے سلاست اور روانی میں اضافہ کیا ہے۔

مفسر تراجم

مفسر تراجم وہ تراجم ہیں جن کے ساتھ مکمل شرح اور تفسیر موجود ہے۔ یہ تراجم معریٰ تراجم سے قدرے مختلف ہیں۔ ان میں تشریحی اور وضاحتی اشارے زیادہ ملتے ہیں۔ ان میں کامل بھی ہیں جزوی بھی۔ ان میں سے بعض زیور طباعت سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ کچھ زیر طبع ہیں۔ ذیل میں ان کا مختصر تعارف دیا جاتا ہے۔

''ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی المعروف سوغات نظامی'' مولانا محمد نظام الدین نظامیؒ کی تصنیف ہے۔ ''تفسیر حسینی'' فارسی زبان کی مشہور تفسیر ہے۔ اس میں قرآن مجید کا فارسی ترجمہ الموسوم ''فتح الرحمان'' حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ہے جبکہ اسکی فارسی تفسیر حضرت مولانا ملا حسین واعظ الکاشفی نے رقم کی ہے۔

اس کے ناشر محمد طاہر علی وار اولا اور شرف علی تاجران کتب ہیں جنھوں نے اسے مطبع محمدی بمبئی سے ۱۳۷۶ھ (طبع ثانی) میں شائع کیا (86) یہ بڑی ضخیم اور بسیط تفسیر ہے اور اس کے ۹۶۶ صفحات ہیں۔ مولانا محمد نظام الدین نظامی نے اس ترجمہ و تفسیر کو سرائیکی میں ڈھالا ہے۔ مثلاً اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ

فارسی ترجمہ: ''خداوند روز جزا'' (87)

اب اسی آیت کا سرائیکی ترجمہ دیکھیے:

''مالک ہے، روز جزا دا'' (88)

ایک اور مثال ملاحظہ فرمایئے:

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ

فارسی ترجمہ: ''ایں گروہی است کہ در گذشت ویراست انچہ کردند'' (89)

اب اسی آیت کا سرائیکی ترجمہ دیکھیے:

''اوہ گروہ جو بیشک گذر یا واسطے اونده ے جو کجھ کمائی کیتی'' (90)

مندرجہ بالا امثال سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ فاضل مترجم نے تفسیر حسینی میں موجود شاہ ولی اللہؒ کے فارسی ترجمہ سے سرائیکی ترجمہ تصنیف کیا ہے۔ (91) ''ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی المعروف سوغات نظامی'' ضخیم تفسیر ہے غیر مجلد ہے اور تادم تحریر غیر مطبوعہ ہے۔

قرآن پاک کے سرائیکی مفسر تراجم میں دوسری اہم کاوش مولانا غلام محمد مستوئی چاچڑانی مرحوم و مغفور کی ہے۔ یہ ''تفسیر اتالیقی بزبان سرائیکی'' کے نام سے موسوم ہے۔ آپ نے اس تفسیر کا نام ''تفسیر اتالیقی'' اس لیے رکھا کہ آپ کے والد مولانا برخوردار حضرت خواجہ غلام فریدؒ کے اتالیق تھے۔ یہ قلمی نسخہ ہے جو فاضل مترجم کے اپنے قلم سے رقم کیا گیا ہے۔ مترجم ذی وقار نے اپنے ترجمے کی بنیاد مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ کے اردو ترجمہ پر رکھی ہے۔ (92) یہ غیر مجلد مخطوطہ ہے اور مکمل قرآن مجید کا سرائیکی ترجمہ اور تفسیر ہے۔ یہ ضخیم تفسیر ہے اور اس کے صفحات کی تعداد ۷۹۱ ہے اس تفسیر کی انفرادیت یہ ہے کہ اسے مفسر نے سعودی عرب کے شہر مدینہ منورہ میں روضہ رسولؐ اور مسجد نبوی کے سائے میں بیٹھ کر اپنے قلم سے رقم کی۔

مفسر تراجم میں تیسرا ترجمہ "فرید التفاسیر یعنی تفسیر سرائیکی" علامہ محمد اعظم سعیدی کی تصنیف ہے۔ یہ قرآن مجید کے پہلے پارے کی تفسیر ہے۔ فاضل مصنف نے اس کا نام حضرت خواجہ غلام فریدؒ کے نام نامی پر "فرید التفاسیر" رکھا ہے۔ اسے سرائیکی ادبی سنگت پاکستان نے 1988ء میں کراچی سے شائع کیا۔

سرائیکی دینی ادب میں ڈاکٹر پروفیسر محمد صدیق شاکر کا نام ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ آپ نے قرآن مجید کا کامل مفسر ترجمہ سات منزلوں کی مناسبت سے ساتھ جلدوں میں تصنیف کیا ہے۔ آپ نے اسے "تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر" کے نام سے معنون کیا ہے۔

سرائیکی قرآنی ادب میں یہ ایک قابل قدر اور یادگار اضافہ ہے۔ یہ ایک ضخیم اور بسیط تفسیر ہے۔ اس میں نقشے اور نمونے بھی دیے گئے ہیں تاکہ قاری کو پیغام الٰہی سمجھنے میں آسانی ہو۔ ایک عرصے سے سرائیکی زبان میں ایسی ہی تفسیر کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی جسے فاضل مفسر نے پورا کر دیا۔

ذیل میں مفسر تراجم کا تقابلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

آیاتِ کریمہ برائے موازنہ

بسم الله الرحمن الرحيم

(۱) اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (۲:البقرہ:۶)

ترجمہ: مولانا محمد نظام الدین نظامی

"تحقیق کہ جنہاں لوکاں نے کفر کیتا برابر ہے اتے انہاں دے جو دھمکاؤ تساں اے محمد ﷺ انہاں کوں یا نہ دھمکاؤ تساں انہاں کوں او ایمان نہ آسین۔" (93)

ترجمہ: مولانا غلام محمد چاچڑانی

"بے شک او جہاں دی قسمت وچ کفر ہے انہیں کیتے برابر ہے چاہے تساں انہاں کوں ڈراوو یا نہ ڈراوو او ایمان آنن والے نہیں۔" (94)

ترجمہ: علامہ محمد اعظم سعیدی

"بے شک جہاں کفر کیتے برابر اے انہاں سانگے ہتساں انہاں کوں ڈراوو یا نہ ڈراوو او ایمان نہ گھن اوسن۔" (95)

ترجمہ: ڈاکٹر پروفیسر محمد صدیق شاکر

"یکی گالھ ہے۔ جیڑھے لوک ان من (کافر) ہن۔ انہاں کوں تساں (اللہ دی پکڑ کنوں) ڈراؤ یا نہ ڈراؤ او اصلوں ایمان نہ آسن" (96)

(۲) يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا (۲:البقرہ:۲۰)

ترجمہ: مولانا محمد نظام الدین نظامی

"قریب ہے جو بجلی دی چمک جو دھیمد یے بینائیاں انہاں دیاں جڈاں جو چمکدی ہے بجلی واسطے انہاں دے تاں ٹردن

وچ اوندے اتے جڈاں اندھیرا تھی ویندے اتے انحاں دے تا کھڑ ویندن'' (97)

ترجمہ: مولانا غلام محمد چاچڑانی

''وجلی اینویں معلوم تھیندی ہے جو انہاں دیاں نگاہیں اوڈ اُکھن ونجے جڈاں کجھ چمکار تھی ایندے وچ چلن لگ اتے جڈوں اندھارا تھیا کھڑے رہ گئے۔'' (98)

ترجمہ: علامہ محمد اعظم سعیدی

''قریب اے جو بجلی جھپ گھتے انہاں دی بینائی کوں، جیس ویلے چمکدی اے انہاں سامنڑے تاں اوڑن لگدن اوندی ''روشنی'' وچ اتے جیس ویلے اندھارا تھی ویندے انہاں تے تاں کھڑ ویندن'' (99)

ترجمہ: ڈاکٹر پروفیسر محمد صدیق شاکر

''تھی سگدے بجلی واکڑکار انہاں دی دیداں کوں ئی گھن لا ہوے جڈاں انہاں کیتے سوجھلا تھیندے۔ اوندے وچ ٹر گھندن۔ ول جیڑھے ویلھے اندھارا تھی ویندے۔ کھڑ وویندن'' (100)

(۳) وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (۲:البقرہ:۴۵،۴۶)

ترجمہ: مولانا محمد نظام الدین نظامی

''اتے مدد طلب کرو نال صبر دے اتے فرض نماز ادا کرن دے اتے بیشک نماز البتہ وڈی چیز ہے گراں مگر اتے ڈرن والیاں، خشوع کرن والیاں دے۔ خاشعوں اوہ لوک ہن جو یقین جانڑن ایہ جو اوہ پہونچن والے ہن اپنے رب دی جزا کوں اتے (سمجھدن) ایہ جو اوطرف رب دے پھر ونجن والے ہن۔'' (101)

ترجمہ: مولانا غلام محمد چاچڑانی

''اتے نماز کنوں مدد منگو اتے صبر کنوں مدد منگو اتے بیشک نماز ضرور بھاری ہے مگر انہاں اتے جو دل نال میڈی طرف جھکدے ہن۔ جنہیں کوں یقین ہے جو انحاں اپنے رب کوں ملنا ہے اتے ہیں دی طرف ولنا ہے۔'' (102)

ترجمہ: علامہ محمد اعظم سعیدی

''اتے مدد گھنو صبر اتے نماز نال اتے بیشک او ''نماز'' بھاری اے پر عاجزی کرن والیاں تے بھاری کینھی۔ جیڑھے لوک یقین کریندن جو او ملن والے ہن اپنے رب نال اتے اوہوں ڈہیں ول ونجن والے ہن۔'' (103)

ترجمہ: ڈاکٹر پروفیسر محمد صدیق شاکر

''صبر تے نماز نال (اللہ کنوں) مدد منگو۔ اے ڈاڈھی اوکھی گالھ ہے، پر جھکی دل رکھن آلیاں کیتے نی۔ جیڑھے لوک ایں خیال وچ راہندن، جو انہاں اپنے رب کوں ملنے تے ہوں ور (تکھے) ولنے'' (104)

(۴) اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ (۲:البقرہ:۶۱)

ترجمہ: مولانا محمد نظام الدین نظامی

''اترو کہیں شہر وچ پس تحقیق تساڈے واسطے ہے جو کجھ منگیا تساں اتے ماری گئی اتے انحاں دے ذلت (خواری) اتے مفلسی (سوبجائی)۔'' (105)

ترجمہ: مولانا غلام محمد چاچڑانی

"شہر مصر یا کہیں شہر وچ چلو اتھائیں تساکوں ملسے جو تساں منگے اتے انہاں تے مقرر کیتی گئی خواری اتے عاجزی۔"(106)

ترجمہ: علامہ محمد اعظم سعیدی

"ونج رہو کہیں شہر وچ بیشک تہاکوں تہاڈی لوڑ دی ہر شئے مل ویسے اتے مسلط کر ڈتی گئی انہاں تے ذلت تے غربت۔"(107)

ترجمہ: ڈاکٹر پروفیسر محمد صدیق شاکر

"کہیں شہر وچ لہہ ونجو۔ جو تساں منگدے ہو سبھو کجھ مل پوسی۔
وت انہاں تے ذلت تے محتاجی سٹ ڈتی گئی۔"(108)

(۵) وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِى السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ (۲:البقرہ:۶۵)

ترجمہ: مولانا محمد نظام الدین نظامی

"اتے البتہ تحقیق جاندے ہو تساں انھاں لوکاں کوں جو زیادتی کیتی تساں وچوں وچ ہفتے دے پس آکھیا اساں واسطے انہاں دے ہو ونجو بھولوں (بندر) ذلیل و خوار۔"(109)

ترجمہ: مولانا غلام محمد چاچڑانی

"اتے بیشک تساکوں ضرور معلوم ہے تساڈیں وچوں او جہاں نے چھنچھن وچ سرکشی بطر مانی کیتی تا اساں انہاں کوں آکھیا تھی ونجو بھولوں باندر پھٹکارے ہوئے برباد تھے ہوئے۔"(110)

ترجمہ: علامہ محمد اعظم سعیدی

"اتے تساں چنگی طرح جاندے او انہاں کوں جہاں نافرمانی کیتی ہئی تہاڈے وچوں چھنچھن" دے ڈینہہ" دی ول اساں حکم ڈتا ہا انہاں کوں تھی ونجو تساں بھولوں پھٹے ہوئے۔"(111)

ترجمہ: ڈاکٹر پروفیسر محمد صدیق شاکر

"اتے تساں انہاں اپنے لوکاں کوں جاندے ہوے۔ جنہاں سبت (چھنچھن دی چھٹی) وچ ودھیکی کیتی۔
وت اساں انہاں کوں آکھا، جو بھورے باندر بن ونجو۔"(112)

معنویت

معیاری ترجمہ وہ ہوتا ہے جس میں مفہوم واضح ہو اور ابلاغ کامل ہو۔ الفاظ عام فہم ہوں اور معنوی سقم نہ ہو۔ اچھا ترجمہ وہی ہوتا ہے جس کے معانی جلد سمجھ میں آ جائیں۔ اب مذکورہ آیات کا موازنہ پیش کیا جاتا ہے۔

پہلی آیت کریمہ کے ترجمے میں ء انذرتھم کا ترجمہ مولانا نظام الدین نظامی نے "جو دھمکاؤ تساں اے محمد ﷺ انہاں کو"، مولانا غلام محمد چاچڑانی نے "چاہے تساں انہاں کوں ڈراوو"، مولانا محمد اعظم سعیدی نے "تساں انہاں کوں ڈراوو" اور ڈاکٹر محمد صدیق شاکر نے "انہاں کوں تساں (اللہ دی پکڑ کنوں) ڈراؤ" کیا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر صدیق شاکر کے ترجمے میں معنویت زیادہ ہے ابہام کم ہے۔ اسی طرح انّ کا ترجمہ نظامی صاحب نے "تحقیق"، مولانا چاچڑانی اور علامہ اعظم سعیدی نے "بے شک" جبکہ ڈاکٹر صدیق شاکر نے "پکی گالھ" رقم کیا ہے جو زیادہ فصیح نظر آتا ہے۔

دوسری آیت میں یکاد کا ترجمہ مولانا نظامی نے "قریب ہے"، مولانا چاچڑانی نے "ایویں معلوم تھیندی ہے"، علامہ صاحب نے "قریب اے" اور ڈاکٹر صدیق شاکر نے "تھی سگدے" کیا ہے جس میں سب سے زیادہ وضاحت موجود ہے۔ مذکورہ آیت میں یخطف کا ترجمہ مولانا نظامی نے "چو دھیند ہئے" چاچڑانی نے "اوڈ اگھن ونجے"، علامہ اعظم سعیدی نے "جھپ گھنے" اور ڈاکٹر صاحب نے "گھن لا ہوے" کیا ہے۔ میری رائے میں موخر الذکر ترجمے میں بات پوری ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ابصارھم کا ترجمہ نظامی صاحب نے "بینائیاں انھاں دیاں"، مولانا چاچڑانی نے "انہاں دیاں نگاہیں"، سعیدی صاحب نے "انہاں دی بینائی" اور ڈاکٹر صاحب نے "انہاں دی دیداں" کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے ترجمے میں زیادہ فصاحت ہے یہ سب سے بہتر ترجمہ ہے۔

تیسری آیت میں واستعینو کا ترجمہ نظامی صاحب نے "اتے مدد طلب کرو" مولانا چاچڑانی نے "مدد منگو"، اعظم سعیدی نے "مدد گھنو" اور ڈاکٹر صدیق شاکر نے "(اللہ کنوں) مدد منگو" کیا ہے۔ میرا خیال میں ڈاکٹر صاحب کا ترجمہ زیادہ فصیح ہے۔ تمام مترجمین نے صبر کا ترجمہ [illegible] ہی کیا ہے۔ مذکورہ آیت میں "کبیرۃ" کا ترجمہ مولانا نظام الدین نظامی نے "البتہ وڈی چیز ہے گراں"، چاچڑانی صاحب اور اعظم سعیدی نے "بھاری اے" جبکہ ڈاکٹر صاحب نے "اے ڈاڈھی اوکھی گالھ ہے" کیا ہے جو معنوی اعتبار سے سب سے زیادہ بہتر ترجمہ ہے اور اس میں سرائیکیت بھی زیادہ ہے۔

چوتھی آیت میں اھبطوا کا ترجمہ مولانا نظامی نے "اترو"، چاچڑانی صاحب نے "چلو"، علامہ اعظم سعیدی نے "ونج رہو" اور ڈاکٹر صدیق شاکر نے "لہہ ونجو" کیا ہے نظامی صاحب نے "اترو" کیا ہے جو اردو لفظ ہے۔ مولانا چاچڑانی اور سعیدی صاحب کا ترجمہ بھی معنوی اعتبار سے درست معلوم نہیں ہوتا۔ اس آیت کریمہ کے ترجمے میں بھی ڈاکٹر صاحب کا ترجمہ سب سے زیادہ واضح ہے۔ اسی طرح مسکنۃ کا ترجمہ نظامی صاحب نے "مفلسی" مولانا غلام محمد چاچڑانی نے "عاجزی"، اعظم سعیدی نے "غربت" اور ڈاکٹر صدیق شاکر نے "محتاجی" کیا ہے اور یہی ترجمہ درست ہے۔

آخری آیت کے تراجم میں پہلے اعتدوا کا تقابلی جائزہ لیتے ہیں۔ نظامی صاحبؒ نے اس کا ترجمہ "زیادتی"، "چاچڑانی" صاحب نے "سرکشی بے فرمانی"، اعظم سعیدی نے "نافرمانی" اور ڈاکٹر صاحب نے سرائیکیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے "دھنگی" کیا ہے جو معنوی اعتبار سے فصیح ترجمہ ہے۔ "سبت" کے ترجمے میں نظامی صاحبؒ نے "ہفتے" مولانا غلام محمد نے "چھنچھن دی چھٹی" کیا ہے۔ سبت کے معنی آرام کے ہیں جیسے قرآن میں وجعلنا نومکم سباتا (۷۸: النبا: ۹) (113) "ترجمہ: اور ہم نے تمہاری نیند کو آرام کیلئے بنایا" کیا گیا ہے۔ اس لیے اس کے معنی ہفتہ کا دن صحیح معلوم نہیں ہوتے۔ ان تراجم میں بھی ڈاکٹر صاحب کا ترجمہ زیادہ فصیح ہے۔

لہجویت

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر پندرہ میل کے بعد ہر زبان کے لب و لہجے میں فرق آ جاتا ہے۔ یہی اصول سرائیکی زبان میں بھی کارفرما ہے۔ ان چار مفسر مترجمین میں سے تین کا تعلق ریاست بہاولپور سے جبکہ ایک کا تعلق ملتان سے ہے۔ اس لیے ان تراجم میں دو لہجے جھلکتے ہیں۔

پہلی آیت کے ترجمے میں ام لم تنذرھم کا ترجمہ مولانا نظامی نے "یا نہ دھمکاؤ تساں" کیا ہے۔ دھمکاؤ موزوں ترجمہ نہیں ہے اور نہ ہی یہ ریاستی لہجے کا لفظ ہے۔ مولانا غلام محمد چاچڑانی اور علامہ اعظم سعیدی نے اس کا ترجمہ "یا نہ ڈراوو" کیا ہے۔ یہ ریاستی لہجے کا لفظ ہے۔

ڈاکٹر صدیق شاکر نے بھی یہی ترجمہ کیا ہے گویا ملتانی لہجے میں بھی یہی الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ اسی طرح لایومنون کا ترجمہ مولانا نظامی اور ڈاکٹر صدیق شاکر نے "ایمان نہ ایسن"، مولانا چاچڑانی نے "او ایمان آنن والے نہیں" جبکہ علامہ اعظم سعیدی نے ریاستی لہجے کے ٹھیٹھ الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ان کا ترجمہ یوں ہے "او ایمان نہ گھن اوسن"، "اوسن" ریاستی لہجے کا خاص لفظ ہے اور صوتی حسن کا حامل ہے۔

دوسری آیت میں "برق" کا ترجمہ مولانا نظامی الدین نظامی اور مولانا غلام محمد چاچڑانی نے "وجلی" کیا ہے جبکہ ڈاکٹر صدیق شاکر نے "بجلی" لکھا ہے۔ اسی طرح نظامی صاحب کا ترجمہ "ترپمدن" اور چاچڑانی صاحب کا "جڈوں" سرائیکی زبان کے ریاستی لہجے کی خوبصورت مثالیں ہیں۔ علامہ اعظم سعیدی نے "انہاں سانگے" اور ڈاکٹر صدیق شاکر نے "دیداں" اور "کھڑو وینداں" رقم کر کے اپنے اپنے علاقائی لہجے کی بھرپور نمائندگی کی ہے۔

تیسری آیت میں بھی ہر مترجم نے اپنے اپنے لہجے کی نمائندگی کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے مگر مولانا نظام الدین نظامی کے ترجمے میں ریاستی لہجے کے الفاظ نظر نہیں آتے۔ کیونکہ انھوں نے عربی، اردو اور فارسی الفاظ کثرت سے استعمال کیے ہیں۔

اسی طرح مولانا غلام محمد چاچڑانی اور علامہ اعظم سعیدی بھی اس آیت کریمہ کے ترجمے میں اپنے لہجے کی نمائندگی کرنے میں قاصر رہے ہیں۔ البتہ پروفیسر ڈاکٹر صدیق شاکر نے ملتانی لہجہ نمایاں کرنے میں کامیاب رہے ہیں مثلاً "جھگی دل" اور "رب کوں ملنے تے ہوں ور (تھیسے) ونجے" ملتانی لہجے کے خوبصورت الفاظ ہیں۔

چوتھی آیت میں مولانا غلام محمد کے ترجمے میں صرف ایک لفظ "ملسے" ریاستی لہجے سے متعلق ہے اور مولانا اعظم سعیدی کے ترجمے میں بھی واحد لفظ "ویسے" نظر آتا ہے۔ مولانا نظام الدین کے ترجمے میں ریاستی لہجہ نظر نہیں آتا۔ تاہم ڈاکٹر صدیق شاکر کے ترجمے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ یہ ملتانی لہجے کی ترجمانی ہے جیسے "سکھو کجھ" اور "ست ڈتی گئی"۔

پانچویں آیت کریمہ کے ترجمے کا لہجے کے اعتبار موازنہ پیش خدمت ہے۔ ریاستی لہجے کے ترجمان تینوں مترجمین نے "قردۃ" کا ترجمہ "بھولوں" کیا ہے۔ مولانا غلام محمد چاچڑانی نے "بھولوں باندر" رقم کیا ہے۔ بھولوں اور باندر لہجے کے فرق کی وجہ سے ہے۔

ڈاکٹر صدیق شاکر نے بھی "باندر" لکھا ہے کیونکہ ملتان کے علاقے میں یہی لفظ استعمال ہوتا ہے۔ بیٹھنے کیلئے مولانا نظام الدین نظامی کے علاوہ تینوں مترجمین نے "بہحن بحین" کا ٹھیٹھ سرائیکی لفظ استعمال کیا ہے۔

سرائیکیت

سرائیکی زبان لاکھوں کی نہیں کروڑوں کی زبان ہے۔ اس کی مقبولیت کی وجہ قدامت اور حلاوت ہے۔ اور جب قرآن مجید کے ترجمے میں عربی متن میں خالص سرائیکی کے الفاظ مرقوم ہوں تو ترجمہ دلنشین ہو جاتا ہے۔

پہلی آیت کے تراجم کا تقابلی جائزہ لیں تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ کہیں کہیں سرائیکیت میں کمی ہے۔ مولانا نظام الدین نظامی نے اپنے ترجمے میں "تحقیق"، "کفر" اور "دھکاؤ" جیسے غیر سرائیکی الفاظ استعمال کر کے ترجمے کے حسن کو ماند کیا ہے۔ مولانا غلام محمد چاچڑانی نے "بے شک"، "قسمت" اور "کفر" کے علاوہ سرائیکی الفاظ رقم کیے ہیں۔ مولانا اعظم سعیدی کے ترجمے میں سرائیکیت زیادہ ہے البتہ ڈاکٹر محمد صدیق شاکر کے ترجمے میں سرائیکیت سب سے زیادہ ہے۔ انھوں نے اِنَّ کا ترجمہ "پکی گالھ" اور "کفر" کا سرائیکی ترجمہ "اَن مَن" کیا ہے، جو خوب ہے۔

سورۃ البقرہ کی بیسویں آیت میں مولانا نظام الدین نظامی نے "قریب"، "بینائیاں" اور "اندھیرا" کے الفاظ اپنے ترجمے میں رقم کیے ہیں۔ اگر ان کی بجائے سرائیکی الفاظ لائے جاتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ باقی تینوں مترجمین نے "اندھیرا" کی بجائے "اندھارا" لکھا ہے۔

مولانا غلام محمد چاچڑانی نے "معلوم" اور "نگاہیں" عربی اور فارسی کے کلمات استعمال کیے ہیں۔ علامہ اعظم سعیدی نے بھی "بینائی" اور "روشنی" لکھ کر ترجمے میں سرائیکیت کو کم کیا ہے۔ میری نظر میں سب سے زیادہ سرائیکیت ڈاکٹر صاحب کے ترجمے میں ہے، ترجمہ ملاحظہ ہو:

"تھی سگدے بجلی دا کڑکا رانہاں دی دیداں کوں ئی کھن لا ہووے۔ جڈاں انہاں کیتے سوجھلا تھیندے۔ اوندے وچ ٹرگھندن۔ ول جیڑھے ویلے اندھارا تھی ویندے۔ کھڑو ویندن۔"

سرائیکیت کے حوالے سے اگر تیسری آیت کا موازنہ کریں تو مولانا نظام الدین نظامی کے ترجمے میں سرائیکیت نہ ہونے کے برابر ہے۔ انھوں نے اپنے ترجمے میں طلب، صبر، گراں، خشوع، یقین، رب، جزا اور طرف جیسے غیر سرائیکی الفاظ استعمال کر کے ترجمے کی دلکشی میں کمی کی ہے۔ مولانا غلام محمد چاچڑانی اور علامہ اعظم سعیدی کے ترجمے میں بھی متعدد غیر سرائیکی کلمات مرقوم ہیں تاہم ڈاکٹر صدیق شاکر نے "ڈاڈھی اوکھی گالھ"، "جھکی دل"، "در" اور "تکھے" جیسے خالص سرائیکی الفاظ استعمال کر کے ترجمے کے حسن کو دوبالا کیا ہے۔

چوتھی آیت میں بھی نظامی صاحب نے "اترو"، "تحقیق"، "ماری گئی"، "ذلت" اور "مفلسی" کو اپنے ترجمے میں سمویا ہے۔ مولانا غلام محمد چاچڑانی اور غلام اعظم سعیدی کا ترجمہ بھی کسی اردو ترجمے کا تتبع معلوم ہوتا ہے کیونکہ ان میں سرائیکیت بہت کم ہے۔ میری نظر میں مذکورہ آیت کے ترجمے میں ڈاکٹر صدیق شاکر کا ترجمہ سرائیکیت کی عمدہ مثال ہے۔

آیئے اب پانچویں آیت کے ترجمے کا تقابلی جائزہ لیتے ہیں۔ مولانا نظامی مرحوم و مغفور نے اپنے ترجمے میں "البتہ"، "تحقیق"، "زیادتی"، "بخت" اور "ذلیل و خوار" جیسے الفاظ رقم کیے ہیں، جس سے ترجمہ خالص سرائیکی نہیں رہا۔

اسی طرح مولانا چاچڑانی نے "بے شک"، "ضرور"، "معلوم"، "سرکشی بے فرمانی" اور "پھٹکارے ہوئے" جیسے غیر سرائیکی الفاظ استعمال کیے ہیں البتہ اعظم سعیدی اور ڈاکٹر پروفیسر محمد صدیق شاکر کے تراجم میں سرائیکیت نمایاں ہے۔ جس سے ان دونوں تراجم میں اثر آفرینی اور دلکشی موجود ہے۔

ابلاغ

معیاری ترجمہ وہ ہوتا ہے جس میں ابلاغ کامل پایا جائے اور اس میں متن کی مکمل ترجمانی ہو اور جو کچھ متن میں کہا گیا ہو اس کا پورا مفہوم ترجمے میں موجود ہو۔ ذیل میں ابلاغ کے حوالے سے مذکورہ صدر آیات کے تراجم پر نظر ڈالتے ہیں۔

پہلی آیت میں محترم مترجمین نے اپنی اپنی جگہ ترجمے کو فصیح بنانے کی کوشش کی ہے تاکہ ابلاغ ہو سکے۔ مولانا نظام الدین نظامی کے ترجمے میں اگرچہ سرائیکیت کم ہے پھر بھی ان کے ترجمے میں ابلاغ پایا جاتا ہے۔ مولانا غلام محمد چاچڑانی کے ترجمے میں بھی ابلاغ موجود ہے۔ ترجمہ مختصر پیرایہ بیان میں ہے فصیح بھی ہے اور دل میں اتر جانے والا ہے ترجمہ ملاحظہ ہو:

''بے شک جھاں کفر کیتے برابر اے انہاں سانگے بتساں انہاں کوں ڈراوو یا نہ ڈراوو او ایمان نہ گھن اوسن۔''

لیکن میری رائے میں ڈاکٹر صدیق شاکر کے ترجمے میں اس سے بھی زیادہ ابلاغ ہے کیونکہ آپ کا ترجمہ فصیح بھی ہے اور الفاظ کی بندش بھی درست ہے۔

دوسری آیت میں مولانا نظام الدین نظامی، مولانا غلام محمد چاچڑانی اور علامہ محمد اعظم سعیدی کے تراجم عدم فصاحت کا شکار ہیں کیونکہ جو ترجمہ فصیح ہو اسی میں ابلاغ پایا جاتا ہے۔ مذکورہ آیت کے تراجم کے تقابلی جائزے کے بعد یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ڈاکٹر محمد صدیق شاکر نے قرآن مجید کے عربی متن کو ترجمے میں سمو دیا ہے اور جو کچھ کلام الٰہی میں ہے وہی بات سرائیکی ترجمے میں مترشح ہوتی ہے۔ اسی لیے آپ کے ترجمے میں ابلاغ کامل پایا جاتا ہے جو ایک معیاری ترجمے کا وصف ہوتا ہے۔

تیسری آیت میں صبر اور نماز سے مدد مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ صبر اور نماز سے مدد نہیں مانگی جاتی بلکہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی ہے صبر اور نماز کے ذریعے جیسا کہ ڈاکٹر صدیق شاکر کا ترجمہ ہے:

''صبر تے نماز نال (اللہ کنوں) مدد منگو۔''

اس ترجمے میں فصاحت کی وجہ سے ابلاغ کامل موجود ہے جبکہ مولانا نظام الدین نظامی کا ترجمہ غیر ضروری طوالت کی وجہ سے فصیح نہیں رہا اور ابلاغ میں بھی کمی آ گئی ہے۔ اسی طرح مولانا غلام محمد چاچڑانی اور علامہ اعظم سعیدی کے تراجم میں الفاظ کا انتخاب اور ترتیب درست نہیں اس لیے عربی متن کی مکمل ترجمانی نظر نہیں آتی۔

چوتھی آیت میں مولانا نظامی کے ترجمے میں غیر سرائیکی الفاظ کے استعمال سے ترجمہ ادق ہو گیا ہے لازماً ابلاغ بھی کم ہوا ہے۔ اسی طرح مولانا غلام محمد چاچڑانی اور علامہ اعظم سعیدی نے بھی عام فہم ترجمہ نہیں کیا اور نہ ہی قرآن مجید کے عربی متن کی صحیح ترجمانی کی ہے اس لیے ترجمہ فصیح و بلیغ نہیں ہے۔ البتہ ڈاکٹر صدیق شاکر نے خالص سرائیکی زبان میں ترجمہ رقم کیا ہے اس وجہ سے اس میں ابلاغ کامل موجود ہے۔

پانچویں آیت میں نظامی صاحب نے ''البتہ''، ''تحقیق''، ''زیادتی''، ''بغتے'' اور ''ذلیل و خوار'' جیسے مشکل الفاظ استعمال کر کے اپنے ترجمے کو بلاغت سے دور رکھا ہے۔ مولانا غلام محمد چاچڑانی نے ''بے شک''، ''ضرور''، معلوم، سرکشی، بے فرمانی اور ''پھٹکارے ہوئے'' جیسے کلمات تحریر کیے اور علامہ اعظم سعیدی نے بھی عام فہم ترجمہ رقم نہیں کیا اس لیے ابلاغ موجود نہیں۔ میری رائے میں سب سے زیادہ ابلاغ ڈاکٹر صدیق شاکر کے ترجمے میں ہے کیونکہ یہ سہل الفہم ہے فصیح ہے۔ معنوی اعتبار سے درست ہے۔

اثر آفرینی

قرآن مجید کا یہ اعجاز ہے کہ اس کا ایک ایک لفظ اثر انگیز ہے اس کے ترجمے میں بھی یہ معجزانہ وصف ہونا چاہیے۔ ذیل میں ہم مذکورہ آیات کے تراجم کا اثر آفرینی کے حوالے ایک مختصر تقابلی جائزہ پیش کرتے ہیں۔

پہلی آیت کے تراجم میں مولانا نظامی کا ترجمہ ایسا ہے کہ اس میں فصاحت، سلاست اور روانی نہیں ہے جسکی وجہ سے اس ترجمہ میں اثر انگیزی ہی کم نظر آتی ہے۔ مولانا چاچڑانی کے ترجمے میں قدرے اثر انگیزی پائی جاتی ہے۔ علامہ اعظم سعیدی کا ترجمہ مندرجہ بالا دونوں مترجمین کے ترجمے سے زیادہ پر تاثیر ہے۔ میری رائے میں ڈاکٹر پروفیسر محمد صدیق شاکر کے ترجمے میں سب سے زیادہ فصاحت اور روانی پائی جاتی ہے۔ اس لیے ان کے ترجمے میں سب سے زیادہ اثر آفرینی موجود ہے۔ مذکورہ آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو: ''پکی گالھ۔ جیڑھے لوک ان منکر (کافر) ہن۔ انہاں کو تساں (اللہ دی پکڑ کنوں) ڈراؤ یا نہ ڈراؤ او اصلوں ایمان نہ انیسن۔''

دوسری آیت کے ترجمے میں بھی مولانا نظام الدین نظامی نے چھتیل الفاظ لکھے ہیں۔ جسکی وجہ سے روانی نہیں ہے اور اثر انگیزی میں بھی کمی واقع ہوئی ہے۔ چاچڑانی صاحب نے بھی وجلی، معلوم، نگاہیں اور چکار جیسے الفاظ استعمال کر کے ترجمے کی اثر آفرینی کو کم کیا ہے۔ اسی طرح علامہ محمد اعظم سعیدی نے بھی قریب، بینائی اور روشنی جیسے غیر سرائیکی الفاظ استعمال کیے ہیں جس سے اثر آفرینی میں کمی آگئی ہے۔ میرے خیال میں ڈاکٹر صدیق شاکر کا ترجمہ سب سے زیادہ فصیح ہے۔ سلاست اور روانی بھی خوب ہے۔ اس لیے یہ ترجمہ زیادہ اثر انگیز ہے۔

تیسری آیت میں مولانا نظام الدین نظامی کے ترجمے میں ثقیل الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جیسے مدد طلب کرو، خشوع، خاشعوں، یقین اور جزاء۔ ان کلمات کی وجہ سے ترجمہ عدم فصاحت کا شکار ہو گیا ہے۔ اور اس میں تاثیر نہیں رہی۔ البتہ مولانا چاچڑانی کے ترجمے میں نظامی صاحب کے ترجمے سے زیادہ اثر انگیزی پائی جاتی ہے۔ اسی طرح علامہ اعظم سعیدی کے ترجمے میں روانی نہ ہونے کی وجہ سے اثر آفرینی کم ہے۔ ڈاکٹر صدیق شاکر کے ترجمے میں فصاحت اور سلاست ہونے کی وجہ سے اثر انگیزی سب سے زیادہ ہے۔

چوتھی آیت کے ترجمے پر نظر ڈالنے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ نظامی صاحب نے اترو، تحقیق، ماری گئی ذلت اور مفلسی جیسے کلمات استعمال کر کے ترجمہ غیر فصیح بنا دیا ہے۔ جسکی وجہ سے ترجمہ اثر انگیز نہیں رہا۔ مولانا غلام محمد چاچڑانی اور علامہ محمد اعظم سعیدی نے بھی غیر سرائیکی کلمات رقم کیے ہیں جس کی وجہ سے ترجمہ میں روانی نہیں رہی اور اثر انگیزی بھی کم ہو گئی مگر ڈاکٹر شاکر صاحب نے سرائیکی محاورہ کو پیش نظر رکھ کے ترجمہ رقم کیا ہے اس لیے سب سے زیادہ اثر آفرینی اس ترجمے میں پائی جاتی ہے۔

پانچویں آیت میں نظامی صاحب نے لفظی ترجمہ رقم کیا ہے جسکی وجہ سے ترجمے میں روانی نہیں رہی اس قسم کی وجہ سے ترجمہ اثر انگیز نہیں رہا۔ مولانا غلام محمد چاچڑانی نے ثقیل الفاظ استعمال کیے ہیں جسکی وجہ سے ترجمہ واضح نہیں۔ اعظم سعیدی کا ترجمہ مولانا چاچڑانی کی نسبت زیادہ تاثیر رکھتا ہے۔ محترم مترجمین کے تراجم کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ڈاکٹر پروفیسر صدیق شاکر کا ترجمہ ان سب تراجم میں سے زیادہ موثر ہے۔ کیونکہ اس ترجمے میں فصاحت کے ساتھ ساتھ سلاست اور روانی بھی موجود ہے۔ جو اثر آفرینی کے لازمی عناصر ہیں۔

کلام میں ادبی چاشنی اس وقت پیدا ہوتی ہے جس وقت موزوں اور مانوس الفاظ استعمال کیے گئے ہوں۔ جن کے معانی میں ابہام نہ ہو پیرایہ بیاں میں سلاست بھی ہو وضاحت بھی ہو۔ آیئے اس حوالے سے ان تراجم پر نظر ڈالتے ہیں۔ نظامی صاحب کے ترجمے میں لفظ ''دھرکاؤ'' دو مرتبہ آیا ہے جس سے ادبی حسن نہیں رہا۔ مولانا غلام محمد چاچڑانی کے ترجمے میں ثقل کم ہے الفاظ کی ترتیب بھی درست ہے۔ اس ترجمے میں بہ نسبت مولانا نظام الدین نظامی ادبی چاشنی زیادہ ہے۔ علامہ اعظم سعیدی کا ترجمہ پہلے دو تراجم سے مختصر ہے۔ اس میں سلاست بھی ہے الفاظ بھی غیر مانوس نہیں اور نظامی صاحب اور چاچڑانی صاحب کی نسبت ادبی چاشنی زیادہ ہے۔ مگر میری نظر میں سب سے زیادہ جس ترجمے میں ادبی چاشنی پائی جاتی ہے وہ ڈاکٹر شاکر کا ترجمہ ہے۔ اس ترجمے میں پکی گالھے، اوران من جیسے کلمات نے ادبی چاشنی میں بے پناہ اضافہ کر دیا ہے۔

دوسری آیت کے ترجمے میں مولانا نظام الدین نظامی نے وجلی، بینائیاں اور چودھیند یئے جیسے ثقیل الفاظ رقم کیے ہیں البتہ ''ٹرپمدن'' اور'' کھڑویندن'' سرائیکی زبان کے مانوس الفاظ ہیں اس لیے ادبی چاشنی موجود ہے۔ مولانا غلام محمد چاچڑانی کے ترجمے میں نگاہیں اور چکار کے کلمات سرائیکی میں قدرے نامانوس ہیں۔ تاہم اس میں ادبی چاشنی نظامی صاحب کے ترجمے سے زیادہ ہے البتہ علامہ اعظم سعیدی کے ترجمے سے کم ہے۔ ترجمہ ملاحظہ ہو:

''اتے جیں ویلے اندھارا تھی ویندے انہاں تے تاں کھڑویندن''۔

اس جملے میں ادبی چاشنی موجود ہے مگر پروفیسر صدیق شاکر کے ترجمے میں یہ وصف زیادہ نظر آتا ہے الفاظ مانوس ہیں اور عام فہم ہیں۔ پیرایہ بیان میں غضب کی سلاست ہے اس لیے اس میں ادبی چاشنی دوسرے تراجم کی نسبت زیادہ ہے۔

تیسری آیت کے ترجمے میں مولانا نظام الدین نظامی نے اپنے ترجمے میں خشوع، خاشعوں، بجھدن اور مدد طلب کرو کے کلمات غیر ادبی ہیں اس لیے ادبی چاشنی کچھ کم ہی نظر آتی ہے۔ مولانا غلام محمد چاچڑانی کے ترجمے میں سرائیکی محاورے کی وجہ ادبی چاشنی نظامی صاحب کے ترجمے سے زیادہ ہے۔ علامہ محمد اعظم سعیدی کے ترجمے گو الفاظ عام فہم ہیں لیکن پیرایہ بیان میں سلاست نہیں ہے۔ ڈاکٹر پروفیسر صدیق شاکر کے ترجمے میں الفاظ آسان بھی ہیں اور عام فہم بھی پیرایہ بیان میں بھی سلاست موجود ہے۔ اس لیے ادبی چاشنی کے لحاظ سے یہ بہتر ترجمہ ہے۔

چوتھی آیت کے ترجمے میں مولانا نظام الدین نظامی کے ترجمے میں ''ذلت ماری گئی'' اور مفلسی کے کلمات ادبی حسن کے منافی ہیں۔ مولانا غلام محمد چاچڑانی کے ترجمے میں خواری اور عاجزی کے کلمات غیر سرائیکی ہیں اس لیے اس میں سرائیکی ادبی چاشنی موجود نہیں۔ علامہ محمد اعظم سعیدی کے ترجمے میں ذلت، مسلط اور غربت کے کلمات ادبی چاشنی کا مزہ کرکرا کر دیتے ہیں۔ من حیث المجموع الفاظ اور معانی کے اعتبار سے ادبی چاشنی ڈاکٹر پروفیسر صدیق شاکر کے ترجمے میں ملتی ہے۔

پانچویں آیت میں مولانا نظامی نے اپنے ترجمے میں البتہ، تحقیق اور ذلیل، خوار کے کلمات رقم کیے ہیں ان کا سرائیکی ادب سے کوئی تعلق نہیں۔ مولانا غلام محمد چاچڑانی کے ترجمے میں سرکشی، بے فرمانی، پھٹکار اور برباد کے کلمات خاصے ثقیل ہیں۔ اس لیے یہاں ادبی چاشنی نظر نہیں آتی۔ مولانا محمد اعظم سعیدی کے ترجمے میں صرف ایک لفظ ''نافرمانی'' غیر سرائیکی ہے باقی ترجمہ سرائیکی محاورے کے اعتبار سے اچھا ہے۔ اس لیے اس میں ادبی چاشنی موجود ہے مگر سب سے زیادہ ادبی چاشنی کے حوالے سے ڈاکٹر صدیق شاکر کا ترجمہ بہتر نظر آتا ہے۔ ''وت اساں انہاں کوں آکھا، جو بھورے باندر بݨ ونجو۔'' اس ترجمے میں سلاست بھی ہے فصاحت بھی ہے اس لیے اس میں ادبی چاشنی سب سے زیادہ ہے۔

فصاحت

جس کلام میں لفظی اور معنوی ابہام نہ ہو، الفاظ ثقیل نہ ہوں اور وہ قواعد کے خلاف بھی نہ ہو تو وہ فصیح ہوتا ہے۔ معیاری ترجمہ وہ ہوتا ہے جس میں فصاحت اور بلاغت ہو۔ ذیل میں فصاحت کے اعتبار سے تقابلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

پہلی آیت کے ترجمے میں مولانا نظام الدین نظامی نے تحقیق، کفر اور دھرکاؤ جیسے الفاظ رقم کیے ہیں جس سے ترجمے کا حق ادا نہیں ہوا اس لیے فصاحت میں کمی آگئی ہے۔ اگرچہ مولانا غلام محمد چاچڑانی نے بے شک، قسمت اور کفر، ایسے کلمات تحریر کیے ہیں جو غیر سرائیکی ہیں مگر پھر بھی اس ترجمے میں مولانا نظامی کی نسبت زیادہ فصیح ہے مگر میری رائے میں ڈاکٹر صدیق شاکر کا ترجمہ ان تینوں تراجم سے زیادہ فصیح ہے کیونکہ اس میں کلمات اور پیرایہ بیان دونوں فصیح ہیں جیسے بے شک کا سرائیکی ترجمہ "پکی گالھ" اور کفر کا ترجمہ "ان مَنن" سے کیا گیا ہے پورا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

"پکی گالھ جیڑھے لوک ان منن (کافر) ہِن انہاں کوں تساں (اللہ دی پکڑ کنوں) ڈراوؤ یا نہ ڈراوؤ
او اصلوں ایمان نہ انیسن۔"

دوسری آیت کے تراجم کا تقابلی جائزہ لیں تو نظامی صاحب نے حسب معمول ایسے غیر مانوس الفاظ استعمال کیے ہیں جن سے ترجمے میں فصاحت کم ہو جاتی ہے جیسے "قریب"، "چمک"، "چودھید یے بینائیاں" وغیرہ۔ مولانا غلام محمد چاچڑانی نے بھی "معلوم"، اور "نگاہیں" رقم کر کے اپنے ترجمے میں فصاحت کو قدرے کم کیا ہے۔ علامہ اعظم سعیدی نے "قریب"، "بینائی"، اور "روشنی" جیسے ثقیل الفاظ استعمال کیے ہیں۔ جن کی وجہ سے لفظی اور معنوی ابہام بھی پیدا نہیں ہوا اور نہ ہی قواعد کی خلاف ورزی ہوئی ہے اس لیے یہ ترجمہ سب سے زیادہ فصیح ہے۔

تیسری آیت کے ترجمے میں مولانا نظامی نے ادق الفاظ تحریر کیے ہیں جس سے ترجمہ عدم فصاحت کا شکار ہو گیا ہے۔ مثلاً "مدد طلب کرو"، "صبر"، "بے شک"، "گراں"، "خشوع"، "خاشعون"، "الیقین" اور "جزا"۔ اگر ان الفاظ کی بجائے سرائیکی الفاظ لائے جاتے تو ترجمہ زیادہ فصیح ہوتا۔ مولانا غلام محمد چاچڑانی اور علامہ اعظم سعیدی کے تراجم میں مولانا نظام الدین نظامی کے ترجمے کی نسبت زیادہ فصاحت پائی جاتی ہے مگر ڈاکٹر محمد صدیق شاکر کے ترجمے میں عام فہم الفاظ کے استعمال سے ترجمہ فصیح و بلیغ ہو گیا ہے۔ مثلاً "جھکی دل"، "اے ڈاڈھی اوکھی گالھ ہے" اور "تکھے" وغیرہ۔

چوتھی آیت میں مولانا نظام الدین نظامی نے اھبطوا کا ترجمہ اترو ذلت کا "ذلت" اور مسکنۃ کا "مفلسی" کیا ہے جو فصیح نہیں ہے۔ مولانا غلام محمد چاچڑانی نے مصرا کا ترجمہ "مصر" اور ذلت اور مسکنہ کا ترجمہ "خواری" اور "عاجزی" کیا ہے جو فصیح نہیں۔ یہ ترجمہ بھی عدم فصاحت کا شکار ہو گیا ہے۔ علامہ اعظم سعیدی نے "مسلط"، "ذلت" اور "غربت" جیسے غیر سرائیکی الفاظ رقم کیے۔ مگر ڈاکٹر صدیق شاکر نے سہل الفہم ترجمہ کیا ہے اور یہ سب سے زیادہ فصیح ترجمہ ہے۔

آخری آیت میں مولانا نظامی نے "البتہ"، "تحقیق" اور "ذلیل و خوار" جیسے الفاظ استعمال کر کے لفظی اور معنوی ابہام پیدا کیا ہے۔ مولانا غلام محمد چاچڑانی نے بھی ایسے ہی ادق الفاظ کا سہارا لیا جس سے ترجمے میں فصاحت قدرے کم ہو گئی البتہ علامہ اعظم سعیدی کے ترجمے میں ان دونوں محترم مترجمین کے ترجمے سے زیادہ فصاحت پائی جاتی ہے۔ میرے خیال میں ڈاکٹر صدیق شاکر کے ترجمے میں سب سے زیادہ سرائیکیت پائی جاتی ہے اس لیے ترجمے میں تعقید لفظی اور تعقید معنوی نہیں پائی جاتی اور اس ترجمے میں ثقیل الفاظ بھی نہیں ہیں اور گرامر کی رو سے بھی خوب ہے۔ یہ سب سے فصیح ہے۔

سلاست

معیاری ترجمہ وہ ہوتا ہے جس میں عام فہم الفاظ ہوں قاری کو سوچنا اور رکنا نہ پڑے اور کلام میں سلاست اور روانی ہو۔ آیئے مذکورہ آیات کے تراجم میں روانی تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مولانا نظام الدین نظامی نے پہلی آیت کے ترجمے میں غیر سرائیکی الفاظ استعمال کیے ہیں جس سے ترجمے میں روانی کم ہوگئی ہے۔ اسی طرح سلاست غلام محمد چاچڑانی کے ترجمے میں اور روانی نہیں ہے کیونکہ آپ نے بھی نامانوس کلمات رقم کیے ہیں تاہم علامہ محمد اعظم سعیدی نے ترجمے میں ان دونوں تراجم سے زیادہ سلاست ہے اگرچہ "بے شک" اور "کفر" جیسے غیر سرائیکی کلمات تحریر کیے گئے ہیں:

"بے شک جنہاں کفر کیتے برابرائے انہاں سانگے متساں انہاں کوں ڈراوو یانہ ڈراوو اوایمان نہ گھن اوسن۔"

مگر ان تینوں محترم مترجمین کے تراجم سے زیادہ سلاست اور روانی ڈاکٹر محمد صدیق شاکر کے ترجمے میں پائی جاتی ہے کیونکہ اس ترجمے میں خالص سرائیکی زبان کے الفاظ مرقوم ہیں۔

دوسری آیت میں مولانا نظامی کا ترجمہ عدم سلاست کا شکار ہے کیونکہ اس میں ثقیل الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جو سلاست میں مانع ہیں۔ اسی طرح مولانا غلام محمد چاچڑانی کا ترجمہ بھی غیر مانوس کلمات کی وجہ سے سلیس نہیں ہے۔ علامہ اعظم سعیدی کے ترجمے میں غیر سرائیکی الفاظ کے باوجود قدرے روانی پائی جاتی ہے مگر میری نظر میں سب سے زیادہ سلاست ڈاکٹر صدیق شاکر کے ترجمے میں پائی جاتی ہے کیونکہ اس میں آسان اور عام فہم الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جیسے "کڑکار"، "ڈیدان"، "سوجھلا"، "اندھارا" وغیرہ۔

تیسری آیت کا ترجمہ مولانا نظام الدین نظامی نے طویل پیرایہ بیان میں تحریر کیا ہے اور اس میں غیر مانوس کلمات کا استعمال بھی زیادہ ہے جس سے سلاست میں کمی آگئی ہے۔ مولانا غلام محمد چاچڑانی کے ترجمے میں بھی قاری کو رکنا اور سوچنا پڑتا ہے اور یہی بات سلاست اور روانی میں مانع ہے۔ علامہ اعظم سعیدی کے ترجمے میں قدرے روانی پائی جاتی ہے کیونکہ اس میں غیر سرائیکی الفاظ شاذ ہیں۔ میرے خیال میں اگر سب مترجمین کے تراجم کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو سب سے زیادہ سلاست ڈاکٹر صدیق شاکر کے ترجمے میں نظر آتی ہے کیونکہ اس میں سرائیکی زبان کے ٹھیٹھ اور خالص الفاظ مرقوم ہیں۔

چوتھی آیت کے ترجمے میں مولانا نظامی نے اردو، عربی اور فارسی کے الفاظ رقم کیے ہیں جسکی وجہ سے ترجمے میں روانی نہیں رہی اور یہی حال مولانا غلام محمد چاچڑانی کے ترجمے کا ہے۔ ان کے ترجمے میں "مصر"، "مقرر"، "خواری" اور "عاجز" جیسے کلمات سلاست میں مانع ہیں۔ اسی طرح علامہ اعظم سعیدی کے ترجمے میں "بے شک"، "مسلط"، "ذلت" اور "غربت" جیسے کلمات رقم کر کے قاری کو رکنے اور سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔ میری رائے میں ڈاکٹر صدیق شاکر کا ترجمہ ان سب تراجم میں سلاست اور روانی کا شاہکار ہے۔

پانچویں آیت میں مولانا نظامی نے حسب معمول ادق الفاظ رقم کیے ہیں جسکی وجہ سے سلاست میں کمی آگئی ہے۔ مولانا چاچڑانی نے بھی "بے شک"، "معلوم"، "سرکشی"، "بے فرمانی" اور "پھٹکارے ہوئے" جیسے کلمات استعمال کر کے ترجمے کو ادق بنا دیا ہے۔ البتہ علامہ اعظم سعیدی کا ترجمہ ان دونوں تراجم سے زیادہ رواں ہے۔ مگر میری نظر میں ڈاکٹر صدیق شاکر کے ترجمے میں سلاست اور روانی سب سے زیادہ ہے کیونکہ اس ترجمے میں قاری کو رکنا اور سوچنا نہیں پڑتا۔ پیرایہ بیان بھی خوب ہے۔

متابعت

متابعت سے مراد موافقت ہے۔ سرائیکی قرآنی ادب میں کچھ تراجم ایسے ہیں جو اردو، عربی یا فارسی زبان سے سرائیکی میں ڈھالے گئے ہیں اور عربی متن سے راہ راست ترجمہ نہیں کیا گیا۔ ذیل میں ہم متابعت کے حوالے سے تراجم کا تقابلی جائزہ پیش کرتے ہیں۔ مولانا نظام الدین نظامی کے مفسر ترجمے کا نام "ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی المعروف سوغات نظامی" ہے۔ اس سے یہ بات عیاں ہے کہ آپ نے فارسی زبان کی "تفسیر حسینی" کا سرائیکی میں ترجمہ کیا ہے۔ "تفسیر حسینی" میں فارسی ترجمہ "الموسوم فتح الرحمان" شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ہے (114) اس لیے آپ کا مرقوم ترجمہ قرآن کے عربی متن کا نہیں فتح الرحمان کا ہے۔ اسی طرح مولانا غلام محمد چاچڑانی نے بھی اپنی تفسیر کے سرورق پر "از ترجمہ احمد رضا خاں صاحب" رقم کیا ہے (115) اس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ مولانا چاچڑانی نے احمد رضا خاں بریلوی کے اردو ترجمے کو بنیاد بنایا ہے براہ راست عربی سے ترجمہ نہیں کیا۔

علامہ اعظم سعیدی نے بھی کئی اردو اور عربی تفاسیر جیسے "تفسیر کبیر"، "تفسیر ابن کثیر"، "خازن، ضیاء القرآن، تفہیم القرآن، معارف القرآن (116) اور کئی دوسری تفاسیر کا ذکر کیا ہے جن سے استفادہ کیا گیا ہے۔ پہلی اور دوسری آیات کے تراجم کا متابعت کے حوالے سے تقابلی جائزہ لیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان تینوں مترجمین نے تتبع کیا ہے کیونکہ اردو، عربی، اور فارسی کلمات اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ یہ تراجم متابعت کا شکار ہیں مگر ڈاکٹر صدیق شاکر کے ترجمے میں معاملہ برعکس ہے۔ آپ نے قرآن مجید کے عربی متن کو سرائیکی زبان میں ڈھالا ہے۔ آپ کے ترجمے میں غیر سرائیکی الفاظ مستعمل نہیں ہیں اور قاری کو کسی وقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ اردو یا فارسی کلمات کم ہیں اس لیے متابعت کا شائبہ بھی کم ہے۔

تیسری آیت میں نظامی صاحب نے "مدد طلب کرو"، "صبر"، "بے شک"، "گراں"، "خشوع"، "خاشعون"، "رب" اور "جزاء" جیسے کلمات رقم کر کے متابعت کی ہے۔ اسی طرح مولانا غلام محمد چاچڑانی نے بھی مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ کے اردو ترجمے کا تتبع فرمایا ہے۔ یہی صورت حال علامہ اعظم سعیدی کے ترجمے میں ہے انھوں نے اپنے ترجمے میں "عاجزی"، "بے شک" اور "یقین" جیسے کلمات رقم کر کے ہمارے دعویٰ کو تقویت دی ہے۔ تاہم ڈاکٹر صدیق شاکر کا ترجمہ واحد ترجمہ ہے، جس میں تتبع نہیں کیا گیا بلکہ قرآن مجید کے عربی متن کی سرائیکی زبان میں ترجمانی کا حق ادا کیا گیا ہے۔

چوتھی آیت کے ترجمے میں مولانا نظام الدین نظامی، مولانا غلام محمد چاچڑانی اور علامہ محمد اعظم سعیدی کا ترجمہ ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے اردو تراجم کو من وعن سرائیکی میں ڈھال دیا گیا ہو صرف افعال ناقصہ کو تبدیل کیا گیا ہے۔ اس وجہ سے ترجمے میں فصاحت و بلاغت اور سلاست نہ ہونے کی وجہ سے ترجمے کا حسن ماند پڑ گیا ہے۔ اس آیت کے ترجمے میں بھی ڈاکٹر صدیق شاکر کا ترجمہ متابعت کے حوالے سے ان سب تراجم سے بہتر نظر آتا ہے۔

پانچویں آیت کے ترجمے میں مولانا نظامی نے اپنے ترجمے میں "البتہ"، "تحقیق"، "بیشک"، "پس" اور مولانا غلام محمد چاچڑانی نے "بے شک"، "معلوم"، "سرکشی"، "بے فرمانی"، "پھٹکارے ہوئے" اسی طرح علامہ اعظم سعیدی نے "نافرمانی" اور "حکم" جیسے غیر سرائیکی کلمات سے متابعت کا شائبہ ہوتا ہے۔ مگر ڈاکٹر محمد صدیق شاکر وہ واحد مترجم ہیں جنھوں نے خالص سرائیکی الفاظ استعمال کر کے عدم متابعت کا ثبوت دیا ہے۔ آپ کے ترجمے میں ترجمے کے تقاضے پورے کیے گئے ہیں اور فصیح ترجمہ وہی ہوتا ہے، جس میں تتبع نہ کیا گیا ہو۔

اگر ترجمے میں معنویت، ابلاغ، اثر آفرینی، ادبی چاشنی، فصاحت، سلاست اور روانی جیسی خوبیاں موجود ہوں تو اسے منفرد ترجمہ کہا جائے گا۔ ذیل میں ندرت کے حوالے سے مذکورہ آیات کا تقابلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

پہلی آیت کے ترجمے میں مولانا نظام الدین نظامی اور مولانا غلام محمد چاچڑانی کے ترجمے کو منفرد تراجم میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ یہ تراجم متابعت کا شکار ہیں۔ سلاست اور روانی قدرے کم ہے۔ الفاظ کی ترتیب و بندش بھی معیاری معلوم نہیں ہوتی۔ اثر آفرینی بھی ناپید ہے البتہ علامہ اعظم سعیدی کے ترجمے میں قدرے ندرت موجود ہے کیونکہ آپ کا ترجمہ مختصر اور سلیس ہے لیکن سب سے زیادہ ندرت ڈاکٹر محمد صدیق شاکر کے ترجمے میں پائی جاتی ہے آپ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

"پکی گالھ ہے۔ جیڑھے لوک ان مَن (کافر) ہِن، انہاں کوں تساں (اللہ دی پکڑ کنوں) ڈراؤ یا نہ ڈراؤ اوا صلوں ایمان نہ انیسن۔"

دوسری آیت میں مولانا نظام الدین نظامی نے نامانوس کلمات کے علاوہ خالص سرائیکی الفاظ استعمال کیے ہیں جنکی وجہ سے اس ترجمے کا حسن بڑھ گیا ہے۔ جیسے "ترپمدن" اور "کھڑویندن" وغیرہ۔ مولانا غلام محمد چاچڑانی کے ترجمے میں بھی "معلوم" اور "نگاہیں" جیسے غیر سرائیکی کلمات نے ترجمے کو اوق بنادیا ہے۔ اسی طرح علامہ اعظم سعیدی نے قریب، بینائی اور روشنی رقم کر کے ترجمے کے حسن کو ماند کیا ہے جس کی وجہ سے ترجمہ فصیح نہیں ہے۔ اس لیے اسے منفرد ترجمہ نہیں کہہ سکتے۔ اس وقت جو تراجم میرے سامنے ہیں ان میں سب سے زیادہ ندرت ڈاکٹر صدیق شاکر کے ترجمے میں پائی جاتی ہے۔ کیونکہ اس ترجمے میں فصاحت، سلاست، روانی اور ابلاغ جیسی خوبیاں پائی جاتی ہیں جو ترجمے کو دوسروں سے ممتاز بناتی ہیں۔

تیسری آیت میں و استعینوا کا ترجمہ مولانا نظامی نے "اتے مدد طلب کرو"، چاچڑانی صاحب نے "اتے منگو"، علامہ اعظم سعیدی نے "اتے مدد گھنو" کیا ہے۔ مگر میری رائے میں سب سے منفرد ترجمہ ڈاکٹر صدیق شاکر نے تصنیف کیا ہے جو یہ ہے "(اللہ کنوں) مدد منگو" اس ترجمے کی انفرادیت یہ ہے کہ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ مدد صرف اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ یہ فصیح ترجمہ ہے۔ باقی تینوں مترجمین نے یہ نہیں لکھا کہ مدد کس سے مانگنی ہے۔

چوتھی آیت میں مولانا نظامی نے "اترو"، "تحقیق"، "پس"، "ماری گئی ذلت" اور "مفلسی" جیسے الفاظ رقم کر کے ترجمہ مشکل بنایا ہے۔ اسی طرح مولانا اعظم سعیدی نے بھی "مسلط"، "ذلت" اور "غربت" جیسے غیر مانوس کلمات تحریر کر کے ترجمہ ثقیل بنادیا ہے۔ مگر ڈاکٹر صدیق شاکر کا ترجمہ خوب ہے۔ اس میں سلاست روانی، اثر آفرینی، ابلاغ، ادبی چاشنی اور فصاحت جیسی تمام خوبیاں موجود ہیں۔

آخری آیت میں بھی مولانا نظامی، مولانا غلام محمد چاچڑانی اور علامہ اعظم سعیدی کے تراجم میں اردو، فارسی اور عربی کے دخیل کلمات رقم ہیں جنکی وجہ سے ترجمہ فصیح نہیں رہا اور نہ ہی ان میں سلاست اور روانی ہے۔ ابلاغ بھی قدرے کم ہے۔ اس لیے ان تراجم میں کوئی انفرادیت نہیں ملتی۔ لہٰذا زیر نظر تراجم میں سب سے زیادہ ندرت ڈاکٹر پروفیسر محمد صدیق شاکر کے ترجمے میں پائی جاتی ہے ترجمہ ملاحظہ ہو۔

"اتے تساں انہاں اپنے لوکاں کوں جاندے ہوئے۔ جنھاں سبت (چھنڑ چھنڑ دی چھٹی) وچ ودھیکی کیتی۔ وت اساں انہاں کوں آکھا، جو بھورے باندر بن ونجو۔"

منظوم تراجم

قرآن مجید کی ترجمانی ایک مشکل نہیں مشکل ترین کام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کی بندہ کیسے ترجمانی کر سکتا ہے لیکن ایک خام کوشش ہے جو صدیوں سے کی جا رہی ہے۔ زیادہ تر تراجم نثر میں ہیں۔ ہر زبان میں کچھ تراجم منظوم بھی ہوئے ہیں جو آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ سرائیکی زبان کا دامن بھی اس سرمائے سے خالی نہیں۔ موزوں طبیعت رکھنے والے کچھ اصحاب نے قرآن مجید کے منظوم تراجم کیے ہیں جو ابھی تک تشنہ کام ہیں۔

اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ مترجم شاعر کو ایک طرف قرآن مجید کے معانی پر نظر رکھنا ہوتی ہے تو دوسری طرف اسے شعری تقاضے پورے کرنے پڑتے ہیں۔ اگر ردیف اور قافیہ کی پابندی نہیں تو اسے منظوم کیسے کہا جا سکتا ہے۔ اس لیے زیرِ نظر تراجم میں ایک بات جو سب میں مشترک نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ تراجم کا کما حقہ حق ادا نہیں ہوا۔ شعری تقاضے پورے کرتے ہوئے ترجمانی میں کمی رہ گئی ہے جو جگہ جگہ نظر آتی ہے۔ بہرحال یہ ایک قابلِ قدر کام ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن مجید کا ترجمہ اور پھر نظم میں ایک بہت بڑا علمی و ادبی کارنامہ ہے۔ خاص طور پر جب کہ مترجمین میں سے اکثر عربی زبان و ادب سے کم آشنا ہیں۔ اس لیے تراجم کے مطالعے سے عیاں ہوتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی اردو ترجمے کی متابعت ہے۔ منظوم تراجم میں یہ بات زیادہ نظر آتی ہے۔ زیرِ نظر منظوم تراجم میں سے کوئی بھی کامل نہیں۔ سب تراجم جزوی ہیں۔ ذیل میں ان کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید کے منظوم تراجم کے حوالے سے سب سے اولین مطبوعہ کاوش جناب استاذ محمد رمضان طالبؔ مرحوم ومغفور کی ہے۔ جو "سوجھل سوچاں" کے نام سے معنون ہے۔ اس میں قرآن مجید کی اٹھاسی منتخب آیات کا سرائیکی ترجمہ منظوم کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کی آیت کے نیچے انگریزی ترجمہ رقم ہے۔ انگریزی ترجمے کے نیچے منظوم سرائیکی ترجمہ دیا گیا ہے اور اس کے نیچے سرائیکی میں تشریح تحریر کی گئی ہے جو منثور ہے۔ اسے فرید سرائیکی سنگت ڈیرہ غازی خاں نے طبع کیا۔

استاذ محمد رمضان طالبؔ ہی کی دوسری کاوش "سوجھل سمجھاں" ہے جس میں "سورۃ الرحمٰن" کا اردو ترجمہ دیا گیا اور سرائیکی زبان میں اس کی تشریح کی گئی ہے اور اس کا مفہوم منظوم سرائیکی میں رقم کیا گیا ہے۔ اسے بھی فرید سرائیکی سنگت ڈیرہ غازی نے زیورِ طباعت سے آراستہ کیا۔

"رحمت دعا" (قرآنی دعائیں) Quranic prayeres بھی استاذ محمد رمضان طالبؔ کی تصنیف ہے۔ اس میں قرآن مجید میں موجود ان بتیس دعاؤں کا جن میں سے اکثر انبیاء کرام سے منسوب ہیں اردو انگریزی اور سرائیکی ترجمہ منظوم ہے۔ اس کے ناشر فرید سرائیکی سنگت ڈیرہ غازی خاں ہیں۔

قرآن مجید کے ترجمے کو سرائیکی میں منظوم کرنے والی ایک ہستی جناب غلام رضا سیورا بھٹی ہیں جنہوں نے قرآن مجید کی متعدد سورتوں کا منظوم ترجمہ تصنیف فرمایا ہے۔ وہ آج کل جرمنی میں مقیم ہیں وہ مکمل قرآن مجید کا منظوم سرائیکی ترجمہ کرنے کا عزم رکھتے ہیں۔ قرآن مجید کے کے منظوم سرائیکی تراجم میں سب سے بڑی کاوش جناب عبدالوحاب عباسی کی ہے۔ قرآن مجید کے عربی متن کو سرائیکی اشعار میں ڈھال رہے ہیں۔ اب تک وہ دس پاروں کا منظوم سرائیکی ترجمہ کر چکے ہے۔ وہ اس کو دس دس پاروں کی تین جلدوں میں طبع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

ذیل میں منظوم سرائیکی تراجم کا تقابلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

آیات کریمہ برائے موازنہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ترجمہ عبدالوحاب عباسی

شرع اللہ دے ناں توں کریندا ہاں جو آقا ہے بہوں ہے مہربان جو کہ نہایت رحم والا ہے(117)

ترجمہ رمضان طالب

نام ہیڈے توں شروع توں وڈا رحمان ہیں تے رحیمی دے اندر بس آپ ای ذیشان ہیں(118)

ترجم غلام رضا سیورا بھٹی

اللہ دے ناں رحمان توں تے رحیم توں ابتدا(119)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

ترجمہ عبدالوحاب عباسی

سبھے تعریف اللہ کوں فقط تھیندی کہ جو مولا اوہا مالک جیہڑا پالنڑ ہار ہے ایں سارے عالم دا(120)

ترجمہ محمد رمضان طالب

تعریف سب اللہ کیتے جو رب ہے ڈو جہان دا شان اوندی ہے رحیم رتبہ ہے رحمان دا(121)

ترجمہ غلام رضا

ساری تعریف اللہ کیتے جو رب جہاناں دا جہڑا(122)

ترجمہ عبداللطیف بھٹی

کل صفت ہے تیڈی خدا توں رب ہیں کل جہان دا(123)

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ

ترجمہ عبدالوحاب عباسی

بہوں ہے مہربان بے شک نہایت رحم والا ہے اوہا مختار کل ہے مالک روز جزا دا ہے(124)

ترجمہ محمد رمضان طالب

شان اوندی ہے رحیمی رتبہ ہے رحمان دا مالک ہے ڈینہہ حشر دا او سب کجھ ہے اوندے وس(125)

غلام رضا

رحمٰن وی تے رحیم وی مالک جہاڑے حساب دا(126)

عبداللطیف بھٹی

رحمٰن توں تے رحیم وی مالک توں یوم حساب دا(127)

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ

ترجمہ عبدالوحاب عباسی

اساں تیڈی عبادت اے میڈے اللہ کریندے ہاں تیڈی امداد دی مالک اساں تانگاں رکھیندے ہاں(128)

ترجمہ محمد رمضان طالب

تیڈی عبادت ہیں کریندے منگدے ہیں تیں توں مدد

سدھے رستے تیں چلا جو توں ہیں قادر تے احد(129)

غلام رضا

اساں کریندے ہیں نری   تیڈی عبادت اے خدا
تے اساں منگدے ہمیں   کا ہیں توں مدد تیڈے سوا(130)

عبداللطیف بھٹی

تیڈی بندگی میڈا اسلسلہ   منگدے اساں تیڈے خدا(131)

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

. ترجمہ عبدالوھاب عباسی

ڈکھا ساکوں وی راہ سدھی تیڈے او نیک بندیاں دی
جنہاں تے نعمتاں دا تو میڈے مالک فضل کیتی(132)

ترجمہ محمد رمضان طالب

سدھے رستے تیں چلا جو توں ہئیں قادر تے احد
راہ چلا انہاں دی بس جنہاں تیں توں راضی ہئیں رب(133)

غلام رضا

ساکوں چلا اونديں اتے   ہووے جیڑا رستہ سدھا
انہاں دا رستہ نعمتاں   جنہاں کوں تیئں کیتن عطا(134)

عبداللطیف بھٹی

جنہیں راہ تیڈے ہن کرم   ہوں راہ تے ساکوں چلا(135)

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ

ترجمہ عبدالوھاب عباسی

او بندے جو غضب دی زد نہ آئے ہن کڈھاں تیڈے
نہ او راہ ھدایت توں کہیں صورت کڈھاں بھٹکے(136)

ترجمہ محمد رمضان طالب

راہ چلا انھاں دی بس جنھاں تیں توں راضی ہیں رب
نہ چلاویں راہ انھاں دی جو آئے تلے تیڈے غضب(137)

غلام رضا

نہ کہ جنہاں دے اتے   تیڈا قہر نازل تھیا
تے نہ لوکاں دا جیڑے   حق دا راہ بھلے ونجا(138)

عبداللطیف بھٹی

جتھ ہے تیڈا غیض و غضب   اوں راہ توں سب کوں بچا(139)

معنویت

معیاری ترجمے میں بالعموم یہ وصف پائے جاتے ہیں کہ اس میں پورا مفہوم واضح ہوتا ہے۔ ابلاغ کامل ہوتا ہے معنوی ابہام نہیں پایا جاتا۔ منظوم تراجم میں ان اوصاف کے ساتھ ساتھ ردیف قافیہ کی پابندی بھی ضروری ہوتی ہے۔ اس حوالے سے مذکورہ صدر منظوم تراجم کے معنوی پہلو پر نظر ڈالی جاتی ہے۔ سب سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم عبدالوھاب عباسی کے ترجمے میں " جو آقا ہے" کے اضافی کلمات ہیں انہیں اگر نظر انداز کریں تو باقی ترجمہ اچھا ہے۔ محمد رمضان طالب کے ترجمے کو ترجمہ نہیں مفہوم کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ اس شعر میں "توں" سے خطاب کیا گیا ہے جبکہ متن میں اسطرح کی کوئی بات نہیں۔ دوسری بات جو ان کے ترجمے میں ملتی ہے وہ "وڈا رحمان" کی اصطلاح ہے جو عجیب ہے۔ رحمان تو خود بڑا ہے۔ اس کے ساتھ "وڈا" لکھنے کی قطعاً ضرورت نہ تھی غلام رضا سیورا بھٹی کے ترجمے سے شعری تقاضے تو پورے ہو گئے ہیں لیکن ترجمے کا حق ادا نہیں ہو سکا۔ "رحمٰن توں تے رحیم توں" ترجمہ نہیں ایک مفہوم ہے جو ادا ہو گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے مندرجہ بالا منظوم تراجم میں سے کوئی بھی ترجمہ عموی نہیں جو صحت اور فصاحت کے معیار پر پورا اترتا ہو۔

اب الحمد لله کے منظوم تراجم پر نظر ڈالتے ہیں۔

عبدالوھاب عباسی نے اپنے منظوم ترجمے میں ایک ہی لفظ "رب" کیلئے تین معانی دیے ہیں۔ "مولا"، "مالک" اور "پالنہار" ظاہر ہے کہ شعری ضرورت کے تحت ہے ورنہ تین کلمات کی قطعاً ضرورت نہ تھی۔ عالمین کا ترجمہ "سارا عالم" کیا ہے یہ بھی مناسب نظر نہیں آتا۔ عالمین عالم کی جمع ہے اس لیے تمام جہانوں کا مفہوم آنا چاہیے۔ محمد رمضان طالب نے عالمین کا ترجمہ "ڈو جہان" کیا ہے یہ ترجمہ درست نظر نہیں آتا کیونکہ عربی متن میں "عالَمَین" نہیں بلکہ "عالَمِین" ہے۔ عالمین جمع ہے تثنیہ نہیں۔ اس لیے اس کا ترجمہ "ڈو جہان" کی بجائے "سب جہان" ہوتا تو زیادہ صائب ہوتا۔

غلام رضا سیورا بھٹی کا ترجمہ مندرجہ بالا تراجم سے بہتر ہے۔ یہ منظوم ترجمہ متن سے قریب قریب ہے اسے مکمل ترجمہ تو نہیں کہہ سکتے لیکن بہت حد تک درست ترجمہ ہے۔ اب عبداللطیف بھٹی کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

کل صفت ہے تیڈی خدا   توں رب ہیں کل جہان دا

اس میں باقی تو ٹھیک ہے لیکن "تیڈی خدا" والی بات درست نظر نہیں آتی کیونکہ خطاب کا مفہوم دور تک نہیں ملتا۔

میری رائے میں ان سب تراجم میں سب سے بہتر ترجمہ غلام رضا کا ترجمہ ملاحظہ ہو

ساری تعریف اللہ کیتے   جو رب جہانان دا جیوا

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے ترجمے میں عبدالوھاب عباسی نے اضافی کلمات "او با اختیار کل ہے" منظوم کیے ہیں جو شاید ضرورت شعری کی خاطر لائے گئے ہیں۔ متن میں ایسا کوئی لفظ نہیں جس کے یہ معنی ہوں۔ محمد رمضان طالب کے ترجمے میں اضافی کلمات تو نہیں ہیں لیکن مفہوم کسی حد تک ادا ہو گیا ہے۔

نظم میں یہی بات تو بڑی ہوتی ہے لہذا یہ اچھا ترجمہ ہے۔ غلام رضا کے ترجمے میں شعری تقاضے تو شاید پورے ہو گئے ہوں لیکن قرآن مجید کے متن کے تقاضے ادھورے رہ گئے ہیں۔ رحمٰن اور رحیم کے کلمات کا ترجمہ نہیں ہو سکا۔ سرائیکی حوالے سے ان کا ترجمہ ضروری تھا۔ عبداللطیف بھٹی نے بھی رحمٰن، رحیم اور یوم جو کہ عربی کلمات ہیں استعمال کیے ہیں جو سرائیکی نہیں۔ سرائیکی ترجمہ کا یہ اولین تقاضا ہے کہ ترجمہ سرائیکی کلمات کے ساتھ ہو۔ بہر حال ان تراجم میں سب سے زیادہ اچھا ترجمہ محمد رمضان طالب کا ہے۔

لہجویت

منظوم تراجم قرآن میں سرائیکی زبان کے مختلف لہجوں کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔ مذکورہ تراجم میں ڈیروی اور ریاستی لہجے نمایاں ہیں۔ ہر لہجے کا اپنا اپنا رنگ اور شان ہے فرق ملاحظہ فرمایئے۔ عبدالوحاب عباسی کا تعلق بہاولپور سے ہے۔ استاذ محمد رمضان طالبؔ دامت برکاتہم اور عبداللطیف بھٹی کا تعلق ڈیرہ غازی خان سے ہے۔ جب کہ غلام رضا سیورا بھٹی کا تعلق کروڑ پکا (ضلع لودھراں) سے ہے۔ ان تمام محترم مترجمین نے شعری تقاضوں کو سامنے رکھ کر ترجمہ منظوم کیا ہے اس لیے ان اشعار میں لہجے بھرپور انداز میں نمایاں نہیں ہو سکے تاہم لہجویت تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے ترجمے میں عبدالوحاب عباسی نے ''سکھے''، ''تھیندی''، ''جہڑا'' اور ''پانڑو ہار'' رقم کیے گئے ہیں۔ ان کلمات سے اندازہ ہوتا ہے کہ مترجم شاعر کا تعلق ریاست بہاولپور سے ہے کیونکہ یہ کلمات ریاستی لہجے سے متعلق ہیں۔ غلام رضا کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

ساری تعریف اللہ کیتے   جو رب جہاناں دا جہڑا

اس شعر کے مصرعہ ثانی سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر کا تعلق بہاولپور کے قرب و جوار سے ہے۔ مگر ڈیروی لہجے کے دونوں ترجمان استاذ محمد رمضان طالبؔ اور عبداللطیف بھٹی کے اشعار سے لہجویت نہیں جھلکتی۔ ان دونوں مترجمین کے منظوم تراجم میں معنوی سقم بھی موجود ہے اور اس میں قرآن مجید کے عربی متن کی ترجمانی کا حق بھی ادا نہیں ہو اور نہ ہی لہجے کی ترجمانی کا حق ادا ہوا ہے۔

اب الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کے منظوم ترجمے کا لہجویت کے اعتبار سے تقابلی جائزہ لیتے ہیں۔ عبدالوحاب عباسی کے شعر میں ''ہموں'' اور ''اوہا'' کے علاوہ ایک لفظ بھی سرائیکی نہیں ہے۔ اس لیے لہجے کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ محمد رمضان طالبؔ کے ترجمے میں بھی یہی صورت حال ہے۔ آپ کے ترجمے میں شان، رحیمی، رتبہ، رحمٰن، مالک اور حشر جیسے کلمات مرقوم ہیں جو غیر سرائیکی ہیں۔ اس لیے اس میں کسی لہجے کی ترجمانی نہیں ملتی۔

اب غلام رضا کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

رحمٰن وی تے رحیم وی   مالک جہاڑے حساب دا

اس منظوم ترجمے میں ''جہاڑے'' کے علاوہ باقی الفاظ غیر سرائیکی ہیں۔ اسی طرح عبداللطیف بھٹی کا منظوم ترجمہ دیکھئے

رحمٰن توں تے رحیم دی   مالک توں یوم حساب دا

اس ترجمے میں رحمٰن، رحیم، مالک، یوم اور حساب عربی زبان کے الفاظ ہیں اس لیے اس میں سرائیکی لہجے کا پتہ نہیں چلتا۔

سورۃ الفاتحہ کی آخری آیت غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کے منظوم ترجمے اردو تراجم کا تتبع معلوم ہوتے ہیں۔ چاروں فاضل مترجمین نے عربی اور فارسی کلمات کثرت سے استعمال کیے ہیں۔ ان تراجم میں سرائیکیت نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس لیے ان منظوم تراجم کو کسی لہجے کا ترجمان کہنا بہت مشکل ہے۔ فاضل مترجمین نے شعری ضروریات کا خیال رکھتے ہوئے ردیف اور قافیہ کی پابندی تو کی ہے لیکن ترجمے کے فنی اصول متن کی صحیح ترجمانی کو پیش نظر نہیں رکھا۔ اس لیے کسی بھی مترجم نے کما حقہ حق ادا نہیں کیا۔

سرائیکیت

معیاری ترجمہ وہ ہوتا ہے جس میں زبان و بیان کا حسن موجود ہو اگر کلام میں سرائیکی زبان کے اوصاف پائے جائیں تو کہا جائے گا کہ سرائیکیت خوب ہے اور اگر ترجمے میں تتبع ہو اور غیر سرائیکی الفاظ استعمال کیے گئے ہوں تو ترجمہ کل الفہم نہیں رہتا۔ قرآن پاک کے عربی متن کے مفہوم کو سرائیکی منظوم تراجم میں ڈھالنا مشکل ترین کام ہے۔ مگر محترم مترجمین کی یہ کاوش قابل قدر ہے اور لائق صد تحسین ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم کے منظوم ترجمے کا سرائیکیت کے حوالے سے تقابلی جائزہ لیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ذیل کلمات زیادہ استعمال ہوئے ہیں۔ عبدالوھاب عباسی کے ترجمے میں "جو آقا ہے"، "مہربان" اور "نہایت رحم والا" غیر سرائیکی الفاظ ہیں۔ اس سے ترجمہ میں سرائیکیت میں کمی آ گئی ہے محمد رمضان طالب کے ترجمے میں "نام"، "رحمان"، "رحیمی"، "آپ" اور "ذیشان" کے کلمات مرقوم ہیں۔ ان کی بجائے سرائیکی الفاظ لائے جاتے تو بہتر ہوتا۔ غلام رضا کا ترجمہ دیکھیے:

اللہ دے ناں رحمٰن توں   تے رحیم توں ہے ابتداء

اس ترجمے میں "رحمان"، "رحیم" اور "ابتداء" ایسے کلمات ہیں جن کا سرائیکی سے کوئی تعلق نہیں۔ فاضل مترجم اگر سرائیکیت کو پیش نظر رکھتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ الحمد للہ رب العلمین کے ترجمے میں عبدالوھاب عباسی نے بہت سے غیر سرائیکی الفاظ استعمال کیے مثلاً "تعریف"، "اللہ"، "فقط"، "مولا"، "مالک" اور "عالم"۔ ان کلمات کی استعمال سے سرائیکیت کم ہوئی ہے۔ یہ بات ترجمہ کے فنی اصول کے خلاف ہے۔ ترجمہ میں اسی زبان کے خالص الفاظ استعمال ہونے چاہئیں۔ اسی طرح استاذ محمد رمضان طالبؔ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

تعریف سب اللہ کیتے جو رب ہے ڈو جہان دا   شان اوندی ہے رحیمی رتبہ ہے رحمان دا

اس شعر میں سرائیکیت کم نظر آتی ہے اور معنوی سقم بھی ہے۔ البتہ غلام رضا کے ترجمے میں سرائیکیت قدرے زیادہ ہے۔ عبداللطیف بھٹی کے ترجمے معنوی سقم کے ساتھ سرائیکیت بھی کم ہے اور متن کے مفہوم کی مکمل ترجمانی بھی موجود نہیں۔

اب اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے منظوم ترجمے کا تقابلی جائزہ لیتے ہیں۔

عبدالوھاب عباسی کے ترجمے میں "راہ"، "نیک"، "نعمتاں"، "مالک" اور "فضل" جیسے غیر سرائیکی کلمات کے باوجود سرائیکیت موجود ہے۔ محمد رمضان طالبؔ کے منظوم ترجمے میں سرائیکت تو ہے مگر عبدالوھاب عباسی کے ترجمے کی نسبت کم ہے۔ اب عبداللطیف بھٹی کا ترجمہ دیکھیے۔

جیں راہ ہیڈے بِن کرم   ہوں راہ تے ساکوں چلا

اس ترجمے میں راہ دو بار آیا ہے جو کہ فارسی کلمہ ہے اسی طرح "کرم" اور "چلا" کی بجائے اگر سرائیکی الفاظ لائے جاتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ غلام رضا سیورا بھٹی نے یہ ترجمہ دو اشعار میں منظوم کیا ہے:

ساکوں چلا اوندے اتے   ہووے جیہڑا رستہ سدھا

انہاں دا رستہ نعمتاں   جنہاں کوں تیں کیتن عطا

اس ترجمے میں "چلا"، "نعمتاں" اور "عطا" کے کلمات لانے سے سرائیکیت کم ہو گئی ہے۔ اگر خالص سرائیکی الفاظ استعمال کیے جاتے تو زیادہ صائب ہوتا ہے۔

ابلاغ

معیاری ترجمے میں متن کی ترجمانی زیادہ سے زیادہ ہوتی ہے اور جو کچھ متن میں بیان کیا گیا ہو اس کو پوری طرح سے ترجمے میں سمو دیا جاتا ہے۔ مگر منظوم ترجمے میں مترجم شاعر کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ ابلاغ کامل کس طرح ہو؟ کیونکہ اسے مفہوم کی ترجمانی کے ساتھ ساتھ ردیف اور قافیہ کی پابندی بھی کرنی ہوتی ہے۔ ذیل میں تقابلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ تسمیہ کے ترجمے کو اگر غالبؔ کے مصرعے کا مصداق کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا:

؎ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے ترجمے میں رحمٰن اور رحیم کا ترجمہ نہیں کیا گیا جس سے ابلاغ میں کمی آگئی ہے۔ غلام رضا نے بھی رحمٰن اور رحیم کا ترجمہ نہیں کیا۔ محمد رمضان طالبؔ نے بھی عربی متن کی ترجمانی نہیں کی۔ عبدالوحاب عباسی نے اپنے ترجمے میں ایک اضافی کلمہ "جو آقا ہے" لکھا ہے یہ لفظ متن میں موجود نہیں ہیں باقی ترجمہ اچھا ہے۔

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے ترجمے میں عبدالوحاب عباسی نے لفظ "رب" کیلئے تین تراجم کیے ہیں "مالک"، "مولا" اور "پالنڑ ہار" اس طرح ابلاغ میں کمی آگئی ہے۔ محمد رمضان طالبؔ کے ترجمے میں معنوی سقم بھی ہے اور عربی متن کے مفہوم کی مکمل ترجمانی بھی موجود نہیں، اس ترجمے میں بھی ابلاغ کی کمی ہے۔ البتہ غلام رضا کے ترجمے میں ابلاغ قدرے زیادہ ہے۔ عبداللطیف بھٹی کے ترجمے میں "میڈی خدا" کا کلمہ استعمال کیا گیا ہے۔ حالانکہ متن میں ایسا کوئی لفظ نہیں جس کا یہ ترجمہ ہو۔ یہ شاید شعری ضرورت کے تحت کیا گیا ہے مگر ابلاغ متاثر ہوا ہے۔

اب اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے ترجمے کا ابلاغ کے حوالے سے تقابلی جائزہ لیتے ہیں۔ عبدالوحاب عباسی کے ترجمے میں "اے میڈے اللہ" کا کلمہ اضافی ہے اور اسی طرح "تانگاں" کا لفظ بھی درست معلوم نہیں ہوتا۔ ان کلمات سے عربی متن کا مفہوم بھی مکمل طور پر سامنے نہیں آیا اور ابلاغ میں بھی کمی آگئی ہے۔ محمد رمضان طالبؔ نے مصرعہ اولیٰ میں متن کی صحیح ترجمانی کی ہے اور آپ کے ترجمے میں عبدالوحاب عباسی کے ترجمے کی نسبت ابلاغ زیادہ ہے۔ اب غلام رضا سیورا کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

اساں کریندے ہیں تری تیڈی عبادت اے خدا — تے اساں منگدے ہمیں کا ہیں آں مدد تیڈے سوا

اس شعر میں دو جملوں کا ترجمہ خوب ہے لیکن اسے ترجمہ نہیں مفہوم کہنا چاہیے متن کے کلمات اس طرح کی ترجمانی کی اجازت نہیں دیتے اس ترجمے میں ابلاغ قدرے کم دکھائی دیتا ہے۔ عبداللطیف بھٹی کا ترجمہ بھی توجہ طلب ہے

تیڈی بندگی میڈا اسلسلہ — منگتے اساں تیڈے خدا

اس ترجمے میں نہ شعری تقاضے پورے ہوئے ہیں اور نہ متن کی ترجمانی کا حق ادا ہوا ہے۔ مترجم نے ایک خام کوشش کی ہے جو صحت کے معیار پر پوری نہیں اترتی اور ابلاغ بھی نہیں پایا جاتا۔ استاذ محمد رمضان طالبؔ کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ (۵۶:الواقعۃ:۷۹)

ناپاک ہتھ لاوے نہ کوئی قرآن کوں — اے ڈتا ہے رب حکم انسان کوں

شاعر مترجم نے قرآن مجید کے عربی متن کی منظوم ترجمانی کی بھرپور کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں ابلاغ کامل ہے اور منظوم ترجمے میں مصنف موصوف کی یہ کاوش قابل قدر ہے۔

اثر آفرینی

قرآن مجید کا ہر لفظ اور ہر کلمہ دل میں اتر جانے والا ہے۔ یہ کلام الٰہی ہے اس لیے پرتاثیر ہے لیکن ترجمے میں وہ اثر آفرینی نہیں ملتی جو متن میں ہے۔ ذیل میں اثر آفرینی کے حوالے سے منظوم تراجم کا تقابلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے ترجمے میں عبدالوحاب عباسی نے الفاظ کا انتخاب خوب کیا ہے اس میں ترنم اور غنائیت ہے۔ بندش الفاظ بھی خوب ہے یہ ترجمہ اثر انگیز ہے۔ محمد رمضان طالبؔ کے شعر کی بناوٹ اچھی ہے سلاست اور مٹھاس بھی ہے۔ غلام رضا کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

اللہ دے ناں رحمٰن توں   تے رحیم توں ہا ابتدا

ان تینوں مترجمین نے شعری تقاضے تو پورے کیے ہیں مگر ترجمے کا حق ادا نہیں ہوا۔ ترجمے میں اثر آفرینی کم ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے ترجمے میں عبدالوحاب عباسی کا کلام ملاحظہ ہو

سبھے تعریف اللہ کوں فقط تھیندی کہ جو مولا   او مالک جہوا پالنڑ ہار ہے ایں سارے عالم دا

اس شعر میں اسلوب بیاں طویل ہے اور "رب" کیلئے تین الفاظ "مولا"، "مالک" اور "پالنڑ ہار" استعمال کیے گئے ہیں یہ بات ترجمہ کے فنی اصول کے خلاف ہے اسی طرح محمد رمضان طالبؔ کے ترجمے عالمین کا ترجمہ "ڈو جہاں" کیا گیا ہے جو کہ درست نہیں۔ عدم فصاحت کی وجہ سے ان دونوں تراجم میں اثر آفرینی کم ہے۔ غلام رضا اور عبداللطیف بھٹی کے تراجم چھوٹی بحر میں ہیں اور ان میں لفظی اور معنوی سقم بھی موجود ہیں۔ سلاست اور روانی بھی عنقا ہے۔ اس لیے یہ تراجم بھی اثر انگیزی کے معیار پر پورا نہیں اترتے شعریت تو ہے متن کی ترجمانی نہیں۔

اب اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے منظوم تراجم کا اثر انگیزی کے حوالے سے موازنہ کرتے ہیں۔ عبدالوحاب عباسی کے ترجمے میں شعری حسن تو موجود ہے لیکن ترجمے میں سقم رہ گیا ہے۔ متن میں "حصر" موجود ہے جو ترجمے میں کہیں نظر نہیں آتا۔ اگر اس کا ترجمہ "اساں صرف تیڈی عبادت اے میڈے اللہ کریندے ہاں" ہوتا تا زیادہ فصیح ہوتا "فقط" اور "بھی" "حصر" ظاہر کرنے کیلئے ہوتے ہیں ان میں سے کوئی نہ کوئی لفظ لانا ضروری تھا۔ اس لیے اس ترجمے میں اثر آفرینی میں کمی واقع ہوئی ہے۔

محمد رمضان طالبؔ کا منظوم ترجمہ خوب ہے۔ اس میں شعری تقاضے بھی پورے ہو گئے ہیں اور ترجمانی کا حق بھی ادا ہو گیا ہے۔ مفہوم بھی واضح ہو گیا ہے اور ترجمہ اثر انگیز بھی ہو گیا ہے۔ غلام رضا نے ان آیات کا ترجمہ دو اشعار میں کیا ہے ملاحظہ ہوں:

اساں کریندے ہیں نری تیڈی عبادت اے خدا   تے اساں منگدے نہیں کا ہیں توں مدد تیڈے سوا

ان دو جملوں کا ترجمہ خوب ہے۔ لیکن اسے ترجمہ نہیں مفہوم کہنا چاہیے۔ متن کے کلمات اس طرح کی ترجمانی کی اجازت نہیں دیتے اس لیے یہ ترجمہ پرتاثیر نہیں ہے۔ اب عبداللطیف بھٹی کے کلام کا نمونہ دیکھیں:

تیڈی بندگی میڈا اسلسلہ   منگتے اساں تیڈے خدا

اس ترجمے میں نہ تو شعری تقاضے پورے ہوئے ہیں اور نہ ہی ترجمانی کا حق ادا ہوا ہے۔ اس لیے اثر آفرینی میں کمی آگئی ہے۔ اگر منظوم تراجم میں علم عروض، ردیف اور قافیہ کا خیال رکھا جائے اور متن کی ترجمانی کو پیش نظر نہ رکھیں تو ترجمہ اثر آفرین نہیں رہتا۔ اثر آفرینی کیلئے الفاظ کا انتخاب، ترنم، غنائیت، سلاست جذباتیت اور مٹھاس کا ہونا ضروری ہے۔ مندرجہ بالا تراجم میں یہ خوبیاں نہ ہونے کی وجہ سے ترجمہ اثر انگیز نہیں ہے۔

ادبی چاشنی

معیاری ترجمہ وہ ہوتا ہے جو فصیح اور بلیغ ہو۔ اس میں کوئی لفظی اور معنوی تعقید نہ ہو۔ کلمات کی ترتیب درست اور قواعد کے مطابق ہو سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہو تو کہا جائے گا اس کلام میں ادبی چاشنی موجود ہے۔ ذیل میں مذکورہ آیات کا ادبی چاشنی کے حوالے سے تقابلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

عبدالوحاب عباسی نے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے ترجمے میں رحمٰن اور رحیم کا ترجمہ تو نہیں کیا لیکن آسان اور عام فہم الفاظ استعمال کیے ہیں۔ مترجم اچھے ادیب اور شاعر ہیں اس لیے ترجمے میں ادبی چاشنی موجود ہے ترجمہ ملاحظہ ہو:

شروع اللہ دے ناں توں کریندا ہاں جو آقا ہے　　　بہوں ہے مہربان جو کہ نہایت رحم والا ہے

محمد رمضان طالب ایسے شاعر ہیں جن کے کئی شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ آپ نے تسمیہ کا ترجمہ یوں کیا ہے:

نام ہیڈے توں شروع توں وڈا رحمان ہیں　　　تے رحیمی دے اندر بس آپ ای ذیشان ہیں

اس شعر میں ''وڈا رحمان'' کی اصطلاح عجیب ہے اسی طرح ''توں'' سے خطاب کیا گیا ہے جبکہ متن میں کوئی ایسی بات نہیں اسے ترجمہ تو نہیں مفہوم کہہ سکتے ہیں۔ اس منظوم ترجمے میں ادبی چاشنی کم ہے۔ اب غلام رضا کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

اللہ دے ناں رحمٰن توں　　　تے رحیم توں ہے ابتداء

یہ ترجمہ چھوٹی بحر میں ہے اور خوب ہے۔ مترجم شاعر نے رحمٰن اور رحیم کا سرائیکی ترجمہ رقم نہیں کیا اور ابتداء کا متبادل سرائیکی لفظ بھی نہیں لایا گیا۔ اس عدم فصاحت کی وجہ سے ادبی چاشنی میں کمی واقع ہو گئی ہے۔

آیئے اب سورۃ الفاتحہ کی آخری آیت غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کے منظوم ترجمے کا تقابلی جائزہ لیتے ہیں۔

عبدالوحاب عباسی نے اپنے ترجمے میں ''غضب''، ''زد''، ''راہ ھدایت''، ''صورت'' اور ''بھٹکے'' جیسے غیر سرائیکی کلمات استعمال کیے ہیں۔ قاری کیلئے یہ ترجمہ مشکل ہے اس میں ادبی چاشنی بھی نہیں۔ استاذ محمد رمضان طالب کا ترجمہ دیکھیے:

راہ چلا انھاں دی بس جھاں تیں توں راضی ہیں رب　　　نہ چلاتویں راہ انھاں دی جو آئے تکے تیڈے غضب

مترجم شاعر نے اس شعر میں ''راہ''، ''چلا''، ''راضی''، ''رب'' اور ''غضب'' جیسے دخیل کلمات رقم کیے ہیں۔ تاہم شعر اچھا ہے مگر ادبی چاشنی قدرے کم ہے۔ اب غلام رضا کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

نہ کہ جنہاں دے اتے　　　تیڈا قہر نازل تھیا

تے نہ لوکاں دا جیہڑے　　　حق دا راہ چھٹے ونجا

یہ ترجمہ خوب ہے لیکن فصیح نہیں ہے۔ غضب کا ترجمہ ''قہر اور الضالین کا ترجمہ ''حق دی راہ ونجا'' اچھا ترجمہ ہے قہر، نازل اور حق غیر سرائیکی کلمے ہیں۔ اس لیے اس میں ادبی چاشنی بھی کم ہے۔ عبداللطیف بھٹی کا ترجمہ دیکھئے:

جتھ ہے تیڈا غیض وغضب　　　اوں راہ توں سب کوں بچا

یہ ترجمہ قطعاً معیاری نہیں۔ صحت اور فصاحت کے لحاظ سے سقیم ہے۔ اس میں الضـــالیـــن کا ترجمہ بھی نہیں آیا۔ غیض وغضب اور راہ عربی اور فارسی کلمات ہیں۔ اگر ان کی بجائے سرائیکی الفاظ لائے جاتے تو زیادہ صائب ہوتا تھا۔ اور اس میں ادبی چاشنی بھی ہوتی اور ترجمہ دلنشیں ہوتا۔

فصاحت

وہ ترجمہ فصیح ہوتا ہے جس میں ابہام نہ ہو، واضح ہو، الفاظ ثقیل نہ ہوں، لفظی اور معنوی تعقید نہ ہو، کلمات کی ادائیگی میں دقت نہ ہو۔ موزوں الفاظ ہوں جن کے معانی جلد سمجھ آ جائیں۔ اس میں ابلاغ کامل اور اثر آفرینی ہو۔ ذیل میں فصاحت کے حوالے سے منظوم تراجم کا باہمی موازنہ پیش کیا جا رہا ہے۔

سورۃ الفاتحہ کی آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے ترجمے میں عبدالوہاب عباسی نے لفظ "رب" کے تین معنی "مولا"، "مالک" اور "پالنو ہار" کیے ہیں۔ ایسا شعری ضرورت کے تحت ہوا ہے ورنہ تین کلمات کی ضرورت نہ تھی۔ "عالمین" کا ترجمہ سارا عالم کیا ہے جو فصیح نہیں ہے اس میں تمام جہانوں کا مفہوم آنا چاہیے۔ محمد رمضان طالب نے "عالمین" کا ترجمہ "ڈو جہان" کیا ہے۔ یہ درست نہیں۔ عربی متن میں "عالمین" جمع ہے تثنیہ نہیں اس کا ترجمہ "سب جہان" زیادہ فصیح ہے۔

غلام رضا کا ترجمہ مندرجہ بالا دونوں تراجم سے واضح اور فصیح ہے یہ متن سے قریب قریب ہے ترجمہ ملاحظہ ہو۔

ساری تعریف اللہ کیتے حو رب جہاناں دا جو ا

اب عبداللطیف بھٹی کے ترجمے پر نظر ڈالتے ہیں:

کل صفت ہے تیڈی خدا توں رب ہیں کل جہان دا

اس ترجمے میں "تیڈی خدا" رقم کرنے سے فصاحت میں کمی آ گئی ہے۔ اس میں "رب" کو "توں" کہہ کر خطاب کیا گیا ہے عربی متن اس کی اجازت نہیں دیتا۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کے ترجمے کا تقابلی جائزہ لیتے ہیں۔ عبدالوہاب عباسی کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

بھوں ہے مہربان بے شک نہایت رحم والا ہے او با اختیار کل ہے مالک روز جزا دا ہے

اس ترجمے میں "او با اختیار کل" اضافی کلمات ہیں جو ضرورت شعری کی خاطر لائے گئے ہیں۔ متن میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس کے یہ معنی ہوں۔ یہ ترجمہ عدم فصاحت کا شکار ہو گیا ہے۔ محمد رمضان طالب کے ترجمے پر نظر ڈالتے ہیں:

شان اوندی ہے رحیمی رتبہ ہے رحمان دا مالک ہے ڈینہ حشر دا او سب کجھ ہے اوندے وس

مترجم قادر الکلام شاعر ہیں اس لیے انھوں نے اضافی کلمات تحریر نہیں کیے لیکن کسی حد تک عربی متن کا مفہوم ادا ہو گیا ہے۔ نظم میں یہی بات تو بڑی ہوتی ہے۔ اس لیے یہ ترجمہ واضح ہے اور فصاحت کے معیار پر پورا اترتا ہے۔

فصاحت کا تقابلی جائزہ لینے کیلئے غلام رضا کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

رحمٰن وی تے رحیم وی مالک جہاڑے حساب دا

کسی بھی مترجم شاعر نے "رحمٰن" اور "رحیم" کا سرائیکی ترجمہ رقم نہیں کیا۔ غلام رضا نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ اس لیے عربی متن کی ترجمانی کے تقاضے ادھورے رہ گئے ہیں، شعری تقاضے شاید پورے ہو گئے ہوں۔ سرائیکی حوالے سے ان دو کلمات کا ترجمہ اشد ضروری تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو ترجمہ فصیح ہو جاتا۔ عبداللطیف بھٹی کا منظوم ترجمہ ملاحظہ ہو:

رحمٰن توں تے رحیم وی مالک توں یوم حساب دا

اس ترجمے میں بھی فصاحت نہیں ہے کیونکہ "رحمٰن"، "رحیم"، "مالک"، "یوم" اور حساب عربی کلمات ہیں۔ منظوم سرائیکی ترجمے کا اولین تقاضا ہے کہ ان کا ترجمہ سرائیکی میں ہو۔ اس لیے یہ ترجمہ واضح نہیں ہے۔ اگر ان کلمات کی بجائے سرائیکی کلمات ہوتے تو قاری کیلئے سہل الفہم ہوتا۔

سلاست

ترجمے میں سلاست سے مراد دریا جیسی روانی ہے اور یہ کہ الفاظ آسان ہوں، پیرایہ بیان سہل اور عام فہم ہو، قاری پڑھتا چلا جائے اسے رکنا اور سوچنا نہ پڑے۔ ذیل میں سلاست کے حوالے سے زیر نظر منظوم تراجم کا تقابلی جائزہ لیتے ہیں۔

عبدالوحاب عباسی نے الحمدللہ رب العلمین کے ترجمے میں جو شعر رقم کیا ہے وہ سلاست اور روانی کی عمدہ مثال ہے۔ ترجمے میں آسان الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اگرچہ اس میں اضافی کلمات اور معنوی سقم بھی ہے لیکن ترجمہ رواں ہے۔ محمد رمضان طالب کے ترجمے میں بھی معنوی سقم ہیں۔ شعریت کے اعتبار سے ترجمہ سلیس اور رواں ہے۔ شعر ملاحظہ ہو۔

تعریف سب اللہ کیتے جو رب ہے ڈو جہان دا　　　شاں اوندی ہے رحیمی رتبہ ہے رحمان دا

اس ترجمے میں عالمین کا ترجمہ ''ڈو جہان'' کیا گیا ہے جو معنوی اعتبار سے درست معلوم نہیں ہوتا۔ مصرعہ ثانی کا متن سے کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا تاہم اس ترجمے میں سلاست موجود ہے۔

غلام رضا کے ترجمے میں سب سے زیادہ سلاست پائی جاتی ہے ترجمہ دیکھیے:

ساری تعریف اللہ کیتے　　　ھو رب جہاناں دا ہجو ا

یہ مختصر مگر جامع ترجمہ ہے۔ چھوٹی بحر کا حسن اپنی جگہ اور معنویت بھی خوب ہے۔ عبداللطیف بھٹی کے ترجمے میں شعری حسن تو ہے مگر متن کی مکمل ترجمانی نہیں ملتی ''تیڈی خدا'' اور ''توں'' کا خطاب متن میں موجود نہیں۔ ترجمہ ملاحظہ ہو

کل صفت ہے تیڈی خدا　　　توں رب ہیں کل جہان دا

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

کے منظوم ترجمے کا سلاست اور روانی کے حوالے سے تقابلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ عبدالوحاب عباسی کے ترجمے میں عربی متن بھی موجود ہے اور یہ ترجمہ رواں بھی ہے قاری کو رکنا اور سوچنا نہیں پڑتا۔ شعر دیکھیے:

ڈکھا ساکوں وی راہ سدھی تیڈے او نیک بندیاں وی　　　جنہاں تے نعمتاں دا تو میڈے مالک فضل کیتی

اس ترجمے میں ''نعمتاں''، ''مالک'' اور ''فضل'' غیر سرائیکی الفاظ ہیں ان سے فصاحت متاثر ہوئی ہے لیکن سلاست خوب ہے۔ اسی طرح محمد رمضان طالب کے ترجمے میں شعری تقاضے تو پورے ہو گئے ہیں لیکن متن کی ترجمانی ادھوری اور خام نظر آتی ہے۔ ''قادر''، ''احد'' اور ''رب'' کے کلمات متن میں کس لفظ کے مترادف ہیں کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ ظاہر ہے کہ یہ اضافی کلمات ہیں جس سے ترجمے کا حسن ماند پڑ گیا ہے تاہم سلاست اور روانی خوب ہے منظوم ترجمہ ملاحظہ ہو:

سدھے رستے تیں چلا جو توں ہئیں قادر تے احد　　　راہ چلا انہاں دی بس جنہاں تیں توں راضی ہئیں رب

غلام رضا نے یہ ترجمہ دو اشعار میں کیا ہے۔ بہت حد تک صائب اور درست ہے سلیس اور رواں بھی، ملاحظہ ہو۔

ساکوں چلا اوندے اتے　　　ہووے جہو ا رستہ سدھا

انہاں دا رستہ نعمتاں　　　جنہاں تیں کیتن عطا

''نعمتاں'' اور ''عطا'' کے کلمات غیر فصیح ہیں لیکن سلاست بھی خوب ہے۔ اب عبداللطیف بھٹی کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

جنہیں راہ تیڈے ہن کرم　　　ہوں راہ تے ساکوں چلا

یہ ترجمہ شعری ار معنوی دونوں اعتبار سے معیاری نہیں ہے اور متن سے بھی بہت دور ہے۔ تاہم ایک قابل قدر کاوش ہے اس سے مترجم شاعر کی قرآن مجید سے عقیدت اور سرائیکی زبان سے محبت عیاں ہوتی ہے۔

متابعت

قرآن مجید کے بعض مترجمین نے اردو تراجم کو سرائیکی میں ڈھالا ہے اور براہ راست متن سے ترجمہ رقم نہیں کیا۔ کہیں کہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اردو ترجمے کے افعال ناقصہ کو تبدیل کر دیا گیا ہے۔ باقی الفاظ اردو، فارسی یا عربی سے لیے گئے ہیں۔ تتبع کی وجہ سے ترجمے کے فنی تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔ صحیح ترجمہ وہی ہوتا ہے جس میں تتبع نہ ہونے کے برابر ہو۔ ذیل میں متابعت کے حوالے سے منظوم تراجم کا تقابلی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔ سب سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے منظوم ترجمے کا متابعت کے حوالے سے تقابلی جائزہ لیتے ہیں۔ عبدالوھاب عباسی کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

شروع اللہ دے ناں توں کریندا ہاں جو آقا ہے   بہوں بے مہربان جو کہ نہایت رحم والا ہے۔

اس منظوم ترجمے میں غیر سرائیکی الفاظ استعمال ہوئے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اردو ترجمے سے تتبع کیا گیا ہے مترجم نے ملاقات کے دوران بتایا کہ انھوں نے مولانا عبدالرشید نعمانی کی "لغات القرآن" کی تین جلدوں سے استفادہ کیا ہے اور منظوم سرائیکی ترجمہ کرتے وقت مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم و مغفور کے اردو ترجمے کو ماخذ بنایا ہے۔ (140)

اب محمد رمضان طالبؔ کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

نام تیڈے توں شروع توں وڈا رحمان ہئیں   تے رحیمی دے اندر بس آپ ای ذیشان ہئیں

اس منظوم ترجمے میں بھی غیر سرائیکی کلمات مرقوم ہیں اس لیے ترجمے میں فصاحت نہیں ہے۔ اور یہ ترجمہ کسی اردو ترجمے کا تتبع معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ مصنف موصوف نے اس بات کا کہیں ذکر نہیں کیا کہ انھوں کس ترجمے کو ماخذ بنایا ہے۔

اسی طرح غلام رضا سیورا بھٹی کے ترجمے سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں متابعت ہے ترجمہ ملاحظہ ہو:

اللہ دے ناں رحمٰن توں   تے رحیم توں ہا ابتدا

اس میں "رحمٰن" اور "رحیم" کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔ متابعت کی وجہ سے ترجمے کا حق ادا نہیں ہو سکا۔

اب غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کے منظوم تراجم کا متابعت کے حوالے سے تقابلی جائزہ لیتے ہیں۔ عبدالوھاب عباسی کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

او بندے غضب دی زد نہ آئے ہن کڈھاں تیڈے   نہ او راہ ھدایت توں کہیں صورت کڈھاں بھٹکے

اس ترجمے میں "غضب"، "زد"، "راہ ھدایت" "کہیں صورت اور "بھٹکے" جیسے غیر سرائیکی الفاظ غمازی کرتے ہیں کہ یہ ترجمہ کسی اردو ترجمے کا تتبع ہے۔ استاذ محمد رمضان طالبؔ کے ترجمے میں بھی یہی صورت حال ہے۔ ان کے ترجمے میں "راہ" "چلا" اور "غضب" جیسے غیر سرائیکی کلمات متابعت کو ظاہر کرتے ہیں۔ غلام رضا نے یہ ترجمہ یوں کیا ہے۔

نہ کہ جنہاں دے اتے تیڈا قہر نازل تھیا   تے نہ لوکاں دا جہڑے حق دا راہ بھلے ونجا

یہ ترجمہ خوب ہے مگر غضب کا ترجمہ "قہر" اور الضالین کا ترجمہ "حق دا راہ ونجا" کیا ہے جو فصیح نہیں، نازل اور حق بھی غیر سرائیکی ہیں۔ یہ ترجمہ بھی متابعت کا شکار ہے۔ عبدالطیف بھٹی کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

جتھ ہے تیڈا غیض و غضب   اوں راہ توں سب کوں بچا

اس ترجمے میں الضالین کا ترجمہ نہیں آیا۔ اس معنوی سقم کے علاوہ "غیض و غضب" اور "راہ" جیسے کلمات کے استعمال سے ترجمہ غیر فصیح ہو گیا ہے اور یہ بات بھی عیاں ہوتی ہے کہ یہ کسی اردو ترجمہ کا تتبع ہے۔

ندرت

جس ترجمے میں فصاحت، بلاغت، عدم تتبع، سلاست، ادبی چاشنی، روانی اور ترجمے کے تمام خصائص موجود ہوں تو ایسا ترجمہ ندرت کا حامل ہوگا۔ زیر نظر تراجم میں ہم وہ انفرادی پہلو تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو ایک معیاری ترجمے میں ہوتے ہیں۔

پہلے الحمدالله رب العالمین کے ترجمے میں ندرت کے حوالے سے تقابلی جائزہ لیتے ہیں

عبدالوھاب عباسی کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

''سبھے تعریف اللہ کوں فقط تھیندی کہ جو مولا
او مالک جھرا پالنڑو ہار ہے ایں سارے عالم دا

اس ترجمے کی یہ انفرادیت ہے کہ ایک مختصر آیت کا طویل ترجمہ ہے اس میں لفظ رب کیلئے تین کلمات ''مولا''، ''مالک'' اور ''پالنڑ ہار'' ایک شعر میں سمو دیے گئے ہیں۔ اس میں سلاست بھی ہے اور ادبی چاشنی بھی۔ اسے منفرد ترجمہ کہا جا سکتا ہے۔

محمد رمضان طالب کا شعر ملاحظہ ہو

تعریف سب اللہ کیتے جو رب ہے ڈو جہان دا
شان اوندی ہے رحیمی رتبہ ہے رحمان دا

اس ترجمے میں معنوی سقم بھی ہے۔ عربی متن کی مکمل ترجمانی بھی نہیں ہے۔ تاہم عبدالوھاب عباسی کے ترجمے سے قدرے کم ندرت پائی جاتی ہے۔

اب غلام رضا کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

ساری تعریف اللہ کیتے
جو رب جہاناں دا جھرا

یہ ترجمہ مندرجہ بالا دونوں تراجم سے بہتر ہے۔ عربی متن کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے اس میں فصاحت، سلاست اور ادبی چاشنی موجود ہے اس لحاظ سے یہ ایک منفرد ترجمہ ہے۔ عبداللطیف بھٹی کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

کل صفت ہے تیڈی خدا
توں رب ہئیں کل جہان دا

مندرجہ بالا ترجمے میں اگرچہ مفہوم بیان کیا گیا ہے ''تیڈی'' کا لفظ عربی متن سے مطابقت نہیں رکھتا پھر بھی اس ترجمے میں ایک ندرت پائی جاتی ہے جو اس کے منظوم ہونے کی وجہ سے ہے

اسی طرح استاذ محمد رمضان طالب کا یہ ترجمہ قابل ملاحظہ ہے

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ (۵۵:الرحمٰن:۱۳)

رب نے کیتیاں نعمتاں جو جگ اتیں تہاکوں عطا
کہڑیاں کہڑیاں نہ منیسو سوچ کے ڈسو بھلا

اس ترجمے میں شعری حسن خوب ہے اور ترجمہ بھی کمال ہے اس لیے یہ ترجمہ منفرد ہے۔ شاعر مترجم نے عربی متن سے مطابقت کا بھی خیال رکھا ہے اور شعری تقاضے بھی پورے کیے ہیں۔ ایسا کرنا بہت مشکل کام ہے مگر مصنف موصوف نے اسے احسن طریقے سے نبھایا ہے۔

غلام رضا سیورا ابھنی کا ترجمہ بھی محل نظر ہے جو ندرت کی عمدہ مثال ہے:

إِنَّا أَعْطَيْنَكَ الْكَوْثَرَ

اے نبی ، بے شک کیتی
اساں تیکوں کوثر عطا

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ

پڑھ نماز حق اپنے رب دی
کر توں قربانی وی چا

ان شانئک هو الابتر (١٠٨ : الکوثر : ١)

بے نشاں ہے او یقیناً
ہے جیڑھا دشمن تیڈا

ویسے تو سورۃ الکوثر کا منظوم ترجمہ ہونا ہی انفرادیت کی بات ہے لیکن شاعر مترجم نے ترجمے کے فنی تقاضوں کے ساتھ ساتھ ندرت کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ اسی طرح عبدالوھاب عباسی کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

جھڑے پتر اں تہاڈ یاں کوں "ہمیشہ" کوہ چھرینہ ے بن
مگر دھیاں تہاڈ یاں کوں "اینویں" جیندا رکھیندے بن

اس منظوم ترجمے میں بھی ندرت پائی جاتی ہے۔ قرآن مجید کے عربی متن جو کہ منثور ہے نظم میں ڈھالنا مشکل نہیں بلکہ مشکل ترین کام ہے۔ مگر شاعر مترجم کو شعری ملکہ حاصل ہے۔ اس لیے اس نے اس مشکل کام کو آسان کر دکھایا۔

حوالہ جات باب چہارم

1۔ احمد بخش مولوی، پارہ الم لاہور، گلزار محمدی، ۱۳۱۳ھ، ص۲۔

2۔ نور احمد سیال، تلک الرسل، بہاولپور، انجمن حفظ القرآن، ۱۹۷۵ء، ص۱۰۔

3۔ عبدالحق مہر ڈاکٹر، قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان، سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۴۰۴ھ، ص۱۔

4۔ خیر الدین صابر ملتانی مولانا، پارہ اول بزبان ملتانی، لاہور، گیلانی پریس، ۱۳۴۴ھ، ص۳۔

5۔ حفیظ الرحمٰن حفیظ مولانا، قرآن مجید مترجم، بزبان ریاستی، بہاولپور، عزیز المطابع، ۱۳۷۲ھ، ص۲۔

6۔ خان محمد لسکانی بلوچ، قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال، اسلام آباد/سرے انگلینڈ، اسلام انٹرنیشنل پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء، ص۱۔

7۔ دلشاد کلانچوی پروفیسر، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن، ملتان، کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص۲۔

8۔ عبدالقادر سعیدی مفتی، المرجان، قلمی نسخہ ملکیہ مصنف موصوف، ۲۰۰۰ء، ص۳۔

9۔ محمد رمضان طالب، سپارہ عم، ڈیرہ غازی خان، فرید سرائیکی سنگت، ۲۰۰۱ء، ص۳۔

10۔ احمد بخش مولوی، پارہ الم لاہور، گلزار محمدی، ۱۳۱۳ھ، ص۲۔

11۔ عبدالحق مہر ڈاکٹر، قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان، سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۴۰۴ھ، ص۱۔

12۔ خیر الدین صابر ملتانی مولانا، پارہ اول بزبان ملتانی، لاہور، گیلانی پریس، ۱۳۴۴ھ، ص۳۔

13۔ حفیظ الرحمٰن حفیظ مولانا، قرآن مجید مترجم، بزبان ریاستی، بہاولپور، عزیز المطابع، ۱۳۷۲ھ، ص۲۔

14۔ خان محمد لسکانی بلوچ، قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال، اسلام آباد/سرے انگلینڈ، اسلام انٹرنیشنل پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء، ص۱۔

15۔ دلشاد کلانچوی پروفیسر، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن، ملتان، کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص۲۔

16۔ عبدالقادر سعیدی مفتی، المرجان، قلمی نسخہ ملکیہ مصنف موصوف، ۲۰۰۰ء، ص۲۔

17۔ محمد رمضان طالب، قرآن پاک دی آخری ڈہ او سورتیں دا ترجمہ تے تشریح، ڈیرہ غازی خان، فرید سرائیکی سنگت، ۱۴۰۹ء، ص۵۔

18۔ احمد بخش مولوی، پارہ الم لاہور، گلزار محمدی، ۱۳۱۳ھ، ص۶۔

19۔ عبدالحق مہر ڈاکٹر، قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان، سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۴۰۴ھ، ص۶۔

20۔ خیر الدین صابر ملتانی مولانا، پارہ اول بزبان ملتانی، لاہور، گیلانی پریس، ۱۳۴۴ھ، ص۱۷۔

21۔ حفیظ الرحمٰن حفیظ مولانا، قرآن مجید مترجم، بزبان ریاستی، بہاولپور، عزیز المطابع، ۱۳۷۲ھ، ص۷،۸۔

22۔ خان محمد لسکانی بلوچ، قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال، اسلام آباد/سرے انگلینڈ، اسلام انٹرنیشنل پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء، ص۹۔

23۔ دلشاد کلانچوی پروفیسر، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن، ملتان، کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص۶۔

24۔ عبدالقادر سعیدی مفتی، المرجان، قلمی نسخہ ملکیہ مصنف موصوف، ۲۰۰۰ء، ص۶۔

25۔ احمد بخش مولوی، پارہ الم لاہور، گلزار محمدی، ۱۳۱۳ھ، ص۱۱۔

26۔ عبدالحق مہر ڈاکٹر، قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان، سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۴۰۴ھ، ص۱۰۔

27۔ خیر الدین صابر ملتانی مولانا، پارہ اول بزبان ملتانی، لاہور، گیلانی پریس، ۱۳۴۴ھ، ص۳۱۔

28- حفیظ الرحمٰن حفیظ مولانا، قرآن مجید مترجم، بزبان ریاستی، بہاولپور، عزیز المطابع، ۱۳۷۲ھ، ص ۱۳۔

29- خان محمد لسکانی بلوچ، قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال، اسلام آباد/ سرے انگلینڈ، اسلام انٹرنیشنل پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء، ص ۹۔

30- دلشاد کلانچوی پروفیسر، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن، ملتان کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۱۰۔

31- عبدالقادر سعیدی مفتی، المرجان، قلمی نسخہ ملکیہ مصنف موصوف، ۲۰۰۰ء، ص ۱۰۔

32- احمد بخش مولوی، پارہ الٓم لاہور، گلزار محمدی، ۱۳۱۳ھ، ص ۹۔

33- عبدالحق مہر ڈاکٹر، قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان، سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۴۰۴ھ، ص ۸۔

34- خیر الدین صابر ملتانی مولانا، پارہ اول بزبان ملتانی، لاہور، گیلانی پریس، ۱۳۴۴ھ، ص ۲۵۔

35- حفیظ الرحمٰن حفیظ مولانا، قرآن مجید مترجم، بزبان ریاستی، بہاولپور، عزیز المطابع، ۱۳۷۲ھ، ص ۱۱۔

36- خان محمد لسکانی بلوچ، قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال، اسلام آباد/ سرے انگلینڈ، اسلام انٹرنیشنل پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء، ص ۷۔

37- دلشاد کلانچوی پروفیسر، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن، ملتان کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۹۔

38- عبدالقادر سعیدی مفتی، المرجان، قلمی نسخہ ملکیہ مصنف موصوف، ۲۰۰۰ء، ص ۹۔

39- حفیظ الرحمٰن حفیظ مولانا، قرآن مجید مترجم، بزبان ریاستی، بہاولپور، عزیز المطابع، ۱۳۷۲ھ، ص ۹۳۱۔

40- عبدالحق مہر ڈاکٹر، قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان، سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۴۰۴ھ، ص ۸۸۸۔

41- خان محمد لسکانی بلوچ، قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال، اسلام آباد/ سرے انگلینڈ، اسلام انٹرنیشنل پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء، ص ۷۳۲۔

42- دلشاد کلانچوی پروفیسر، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن، ملتان کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۶۷۵۔

43- عبدالقادر سعیدی مفتی، المرجان، قلمی نسخہ ملکیہ مصنف موصوف، ۲۰۰۰ء، ص ۵۹۹۔

44- محمد رمضان طالب، سپارہ عمّ، ڈیرہ غازی خان، فرید سرائیکی سنگت، ۲۰۰۱ء، ص ۴۔

45- حفیظ الرحمٰن حفیظ مولانا، قرآن مجید مترجم، بزبان ریاستی، بہاولپور، عزیز المطابع، ۱۳۷۲ھ، ص ۹۳۴۔

46- عبدالحق مہر ڈاکٹر، قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان، سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۴۰۴ھ، ص ۸۹۱۔

47- خان محمد لسکانی بلوچ، قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال، اسلام آباد/ سرے انگلینڈ، اسلام انٹرنیشنل پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء، ص ۶۷۷

48- دلشاد کلانچوی پروفیسر، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن، ملتان کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۶۷۷۔

49- عبدالقادر سعیدی مفتی، المرجان، قلمی نسخہ ملکیہ مصنف موصوف، ۲۰۰۰ء، ص ۶۰۱۔

50- محمد رمضان طالب، سپارہ عمّ، ڈیرہ غازی خان، فرید سرائیکی سنگت، ۲۰۰۱ء، ص ۷۔

51- حفیظ الرحمٰن حفیظ مولانا، قرآن مجید مترجم، بزبان ریاستی، بہاولپور، عزیز المطابع، ۱۳۷۲ھ، ص ۹۳۵۔

52- عبدالحق مہر ڈاکٹر، قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان، سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۴۰۴ھ، ص ۸۹۳۔

53- خان محمد لسکانی بلوچ، قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال، اسلام آباد/ سرے انگلینڈ، اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز، ۱۹۹۱ء، ص ۷۳۶

54۔ دلشاد کلانچوی پروفیسر، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن، ملتان کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۹۶۷۔
55۔ عبدالقادر سعیدی مفتی، المرجان، قلمی نسخہ ملکیہ مصنف موصوف، ۲۰۰۰ء، ص ۶۰۳۔
56۔ محمد رمضان طالب، سپارہ عم، ڈیرہ غازی خاں، فرید سرائیکی سنگت، ۲۰۰۱ء، ص ۸۔
57۔ حفیظ الرحمٰن حفیظ مولانا، قرآن مجید مترجم، بزبان ریاستی، بہاولپور، عزیز المطابع، ۱۳۷۲ھ، ص ۹۴۷۔
58۔ عبدالحق مہر ڈاکٹر، قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان، سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۴۰۴ھ، ص ۹۰۶۔
59۔ خان محمد لسکانی، قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال، اسلام آباد/ سرے انگلینڈ، اسلام انٹرنیشنل پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء، ص ۷۴۸۔
60۔ دلشاد کلانچوی پروفیسر، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن، ملتان کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۶۸۸۔
61۔ عبدالقادر سعیدی مفتی، المرجان، قلمی نسخہ ملکیہ مصنف موصوف، ۲۰۰۰ء، ص ۶۱۲۔
62۔ محمد رمضان طالب، سپارہ عم، ڈیرہ غازی خاں، فرید سرائیکی سنگت، ۲۰۰۱ء، ص ۱۸۔
63۔ حفیظ الرحمٰن حفیظ مولانا، قرآن مجید مترجم، بزبان ریاستی، بہاولپور، عزیز المطابع، ۱۳۷۲ھ، ص ۹۵۷۔
64۔ عبدالحق مہر ڈاکٹر، قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان، سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۴۰۴ھ، ص ۹۱۷۔
65۔ خان محمد لسکانی، قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال، اسلام آباد/ سرے انگلینڈ، اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز، ۱۹۹۱ ص ۷۵۹
66۔ دلشاد کلانچوی پروفیسر، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن، ملتان کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۶۹۶۔
67۔ عبدالقادر سعیدی مفتی، المرجان، قلمی نسخہ ملکیہ مصنف موصوف، ۲۰۰۰ء، ص ۶۲۰۔
68۔ محمد رمضان طالب، سپارہ عم، ڈیرہ غازی خاں، فرید سرائیکی سنگت، ۲۰۰۱ء، ص ۲۷۔
69۔ حفیظ الرحمٰن حفیظ مولانا، قرآن مجید مترجم، بزبان ریاستی، بہاولپور، عزیز المطابع، ۱۳۷۲ھ، دیباچہ، ص د۔
70۔ عبدالتواب ملتانی، عم یتساءلون ترجمہ ملتانی زبان وچ، ملتان، عبدالواسع تاجران کتب، ۱۹۴۰ء، ص ۴۲۔
71۔ محمد رمضان طالب، قرآن مجید دی آخری ڈاہ سورتیں دا ترجمہ تے تشریح، ڈیرہ غازی خاں، فرید سرائیکی سنگت، ص ۳۵۔
72۔ محمد رمضان طالب، پندھراں سورۃ، ڈیرہ غازی خاں، فرید سرائیکی سنگت، ص ۱۳۔
73۔ مختار احمد شاہد عباسی، قرآن پاک دیاں یارھاں سورتاں دا سرائیکی ترجمہ، غیر مطبوعہ، ص ۵۔
74۔ عبدالتواب ملتانی، عم یتساءلون ترجمہ ملتانی زبان وچ، ملتان، عبدالواسع تاجران کتب، ۱۹۴۰ء، ص ۳۹۔
75۔ محمد رمضان طالب، قرآن مجید دی آخری ڈاہ سورتیں دا ترجمہ تے تشریح، ڈیرہ غازی خاں، فرید سرائیکی سنگت، ص ۱۳۔
76۔ مختار احمد شاہد عباسی، قرآن پاک دیاں یارھاں سورتاں دا سرائیکی ترجمہ، غیر مطبوعہ، ص ۳۔
77۔ عبدالتواب ملتانی، عم یتساءلون ترجمہ ملتانی زبان وچ، ملتان، عبدالواسع تاجران کتب، ۱۹۴۰ء، ص ۴۰۔
78۔ محمد رمضان طالب، قرآن مجید دی آخری ڈاہ سورتیں دا ترجمہ تے تشریح، ڈیرہ غازی خاں، فرید سرائیکی سنگت، ص ۱۸۔
79۔ مختار احمد شاہد عباسی، قرآن پاک دیاں یارھاں سورتاں دا سرائیکی ترجمہ، غیر مطبوعہ، ص ۴۔
80۔ عبدالتواب ملتانی، عم یتساءلون ترجمہ ملتانی زبان وچ، ملتان، عبدالواسع تاجران کتب، ۱۹۴۰ء، ص ۴۰۔

81- محمد رمضان طالبؔ، قرآن مجید دی آخری ڈاہ سورتیں دا ترجمہ تے تشریح، ڈیرہ غازی خاں، فرید سرائیکی سنگت، ص ۳۲۔
82- مختار احمد شاہد عباسی، قرآن پاک دیاں یارھاں سورتاں دا سرائیکی ترجمہ، غیر مطبوعہ، ص ۴۔
83- عبدالتواب ملتانی، عم یتساءلون ترجمہ ملتانی زبان وچ، ملتان، عبدالواسع تاجران کتب، ۱۹۴۰ء، ص ۴۱۔
84- محمد رمضان طالبؔ، قرآن مجید دی آخری ڈاہ سورتیں دا ترجمہ تے تشریح، ڈیرہ غازی خاں، فرید سرائیکی سنگت، ص ۳۲۔
85- مختار احمد شاہد عباسی، قرآن پاک دیاں یارھاں سورتاں دا سرائیکی ترجمہ، غیر مطبوعہ، ص ۴۔
86- ملا حسین واعظ، تفسیر حسینی (طبع ثانی)، بمبئی، مطبع محمدی، ۱۲۷۶ھ، ص ۱۔
87- ایضاً
88- نظام الدین نظامی مولانا، ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی المعروف سوغاتِ نظامی قلمی مخطوطہ، ۱۹۸۷ء، ص ۹۔
89- ملا حسین واعظ، تفسیر حسینی (طبع ثانی)، بمبئی، مطبع محمدی، ۱۲۷۶ھ، ص ۳۴۔
90- نظام الدین نظامی مولانا، ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی المعروف سوغاتِ نظامی قلمی مخطوطہ، ۱۹۸۷ء، ص ۲۰۰۔
91- ملا حسین واعظ، تفسیر حسینی (طبع ثانی)، بمبئی، مطبع محمدی، ۱۲۷۶ھ، ص ۱۔
92- نظام الدین نظامی مولانا، ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی المعروف سوغاتِ نظامی قلمی مخطوطہ، ۱۹۸۷ء، ص سرورق۔
93- ایضاً
94- غلام محمد چاچڑانی مولانا، تفسیر اتالیقی بزبان سرائیکی، قلمی مخطوطہ، ۱۳۱۷ھ، صفحہ ۸۵۔
95- محمد اعظم سعیدی علامہ، فرید التفاسیر یعنی تفسیر سرائیکی، کراچی، سرائیکی ادبی سنگت، ۱۹۸۸ء، ص ۱۲، ۱۳۔
96- محمد صدیق شاکر پروفیسر ڈاکٹر، تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر، ملتان، سرائیکی سدھ سراں، ۲۰۰۵ء، صفحہ ۲۷۔
97- نظام الدین نظامی مولانا، ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی المعروف سوغاتِ نظامی قلمی مخطوطہ، ۱۹۸۷ء، ص ۶۵، ۶۶۔
98- غلام محمد چاچڑانی مولانا، تفسیر اتالیقی بزبان سرائیکی، قلمی مخطوطہ، ۱۳۱۷ھ، صفحہ ۹۰۔
99- محمد اعظم سعیدی علامہ، فرید التفاسیر یعنی تفسیر سرائیکی، کراچی، سرائیکی ادبی سنگت، ۱۹۸۸ء، ص ۲۹۔
100- محمد صدیق شاکر پروفیسر ڈاکٹر، تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر، ملتان، سرائیکی سدھ سراں، ۲۰۰۵ء، صفحہ ۹۲۔
101- ایضاً
102- غلام محمد چاچڑانی مولانا، تفسیر اتالیقی بزبان سرائیکی، قلمی مخطوطہ، ۱۳۱۷ھ، صفحہ ۹۲۔
103- محمد اعظم سعیدی علامہ، فرید التفاسیر یعنی تفسیر سرائیکی، کراچی، سرائیکی ادبی سنگت، ۱۹۸۸ء، ص ۳۴۔
104- محمد صدیق شاکر پروفیسر ڈاکٹر، تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر، ملتان، سرائیکی سدھ سراں، ۲۰۰۵ء، صفحہ ۱۱۲۔
105- نظام الدین نظامی مولانا، ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی المعروف سوغاتِ نظامی قلمی مخطوطہ، ۱۹۸۷ء، ص ۹۵۔
106- غلام محمد چاچڑانی مولانا، تفسیر اتالیقی بزبان سرائیکی، قلمی مخطوطہ، ۱۳۱۷ھ، صفحہ ۹۳۔
107- محمد اعظم سعیدی علامہ، فرید التفاسیر یعنی تفسیر سرائیکی، کراچی، سرائیکی ادبی سنگت، ۱۹۸۸ء، ص ۳۶، ۳۷۔
108- محمد صدیق شاکر پروفیسر ڈاکٹر، تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر، ملتان، سرائیکی سدھ سراں، ۲۰۰۵ء، صفحہ ۱۱۸۔
109- نظام الدین نظامی مولانا، ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی المعروف سوغاتِ نظامی قلمی مخطوطہ، ۱۹۸۷ء، ص ۹۵۔
110- غلام محمد چاچڑانی مولانا، تفسیر اتالیقی بزبان سرائیکی، قلمی مخطوطہ، ۱۳۱۷ھ، صفحہ ۹۳۔

111۔ محمد اعظم سعیدی علامہ، فرید التفاسیر یعنی تفسیرِ سرائیکی، کراچی، سرائیکی ادبی سنگت، ۱۹۸۸ء، ص ۳۶، ۳۷۔
112۔ محمد صدیق شاکر پروفیسر ڈاکٹر، تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر، ملتان، سرائیکی سدھ سراں، ۲۰۰۵ء، صفحہ ۱۱۸۔
113۔ قرآن مجید، سورۃ النبا، آیت ۹۔
114۔ ملا حسین واعظ، تفسیر حسینی (طبع ثانی)، بمبئی، مطبع محمدی، ۱۲۷۶ھ، ص ا۔
115۔ غلام محمد چاچڑانی مولانا، تفسیر اتالیقی بزبان سرائیکی، قلمی مخطوطہ، ۱۴۱۷ھ، صفحہ ا۔
116۔ محمد اعظم سعیدی علامہ، فرید التفاسیر یعنی تفسیرِ سرائیکی، کراچی، سرائیکی ادبی سنگت، ۱۹۸۸ء، ص ۳۔
117۔ عبدالوحاب عباسی، قرآن کریم مع ترجمہ منظوم، بہاولپور، غیر مطبوعہ، ۲۰۰۷ء، ص ا۔
118۔ محمد رمضان طالب، قرآن مجید دی آخری ڈاہ سورتیں دا ترجمہ تے تشریح، ڈیرہ غازی خان، فرید سرائیکی سنگت، ص ۹۔
119۔ غلام رضا سیورا بھٹی، منظوم ترجمہ سورۃ الفاتحہ، ملتان، ڈینہہ وار جھوک، ۲۸ اکتوبر، ۲۰۰۷ء۔
120۔ عبدالوحاب عباسی، قرآن کریم مع ترجمہ منظوم، بہاولپور، غیر مطبوعہ، ۲۰۰۷ء، ص ا۔
121۔ محمد رمضان طالب، رحمتِ دعا، ڈیرہ غازی خان، فرید سرائیکی سنگت، ۲۰۰۶ء، ص ۹۔
122۔ غلام رضا سیورا بھٹی، قرآن کریم دی متعدد سورتاں دا سرائیکی ترجمہ، ملتان، غیر مطبوعہ، ۲۰۰۷ء۔
123۔ عبداللطیف بھٹی، پہلا مکمل سرائیکی قاعدہ، ملتانی بھٹی پبلیکیشنز، ۲۰۰۱ء، ص آخر۔
124۔ عبدالوحاب عباسی، قرآن کریم مع ترجمہ منظوم، بہاولپور، غیر مطبوعہ، ۲۰۰۷ء، ص ا۔
125۔ محمد رمضان طالب، رحمتِ دعا، ڈیرہ غازی خان، فرید سرائیکی سنگت، ۲۰۰۶ء، ص ۹۔
126۔ غلام رضا سیورا بھٹی، قرآن کریم دی متعدد سورتاں دا سرائیکی ترجمہ، ملتان، غیر مطبوعہ، ۲۰۰۷ء۔
127۔ عبداللطیف بھٹی، پہلا مکمل سرائیکی قاعدہ، ملتانی بھٹی پبلیکیشنز، ۲۰۰۱ء، ص آخر۔
128۔ عبدالوحاب عباسی، قرآن کریم مع ترجمہ منظوم، بہاولپور، غیر مطبوعہ، ۲۰۰۷ء، ص ا۔
129۔ محمد رمضان طالب، رحمتِ دعا، ڈیرہ غازی خان، فرید سرائیکی سنگت، ۲۰۰۶ء، ص ۹۔
130۔ غلام رضا سیورا بھٹی، قرآن کریم دی متعدد سورتاں دا سرائیکی ترجمہ، ملتان، غیر مطبوعہ، ۲۰۰۷ء۔
131۔ عبداللطیف بھٹی، پہلا مکمل سرائیکی قاعدہ، ملتانی بھٹی پبلیکیشنز، ۲۰۰۱ء، ص آخر۔
132۔ عبدالوحاب عباسی، قرآن کریم مع ترجمہ منظوم، بہاولپور، غیر مطبوعہ، ۲۰۰۷ء، ص ا۔
133۔ محمد رمضان طالب، رحمتِ دعا، ڈیرہ غازی خان، فرید سرائیکی سنگت، ۲۰۰۶ء، ص ۹۔
134۔ غلام رضا سیورا بھٹی، قرآن کریم دی متعدد سورتاں دا سرائیکی ترجمہ، ملتان، غیر مطبوعہ، ۲۰۰۷ء۔
135۔ عبداللطیف بھٹی، پہلا مکمل سرائیکی قاعدہ، ملتانی بھٹی پبلیکیشنز، ۲۰۰۱ء، ص آخر۔
136۔ عبدالوحاب عباسی، قرآن کریم مع ترجمہ منظوم، بہاولپور، غیر مطبوعہ، ۲۰۰۷ء، ص ا۔
137۔ محمد رمضان طالب، رحمتِ دعا، ڈیرہ غازی خان، فرید سرائیکی سنگت، ۲۰۰۶ء، ص ۹۔
138۔ غلام رضا سیورا بھٹی، قرآن کریم دی متعدد سورتاں دا سرائیکی ترجمہ، ملتان، غیر مطبوعہ، ۲۰۰۷ء۔
139۔ عبداللطیف بھٹی، پہلا مکمل سرائیکی قاعدہ، ملتانی بھٹی پبلیکیشنز، ۲۰۰۱ء، ص آخر۔
140۔ عبدالوحاب عباسی، ملاقات/انٹرویو، بہاولپور، ۲۵ مئی ۲۰۰۸ء۔

باب پنجم

قرآنِ مجید کے سرائیکی تراجم کا عمومی جائزہ

☆ قرآن مجید کے مجموعی سرائیکی تراجم

☆ کامل تراجم پر تقابلی نظر

☆ جزوی تراجم پر تقابلی نظر

☆ معرّی راجم پر تقابلی نظر

☆ محشّی تراجم پر تقابلی نظر

☆ مفسر تراجم پر تقابلی نظر

☆ منظوم تراجم پر تقابلی نظر

☆ اسالیب تراجم اوران پر تحقیقی نظر

☆ انواع تراجم اوران پر تحقیقی نظر

☆ اوصافِ تراجم اوران پر تحقیقی نظر

☆ نقیصاتِ تراجم اوران پر تحقیقی نظر

☆ تناقضاتِ تراجم اوران پر تحقیقی نظر

☆ سرائیکی تراجم کا ماضی، حال اور مستقبل

قرآن مجید کے سرائیکی تراجم کا عمومی جائزہ

قرآن مجید اللہ کی کتاب اور اس کا کلام مبین ہے جسے اس نے فصیح عربی (بلسان عربی مبین)(1) اپنے محبوب بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا۔ عربی زبان اس کا جزو لاینفک ہے اس کے بغیر اس کی تفہیم ممکن ہی نہیں۔ اس لیے فرمایا گیا:

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرآناً عَرَبِيّاً لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُوْنَ

''ہم نے اسے عربی قرآن کی شکل میں اتارا تا کہ تم سمجھ سکو''۔(2)

قرآن فہمی کے لیے عربی زبان کا جاننا ازبس ضروری ہے۔ قرآن مجید کی زبان صرف عربی نہیں فصیح عربی ہے جس کی فصاحت کو جاننے کے لیے بہت سے علوم معرض وجود میں آئے جیسے، علم اللغات، علم المعانی، علم التجوید، علم الصرف، علم البیان، علم الرموز والاوقاف، علم النحو، علم البدیع۔

یہ علوم ''علوم آلیہ'' کہلاتے ہیں۔ یہ تمام تر علوم قرآن کی فصاحت تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کیا ان علوم کے ہوتے ہوئے قرآن مجید کو کسی عجمی زبان میں منتقل کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اس سے کیا فائدہ اور کیا نقصان ہوگا۔ اس پر بیسویں صدی کے تیسرے عشرے میں (1936) مصر کی وزارت مذہبی امور نے جامعہ ازہر کے شیوخ اور اساتذہ کے سامنے ایک قرارداد پیش کی جس کا مفہوم یہ تھا ''کیا قرآن مجید کا کسی عجمی زبان میں ترجمہ ہو سکتا ہے کیا ایسا کرنا جائز ہوگا''؟ اور اس میں یہ تقاضا کیا گیا تھا کہ قرآن مجید کے تراجم حکومت کی نگرانی میں ہونے چاہیں تا کہ قرآن مجید کے غلط تراجم رواج نہ پائیں۔ اس قرارداد پر ایک ہنگامہ برپا ہوگیا۔ کچھ شیوخ اور اساتذہ اس کے حق میں تھے اور کچھ اس کے شدید مخالف۔ جو اساتذہ اور شیوخ اس کے حق میں تھے ان کے دلائل کا خلاصہ یہ تھا کہ قرآن مجید صرف عرب قوم کے لیے نہیں بلکہ پوری دنیا کے لوگوں کے لیے ہے جیسا کہ قرآن مبین کا اپنا دعویٰ ہے:

تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہٖ لیکون العالمین نذیرا

''بزرگ و برتر ہے وہ ذات جس نے قرآن کو اپنے بندے پر اتارا تا کہ وہ جہانوں کے لیے
خبردار کرنے والا بنے۔''(3)

ان کی دوسری دلیل یہ تھی کہ عربی جاننا ہر شخص کے لیے دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکنات میں سے ہے اس لیے قرآن کا پیغام پہنچانے کے لیے عجمی زبانوں میں اس کا ترجمہ ضروری ہے۔ تیسری دلیل ان کی یہ تھی ایک روایت کے مطابق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع موصول ہوئی کہ کچھ عجمی قرآن کو اپنی زبان میں پڑھتے ہیں۔ آپؐ نے اس پر سکوت فرمایا اس سے قرآن مجید کے ترجمے کا جواز ملتا ہے۔ (4)

چوتھی دلیل ان کی یہ تھی کہ امام ابوحنیفہؒ کا فتوی ہے کہ نماز فارسی میں پڑھی جا سکتی ہے۔ جب نماز فارسی میں پڑھی جا سکتی ہے اس لیے قرآن بھی عجمی زبانوں میں پڑھا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس پر ایک باقاعدہ تصنیف بھی سامنے آئی۔ محمد فرید وجدی نے ترجمے کے جواز میں ایک باقاعدہ کتاب تصنیف فرمائی جس کا نام ہے:

الا دلة العلمية علی جواز ترجمة معانی القرآن الی اللغات الا جنبية(5)

وہ اصحاب جو قرآن مجید کے تراجم کرنے کے خلاف تھے ان کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں ایک خاص قسم کی روحانیت اور نور ہے جو ترجمے میں ممکن ہی نہیں بلکہ اسے ترجمہ زائل کر دے گا۔ دوسری دلیل یہ تھی کہ عربی زبان اسلام اور اہل اسلام کا شعار ہے اور قرآن کریم الفاظ و معانی کے مجموعے کا نام ہے۔ ترجمہ کی صورت میں اس کی یہ تعریف باقی نہیں رہتی۔ تیسری دلیل یہ تھی کہ ترجمہ کی اجازت دینے سے غیر معیاری تراجم سامنے آئیں گے جس سے قرآن مجید کا مفہوم ساقط ہو کر رہ جائے گا۔ چوتھی دلیل یہ تھی کہ من مرضی کے ترجمہ کرنے سے تفسیر بالرائے کا بے جنگم دروازہ کھل جائے گا۔ ہر شخص اپنی خواہش کے مطابق قرآن مجید کے معانی بیان کرنے لگے گا چنانچہ اس پر ایک باقاعدہ تصنیف سامنے آئی اس کا نام:

حدث الاحداث فی الاسلام الا قدام علی ترجمة القرآن (6)

اس طویل علمی بحث کا نتیجہ اخذ ہوا کہ قرآن مجید کا ترجمہ ممکن نہیں کیونکہ قرآن کی روح اور اصل کو دوسری کسی زبان میں منتقل کرنا دشوار ہی نہیں ناممکن ہے لیکن ایک اضطراری صورت میں ان شرائط کے ساتھ اس کی اجازت دینی چاہیے۔

۱۔ ترجمہ کے ساتھ ساتھ عربی متن بھی ہونا چاہیے صرف ترجمہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ترجمہ کو قرآن نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ قرآن الفاظ و معنی کا نام ہے۔ الفاظ کے بغیر ترجمے کو قرآن کہنا ایک صریح غلطی ہوگی۔ ۲۔ ترجمے کے ساتھ ضروری تفسیر بھی ہونی چاہیے تاکہ من مرضی کے تراجم کو روکا جا سکے۔ ۳۔ ترجمہ کرتے وقت مصالح شرعیہ کا لحاظ ضروری ہے۔ مصالح شرعیہ سے مراد یہ ہے کہ دینی مسلمہ احکام جو قرآن مجید سے اخذ ہوتے ہیں ترجمے میں ان کی تردید نہ ہو۔

۴۔ ترجمہ قرآن مجید کی فصاحت کو سامنے رکھ کر کیا جائے اور مترجم کو مذکورہ صدر علوم آلیہ پر دسترس ہونا ضروری ہے ورنہ قرآن مجید کے ترجمے کے ساتھ نہ صرف بے انصافی ہوگی بلکہ اس کے ساتھ مذاق ہوگا۔

یہی مقبول رائے ہے اور جمہور کا مسلک بھی۔ مصر میں جس تحریک کا ذکر کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ قرآن مجید کے جو تراجم اطالوی، فرانسیسی اور انگریزی زبان میں منصہ شہود پر آئے وہ تمام غیر معیاری تھے۔ قرآن کی روح تک پہنچنا تو در کنار اس کے عمومی مفہوم سے بھی ان کا دور کا واسطہ نہ تھا۔ اس لیے ان تراجم کو دیکھ کر یہ تحریک پیدا ہوئی کہ تراجم کو باضابطہ بنایا جائے ہر شخص کو اجازت نہ ہو کہ وہ قرآن مجید کا ترجمہ کرے۔ اس تحریک کے پیش نظر مصر کی وزارت مذہبی امور کی یہ قرارداد اسی لئے تھی لیکن وہ منظور نہ ہو سکی۔ تراجم کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس وقت دنیا کی بیشتر زبانوں میں ایک نہیں کئی کئی تراجم ہو چکے ہیں۔

پاکستان کی قومی زبان اردو ہے۔ اس میں قرآن مجید کے متعدد تراجم سامنے آ چکے ہیں جن کا تعلق مختلف مسالک اور مذاہب سے ہے۔ ظاہر ہے ان میں بدیہی اختلاف عیاں ہوتا ہے۔ قومی زبان کے تراجم کے علاوہ پاکستان کی علاقائی زبانوں، پنجابی، سندھی، بلوچی، پشتو، براہوی، کشمیری، گوجری اور سرائیکی میں بھی تراجم ہوئے ہیں۔ ہمارا موضوع سرائیکی زبان کے تراجم ہے۔ ان تراجم کا ایک تقابلی جائزہ پچھلے باب میں دیا جا چکا ہے لیکن ایک بات جو ترجمہ میں قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ تراجم کو جن پابندیوں کے ساتھ شائع کرنے کا جواز پیش کیا گیا تھا وہ یہاں نظر نہیں آتیں۔ مصالح شرعیہ کا بھی خیال نہیں رکھا گیا اور علوم آلیہ جن کا جاننا ایک مترجم کے لیے ضروری ہے اس کا التزام بھی خال خال نظر آتا ہے۔ بایں صورت سرائیکی تراجم کا معیار بالکل ساقط تو نہیں لیکن دوسری زبانوں کی نسبت کم ہی نظر آتا ہے۔ مترجمین کا ایک جوش اور جذبہ ہے جو انہیں ترجمہ کرنے پر مجبور کرتا ہے اور اسی جذبہ کے تحت یہ تراجم کیے گئے ہیں۔ ان سے جہاں سرائیکی دینی ادب میں اضافہ ہوا ہے وہاں قرآن مجید کے پیغام کو بھی کسی حد تک پذیرائی نصیب ہوئی ہے۔

قرآن مجید کے سرائیکی تراجم

دنیا کی دوسری قدیم زبانوں کی طرح سرائیکی میں بھی قرآن مجید کے تراجم کا سلسلہ صدیوں پہلے شروع ہو گیا تھا جو تادم تحریر جاری ہے۔

میری قرآن مجید کے جن تراجم تک رسائی ممکن ہوئی ان کی تعداد اٹھارہ تک جا پہنچتی ہے۔ ان اٹھارہ تراجم میں کچھ کامل ہیں اور کچھ جزوی۔ ان تراجم میں سے بعض زیور طباعت سے آراستہ ہو چکے ہیں اور کچھ ابھی تک زیر طبع ہیں۔ یہ تراجم معرّیٰ بھی ہیں اور محشّی بھی، بعض مفسر ہیں اور کچھ منظوم بھی ہیں۔

قرآن مجید کے دستیاب اٹھارہ سرائیکی تراجم میں سے نو تراجم کامل ہیں۔ ان میں سے چھ معرّیٰ ہیں اور باقی تین مفسر تراجم ہیں۔ یہ تمام تراجم نثر میں ہیں۔ معرّیٰ تراجم میں ''الفضل للمتقدم'' کے اعزاز کے ساتھ ''قرآن مجید مترجم'' کے عنوان سے مولانا محمد حفیظ الرحمٰن حفیظؔ نے قرآن مجید کا سرائیکی ترجمہ تصنیف کیا۔ (7)

اس کے بعد ''قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی'' ڈاکٹر مہر عبدالحق کی قابل قدر کاوش ہے۔ (8) استاد خان محمد لسکانی اور رفیق احمد نعیم لسکانی نے مل کر ''قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال'' کے نام سے ترجمہ رقم کیا۔ (9) اس کے بعد پروفیسر عطا محمد دلشادؔ کلانچوی نے ''سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف'' کے عنوان سے مکمل قرآن مجید کا سرائیکی ترجمہ رقم کیا۔ (10) بعد ازاں ''المرجان'' کے نام سے مفتی عبدالقادر سعیدی سرائیکی ترجمہ ضبط تحریر میں لائے۔ یہ ترجمہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ (11)

قرآن مجید کے کامل معرّیٰ سرائیکی تراجم میں سائز کے اعتبار سے دنیا کا سب سے بڑا نادر ترجمہ ملک ریاض شاہد کا ہے جو الگ الگ پاروں میں ہے جو 23x36 سائز میں ہیں اور اس قرآن مجید کا وزن تیرا من کے قریب ہے۔ یہ ایک ضخیم اور نادر نمونہ ہے جس کے صفحات کی تعداد 1682 ہے۔ یہ ایک قلمی مخطوطہ ہے۔ اسے چودہ ماہ کی شب روز محنت کے ساتھ مکمل کیا گیا ہے۔ (12)

کامل تراجم میں سرائیکی مفسر تراجم کی تعداد تین ہے۔ اس سلسلے میں ایک قابل قدر کاوش مولانا محمد نظام الدین نظامی کی ہے۔ انہوں نے فارسی تفسیر کا ترجمہ بعنوان ''ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی المعروف سوغات نظامی'' کیا۔ (13) دوسرا مفسر ترجمہ مولانا غلام محمد چاچڑانی نے ''تفسیر اتالیقی بزبان سرائیکی'' کے نام سے رقم کیا۔ یہ دونوں تراجم تادم تحریر غیر مطبوعہ ہیں۔ (14)

مفسر تراجم میں سب سے منفرد اور قابل ستائش تفسیر ''تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر'' پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق شاکر کی تصنیف ہے۔ جو قرآن مجید کی سات منزلوں کے اعتبار سے سات جلدوں پر مشتمل ہے۔ (15)

قرآن مجید کے سرائیکی جزوی تراجم جو مجھے دستیاب ہوئے ان کی تعداد نو بنتی ہے۔ ان میں سے تین کے علاوہ باقی تمام مطبوعہ ہیں۔ ان جزوی تراجم میں معرّیٰ، محشّی، مفسر اور منظوم سب شامل ہیں۔ میں نے ان گلہائے رنگا رنگ کو اوراق

مقدس جواہر پاروں کو بڑی عرق ریزی کے ساتھ جمع کیا ہے۔ گو ان میں بعض صرف ایک ہی پارے پر منحصر ہیں۔ لیکن سب قدرو منزلت کے اعتبار سے آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہیں۔

زیرِ نظر جزوی تراجم میں قرآن مجید کا سب سے قدیم ترین مطبوعہ سرائیکی ترجمہ "پارہ الٓم مترجم ملتانی" ہے۔ جو مولوی احمد بخش (المتوفی 1945ء) کی تصنیف ہے۔ یہ ترجمہ 1890ء میں شائع ہوا۔(16)

اس کے بعد دوسری کاوش جو سامنے آتی ہے وہ مولانا محمد خیر الدین صابر ملتانی ہے۔ انہوں نے "پارہ اول مترجم بامحاورہ بزبان ملتانی" کے عنوان سے پہلے پارے کا سرائیکی ترجمہ رقم کیا۔(17) بعد ازاں مولانا عبدالتواب ملتانی نے آخری پارہ "عم یتساء لون" اور پہلا پارہ "الٓم" کا سرائیکی ترجمہ رقم کیا۔(یہ دو پاروں کا نثری ترجمہ ہے)(18)

مولانا نور احمد ابن شمس الدین سیال نے قرآن مجید کے پہلے تین پاروں کا معرّی ترجمہ تصنیف کیا۔(19) اس کے بعد علامہ محمد اعظم سعیدی نے "فرید التفاسیر یعنی تفسیر سرائیکی" کے عنوان سے قرآن مجید کے پہلے پارے کا مفسر ترجمہ تصنیف کیا۔

قرآن مجید کے جزوی سرائیکی تراجم کے حوالے سے محمد رمضان طالب کا نام بہت اہم ہے۔ آپ نے قرآن مجید کی متعدد سورتوں اور آیات کے معرّی، نثری اور منظوم تراجم تصنیف کیے ہیں جو یہ ہیں۔

ا۔ "قرآن پاک دیں آخری ڈاہ سورتیں دا سرائیکی ترجمہ تے تشریح" (نثری) ۲۔"قرآن پاک دیاں چالھی آیتاں" (نثری) ۳۔ پندھراں سورۃ (نثری) ۴۔ سیپارہ ۳۰ عـــمّ (معرّی) ۵۔ سوجھل سوچاں (منظوم) ۶۔ سوجھل نعمتاں (منظوم) ۷۔ رحمت دعا (منظوم)

حافظ مختار احمد شاہد عباسی نے قرآن پاک کی گیارہ سورتوں کا نثری ترجمہ تصنیف کیا ہے۔ جو ابھی تک زیورِ طباعت سے آراستہ نہیں ہوا۔ عبدالوحاب عباسی "قرآن کریم مع ترجمہ منظوم سرائیکی" کے عنوان سے ترجمہ نظم کر رہے ہیں وہ دس پاروں کا منظوم ترجمہ کر چکے ہیں اور وہ دس دس پاروں کا ترجمہ تین جلدوں میں شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اسی طرح غلام رضا سیورا بھٹی نے قرآن مجید کی متعدد سورتوں کا منظوم ترجمہ تحریر کیا ہے۔

قرآن مجید کے جزوی تراجم کے حوالے سے چار قابل قدر کاوشیں ایسی ہیں جن کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ مولانا حفیظ الرحمٰن نے "پاسرحال سورۃ شریف" کے نام سے معرّی ترجمہ رقم کیا۔

اسی طرح دلشاد کلانچوی نے "دلشادیہ تفسیر سورۃ الفاتحہ" اور ڈاکٹر مہر عبدالحق نے "الحمدللہ" کے عنوان سے سورۃ فاتحہ کی تفسیر تصنیف کی۔

خان محمد لسکانی اور رفیق احمد نعیم لسکانی نے "قرآن کریم وچوں چونویاں آیتاں" کے عنوان سے منتخب آیات قرآنی کا معرّی ترجمہ رقم کیا۔

اس سرمایہ علمی کو ایک نظر میں اس طرح دیکھا جاسکتا ہے۔

ترجمہ	مترجم	طباعت/تصنیف	کیفیت
پارہ الم مترجم ملتانی	مولوی احمد بخشؒ	1890ء	جزوی
پارہ اول مترجم بامحاورہ بزبان ملتانی	مولانا خیرالدین صابر ملتانی	1925ء	جزوی
عم یتساءلون، الم وا ترجمہ ملتانی زبان وچ	مولانا عبدالتواب ملتانی	1940ء	جزوی
قرآن مجید مترجم بزبان ریاستی	مولانا حفیظ الرحمن حفیظ	1951ء	کامل
تفرید القرآن	مولانا نور احمد سیال	1975ء	جزوی
قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی	ڈاکٹر مہر عبدالحق	1984ء	کامل
فرید التفاسیر یعنی تفسیر سرائیکی	علامہ محمد اعظم سعیدی	1988ء	جزوی
ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی المعروف سوغات نظامی	مولانا نظام الدین نظامی	1988ء	کامل
تفسیر اتالیقی بزبان سرائیکی	مولانا غلام محمد چاچڑانی	1990ء	کامل
قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال	خان محمد لسکانی / رفیق احمد نعیم لسکانی	1991ء	کامل
متعدد سورتیں اور قرآنی آیات کا سرائیکی ترجمہ	محمد رمضان طالب	1995	جزوی
سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف	پروفیسر دلشاد کلانچوی	2000ء	کامل
"المرجان" سرائیکی زبان وچ مترجم قرآن	مفتی عبدالقادر سعیدی	2000ء	کامل
تیسر القرآن المعروف سوکھی تفسیر	ڈاکٹر پروفیسر محمد صدیق شاکر	2005ء	کامل
قرآن پاک دیاں یارھاں سورتاں دا سرائیکی ترجمہ	حافظ مختار احمد شاہد عباسی	2006ء	جزوی
قرآن کریم مع ترجمہ منظوم سرائیکی	عبدالوحاب عباسی	2007ء	جزوی
متعدد سورتاں دا سرائیکی منظوم ترجمہ	غلام رضا	2008ء	جزوی
مترجم قرآن الموسوم "نورالایمان"	ملک ریاض شاہد	2008ء	کامل

کامل تراجم

اب ہم ہر صنف کے تراجم پر الگ الگ نظر ڈالتے ہیں۔ قرآن مجید کے کامل تراجم کی تعداد نو ہے ان میں سے چھ معرّی ہیں اور تین مفسر تراجم ہیں۔ کامل تراجم میں کوئی منظوم ترجمہ نہیں اور نہ ہی کوئی محشّٰی ہے۔ کلی تراجم منثور ہیں۔ ان میں سے پانچ تراجم شائع ہو چکے ہیں جب کہ چار تراجم تادم تحریر زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکے۔ کامل تراجم کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

سب سے پہلے معرّی تراجم پر نظر ڈالتے ہیں۔ قرآن مجید کے وہ تراجم جن کے ساتھ حاشیہ اور تفسیر نہیں معرّی تراجم ہیں۔ سرائیکی زبان میں قرآن مجید کے زیادہ تر تراجم معرّی ہیں۔ معرّی اور کامل تراجم کی تعداد چھ ہے۔ ان تمام فاضل مترجمین نے اپنے تئیں قرآن مجید سے گہری وابستگی اور مادری زبان سرائیکی سے محبت کا حق ادا کیا ہے اور نامساعد حالات کے باوجود اس علمی اور دینی کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے وہ لائق صد تحسین ہے۔

کامل تراجم میں سب سے پہلی کاوش "قرآن مجید مترجم بزبان ریاستی" ہے۔ جسے مولانا حفیظ الرحمٰن حفیظ نے تصنیف کیا۔ یہ قرآن مجید کا پہلا معرّی مکمل سرائیکی ترجمہ ہے جسے مترجم نے خود 1951ء میں طبع فرمایا۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق مرحوم و مغفور نے "قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی" نام سے مکمل معرّی ترجمہ رقم کیا اور یہ 1404ھ میں زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔ تیسرا معرّی مکمل ترجمہ امام جماعت احمدیہ مرزا طاہر احمد کی ہدایت پر استاذ خان محمد لسکانی اور رفیق احمد نعیم لسکانی نے مل کر کیا۔ جو 1991ء میں انگلینڈ سے شائع ہوا۔

ترتیب زمانی کے مطابق چوتھا معرّی کامل مطبوعہ ترجمہ پروفیسر دلشاد کلانچوی مرحوم و مغفور کی تصنیف ہے۔ یہ "سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف" کے نام سے معنون ہے اور اسے 2000ء میں ابن کلیم پبلشرز ملتان نے طبع کیا۔ اس سلسلے میں پانچویں کاوش مولانا مفتی عبدالقادر سعیدی مدظلہ کی ہے جنہوں نے "المرجان" کے نام سے قرآن مجید کا مکمل ترجمہ اپنے قلم سے لکھا۔ جو ابھی تک زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکا۔ "تفسیر اتالیقی بزبان سرائیکی" مولانا غلام محمد چاچڑانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ مصنف موصوف نے اسے مدینہ منورہ (سعودی عرب) میں اپنے قلم سے رقم فرمایا۔ یہ مخطوطہ "قصر فرید لائبریری کوٹ مٹھن" (راجن پور) میں موجود ہے۔

قرآن مجید کے کامل تراجم میں ایک گرانقدر کاوش مولانا محمد نظام الدین نظامی کی ہے۔ جو فارسی تفسیر کا سرائیکی ترجمہ ہے اور "ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی المعروف سوغات نظامی" کے نام سے موسوم ہے اور تادم تحریر غیر مطبوعہ ہے۔ "تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر" پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق شاکر کی تصنیف ہے۔ یہ قرآن مجید کا کامل مفسر ترجمہ ہے اور قرآن مجید کی سات منزلوں کے اعتبار سے سات جلدوں پر مشتمل ہے۔ قرآن مجید کے کامل سرائیکی تراجم ایک مخطوطہ "نور الایمان" ہے۔ جس کی کتابت اور سرائیکی ترجمہ ملک ریاض شاہد نے کیا ہے۔ یہ 23x36 کے سائز کے کارڈ پر رقم کیا گیا ہے۔ یہ 1682 صفحات پر مشتمل ہے اور اس کا وزن تیرہ من سے بتایا جاتا ہے۔ ذیل میں ہر ایک پر تقابلی نظر ڈالتے ہیں۔

تقابلی نظر

زیرِ نظر تراجم میں محترم مترجمین نے اپنے اپنے اسلوب بیان سے سرائیکی ترجمہ رقم کیا ہے۔ کچھ تراجم تحت اللفظ ہیں اور بعض بامحاورہ۔ اکثر تراجم اردو تراجم کا تتبع ہیں۔ صرف تراجم کے اردو الفاظ کو سرائیکی میں ڈھالا گیا ہے۔

معیاری ترجمہ وہ ہوتا ہے جس میں ابلاغ ہو اور متن کی صحیح ترجمانی ہو اگر متن اور ترجمے میں فرق ہو تو ترجمہ، ترجمہ کہلانے کا مستحق نہیں۔ اب ہم نظائر اور امثال کو پیش نظر رکھ کر ان تراجم پر تقابلی نظر ڈالتے ہیں کہ کون سا ترجمہ کتنا اس معیار پر پورا اترتا ہے۔

کامل تراجم کی طویل فہرست میں کچھ تراجم بامحاورہ ہیں اور کچھ لفظی اور تحت اللفظ ہیں۔ جو تراجم بامحاورہ ہیں ان میں مہر عبدالحق، خان محمد لسکانی، پروفیسر دلشاد کلانچوی، مولانا غلام محمد چاچڑانی اور ڈاکٹر پروفیسر صدیق شاکر کے تراجم ہیں۔ ان تراجم میں وہ سب خوبیاں پائی جاتی ہیں جو بامحاورہ ترجمے میں ہو سکتی ہیں۔

بس یہ ہے کہ کسی میں کم اور کسی میں زیادہ ملتی ہیں مثلاً عام فہم اور زود فہم ہونے کے حوالے سے ڈاکٹر مہر عبدالحق، خان محمد لسکانی اور ڈاکٹر پروفیسر صدیق شاکر کے تراجم خوب ہیں۔ البتہ مہر عبدالحق کے ترجمے میں سہل الفہمی کا وصف تو ہے لیکن تشریحی کلمات اتنے ہیں کہ یہ ترجمہ فنی اعتبار سے صحت اور فصاحت کے معیار پر پورا نہیں اترتا۔

دوسرا وصف جو ان بامحاورہ تراجم میں نظر آتا ہے وہ ان کی سلاست ہے۔ اس اعتبار سے سب سے بہتر تراجم خان محمد لسکانی، پروفیسر دلشاد کلانچوی اور پروفیسر ڈاکٹر صدیق شاکر کے تراجم ہیں۔ ان تراجم میں سلاست اور روانی کا وصف موجود ہے لیکن ایک ایک لفظ کے الگ الگ معنی معلوم کرنا قاری کے لیے مشکل ہے۔

ان بامحاورہ تراجم میں بیشتر تراجم وہ ہیں جو کسی اردو یا فارسی ترجمے کا تتبع ہیں۔ جیسے مولانا غلام محمد چاچڑانی کا ترجمہ امام اہلسنت احمد رضا خان بریلوی کے اردو ترجمے کی موافقت ہے۔ خان محمد لسکانی کا ترجمہ جماعت احمدیہ ربوہ کے اردو ترجمے کا تتبع ہے۔ کامل تراجم میں خالص سرائیکی زبان کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جن سے قاری کو معانی سمجھنے میں دقت نہیں ہوتی۔

ان تراجم میں مولانا حفیظ الرحمٰن، خان محمد لسکانی، دلشاد کلانچوی، مولانا غلام محمد چاچڑانی، مفتی عبدالقادر سعیدی اور ڈاکٹر پروفیسر صدیق شاکر شامل ہیں مثلاً مولانا حفیظ الرحمٰن کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ (۱۰۳: العصر: ۲)

"بے شک آدمی البتہ وچ زیان دے ہے" (20)

اس ترجمے میں "زیان" خالص سرائیکی کلمہ ہے جو نقصان یا خسارے کے لیے بولا جاتا ہے۔ اسی طرح پروفیسر دلشاد کلانچوی کے ترجمے میں سرائیکیت جھلکتی ہے مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ دیکھیے:

تُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ (۳: آل عمران: ۲۷)

"توں رات کوں ڈینہہ وچ لکا (وڑا) گھندیں اتے ڈینہہ کوں رات وچ لکا (وڑا) گھندیں" (21)

زیرِ نظر خالص سرائیکی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جس سے قاری کے لیے کتاب مبین کی تفہیم آسان ہو گئی ہے۔

اسی طرح مفتی عبدالقادر سعیدی نے سرائیکی زبان کی مکمل ترجمانی کی ہے مثلاً سورۃ الکوثر کی آخری آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ (۱۰۸ : الکوثر: ۳)

''بے شک تہاڈا دشمن اوترک اے''(22)

''اوترک'' خالص سرائیکی لفظ ہے جس کے معنی بے اولاد اور بے نام و نشان کے ہیں۔ فاضل مترجم نے سرائیکی محاورے کو پیش نظر رکھتے ہوئے ترجمہ رقم کیا ہے۔ ڈاکٹر پروفیسر صدیق شاکر کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (۲: البقرہ:۲۸۶)

''اللہ کہیں کوں تکلیف نی ڈیندا۔ جا، جتی کہیں دی ہِیڈی سہوے''(23)

''ہِیڈی سہوے'' خالص سرائیکی محاورہ ہے۔ مصنف موصوف نے اسے بڑی خوبصورتی سے استعمال کیا ہے۔ اس کے برعکس بعض مترجمین نے سرائیکی تراجم میں اجنبی، غیر مانوس کلمات کے علاوہ اردو، عربی اور فارسی الفاظ بھی استعمال کیے ہیں۔

اس سے ایک تو ترجمے کے فنی اصولوں کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور دوسرا قاری کے لیے ترجمہ ناقابل فہم ہو جاتا ہے مثال کے طور پر ڈاکٹر مہر عبدالحق کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ (۸۹: الفجر :۱۲)

''بس وت ڈھیر ساریاں ناہمواریاں پیدا کرڈتیاں ہانیں''(24)

اس ترجمے میں ''ناہمواریاں'' اور ''پیدا'' قاری کے لیے اجنبی اور غیر مانوس کلمات ہیں ویسے بھی فساد کا سرائیکی ترجمہ ''ناہمواریاں'' ہو ہی نہیں سکتا۔ اب مولانا غلام محمد چاچڑانی کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

فَبَاءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰی غَضَبٍ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (۲: البقرہ:۹۰)

''چاہے وی لھاوے غضب اتے غضب تے لائق تھے اتے کافریں کیتے خواری دا عذاب ہے''(25)

اس ترجمے میں ''وی''، غضب، لائق، عذاب اور خواری'' عربی اور فارسی الفاظ ہیں اسی طرح مولانا محمد نظام الدین نظامی کے ترجمے میں بھی یہی صورت حال ہے ترجمہ ملاحظہ ہو:

ثُمَّ اسْتَوٰى إِلَى السَّمَاءِ (۲: البقرہ: ۲۹)

''پھر قصد کیتا آسمان پیدا کرن دی طرف''(26)

زیر نظر ترجمے میں بھی فاضل مترجم نے ''پھر''، ''قصد''، ''پیدا'' اور ''طرف'' جیسے غیر سرائیکی کلمات رقم کر کے ترجمہ ناقابل فہم بنا دیا ہے۔

کامل تراجم کا ایک اور وصف اثر آفرینی جو بیشتر مترجمین کے تراجم میں پایا جاتا ہے اور یہ وصف قرآن مجید کے اعجاز کے ساتھ متصف ہے۔ قرآن مجید تو اللہ کا کلام ہے اس لیے اثر انگیز ہے۔ فاضل مترجمین نے بھی قرآن مجید کے اس اعجاز کو ترجمے میں برقرار رکھنے کی شعوری کوشش کی ہے جیسے مولانا حفیظ الرحمٰن کا یہ ترجمہ ملاحظہ ہو:

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا (۹۹: الزلزال:۱-۲)

''جیڑھے ویلے ہلائی ویسی زمین زلزلے آپڑیں نال اتے کڈھ گھیسی بار آپڑیں''(27)

یہ ترجمہ دل میں اتر جانے والا ہے۔ کیونکہ اس میں اثر آفرینی پائی جاتی ہے ڈاکٹر مہر عبدالحق کے ترجمے پر تقابلی نظر ڈالیں تو ان کے ترجمے میں مولانا حفیظ الرحمٰن سے زیادہ اثر آفرینی پائی جاتی ہے مثلاً اس آیت میں ملاحظہ ہو

فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحاً فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعاً (۱۰۰ : العدیت: ۳،۴)

"وت وھاڑا مریندان دھمیں دھمیں وت ایندے نال ودھڑ اٹھا کھڑیندن" (28)

فاضل مترجم نے متن کی اثر انگیزی کو ترجمے برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اور یہ ترجمہ قاری کے دل کو چھو لینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ دلشاد کلانچوی کے ترجمے میں زیادہ اثر آفرینی ملتی ہے مثال کے طور پر اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (۱۰۲ : التکاثر : ۱،۲)

"تہاکوں ڈھیر مال مڈی دی ڈھڈی خواہش اصلوں اندھا کر چھوڑے ایں توڑیں جو تساں
قبراں دا منہ ونج ڈیکھسو!" (29)

اگرچہ اس ترجمے میں پیرایہ بیاں طویل ہے مگر اس کا ایک ایک لفظ خاص تاثیر رکھتا ہے۔ اس ترجمے سے قاری مادی دنیا کی بجائے آخرت کی فکر کرنے لگتا ہے۔ میری رائے میں سب سے زیادہ اثر آفرینی پروفیسر دلشاد کلانچوی کے ترجمے میں پائی جاتی ہے۔

اب ہم کامل تراجم کا ادبی چاشنی کے حوالے سے تقابلی جائزہ لیتے ہیں یہ خوبی بیشتر تراجم میں پائی جاتی ہے۔ جو ترجمہ فصیح نہ ہو، اس میں ربط نہ ہو اور نہ سلاست ہو تو اس ترجمے میں ادبی چاشنی بھی نہیں ہوتی جیسے مولانا حفیظ الرحمٰن کا یہ ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (۱۰۲ : التکاثر: ۴)

"ول ہر گز نہ اینویں جلدی جانوسو" (30)

مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب طرز ادیب تھے اس لیے ان کی تحریر میں جگہ جگہ ادبی رنگ جھلکتا ہے اور ترجمے کا سب سے بڑا حسن اس کی ادبی چاشنی ہے۔ اگر مولانا حفیظ الرحمٰن اور ڈاکٹر مہر عبدالحق کے تراجم کا ادبی چاشنی کے حوالے سے تقابل کریں تو مہر عبدالحق کے ترجمے میں زیادہ ادبی چاشنی ہے مثال ملاحظہ ہو:

فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ (۳۶: یسین: ۷۶)

"بس وت انھاں دی گالھ تیکوں مونجھا نہ کرے" (31)

پروفیسر دلشاد کلانچوی شاعر بھی تھے آیئے ان کے ترجمے کا مندرجہ بالا دو تراجم سے ادبی چاشنی کے حوالے سے تقابل کرتے ہیں۔ سورۃ العلق کی پہلی دو آیات کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ o خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ (۹۶ : العلق: ۱،۲)

"(اے رسولؐ) توں آپڑیں رب داناں گھن تے پڑھ جیں پیدا کیتے۔
جئیں انسان کوں لہودی بوٹی کنوں پیدا کیتے۔" (32)

اس ترجمے میں ادبی رنگ عیاں ہے۔ فاضل مترجم نے اپنی ادبی مہارت کا لوہا منوایا ہے اور ترجمے میں ادبی چاشنی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ڈاکٹر پروفیسر صدیق شاکر نے بھی زبان و ادب کو ملحوظ خاطر رکھا ہے مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۲: البقرہ: ۵)

"اتے ایہے لوک تو نر چڑھن آلے ہن"(33)

ڈاکٹر محمد صدیق شاکر صاحب طرز ادیب ہیں۔ آپ کی تحریریں ادب کا قیمتی سرمایہ ہیں اور آپ عربی زبان پر عبور بھی رکھتے ہیں اسی لیے متن کی ادبی چاشنی ترجمے میں بھی نظر آتی ہے۔

مولانا نظام الدین نظامی کا علم و فضل اور شعر و سخن میں کمال "ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی" میں نظر آتا ہے۔ ان کے ترجمے میں ادبی چاشنی خوب ہے اور انہوں ترجمہ اور تفسیر میں جا بجا اردو، سرائیکی، عربی، فارسی، اشعار، ابیات، مثنوی، رباعی، اور نظم کی صورت میں ایک مربوط طریقے سے رقم کیا ہے۔

میری رائے میں ان کامل تراجم میں سب سے زیادہ ادبی چاشنی ڈاکٹر محمد صدیق شاکر کے ترجمے میں پائی جاتی ہے کیونکہ آپ کا ترجمہ فصیح بھی ہے۔ اس میں سلاست بھی ہے اور اسے مربوط طریق کار کے تحت ضبط تحریر میں لایا گیا ہے۔

ابلاغ کامل بھی ایک معیاری ترجمے کا اہم وصف ہوتا ہے۔ اب ہم ان کامل تراجم میں ابلاغ کا تقابلی جائزہ لیتے ہیں کہ کس ترجمے میں ابلاغ سب سے زیادہ ہے۔ مولانا حفیظ الرحمٰن نے اپنے ترجمے میں سادہ اسلوب بیان کرنے کی کوشش کی ہے جس سے قاری کے لیے آسانی پیدا ہو گئی ہے وہ آسانی سے متن کی تہہ تک پہنچ سکتا ہے مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

قَالَ اِنِّیٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ (۲: البقرہ: ۳۰)

"آکھیا اللہ نے میں جانڑداں جو نئیں جانڑدے تساں"(34)

مندرجہ بالا ترجمے میں ابلاغ کامل موجود ہے اور عربی متن کی مکمل ترجمانی بھی ملتی ہے۔ اب مفتی عبدالقادر سعیدی کے ترجمے میں ابلاغ کا جائزہ لیتے ہیں مثلاً:

اِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ (۸۵: البروج: ۱۲)

"بے شک پکڑ تیڈے رب دی ہوں سخت اے"(35)

اس آیت کریمہ کے سرائیکی ترجمے میں مکمل ابلاغ موجود ہے اور اس ترجمے میں مولانا حفیظ الرحمٰن کے ترجمے کی نسبت زیادہ ابلاغ پایا جاتا ہے۔ مولانا نظام الدین نظامی نے بھی عربی متن میں موجود مقصد کو قاری تک پہنچانے کی کامیاب کوشش کی ہے مثال کے طور پر درج ذیل آیت کا ترجمہ دیکھیے:

وَالطُّوْرِ وَکِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ (۵۲: الطور: ۱،۳)

"قسم طور سینا پہاڑ دی اتے قسم ہے کتاب لکھی ہوئی دی وچ صحیفے کھولے ہوئے دے۔"(36)

اس ترجمے میں ابلاغ ہے مگر مفتی عبدالقادر سعیدی کے ترجمے کی نسبت کم ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ ابلاغ تو ہے مگر ابلاغ کامل نہیں۔ پروفیسر دلشاد کلانچوی کے ترجمے میں بھی یہ وصف پایا جاتا ہے مثال ملاحظہ فرمائیے:

اَفَلَا یَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ (۱۰۲: التکاثر: ۹)

"کیا او (اوں وقت کوں) نہیں جانڑدا جڈاں جو قبراں وچ جو کجھ ہے اوکوں باہر اٹھا کھڑا کیتا ویسی"(37)

پروفیسر دلشاد کلانچوی نے بھی قرآن مجید کے عربی متن کی مکمل ترجمانی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے کلام کے مقصد کو

قاری تک پہنچانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر صدیق شاکر کے ترجمے میں بھی مکمل ابلاغ موجود ہے مثلاً:

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ (۲: البقرہ:۱۸)

''ڈورے ہن، گنگے ہن، اندھے ہن، ہس کڈاہیں نہ ولسن۔ پچھاں ولن جوگے نی'' (38)

پروفیسر صدیق شاکر نے عربی متن کا اصل مقصود قاری تک پہنچایا ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے جو کچھ کہنا چاہتا ہے اس سے قاری کو مکمل ابلاغ ہو جاتا ہے۔

کامل سرائیکی تراجم کے قلمی مخطوطوں میں سب سے نادر نسخہ ''نور الایمان'' کے مصنف ملک ریاض شاہد نے بھی اپنے ترجمے میں عربی متن کی مکمل ترجمانی کی کوشش کی ہے۔ مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۱: الفاتحہ: ۱)

''ساریاں خوبیاں اللہ کوں جہڑا مالک۔ سارے جہان والیاں دا'' (39)

مندرجہ بالا ترجمے میں مصنف موصوف نے ابلاغ کامل کی کوشش کی ہے مگر مذکورہ تراجم کی نسبت اس میں کم ابلاغ پایا جاتا ہے۔ میری نظر میں ڈاکٹر پروفیسر صدیق شاکر کے ترجمے میں مکمل ابلاغ موجود ہے۔ مذکورہ تراجم کی نسبت اس ترجمے میں قرآن پاک کے عربی متن کی کامل ترجمانی کی گئی ہے۔

مذکورہ کامل تراجم میں سے بعض میں یہ سقم پایا جاتا ہے کہ ان میں تشریحی کلمات استعمال کیے گئے ہیں جس سے یہ پیرایہ بیان غیر ضروری طور پر طویل ہو گیا ہے۔ جو ترجمہ کے شایان شان نہیں اگر ترجمے اور متن میں ہم آہنگی نہ ہو تو وہ ترجمہ، ترجمہ کہلانے کا مستحق نہیں۔ ذیل میں ہم تشریحی کلمات کے غیر ضروری استعمال کے حوالے سے کامل تراجم کا تقابلی جائزہ لیتے ہیں۔

ڈاکٹر مہر عبدالحق نے بطور مترجم اپنے فن کا لوہا منوایا ہے اور انہوں نے سرائیکی دینی ادب خاص طور پر قرآن مجید کے حوالے سے قابل قدر کام کیا ہے۔ فاضل مترجم نے رواں ترجمے کا دعویٰ بھی کیا ہے مگر کہیں کہیں روانی محسوس نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر درج ذیل آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۱: الفاتحہ: ۱)

''سب تعریفاں اللہ دیاں ہن جیہڑا کل جہاناں دا پالن وددھاون تے کھلاون کھلاون والا ہے'' (40)

اس ترجمے میں ''رب'' کے معانی ایک سے زیادہ تحریر کیے گئے ہیں جو ترجمے کے فنی اصول کے خلاف ہے۔ دوسرا یہ کہ پیرایہ بیان طویل ہو گیا ہے اور یہ کہ قاری کے لیے تفہیم مشکل ہو گئی ہے۔ خان محمد لسکانی کے ترجمے میں بھی تشریحی کلمات پائے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر تسمیہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''میں اللہ دے ناں دے نال (شروع کریندا ں) جیہڑا بغیر منگیئے ڈیون والا ء تے ول ول رحم کرن والا ء'' (41)

مندرجہ بالا ترجمے کو تشریحی ترجمہ کہہ سکتے ہیں ترجمہ نہیں۔ معیاری ترجمہ وہ ہوتا ہے جس میں کم از کم تشریحی کلمات ہوں اگر یہ ترجمہ تشریحی کلمات کے بغیر ہوتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔ اس ترجمے میں ''ول ول'' اور ''بغیر منگیئے ڈیون والا'' توسین مطلوب ہیں۔

تاہم خان محمد لسکانی کے ترجمے میں ڈاکٹر مہر عبدالحق کے ترجمے سے تشریحی کلمات کم ہیں۔ مفتی عبدالقادر سعیدی کے ترجمے میں تشریحی کلمات کم سے کم ہیں البتہ مولانا نظام الدین نظامی کے ترجمے میں بعض مقامات پر تشریحی کلمات رقم کیے گیے ہیں جن سے قاری کے لیے ترجمہ ادق ہو گیا ہے مثلاً:

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا (۲: البقرہ: ۳۸)

''اتے آکھیا اساں دوبارہ اترو نجو جنت کنوں یا آسماناں کنوں تساں سبھ''(42)

اسی طرح اس آیت کریمہ کے ترجمے کو ملاحظہ فرمائیں:

هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (۲: البقرہ: ۳۷)

''او ہے توبہ دی توفیق ڈیون والا مہربان تو بہ کرن والیں تے''(43)

یہ ترجمہ نہیں تفسیر معلوم ہوتی ہے یا یوں کہیے یہ تشریحی ترجمہ ہے اس سے ترجمے کا حسن برقرار نہیں رہتا۔ ترجمے کا اہم وصف اختصار ہے۔ فاضل مصنف نے غیر ضروری طوالت کا سہارا لیا ہے جس سے ترجمے کا ابلاغ بھی کم ہوا ہے۔

کامل تراجم میں مولانا حفیظ الرحمٰن حفیظ، مفتی عبدالقادر سعیدی، مولانا نظام الدین نظامی اور ملک ریاض شاہد کے تراجم تحت اللفظ اور لفظی ہیں۔

ان تراجم میں سلاست، روانی، فصاحت و بلاغت نہیں ہے اور نہ ہی ادبی چاشنی ہے مگر سرائیکی حلاوت ملتی ہے۔ مثال کے طور پر مولانا حفیظ الرحمٰن کا یہ ترجمہ دیکھیے:

الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ (۱۰۴: الھمزہ: ۲)

''جیں کٹھا کیتا مال اتے گنڑو دار ہیا او نکوں''(44)

اس ترجمے میں سلاست اور روانی کی کمی ہے مگر سرائیکی ترجمہ میں ایک حسن موجود ہے۔ اسی طرح ملک ریاض شاہد کا ترجمہ دیکھیں اس میں بھی ادبی چاشنی، روانی اور سلاست نہیں ہے مگر ترجمہ سرائیکیت کے وصف سے بہرہ ور ہے۔

يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ (۱۰۱: القارعہ: ۴)

''جیں ڈینہہ آدمی ہوسن جیویں کھنڈے پتنگے''(45)

لفظی ترجمے میں یہی سقم ہوتا ہے کہ اس میں فصاحت، روانی، سلاست، ادبی چاشنی اور ابلاغ نہیں ہوتا۔ اور یہی سقم اس ترجمے میں بھی پایا جاتا ہے۔ اسی حوالے سے مفتی عبدالقادر سعیدی کے ترجمے کا تقابلی جائزہ لیتے ہیں:

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ (۸۹: الفجر: ۱۳)

''پچھے ماریا انہیں تے تیڈے رب سوٹا عذاب دا''(46)

اس ترجمے میں فصاحت نہیں ہے۔ ''فصب'' کے معنی انڈیلنا اور برسانے کے ہیں۔ اگر اس کی بجائے سرائیکی الفاظ لائے جاتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ لفظی تراجم میں عدم فصاحت تو ہوتی ہے مگر مولانا حفیظ الرحمٰن اور ملک ریاض شاہد کی نسبت مفتی عبدالقادر سعیدی کے ترجمے میں عدم فصاحت زیادہ ہے۔ مولانا نظام الدین نظامی کے ترجمے میں مندرجہ بالا تینوں تراجم کی نسبت فصاحت، سلاست، روانی اور ادبی چاشنی کی کمی ہے البتہ بعض مقامات پر سرائیکی ترجمہ کا اپنا حسن قائم ہے۔ البتہ ترجمے میں اردو، عربی اور فارسی کے الفاظ بھی ملتے ہیں جیسے:

وَادْعُوْا شُهَدَاءَكُمْ (٢: البقرہ: ٢٣)

''اتے پکاروتساں حاضرین اپڑیں کوں یاتماں کوں''(47)

مندرجہ بالا ترجمے میں ''پکارو'' اور ''حاضرین'' غیر سرائیکی الفاظ ہیں جو قاری کے لیے دقت پیدا کر سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس ترجمے میں سلاست، فصاحت، روانی اور ادبی چاشنی نہ ہونے کی وجہ سے ترجمے کا حسن متاثر ہوا ہے۔ تاہم مولانا حفیظ الرحمٰن، مفتی عبدالقادر سعیدی اور ملک ریاض شاہد کے تراجم مولانا نظام الدین نظامی سے زیادہ فصیح ہیں۔

قرآن مجید کے کامل سرائیکی تراجم میں بیشتر مترجمین نے خالص زبان استعمال کی ہے اور بعض مقامات پر اردو، عربی اور فارسی کلمات کا سہارا بھی لیا ہے جس سے ترجمے میں سرائیکیت متاثر ہوئی ہے۔ ڈاکٹر صدیق شاکر کا واحد ترجمہ ہے جو کسی اردو ترجمے کا تتبع نہیں ہے بلکہ خالص سرائیکی زبان کا شاہکار ہے۔

اس کے بعد خان محمد لسکانی کا ترجمہ ہے جس میں سرائیکیت عیاں ہے مگر بعض مقامات پر اس میں اردو ترجمے کا تتبع نظر آتا ہے۔ متن اور ترجمے میں ہم آہنگی نظر نہیں آتی مثلاً:

هُدًى لِلْمُتَّقِيْنَ (٢: البقرہ: ٢)

''خدا کنیں ڈرن والے پرہیزگاریں کیتے رہنما''(48)

مندرجہ بالا آیت کے ترجمے میں لفظ ''متقین'' کے معنی واضح نہیں ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ ترجمہ اردو ترجمے کا تتبع ہے۔ پروفیسر دلشاد کلانچوی نے روزمرہ سرائیکی محاورے کا بہت خیال رکھا ہے مگر کہیں کہیں پلہ ہاتھ سے نکل گیا مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (١: الفاتحہ: ٧)

''نہ کہ جنہاں اُتے تیڈا غضب رہیے اتے نہ کہ جیڑے گمراہ ہن''(49)

اس آیت کریمہ کے ترجمے میں ''غضب'' اور ''گمراہ'' جیسے غیر سرائیکی کلمات استعمال کیے گئے ہیں۔ اس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ترجمے میں متابعت پائی جاتی ہے۔

مصنف موصوف نے اس کا اعتراف بھی کیا ہے۔ اگر تتبع کے حوالے سے خان محمد لسکانی اور پروفیسر دلشاد کلانچوی کے تراجم کا تقابلی جائزہ لیں تو خان محمد لسکانی کے ترجمے میں موافقت کم نظر آتی ہے۔

مولانا مفتی عبدالقادر سعیدی قرآن مجید کے عربی متن سے براہ راست سرائیکی ترجمہ نہیں کیا بلکہ اردو ترجمے کو سرائیکی میں ڈھالا ہے۔ انہوں نے امام اہلسنت احمد رضا خاں بریلویؒ، جسٹس پیر کرم شاہ الازہریؒ اور علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ کے تراجم کو ماخذ بنایا ہے(50)

اس تتبع کی وجہ سے ترجمے کا حسن متاثر ہوا ہے مثلاً:

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ (٩٧: القدر: ١)

''بے شک اساں ایکوں اتاریے شب قدر وچ''(51)

فاضل مترجم نے ''بے شک''، ''اتاریے'' اور ''شب قدر'' جیسے الفاظ استعمال کر کے قاری کے لیے بھی مشکل پیدا کی ہے اور ترجمے کے حسن کو ماند بھی کیا ہے۔ اگر ان الفاظ کے متبادل سرائیکی کلمات لائے جاتے تو ترجمہ فصیح ہوتا۔

اس کے تقابل میں ڈاکٹر پروفیسر صدیق شاکر کے ترجمے میں سرائیکیت خوب ہے۔ آپ کے ترجمے میں متابعت کا شائبہ تک نظر نہیں آتا مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَ هُمْ (۲: البقرہ: ۲)

''جھیں سگدے بجلی واکڑ کارانہاں دی دیداں کوں ئی گھن لا ہوے''(52)

اس ترجمے میں خالص سرائیکی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ اردو، عربی اور فارسی کے کلمات سے اجتناب کیا گیا ہے اور قرآن مجید کے عربی متن کی سرائیکی میں مکمل ترجمانی کی ہے۔

اب ان تراجم کا ملک ریاض شاہد کے ترجمے سے موازنہ کرتے ہیں مثال کے طور پر یہ ترجمہ ملاحظہ ہو۔

وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى (۲: البقرہ: ۵۷)

''تے ابر کوں میڈا اسائبان کیتا تے میڈے اتے من تے سلویٰ لہایا''(53)

مندرجہ بالا ترجمے سے واضح ہوتا ہے کہ یہ اردو ترجمے کا تتبع ہے۔ مصنف موصوف نے خود بھی بتایا کہ انہوں نے مولانا رضاء المصطفیٰ سعیدی کے اردو ترجمے کو سرائیکی میں ڈھالا ہے(54)

اگر ریاض شاہد کے ترجمے کا دوسرے کامل تراجم سے موازنہ کریں تو سب سے زیادہ متابعت اسی ترجمے میں نظر آتی ہے اور سب سے زیادہ اردو الفاظ اسی میں ملتے ہیں۔

بہرحال اس ترجمے کی یہ انفرادیت اسے دوسرے تراجم سے ممتاز بناتی ہے کہ یہ بہت بڑے سائز میں قلمی نسخہ ہے اور اس کی ضخامت 1682 صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور یہ نادر قلمی نسخہ ہے۔

قرآن مجید کے کامل سرائیکی تراجم میں بعض آسان اور عام فہم ہیں اور بعض غیر مانوس کلمات کے استعمال کی وجہ سے ناقابل فہم ہیں۔ کچھ تراجم فصیح ہیں اور بعض میں ابہام پایا جاتا ہے۔

مولانا مفتی عبدالقادر سعیدی کے ترجمے میں کم از کم تشریحی کلمات استعمال کیے گئے ہیں۔ اس میں سرائیکی زبان کی مٹھاس کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں ابہام بھی پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِىَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِيلاً (۷۳: المزمل: ۶)

''بے رات دا اٹھن (نفس کوں) سخت لتاڑن والا اے اتے بہوں درست گالھ والا ے''(55)

اس مثال میں ''لتاڑن والا'' اور ''بے رات'' جیسے الفاظ سمجھ سے بالاتر ہیں۔ ان کا مفہوم واضح نہیں۔ ابہام کے حوالے سے اگر اس ترجمے کا تقابل مولانا نظام الدین نظامی کے ترجمے سے کریں تو اس میں اس سے بھی زیادہ ابہام پایا جاتا ہے مثلاً

وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيمَ مُصَلًّى (۲: البقرہ: ۱۲۵)

''اتے پکڑ رکھو کنوں مقام ابراہیم علیہ السلام نماز دی جگہ''(56)

اس آیت کا ترجمہ واضح نہیں ہے اور قاری کے لیے ناقابل فہم ہے۔ جب تک ترجمہ صاف اور فصیح و بلیغ نہ ہو اچھا ترجمہ نہیں کہلاتا۔

اس کے مقابلے میں پروفیسر صدیق شاکر کا ترجمہ فصاحت و بلاغت میں اپنی مثال آپ ہے۔اس میں ابہام نہیں پایا جاتا مثلاً اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (۱: الفاتحہ: ۲)

''ساکوں سدھی راہ تے لا''(57)

یہ ترجمہ فصیح ہے اور عام قاری کے لیے عام فہم بھی ہے۔فاضل مترجم نے فنی مہارت کے ساتھ مختصر مگر جامع ترجمہ رقم کیا ہے۔

اب ہم مذکورہ کامل تراجم کا تشریحی کلمات کے حوالے سے تقابلی جائزہ لیتے ہیں۔بعض تراجم میں تشریحی کلمات کثرت سے استعمال کیے گئے ہیں جن کی وجہ سے ترجمے کی روانی اور تفہیم میں فرق آ گیا ہے۔بعض تراجم میں کم از کم تشریحی کلمات ہیں اور کچھ میں شاذ ہیں۔

ڈاکٹر مہر عبدالحق نے تشریحی کلمات کثرت سے استعمال کیے ہیں جن سے ترجمے میں حسن کی بجائے کمی آ گئی ہے۔ فاضل مترجم کی یہ اپنی اختراع ہے کہ وہ دیگر زبانوں کے کلمات لاتے ہیں۔اردو، انگریزی یا کسی دوسری زبان میں اس طرح کے کلمات کی کہیں مثال نہیں ملتی۔اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اِنَّا اَعْطَيْنٰکَ الْکَوْثَرَ (۱۰۸: الکوثر: ۱)

''بے شک اساں تیکوں خیر کثیر (اتھاں واحلال ذبیحہ) عطا کیتے''۔(58)

مندرجہ بالا آیت کے ترجمے میں فاضل مترجم نے تشریحی کلمہ استعمال کیا ہے۔جس کی قطعاً ضرورت نہ تھی۔ڈاکٹر مہر عبدالحق کی طرح خان محمد لسکانی نے بھی تشریحی کلمات استعمال کیے ہیں مثال کے طور پر یہ ترجمہ ملاحظہ ہو:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۱: الفاتحہ: ۱)

''ساریاں چنگائیاں تے صفتاں اللہ سئیں کیتے ہن جیڑھا سارے جہانیں دا پالن ہار''(59)

اسے تشریحی ترجمہ کہہ سکتے ہیں۔معیاری ترجمہ وہ ہوتا ہے جس میں کم از کم تشریحی کلمات ہوں اور ابلاغ عام ہو۔ اس ترجمے میں یہ وصف نہیں پایا جاتا۔

اس کے مقابلے میں مولانا مفتی عبدالقادر سعیدی نے اپنے ترجمے میں کم از کم تشریحی کلمات استعمال کیے ہیں۔ مثال کے طور پر درج ذیل آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۲: البقرہ: ۵)

''اتے اوہے ای (ڈو جہانیں) کامیاب ان''(60)

اس ترجمے میں ''ڈو جہانیں'' کا تشریحی کلمہ استعمال کیا گیا ہے۔اگرچہ مترجم ذی وقار نے بہت کم تشریحی کلمات رقم کیے ہیں تاہم اس سے قاری کے لیے دقت پیدا ہو سکتی ہے۔

جب کہ اس کے برعکس مولانا نظام الدین نظامی نے تشریحی کلمات کثرت سے استعمال کیے ہیں جن سے ترجمہ، ترجمہ نہیں تفسیر معلوم ہوتی ہے مثلاً اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (۲: البقرہ: ۳۷)

''او ہے توبہ دی توفیق ڈیون والا مہربان توبہ کرن والیں تے''(61)

اس ترجمے سے پیرایہ بیاں غیر ضروری طویل ہو گیا ہے۔ ترجمے کا حسن بھی برقرار نہیں رہا اور ابلاغ بھی متاثر ہوا ہے۔ ڈاکٹر پروفیسر صدیق شاکر نے ان غیر ضروری تشریحی کلمات سے اجتناب کیا ہے اور ترجمہ سادہ پیرایہ بیان میں رقم کیا ہے جو قاری کے لیے دلچسپی کا باعث ہے۔

فاضل مترجم نے عام فہم زبان استعمال کر کے عربی اور سرائیکی دونوں زبانوں پر اپنی گرفت کا ثبوت دیا ہے تاہم آپ کے ترجمے کم از کم تشریحی کلمات ہیں جیسا کہ اس ترجمے میں ملاحظہ فرمائیے:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (۲: البقرہ: ۱۶۸)

''لوکو! زمین وچ جو کجھ حلال تے پاک ہے، کھاوو۔ شیطان دا پیرا نہ جاؤ۔

بے شک او تہاڈا اچناوری ہے۔''(62)

مندرجہ بالا ترجمہ مختصر مگر جامع ہے اور فاضل مترجم کی فنی مہارت بھی سامنے آئی ہے اور ترجمے کی تفہیم بھی متاثر نہیں ہوئی۔ اسی طرح ملک ریاض شاہد کے ترجمے میں بھی تشریحی کلمات شاذ ہیں۔

اب مذکورہ تراجم کا لہجیت کے حوالے سے تقابلی جائزہ لیتے ہیں۔ مولانا حفیظ الرحمٰن حفیظؔ کا ترجمہ سرائیکی زبان کا پہلا کامل ترجمہ ہے جو زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔ فاضل مترجم نے اپنی اس پاکیزہ کاوش میں سرائیکی زبان کے معروف لہجے ''ریاستی'' کی بھرپور نمائندگی کی ہے۔

پروفیسر دلشاد کلانچوی، مولانا مفتی عبد القادر سعیدی، مولانا غلام محمد چاچڑانی، مولانا نظام الدین نظامی اور ملک ریاض شاہد نے اپنے اپنے ترجمے میں ریاستی لہجے کے خالص اور ٹھیٹھ استعمال کیے ہیں۔ جس سے سرائیکی زبان کی وسعت، سلاست، مزاجت اور حلاوت عیاں ہوتی ہے اور فاضل مترجمین کی مہارت بھی سامنے آئی ہے۔

ڈاکٹر مہر عبدالحق اگرچہ لیہ میں پیدا ہوئے لیکن ایک طویل عرصہ تک ملتان میں قیام پذیر رہے اس لیے ان کے ترجمے میں ملتانی لب ولہجہ نمایاں ہے۔ آپ نے سرائیکی زبان کے لسانی مزاج کو خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔

ڈاکٹر پروفیسر صدیق شاکر نے اللہ تعالیٰ کے کلام کی ترجمانی سرائیکی زبان کے فصیح لہجے ملتانی میں ایک منفرد انداز سے رقم کی ہے۔

ملتان دنیا کے قدیم ترین شہروں میں شمار ہوتا ہے اس لیے اس کی زبان اور لب ولہجہ بھی اتنا ہی قدیم ہے۔ فاضل مترجم نے سرائیکی زبان کے قدیم اور خوبصورت الفاظ استعمال کیے ہیں فاضل مترجم اور ان کے خاندان کے لوگ ملتان کے پرانے باسی ہیں یہ واحد کامل ترجمہ ہے جو ملتانی لہجے کی نمائندگی کرتا ہے۔

جزوی تراجم

قرآن مجید کے سرائیکی جزوی مطبوعہ ترجمے کا سراغ آج سے ایک سو بائیس سال قبل ملتا ہے۔ یہ ترجمہ "پارہ الم مترجم ملتانی" کے نام سے معنون ہے اور اسے مولوی احمد بخش صادق رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی 1945ء) نے تصنیف فرمایا جو 1890ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔ (63) یہ ترجمہ تحت اللفظ ہے۔ اس کے بعد دوسری کاوش مولانا محمد خیر الدین صابر ملتانی کی تصنیف "پارہ اول مترجم با محاورہ بزبان ملتانی" ہے جو 1925ء میں شائع ہوئی یہ منثری ترجمہ ہے جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ با محاورہ بھی ہے۔ "پہلا با محاورہ سرائیکی ترجمہ ہے۔ (64)

مولانا عبد التواب ملتانی رحمتہ اللہ علیہ نے سرائیکی دینی ادب میں گراں قدر اضافہ کیا انہوں نے آخری پارہ "عم یتساءلون" اور پہلا پارہ "الم" دا ترجمہ ملتانی زبان ہوچ" کے نام سے تصنیف فرمائے جو بالترتیب 1940ء اور 1956ء میں شائع ہوئے (65) یہ محشی ترجمہ ہے اور یہ اس حوالے سے سرائیکی زبان میں اولین کوشش ہے۔ بعد ازاں مولانا نور احمد سیال کے تین پارے زیور طباعت سے آراستہ ہوئے۔ "تفرید القرآن" (پہلا پارہ) 1975ء "تفرید القرآن پارہ ۲ قرآن کریم" (1976ء) اور تیسرا پارہ "تلک الرسل" (1986ء) میں شائع ہوا (66) قرآن مجید کے جزوی تراجم میں پہلا مفسر ترجمہ علامہ محمد اعظم سعیدی مدظلہ تعالیٰ کی تصنیف ہے جو "فرید التفاسیر یعنی تفسیر سرائیکی" کے نام سے موسوم ہے اور یہ سرائیکی ادبی سنگت کراچی نے 1908ء کو شائع کی۔ (67)

جزوی تراجم کے حوالے سے استاذ محمد رمضان طالبؔ کا نام بہت اہم ہے۔ آپ نے منثری، محشی اور منظوم تراجم تصنیف کیے ہیں جن میں "قرآن پاک دیاں چالھی آیتاں" (محشی)، "پندھراں سورۃ" (محشی)، "قرآن پاک دیں آخری ڈاہ سورتیں دا ترجمہ تے تشریح" (محشی) "سیپارہ ۳۰ عم" (منثری)، "سوجھل سوچاں" (منظوم)، "سوجھل تعمتاں" (منظوم)، ترجمہ سورۃ الرحمٰن اور "رحمت دعا" (منظوم) شامل ہیں۔

قرآن مجید کے جزوی تراجم کے حوالے سے حافظ مختار احمد شاہدؔ عباسی نے گیارہ منتخب سورتوں کا محشی ترجمہ تصنیف کیا ہے جو تا دم تحریر غیر مطبوعہ ہے۔ یہ ترجمہ بین السطور اور با محاورہ ہے اور مصنف کے اپنے قلم سے رقم کیا گیا ہے اور یہ اس ترجمے کی انفرادیت بھی ہے۔

منظوم تراجم کے حوالے سے عبد الوہاب عباسی ایک اہم مقام رکھتے ہیں وہ "قرآن کریم مع ترجمہ منظوم سرائیکی" کے عنوان سے قرآن مجید کا منظوم ترجمہ تحریر کر رہے ہیں۔ انہوں نے یہ کام 1998ء میں شروع کیا اور تا حال جاری ہے۔ اب تک وہ دس پاروں کا منظوم ترجمہ مکمل کر چکے ہیں۔ وہ اس ترجمے کو دس دس پاروں کی تین جلدوں میں شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

جناب غلام رضا سیورا بھی پی۔ ایچ۔ ڈی۔ سکالر ہیں اور حکومت پاکستان کی طرف سے سٹوٹگارٹ (جرمنی) میں مقیم ہیں۔ وہ قرآن مجید کا منظوم سرائیکی ترجمہ تصنیف کر رہے ہیں۔ سورۃ الفاتحہ، سورۃ الاخلاص اور سورۃ الکوثر کا ترجمہ قابل ذکر ہے۔ ذیل میں ہر ایک پر تقابلی نظر ڈالتے ہیں۔

تقابلی نظر

قرآن مجید کے جزوی سرائیکی تراجم کی تعداد نو بنتی ہے۔ان تراجم میں تین معریٰ، تین محشی، ایک مفسر اور دو منظوم شامل ہیں۔البتہ محمد رمضان طالبؔ واحد مترجم ہیں جو بیک وقت معریٰ، محشی اور منظوم تراجم میں شامل ہیں۔ان تراجم میں سے سات تراجم زیور طباعت سے آراستہ ہو چکے ہیں اور دو غیر مطبوعہ ہیں۔فاضل مترجمین کی یہ علمی اور دینی کاوش قابل قدر ہے۔اب ان پر الگ الگ نظر ڈالتے ہیں۔ان جزوی تراجم میں مولوی احمد بخش رحمتہ اللہ علیہ اور مولانا عبدالتواب ملتانی رحمتہ اللہ علیہ کے تراجم تحت اللفظ ہیں۔تحت اللفظ ترجمے کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ ہر لفظ کے نیچے اس کے معنی آ جاتے ہیں۔اس سے قرآن پاک کے ہر لفظ کے معنی سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے مثال کے طور پر مولوی احمد بخش یہ ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى (۲: البقرہ: ۲)

''ایہا کتاب ایندے وچ کوئی شک نہیں راوڈ کھاون والی''(68)

اسی طرح مولانا عبدالتواب ملتانی کے ترجمے کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ (۱۰۵: الفیل: ۱)

''کیا نہیں جانا تیں کیویں کیتا رب تیڈے نے نال ہاتھیاں والیاں دے''(69)

جبکہ مولانا نور احمد سیال کا ترجمہ با محاورہ ہے اس وجہ سے سلاست اور روانی بھی پائی جاتی ہے مثلاً

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (۲: البقرہ: ۱۵۳)

''اے ایمان والیو صبر اتے صلوٰۃ نال مدد گھنو''(70)

علامہ اعظم سعیدی کا ترجمہ نیم با محاورہ ہے مثال کے طور پر یہ اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (۱: الفاتحہ: ۶)

''رستہ انہاں لوکاں دا جہناں تے تیں انعام کیتے''(71)

اب مولانا صابرؔ ملتانی کے ترجمے پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔اگرچہ یہ ترجمہ بھی با محاورہ ہے لیکن مولانا نور احمد سیال اور علامہ محمد اعظم سعیدی کے ترجمے سے زیادہ فصیح ترجمہ ہے مثلاً مندرجہ آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

''اونہاں لوکاں دا روڈ کھا جنہاں دے اُتے تیں انعام کیتا ہے''(72)

اس ترجمے میں مندرجہ بالا تراجم سے زیادہ سلاست اور روانی ہے۔اسی طرح محمد رمضان طالبؔ کا ترجمہ بھی با محاورہ ہے اور مولانا خیر الدین صابرؔ ملتانی کے ترجمے کی طرح آسان اور قابل فہم ہے مثلاً اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

وَاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ (۱۰۵: الفیل: ۳)

''اتیں انہاں دے اتیں پکھیں دی جھار نہیں پٹھ ڈتی''(73)

اس ترجمے میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو با محاورہ ترجمے میں پائی جاتی ہیں۔یعنی یہ ترجمہ آسان، عام فہم ہے۔ادبی چاشنی اور اثر آفرینی کی عمدہ مثال ہے۔سلاست اور روانی کے ساتھ ساتھ ڈیروی لہجے کی بھرپور ترجمانی موجود ہے۔میری رائے میں با محاورہ تراجم میں یہ سب سے زیادہ صائب ترجمہ ہے۔

قرآن مجید کے جزوی تراجم میں سب سے زیادہ مشترک بات یہ ہے کہ تمام تراجم آسان اور عام فہم ہیں۔ عام خواندہ قاری بھی ان کو سمجھنے پر قادر ہو سکتا ہے۔ آیئے اس حوالے سے ان تراجم کا تقابلی جائزہ لیتے ہیں۔

مولوی احمد بخش رحمتہ اللہ علیہ نے سرائیکی زبان کے خالص الفاظ استعمال کیے ہیں جو عام فہم ہیں مثال کے طور پر سورۃ البقرہ کی یہ آیت مبارکہ ملاحظہ فرمائیں:

اَتَامُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ (۲: البقرہ: ۴۴)

''ہمیں لوکیں کوں چنگی ڈسیندیو اتیں آپ کوں وسر جندیو'' (74)

مندرجہ بالا ترجمہ نہایت ہی سادہ اور آسان ہے۔ اسی طرح مولانا خیر الدین صابر ملتانی نے سادہ پیرایہ بیان میں قرآن مجید کی تفہیم کو آسان بنا دیا ہے مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

يَا اَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِى خَلَقَكُمْ (۲: البقرہ: ۲۱)

''اے لوکو تساں اپنے پالن والے دی عبادت کرو'' (75)

اس ترجمے میں مولانا خیر الدین صابر ملتانی نے نہایت ہی آسان طریقے سے قرآن مجید کے عربی متن کی مکمل ترجمانی کی ہے۔ اسی طرح علامہ محمد اعظم سعیدی کا انداز بھی عام فہم ہے مثال کے طور پر یہ ترجمہ دیکھیے:

وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (۱: الفاتحہ: ۴)

''اتے تیں کنوں مدد منگدوں'' (76)

یہ ترجمہ نہایت ہی آسان ہے عام قاری بھی اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔ تاہم علامہ اعظم سعیدی کے ترجے میں کہیں کہیں معنوی سقم بھی پایا جاتا ہے جیسا کہ آپ نے ''من وسلوی'' کا ترجمہ رقم نہیں کیا جس سے قاری کے لیے آیت کریمہ کی تفہیم مشکل ہو گئی ہے۔ استاذ محمد رمضان طالب کا ترجمہ بھی نہایت آسان اور عام فہم ہے اور قاری کو کسی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

وَ اَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ (۹۳) الضحیٰ: ۱۰)

''تے ورآئے سوالی کوں نہ جھڑک'' (77)

مندرجہ بالا ترجمے میں قرآنی آیت کا مکمل مفہوم اور مقصد بیان کر دیا گیا ہے اور یہ ترجمہ علامہ اعظم سعیدی کے ترجمے سے زیادہ آسان اور عام فہم ہے۔ البتہ محمد رمضان طالب کے ترجمے میں کہیں کہیں معنوی سقم بھی پایا جاتا ہے جس سے قاری قرآن کی تفہیم مشکل ہو گئی ہے۔ مثال کے طور پر یہ ترجمہ ملاحظہ ہو:

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ (۸۹: الفجر: ۱۳)

''بس حیڈے رب انہاں تے سٹیا اوکھا عذاب'' (78)

مترجم نے ''سوط'' کے معنی ''اوکھا'' کیے ہیں جب کہ عربی میں یہ لفظ ''چابک'' یا ''کوڑے'' کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ اس ترجمے کا معنوی سقم ہے۔ منظوم تراجم میں عبدالوہاب عباسی کا ترجمہ عام فہم اور آسان ہے۔ یہ منظوم ترجمہ ملاحظہ ہو:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۱: الفاتحہ: ۱) (79)

سبھے تعریف اللہ کوں فقط ٹھہندی کہ جو مولا   او مالک جہڑا پالنڑ ہار ہے ایں سارے عالم دا

قرآن مجید کے جزوی تراجم پر عمیق نگاہ ڈالیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ بیشتر تراجم میں غیر مانوس کلمات اور دوسری زبانوں مثلاً اردو، عربی اور فارسی کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جن کی وجہ سے ترجمے کی صحت اور معیار پر اثر پڑتا ہے۔ مولوی احمد بخش کے ترجمے میں کہیں کہیں غیر مانوس کلمات ہیں جو قاری کے لیے ادق ہیں۔ مولانا خیر الدین صابر ملتانی کے ترجمے میں بھی اردو، فارسی اور عربی کے الفاظ مرقوم ہیں جیسے یہ ترجمہ ملاحظہ ہو:

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (۲: البقرہ : ۶۳)

''جو پرہیزگار بندے بن وچو'' (80)

مولانا عبد التواب ملتانی مرحوم و مغفور کے ترجمے میں بھی عربی فارسی، اردو استعمال کیے گئے ہیں اور اگر دوسرے تراجم سے تقابل کریں تو مولانا عبد التواب ملتانی کے ترجمے میں دوسری زبانوں کے الفاظ کثرت سے ملتے ہیں اور پھر آپ نے حضرت شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمے سے انحراف کیے بغیر ہو بہو من وعن عربی متن کا لحاظ کیے بغیر اردو ترجمے ہی کی سرائیکی دے دی گئی ہے مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (۲: البقرہ: ۲)

''ھدایت اے واسطے پرہیزگاراں دے'' (81)

اس میں ''ھدایت'' اور ''پرہیزگاراں'' غیر سرائیکی الفاظ ہیں۔ انکی جگہ سرائیکی الفاظ لائے جاتے تو بہتر ہوتا۔

مولانا نور احمد سیال کے ترجمے میں بعض مقامات پر غیر مانوس کلمات تحریر کیے گئے ہیں جو قاری کے لیے ناقابل فہم ہیں۔ مثال کے طور پر سورۃ البقرہ کی اس آیت مبارکہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (۲: البقرہ: ۱۶۸)

''اے لوکو! زمین وچوں حلال اتے پاک چیزاں کھاؤ اتے شیطانی کھت کھت دے پچھوں نہ لگو، بے شک او تہاڈا کھلیا کھلایا دشمن ئے'' (83)

اس آیت کے ترجمے میں ''کھت کھت'' اور ''کھلیا کھلایا'' غیر مانوس کلمات ہیں جب کہ حلال عربی زبان کا لفظ ہے۔ تاہم مولانا نور احمد سیال کے ترجمے میں مولانا عبد التواب ملتانی کے ترجمے سے کم غیر مانوس الفاظ ہیں۔ علامہ محمد اعظم سعیدی کے ترجمے اور تفسیر میں بھی عربی، فارسی اور اردو الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر الحمد للہ کی تفسیر ملاحظہ ہو:

''الحمد للہ کنوں مراد او صفتاں ہن جیرھیاں جو مافوق الاسباب ہن ہر طرح دی تعریف دی مستحق صرف اللہ دی ذات اے کیوں جو سبھے صفتاں تے خوبیاں دا مالک اللہ سئیں اے'' (84)

اس تفسیر میں دوسری زبانوں کے الفاظ کثرت سے استعمال کیے گئے ہیں۔ اگر ان الفاظ کی بجائے سرائیکی الفاظ لائے جاتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ میری رائے میں ان تراجم کے تقابلی جائزے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ علامہ محمد اعظم سعیدی کے ترجمے میں دوسرے تراجم کی نسبت دوسری زبانوں کے الفاظ زیادہ استعمال کیے گئے ہیں اور یہ اس تفسیر کا سقم ہے۔ معیاری ترجمہ وہ ہوتا ہے جو اثر انگیز ہو، دل میں اتر جانے والا ہو، عام فہم ہو اور اس میں ادبی چاشنی ہو۔ ذیل میں ہم قرآن مجید کے جزوی سرائیکی تراجم میں اثر انگیزی کے حوالے سے تقابلی جائزہ لیتے ہیں۔

مولوی احمد بخش رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ اگرچہ تحت اللفظ ہے مگر آپ کے ترجمے میں اثر آفرینی موجود ہے جو قاری کے دل کو چھو لیتی ہے۔ اس ترجمے کے مقابلے میں مولانا خیر الدین صابر ملتانی کے ترجمے میں اثر آفرینی زیادہ ہے کیونکہ آپ کے ترجمے میں عربی متن کا صحیح مفہوم بیان کیا گیا اور ترجمہ فصیح و بلیغ بھی ہے۔ علامہ محمد اعظم سعیدی نے قرآن پاک کے عربی متن کے ساتھ ساتھ جو تفسیر رقم کی ہے وہ بھی تاثیر سے خالی نہیں ہے۔ آپ کا طرز تحریر قاری کو متاثر کرتا ہے مثلاً "ہدایت" کے دو معنی لکھتے ہیں ایک "رستہ ڈکھاون" اور دوسرے معانی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اتھاں ڈو جھا معانی مراد اے یعنی "توڑ پچاون" کیوں جو انسان دی منزل مقصود صراط مستقیم اے ایں سانگے اتھاں معنی اے تھیسے اساکوں سدھے رستے تے ٹور تے اوں تے ثابت قدم رکھ"۔ اس ترجمے اور تفسیر میں بھی اثر آفرینی موجود ہے مگر محمد رمضان طالب کے طرز تحریر میں تاثیر زیادہ نظر آتی ہے۔ مثلاً اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ (۱۰۴ : الھمزۃ ۲)

"جیں مال کٹھا کیتا تے اونکوں گِن گِن رکھیا" (84)

اس آیت مبارکہ کے ترجمے کا اسلوب بیان دل میں اتر جانے والا ہے۔ باقی تراجم کی نسبت محمد رمضان طالب کا ترجمہ زیادہ اثر انگیز ہے۔ قرآن مجید کے جزوی سرائیکی تراجم میں حافظ مختار احمد شاہد عباسی کا ترجمہ تا دم تحریر غیر مطبوعہ ہے۔ آپ نے قرآن مجید کی گیارہ سورتوں کا سرائیکی ترجمہ تصنیف کیا جو قاری کے دل پر گہرا اثر کرتا ہے۔ مثلاً سورۃ المدثر کی آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ فَذٰلِکَ یَوْمَئِذٍ یَّوْمٌ عَسِیْرٌ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ غَیْرُ یَسِیْرٍ

(۷۴ : المدثر : ۱۰، ۹، ۸)

"جڈاں بگل وچ پھوک ماری ویسے تے اوڈینہہ ڈاڈھا مشکل ہوسے۔ کافریں اتے کوئی سوکھا نہ ہوسے۔" (85)

اس ترجمے میں سرائیکیت اپنی جگہ خوب ہے اثر آفریں بھی ہے مگر سلاست اور روانی میں کمی آگئی ہے۔ دوسرے مترجمین نے اس بات کو پیش نظر رکھا ہے۔

منظوم تراجم میں تسمیہ کے تراجم کا تقابلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے محمد رمضان طالب کا ترجمہ دیکھیں:

نام جیڈے توں شروع توں وڈا رحمان ہئیں
تے رحیمی دے اندر اس آپ ای ذیشان ہئیں

غلام رضا سیورا بھٹی کا منظوم ترجمہ ملاحظہ ہو:

اللہ دے ناں رحمان توں
تے رحیم توں ہے ابتداء

اسی طرح عبدالوحاب عباسی یہ ترجمہ یوں منظوم فرماتے ہیں:

شروع اللہ دے ناں توں کریندا ہاں جو آقا ہے
بہوں ہے مہربان جو کہ نہایت رحم والا ہے

معرّی تراجم

قرآن مجید کے معرّی سرائیکی تراجم کی تعداد دس ہے ان میں چھ کامل اور چار جزوی تراجم ہیں۔ کامل تراجم میں سے چار زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکے ہیں جب کہ دو طباعت کے منتظر ہیں۔ جزوی تراجم میں تمام شائع ہو چکے ہیں۔

معرّی تراجم میں سب سے اولین کاوش مولوی احمد بخش مرحوم و مغفور کی ہے جن کو سرائیکی تراجم کے حوالے سے "الفضل للمتقدم" کا شرف حاصل ہے۔ آپ نے "پارہ الٓم مترجم ملتانی" کے نام سے قرآن مجید کے پہلے پارے کا معرّی سرائیکی ترجمہ کیا جو 1890ء میں لاہور سے شائع ہوا۔

معرّی تراجم میں دوسری کاوش مولانا محمد خیر الدین صابر ملتانی کی ہے آپ کا پہلے پارے کا ترجمہ "پارہ اوّل مترجم بامحاورہ بزبان ملتانی" کے نام سے معنون ہے جو 1925ء کو منصۂ شہود پر آیا۔

قرآن مجید کا پہلا کامل مطبوعہ سرائیکی ترجمہ مولانا حفیظ الرحمٰن حفیظ رحمتہ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ آپ کے ترجمے کا عنوان "قرآن مجید مترجم بزبان ریاستی" ہے۔ جسے مصنف موصوف نے اپنے مطبع "عزیز المطابع بہاولپور" سے شائع کیا۔ آپ کو کامل تراجم کے حوالے سے "الفضل للمتقدم" کا اعزاز حاصل ہے۔

معرّی تراجم میں ایک اہم نام مولانا نور احمد ابن شمس الدین سیال کا ہے۔ آپ نے قرآن مجید کے پہلے تین پاروں کا سرائیکی معرّی ترجمہ "تفرید القرآن" کے نام سے کیا۔ اس ترجمے کی انفرادیت یہ ہے کہ اس میں ڈاکٹر محمد اشرف فاضلی کا اردو ترجمہ بھی شامل ہے۔

بعد ازاں ڈاکٹر مہر عبدالحق مرحوم و مغفور کا کامل معرّی ترجمہ زیورِ طباعت سے آراستہ ہوا۔ اسے سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے شائع کیا۔ اس کے بعد استاذ خان محمد لسکانی بلوچ اور رفیق احمد نعیم لسکانی بلوچ نے مل کر قرآن مجید کا سرائیکی ترجمہ تصنیف کیا جو "قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال" کے نام سے موسوم ہے۔ یہ ترجمہ جماعت احمدیہ کے امام حضرت مرزا طاہر احمد کی ہدایت پر کیا گیا۔

قرآن مجید کے کامل تراجم کے حوالے سے ایک اور کاوش پروفیسر عطا محمد دلشاد کلانچوی کی ہے ان کا ترجمہ "سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف" کے نام سے معنون ہے۔ اس ترجمہ کی اشاعت ثانی 2000ء میں ہوئی۔

"المرجان" کے نام سے مولانا مفتی عبدالقادر سعیدی نے قرآن مجید کا مکمل ترجمہ تصنیف کیا۔ اس کا مکمل عربی متن اور سرائیکی ترجمہ مصنف موصوف نے اپنے قلم سے رقم کیا ہے۔ یہ قلمی نسخہ چھ سو چھبیس صفحات پر مشتمل ہے اور اشاعت کا منتظر ہے۔ استاذ محمد رمضان طالب نے قرآن مجید کے آخری پارے "سیپارہ ۳۰ عم" کا سرائیکی ترجمہ 2001ء میں تصنیف کیا۔ فاضل مترجم اس معرّی ترجمے کے علاوہ محشّی اور منظوم ترجمے بھی تحریر کر چکے ہیں۔

قرآن مجید کے معرّی تراجم میں ایک منفرد ترجمہ ملک ریاض شاہد کا ہے۔ انہوں نے چھتیس انچ لمبائی اور تیس انچ چوڑائی کے کارڈ پر قرآن مجید کا عربی متن اور سرائیکی معرّی ترجمہ رقم کیا ہے۔ یہ قلمی نسخہ الگ الگ تیس پاروں پر مشتمل ہے اور ان کا وزن تیرہ من کے قریب ہے۔ اس ترجمے کے صفحات کی تعداد سولہ سو بیاسی ہے۔

ذیل میں ان تراجم کا تقابلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

تقابلی نظر

قرآن مجید کے سرائیکی تراجم میں کچھ بین السطور، کچھ متقابل اور ایک متصاحف ترجمہ ہے۔اسی طرح سے یہ تراجم انواع کے اعتبار سے بھی مختلف ہیں۔کچھ تراجم تحت اللفظ، کچھ لفظی، کچھ بامحاورہ اور بعض نیم بامحاورہ ہیں۔بیشتر تراجم بہت سی خوبیوں سے متصف ہیں لیکن ان میں سقم بھی موجود ہیں اس حوالے سے ان کا باہمی موازنہ پیش کیا جاتا ہے۔

ان سرائیکی تراجم میں اکثر آسان اور عام فہم ہیں۔عام خواندہ قاری بھی قرآن مجید کے عربی متن کے اصل مقصد کو سمجھنے میں وقت محسوس نہیں کرتا بعض۔تراجم تو تحت اللفظ ہیں اور ہر لفظ کے معانی اسی لفظ کے نیچے مل جاتے ہیں اور قاری کو لغت میں تلاش کرنے کی ضرورت نہیں رہتی مثال کے طور پر مولانا حفیظ الرحمٰن حفیظ کا یہ ترجمہ ملاحظہ ہو:

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا (۲: البقرہ:۲۴)

''جیکر نہ کر سکو تساں اتے ہر گز نہ کر سکسو تساں''(86)

مولانا حفیظ الرحمٰن کا ترجمہ تحت اللفظ ہے اس لیے اس میں روانی بھی کم ہے۔اس کے برعکس خان محمد لسکانی کا ترجمہ بامحاورہ ہے اس میں سلاست اور روانی پائی جاتی ہے اس لیے یہ ترجمہ مولانا حفیظ الرحمٰن کے ترجمے سے زیادہ قابل فہم ہے۔مثال کے طور پر یہ اس آیت قرآنی کا سرائیکی ترجمہ ملاحظہ ہو:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ (۲: البقرہ: ۲۱)

''اے لوکو! تساں اپنے اوں رب دی عبادت کرو جئیں تہاکوں پیدا کیتے''(87)

اس ترجمے کی تفہیم آسان ہے مگر کہیں کہیں تشریحی کلمات کی وجہ سے ترجمہ ناقابل فہم ہو گیا ہے۔اب اس حوالے سے ڈاکٹر مہر عبدالحق کے ترجمے پر نظر ڈالتے ہیں آپ نے اپنے ترجمے کا نام ''سادہ آسان اتے رواں سرائیکی ترجمے دے نال قرآن مجید'' تجویز کیا ہے۔جیسا کہ نام سے ظاہر ہے آپ کا ترجمہ سادہ اور عام فہم ہے مثال کے طور پر یہ ترجمہ ملاحظہ ہو:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ (۱: الفاتحہ: ۶)

''نور اساکوں سدھے ہموار رستے تے''(88)

مترجم ذی وقار ترجمے کو عام فہم اسلوب میں تحریر فرمایا ہے اور رواں بھی ہے مگر کہیں کہیں بامحاورہ ترجمے کا دعویٰ کمزور پڑ جاتا ہے۔اور قاری کو وقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔اس کے مقابلے میں مولانا مفتی عبدالقادر سعیدی کا ترجمہ تحت اللفظ ہے۔اس ترجمے میں ہر عربی لفظ کے نیچے اس کا متبادل سرائیکی لفظ دے دیا گیا ہے جیسے:

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ (۲: البقرہ: ۷)

''ٹھپہ (مہر) لاؤ تے اللہ نے انہیں دے دلیں تے اتے انہیں دے کنیں تے''(89)

اسی طرح دلشاد کلانچوی کا ترجمہ تحت اللفظ ترجمے کی نسبت آسان اور عام فہم ہے اور اس سے عام قارئین کو بھی قرآنی مفہوم سمجھنے میں دقت پیش نہیں آتی مثلاً:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ (۲: البقرہ: ۱۸۳)

''اے ایمان گھن آون والے لوکو! تہاڈے اتے روزے فرض کیتے گئین''(90)

اگر چہ دلشاد کلانچوی کا ترجمہ سہل الفہم ہے مگر کہیں کہیں معنوی سقم اور تتبع کی وجہ سے ترجمہ فصیح نہیں ہے۔ اور کہیں کہیں عربی متن اور ترجمے میں عدم مطابقت ہے جو اس ترجمے کا ایک سقم ہے۔ سب سے زیادہ سلاست اور روانی خان محمد مکانی کے ترجمے میں ہے۔ اس میں سرائیکی زبان کے خالص الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ جسکی وجہ سے عام لوگوں کے لئے بھی قرآن مجید کی تفہیم آسان ہوگئی ہے۔ قرآن مجید کے ان منظوم تراجم میں بیشتر ایسے ہیں جن میں اردو تراجم سے استفادہ کیا گیا ہے۔ بعض مترجمین نے من وعن اردو ترجمہ رقم کردیا ہے اور کچھ نے صرف افعال ناقصہ کو تبدیل کر کے اردو ترجمے کو سرائیکی میں ڈھال دیا ہے مثلاً نور احمد سیال نے ڈاکٹر محمد اشرف فاضلی کے اردو ترجمے کو بنیاد بنایا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

يَهْدِي مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (۲: البقرہ: ۱۴۲)

"جیکوں چاہے صراط مستقیم دی طرف ہدایت فرمیندے"(91)

یہ ترجمہ اردو ترجمے کا تتبع ہے۔ اگر ان الفاظ کی جگہ سرائیکی الفاظ لائے جاتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ اسی طرح مولانا حفیظ الرحمن مرحوم و مغفور نے اپنے ترجمے کی بنیاد شاہ عبدالقادر رحمتہ اللہ علیہ کے ترجمے پر رکھی ہے۔(92) ڈاکٹر مہر عبدالحق کے ترجمے میں بھی اکثر مقامات پر دوسرے تراجم سے متابعت محسوس ہوئی ہے۔ مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ (۸۹: الفجر: ۱۲)

"اس وت ڈھیر ساریاں ناہمواریاں پیدا کر ڈتیاں ہانیں" (93)

اس ترجمے سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ یہ کسی اردو ترجمے کا تتبع ہے۔ اس وجہ سے ترجمہ میں فصاحت اور سلاست میں کمی آگئی ہے۔ مفتی عبدالقادر سعیدی کے ترجمے میں بھی موافقت کی کئی مثالیں موجود ہیں مثال کے طور پر سورہ الفاتحہ کی آخری آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (۱: الفاتحہ: ۷)

"انہیں دا (راہ) نہ جنہیں تے غضب کیتا گیا اتے نہ گمراہیں دا (راہ)۔(94)

مولانا خیر الدین صابر ملتانی کے ترجمے میں بھی تتبع پایا جاتا ہے مندرجہ ذیل آیت کے ترجمہ کی مثال ملاحظہ ہو

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ (۲: البقرہ: ۳۷)

پچھے آدم علیہ السلام عذر معذرت دے کائی کلمے اپنے رب کنوں سکھ گھدے۔(95)

اس آیت کریمہ کے ترجمے سے صاف ظاہر ہے کہ مصنف موصوف نے غیر سرائیکی الفاظ استعمال کیے ہیں جو اس بات کی دلالت کرتے ہیں کہ اس ترجمے میں متابعت موجود ہے۔

پروفیسر دلشاد کلانچوی کا ترجمہ بھی اردو تراجم کا تتبع معلوم ہوتا ہے۔ آپ عربی زبان سے ناواقف تھے اس کا اعتراف انھوں نے خود بھی کیا ہے۔ اس لئے ان کا ترجمہ براہ راست عربی متن کا ترجمہ نہیں بلکہ اردو ترجمے کا سرائیکی ترجمہ ہے۔ ترجمہ در ترجمہ میں جو سقم رہ جاتا ہے وہ زیر نظر ترجمے میں بھی موجود ہے۔ مثال کے طور پر اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى (۲: البقرہ: ۱۶)

ایہاں او لوک ہن جنہاں ھدایت دے عوض گمراہی مل گھدی ہوئی ہے" (96)

ان تمام مثالوں سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ بیشتر مترجمین نے اردو تراجم کا تتبع فرمایا ہے۔ کسی نے کم کسی نے زیادہ اور بعض نے من وعن لکھ دیا ہے۔ میری نظر میں خان محمد لسکانی کے ترجمے میں متابعت کم نظر آتی ہے اور سرائیکیت زیادہ نمایاں ہے۔ اس لیے اس ترجمے میں فصاحت، اثر آفرینی، روانی اور ادبی چاشنی جھلکتی ہے۔

''قرآن مجید کے معرّی سرائیکی تراجم ایک وصف جو کم وبیش تمام تراجم میں پایا جاتا ہے وہ ابلاغ کامل ہے مولوی احمد بخش رحمتہ اللہ علیہ کا ترجمہ اگرچہ تحت اللفظ ہے مگر اس میں ابلاغ موجود ہے مثلاً اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ (۲: البقرہ: ۲۱)

''اولوکو بندگی کرو آپڑیں رب دی جئیں تساکوں پیدا کیتے'' (97)

مندرجہ بالا ترجمے میں قرآن مجید کے عربی متن کی مکمل ترجمانی موجود ہے۔ اور قاری کو پہلی نظر میں سمجھ میں آجاتا ہے۔ اسی طرح ملک ریاض شاہد کے ترجمے بھی ابلاغ موجود ہے جیسے

يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ (۱۰۱ القارعہ: ۵)

''جئیں ڈینہہ آدمی ہوسن جیویں کھنڈیے پتنگے'' (98)

فاضل مترجم نے ایسا اسلوب اپنایا ہے جو قاری کیلئے سہل الفہم ہے اور قرآن مجید کے عربی متن کا اصل مفہوم بھی موجود ہے۔ اس ترجمے سے زیادہ ابلاغ خان محمد لسکانی کے ترجمے میں پایا جاتا ہے۔ فاضل مترجمین نے قرآن فہمی کے شوق کو بڑھانے کے لیے عام فہم اور آسان پیرائے میں ترجمہ رقم کیا ہے۔ جس سے اس ترجمے کی افادیت دوچند ہوگئی ہے مثال کے طور پر اس آیت مبارکہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ نَسِىَ خَلْقَهٗ (۳۶: یٰسٓ: ۷۸)

''تے او ساڈے خلاف مثالیں کریندے تے اپنی پیدائش کوں بھل ویندے''۔ (99)

ابلاغ کے حوالے سے اب مولانا نور احمد سیال کے ترجمے پر تقابلی نظر ڈالتے ہیں۔ فاضل مترجم نے بھی قرآن مجید کی مکمل ترجمانی کی کوشش کی ہے۔ ترجمے میں سلاست اور فصاحت موجود ہے۔ جسے عام ذہنی سطح کے لوگ بھی آسانی کے ساتھ سمجھ سکتے ہیں مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

فَاذْكُرُوْنِىْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِىْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ (۲: البقرہ ۱۵۲)

بس میڈا ذکر کرو، میں تہاڈا ذکر کریساں، اتے میڈا شکر کرو اتے ناشکری نہ کرو۔ (100)

مولانا محمد خیر الدین صابر ملتانی رحمتہ اللہ علیہ کے ترجمے میں بھی مکمل ابلاغ موجود ہے۔ مترجم ذی وقار نے حتی المقدور کوشش کی ہے کہ قرآن مجید کی ہر آیت کا مقصد قاری تک پہنچ جائے۔ مفتی عبدالقادر سعیدی کے ترجمے میں ابلاغ کامل ملتا ہے اور قاری قرآن مجید کے عربی متن کے صحیح مفہوم تک آسانی سے پہنچ جاتا ہے۔ مثلاً:

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ (۸۵: البروج: ۱۲)

''بے شک پکڑ تیڈے رب دی بہوں سخت اے''۔ (101)

اس ترجمے میں ابلاغ نمایاں ہے لیکن میری رائے میں سب سے زیادہ ابلاغ نور احمد سیال کے ترجمے میں پایا جاتا ہے اور یہی ایک معیاری ترجمے کی خوبی ہے کہ عربی متن میں اللہ تعالیٰ کا مقصود و مطلب قاری تک پہنچ جائے تاکہ وہ پیغام الٰہی کو آسانی سے

سمجھ سکے۔ معیاری ترجمے کی ایک خوبی ادبی چاشنی ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ترجمے میں سلاست، روانی، فصاحت، بلاغت، اثر آفرینی اور لطافت موجود ہو۔ ذیل میں ہم ادبی چاشنی کے حوالے سے معزی تراجم کا تقابلی جائزہ لیتے ہیں۔

استاذ محمد رمضان طالبؔ ایک صاحب طرز ادیب اور شاعر ہیں۔ آپ کے ترجمے میں ادبی حسن کے ساتھ ساتھ ادبی چاشنی بھی موجود ہے مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا (۹۱ : الشمس : ۱،۲)

''قسم ہے بجھ دی تے اوندی دھپ دی تے قسم ہے چندر دی جو اوندے پچھوں آوے''۔ (102)

اسی طرح پروفیسر دلشاد کلانچوی صاحب دیوان شاعر تھے۔ ان کے ترجمے میں بھی ادبی چاشنی نمایاں ہے مثال کے لیے درج ذیل آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ (۹۶ : العلق : ۱)

(اے رسولؐ) توں آپڑیں رب داناں گھن تے پڑھ جیں پیدا کیتے۔ جیں انسان کوں لہو دی بوٹی کنوں پیدا کیتے۔ (103)

مولانا حفیظ الرحمٰن نے سرائیکی زبان کی ادبی چاشنی کو ترجمے میں سمونے کی کوشش کی ہے البتہ ترجمہ تحت اللفظ ہونے کی وجہ سے کہیں کہیں کمی آئی ہے۔ اس آیت کریمہ کے ترجمے میں ادبی چاشنی جھلکتی ہے:

الَّذِیْ جَمَعَ مَالاً وَّعَدَّدَهٗ (۱۰۴ : الھمزہ : ۲)

جیں کٹھا کیتا مال اتے گنتر دار ہیا اونکوں۔ (104)

ڈاکٹر مہر عبدالحق کثیر التصانیف مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ شاعر بھی تھے۔ آپ کا ترجمہ بھی رواں ہے اور اس میں ادبی چاشنی بھی ہے۔ فاضل مترجم نے سرائیکی زبان کے لسانی حسن کو اپنے ترجمے میں جگہ دی ہے مثلاً:

فَلَا یَحْزُنْکَ قَوْلُهُمْ (۳۶: یٰسین: ۷۶)

بس وت انہاں دی گالھ تیکوں مونجھا نہ کرے (105)

مولانا نور احمد سیال کا ترجمہ بھی گوناگوں خوبیوں سے متصف ہے۔ آسان اور قابل فہم ہے اور قرآن مجید کے عربی متن کے مفہوم کو واضح کرتا ہے۔ اس لیے اس میں ادبی چاشنی موجود ہے مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْکِتٰبِ (۲: البقرہ: ۱۷۴)

''بے شک جو لوک اللہ سائیں دی نازل کیتی کتاب وچوں لکیندن پا'' (106)

مولانا خیر الدین صابر ملتانی کا سرائیکی ترجمہ اولین کاوشوں میں سے ہے۔ آپ ایک قادر الکلام شاعر بھی تھے آپ کے ترجمے میں بھی چاشنی موجود ہے اور سرائیکی زبان کے لسانی حسن کو نمایاں کرتی ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ (۲: البقرہ : ۲۱)

''اے لوکو تساں اپنے پالن والے دی عبادت کرو''۔ (107)

ان تمام مثالوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تمام فاضل مترجمین کے تراجم میں کم یا زیادہ ادبی چاشنی موجود ہے مگر میری رائے میں سب سے زیادہ ادبی چاشنی ڈاکٹر مہر عبدالحق کے ترجمے میں پائی جاتی ہے۔ کیونکہ آپ کا ترجمہ سادہ اور رواں ہے اور فصیح و بلیغ بھی ہے مگر کہیں کہیں ادبی چاشنی میں کمی بھی آ گئی ہے۔

محشّی تراجم

قرآن مجید کے محشّی سرائیکی تراجم کی تعداد پانچ ہے جو کہ تمام جزوی تراجم ہیں۔ ان میں سے چار مطبوعہ ہیں اور ایک تادم تحریر زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکا۔

محشّی سرائیکی تراجم میں اولین کاوش مولانا عبدالتواب ملتانی کی ہے۔ سب سے پہلے انھوں نے قرآن مجید کے آخری پارے "عم یتساء لون" کا ترجمہ تصنیف کیا۔ جو ان کی زندگی میں ۱۹۴۰ء کو شائع ہوا۔ جبکہ پہلے پارے "الٓمّ" کا سرائیکی محشّی ترجمہ ان کی وفات کے بعد ۱۹۵۶ء میں منصۂ شہود پر آیا۔

ان تراجم میں شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اردو ترجمہ بھی ساتھ دیا گیا ہے۔ مولانا عبدالتواب ملتانی کے ترجمے کو محشّی تراجم میں اولیت کا شرف حاصل ہے۔

محشّی تراجم کے حوالے سے استاذ محمد رمضان طالبؔ کی تین کاوشیں سامنے آچکی ہیں۔ ان میں سے پہلا ترجمہ "قرآن پاک دیں آخری ڈاہ سورتیں دا ترجمہ تے تشریح" کے نام سے معنون ہے۔

اس میں سورہ الفیل، القریش، الماعون، الکوثر، الکافرون، النصر، اللھب، الاخلاص، الفلق اور الناس کے علاوہ سورہ الفاتحہ کا محشّی ترجمہ بھی شامل ہے۔ اس ترجمے کو فرید سرائیکی سنگت ڈیرہ غازی خاں نے شائع کیا۔ اس حوالے سے استاذ محمد رمضان طالبؔ کی ایک اور کاوش "قرآن پاک دیاں چالھی آتیاں" ہے۔

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس میں قرآن مجید کی چالیس منتخب آیات کا محشّی ترجمہ تصنیف کیا گیا ہے۔ اس ترجمے کو فرید سرائیکی سنگت ڈیرہ غازی خان نے یکم جنوری ۱۹۹۶ء کو زیور طباعت سے آراستہ کیا۔

فاضل مترجم ایک اور علمی کاوش "پندھراں سورۃ" کے نام سے موسوم ہے۔ زیر نظر ترجمے میں مصنف موصوف نے قرآن مجید کی پندرہ منتخب سورتوں کا محشّی ترجمہ رقم کیا ہے جو یہ ہیں۔

سورۃ الفاتحہ، الضحیٰ، القدر، العصر، النصر، اللھب، الاخلاص، الفلق اور الناس۔ مترجم ذی وقار کا یہ محشّی ترجمہ ایک مربوط طریق کار کے تحت منضبط ہے۔ اسے بھی فرید سرائیک سنگت ڈیرہ غازی خاں نے ۲۰۰۲ء میں شائع کیا۔

حافظ مختار احمد شاہد عباسی نے "یارھاں سورتاں سرائیکی ترجمے نال" کے عنوان سے قرآن مجید کی گیارہ سورتوں کا محشّی ترجمہ تصنیف کیا ہے۔ سورتوں کا یہ انتخاب آخری پارے سے کیا گیا ہے۔

ترجمہ معرّیٰ ہے، غیر منظوم ہے۔ جو ابھی تک زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکا۔ ان سورتوں میں سورہ العلق، التکاثر، العصر، الھمزہ، الفیل، القریش، الکوثر، الماعون، الکافرون، النصر اور المدثر شامل ہیں۔

ذیل میں ان تراجم کا تقابلی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

تقابلی نظر

قرآن مجید کے محشی تراجم عام فہم اور آسان ہیں۔ ان میں اثر انگیزی، ادبی چاشنی، سلاست، روانی، فصاحت اور ابلاغ بھی موجود ہے۔ اس کے برعکس کہیں کہیں معنوی سقم، ابہام اور غیر مانوس کلمات بھی ملتے ہیں۔

مولانا عبدالتواب ملتانی کا ترجمہ تحت اللفظ ہے۔ قرآن مجید کے ہر عربی کلمہ کے نیچے اس کا متبادل سرائیکی لفظ مل جاتا ہے اور قاری کو معانی لغت میں ڈھونڈنے کی تکلیف نہیں کرنا پڑتی جیسے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ (۱۰۵ : الفیل : ۱)

''کیا نہیں جانا تیں کیویں کیتا رب تیڈے نے نال ہاتھیاں والیاں دے''(108)

مولانا عبدالتواب ملتانی رحمتہ اللہ علیہ کا ترجمہ تحت اللفظ ہے اس لیے اس میں سلاست اور روانی میں کمی آ گئی ہے جبکہ استاذ محمد رمضان طالبؔ کا ترجمہ بامحاورہ ہے اس لیے اس فصاحت و بلاغت بھی ہے اور سلاست اور روانی بھی مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

الا انّ اولیاء اللّٰہ لا خوف عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ یحزنون

''سنو! بے شک اللہ سئیں دے دوستیں کوں نہ کوئی ڈر ہے تے نہ او مونجھے ہن''(109)

مولانا عبدالتواب ملتانی کے ترجمے میں سرائیکی زبان کے خالص اور ٹھیٹھ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جو عام قاری کیلئے بھی قابل فہم ہے مثال کے طور پر درج ذیل ترجمہ ملاحظہ ہو:

اَلَّذِیْ خَلَقَکَ فَسَوّٰکَ فَعَدَلَکَ (۸۲: الانفطار: ۷)

''جئیں بنڑایا تیکوں وت درست کیتس تیکوں وت برابر کیتس تیکوں''(110)

حافظ مختار احمد شاہد عباسی کے ترجمے میں بھی سرائیکی الفاظ ملتے ہیں اور خالص زبان ہی ترجمے کے حسن کو دوبالا کرتی ہے مثلاً سورہ الکوثر کی آخری آیت ملاحظہ فرمائیں:

اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ (۱۰۸ :الکوثر : ۳)

''بالشک تیڈا ویری ہی انڈ منڈ ھے''۔(111)

ایسی ہی خصوصیات محمد رمضان طالبؔ کے ترجمے میں بھی پائی جاتی ہے۔ آپ نے سرائیکی زبان کے خالص اور عام فہم الفاظ استعمال کر کے ترجمے کو فصیح بنا دیا ہے جیسے:

فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ (۱۰۵ : الفیل: ۵)

''بس انہاں کوں کھادے بھوں وانگ کر ڈتا''(112)

میری نظر میں محمد رمضان طالبؔ کے ترجمے میں سرائیکیت زیادہ ہے اور اس میں قرآن مجید کے عربی متن کی مکمل ترجمانی سرائیکی میں موجود ہے اور یہ ترجمہ ڈیروی لہجے کا شاہکار بھی ہے۔

قران مجید کے ان مختلف سرائیکی تراجم کا تقابلی جائزہ لیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان میں اردو، عربی اور فارسی کے کلمات استعمال کیے گئے ہیں۔

اگر ان کی بجائے سرائیکی الفاظ لائے جاتے تو زیادہ بہتر ہوتا مولانا عبدالتواب ملتانی نے تو شاہ رفیع الدین کے اردو ترجمے کو سرائیکی میں ڈھالا ہے مثلاً:

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (۲: لبقره : ۲)

"ھدایت ہے واسطے پرہیزگاراں دے" (113)

ایک اور مثال ملاحظہ فرمایئے:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ (۸۸: الغاشیه: ۲)

"کئی چہرے اوں ڈینہہ ذلیل خوار ہوسن" (114)

مندرجہ بالا تراجم میں سرائیکیت کم کم نظر آتی ہے اسی طرح محمد رمضان طالبؔ کے ترجمے میں بھی اردو، فارسی اور عربی زبان کے الفاظ لائے گئے جس سے ترجمے میں فصاحت اور روانی کم ہو گئی ہے جیسے

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ (۱۰۷: الماعون : ۳)

"تے مسکین کوں کھانا ڈیون دی ترغیب نئیں ڈیندا" (115)

اسی طرح حافظ مختار شاہد عباسی کے ترجمے میں بھی دوسری زبانوں کے الفاظ کثرت سے ملتے ہیں مثلاً:

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (۱۰۳ : العصر : ۳)

"تے ہک ہے کوں سچ گالھ دی وصیت کریندے رہیے تے آپس وچ صبر دی نصیحت کریندے رہیے۔" (116)

اس ترجمے میں اگر وصیت، صبر، اور نصیحت کی بجائے سرائیکی الفاظ لائے جاتے تو ترجمہ زیادہ پرکشش ہوتا۔

میری رائے میں سب سے زیادہ غیر سرائیکی الفاظ مولانا عبدالتواب ملتانی نے استعمال کیے ہیں۔ اس لیے ان کے ترجمے میں سلاست، روانی، فصاحت اور ابلاغ میں کمی آ گئی ہے

مفسر تراجم

قرآن مجید کے مفسر سرائیکی تراجم کی تعداد چار ہے۔ان میں سے دو غیر مطبوعہ جب کہ دو زیور طباعت سے آراستہ ہو چکے ہیں۔

مفسر تراجم کے حوالے سے مولانا غلام محمد چاچڑانی مرحوم ومغفور نے اولین کاوش کی۔آپ کی تفسیر کا نام ''تفسیر انالیقی بزبان سرائیکی'' ہے یہ بہت ہی ضخیم اور بسیط تفسیر ہے جو کہ سات سو اکانوے (791) صفحات پر مشتمل ہے۔

مصنف موصوف نے اسے مدینہ منورہ (سعودی عرب) میں مسجد نبوی اور روضہ رسولؐ کے سائے میں بیٹھ کر مکمل کیا۔یہ تفسیر تادم تحریر طباعت کی منتظر ہے۔

سرائیکی مفسر تراجم میں دوسری بڑی علمی کاوش مولانا محمد نظام الدین نظامی کی ہے۔آپ کی تفسیر ''ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی المعروف سوغات نظامی'' کے نام سے معنون ہے

فاضل مترجم اس تفسیر کو اپنی زندگی میں شائع نہ کرا سکے۔یہ قلمی نسخہ الگ الگ پاروں میں رقم کیا گیا ہے۔یہ تفسیر ابھی تک طبع نہیں ہو سکی۔

قرآن مجید کا تیسرا مفسر ترجمہ ڈاکٹر پروفیسر محمد صدیق شاکر کی تصنیف ہے جو ''تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر'' کے نام سے موسوم ہے۔یہ تفسیر سات جلدوں پر مشتمل ہے اور اسے قرآن مجید کی سات منزلوں کے اعتبار سے سات جلدوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

قرآن مجید کے مفسر سرائیکی تراجم میں علامہ محمد اعظم سعیدی دامت برکاتہم کی تفسیر ''فرید التفاسیر یعنی تفسیر سرائیکی'' ہے۔جو پہلے پارے پر مشتمل ہے۔

اس کا شمار جزوی تراجم میں ہوتا ہے۔اسے سرائیکی ادبی سنگت کراچی نے شائع کیا۔آئندہ صفحات میں ان تراجم کا تقابلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

تقابلی نظر

قرآن مجید کے مفسر سرائیکی تراجم میں مولانا نظام الدین نظامی کا ترجمہ تحت اللفظ ہے۔ جبکہ مولانا غلام محمد چاچڑانی علامہ محمد اعظم سعیدی اور ڈاکٹر پروفیسر صدیق شاکر کے تراجم با محاورہ ہیں۔ مولانا نظام الدین نظامی کا تحت اللفظ ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ (۲: البقرہ: ۷)

''مہر کر ڈتی اے اللہ تعالی اتے دلاں انہاں دے اتے اتے کناں انہاں دے''(116)

مندرجہ بالا ترجمے عربی لفظ کے بیچھے سرائیکی لفظ دے دیا گیا ہے۔ اس سے قاری کو تو آسانی میسر آئی مگر ساتھ ہی فصاحت اور روانی میں بھی کمی گئی۔ اس ترجمے کے مقابل مولانا غلام محمد چاچڑانی کا ترجمہ با محاورہ ہے اس میں سلاست بھی ہے اور روانی بھی مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (۱: الفاتحہ: ۴)

''اساں تیڈی عبادت کریندوں اتے تیں کوں مدد منگدوں''(117)

اسی حوالے سے ڈاکٹر محمد صدیق شاکر کا با محاورہ ترجمہ ملاحظہ ہو:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (۱: الفاتحہ: ۵)

''ساکوں سدھی راہ تے لا''(118)

مزید تقابل کے لئے علامہ اعظم سعیدی کا ترجمہ پیش خدمت ہے

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ (۲: البقرہ: ۲)

''اے او کتاب اے جیندے وچ کوئی شک کینھی''(119)

میری نظر میں ان تراجم میں سے سب سے زیادہ فصیح اور رواں ترجمہ ڈاکٹر محمد صدیق شاکر کا ہے اور یہ اس ترجمے کی انفرادیت ہے۔ آیئے اب مذکورہ تراجم میں ادبی چاشنی کے حوالے سے تقابلی موازنہ کرتے ہیں۔ مولانا محمد نظام الدین نظامی کے ترجمے میں مٹھاس اور ادبی چاشنی کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ (۲: البقرہ: ۱۰۸)

''کیا چاہندو تساں ایہ جو سوال کرو پیغمبر اپنے کوں''(120)

اس ترجمے میں عربی متن کی مکمل ترجمانی بھی موجود ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر پروفیسر صدیق شاکر کے ترجمے میں بھی ادبی چاشنی اپنی مثال آپ ہے مثلاً:

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ (۲: البقرہ: ۱۰۹)

''اتے لوک تیں کولوں پچھدن جو کتی خرچ کروں۔ آکھو جتی بچ پووے''(121)

اس ترجمے میں سلاست بھی ہے اور روانی بھی اور فصاحت بھی خوب ہے۔ اب علامہ محمد اعظم سعیدی کا یہ ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ (۲: البقرہ: ۱۸)

''اے بوڑے ہن، گنگے ہن، اندھے ہن ول اونہ ولسن'' (122)

اسی طرح مولانا غلام محمد چاچڑانی کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى (۲: البقرہ: ۷۳)

''اللہ سگیں اینویں موئے ہوئے جیندے کریندے'' (123)

اگر ان تمام مفسر تراجم کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ہر محترم مترجم نے اپنے طور پر بھرپور کوشش کی ہے کہ ترجمے میں ادبی چاشنی زیادہ سے زیادہ ہو اور اس میں کچھ مترجمین کو کامیابی بھی حاصل ہوئی ہے۔

میرے خیال میں سب سے زیادہ ادبی چاشنی ڈاکٹر پروفیسر صدیق شاکر کے ترجمے میں پائی جاتی ہے۔

قرآن مجید کے مفسر سرائیکی تراجم میں بعض مقامات پر غیر مانوس کلمات، اردو، فارسی اور عربی کے الفاظ بھی استعمال کیے گئے ہیں۔

مثال کے طور پر مولانا غلام محمد چاچڑانی مرحوم و مغفور نے متعدد مقامات پر عربی اور فارسی کے کلمات رقم کیے ہیں۔ جس سے ترجمہ قدرے مشکل ہو گیا ہے اور ترجمہ کا حسن بھی برقرار نہیں رہا۔ مثال کے طور پر درج ذیل اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (۲ البقرہ ۹۰)

''چا گھے وتی لماوے تے غضب اتے غضب لائق، اتے کافریں کیتے خواری دا عذاب ہے'' (124)

مندرجہ بالا ترجمے میں ''وتی، غضب لائق، خواری اور عذاب''، غیر سرائیکی کلمات ہیں۔ اگر ان کی بجائے سرائیکی الفاظ لائے جاتے تو زیادہ صائب ہوتا۔ اسی طرح مولانا نظام الدین نظامی نے بھی بعض مقامات پر عربی فارسی اور اردو کلمات کا سہارا لیا ہے:

ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ (۲: البقرہ: ۲۹)

''پھر قصد کیتا آسمان پیدا کرن دی طرف'' (125)

پھر اسی طرح علامہ اعظم سعیدی کے ترجمے میں بھی عربی اور فارسی الفاظ مرقوم ہیں۔ مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى (۲: البقرہ: ۵۷)

''اتے بھیجیا تہاڈے سانگے من وسلوی'' (126)

ان تراجم کے مقابل میں ڈاکٹر پروفیسر صدیق شاکر کا واحد مفسر ترجمہ ہے جس میں کم سے کم تشریحی کلمات استعمال کیے گئے ہیں۔

غیر مانوس کلمات کی بجائے سرائیکی زبان کے خالص الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ اس لیے آپ کا ترجمہ سادہ، رواں اور فصیح ہے جس سے عام قاری بھی استفادہ کر سکتا ہے۔

منظوم تراجم

قرآن مجید کے منثور سرائیکی تراجم کی طرح منظوم سرائیکی تراجم بھی اپنی مثال آپ ہیں۔ یہ سرائیکی دینی ادب کا گراں قدر سرمایہ ہیں۔ کسی بھی زبان کا ادب، جو نثر کم مگر شاعری زیادہ پڑھی جاتی ہے اس لیے یہ مقبول صنف ہے۔ اسی بات کے پیش نظر فاضل مترجمین نے اس قدیم صنف میں قرآن مجید کے عربی متن کو منظوم کیا ہے۔ اس سے قبل سرائیکی دینی ادب میں رسول کریمؐ کی سیرت طیبہ کے حوالے سے تولد نامہ، گھڑولی نامہ بارات نامے، درود نامے، تاج نامے، وصال نامے، طوطے نامے، جوگی نامہ ہد ہد نامہ اور نعتیہ ڈھولے اپنی صورت میں ملتے ہیں۔ اسی طرح سرائیکی دینی ادب میں حمد، مولود، نعت اور مرثیے بھی تخلیق ہوئے جو سرائیکی دینی ادب کا قیمتی اثاثہ ہیں۔

قرآن مجید کے منظوم سرائیکی تراجم کے حوالے سے پہلی مطبوعہ کاوش استاذ محمد رمضان طالبؔ کی ہے۔ یہ منظوم ترجمہ ''سوجھل سوچاں قرآنی آیتاں دا انگرایزی تے منظوم سرائیکی ترجمہ'' کے نام سے معنون ہے۔ یہ قرآن مجید کی انتالیس منتخب آیات کا انگریزی اور منظوم سرائیکی ترجمہ ہے۔ منظوم سرائیکی ترجمے کے نیچے سرائیکی میں تشریح بھی کی گئی ہے یہ ایک منفرد اور اولین ترجمہ ہے۔ استاذ محمد رمضان طالبؔ ہی کی دوسری کاوش ''سوجھل نعمتاں'' کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں قرآن مجید کی زینت سورہ الرحمٰن کے اردو اور انگریزی ترجمے کے علاوہ سرائیکی میں منظوم مفہوم تحریر کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اس منظوم مفہوم کے بعد سرائیکی میں اس کی وضاحت بھی رقم کی گئی ہے۔

قرآن مجید کے منظوم سرائیکی تراجم کے حوالے سے استاذ محمد رمضان طالبؔ کی تیسری کاوش ''رحمت دعا قرآنی دعائیں معہ اردو، انگریزی و منظوم سرائیکی ترجمہ'' ہے۔ اردو، انگریزی اور منظوم سرائیکی قرآنی ادب کے حوالے سے شاہکار کام تصنیف فرمایا ہے۔ منثری تراجم کے حوالے سے قرآن مجید کے آخری پارے کا ''سیپارہ ۳۰ عم'' کا سرائیکی ترجمہ رقم کیا۔ نثری تراجم کے حوالے سے آپ کی تین کاوشیں زیور طباعت سے آراستہ ہوئیں۔ ان میں ''قرآن مجید دیں آخری ڈاہ سورتیں دا ترجمہ تے تشریح'' ''قرآن پاک دیاں چاکھی آیتاں'' اور ''پندھراں سورۃ'' شامل ہیں۔ مگر آپ کا منظوم سرائیکی ترجمہ اپنی مثال آپ ہے۔

جناب غلام رضا سیورا بھی جرمنی میں مقیم ہیں۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کر رہے ہیں۔ آپ نے متعدد سورتوں کا سرائیکی منظوم ترجمہ رقم کیا ہے ان میں سورت الفاتحہ، العصر، القدر، الکوثر، اخلاص اور سورت الناس شامل ہیں۔ آپ مکمل قرآن مجید کا منظوم ترجمہ رقم کرنے کے خواہشمند ہیں۔

قرآن مجید کے منظوم تراجم کے حوالے سے سب سے بڑی کاوش عبدالوحاب عباسی کی ہے۔ وہ ''قرآن کریم مع ترجمہ منظوم سرائیکی'' کے عنوان سے قرآن مجید کا منظوم سرائیکی ترجمہ تصنیف فرما رہے ہیں۔ انھوں نے یہ پاکیزہ کام ۱۹۹۸ء میں شروع کیا جو تا حال جاری ہے۔ تادم تحریر آپ نے پہلے دس پارے مکمل کر لیے ہیں۔ آپ اس منظوم ترجمے کو دس دس پاروں کی تین جلدوں میں شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہ منظوم ترجمہ سرائیکی دینی ادب کا اثاثہ ہے۔

آئندہ صفحات میں قرآن مجید کے منظوم سرائیکی تراجم پر تقابلی نظر ڈالتے ہیں۔

تقابلی نظر

قرآن مجید کے منظوم سرائیکی تراجم انفرادیت کے حامل ہیں کیونکہ قرآن مجید کا منثور ترجمہ رقم کرنا قدرے آسان ہے جبکہ منظوم ترجمہ مشکل ترین کام ہے۔اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ مترجم شاعر کو ایک طرف تو قرآن مجید کے معانی ومطالب کا خیال رکھنا پڑتا ہے دوسری طرف شعری تقاضے پورے کرنے پڑتے ہیں اور ردیف اور قافیے کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ذیل میں منظوم تراجم کا تقابلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔مذکورہ تراجم میں ایک بات جو سب میں مشترک نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ تراجم کا کما حقہ،حق ادا نہیں ہوا۔شعری تقاضے پورے کرتے کرتے قرآن مجید کے عربی متن کی ترجمانی میں کمی رہ گئی ہے۔بایں ہمہ یہ تراجم عام فہم ہیں اور ان میں اثر انگیزی اور ادبی چاشنی بھی پائی جاتی ہے۔البتہ ان میں ابہام اور تتبع بھی پایا جاتا ہے۔سب سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے ترجمے پر تقابلی نظر ڈالتے ہیں۔عبدالوحاب عباسی کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

شروع اللہ دے ناں توں کریندااں ہاں جو آقا ہے   بہوں ہے مہربان جو کہ نہایت رحم والا ہے(127)

اس ترجمے میں اضافی کلمات مرقوم ہیں جیسے ''جو آقا ہے'' اگر انہیں نظر انداز کر دیں تو باقی ترجمہ چنگا ہے۔اب محمد رمضان طالب کا ترجمہ ملاحظہ ہو

نام ہیڈے توں شروع توں وڈا رحمان ہیں   تے رحیمی دے اندر بس آپ ای ذیشان ہیں(128)

زیر نظر ترجمہ،ترجمہ نہیں بلکہ مفہوم ہے۔اس شعر میں اللہ تعالیٰ کو ''توں'' سے خطاب کیا گیا ہے حالانکہ عربی متن میں ایسی کوئی بات نہیں اب غلام رضا سیورا بھٹی کے ترجمے پر تقابلی نظر ڈالتے ہیں:

اللہ دے ناں رحمٰن توں   تے رحیم توں ابتدا(129)

اس ترجمے میں شعری تقاضے تو پورے ہو گئے ہیں لیکن معنوی تقاضے پورے نہیں ہوئے کیونکہ ''رحمٰن'' اور ''رحیم'' کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔میرے خیال میں ان میں سے کوئی ترجمہ بھی صحت اور فصاحت کے معیار پر پورا نہیں اترتا۔

اب درج ذیل آیت مبارکہ کے ترجمے پر تقابلی نظر ڈالتے ہیں اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ

سب سے پہلے عبدالوحاب عباسی کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

کھٹے تعریف اللہ کوں فقط ٹھہندی کہ جو مولا   او مالک جہڑا پالن ہار ہے ایں سارے عالم دا(130)

اس ترجمے میں مترجم شاعر نے لفظ ''رب'' کے تین معانی رقم کیے ہیں۔''مولا''،''مالک'' اور ''پالن ہار'' ان تین کلمات کی قطعاً ضرورت نہ تھی۔ظاہر ہے کہ یہ شعری ضرورت کے تحت کیا گیا ہے۔اب محمد رمضان طالب کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

تعریف سب اللہ کیتے جو رب ہے ڈو جہان دا   شان اوندی ہے رحیمی رتبہ ہے رحمان دا (131)

مندرجہ بالا ترجمے میں معنوی سقم پایا جاتا ہے۔''عالمین'' کا ترجمہ ''ڈو جہان'' کیا گیا ہے جو درست نظر نہیں آتا۔اس کا ترجمہ ''ڈو جہان'' کی بجائے ''سب جہان'' ہوتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔اب ایک نظر غلام رضا کے ترجمے پر ڈالتے ہیں:

ساری تعریف اللہ کیتے   جو رب جہاناں دا ہے اوہو(132)

میری رائے میں سب سے بہتر ترجمہ غلام رضا سیورا بھٹی کا ہے۔مترجم ذی وقار کے ترجمے میں اثر انگیزی اور ادبی چاشنی بھی پائی جاتی ہے۔جبکہ محمد رمضان طالب کے ترجمے میں معنوی سقم کے ساتھ ساتھ عدم فصاحت بھی ہے۔بہر حال یہ ایک قابل قدر کام ہے اسے نظر انداز نہیں کیا سکتا۔قرآن مجید کا ترجمہ اور پھر نظم میں ایک بہت بڑا علمی و ادبی کارنامہ ہے۔خاص طور پر جبکہ فاضل مترجمین میں سے اکثر عربی نہیں جانتے لیکن ان کی یہ کاوش لائق صد تحسین ہے۔

اسالیب تراجم اور ان پر تحقیقی نظر

قرآن مجید اللہ کی کتاب اور اس کا کلام ہے۔ پوری دنیا میں جہاں جہاں مسلمان بستے ہیں قرآن ان کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہے۔ انھوں نے اپنی اپنی زبان میں قرآن مجید کے تراجم کیے ہیں۔ کم وبیش دنیا کی ایک سو چار زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں ان میں سے اکثر تراجم عربی متن کے ساتھ ہیں۔ کچھ ایسے تراجم ہیں جو متن کے بغیر کیے گئے ہیں جو تقریباً غیر مقبول ہیں کیونکہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ قرآن الفاظ و معانی کے مجموعے کا نام ہے صرف ترجمہ قرآن نہیں کہلا سکتا۔ اس لیے دنیا میں جہاں بھی عربی متن کے علاوہ قرآن مجید کے تراجم شائع ہوئے انھیں پذیرائی نہ ملی۔

چنانچہ اس وقت تک قرآن مجید کے جتنے تراجم ہوئے ہیں انھیں کم وبیش چار انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ وہ چار انداز تراجم کے اسلوب ہیں۔ بیشتر تراجم بین السطور ہیں۔ بین اسطور کا مطلب ہے ایک سطر میں عربی متن دوسری سطر میں اس کا ترجمہ، تیسری سطر عربی چوتھی سطر ترجمہ علی ھذا القیاس پورا قرآن مجید اسی انداز میں مدون ہوتا ہے۔ قرآن مجید کے ترجمے کا دوسرا اسلوب جو آجکل مقبول اسلوب ہے وہ ہے متقابل یعنی ایک ہی صفحے پر دائیں ہاتھ عربی متن ہوتا ہے اور بائیں ہاتھ ترجمہ درمیان میں خط کھینچ دیا جاتا ہے۔ ایک ہی نظر میں متن اور ترجمہ سامنے آجاتے ہیں۔ ترجمے کا تیسرا اسلوب متعاقب ہے یعنی ایک ہی صفحے پر پہلے عربی متن ہوتا ہے اس کے نیچے ترجمہ دیا ہوتا ہے جتنی آیات کا ترجمہ ایک صفحے پر مقصود ہوتا ہے وہ آیات پہلے دے دی جاتی ہیں۔ پھر اس کے نیچے ان کا ترجمہ دیا جاتا ہے۔ یوں پورا قرآن مجید آیات کے حصص اور اقساط کے ساتھ مترجم ہوتا ہے۔ ترجمے کا چوتھا اسلوب متصافح ہے۔ یہ وہ اسلوب ہے جسے بہت کم اختیار کیا گیا ہے۔ بعض پرانے اور قدیم تراجم میں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ ایک صفحے پر عربی متن ہوتا ہے اور دوسرے صفحے پر اس کا ترجمہ دیا جاتا ہے۔ جتنی آیات ایک صفحے پر آتی ہیں اگلے صفحے پر اس کا سرائیکی ترجمہ دے دیا جاتا ہے۔ اس میں مضمون اور آیات کی تکمیل کی کوئی قید نہیں ہوتی۔ آیت چاہے اگلے صفحے پر جا کر ختم ہو ترجمہ اس کے ساتھ چلتا رہتا ہے۔

مذکورہ صدر اسالیب تراجم میں سے ہر ایک کی کچھ خوبیاں اور کچھ خامیاں ہیں۔ ''بین السطور'' اسلوب میں سب سے زیادہ تراجم ہیں۔ اس اسلوب میں خوبی یہ ہے کہ قاری ایک نظر میں متن اور اس کے نیچے ترجمہ دیکھ اور پڑھ سکتا ہے۔ خاص طور پر جب ترجمہ تحت اللفظ ہو ہر لفظ کے نیچے اس کے معنی دیے گئے ہوں تو قاری کو معنی سمجھنے میں بڑی آسانی ہو جاتی ہے لغات یا مفردات کی کوئی کتاب دیکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اگر ترجمہ بامحاورہ ہو تحت اللفظ نہ ہو تو قاری کو مفہوم سمجھنے میں تو آسانی ہو جاتی ہے لیکن الفاظ کے معنی معلوم کرنے میں دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ قاری پابند ہوتا ہے کہ وہ آیت کے ساتھ ساتھ چلے جب تک آیت ختم نہیں ہوتی مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ ترجمے کا دوسرا اسلوب ''متقابل'' ہے یہ آج کل کا بڑا مقبول اسلوب ہے اس میں ایک طرح کا حسن بھی موجود ہے اور جدت بھی نظر آتی ہے۔ قاری کو یہاں پڑھنے اور مفہوم کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے وہاں ایک ایک لفظ کے الگ الگ معانی معلوم کرنے میں بھی دشواری کا سامنا ہوتا ہے۔ بین السطور تراجم کی طرح اس میں گھٹن نہیں ہوتی قاری ایک طرح کی کشادگی محسوس کرتا ہے۔ پڑھتے ہوئے اکتاتا نہیں۔

تراجم کا تیسرا مروجہ اسلوب ''متعاقب'' ہے اس میں بھی ایک طرح کا حسن ہے کہ اوپر متن ہوتا ہے اور نیچے ترجمہ دیا ہوتا ہے بین السطور اور متعاقب میں فرق یہ ہے کہ اول الذکر میں ہر سطر کا الگ الگ ترجمہ ہوتا ہے جبکہ موخر الذکر میں کئی سطروں کا اکٹھا ترجمہ دیا جاتا ہے۔ اس میں مفہوم سمجھنے میں دقت نہیں ہوتی البتہ الفاظ کے معانی میں دقت ہوتی ہے۔ چوتھا اسلوب ''متصافح'' ہے یہ غیر مقبول اسلوب ہے اسے بہت کم لوگوں نے اپنایا ہے اور ابتدائی تراجم میں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔

بین السطور

قرآن مجید کے موجود اٹھارہ سرائیکی تراجم میں سے بارہ تراجم بین السطور ہیں۔ان میں مولوی احمد بخش کا "پارہ الٓم مترجم ملتانی"، مولانا عبدالتواب ملتانی کا "عـم یتسـاء لون اور الٓم دا ترجمہ ملتانی زبان وچ"، مولانا حفیظ الرحمن کا "قرآن مجید مترجم بزبان ریاستی"، پروفیسر دلشاد کلانچوی کا "سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف"، مولانا غلام محمد چاچڑانی کی "تفسیر اتالیقی بزبان سرائیکی"، مولانا نظام الدین نظامی کی "ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی المعروف سوغات نظامی"، مفتی عبدالقادر سعیدی کا ترجمہ "المرجان"، استاذ محمد رمضان طالب کا "پندھراں ں سورت"، "سیپارہ عم"، "قرآن پاک دیاں چالھی آیتاں"، حافظ مختار احمد شاھد عباسی کا "پارھاں سورتاں سرائیکی ترجمے نال"، غلام رضا سیورا ابجی کا "منظوم ترجمہ"، عبدالوھاب عباسی کا "قرآن کریم مع ترجمہ منظوم سرائیکی" اور ملک ریاض شاھد کا "نورالایمان" شامل ہیں۔

سرائیکی تراجم میں پہلا بین السطور ترجمہ جسے شرف اولیت بھی حاصل ہے۔مولوی احمد بخش کا ہے جو "پارہ الٓم مترجم ملتانی" کے نام سے معنون ہے۔اس کی طباعت سیاہ رنگ کے ساتھ کی گئی ہے اور سائز مروجہ قرآن مجید جیسا ہے۔یہ چوکھٹے نما حاشیے میں تحریر کیا گیا ہے۔پہلے ایک سطر میں قرآن مجید کا عربی متن جلی حروف میں دیا گیا ہے پھر ایک لائن ہے اور لائن کے نیچے قدرے چھوٹے اور باریک الفاظ میں سرائیکی ترجمہ مرقوم ہے۔پھر لائن ہے اور پھر عربی متن علی حذ القیاس۔

دوسرا بین السطور ترجمہ "عـم یتسـاء لون" اور " الٓم دا ترجمہ ملتانی زبان وچ" مولانا عبدالتواب ملتانی کی تصنیف ہے۔یہ ترجمہ بھی سیاہ رنگ میں طبع کیا گیا ہے۔عربی متن جلی حروف میں مرقوم ہے اس کے بعد ایک لائن کھینچی گئی ہے۔اس کے نیچے سرائیکی ترجمہ باریک الفاظ میں رقم ہے پھر ایک لائن اور اس کے نیچے شاہ رفیع الدین رحمتہ اللہ علیہ کا اردو ترجمہ تحریر ہے چاروں طرف حاشیہ بھی ہے۔قرآن مجید کے سرائیکی تراجم میں تیسرا بین السطور ترجمہ مولانا حفیظ الرحمن مرحوم ومغفور کا ہے۔یہ سیاہ حاشیے کے ساتھ مزین ہے۔عربی متن جلی حروف میں اس کے نیچے ایک لائن پھر قدرے باریک سرائیکی ترجمہ دیا گیا ہے۔اس کی طباعت بھی سیاہ رنگ میں ہے اور اس کا سائز مروجہ قرآن مجید کی طرح ہے۔

اسی تسلسل میں "سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف بھی آتا ہے جو پروفیسر دلشاد کلانچوی کی تصنیف ہے۔اس کا سائز مروجہ قرآن مجید کے سائز سے تھوڑا سا بڑا ہے۔اس کی طباعت بھی سیاہ رنگ میں ہے۔اس بین السطور ترجمے میں عربی متن جلی حروف میں ہے اور سرائیکی ترجمہ معتدل تحریر میں دیا گیا ہے۔عربی اور اردو ترجمے کے دوران لائن بھی ہے۔ مولانا غلام محمد چاچڑانی کا ترجمہ قلمی مخطوطہ ہے جو مصنف موصوف کے قلم سے لکھا گیا ہے۔یہ بین السطور ترجمہ ہے۔سیاہ روشنائی سے رقم کیا گیا ہے۔چاروں طرف دو لائنوں کے ساتھ حاشیہ ہے قرآن مجید کا عربی متن باریک تحریر میں ہے اور سرائیکی ترجمہ اس سے بھی باریک ہے۔عربی متن اور سرائیکی ترجمے کے درمیان دو دو لائنیں کھینچی گئی ہیں۔

مولانا نظام الدین نظامی رحمتہ اللہ علیہ کا ترجمہ وتفسیر "ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی المعروف سوغات نظامی" بھی بین السطور ترجمہ ہے۔اسے فاضل مترجم نے اپنے قلم سے تحریر کیا ہے۔اس قلمی نسخے میں قرآن مجید کا متن جلی حروف میں ہے جبکہ سرائیکی ترجمہ معتدل تحریر میں دیا گیا ہے۔عربی متن اور سرائیکی ترجمے کوئی لائن نہیں ہے۔مفتی عبدالقادر سیعدی دامت برکاتہم نے "المرجان" کے نام سے قرآن مجید کا سرائیکی ترجمہ میں اپنے قلم سے تحریر کیا ہے۔اس بین السطور ترجمے میں عربی متن جلی حروف میں رقم کیا گیا ہے جبکہ سرائیکی ترجمہ بہت ہی باریک تحریر میں ہے۔اس ترجمے کا سائز مروجہ قرآن مجید جیسا ہے۔

استاذ محمد رمضان طالب نے "پندھراں سورت" کے عنوان سے بین السطور سرائیکی ترجمہ تصنیف کیا ہے۔ حاشیہ خوبصورت ہے اور یہ ترجمہ عام کتاب سائز میں ہے۔ اس میں عربی متن جلی حروف میں ہے اور سرائیکی ترجمہ باریک تحریر میں ہے۔ اس ترجمے کی کتابت مترجم نے اپنے قلم سے کی ہے۔ حافظ مختار احمد شاھد عباسی کا ترجمہ بھی بین السطور ہے۔ قرآن مجید کا متن جلی حروف میں ہے اور سرائیکی ترجمہ باریک تحریر میں ہے۔ اس ترجمے کی کتابت مترجم نے اپنے قلم سے کی ہے۔ حافظ مختار احمد شاھد عباسی کا ترجمہ بھی بین السطور ہے۔ قرآن مجید کا عربی جلی حروف میں ہے اور سرائیکی ترجمہ باریک تحریر میں ہے۔ عربی متن اور سرائیکی ترجمے میں کوئی لائن نہیں کھینچی گئی۔ یہ ترجمہ فاضل مترجم کے قلم سے لکھا ہو مخطوطہ ہے۔

عبدالوھاب عباسی کا منظوم ترجمہ بین السطور ہے اوپر قرآن مجید کا عربی متن جلی حروف میں دیا گیا ہے اور منظوم سرائیکی ترجمہ قدرے باریک تحریر میں ہے۔ اس ترجمے کا سائز مروجہ قرآن مجید کے سائز کے مطابق ہے۔ عربی متن مستطیل چوکھٹے میں ہے اور اسے سیاہ روشنائی سے تحریر کیا گیا ہے۔ غلام رضا سیورا کا منظوم ترجمہ بھی بین السطور ہے عربی متن اور سرائیکی ترجمے کے درمیان کوئی لکیر نہیں ہے۔ ملک ریاض شاھد کا سرائیکی ترجمہ "نورالایمان" مصنف موصوف کے قلم سے مرقوم ہے۔ خوبصورت کتابت کے ساتھ عربی متن جلی حروف میں ہے اور سرائیکی ترجمہ قدرے معتدل تحریر میں ہے۔ اس ترجمے کی زمین انگوری رنگ میں ہے اور اس کا سائز چھتیس انچ لمبا اور تیئس انچ چوڑا ہے۔

ذیل میں ان بین السطور تراجم کی چند امثال ملاحظہ فرمائیے:

یہ مثال مولوی احمد بخش رحمتہ اللہ علیہ کے بین السطور ترجمہ میں سے لی گئی ہے:

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۲: البقرہ: ۴۲)

اتیں نہ رلاؤ سچ کوں کوڑ نال اتیں نہ چھپاؤ سچ کوں جانڑ بجھ کر ہیں۔ (133)

اسی طرح مولانا عبدالتواب مرحوم ومغفور کا ترجمہ دیکھیے اس ترجمے میں قرآن مجید کے عربی متن کے نیچے سرائیکی ترجمہ ہے اور پھر اس کے نیچے شاہ رفیع الدین رحمتہ اللہ علیہ کا اردو ترجمہ ہے ملاحظہ فرمائیے:

فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ (۸۸: الغاشیہ: ۲۴)

پس عذاب کریسی اونکوں اللہ عذاب ہوں وڈا

پس عذاب کرے گا اس کو اللہ عذاب بڑا (134)

بین السطور تراجم میں مولانا محمد حفیظ الرحمن حفیظ رحمتہ اللہ علیہ کا اسلوب منفرد ہے یہ تحت اللفظ ترجمہ ہے درج ذیل آیات کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ (۸۹: الفجر: ۱تا۳)

قسم ہے فجر دی اتے راتیں ڈاہ دی اتے جفت دی اتے طاق دی (135)

اب مفتی عبدالقادر سعیدی دامت برکاتھم کا بین السطور ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ (۲: البقرہ: ۳۰)

تے اساں تاں تیڈی تسبیح بیان کریندوں تیڈی حمد تے تیڈی پاکی بیان کریندوں (136)

آیاتھا ۷ | سُورَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ | رکوعھا ۱

سورۃ فاتحہ مکے وچ نازل ہوئی ایہدے ست آیتاں ہک رکوع ہن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع نال ناں اللہ تعالیٰ دے (جیہڑا) وڈا مہربان اتے نہایت رحم والا ہے ◆

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ① الرَّحْمٰنِ

سب تعریف واسطے اللہ تعالیٰ دے ہے جو پالن والا ہے سارے جہان دا ◆ وڈا مہربان

الرَّحِيْمِ ② مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ③

نہایت رحم والا ہے ◆ مالک ہے ڈینہہ جزا دا ◆

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ④

صرف تیڈی عبادت کریندے ہیں اتے صرف تیں کنوں مدد منگدے ہیں اساں ◆

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ⑤ صِرَاطَ

ڈکھا اساکوں رستہ سدھا ◆ رستہ

الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ

انہاں لوکاں دا انعام کیتے ہن تیں اتے جنہاں دے ◆ نہ رستہ انہاں دا

الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ⑦

غضب تھیا جنہاں تے اتے نہ گمراہاں دا ◆

بین السطور ترجمے کا نمونہ از مولانا حفیظ الرحمٰن حفیظ

متقابل

قرآن مجید کا پہلا متقابل ترجمہ مولانا نور احمد ابن شمس الدین سیال کی تصنیف ہے جو تین الگ الگ پاروں پر مشتمل ہے۔ اس کے پہلے دو پارے تھیسز سائز میں ہیں جبکہ تیسرا پارہ عام کتابی سائز میں ہے۔ پہلے دو پاروں میں ترجمہ خوبصورت حاشیے کے ساتھ مزین ہے جو سبز رنگ کے ساتھ ہے۔ اس درمیان میں قرآن مجید کا عربی متن سبز رنگ کی زمین پر رقم کیا گیا ہے۔

متن کے دائیں طرف ڈاکٹر محمد اشرف فاضلی کا اردو ترجمہ دیا گیا ہے جبکہ بائیں طرف سرائیکی ترجمہ رقم ہے۔ تیسرا پارہ سبز رنگ کے خوبصورت حاشیے کے ساتھ مزین ہے جو سبز رنگ کے ساتھ ہے۔ پیلی زمین پر دائیں طرف قرآن مجید کا عربی متن اور بالکل سامنے سرائیکی ترجمہ دیا گیا ہے۔

قرآن مجید کا دوسرا متقابل ترجمہ ڈاکٹر مہر عبدالحق کی تصنیف ہے جو تھیسز سائز میں ہے۔ اس کی طباعت سیاہ رنگ میں ہے۔ ہر صفحے پر خوبصورت حاشیہ ہے۔ دائیں طرف عربی متن جلی حروف میں دیا گیا ہے اور متن کے بالکل سامنے موٹے حروف میں سرائیکی ترجمہ رقم کیا گیا ہے۔ عربی متن اور سرائیکی ترجمے کے دوران ایک لکیر کھینچی گئی ہے۔

تیسرا متقابل ترجمہ خان محمد لسکانی اور رفیق احمد نعیم لسکانی کی تصنیف ہے۔ اس کی طباعت سیاہ رنگ میں ہے۔ ہر صفحے کے اوپر دو سیاہ لکیریں ہیں۔ یہ ترجمہ عام کتابی سائز میں ہے۔ ہر صفحے کے دائیں طرف معتدل حروف کے ساتھ عربی متن ہے اور متن کے مقابل سرائیکی ترجمہ موٹے حروف میں رقم کیا گیا ہے۔ عربی متن اور سرائیکی ترجمے کے درمیان کوئی لکیر نہیں ہے۔ ان متقابل تراجم کی امثال ملاحظہ فرمائیے۔ سب سے پہلے مولانا نور احمد سیال کا درج ذیل آیت کا ترجمہ قابل ملاحظہ ہوا اس ترجمے میں درمیان میں عربی متن ہے دائیں طرف اردو ترجمہ اور بائیں طرف سرائیکی ترجمہ مرقوم ہے۔

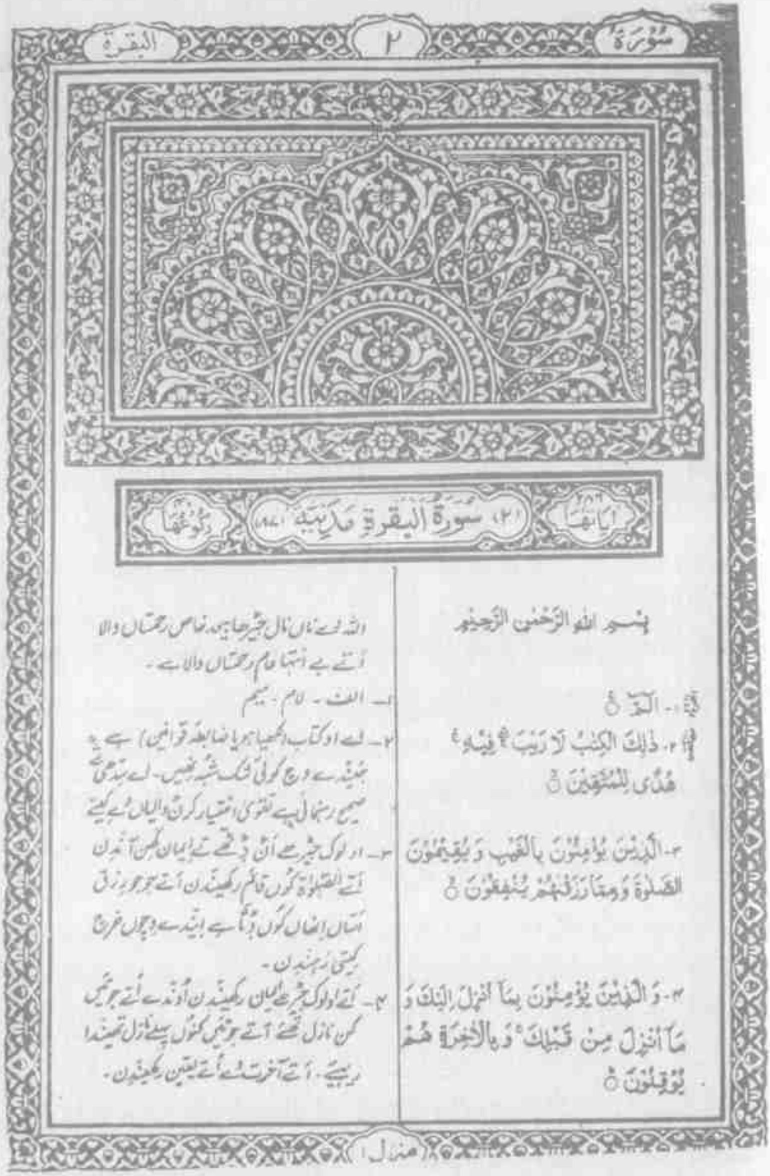
بے شک جو لوگ کافر ہوئے	إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا	بے شک جیڑھے لوک کافر
اور کافر ہی مر گئے، ان پر	هُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ	تھی گئے تے موئے ئی کافر
اللہ کی لعنت ہے اور سب	لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ	انھاں تے اللہ سئیں دی
ملائک اور انسانوں کی لعنت ہے	أَجْمَعِينَ (۲: البقرہ : (161)	لعنت اتے بھلا ئکہ دی
		اتے انساناں دی کٹھی (137)

اب ڈاکٹر مہر عبدالحق مرحوم و مغفور کے متقابل ترجمے کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

۱۔ لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ	۱۔ قسم کھانداہاں قیامت دے ڈینہہ دی
۲۔ وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (۷۵: القیمۃ ۲ا۱)	۲۔ اتے قسم کھانداہاں میں (برے کماں تے) ملامت کرن والے نفس دی۔ (138)

مندرجہ بالا آیت کا ترجمہ خان محمد لسکانی اور رفیق احمد نعیم لسکانی نے کچھ اس طرح سے رقم کیا ہے ان کا کیا ہوا ترجمہ ملاحظہ ہو:

لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ	میں قیامت دے ڈینہہ کوں گواہ بنیداں
وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ	تے ملامت کرن والے نفس کوں وی گواہ بنیداں (139)



سُوْرَۃ ۲ البقرۃ

آیاتہا ۲۸۶ (۲) سورۃ البقرۃ مدنیۃ (۸۷) رکوعہا ۴۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

۱۔ الٓمّٓ ۚ

۲۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ

۳۔ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ

۴۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۙ

اللہ دے ناں نال جیہڑا بہوں خاص رحمتاں والا اَتے بے انتہا عام رحمتاں والا ہے۔

۱۔ الف۔ لام۔ میم

۲۔ اے او کتاب (لکھیا ہویا ضابطہ قوانین) ہے جیندے وچ کوئی شک شبہ نئیں۔ اے بندیاں کوں صحیح رہنمائی ہے تقویٰ اختیار کرن والیاں دے کیتے

۳۔ او لوک جیہڑے اَن ڈٹھے تے ایمان گھن آندن اَتے الصلوٰۃ کوں قائم رکھیندن اَتے جو جو رزق اساں انہاں کوں ڈتا ہے ایندے وچوں خرچ کریندے رہندن۔

۴۔ اَتے او لوک جیہڑے ایمان رکھیندن اوندے اُتے جو تیں کوں نازل تھئے اَتے جو تیں کنوں پہلے نازل تھیندا رہیے۔ اَتے آخرت دے اُتے یقین رکھیندن۔

منزل ۱

مقابل ترجمے کا نمونہ از ڈاکٹر مہر عبدالحق

متعاقب

قرآن مجید کے سرائیکی تراجم میں متعاقب تراجم کی تعداد تین ہے۔ اس سلسلے میں پہلی کاوش محمد رمضان طالب کی ہے۔ یہ ترجمہ "قرآن پاک وین آخری ڈاہ سورتیں دا ترجمہ تے تشریح" کے عنوان سے طبع کیا گیا ہے۔ یہ عام کتابی سائز میں ہے۔ ترجمہ کے چاروں طرف خوبصورت چوکھٹا حاشیہ ہے۔ عربی متن موٹے حروف میں ہے اور اس کے نیچے سرائیکی ترجمہ معتدل تحریر میں ہے۔ متعاقب تراجم میں دوسری کاوش محمد اعظم سعیدی کی ہے۔ ہر صفحے پر چند آیات کا عربی متن دیا گیا ہے جو جلی حروف میں ہے۔ نیچے سرائیکی ترجمہ رقم کیا گیا ہے۔ کسی صفحے پر آیات کم اور کسی پر زیادہ ہیں۔ آیات میں مضمون کا خیال نہیں رکھا گیا۔ صفحے کے چاروں طرف خوبصورت حاشیہ ہے۔ یہ ترجمہ غیر مربوط طریق کار کے تحت رقم کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر پروفیسر صدیق شاکر نے بھی متعاقب ترجمہ تصنیف کیا ہے۔ ہر صفحے پر مضمون کے مطابق آیات دی گئی ہیں۔ کسی صفحے پر کم اور کسی پر زیادہ آیات ہیں۔ قرآن مجید کا عربی متن جلی حروف میں دیا گیا ہے متن کی ہر سطر کے بعد ایک لکیر ہے۔ یہ ترجمہ ایک مربوط طریقے کے تحت ضبط کیا گیا ہے۔ جبکہ اعظم سعیدی کے ترجمے میں ایسا نہیں ہے۔

ڈاکٹر صدیق شاکر کا ترجمہ خوبصورت حاشیے کے ساتھ مزین ہے۔ اور اسکی خاص بات یہ ہے کہ ہر صفحے پر مضمون آیات کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ آیئے اب متعاقب تراجم کی امثال دیکھتے ہیں۔ استاذ محمد رمضان طالب متعاقب ترجمہ یوں ضبط فرماتے ہیں:

قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ (۲) اَللّٰهُ الصَّمَدُ (۲) لَمْ يَلِدْوَلَمْ يُوْلَدْ (۳) وَلَمْ يَكُن لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (۴) (۱۱۲ : الاخلاص :)

آکھو اللہ ہک ہے اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اوندی کوئی اولاد ہے تے نہ او کہیں دی اولاد ہے۔ تے اوندا کوئی ہم جنس کائے نہیں۔ (140)

علامہ محمد اعظم سعیدی کے متعاقب ترجمے کی مثال ملاحظہ ہو:

يَا اَيُّهَاالنَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (۲۱) الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ
الْاَرْضَ فِرَاشاً وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقاً لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ
اَنْدَادً وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۲۲) (۲ : البقره : ۲۱، ۲۲)

اے لوکو عبادت کرو اپنے رب دی جیں پیدا کیتے تہاکوں اتے انہاں کوں جیڑھے تساں کنوں پہلے ہن تاں جو تساں پرہیزگار تھی ونجو۔ او جیں بنائے تہاڈے سانگے زمین کوں فرش اتے آسمان کوں عمارت "چھت" اتے وسائے آسمان کنوں پانی ول جمائے ہن اوں کنوں میوے کھاجا تہاڈا اول نہ بناؤ "کہیں کوں" اللہ دا جوڑا تے تساں جاندے او۔ (141)

انہی آیات کا ترجمہ ڈاکٹر محمد صدیق شاکر کے متعاقب ترجمے میں دیکھیئے انمیں عربی متن کے نیچے لکیر کھینچی گئی ہے:

يَا اَيُّهَاالنَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (۲۱) الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ
الْاَرْضَ فِرَاشاً وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقاً لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ
اَنْدَادً وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۲۲) (۲ : البقره : ۲۱، ۲۲)

لوکو! اپنے پالنہار دی عبادت کرو۔ جیں تہاکوں پیدا کیتے۔ اتے تہاڈے کولوں پہلے لوکاں کوں پیدا کیتے جو تساں بھیڑے کماں کولوں بچو (۲۱) ہوں اللہ نیں تہاڈے کیتے زمین کوں فرش تے آسمان کوں چھت بنائے۔ اتے اوں اسماناں توں پانی وسائے۔ جیندے نال تہاڈے کھاونڑ کیتے پھل جمائن۔ بس تساں اللہ دے ساویں کہیں کوں نہ سمجھائے تے تساں سبھ کجھ جاندے وے۔ (۲۲)(142)

اٰیاتها ٢٨٦ (٢) سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ (٨٧) رکوعاتها

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمٓ ۝١ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝٢ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ
بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝٣ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ
بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝٤
اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝٥ اِنَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝٦ خَتَمَ
اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۗ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۙ وَّلَهُمْ
عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝٧ ع

گال آلی ایہ سورت مدنی ہے۔ ایندے وچ ڈو سو چھیاسی آیتاں تے چالھی رکوع ہن۔

......﴿شروع اللہ دے ناں نال جیڑھا بہوں مہربان تے ڈاڈھا رحم کرݨ آلا ہے﴾......

ا۔ل۔م۔ (انج انج حرف ہن) ﴿۱﴾ ایں کتاب وچ کوئی شک نی۔ (اللہ کنوں) ڈرݨ آلیاں کیتے ہدایت ہے۔ ﴿۲﴾ جیڑھے اݨ ڈٹھی حقیقتاں تے ایمان رکھیندن۔ اتے نماز چیٹ نال پڑھدن تے اساں انہاں کوں جیڑھا کجھ ڈتے اوندے وچوں خرچ کریندن۔ ﴿۳﴾ اتے جیڑھے لوک ایمان رکھیندن جو کجھ تہاڈے اتے لتھے اتے جو کجھ تہاڈے کولوں پہلے لہایا گئے۔ اتے آخرت تے وی یقین رکھیندن۔ ﴿۴﴾ ایہے لوک اپنے مالک دے آکھے وچ ہن۔ اتے ایہے لوک توڑ چڑھݨ آلے ہن۔ ﴿۵﴾ پکی گالھ ہے۔ جیڑھے لوک ان من (کافر) ہن۔ انہاں کوں تساں (اللہ دی پکڑ کنوں) ڈراؤ یا نہ ڈراؤ او اصلوں ایمان نہ آہسن۔ ﴿۶﴾ اللہ سگیں انہاں دے دلاں تے ٹھپہ لا ڈتے۔ اتے انہاں دے سݨݨ تے وی اتے انہاں دی دیداں تے پردہ ہے۔ اتے انہاں کیتے وڈا عذاب ہے ﴿۷﴾

متعاقب ترجمے کا نمونہ از ڈاکٹر محمد صدیق شاکر

متصاحف

ترجمے کا ایک اسلوب متصاحف ہے۔ اس میں ایک صفحے پر عربی متن ہوتا ہے اور دوسرے صفحے پر اس کا ترجمہ دیا جاتا ہے۔ جتنی آیات ایک صفحے پر آتی ہیں۔ اگلے صفحے پر اس کا سرائیکی ترجمہ دے دیا جاتا ہے۔ اس میں مضمون اور آیات کی تکمیل کی کوئی قید نہیں ہوتی۔ آیت چاہے اگلے صفحے پر جا کر ختم ہو ترجمہ اس کے ساتھ چلتا رہتا ہے۔

قرآن مجید کے سرائیکی تراجم میں متصاحف ترجمے کی واحد مثال مولانا محمد خیر الدین صابر ملتانی کا ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ "پارہ اول مترجم بامحاورہ بزبان ملتانی" کے نام سے موسوم ہے۔

اس ترجمے میں دائیں صفحے پر قرآن مجید کا عربی متن جلی حروف میں دیا گیا ہے۔ اور بائیں صفحے پر سرائیکی ترجمہ جلی حروف میں ہے۔ جفت صفحات پر قرآن مجید کا عربی متن دیا گیا ہے اور طاق صفحات پر سرائیکی ترجمہ ہے۔

ابتدائی صفحات میں سے صفحہ نمبر دو اور چار میں قرآن مجید کا عربی متن مسطور ہے۔ ہر سطر کے درمیان لکیر کھینچی گئی ہے جبکہ باقی صفحات میں ایسا نہیں ہے۔ ہر صفحہ خوبصورت حاشیے سے مزین ہے۔ تراجم کے اس اسلوب میں صرف ایک ترجمے کا سراغ ملا ہے۔

سرورق کے بعد اولین دو صفحات مسطر ہیں آئندہ دو صفحات مسطر اور حاشیے سے مزین ہیں۔ دوسرا صفحہ پر سورۃ الفاتحہ کا پورا متن ہے۔ تیسرے صفحے پر اس کا ترجمہ ہے جو غیر مسطر ہے۔ چوتھا صفحہ سورۃ البقرہ کا آغاز ہے اسے بھی بین السطور لکیروں اور حاشیے سے آراستہ کیا گیا ہے۔ اس کے بعد کے صفحات میں اس طرح کی کوئی بات نہیں ملتی۔ سب سادہ ہے البتہ متن اور ترجمہ دونوں جلی حروف میں ہیں واضح ہیں۔ پڑھنے میں بہت بے حد آسانی ہوتی ہے۔ مبتدی قاری بھی اسے بغیر وقت کے پڑھ سکتا ہے۔

یہ انداز اس لحاظ سے خوب ہے اس میں آسانی ہی آسانی ہے۔ اگر قاری عربی متن پڑھنے کی استعداد نہ رکھتا ہو تو وہ پورا پارہ ایک ہی نشست میں پڑھ سکتا ہے اور مفہوم و مطالب سے آگاہ ہو سکتا ہے۔ خاص طور پر جبکہ ترجمہ بامحاورہ ہو اور اس میں روانی اور سلاست ہو تو قاری کو ایک آسانی ملے گی اور دوسری طرف اسکی دلچسپی بڑھے گی۔ یہ بہت بڑا حسن ہے جو ترجمے کے انداز اسلوب میں پنہاں ہے لیکن مقام حیرت ہے اس اسلوب کو رواج نہیں مل سکا۔ مولانا صابر ملتانی اس اسلوب کے خالق تھے ان کے ساتھ ہی یہ اسلوب تمام ہو گیا۔ اس لیے اس اسلوب میں وہی اول وہی آخر ہیں۔

اس اسلوب ترجمہ میں ایک دو خامیاں بھی ہیں غالباً اسی وجہ سے وہ مقبول نہیں ہوا۔ اس کی سب سے بڑی خامی تو یہ ہے کہ عربی متن میں موجود کلمات کے معانی معلوم کرنا دشوار ہے۔ قاری کے لیے یہ ناممکن ہے کہ وہ ایک ایک لفظ کے معانی اس ترجمے سے اخذ کر سکے۔

دوسری خامی یہ ہے کہ اس میں پیراگرافنگ نہیں ہے بس ایک طرف سے پارے کا ترجمہ شروع ہوتا ہے دوسری طرف پارے کے ختم ہونے پر اس کا ترجمہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ مفہوم اور تعبیرات کو پیش نظر رکھ کر الگ الگ پیرے نہیں بنائے گئے۔ اگر پیراگرافنگ ہوتی تو ترجمے کا حسن بڑھ جاتا۔ بہر حال اس بات کا اہتمام کیا گیا ہے کہ ایک صفحے کا ترجمہ دوسرے پر نہ جائے۔ مثال کے طور پر یہ ترجمہ ملاحظہ ہو۔ (143)

رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا
حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَسَنَزِيْدُ
الْمُحْسِنِيْنَ ۝ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا
قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا
كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى
لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ
الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ
عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ
كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا
فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ وَاِذْ قُلْتُمْ

اتے دروازے کنوں سجدہ کریندے ہوئیں داخل تھیوو اتے حِطّۃ دا
لفظ آکھدے رہو تاں اساں تُساڈے گناہ بخش ڈیسوں اتے جنہاں ساڈا
حکم اچھی طرح منیا ہاں اساں اُنہاں کوں زیادہ ثواب ڈیسوں ۞ پس جو
لوک اُونہاں وچوں شریر ہن اُوں دُعا استغفار کوں جیڑھی اساں اُنہاں
کوں ڈسائی ہائی اونکوں بدلا کے کجھ بیا وا بیا آکھن لگ گئے تاں اساں
اُونہاں بدمعاشاں اُتے اونہاندی بیفرمانی دی سزا اوچا آسمان کنوں عذاب
نازل کیتا ۞ اتے او قصہ وی یاد کرو جیڑھے ویلے مُوسیٰ علیہ السّلام
نے آپنی قوم دے واسطے پانی دی درخواست کیتی تاں اساں
فرمایا جو اے مُوسیٰ آپنی سوٹی پتھر تے مارو اوں سوٹی دا
مارن ہا جو اُوں پتھر کنوں پانی دے بارہ چشمے وہیے نکلے جنہاں
لوکاں نے آپو آپنا پتن پانی دا معلوم کر گھدا اتے حکم عام تھی گیا جو
اللہ سائیں دی روزی ڈتی ہوئی کھاؤ اتے پیوو مگر ملک وچ فساد نہ گھتّا کرو ۞
اتے او ویلا وی یاد کرو جیڑھے ویلے مُوسیٰ علیہ السّلام کوں تُساں آکھیا

مصالح ترجمے کا واحد نمونہ از مولانا خیر الدین صابر ملتانی

انواع تراجم اور ان پر تحقیق نظر

دنیا کی دیگر زبانوں کی طرح قرآن مجید کے سرائیکی تراجم بھی مختلف الانواع ہیں۔ کچھ تراجم ایسے ہیں جو تحت اللفظ ہیں۔ یا ایسے تراجم ہیں جن میں پہلے متن ہوتا ہے۔ پھر متن کی ہر سطر کے نیچے اس کا ترجمہ ہوتا ہے۔ ترجمہ کرتے وقت اس بات کا التزام کیا جاتا ہے کہ متن کے ہر لفظ کا ترجمہ اس کے عین نیچے آئے۔ ایسے تراجم قرآن مجید کے اولین تراجم میں آتے ہیں۔ پرانے اور قدیم تراجم اسی نوع سے مشرف ہیں۔ تراجم کی دوسری صورت بامحاورہ ہے۔ بامحاورہ ایسے تراجم کو کہتے ہیں جن میں عربی متن کے الفاظ کی پابندی نہیں کی جاتی بلکہ تمام تر توجہ مفہوم کی طرف دی جاتی ہے۔

عربی زبان کا اپنا ایک مزاج ہے۔ اس کے جملوں کی بندش مخصوص ہے۔ سرائیکی زبان عربی سے مختلف مزاج رکھتی ہے اس لیے وہ تراجم جو بامحاورہ کیے گئے ہیں ان میں الفاظ کی ترتیب وہ نہیں رہتی جو عربی متن کی ہوتی ہے۔ لفظی اور بامحاورہ ترجمے میں فرق یہ ہے کہ تحت اللفظ ترجمے میں قاری کو ایک ایک لفظ کے معنی آسانی سے اور ایک ہی نظر میں معلوم ہو جاتے ہیں البتہ اسے مفہوم اور عمومی معانی سمجھنے میں دقت ہوتی ہے۔ اس کے برعکس بامحاورہ ترجمے میں مفردات کے معانی معلوم کرنے میں مشکل پیش آتی ہے لیکن مفہوم سمجھنے میں بے حد آسانی ہو جاتی ہے۔

تحت اللفظ اور بامحاورہ ترجمے کے بین بین دو اور نوعیت کے تراجم بھی ملتے ہیں جنھیں ہم لفظی اور نیم بامحاورہ کہہ سکتے ہیں۔ لفظی وہ تراجم ہیں جو ہیں تو تحت اللفظ تراجم لیکن متن کے ہر لفظ کے نیچے اس کا ترجمہ نہیں ملتا۔ لفظ کہیں ہوتا ہے اس کا ترجمہ کہیں اور ملتا ہے۔ یعنی ایک بے قید تحت اللفظ ترجمہ ہے۔ اس لیے اسے لفظی کا نام دیا گیا ہے۔ تحت اللفظ اور اس میں فرق یہی ہے کہ تحت اللفظ میں عین عربی متن کے لفظ کے نیچے ہی اس کا ترجمہ ہوتا ہے جبکہ اس میں یہ التزام نہیں کیا جاتا۔ تراجم کی چوتھی نوعیت نیم بامحاورہ ہے یہ وہ تراجم ہیں جنہیں نہ تو بامحاورہ تراجم کہا جا سکتا ہے اور نہ لفظی۔ کیونکہ ان تراجم میں بامحاورہ تراجم جیسی روانی اور سلاست نہیں ملتی اور لفظی اور تحت اللفظ تراجم کی طرح ان میں الفاظ کی بندش کا بھی خیال نہیں رکھا جاتا۔ ہر نوع کے ترجمے میں الگ حسن ہے ایک ایسے چمن زار کی طرح جس میں طرح طرح کے گل کھلے ہوں جن میں سے ہر ایک کا اپنا رنگ اور اپنی مہک ہو اور سب مل کر ایک بہار دکھا رہے ہوں یہی حال کلام پاک کے حسین تراجم کا ہے۔ سب سے زیادہ جس نوع میں تراجم معدون ہوئے ہیں وہ بامحاورہ ہیں۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ سہل الفہم ہیں پر تاثیر ہیں ایک عام قاری کو بھی سمجھنے میں دقت نہیں ہوتی۔ قاری پڑھتے ہوئے اکتاتا نہیں۔ البتہ الفاظ کے معانی کو سمجھنے میں دقت ہوتی ہے۔ دوسری نوع کے تراجم "تحت اللفظ تراجم" ہیں ان تراجم کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ متن کے ایک ایک لفظ کا ترجمہ آسانی سے معلوم کیا جا سکتا ہے اگرچہ مفہوم تک آگاہی مشکل ہوتی ہے ہاں اگر تحت اللفظ ترجمہ بامحاورہ بھی ہو تو سونے پر سہاگہ۔ اس نوع کے تراجم میں کچھ تراجم بامحاورہ اور نیم بامحاورہ ہیں جن کا ہم الگ الگ تذکرہ کریں گے۔

تیسری نوع کے تراجم لفظی ہیں۔ لفظی تراجم وہ ہیں نہ تو بالکل تحت اللفظ ہوتے ہیں اور نہ ہی پوری طرح بامحاورہ۔ ہر متن کے ہر کلمے کے نیچے اس کا ترجمہ نہیں ملتا البتہ تھوڑی سی کوشش سے کہیں نہ کہیں مل جاتا ہے۔ مفہوم بھی دوسری نوع کے ترجمے تحت اللفظ سے زیادہ سہل اور قابل فہم ہوتا ہے

چوتھی نوع کے تراجم نیم بامحاورہ ہیں۔ یہ وہ تراجم ہیں جن کو نہ تو تحت اللفظ کہہ سکتے ہیں نہ لفظی اور نہ بامحاورہ۔ مذکورہ صدر تینوں قسم کے انواع تراجم کی طرح نہیں ہوتے۔ اس لیے اسے ایک الگ نوع کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

آئندہ صفحات میں ان تمام انواع پر ایک تفصیلی نظر مع امثلہ ڈالتے ہیں۔

بامحاورہ

یہ ترجمے کی وہ نوعیت ہے جس میں سب سے زیادہ تراجم ہوئے ہیں۔ سرائیکی تراجم کامل بشمول جزوی عدد اٹھارہ بنتے ہیں۔ جن میں سے آٹھ بامحاورہ ترجمے سے آراستہ ہیں۔

جن میں کامل پانچ اور جزوی تین ہیں۔ بامحاورہ تراجم یہ ہیں۔

''پارہ اول مترجم بامحاورہ بزبان ملتانی'' ازمولانا محمد خیر الدین صابر ملتانی،

''قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی'' از ڈاکٹر مہر عبدالحق،

''قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال'' از خان محمد لسکانی،

''سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف'' از دلشاد کلانچوی،

''تفسیر اتالیقی بزبان سرائیکی'' از مولانا غلام محمد چاچڑانی،

''تیسر القرآن العروف سوکھی تفسیر'' از ڈاکٹر پروفیسر محمد صدیق شاکر،

''متعدد سورتیں اور قرآنی آیات'' استاذ محمد رمضان طالب اور

''یارھاں سورتاں سرائیکی ترجمے نال'' از حافظ مختار احمد شاھد عباسی۔

اب ہم ان فاضل مترجمین کے بامحاورہ تراجم پر تقابلی نظر ڈالتے ہیں مثال کے طور پر اس آیت کا ترجمہ دیکھتے ہیں اور پھر ہر مترجم کے ترجمے کا موازنہ کرتے ہیں:

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ (۲: البقرہ : ۵۷)

ا۔''اتے اساں تساڈے اوتے جھڑ بدل دی چھاں کیتی اتے آسمان کنوں کھاون واسطے من اتے سلوی بھیجیا''(مولانا خیر الدین صبر ملتانی) (144)

۲۔''اتے اساں تہاڈے اتے جھڑ دی چھا کر ڈتی ہئی اتے تہاڈے اتے من (ہک پھل) اتے سلوی (بٹیرے) اساں نازل کیتے''(ڈاکٹر مہر عبدالحق)(145)

۳۔''تے اساں تہاڈے اتے جھڑ دی چھاں کیتی تے تہاڈے واسطے کھمبیاں تے بٹیرے لہائے (پیدا کیتے)۔'' (خان محمد لسکانی)(146)

۴۔''تے اساں تہاڈے اتے بدلاں دی چھاں کیتی رکھی، اتے تہاڈے کیتے من تے سلوی (بٹیرے) لہندے رہیوسے۔''(دلشاد کلانچوی)(147)

۵۔اتے جھڑ بدل کوں تساڈا تنبوں کیتا اتے تساڈے اوتے من اتے سلوی لاتھا''(مولانا غلام محمد چاچڑانی)(148)

۶۔اتے اساں تہاڈے اتے جھڑ دا چھاواں کر ڈتا ہیا تہاڈے کیتے من تے سلوی لہایا۔'' (ڈاکٹر پروفیسر صدیق شاکر)(149)

مندرجہ بالا آیت کے ترجمے میں تقریباً ہر مترجم ذی وقار نے خوبصورت سرائیکی محاورے میں ترجمہ رقم کیا ہے۔ اکثر مترجمین نے ''غمام'' کیلئے خالص سرائیکی لفظ ''جھڑ'' استعمال کیا ہے۔ بعض مفسرین نے ''من'' اور ''سلوی'' کا ترجمہ نہیں کیا۔

اگر ان دونوں الفاظ کے لئے سرائیکی الفاظ لائے جاتے تو زیادہ صائب ہوتا۔ خان محمد لسکانی نے ''من'' کا ترجمہ ''کھمبیاں'' کیا ہے۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے اس کا ترجمہ ''ہک پھل'' کیا ہے۔ اسی طرح ''انزلنا'' کا ترجمہ ڈاکٹر صاحب نے ''نازل کیتا'' کیا جبکہ باقی مترجمین نے سرائیکی کے خالص الفاظ ''لہایا'' اور ''بھیجیا'' رقم کیا ہے۔

بامحاورہ تراجم کچھ خوبیوں کے حامل ہیں ان ذکر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یہ تراجم سہل الفہم ہیں۔ قاری معانی تک جلد پہنچ جاتا ہے۔

ان تراجم میں ابلاغ کامل بھی پایا جاتا ہے کیونکہ اس میں قرآن مجید کے عربی متن کی مکمل ترجمانی موجود ہوتی ہے۔

بامحاورہ تراجم میں فصاحت، سلاست، روانی اور ادبی چاشنی بھی اپنی مثال آپ ہے۔

مندرجہ بالا خوبیوں سے متصف ہونے کے باوجود بعض مقامات پر مفردات کے معانی تلاش کرنے میں قاری کو دقت ہوتی ہے۔

بعض مترجمین نے مشکل الفاظ، دخیل کلمات، غیر مانوس کلمات اور تشریحی کلمات بھی استعمال کیے ہیں، جن سے ترجمے کا حسن برقرار نہیں رہا۔ مثلاً ڈاکٹر مہر عبدالحق کا یہ ترجمہ ملاحظہ ہو:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۱ : الفاتحہ : ۲)

''سب تعریفاں اللہ دیاں ہن جیہڑا کل جہاناں دا پالن وو دھاون تے پھلاون پھلاون والا ہے'' (150)

اس ترجمے میں غیر ضروری تشریحی کلمات کی وجہ سے پیرایہ بیان بھی طویل ہو گیا ہے اور ترجمے کے حسن میں بھی کمی آگئی ہے۔

سُوْرَةُ قُرَيْشٍ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ خَمْسُ اٰيَاتٍ

سورۂ قریش مکی ہے تے بسم اللہ نال اینہ یاں ۵ آیتاں ہن۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۝

اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۝

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝

الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝

۱. شروع کریندا ں اللہ دے ناں نال جیڑھا بہوں مٹھے
ڈیوݨ والا تے ول ول رحم کرݨ والا ہے۔

۲. لے قریش دی محبت کیتے (احتیا!)

۳. انہیں کوں سردی تے گرمی دے سفر نال محبت ہے

۴. ہن قریش ایں گھر والے خدا دی عبادت کرن۔

۵. جیں انہیں کوں بکھ وچ کھاݨا ڈتے تے خوف وچ
امن پیدا کیتے۔

بامحاورہ ترجمے کا نمونہ از خان محمد لسکانی / رفیق احمد نعیم لسکانی

تحت اللفظ

تحت اللفظ ایسے تراجم ہیں جن میں پہلے قرآن مجید کا عربی متن ہوتا ہے پھر متن کی ہر سطر کے نیچے اس کا ترجمہ ہوتا ہے۔ ترجمہ کرتے وقت اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ متن کے ہر لفظ کا ترجمہ اس کے عین نیچے آئے۔ تحت اللفظ تراجم قرآن مجید کے اولین تراجم میں آتے ہیں۔ قرآن مجید کے سب سے زیادہ سرائیکی تراجم بامحاورہ ہوئے ہیں اس کے بعد زیادہ تراجم تحت اللفظ ہیں۔ ان میں "عم یتساء لون اور الم دا ترجمہ ملتانی زبان وچ" از مولانا عبدالتواب ملتانی؛ "قرآن مجید مترجم بزبان ریاستی" از مولانا محمد حفیظ الرحمن حفیظ؛ "ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی المعروف سوغات نظامی" از مولانا محمد نظام الدین نظامی" اور "المرجان" از مفتی عبدالقادر سعیدی شامل ہیں۔ ذیل میں ہم ان تحت اللفظ تراجم کا تقابلی جائزہ لیتے ہیں مثال کے طور پر سورۃ البقرہ کی اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

صُمٌّ	بُكْمٌ	عُمْيٌ	فَهُمْ	لَا	يَرْجِعُوْنَ	(۲:البقرہ:۱۸)
"ڈورے ہن	گنگے ہن	اندھے ہن	پس او	نہ	ولسن"	(مولانا عبدالتواب ملتانی (151)
"بہرے ہیں	گونگے ہیں	اندھے ہیں	پس وہ	نہیں	پھر آتے	(اردو ترجمہ شاہ رفیع الدین)
"ڈورے ہن	گونگے ہن	اندھے ہن	جو او	نہیں	دل آونڑ والے	(مولانا حفیظ الرحمن)(152)
"اے بوڑے ہن	گونگے ہن	اندھے ہن	پس او	نہیں	پھردے	(مولانا نظام الدین نظامی)(153)
"بوڑے	گونگے ہن	اندھے ہن	پچھے او	نہیں	ولدے	سدھے اردوے (154)

مندرجہ بالا تراجم میں ہر مترجم ذی وقار نے عربی متن کے ہر لفظ کے نیچے اس کا سرائیکی لفظ دینے کی کوشش کی ہے۔ تحت اللفظ ترجمے کی یہ خوبی ہے کہ متن کے ہر لفظ کے معنی معلوم ہو جاتے ہیں اور قاری کو دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ لیکن اس قسم کے ترجمے کا ایک سقم یہ ہے کہ اس میں سلاست اور روانی نہیں ہوتی۔ فصاحت اور بلاغت میں بھی کمی آجاتی ہے ایک اور مثال قابل ملاحظہ ہے:

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۲: البقرہ: ۴۲)

"اتے نہ رلاؤ حق کوں نال کوڑ دے اتے نہ چھپاؤ حق کوں حالانکہ تساں جانڑدے ہو" (مولانا عبدالتواب ملتانی)(155)

"اور مت ملاؤ سچ کو ساتھ جھوٹ کے اور مت چھپاؤ حق کو اور تم جانتے ہو" (اردو ترجمہ شاہ رفیع الدین)

"اتے نہ ملاؤ سچ کوں نال کوڑ دے اتے نہ لکاؤ سچ کوں اتے تساں جانڑدے ہو" (مولانا حفیظ الرحمن حفیظ)(156)

"اتے نہ ملاؤ حق کوں نال باطل دے اتے چھپیندو تساں حق کوں حالانکہ تساں خود جاندے ہو۔" (مولانا نظامی)(157)

"اتے حق کوں باطل نال نہ ملاؤ اتے حق کوں نہ لکاؤ حالانکہ تساں جاندو (ایں کوں)"۔ (مفتی عبدالقادر سعیدی)(158)

مندرجہ بالا تراجم میں فاضل مترجمین نے تحت اللفظ ترجمہ سرائیکی زبان میں کیا ہے مگر ان میں دخیل کلمات بھی استعمال کیے گئے ہیں یعنی دوسری زبانوں اردو، عربی اور فارسی کے کلمات بھی دیے ہیں۔ اگر ان الفاظ کی بجائے سرائیکی الفاظ لائے جاتے تو زیادہ بہتر ہوتا مثلاً "حق، باطل، جھوٹ، چھپاؤ اور حالانکہ وغیرہ۔ تاہم تحت اللفظ ترجمے میں قاری کو ہر لفظ کے معنی اس کے نیچے مل جاتے ہیں لیکن معانی و مفہوم سمجھنے میں مشکل پیش آتی ہے۔ ان تراجم میں ایک بات عیاں ہوتی ہے کہ فاضل مترجمین نے اردو تراجم کا تتبع فرمایا ہے اس لیے غیر مانوس کلمات بھی آ گئے ہیں۔

لَا يَشْعُرُونَ ○ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا

[illegible]

أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَٰكِنْ لَا

[illegible]

يَعْلَمُونَ ○ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ

[illegible]

شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ ○ اللَّهُ

[illegible]

يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ○ أُولَٰئِكَ

[illegible]

الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا

[illegible]

كَانُوا مُهْتَدِينَ ○ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا

[illegible]

أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ

[illegible]

لَا يُبْصِرُونَ ○ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ○ أَوْ

[illegible]

كَصَيِّبٍ مِنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ

[illegible]

تحت اللفظ ترجمے کا نمونہ از مولانا عبدالتواب ملتانی

لفظی

لفظی وہ تراجم ہیں جو ہیں تو تحت اللفظ تراجم لیکن متن کے ہر لفظ کے نیچے اس کا ترجمہ نہیں ملتا۔ لفظ کہیں ہوتا ہے اور اس کا ترجمہ کہیں اور ملتا ہے یعنی ایک بے قید تحت اللفظ ترجمہ ہے۔ اس لیے اسے لفظی کا نام دیا گیا ہے۔ لفظی اور تحت اللفظ ترجمے میں یہ فرق ہے کہ تحت اللفظ میں عین عربی متن کے لفظ کے نیچے ہی اس کا ترجمہ ہوتا ہے جبکہ لفظی ترجمے میں یہ التزام نہیں کیا جاتا۔ قرآن مجید کے اٹھارہ سرائیکی تراجم میں سے دو لفظی ہیں۔ پہلا لفظی ترجمہ مولوی احمد بخش مرحوم و مغفور کی تصنیف ہے اسے قرآن کے سرائیکی مطبوعہ تراجم میں شرف اولیت بھی حاصل ہے اور اس سے پہلے کسی سرائیکی ترجمے کا سراغ نہیں ملتا۔ یہ ترجمہ ۱۸۹۰ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔

دوسرا لفظی ترجمہ ''نورالایمان'' ہے جسے ملک ریاض شاہد نے کتابت سے آراستہ کیا ہے۔ یہ قلمی مخطوطہ ہے اور یہ الگ الگ تیس پاروں پر مشتمل ہے اور اس کا وزن تیرہ من کے قریب ہے۔ اب ان تراجم پر تقابلی نظر ڈالتے ہیں۔ سب سے پہلے **بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ** کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

''اللہ دے ناں نال شروع کریندا ں جو ایں جہان وچ ہر کہیں تیں مہربان اتے اوں جہان وچ مسلمانیں تیں'' (159)
(مولوی احمد بخش)

''اللہ دے ناں نال شروع جیہڑا اہوں مہربان رحم والا'' (160) (ملک ریاض شاہد)

یہ دونوں تراجم تحت اللفظ بھی نہیں اور بامحاورہ بھی نہیں اگر چہ لفظی ہیں لیکن دونوں میں ابہام پایا جاتا ہے۔ مولوی احمد بخش مرحوم و مغفور کے ترجمہ ''الرحمٰن'' اور ''الرحیم'' کے معنی نہیں دیے گئے اور تشریحی کلمات ایسے دیے گئے ہیں جن کا عربی متن سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ اسی طرح ملک ریاض شاہد کے ترجمے میں ''الرحیم'' کے معنی نہیں دیے گئے۔ صرف ''رحم والا'' تحریر کیا گیا ہے جو فصیح ترجمہ نہیں ہے اسی طرح مولوی احمد بخش کا ترجمہ عدم فصاحت کا شکار ہے یہ ترجمہ کی بجائے مفہوم معلوم ہوتا ہے۔ اب ایک اور مثال پیش خدمت ہے:

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ (۱: الفاتحہ: ۱، ۲)

''سبھے صفتاں اللہ دیں جو سارے جہان دا پالنہار والے اتیں ایں جہان وچ ہر کہیں تیں مہربانی
اتیں اوں جہان وچ مسلمانیں تیں'' (161) (مولوی احمد بخش)

''ساریاں خوبیاں اللہ کوں جہڑا مالک سارے جہان والیاں دا اہوں مہربان رحمت والا'' (162) (ملک ریاض شاہد)

مولوی احمد بخش نے پہلی آیت کا ترجمہ تو خوب کیا ہے اس میں سرائیکیت بھی عیاں ہے۔ دوسری آیت میں وہی ترجمہ رقم کیا ہے جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں الرحمٰن اور الرحیم کا ہے یہ ترجمہ واضح نہیں۔ اسی طرح ملک ریاض شاہد کا ترجمہ پہلے ترجمے کی طرح ہے ایک اور مثال تنظی ملاحظہ ہے:

وَظَلَّلۡنَا عَلَیۡکُمُ الۡغَمَامَ وَاَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمُ الۡمَنَّ وَالسَّلۡوٰی (۲: البقرہ: ۵۷)

''اتیں جھڑ دا چھتر کیتوسے تساڈے اتیں پچھیو سے تساڈے اتیں شکلوا اتیں پکھی بٹیں ہوئے'' (163) (مولوی احمد بخش)

''تے اساں ابر کوں تیڈا سائبان کیتا تے تیڈے اتے من تے سلویٰ لہایا۔'' (164) (ملک ریاض شاہد)

یہ تمام تراجم لفظی تراجم کی خوبصورت مثالیں ہیں۔

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ

[illegible]

لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ

[illegible]

اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ○ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

[illegible]

اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا

[illegible]

مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا

[illegible]

بِهٖ مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيْهَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ

[illegible]

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا

[illegible]

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَاَمَّا

[illegible]

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا يُضِلُّ بِهٖ

[illegible]

كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا وَمَا يُضِلُّ بِهٖ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ○

[illegible]

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ

[illegible]

لفظی ترجمے کا نمونہ از مولوی احمد بخش

نیم بامحاورہ

نیم بامحاورہ تراجم وہ ہیں جنہیں نہ تو بامحاورہ تراجم کہا جا سکتا ہے اور نہ لفظی۔ کیونکہ ان تراجم میں بامحاورہ تراجم جیسی سلاست اور روانی نہیں ملتی اور تحت اللفظ اور لفظی تراجم کی طرح ان میں الفاظ کی بندش کا بھی خیال نہیں رکھا جاتا۔ قرآن مجید کے اٹھارہ سرائیکی تراجم میں سے دو ایسے ہیں جو نیم بامحاورہ ہیں۔ ان میں سے پہلا ترجمہ مولانا نور احمد ابن شمس الدین سیال مرحوم و مغفور کا ہے جو پہلے تین پاروں پر مشتمل ہے اسے انجمن حفظ قرآن بہاولپور نے "تفرید القرآن" کے نام سے شائع کیا۔ دوسرا نیم بامحاورہ ترجمہ "فرید التفاسیر یعنی تفسیر سرائیکی" ہے جو علامہ محمد اعظم سعیدی دامت برکاتہم کی تصنیف ہے۔ یہ ترجمہ و تفسیر پہلے پارے پر مشتمل ہے۔ ذیل میں ان تراجم پر الگ الگ نظر ڈالتے ہیں اور موازنہ کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر نور احمد سیال رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

ذٰلِکَ نَتْلُوْهُ عَلَیْکَ مِنَ الْاٰیٰتِ وَالذِّکْرِ الْحَکِیْمِ (۳: آل عمران:۵۸)

"ایہ جو کجھ اساں تہاکوں سنیدے پے ہیں ایہ اللہ سئیں دیاں آیاتاں ہِن اتے حکمت والے دی نصیحت دے ذکر اذکار ہِن" (165)

اسی طرح فاضل مترجم کا درج ذیل آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

تِلْکَ اٰیٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَیْکَ بِالْحَقِّ وَ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ. (۲: البقرہ: ۲۵۲)

"ایہ اللہ سائیں دیاں آیتاں ہِن جو اساں تہاڈے اتے حق نال تلاوت کریندے ہیں اتے بے شک آپ مرسلین وچوں ہِن" (166)

مندرجہ بالا تراجم نیم بامحاورہ ہیں۔ بامحاورہ تراجم میں سلاست اور روانی نہیں ہوتی قاری کو رکنا اور سوچنا پڑتا ہے فاضل مترجم نے قرآن مجید کے عربی متن کی مکمل ترجمانی کی بھرپور کوشش کی ہے۔ مگر ان آیات کے تراجم میں دخیل کلمات استعمال کیے گئے ہیں۔ جس سے ترجمہ فصیح اور واضح نہیں رہا۔ جیسے پہلی آیت میں "حکمت"، "نصیحت"، "ذکر اذکار" اور دوسری آیت میں "حق"، "تلاوت"، "بے شک" اور "مرسلین" غیر سرائیکی الفاظ ہیں۔ اگر ان کی بجائے خالص سرائیکی الفاظ لائے جاتے تو زیادہ صائب ہوتا۔ اب علامہ محمد اعظم سعیدی کے نیم بامحاورہ ترجمے کی مثال ملاحظہ ہو:

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰکِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ (۲: البقرہ: ۱۲)

"ہشیار بیشک او ہے فسادی ہِن اتے لیکن نئیں سمجھدے" (167)

ایک اور مثال ملاحظہ فرمایئے:

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْکُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِکَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ (۲: البقرہ: ۵۲)

"ول اساں معاف کرڈتا تہاکوں ایندے پچھوں جو تساں شکر کرن والے تھی ونجو۔" (168)

اگر یہ بامحاورہ ترجمہ ہوتا تو یوں ہوتا "ایں توں بعد ول اساں تہاکوں معاف کرڈتا تاں جو تساں شکر کرن والے تھی ونجو" ان تراجم میں علامہ اعظم سعیدی کا ترجمہ نیم بامحاورہ ہے اس ترجمے کے معنی و مفہوم پہلی نظر میں سمجھ میں نہیں آتے کیونکہ ان میں سلاست اور روانی کم ہے اس لیے قاری کو مفہوم سمجھنے میں دقت ہوتی ہے۔ بامحاورہ تراجم میں لفظی اور تحت اللفظ تراجم کی طرح بندش الفاظ کا خیال رکھا جاتا ہے اس لیے ترجمے کا حسن ماند پڑ جاتا ہے۔ مترجم نے کچھ غیر سرائیکی الفاظ استعمال کیے ہیں جس سے ادبی چاشنی میں کمی واقع ہوئی ہے اور ویسے بھی نیم بامحاورہ ترجمہ بامحاورہ ترجمے سے بہتر نہیں ہوتا۔

English

My God ! relieve my mind and easy my task for me.

منظوم سرائیکی

دل میڈے کوں کھول رب احسان کر
ہر میڈی مشکل کوں وی آسان کر

تشریح

اے اللہ تعالیٰ دے اگوں حضرت موسیٰ علیہ السلام دی خاص دعا ہے ایں مختصر جیہی دعا وچ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ دے فرمان دے مطابق ڈو او چتیاں دعا کیتے طلب کیتن جہاں وچ دنیا دی ہر ضرورت پوری تھی ویندی ہے۔ پہلی دعا ہے جو اللہ تعالیٰ میڈے دل کو کھول ڈے یعنی اے رب العالمین میڈے دل کوں اتنی وسعت تے سمجھ عطا کر جو او تیڈی اطاعت تے فرمانبرداری وچ کوئی غفلت نہ کرے تے خوش تھی کے تیڈے ہر فرمان دی تعمیل کرے۔ ایویں ڈوجھی دعا وچ اے عرض کیتے جو میڈے سارے کم آسان کر۔ ایں دعا وچ وی وڈی وسعت ہے جو ہر کم آسان تھیون وچ کوئی ڈکھ یا تکلیف نمیں برداشت کرنی پوندی۔ ساڈے نبی کریم ﷺ وی اکثر اے دعا منگدے ہن۔ اساں وی اے دعا منگ کے اللہ تعالیٰ دی خوشنودی حاصل کر کے اپنی دنیاداری وچ سوکھ پیدا کر سکدے ہیں۔ اللہ ساکوں راہ ہدایت بخشے تے اساں تیں راضی تھیوے۔ آمین !

فرید سرائیکی سنگت ۔ ڈیرہ غازی خان

منظوم سرائیکی ترجمے کا نمونہ از محمد رمضان طالب

منظوم

نثر کی نسبت نظم زیادہ لکھی اور پڑھی جاتی ہے اور شاعری صدیوں سے سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی چلی آئی ہے۔ طباعت کی سہولتیں میسر آنے کے بعد شعری مجموعے شائع ہوتے آرہے ہیں۔ سرائیکی کا شمار دنیا کی قدیم ترین زبانوں میں ہوتا ہے۔ اس زبان کی شاعری بھی بہت قدیم ہے۔ سرائیکی دینی ادب میں بھی شاعری کا ایک بہت بڑا خزانہ موجود ہے۔

قرآن مجید کے مختلف سرائیکی تراجم میں کچھ منظوم ہیں اور یہ تراجم منثور تراجم کی نسبت زیادہ مقبول ہیں۔ قرآن مجید کے منظوم تراجم کے حوالے سے استاذ محمد رمضان کی کاوشیں قابل قدر ہیں۔ سب سے پہلے انھوں نے قرآن مجید کی ۸۸ آیات کا منظوم ترجمہ ''سوجھل سوچاں'' کے عنوان سے کیا۔ بعد ازاں آپ نے ''رحمت دعا'' کے نام سے موسوم قرآن مجید میں موجود دعاؤں کا سرائیکی منظوم ترجمہ کیا اور بعد ازاں سورۃ الرحمٰن کے مفہوم کو سرائیکی میں منظوم کیا یہ ترجمہ ''سوجھل نعمتاں'' کے نام سے معنون ہے۔ غلام رضا سیورا بھٹی نے بھی قرآن مجید کی متعدد سورتوں کو منظوم کیا ہے۔ اس حوالے سے سب سے قابل قدر کام جناب عبدالوحاب عباسی کر رہے ہیں انھوں نے تادم تحریر دس پاروں کا سرائیکی منظوم ترجمہ مکمل کر لیا ہے۔

آیئے اب ان منظوم تراجم کا جائزہ لیتے ہیں سب سے پہلے سورۃ الفاتحہ کی پہلی آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ

سب تعریف اللہ کیتے　　　جو رب جہاناں دا ہے(169) (ترجمہ غلام رضا سیورا بھٹی)

تعریف سب اللہ کیتے جو رب ہے ڈو جہان دا　　　شان اوندی ہے رحیمی رتبہ ہے رحمان دا۔(170) محمد رمضان طالب)

سبھے تعریف اللہ کوں فقط جھبندی کہ جو مولا　　　او مالک جیہڑا اپالن ہار ہے ایں سارے عالم دا(171) (عبدالوحاب عباسی)

ان تینوں تراجم میں سے غلام رضا سیورا بھٹی کا ترجمہ سب سے بہتر نظر آتا ہے یہ چھوٹی بحر میں ہے استاذ محمد رمضان طالبؔ کے ترجمے میں معنوی سقم پایا جاتا ہے ''عالمین'' کا ترجمہ ''ڈو جہان'' کیا گیا جو درست نہیں۔ عبدالوحاب عباسی نے اس آیت کے منظوم ترجمے میں ''رب'' کے لیے تین کلمات تحریر کیے ہیں جو شعری تقاضے پورے کرنے کے لئے تو ٹھیک ہیں لیکن ترجمے کے فنی اصول کے خلاف ہیں۔ ایک اور مثال ملاحظہ فرمایئے:

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ دے ناں رحمٰن توں　　　تے رحیم توں ابتدا(172) (غلام رضا بھٹی)

نام جیڈے توں شروع توں وڈا رحمان ہیں
تے رحیمی دے اندر اس آپ ای ذیشاں ہیں(173) (رمضان طالب)

شروع اللہ دے ناں توں کریندا ہاں جو آقا ہے
بہوں ہے مہربان جو کہ نہایت رحم والا ہے(174)

یہ منظوم تراجم شعری ضرورت تو پوری کرتے ہیں لیکن عربی متن کی مکمل ترجمانی موجود نہیں ہے۔ خاص طور پر استاذ محمد رمضان طالبؔ کا منظوم ترجمہ قابل غور ہے۔ جس کا مصرعہ ثانی عربی متن سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اسی طرح غلام رضا سیورا بھٹی نے ''رحمٰن'' اور ''رحیم'' کا سرائیکی ترجمہ رقم نہیں کیا البتہ عبدالوحاب عباسی کا ترجمہ ان دونوں تراجم سے بہتر معلوم ہوتا ہے۔

اوصاف تراجم اوران پر تحقیقی نظر

تمام تراجم خواہ وہ جزوی ہوں یا کامل گونا گوں اوصاف سے متصف ہیں۔قبل ازیں دوسرے اور تیسرے باب میں ہم محاسن تراجم کے زیرِ عنوان کچھ اوصاف جیسے معنویت، لہجویت، سرائیکیت، سلاست، فصاحت، بلاغت، ادبی چاشنی، عدم موافقت اور ابلاغ وغیرہ کا ذکر کر چکے ہیں۔ان میں سے کچھ اوصاف عمومی نوعیت کے ہیں اور کچھ خاص۔ جو صرف سرائیکی تراجم کے ساتھ منسلک ہیں۔عمومی اوصاف وہ ہیں جو سرائیکی کے علاوہ دوسری زبانوں کے تراجم میں بھی ملتے ہیں۔

اوصاف چاہے خصوصی ہوں یا عمومی وہ لفظی بھی ہوتے ہیں اور معنوی بھی۔تراجم میں جہاں لفظی اوصاف پائے جاتے ہیں وہاں معنوی اوصاف بھی نہیں سماتے۔محاسن عمومی میں موزونیت، شکوہ کلمات، سادگی، متانت اپنائیت۔ یہ تراجم کے ایسے لفظی اوصاف ہیں جو ہر زبان کے تراجم میں ملتے ہیں۔ان عمومی اوصاف کے ساتھ خصوصی اوصاف اور محاسن جو صرف سرائیکی تراجم کے ساتھ مخصوص ہیں وہ یہ ہیں حسن معنی، حسن لہجہ، حسن صوت، سذاقت، بیسارت، عجب۔ یہ وہ لفظی خصائص ہیں جو سرائیکی تراجم کے ساتھ وابستہ ہیں۔

محاسن لفظی کی طرف محاسن معنوی بھی ہمعیت کے حامل ہیں اس میں کچھ عمومی ہیں اور کچھ خصوصی۔عمومی اوصاف ومحاسن یہ ہیں جیسے سلاست، فصاحت، ادبیت، ہمیت، اثر افرینی وغیرہ۔اسی طرح سرائیکی تراجم کے محاسن معنوی کے ضمن میں جن خاص اوصاف کا ذکر کیا جا سکتا ہے وہ جاذبیت، سہولت، مانوسیت، حلاوت اور عجابت وغیرہ ہیں۔ یہ اوصاف بالعموم سرائیکی تراجم میں ملتے ہیں یہ ممکن ہے کہ سارے اوصاف ایک ترجمے میں نہ ملیں لیکن کچھ نہ کچھ اوصاف ضرور ہوں گے۔

متراجم مختلف النوع ہونے کے باوجود ان میں عمومی اور خصوصی اوصاف عیاں ہیں۔مترجم نے اپنی استعداد کے مطابق اپنے ترجمے میں زیادہ سے زیادہ محاسن پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔لیکن کچھ صلاحیت کار کی وجہ سے اور کچھ لسانی اور زبانی مجبوریوں کی وجہ سے تمام اوصاف یکجا نہیں ہو سکے یعنی کہیں جاذبیت ہے تو سہولت نہیں، کہیں سہولت ہے تو مانوسیت نہیں البتہ زبان اور لہجے کی چاشنی ہر جگہ نظر آتی ہے۔

بعد زمانی اور مکانی بھی ان اوصاف پر متاثر ہوئے ہیں۔ سرائیکی کا پہلا ترجمہ مولوی احمد بخش ڈیروی (المتوفی 1945ء) کا ہے جو 1890ء میں طبع ہوا تقریباً ایک صدی پرانا یہ ترجمہ اس وقت کی مروجہ لسانی اوصاف میں ڈھلا ہوا ہے۔وہ تراجم جو اس کے بعد ہوئے وہ سرائیکی زبان کے تغیرات سے محفوظ نہ رہ سکے۔استاذ محمد رمضان طالب کے تراجم اسی بات کا بین ثبوت ہیں۔مولوی احمد بخش اور محمد رمضان طالب کے ترجمے کا فرق صرف بعد زمانہ کی وجہ سے ہے۔ بعد زمانی کی طرح بعد مکانی بھی سرائیکی تراجم کے اوصاف پر اثر انداز ہوا ہے۔ہم دیکھتے ہیں کہ ایک مترجم تونسہ شریف میں بیٹھ کر ترجمہ لکھ رہا ہے اور دوسرا بھونگ (صادق آباد) میں براجمان ہے اور تیسرا مترجم چاچڑاں (رحیم یار خان) میں مقیم ہے۔ ہر مترجم کا اپنا لسانی ماحول اور مخصوص لہجہ ہے۔ جو ان کے تراجم میں عیاں ہے۔ یہی لسانی اور لہجوی تفاوت اوصاف اور محاسن پر بھی اثر انداز ہوا ہے۔لہجوی حسن اپنی جگہ ہے جو ہر لہجے کا اپنا خاص حسن ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔لیکن دیگر خصائص اور محاسن یکجا نہیں ہو سکتے۔اب ہم ان تمام محاسن لفظی اور محاسن معنوی کو زیرِ نظر تراجم میں تلاش کرتے ہیں کہ کون سا ترجمہ کتنے اوصاف سے متصف ہے۔اوصاف کی وضاحت کے لئے موزوں امثلہ اور نظائر پیش کریں گے تا کہ ہر وصف اظہر من الشمس ہو جائے۔اور حسن پوشیدہ عیاں ہو جائے۔ پہلے لفظی اوصاف کا تذکرہ کریں گے پھر معنوی اوصاف کو نتھار کر لائیں گے۔خصوصی اور عمومی بھی ہر طرح کے اوصاف کو تلاش (High light) کریں گے۔

اوصافِ لفظی عمومی

قرآن مجید کے زیرِ نظر سرائیکی تراجم میں لفظی اوصاف سب سے نمایاں نظر آتے ہیں۔ ایک ایسے بیش بہا ہار کی طرح جس میں مختلف رنگوں اور مختلف آب و تاب رکھنے والے قیمتی جواہر پارے پروئے گئے ہوں۔ جس کا ہر جوہر اپنی جگہ شاہ پارہ ہو۔ ہمارے ان مقدس شاہ پاروں کے الفاظ بھی شان و شوکت میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔

لفظی حسن ہی معنوی حسن کی بنیاد بنتا ہے۔ لفظ پرشکوہ ہوں گے تو معنی بھی بلاغت و فصاحت سے خالی نہیں ہوگا۔ زیرِ نظر سرائیکی تراجم میں لفظی اوصاف دو طرح کے ہیں ایک عمومی اور دوسرے خصوصی۔ عمومی اوصاف وہ ہیں جو سرائیکی تراجم میں بھی پائے جاتے ہیں اور دیگر زبانوں کے تراجم میں بھی ملتے ہیں۔ ان کے بغیر ترجمے کا حسن ماند پڑ جاتا ہے ان اوصاف میں سے چند ایک یہ ہیں۔

موزونیت

موزونیت سے مراد ترجمے کا وہ حسن ہے جو دلکش الفاظ کے ساتھ مزین ہو۔ لفظ ترجمے میں اس طرح سے بچ جائے جیسے انگوٹھی میں نگینہ اور ایسا لگے کہ لفظ صرف اسی لیے تخلیق ہوا تھا۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر مہر عبدالحق مرحوم و مغفور کا یہ ترجمہ ملاحظہ ہو:

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ (۱:الفاتحہ:۷)

''انہاں لوکاں دا رستہ جنہاں تے تیں نعمتاں نازل کیتن۔ انہاں دانہ جنہاں تے تیڈا غضب ڈھٹھے۔ اتے نہ انہاں دا جیڑھے تھڑ کیے ہوئین''

اس ترجمے میں ''الضالین'' کا ترجمہ ''تھڑ کیے ہوئیں'' کیا گیا ہے جو خوب ہے یہ لفظ نہایت موزوں ہے۔ بعض مترجمین نے اس کا ترجمہ ''گمراہ'' یا ''راہ بھلے ہوئے'' بھی کیا ہے۔

''گمراہ'' فارسی لفظ ہے لیکن ڈاکٹر مہر عبدالحق نے الضالین کے ترجمے کے لئے جس لفظ کا انتخاب کیا ہے وہ بالکل موزوں ہے اور اس میں عربی متن کی مکمل ترجمانی موجود ہے۔

موزونیت کے حوالے سے ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیے:

فَإِن زَلَلْتُم مِّن بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (۲:الفاتحہ:۲۰۹)

ول جیکر تساں تلک پیو ہے ایندے بعد کے تہاڈے کول واضح نشانیاں آچکین تاں یاد رکھو کہ اللہ سائیں عزت والا حکمت والا ہے (176)

اس ترجمے میں ''زَلَلْتُم'' کا ترجمہ ''تساں تلک پیو ہے'' کیا گیا ہے جو نہایت ہی موزوں ترجمہ ہے۔ اردو میں اس کا ترجمہ لغزش ہی کیا جاتا ہے۔ لیکن مولانا نور احمد سیال مرحوم نے ایسا ترجمہ تصنیف کیا ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔

ایک تو "تیلک ہیو ہے" خالص سرائیکی لفظ ہے اور دوسرا انتہائی موزوں لفظ ہے اور قرآن مجید کے عربی متن کی صحیح ترجمانی ہے۔

اسی طرح درج ذیل آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے جو موزونیت کی عمدہ مثال ہے۔

إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ (۱۰۸:الکوثر:۳)

"بے شک تیڈا دشمن ہی اصل اوترک" (177)

خان محمد لسکانی نے قرآن مجید کے ترجمے میں خالص سرائیکی اور موزوں الفاظ استعمال کیے ہیں۔ تشریحی کلمات شاذ ہیں اور دخیل کلمات کم از کم ہیں۔ اور غیر مانوس کلمات سے بھی اجتناب کیا ہے۔

زیر نظر ترجمے میں مترجمین نے "ابتر" کے لئے "اوترک" کا لفظ رقم کیا ہے اس سے بہتر ترجمہ ہو ہی نہیں سکتا۔ بعض مترجمین نے اس کا ترجمہ بے نام ونشان بھی کیا ہے لیکن "اوترک" کا نعم البدل ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ سرائیکی زبان کا خالص لفظ بھی ہے اور موزونیت کے اعتبار سے بے مثال ہے۔

شکوہ

ترجمے میں شکوہ سے مراد ایسے الفاظ کا استعمال ہے جو شان وشوکت والے ہوں۔ خالص الفاظ ہوں اور شاندار ہوں۔ ترجمہ اسی وقت پر شکوہ ہوگا جب الفاظ کا انتخاب خوب ہوگا اور الفاظ کی بندش بھی درست ہوگی۔ شکوہ کلمات کے حوالے سے درج ذیل آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

يُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَٰلِكُمْ بَلَاءٌ مِنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ (۲:البقرہ:۴۹)

"کو ہیندے ہن پتر تساڈے اتیں جیندیاں رکھدے ہن دھیریں تساڈیاں اتیں ایندے وچ تساڈے واسطے تساڈے رب کنوں وڈی ازمائش ہئی" (178)

اس ترجمے میں مولوی احمد بخش رحمۃ اللہ علیہ نے سرائیکی زبان کے جاندار الفاظ استعمال کیے ہیں۔ لفظی اوصاف کے حوالے سے یہ ترجمہ بہت خوب ہے اور اس میں بندش الفاظ کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔ "کو ہیندے ہن" اور "دھیریں" بہت ہی پر شکوہ الفاظ ہیں۔ اسی حوالے سے ایک اور مثال ملاحظہ فرمایئے:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (۹۴:الم نشرح:۴-۵)

"تے تیڈا ذکر ہوں اچا کیتے ہے۔ بے شک ہر اوکھ دے بعد سوکھ" (179)

اس ترجمے میں الفاظ کا انتخاب خوبصورتی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ بندش الفاظ بھی خوب ہے۔ اوصاف لفظی کے حوالے سے ترجمے میں شکوہ کلمات عیاں ہے۔ ترجمہ جاندار الفاظ کے ساتھ مزین ہے۔

خاص طور پر "اچا" "اوکھ" اور "سوکھ" جیسے خالص سرائیکی الفاظ ترجمے میں لفظی حسن کا باعث ہیں۔ الفاظ کے اسی حسن کی وجہ سے ترجمہ دلکش ہے۔ جب قاری پڑھنا شروع کرتا ہے تو اس کا دل اسے چھوڑنے نہیں دیتا اور انکی رغبت قرآن مجید کی طرف بڑھتی چلی جاتی ہے۔ خان محمد لسکانی نے اس ترجمے میں لفظی حسن کو برقرار رکھا ہے۔

سذاجت

سذاجت (سادگی) لفظی اوصاف کے حوالے سے ترجمہ کا بہت بڑا وصف ہے اگر ترجمہ سہل الفہم اور سادہ ہوگا تو قاری اسے جلد سمجھنے پر قادر ہو جائے گا اگر ترجمہ مشکل اور ادق ہوگا تو قاری کو دقت کا سامنا ہوگا۔

اگر ترجمے میں سادہ اور عام فہم الفاظ ہوں تو ترجمے کے حسن میں اضافہ ہوگا۔ سادگی کے حوالے سے ایک مثال ملاحظہ ہو:

يَا يُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَکَ (۶۶: التحریم:۱)

"اے نبی توں اوں شئے کوں آپڑیں کیتے کیوں حرام اکھیندیں!

جیکوں اللہ تیڈے کیتے حلال کیتا ہوئے"۔(180)

پروفیسر دلشاد کلانچوی مرحوم و مغفور کا یہ ترجمہ سادہ الفاظ کے استعمال کی عمدہ مثال ہے۔ فاضل مترجم نے نہایت ہی سادہ اور آسان الفاظ کے ساتھ قرآن مجید کے عربی متن کی مکمل ترجمانی کی ہے۔ اس ترجمے میں اوصاف لفظی کے حوالے سے سادگی کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ سادگی کی ایک اور مثال قابل ملاحظہ ہے:

فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ (۲: البقرہ:۱۶)

"انہاں دے ایں وپار کھٹی نہ کھوائی۔ اتے انہاں کوں راہ نہ لبھی"(181)

ڈاکٹر پروفیسر محمد صدیق شاکر نے اوصاف لفظی کے حوالے سے سادگی کو پیش نظر رکھا ہے۔ آپ نے نہایت ہی سادہ الفاظ کا انتخاب فرمایا ہے جس سے ترجمہ عام فہم ہو گیا ہے۔

فاضل مترجم کو سرائیکی اور عربی دونوں زبانوں پر عبور حاصل ہے۔ اس لئے آپ دونوں زبانوں کا لسانی مزاج سمجھتے ہیں۔ قرآن مجید کے عربی متن کی ترجمانی بھی ہو گئی ہے اور قاری کے لئے بھی آسانی پیدا ہو گئی ہے اور الفاظ کا حسن بھی اپنی جگہ نمایاں ہے۔

متانت

متانت سے مراد وہ کلمات ہیں جن میں سنجیدگی پائی جائے۔ الفاظ شائستہ ہوں ان میں گھٹیا پن اور بازاریت نہ ہو۔ بات پردے میں کی جائے۔ متانت قرآن مجید کے ایک ایک کلمہ میں عیاں ہے۔

اگر اوصاف لفظی کو پیش نظر رکھتے ہوئے شائستہ الفاظ کا انتخاب کیا جائے تو ترجمے کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔

متانت کے حوالے سے مولانا عبدالتواب ملتانی رحمتہ اللہ علیہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ (۸۴: الانشقاق:۲۳)

"اتے اللہ (سب کنوں) ودھ جانڑوا ہے اوہ کجھ جو دل وچ رکھدے ہن"(182)

زیر نظر ترجمے میں تمام الفاظ سنجیدہ ہیں۔ جیسے قرآن مجید کا عربی متن ہے ویسے ہی مولانا عبدالتواب ملتانی نے موافقت رکھی ہے۔

اگر چہ فاضل مترجم نے شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کے اردو ترجمے کا تتبع فرمایا ہے لیکن سرائیکی ترجمے میں متانت کو بھی ملحوظ خاطر رکھا ہے اور شائستہ اور سنجیدہ الفاظ رقم کیے ہیں ایک اور مثال ملاحظہ فرمایئے:

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَناً قَلِیْلاً وَّ اِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ (۲:البقرہ:۴۲)

''اتے اساڈی آیتاں کوں گھٹا وٹا کے انہاں دے بدلے تھوڑی قیمت نہ گھنو یعنی دنیاوی
فائدے حاصل نہ کرو اتے اساڈے عذاب کولوں ڈردے رہو'' (183)

زیر نظر ترجمے میں مولانا محمد خیر الدین صابر ملتانی سنجیدہ اور شائستہ الفاظ استعمال کیے ہیں۔ جیسے قرآن مجید کا ایک انداز ہے کہ بات پردے میں کی جاتی ہے۔

فاضل مترجم نے بھی بالکل ویسا ہی انداز اپنایا ہے۔ سرائیکی زبان کے خالص الفاظ کے استعمال سے ترجمے کا حسن دوبالا ہوا ہے کیونکہ کلام کی شائستگی کی وجہ سے اس میں ادبی چاشنی پیدا ہوتی ہے۔ الفاظ کے انہی اوصاف کی وجہ سے اس ترجمے میں متانت آ گئی ہے۔

اپنائیت

قاری ترجمہ پڑھتے وقت اگر یہ محسوس کرے کہ یہ الفاظ اس ترجمے کے نہیں بلکہ میرے ہیں۔ یہ میری زبان کے الفاظ ہیں اور وہ یہ سمجھے کہ ان الفاظ میں میرے جذبات کی ترجمانی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا قاری اپنائیت محسوس کر رہا ہے۔ یہ اپنائیت لفظی اوصاف کی وجہ سے ہوتی ہے علامہ محمد اعظم سعیدی کا ترجمہ ملاحظہ ہو اس میں اپنائیت جھلکتی ہے:

وَقُلْنَا یٰاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ وَکُلَا مِنْھَا رَغَداً حَیْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا ھٰذِہِ الشَّجَرَۃَ فَتَکُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (۲:البقرہ:۳۵)

''اتے اساں آکھیا اے آدم، رہو تساں اتے تہاڈی تریمت ایں جنت وچ اتے ڈوہیں کھاؤ ایں کنوں جتلا چاہو، جتھوں چاہو
اتے نہ نیڑے ونجا ہے ایں وݨ دے نہ تاں تھی ویسو اپنا حق ونجاون والے'' (184)

اس ترجمے کو پڑھ کر قاری کو یہ احساس ہوتا ہے کہ جیسے یہ الفاظ مترجم کے نہیں بلکہ اس کے اپنے ہیں۔ اس وجہ سے وہ اپنائیت محسوس کرتا ہے۔ کیونکہ خالص اور خوبصورت الفاظ معیاری ترجمے کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور مثال ملاحظہ ہو:

وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِہٖ عَلِیْماً (۴:النساء:۱۲۷)

''تے (تہاکوں پتہ ہووے جو) تساں جیڑھا وی چنگا کم کرو، اللہ اوکوں ہروں بھروں جاݨدے'' (185)

ڈاکٹر پروفیسر صدیق شاکر کا یہ ترجمہ اپنائیت کی عمدہ مثال ہے اس میں ایسے الفاظ کا انتخاب کیا گیا ہے جو اپنے لگتے ہیں۔

الفاظ کے حسن کی وجہ سے ترجمہ دلکش ہو گیا ہے۔ سادہ، عام فہم اور مانوس کلمات کا اپنا حسن ہوتا ہے۔ فاضل مترجم نے ترجمے کے فنی تقاضے کو پورا کرتے ہوئے اپنائیت کو بھی پیش نظر رکھا ہے اور یہی اس ترجمے کی خوبی ہے۔

اوصاف لفظی خصوصی

ترجمے کے خصوصی اوصاف اور محاسن جو صرف سرائیکی تراجم کی ساتھ مخصوص ہیں جو دیگر زبانوں کے تراجم میں نہیں پائے جاتے۔ ان خصائص میں حسنِ معنی، حسنِ لہجہ، حسنِ صوت، بیارت اور عجب شامل ہیں۔

یہ وہ لفظی خصائص ہیں جو صرف سرائیکی تراجم کے ساتھ وابستہ ہیں۔ ذیل میں ان پر الگ الگ نظر ڈالتے ہیں۔

حسنِ معنی

قرآن مجید کے سرائیکی تراجم کے خصوصی لفظی اوصاف کے حوالے سے حسنِ معنی پہلا وصف ہے۔ اگر ترجمے میں خوبصورت معنی رقم کیے گئے ہوں تو ترجمے کا حسن نکھر جاتا ہے اور قاری کی دلچسپی میں اضافہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر خان محمد لسکانی اور رفیق احمد نعیم لسکانی کا یہ ترجمہ ملاحظہ ہو:

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (۵۵:الرحمٰن:۱۸)

"ڈو پوادھیں تے ڈو پچادھیں دا رب ہے تے تساں اپنے رب دی کیہڑی کیہڑی نعمت دا انکار کریسو" (186)

اس ترجمے میں فاضل مترجمین نے سرائیکی زبان کے دو خوبصورت الفاظ "پوادھ" اور "پچادھ" کا نہایت ہی خوبصورت انداز میں استعمال کیا ہے اور گرائمر کے حوالے سے "تثنیہ" کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ اس لحاظ سے زیر نظر ترجمے میں معنوی حسن خوب ہے اور یہ وصف کسی اور زبان کے ترجمے میں نہیں پایا جاتا۔

یہ سرائیکی زبان کی انفرادیت ہے کہ اس میں حلاوت، مٹھاس اور ادبی چاشنی اپنی مثال آپ ہے۔ مندرجہ بالا ترجمے میں بھی سرائیکیت اور ابلاغ بھی موجود ہے لیکن سب سے اہم بات یہ ہے اس ترجمے میں معنوی حسن ترجمے کی خوبصورتی کا باعث ہے۔ حسنِ معنی کے حوالے سے مولانا حفیظ الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ترجمہ ملاحظہ فرمایئے۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (۱:الفاتحہ:۴)

"صرف تیڈی عبادت کریندے ہیں اساں اتے صرف تیں کوں مدد منگدے ہیں اساں" (187)

اس آیت کے ترجمے میں حسنِ معنی موجود ہے جو قاری کو مطالعہ قرآن کی طرف راغب کرتا ہے۔ فاضل مترجم نے معنوی حسن کے ساتھ ساتھ ترجمہ سادہ اسلوب میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ قاری کے لئے آسانی ہو لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس میں عربی متن کے خوبصورت معنی رقم کیے گئے ہیں اور یہ وصف صرف سرائیکی زبان کو ہی حاصل ہے۔

ڈاکٹر مہر عبدالحق نے قرآن مجید کا ادبی مطالعہ کیا اور تمام ادبی پہلو سامنے رکھے۔ انہوں نے سرائیکی ادبی حسن کے ساتھ ساتھ حسنِ معنی کو بھی پیش نظر رکھا مثلاً:

فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ (۳۶:یٰسین:۷۶)

"بس وت انھاں دی گالھ تیکوں مونجھا نہ کرے" (188)

''مونجھ'' سرائیکی زبان کا ایک ایسا لفظ ہے جس کا متبادل لفظ دنیا کی کسی زبان میں نہیں۔ یعنی کوئی ایسا لفظ نہیں جو ''مونجھ'' کی ترجمانی کر سکے۔ سرائیکی زبان کا یہ خاص حسن اس ترجمے میں بھی موجود ہے۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے حسنِ معنیٰ کا خاص خیال رکھا ہے جس سے ترجمے کے حسن میں اضافہ ہوا ہے۔ فاضل مترجم شاعر بھی تھے اور ادب سے گہرا لگاؤ بھی تھا۔ اس لیے آپ کا ترجمہ ادبی حسن، ادبی چاشنی اور خاص طور پر حسن معنیٰ سے مزین ہے اور قاری کے لئے دلچسپی کا باعث ہے۔

حسن لہجہ

سرائیکی زبان کے ہر لہجے کا اپنا حسن ہے۔ سرائیکی ایک باغ ہے جس میں کئی رنگوں کے پھول کھلے ہیں۔ ہر پھول کا اپنا رنگ اپنی خوشبو ہے جیسے گلاب، چنبیلی، موتیا اور کرنا وغیرہ۔

سرائیکی زبان کے تمام لہجے بھی اسی طرح سے اپنی اپنی پہچان رکھتے ہیں مثال کے طور پر مولانا غلام محمد چاچڑانی کا درج ذیل ترجمہ ملاحظہ فرمایئے جو ریاستی لہجے کی بھرپور نمائندگی کرتا ہے۔

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (۵۵: الرحمٰن: ۱۸)

''اساں حیڈی عبادت کریندوں اتے تمیں کنوں مدد منگدوں'' (189)

اس ترجمے میں ''کریندوں'' اور ''منگدوں'' ریاستی لہجے کے خوبصورت الفاظ ہیں۔ فاضل مترجم نے اس لہجے کی مٹھاس اور چاشنی کو عیاں کیا ہے۔ سرائیکی زبان کے ریاستی لہجے کا اپنا رنگ ہے جس کو مترجم ذی وقار نے خوبصورت انداز میں نمایاں کیا ہے اور ریاستی لہجے کی بھرپور نمائندگی کی ہے اب ایک اور مثال ملاحظہ کیجئے:

وَقَالُوْا رَبَّنَا اِنَّا اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ کُبَرَآءَ نَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِیْلَا (۳۳: الاحزاب: ۶۷)

''اتے اوا کھسن اے ساڈے ارب اساں تے اپنے سرداریں، وڈیریں دا آکھن منیا ہائے انہیں ساکوں سدھی راہ کنیں گمراہ کر ڈتے''۔ (190)

مندرجہ بالا ترجمے میں خان محمد لسکانی اور رفیق احمد نعیم لسکانی نے سرائیکی زبان کے معروف لہجے ''ڈیروی'' کی نمائندگی کی ہے۔ ''سرداریں'' اور ''وڈیریں'' ڈیروی لہجے کے خالص الفاظ ہیں۔

فاضل مترجمین نے اوصاف لفظی کو بھی پیش نظر رکھا ہے اور سرائیکی زبان کے لسانی حسن کا بھی خیال رکھا ہے اور یہ قرآن پاک کے سرائیکی تراجم کا خصوصی وصف ہے کہ اس کے تراجم کئی لہجوں میں ہیں۔

یہ امتیاز کسی اور زبان کو حاصل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ خصوصی اوصاف لفظی سرائیکی تراجم میں پائے جاتے ہیں۔ جو دیگر زبانوں کے تراجم میں موجود نہیں۔

حسن صوت

سرائیکی زبان کے محاسن میں حلاوت، فصاحت، بلاغت، ادبی چاشنی اثر آفرینی، معنویت، لجوبیت اور لیسارت شامل ہیں لیکن اس زبان کا صوتی حسن بھی اپنی مثال آپ ہے۔ صوت سے مراد آواز ہے اور جب سرائیکی زبان بولی جارہی ہوتو سامع اسکی چاشنی کو ایک عرصے تک نہیں بھول پاتا۔ مثال کے طور پر دلشاد کلانچوی کا یہ ترجمہ ملاحظہ ہو:

الھٰکم التکاثر حتی زرتم المقابر (۱۰۲:التکاثر:۱۔۲)

"تہاکوں ڈھیر مال مڈی دی ڈاڈھی خواہش اصلوں اندھا کر چھوڑیے ایں توڑیں

جو تساں قبراں دامنہ وچ ڈیکھسو" (191)

مندرجہ بالا آیات کا ترجمہ صوتی حسن کا مظہر ہے اس قدر خوبصورت الفاظ کا انتخاب خوب ہے۔ بندش الفاظ کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔ سرائیکی زبان میں جو حسن صوت پایا جاتا ہے وہ دنیا کی کسی زبان میں نہیں۔ سرائیکی زبان کا ہر لفظ اپنے اندر ایک تاثیر رکھتا ہے اور اسی وجہ سے صوتی حسن بھی اس زبان کا خاصہ ہے ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیے:

یا ایھا الناس کلو امما فی الارض حللاً طیباً وّلا تتبعوا خطوٰت

الشیطن انہ لکم عدوٌ مبینٌ (۲:البقرہ:۱۶۸)

"لوکو! زمین وچ جو کجھ حلال تے پاک ہے، کھاوو۔ شیطان دا پیرانہ چاؤ۔

بے شک او تہاڈا اچیتا ویری ہے" (192)

اس ترجمے سے جہاں ڈاکٹر پروفیسر صدیق شاکر کی فنی مہارت سامنے آتی ہے وہاں سرائیکی زبان کا صوتی حسن بھی نمایاں ہوتا ہے۔ مصنف موصوف نے معنوی حسن اور موزونیت کو بھی ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ اس سے ترجمے کا حسن بھی بڑھ گیا ہے۔ خاص طور پر صوتی حسن عیاں ہوا ہے۔ کیونکہ الفاظ کا انتخاب اور بندش الفاظ خوب ہے اور اس سے ڈاکٹر صاحب کی عربی اور سرائیکی زبان پر دسترس کا پتہ چلتا ہے۔ قرآن مجید کے تراجم میں صوتی حسن صرف سرائیکی تراجم میں پایا جاتا ہے دنیا کی کسی اور زبان میں موجود نہیں۔

لیسارت

اوصاف لفظی خصوصی کے حوالے سے سرائیکی تراجم کی ایک خاص خوبی لیسارت ہے۔ اگر ترجمہ آسان ہو۔ قاری کو سمجھنے میں وقت نہ آئے تو ترجمے کے حسن میں اضافہ ہوتا ہے۔ لیسارت وہ وصف ہے جو صرف قرآن مجید کے سرائیکی تراجم میں پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ النساء کی اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانَ ضَعِیْفاً (۴:النساء:۲۸)

"اللہ چاہندے جو تہاڈے اتوں بار ہولا کر ڈیوے، کیوں جو انسان کوں کمزور پیدا کیتا گئے"۔ (193)

مندرجہ بالا ترجمے میں پروفیسر دلشاد کلانچوی نے نہایت ہی آسان اور عام فہم ترجمہ تصنیف فرمایا ہے۔ اسے قاری

پہلی ہی نظر میں سمجھ لیتا ہے۔ فاضل مترجم نے سرائیکی زبان کے خالص اور مانوس الفاظ منتخب کیے ہیں۔ جس سے ترجمے میں چاشنی پیدا ہوگئی ہے۔ بیارت کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیے:

هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ (۳:آل عمران:۶)

''اوہواای تاں ہے کہ ڈیندے تہاکوں صورت مانواں دے پیٹ وچ جیہوجہیں اوچاہندے (194)

اس ترجمے میں مولانا نور احمد سیال مرحوم و مغفور نے نہایت آسان اور سادہ الفاظ سے ترجمہ مزین کیا ہے۔ بندش الفاظ بھی خوب ہے اور قرآن مجید کے عربی متن کی مکمل ترجمانی بھی پائی جاتی ہے۔ فاضل مترجم نے حسن معنی، حسن لہجہ اور حسن صوت کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔

اس سے ترجمہ فصیح اور واضح ہوگیا ہے اور ابلاغ کامل بھی پایا جاتا ہے۔ قرآن مجید کے سرائیکی تراجم میں اوصاف لفظی خصوصی کے حوالے سے بیارت ایک منفرد خوبی ہے جو دنیا کی دیگر زبانوں کے تراجم میں نہیں پائی جاتی۔

عُجب:

ترجمے میں عُجب سے مراد Novelty ہے۔ ایک ایسی خوبصورتی جسے قاری دیکھ کر حیران ہو جائے۔ قرآنی تراجم ایک عجوبے کی حیثیت رکھتے ہیں جنہیں محبت سے دیکھا جاتا ہے اور شوق سے پڑھا جاتا ہے۔ قرآن مجید کے سرائیکی تراجم میں اوصاف لفظی خصوصی کے حوالے سے عجب پایا جاتا ہے جو دنیا کی دوسری زبانوں کے تراجم میں نہیں ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر مہر عبدالحق مرحوم کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا (۱۷:بنی اسرائیل:۱۱)

''اتے انسان برائی کوں وی اونویں سڈ یندے جیویں اوندلسڈ نیکی دا ہوندے

انسان ہوں اُبالھا ہے'' (195)

فاضل مترجم نے ''برائی کوں وی اونویں سڈ یندے''، ''سڈ نیکی دا'' اور ''ابالھا'' جیسے سرائیکی الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ان کلمات میں عجب پایا جاتا ہے۔ مترجم ذی وقار نے وہ کلمات استعمال کیے ہیں جن سے قرآن مجید کے عربی متن کی ترجمانی ہوتی ہے اسی حوالے سے ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیے:

وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ (۵۶:الواقعہ:۴۷)

''تے آہدے ہن کیا اساں جیلھے مر ویسوں تے ہڈیاں بچ ویسن کیا اساں ولا جیندے تھیسوں'' (196)

خان محمد لسکانی نے مندرجہ بالا ترجمے جو کلمات رقم کیے ہیں ان میں ایک ایسی خوبصورتی ہے جسے دیکھ کر قاری حیران ہو جاتا ہے۔ سرائیکی زبان کے الفاظ کا اپنا صوتی حسن ہے اور فاضل مترجم الفاظ استعمال کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ آپ نے الفاظ کے خصوصی اوصاف کو عیاں کیا ہے۔ سرائیکیت کو نمایاں کیا ہے اور یہ خصوصیت دنیا کی دیگر زبانوں کے تراجم میں نہیں ملتی۔

اوصاف معنوی عمومی

قرآن کے زیرِ مطالعہ سرائیکی تراجم میں معنوی اعتبار سے جو عمومی اوصاف پائے جاتے ہیں ذیل میں ان پر الگ الگ نظر ڈالتے ہیں۔

سلاست

معنوی اعتبار سے ترجمے میں سلاست ایک اہم وصف ہے اور قرآن مجید کے سرائیکی تراجم میں یہ وصف عمومی طور پر پایا جاتا ہے مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

وَقُلْنَا يٰاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا (۲:البقرہ:۳۵)

"اتے اساں آدم علیہ السلام کوں آکھیا جو اے آدم تساں اتے تساڈی تریمت بہشت وچ وسو اتے اوں بہشت وچ جیڑھی جاہوں تساڈا دل منگے نسنگ کھاؤ پیوو" (197)

مندرجہ بالا ترجمے میں مولانا خیر الدین صابر ملتانی نے ایسے خوبصورت الفاظ کا انتخاب کیا ہے جو سلیس بھی ہیں اور رواں بھی۔ ترجمہ میں روانی ایسے ہے جیسے دریا میں پانی کا بہاؤ ہوتا ہے۔ فاضل مترجم نے معنوی اعتبار سے سلیس الفاظ استعمال کر کے ترجمے کا حق ادا کر دیا ہے۔ سلاست کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ (۸۱:التکویر:۱-۲)

"جڈاں سجھ کوں ولھیٹیا ویسی تے جیڑیں ویلے تارے پھکے تھی ویسن" (198)

استاذ محمد رمضان طالب نے مندرجہ بالا ترجمے میں معنوی اوصاف کو پیش نظر رکھا ہے اور ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جو پر شکوہ ہیں الفاظ موزوں بھی ہیں اور ان میں سادگی اور متانت بھی پائی جاتی ہے۔ حسن معنی، حسن صوت بھی خوب ہیں مگر ان الفاظ میں سب سے زیادہ سلاست اور روانی پائی جاتی ہے جو ایک معیاری ترجمے کی خوبی ہوتی ہے۔ قرآن مجید کے سرائیکی تراجم میں عمومی طور پر سلاست اور روانی پائی جاتی ہے جو ان تراجم کا بڑا وصف ہے:

فصاحت

فصیح کلام وہ ہوتا ہے جو واضح ہو۔ اس میں ابہام نہ ہو اور وہ پہلی نظر میں سمجھ میں آجائے۔ معنوی اوصاف کے حوالے سے قرآن مجید کے سرائیکی تراجم میں فصاحت و بلاغت پائی جاتی ہے ایسے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جو واضح ہیں۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر پروفیسر محمد صدیق شاکر کا یہ ترجمہ ملاحظہ ہو:

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (۴: النساء: ۱۷۶)

"اللہ تہاکوں ڈاڈھے کھول کے مسئلے ڈسیندے۔ تاں جو تساں بھل وچ نہ راہوو۔
تے اللہ ہک ہک شئے کوں جاندے" (199)

فاضل مترجم نے فصیح الفاظ استعمال کیے ہیں تاکہ عام قاری کو بھی سمجھنے میں آسانی ہو۔ اس ترجمے میں ہر لفظ واضح ہے۔ کسی لفظ میں کوئی ابہام نہیں ہے۔ اور ترجمہ آسان پیرایہ بیان میں تحریر کیا گیا ہے۔ معنوی اوصاف کے اعتبار سے یہ بڑا فصیح ترجمہ ہے۔ فصاحت کے حوالے سے ایک اور مثال قابل ملاحظہ ہے:

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحٰبِ الْفِيْلِ (۱۰۵:الفیل:۱)

''اے محبوبؐ کیا تساں نئی ڈٹھا تساڈے رب نے انہاں ہاتھی والیں دا کیا حال کیتا''۔(200)

اس ترجمے میں مولانا غلام محمد چاچڑانی نے فصیح الفاظ استعمال کیے ہیں۔ فاضل مترجم نے قرآن مجید کے عربی متن کی مکمل ترجمانی کی ہے مندرجہ بالا ترجمے میں الفاظ کا معنوی حسن اپنی مثال آپ ہے۔

ہر لفظ کے واضح معانی رقم کیے گئے ہیں۔''عام الفیل'' کا یہ واقعہ مترجم ذی وقار نے فصاحت و بلاغت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے الفاظ کے معنوی اوصاف کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ اور ترجمے میں کہیں بھی ابہام نہیں ہے۔

ادبیت

معیاری ترجمے میں ادبیت پائی جاتی ہے۔ اس میں ادبی چاشنی، سلاست، فصاحت، الفاظ کی بندش اور خوبصورت الفاظ لازم و ملزوم ہیں۔ اگر ترجمے میں الفاظ کے معنوی اوصاف کو پیش نظر رکھا جائے تو ترجمہ دلکش بن جاتا ہے اور قاری کی دلچسپی میں اضافہ ہوتا ہے مثال کے طور پر پروفیسر دلشاد کلانچوی کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ (۹۶:العلق:۱۔۲)

''(اے رسول) توں آپڑیں رب دا ناں گھن تے پڑھ جیں پیدا کیتے۔

جیں انسان کوں لہو دی بوٹی کنوں پیدا کیتے''۔(201)

مترجم ذی وقار ماہر تعلیم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک صاحب طرز ادیب اور شاعر بھی تھے اس لیے آپ کے ترجمے میں ادبیت کا عنصر غالب ہے۔ اس ترجمے میں ادبی حسن، ادبی چاشنی اور ادبی رنگ خوب ہے۔ اسی طرح درج ذیل آیت کریمہ کا منظوم ترجمہ ملاحظہ ہو:

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (202)

اساں تیڈی عبادت اے میڈے اللہ کریندے ہاں

تیڈی امداد دی مالک اساں تانگاں رکھیندے ہاں

اس منظوم ترجمے میں بھی ادبیت عیاں ہے۔ یہ وصف صرف منثور تراجم میں نہیں ملتا۔ منظوم تراجم بھی اس سے بہرہ ور ہیں مذکورہ صدر ترجمے میں جہاں شعری تقاضے پورے کیے گئے ہیں اور ردیف اور قافیے کی پابندی کی گئی ہے وہاں ادبی حسن بھی برقرار رکھا گیا ہے۔

ایک طرف شعری ضرورت کا خیال رکھا گیا ہے دوسری طرف ادبی حسن کو برقرار رکھا گیا ہے۔ بہر حال جناب عبدالوہاب عباسی کا یہ ترجمہ صرف خوب ہی نہیں بہت خوب ہے۔

علمیت

قرآن مجید کے سرائیکی مترجمین میں سے اکثر عالم فاضل، علامہ، پروفیسر، مفتی اور دو وقتہ مترجمین پی۔ ایچ۔ ڈی بھی ہیں۔ ان میں کچھ کم تعلیم یافتہ لیکن انہوں نے دینی جذبے کے تحت یہ قابل قدر کام کیا ہے۔ علامہ محمد اعظم سعیدی دامت برکاتہم بہت بڑے جید عالم دین ہیں۔ وسیع المطالعہ ہیں۔ آپ کی علمیت کسی سے کم نہیں۔ آپ کے سرائیکی ترجمے کے ایک ایک لفظ سے تبحر علمی ترشح ہوتا ہے۔ مثال ملاحظہ فرمایئے:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (۲:البقرہ:۴۴)

"کیا تساں حکم ڈیندو لوکاں کوں نیکی دا اتے بھلا ڈیندو اپنے آپ کوں، اتے تساں پڑھدے ہو کتاب کیا تہاکوں عقل کینھی"۔(203)

یہ ترجمہ علمی اعتبار سے بہت فصیح وبلیغ ترجمہ ہے۔ایک ایک لفظ میں معنوی حسن پایا جاتا ہے اور قرآن مجید کے عربی متن کی مکمل ترجمانی بھی موجود ہے۔اس ترجمے سے عیاں ہوتا ہے کہ یہ کسی عالم دین نے تصنیف کیا ہے۔اسی طرح ڈاکٹر محمد صدیق شاکر ایسے فاضل مترجم ومفسر جو علم وفضل کا ایک وافر حصہ رکھتے ہیں ان کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ (۳:آل عمران:۱۷)

"ایہ لوک صبر کرن آلے، سچ بولن آلے، آکھے لگن آلے، خرچ کرن آلے تے وڈے ویلے اٹھی کے بخشش منگن آلے ہن"۔(204)

مندرجہ بالا ترجمے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ یہ ترجمہ کسی عالم دین کا ہے اس میں فصاحت، بلاغت، سلاست، حلاوت، بیارت، متانت، ادبیت، اور علمیت پائی جاتی ہے اور تمام الفاظ کے معنوی اوصاف بھی نمایاں ہیں۔

اثر آفرینی

اچھا ترجمہ وہ ہوتا ہے جس میں اثر آفرینی ہو۔جو دل میں اتر جائے۔قرآن مجید کا ایک ایک لفظ اثر انگیز ہے۔یہ اعجاز القرآن ہے کہ اس سے قلوب منور ہوتے ہیں۔اثر آفرینی کی مثال ملاحظہ فرمائیے:

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا (۹۹:الزلزال:۱-۲)

"جیڑھے ویلے ہلائی ویسی زمین زلزلے آ پڑیں نال اتے کڈھ ݙیسی زمین بار آ پڑیں"۔(205)

مندرجہ بالا آیت کریمہ کا ترجمہ فوری طور پر قاری کے دل پر اثر کرتا ہے۔مترجم مولانا حفیظ الرحمٰن حفیظ ہیں جنہوں نے اس ترجمے میں ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جو عربی متن سے مطابقت رکھتے ہیں اور اثر آفرین ہیں۔اب ایک اور مثال ملاحظہ ہو:

فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا (۱۰۰:العٰدیٰت:۳-۴)

"وت دھاڑا مریندن دھمیں دھمیں وت ایندے نال دودھڑ اٹھا کریندن"۔(206)

یہ ڈاکٹر مہر عبدالحق کی کاوش ہے۔ان کے ترجمے کا ایک بہت بڑا وصف یہ ہے کہ اس میں کمال اثر انگیزی ہے۔جس طرح قرآن مجید کے عربی متن کے ایک ایک لفظ میں تاثیر ہے۔

اسی طرح مترجم ذی وقار نے بھی ترجمے میں موافقت کی کوشش کی ہے۔قرآن مجید کلام الٰہی ہے اور یہ اس کا اعجاز ہے کہ اس کا ہر لفظ ایک خاص تاثیر رکھتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا"اگر قرآن پہاڑوں پر نازل ہوتا تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتے"۔

قرآن مجید کے ان سرائیکی تراجم میں معنوی اوصاف کی وجہ سے ترجمے کے حسن میں اضافہ ہوا ہے اور یہ قاری کے دل میں اتر جاتا ہے۔دوسرا یہ کہ سرائیکی زبان کا اپنا لسانی حسن ہے۔انکی ادبی چاشنی اور سلاست نے بھی ترجمے کو پرتاثیر بنا دیا ہے۔

اوصاف معنوی خصوصی

قرآن مجید کے تراجم کے چند معنوی اوصاف ایسے ہیں جو صرف سرائیکی تراجم میں پائے جاتے ہیں۔ یہ اوصاف دیگر زبانوں کے تراجم میں کم ملتے ہیں۔ ذیل میں ان پر الگ الگ نظر ڈالتے ہیں۔

جاذبیت

جاذبیت سے مراد کشش ہے۔ قرآن مجید کے سرائیکی تراجم میں فطری کشش پائی جاتی ہے۔ قاری پڑھتا چلا جاتا ہے اکتاتا نہیں۔ پڑھتے ہوئے چھوڑنے کا دل نہیں کرتا۔ مثال کے طور پر مولانا محمد خیر الدین صابر ملتانی مرحوم و مغفور کا یہ ترجمہ ملاحظہ ہو:

إِنَّا أَرْسَلْنَٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَا تُسْـَٔلُ عَنْ أَصْحَٰبِ الْجَحِيمِ (۲:البقرہ:)

''اے پیغمبر اساں تساکوں سچا دین ڈے کے مسلماناں کوں نجات دی خوش خبری ڈیوݨ والا تے کافراں کوں عذاب آخرت دے کنوں ڈراوݨ والا بنا کے بھیجا ہے۔ تیں کنوں دوزخیاں دے حق وچ کئی پچھ پڑتال نہ تھیسی''۔(207)

مندرجہ بالا ترجمہ دلکش ہے۔ جاذب نظر ہے اور دل میں اتر جانے والا ہے۔ معیاری ترجمہ وہی ہوتا ہے جو پہلی نظر میں سمجھ میں آ جائے اور اس کے پڑھتے وقت اکتاہٹ محسوس نہ بلکہ دلچسپی میں اضافہ ہو۔ جاذبیت کی ایک اور ملاحظہ ہو:

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَٰلَمِينَ (۱:الفاتحہ:۱)

''ساریاں چنگائیاں تے صفتاں اللہ سئیں کیتے ہن جیڑھا سارے جہانیں دا پالݨ ہار''(208)

اس ترجمہ میں جاذبیت پائی جاتی ہے۔ ایک تو سرائیکی زبان میں فطری کشش کی وجہ سے اور دوسرا فاضل مترجم نے الفاظ کا انتخاب عمدہ کیا ہے جس سے ترجمے میں سلاست اور روانی بھی آ گئی ہے جو ترجمے میں حسن و کشش کا باعث ہے۔

سہولت

اردو تراجم کی نسبت سرائیکی تراجم میں زیادہ سہولت پائی جاتی ہے۔ اردو تراجم میں عربی اور فارسی کے کلمات کی وجہ سے ترجمہ مشکل اور ادق ہو جاتا ہے۔ جبکہ سرائیکی ایک وسیع اور وقیع زبان ہے۔

اس زبان میں کچھ ایسے محاسن ہیں جو کسی اور زبان میں موجود نہیں۔ مثال کے طور پر یہ درج ذیل آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ (۲:البقرہ:۱۱۵)

''اتھں پوادھ تے پچھادھ اللہ دیں ہچھیں جیڑھے پاسیں منہ کرو اوھوای خدا دی بندگی دا پاسا''۔(209)

یہ ترجمہ نہایت ہی آسان، عام فہم ترجمہ ہے۔ عام قاری بھی اسے سمجھنے پر قادر ہے۔ ترجمہ کو سمجھنے یہ سہولت صرف سرائیکی زبان میں پائی جاتی ہے کیونکہ اس زبان کا ذخیرہ الفاظ بہت وسیع ہے اس لیے قاری کے لیے تفہیم قرآن کی سہولت میسر ہے۔ اسی طرح سہولت کی ایک اور مثال قابل ملاحظہ ہے:

اَللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ (۱۳:الرعد:۲۶)

"اللہ جیندے کیتے چہندے رزق کھلا کر ڈیندے"۔(210)

سرائیکی زبان کے خصوصی معنوی اوصاف اس ترجمے میں بھی پائے جاتے ہیں۔یہ وہ اوصاف جو دنیا کی دیگر زبانوں کے تراجم میں بہت کم ملتے ہیں۔دلشاد کلانچوی سرائیکی زبان وادب کے نامور ادیب وشاعر تھے۔انہوں نے تراجم کے میدان میں بھی اپنی مہارت کا لوہا منوایا ہے۔مندرجہ بالا ترجمے میں سرائیکی زبان کے الفاظ کے انتخاب میں معنوی حسن کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔اور قاری کو بھی سہولت دی ہے کہ وہ پہلی نظر میں مفہوم قرآن سے آگاہ ہو جائے۔

مانوسیت

سرائیکی ایک مانوس زبان ہے۔اس زبان کے سارے الفاظ جانے پہچانے معلوم ہوتے ہیں۔مانوس زبان کا ترجمہ بھی مانوس زبان میں ہونا چاہیے۔قرآن مجید کے سرائیکی تراجم کے بیشتر مترجمین نے مانوس کلمات استعمال کیے ہیں جس سے ترجمے کے حسن میں اضافہ ہوا ہے اور ترجمے کی تفہیم میں بھی آسانی پیدا ہوئی ہے۔مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

وَاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ (۱۰۵:الفیل:۳)

"اُتیں انھاں دے اُتیں پکھیں دی جھار نہیں پٹھ ڈتی"(211)

استاد محمد رمضان طالب نے مندرجہ بالا آیت کے ترجمے میں سرائیکی زبان کے مانوس کلمات رقم کیے ہیں۔جس سے ترجمہ فصیح ہو گیا ہے۔فاضل مترجم نے الفاظ کے معنوی اوصاف کو سامنے رکھ کر ترجمہ تصنیف کیا ہے۔مانوسیت کا یہ وصف دیگر زبانوں کے تراجم کی نسبت سرائیکی میں زیادہ ملتا ہے۔مانوسیت کی ایک اور مثال قابلِ ملاحظہ ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا (۴:النساء:۱۰)

"بے شک جیڑھے لوک،ودھیکی کریندے ہوئے یتیماں دا مال کھاندن او اپنے ڈھڈ وچ بھا بھریندن۔تے انہاں کوں تکھے بلدی بھاوچ سٹ ڈتا ویسی"(212)

ڈاکٹر پروفیسر محمد صدیق شاکر نے مندرجہ بالا ترجمے میں سرائیکی زبان کے معنوی اوصاف کے حوالے سے مانوسیت کو عیاں کیا ہے۔انہوں نے بہت ہی خوبصورتی کے ساتھ سرائیکی زبان کے مانوس کلمات رقم کیے ہیں۔جس سے ترجمے کے ادبی حسن میں بھی اضافہ ہوا ہے اور قرآن مجید کے عربی متن کی مکمل ترجمانی بھی پائی جاتی ہے۔

حلاوت

سرائیکی زبان کے اوصاف میں بشارت،فصاحت،بلاغت،سذاجت،سلاست،ابلاغ اور ادبی چاشنی شامل ہیں۔مگر اس کی سب سے بڑی خوبی حلاوت ہے۔یہ زبان پوری دنیا میں اپنے مٹھاس کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔

قرآن مجید کے دیگر زبانوں کے تراجم میں یہ وصف موجود نہیں ہے مگر سرائیکی دنیا کی واحد زبان ہے جس کے تراجم میں حلاوت اور مٹھاس پایا جاتا ہے۔حلاوت کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ (۱:الفاتحہ:۴)

''اساں جیڑی عبادت کریندوں اتے تیں کنوں مدد منگدوں'' (213)

مولانا غلام محمد چاچڑانی نے سرائیکی زبان کے ریاستی لہجے کے خوبصورت الفاظ رقم کر کے سرائیکی زبان کی حلاوت اور مٹھاس کو عیاں کیا ہے۔ سرائیکی زبان کی مٹھاس اور لطافت اپنی مثال آپ ہے جو اس ترجمے میں مترشح ہوتی ہے۔ حلاوت کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیے:

مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ فُرُشٍ بَطَائِنُهَا مِنْ إِسْتَبْرَقٍ وَجَنَى الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ (۵۵:الرحمٰن:۵۴)

''او فرش تے وہانے لا کے بیٹھے ہوسن جنہیں دے وچ ریشم ہوسی تے پھل نال ڈو ہیں باغاں دے پئے ہوسن'' (214)

استاد خان محمد لسکانی اور رفیق احمد نعیم لسکانی نے سرائیکی زبان کے اہم وصف حلاوت کو بڑے خوبصورت انداز میں تحریر کیا ہے۔

قاری اس مٹھاس کو محسوس کرتا ہے اور قرآن مجید کی تفہیم آسان ہو جاتی ہے۔ حلاوت اور مٹھاس کا وصف صرف سرائیکی زبان میں نمایاں اسی وجہ سے قرآن مجید تراجم میں بھی یہ وصف موجود ہے۔ لوگ پڑھتے ہیں سر دھنتے ہیں جیسے ایک ایک لفظ میں رس گھول دیا گیا۔

عجابت

عجابت سے مراد ترجمے کا ایسا حسن ہے جسے قاری دیکھ کر حیران ہو جائے۔ جو دل کو اچھا لگے۔ قرآن مجید کا سرائیکی ترجمہ ہونا ہی عجاب ہے۔ ہر سرائیکی بولنے والا اسے محبت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور جذبے کے ساتھ پڑھتا ہے۔ مثال کے طور پر درج ذیل آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (۲:البقرہ:۵)

''ایہے لوک اپنے مالک دے آکھے وچ ہن اتے ایہے لوک توڑ چڑھن آلے ہن''۔ (215)

مندرجہ بالا ترجمہ ڈاکٹر پروفیسر محمد صدیق شاکر کی تصنیف ہے۔ اس ترجمے میں مترجم ذی وقار نے اوصاف معنوی خصوصی جو صرف سرائیکی تراجم میں پائے جاتے ہیں کا خاص خیال رکھا ہے۔ یہ ایسا ترجمہ ہے جسے قاری شوق سے پڑھتا ہے مصنف موصوف نے خاص طور پر ''مُفْلِحُون'' کا ترجمہ ''توڑ چڑھن آلے'' کیا ہے جو خوب ہے۔ اسے ترجمے سے قرآن مجید کے عربی متن کی مکمل ترجمانی ہوئی ہے۔ عجابت کے حوالے سے ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیے۔

يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ آنٍ (۵۵:الرحمٰن:۴۴)

''ایندے وچ بڑکدے پانڑیں تیکیں ول ول پھردے رہسن'' (216)

اس آیت کریمہ کا ترجمہ بھی عجابت کی عمدہ مثال ہے۔ اس ترجمے پروفیسر عطا محمد دلشاد کلانچوی نے معنوی اعتبار سے بہت موزوں الفاظ کا انتخاب کیا ہے۔ ''بڑکدے پانڑیں'' سرائیکی زبان کا خالص لفظ ہے یہ ایسا خوبصورت ترجمہ ہے جسے پڑھ کے حیرانی ہوتی ہے اور اس کا صوتی حسن بھی خوب ہے۔ جو قاری کے لئے خوشی کا باعث ہے۔

نقیصاتِ تراجم اوران پر تحقیقی نظر

کوئی بھی ادبی شہ پارہ جو ہزاروں اوصاف سے متصف ہواس میں کوئی نہ کوئی کمی اور خامی رہ جاتی ہے۔ یہی حال قرآن مجید کے ان قابل قدر تراجم کا ہے جو ہمارے زیر نظر ہیں۔ ان کے لفظی معنوی محاسن واوصاف کا تذکرہ بھرپور انداز میں پچھلی سطور میں ہو چکا ہے۔ اب ناگوار تذکرہ کرتے ہیں ان کمزوریوں کا جو ان تراجم میں رہ گئی ہیں۔ مجموعی طور پر تمام تراجم خوبصورت ہیں۔ بعض تراجم کے بعض حصے صحت اور فصاحت کے معیار پر پورے نہیں اترتے۔ اس کے کئی اسباب ہیں۔

سب سے پہلا اور بنیادی سبب یہ ہے کہ قرآن مجید سامی زبانوں کا شاہکار ہے۔ عربی سامی زبانوں میں سب سے زیادہ بلیغ اور وقیع زبان ہے اور قرآن مجید اس کا ایک بے مثل شاہ پارہ ہے۔ اس کا ترجمہ ایک غیر سامی زبان میں کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کے جتنی زبانوں میں بھی تراجم ہوئے وہ قرآن مجید کی مکمل ترجمانی نہیں کرتے۔ وہ زور بیان اور شکوہ کلمات جو عربی متن میں نظر آتا ہے وہ تراجم میں کہیں نہیں ملتا۔

سرائیکی ایک علاقائی اور بول چال کی زبان ہے۔ اس میں الفاظ کا ذخیرہ اور بندش کلمات میں وہ وسعت نہیں جو عربی زبان میں ہے۔ سرائیکی کی یہ تنگدامنی بھی تراجم میں تنقیص کا باعث بنی ہے۔ سرائیکی بے شک ایک مقبول اور پسندیدہ زبان ہے۔ جن مترجمین نے اس زبان کو اپنے اظہار خیال کا ذریعہ بنایا اور اس میں قرآن مجید کی ترجمانی کی کاوش کی وہ شکریے کے مستحق ہیں لیکن ان کی کوششیں سوفی صد کامیاب نہیں ہو سکیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ہمیں ان تراجم میں وہ خامیاں نظر نہ آتیں جو کہ عیاں ہیں۔ تراجم میں کمی اور خامی رہ جانے کی وجہ یہ بھی نظر آتی ہے کہ قرآن مجید کے بیشتر مترجمین عربی زبان وادب سے نابلد ہیں۔ انھوں نے ایک ایمانی جذبے اور قرآن سے قلبی لگاؤ کے باعث قرآن مجید کے عربی متن کو سرائیکی میں ڈھال تو دیا لیکن اس میں بہت سا خلا رہ گیا۔ بالخصوص قرآن مجید کے منظوم سرائیکی تراجم میں یہ بات زیادہ نظر آتی ہے۔ جس میں زبان وبیان اور شعر وقوافی کی پابندیاں تو نظر آتی ہیں لیکن قرآن کی ترجمانی نہیں۔ متن میں کچھ ہوتا ہے اور ترجمہ میں کچھ یہ بات منظوم تراجم میں اکثر نظر آتی ہے۔

ایک اور اہم اور قابل ذکر سبب یہ ہے کہ ہمارے ذی وقار مترجمین میں سے بیشتر نے قرآن مجید کے عربی متن کی بجائے کسی اردو ترجمے کی پیروی کی ہے۔ بلکہ بغور نظر ڈالنے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ترجمہ عربی متن کا نہیں بلکہ اردو ترجمے کا ہے۔ یہ بات فاضل علماء کے تراجم میں بھی ملتی ہے۔ انھوں نے نہ جانے کیوں عربی متن کی بجائے اس کے اردو ترجمے کو سامنے رکھ کر سرائیکی ترجمہ کیا۔ جیسے مولانا عبدالتواب کا ترجمہ بالکل شاہ رفیع الدین کے اردو ترجمے کو سرائیکی میں ڈھالا گیا ہے۔ اسے مترجمین کی کم علمی تو نہیں کہہ سکتے عقیدت، محبت یا کوئی اور وجہ ہو سکتی ہے۔

تراجم میں خامیوں کے پائے جانے کی ایک وجہ مترجمین ذی وقار کی دخیل اور نامانوس کلمات کو قبول کرنا ہے۔ بیشتر تراجم میں عربی اور فارسی کے کلمات بکثرت استعمال کیے گئے ہیں۔ اگر کہیں سرائیکی ٹھیٹھ سرائیکی کلمات ملتے ہیں تو وہ بھی غیر مانوس ہوتے ہیں جو ایک عام آدمی کی فہم سے بعید ہیں۔ یہ دخیل اور غیر مانوس کلمات بجائے خود ایک خامی ہیں اس سے جہاں فصاحت میں کمی آتی ہے۔ وہاں مفہوم سمجھنے میں بھی دقت ہوتی ہے۔ سلاست اور روانی ختم ہو جاتی ہے۔

بعض مترجمین نے اپنے مخصوص نظریات کو تراجم میں سمونے کی کوشش کی ہے۔ جس سے تراجم کا حسن بڑھا نہیں کم ہو گیا ہے۔ جیسے خان محمد لسکانی کا ترجمہ جماعت احمدیہ کا ترجمان ہے۔ اسی طرح غلام محمد چاچڑانی کا ترجمہ بریلوی مکتب فکر کی ترجمانی کرتا ہے وغیرہ وغیرہ ذیل میں ہم ان پر تفصیلی نظر ڈالتے ہیں۔

تقیصاتِ لفظی عمومی

آئندہ صفحات میں ہم قرآن مجید کے سرائیکی تراجم کا تقیصاتِ لفظی عمومی کے حوالے سے جائزہ لیتے ہیں۔

دخیل کلمات

تراجم میں دخیل کلمات سے مراد یہ ہے کہ دوسری زبانوں کے الفاظ استعمال کرنا۔ اردو تراجم میں عربی، فارسی، اور ہندی کے کلمات استعمال کیے گئے ہیں۔ سندھ سے ملحقہ علاقوں میں سندھی الفاظ ملتے ہیں۔ قرآن مجید کے سرائیکی تراجم میں دخیل کلمات کی مثال ملاحظہ فرمایئے:

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ (۱:الفاتحہ:۷)

''نہ رستہ انہاں دا غضب تھیا جہاں تے اتے نہ گمراہاں دا''۔(217)

مندرجہ بالا ترجمے میں مولانا حفیظ الرحمن نے ''غضب'' اور ''گمراہ'' کے کلمات استعمال کیے ہیں۔ جو غیر سرائیکی ہیں۔ مصنف موصوف نے شاہ عبدالقادرؒ کے ترجمے کو ماخذ بنایا ہے۔(218) آپ نے عربی متن سے ترجمہ کرنے کی بجائے اردو ترجمے کو سرائیکی میں ڈھالا ہے۔ جو کلمات شاہ عبدالقادرؒ نے تحریر کیے مترجم ذی وقار نے من وعن رقم کر دیے۔ دخیل کلمات کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمایئے:

فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ (۸۹:الفجر:۱۲)

''اُس وت ڈھیر ساریاں ناہمواریاں پیدا کر ڈتیاں ہانیں''۔(219)

اس ترجمے میں ''فساد'' کا ترجمہ سرائیکی زبان میں ''ناہمواریاں'' ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن معلوم یہی ہوتا ہے کہ فاضل مترجم نے اردو ترجمے کو سرائیکی میں ڈھالا ہے اسی لیے آپ کے ترجمے میں اردو فارسی اور عربی کے کلمات بکثرت ملتے ہیں۔ اگر ان دخیل کلمات کی بجائے سرائیکی زبان کے خالص الفاظ لائے جاتے تو زیادہ صائب ہوتا۔

عدم تطابق

قرآن مجید کے سرائیکی تراجم میں کہیں کہیں متن سے موافقت نہیں پائی جاتی۔ یعنی کچھ تراجم کے بعض کلمات قرآن مجید کے عربی متن کے کلمات سے مطابقت نہیں رکھتے۔ یہ خامی اردو تراجم میں بھی ہے مثلاً اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ (۸۹:الفجر:۱۳)

''پچھے ماریا انہیں تے تیڈے رب سوٹا عذاب دا''۔(220)

''صَبَّ'' کے معنی انڈیلنے اور برسانے کے ہوتے ہیں اور ''سَوْط'' کے معنی ''چابک'' یا ''کوڑا'' ہیں۔ چنانچہ عربی متن اور سرائیکی ترجمے کے کلمات مطابقت نہیں رکھتے۔ اگر ان کلمات کی بجائے سرائیکی الفاظ لائے جاتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ اسی طرح ایک اور مثال ملاحظہ فرمایئے:

وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى (۲:البقرہ:۵۷)

''اتیں چھوسے تساڈے او تیں شکلوا اتیں پکھی بکھنیں ہوئے'' (221)

مندرجہ بالا ترجمے میں ''پکھی بکھنیں ہوئے'' رقم کیا گیا ہے مگر معلوم نہیں یہ کس لفظ کا ترجمہ ہے کیونکہ متن میں کوئی ایسا لفظ موجود نہیں جس کا یہ ترجمہ ہو۔ گویا قرآن مجید کے عربی متن اور سرائیکی ترجمے میں مطابقت نہیں پائی جاتی۔ مثلاً:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۱:الفاتحہ:۱)

''سبھے تعریف اللہ کوں فقط جھیندی کہ جو مولا او مالک جھوا پالنڑ ہارا ایں سارے عالم دا'' (222)

اس شعر میں ''رب'' کے تین معانی تحریر کیے گئے ہیں ۱۔ مولا، ۲۔ مالک، ۳۔ پالنڑ ہار، جبکہ اس کے چوتھے معانی ''حاکم'' کے ہیں۔ اس ترجمے میں شاید شعری ضرورت کے تحت ایسا کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کے سرائیکی تراجم میں ''الرحمٰن'' اور ''الرحیم'' کے معنی بھی نہیں ملتے۔ کسی نے ''وڈا رحمان'' اور کسی نے ''نہایت رحم والا'' رقم کیا ہے۔ اسی طرح لفظ ''رب'' کے لیے بھی کوئی سرائیکی لفظ تحریر نہیں کیا گیا۔

مسلکی تمسک

قرآن مجید کے تراجم چاہے اردو کے ہوں یا سرائیکی کے کوئی بھی مترجم اپنا مسلک چھوڑنے کو تیار نہیں۔ ہر مترجم اپنے اپنے مسلک کی ترجمانی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر استاذ خان محمد لسکانی اور جناب رفیق احمد نعیم نے ''قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال'' کے عنوان سے قرآن مجید کا سرائیکی ترجمہ تصنیف کیا ہے اور یہ ترجمہ جماعت احمدیہ کے امام مرزا طاہر احمد کی تحریک پر کیا گیا ہے۔ فاضل مترجمین اپنے عقائد کے مطابق ترجمہ کیا ہے مثلاً ''ختم نبوت'' کے حوالے سے سورۃ الاحزاب کی درج ذیل آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا

(۳۳:الاحزاب:۴۰)

''حضرت محمد ﷺ تساں مردیں وچوں کہیں دا پیو کائنیں پچی گال اے ہے جو او اللہ دا رسول تے نبیں دی مہر (ساریں کنیں افضل نبی ء) تے اللہ ہر شئے کوں جانن والا ء'' (223)

اس آیت میں فاضل مترجمین نے جماعت احمدیہ کے عقیدے کی ترجمانی کرتے ہوئے ''ساریں کنیں افضل نبی ء'' رقم کیا ہے۔ جبکہ باقی مترجمین کا ترجمہ مختلف ہے۔ اسی طرح مفتی عبدالقادر سعیدی کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (۹۴:الم نشرح :۱)

''(اے حبیبؐ) کیا اساں تہاڈا سینہ تہاڈی خاطر کھول نہیں ڈتا'' (224)

مندرجہ بالا ترجمے میں فاضل مترجم نے اپنے مسلک کے مطابق ترجمہ رقم کیا ہے۔ اس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ قرآن مجید کے سرائیکی مترجمین نے اردو مترجمین کی طرح اپنے اپنے مسلک کے مطابق تراجم تحریر کیے ہیں۔ اور کوئی بھی اپنے عقائد اور نظریات سے ایک انچ بھی نہیں ہٹا۔

عدم فصاحت

اگر چہ قرآن مجید کے کئی سرائیکی تراجم ہو چکے ہیں لیکن کسی ترجمے کو بھی مکمل طور پر فصیح نہیں کہا جا سکتا۔ فصیح ترجمہ وہ ہے جس میں کوئی کمی نہ ہو۔ کوئی بھی مترجم یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے اللہ کے کلام کی سو فیصد ترجمانی کی ہے۔ فصاحت کے بغیر تو قرآن کی ترجمانی ممکن نہیں۔ درج ذیل آیت کا ترجمہ ملاحظہ کریں اور بتائیں اس میں کہیں فصاحت نظر آتی ہے؟

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى (۲:البقرہ:۱۲۵)

''اتے پکڑ رکھو مقام ابراہیم علیہ السلام نماز دی جگہ''۔ (225)

یہ ترجمہ واضح نہیں ہے اور نہ ہی ابلاغ ہے۔ معیاری ترجمہ وہی ہے جس میں فصاحت و بلاغت بھی اور سلاست بھی اور کسی قسم کوئی کمی نہ ہو مندرجہ بالا ترجمہ عدم فصاحت کا شکار ہے۔ یہ نا قابل فہم ترجمہ ہے اور اس میں ابہام بھی پایا جاتا ہے۔

عدم فصاحت کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمایئے:

وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی (۲: البقرہ: ۵۷)

"اتے بھیجا تہاڈے سانگے من وسلوی" (226)

اس ترجمے میں "من وسلوی" کا ترجمہ رقم نہیں کیا گیا بلکہ متن کی طرح ویسے ہی عربی کلمات تحریر کر دیئے گئے ہیں۔ قاری کے لئے یہ ادق اور مشکل ترجمہ ہے۔ قرآن مجید کے سرائیکی تراجم کا بغور مطالعہ کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ بیشتر فاضل مترجمین کے کیے گئے تراجم فصاحت کے معیار پر پورے نہیں اترتے۔ اس سے قرآن مجید کے عربی متن کی تفہیم مشکل ہو گئی ہے۔ اکثر مترجمین نے "من وسلوی" کا ترجمہ کیا ہی نہیں۔ ایسے تراجم کے ذریعے قرآن پاک کے اصل مفہوم تک پہنچنے میں وقت پیش آتی ہے۔ اگرچہ بعض مقامات پر ترجمے میں فصاحت بھی پائی جاتی ہے مگر بیشتر حصہ عدم فصاحت کا شکار ہے۔

لغوی تنگ دامنی

عربی زبان پرانی، قدیم اور زندہ زبان ہے اس کے ترجمے کے لئے اس کے پائے کی زبان ہونی چاہیے۔ اس زبان کا ذخیرہ الفاظ بھی عربی زبان جتنا ہونا چاہیے۔ اردو ہو یا کوئی اور زبان عربی کے پائے کی زبان نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کسی زبان میں بھی اب تک "رب"، "رحمٰن" اور "رحیم" کا "یک لفظی" ترجمہ نہیں ہو سکا۔ البتہ تشریحی کلمات کے ذریعے ہو سکے ہیں۔ مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۱: الفاتحہ: ۲)

"سب تعریفاں اللہ دیاں ہن جیڑھا کل جہاناں دا پالن، وودھاون تے بھلاون، بھلا ون والا ہے" (227)

مندرجہ بالا ترجمے میں لفظ "رب" کے لئے چار الفاظ رقم کیے گئے ہیں۔ رب کے لیے یک لفظی one word ترجمہ نہیں دیا گیا۔ اسی طرح تسمیہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"شروع کریندا ہاں نال ناں اللہ دے جو عام رحمت والا ہے خاص رحمت والا ہے"۔ (228)

اس ترجمے میں "الرحمٰن" کا ترجمہ "عام رحمت والا" اور "الرحیم" کا ترجمہ "خاص رحمت والا" کیا گیا ہے۔ ایک تو عام، خاص اور رحمت سرائیکی الفاظ نہیں ہیں۔ دوسرا یہ "یک لفظی" ترجمہ بھی نہیں ہے۔ اسے تشریحی ترجمہ تو کہا جا سکتا ہے صرف ترجمہ نہیں۔ قرآن مجید کے سرائیکی مترجمین میں سے کسی نے بھی ان الفاظ کے متبادل سرائیکی الفاظ نہیں دیے۔ کسی نے بہوں مہربان" کسی نے "خاص رحماں والا" کسی نے ڈاڈھا رحم کرن آلا اور کسی نے "خاص رحمتاں والا" کسی نے ڈاڈھا رحم کرن آلا "اور کسی نے "ول ول رحم کرن آلا ء" لکھا ہے۔ یہ سب سے بڑا لغوی تنگ دامنی کا ثبوت ہے کہ "الرحمٰن" اور "الرحیم" کے لیے سرائیکی لغت میں کوئی لفظ موجود نہیں۔

نقیصات لفظی خصوصی

اب ہم نقیصات لفظی خصوصی کے حوالے سے قرآن مجید کے سرائیکی تراجم کا جائزہ لیتے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

غرابت

غرابت سے مراد یہ ہے کہ اگر ترجمے میں سرائیکی زبان کے غیر مانوس، متروک یا مانوس کلمات استعمال کیے گئے ہوں جس سے ترجمہ کے مفہوم سمجھنے میں دقت ہو۔ غرابت کا عنصر سرائیکی تراجم کچھ زیادہ ملتا ہے۔ تاہم اردو تراجم میں ہندی کے ٹھیٹھ الفاظ پائے جاتے ہیں۔ معیاری ترجمہ وہ ہوتا ہے جس میں غیر مانوس کلمات نہ ہوں مثال کے طور پر درج ذیل آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً (۸۹:الفجر:۲۸)

"رجوع کر آپڑیں نشو وار تقاڈ ینون والے دی طرف آپ ئی خوش تھی کے اتے اوکوں وی خوش کر کے"۔(229)

مندرجہ بالا ترجمے میں "نشو وار تقاڈ ینون" سرائیکی قاری کے لئے نا قابل فہم ہے۔ اس کے لئے نا مانوس کلمہ ہے اور اس سے پیرایہ بیان میں طوالت بھی آ گئی ہے۔ اسی طرح غرابت کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو:

مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ یُّوْصَلَ وَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِؕ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (۲:البقرہ:۲۷)

"جیرھیدے بُند ھنڑ دا حکم خدا کیتے اتیں فساد کریندن زمین وچ ایھے ان زیانیں لہنڑ والے"۔(230)

مندرجہ بالا ترجمے کا یہ سقم ہے کہ اس میں غیر مانوس کلمات استعمال کیے گئے ہیں جو قاری کے لئے نا قابل فہم ہیں۔ اگر "جیرھدے" اور "بُند ھنڑ" کی بجائے مانوس کلمات لائے جاتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ قرآن مجید کے سرائیکی مترجمین میں سے بیشتر نے غیر مانوس کلمات کا سہارا لیا ہے جس سے قاری کے لئے قرآن مجید کی تفہیم مشکل ہو گئی ہے اور قارئین کی تعداد میں اضافہ بھی نہیں ہوا۔

موافقت

اکثر سرائیکی مترجمین نے کسی نہ کسی اردو یا فارسی ترجمے کو سرائیکی میں ڈھالا ہے۔ قرآن مجید کے عربی متن سے براہ راست سرائیکی ترجمہ رقم نہیں کیا۔ بعض مترجمین نے صرف افعال ناقصہ تبدیل کر کے باقی سارا ترجمہ من وعن لکھ دیا ہے۔ یہ بھی ایک عیب ہے جو بیشتر تراجم میں پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر مولانا عبدالتواب ملتانی نے شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کے اردو ترجمے کا تتبع فرمایا ہے۔ اس حوالے سے درج ذیل آیت ترجمہ ملاحظہ ہو:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ (۱۰۰:العٰدیٰت:۵)

"تحقیق آدمی واسطے رب اپڑیں دے ناشکر ہے"۔(231)

اب شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کا اردو ترجمہ ملاحظہ ہو:

"تحقیق آدمی واسطے رب اپنے کے البتہ ناشکر ہے"۔

اس سرائیکی ترجمہ سے صاف عیاں ہے کہ فاضل مترجم کے ترجمے میں اور شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمے میں کس قدر موافقت پائی جاتی ہے۔ موافقت کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیے:

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ (۹۷:القدر:۱)

''بے شک اساں اینکوں اتاریے شب قدر وچ''(232)

مندرجہ بالا ترجمہ قرآن مجید کے عربی متن سے براہ راست نہیں کیا گیا بلکہ اردو ترجمے کو سرائیکی میں ڈھالا گیا ہے۔ فاضل مترجم نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ انہوں نے امام احمد رضا خاں بریلویؒ، علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ اور جسٹس پیر کرم شاہ الازہری کے تراجم کو ماخذ بنایا ہے(233) اعلیٰ حضرت احمد رضا خانؒ بریلوی کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

''ہم نے اس کو اتارا شب قدر میں''۔

زیر نظر ترجمے سے واضح ہوتا ہے کہ یہ اردو ترجمے کا تتبع ہے۔ اگر مترجم ذی وقار ''اتاریے'' اور ''شب قدر'' کی بجائے سرائیکی زبان کے الفاظ رقم کرتے تو زیادہ صائب ہوتا۔

لہجوی عصبیت

لہجہ ایک حسن ہے لیکن کہیں کہیں یہ حسن قباحت کی شکل اختیار کر جاتا ہے۔ ترجمہ میں یہ قباحت کی شکل اس وقت اختیار کرتا ہے جب اس میں لہجوی عصبیت آجائے۔ ہر مترجم کی یہ کمزوری ہے کہ وہ اپنے لہجے کو نہیں چھوڑ سکتا۔ لیکن قاری کی بھی یہ مجبوری ہے کہ وہ دوسرے لہجے کو سمجھ نہیں سکتا۔ اس سے قارئین کا حلقہ تنگ ہو جاتا ہے۔

گو خان محمد لسکانی اور رفیق احمد نعیم لسکانی کا ترجمہ بہت اچھا ہے۔ ترجمہ میں سلاست اور روانی کے باوجود تونسوی لہجہ اور جماعت احمدیہ کے عقائد کی ترجمانی بھی پائی جاتی ہے مثلاً:

وَجَآءَ رَبُّكَ (۸۹:الفجر:۲۳)

''تے حیڈا رب آوسی''۔(234)

''اوسی'' ڈیروی/تونسوی لہجے کا خالص لفظ ہے یہ مخصوص لہجے کی نمائندگی کرتا ہے۔ ایک اور مثال ملاحظہ فرمایئے۔

لَا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِى الْحَرْثَ (۲:البقرہ:۷۱)

''نہ زمین وے ہلاں وچ جتی ہوئی ہووے تے نار ڑھ کوں پانڑیں ڈیون کیتے وڑھی ہوئی ہووے''۔(235)

مصنف موصوف نے بڑے جزم کے ساتھ ریاستی لہجے کو اپنایا ہے یہ ان کی مجبوری بھی تھی کیونکہ وہ خود اس لہجے سے متعلق تھے۔ اس سے سرائیکی کے دوسرے لہجے بولنے والوں کو تفہیم میں دقت پیش آسکتی ہے۔

مندرجہ بالا ترجمے میں ''وڑھی'' ریاستی لہجے کا متداول لفظ ہے لیکن عام فہم نہیں۔ خاص طور پر سرائیکی کے دوسرے لہجوں سے متعلق احباب کے لئے باعث دقت ہوگا۔ یہ عیب سرائیکی کے بیشتر تراجم میں پایا جاتا ہے۔

عدم صحت

قرآن مجید کے سرائیکی تراجم میں بعض مقامات صحت کے معیار پر پورے نہیں اترتے۔ ترجمہ واضح نہیں یا درست نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمام تراجم درست نہیں۔ ہر ترجمہ میں کوئی نہ کوئی خامی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر مولانا حفیظ الرحمٰن حفیظ مرحوم ومغفور کا یہ ترجمہ ملاحظہ ہو:

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ (۸۹:الفجر:۱۳)

''ول گھتیا اتے انہاں دے رب تیڈے نے گند عذاب دا''۔(236)

اس ترجے میں معنوی سقم پایا جاتا ہے۔"فَصَبَّ" کے معنی "انڈیلنا" یا "برسانا" ہے۔اسی طرح "سَوْطَ" کے معنی "چابک" "کوڑا" کے ہیں۔لیکن مصنف موصوف نے اس کا ترجمہ "گند" کیا ہے جو درست نہیں۔یہ ترجمہ صحت کے معیار پر پورا نہیں اترتا۔اسی طرح منظوم ترجے کی ایک مثال قابلِ ملاحظہ ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (ا:الفاتحہ:ا) (237)

تعریف سب اللہ کیتے جو رب ہے ڈو جہان دا
شان اوندی ہے رحیمی رتبہ ہے رحمان دا

"عالمین" کا مطلب "تمام جہان" ہے "ڈو جہان" نہیں۔مترجم شاعر نے جو ترجمہ تصنیف کیا ہے وہ لفظی اعتبار سے درست نہیں۔استاذ محمد رمضان طالب کے اس ترجے میں معنوی سقم رہ گیا ہے اسی طرح یہ مثال ملاحظہ ہو۔

وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا (۷۳:المزمل:۱۰)

"تے انہیں کوں چھوڑ وا چھی طرح چھوڑن" (238)

زیرِ نظر ترجمہ عدم صحت کا شکار ہے۔یہ ترجمہ سرائیکی زبان کے عام قارئین کے لئے لکھا گیا ہے مگر قرآن کی تفہیم کے لئے انہیں وقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ناپختگی

قرآن مجید کے سرائیکی تراجم کی تاریخ تقریباً ایک سو بیس سال پرانی ہے جبکہ شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ترجے کو تین صدیاں گزر چکی ہیں۔اردو میں تراجم کی تعداد سرائیکی سے بہت زیادہ ہے۔

قرآن مجید کے سرائیکی تراجم کی رفتار اور عمل ست ہے۔پختگی اس وقت آتی ہے جب کام تسلسل سے ہو اور زیادہ ہو۔اس لیے دوسری زبانوں کے مقابلے میں سرائیکی تراجم میں ناپختگی ہے۔اس کا ثبوت اس ترجے سے مل سکتا ہے:

عَبَسَ وَتَوَلّٰى اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى (۸۰:عبس:۱۔۲)

"تیوری چڑھائی اتے منہ پھیر یا اوں اتے اوندے کول او نابینا حاضر تھیا" (239)

اس ترجے میں ناپختگی پائی جاتی ہے۔مترجمین دینی جذبے کے تحت ترجمہ رقم کرتے ہیں مگر عربی زبان پر عبور نہ ہونے کی وجہ سے کئی سقم رہ جاتے ہیں اور ترجے کے فنی تقاضے بھی پورے نہیں ہوتے۔اسی طرح ایک اور مثال قابلِ ملاحظہ ہے:

هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ (۸۰:عبس:۱۔۲)

"اتھاں ہر جی پرکھ گھنسی (آپڑیں سامھڑیں موجود ڈیکھسی) او کوں جو کجھ او پہلے کریندا رہیے"۔(240)

زیرِ نظر ترجے میں دخیل کلمات تشریحی کلمات استعمال کیے گئے ہیں جن کی قطعاً ضرورت نہ تھی۔ان تشریحی کلمات سے پیرایہ بیان طویل ہو گیا ہے۔اس سے ترجے کا حسن متاثر ہوا ہے۔

اگر فاضل مترجم کے سامنے اردو تراجم کی بجائے سرائیکی تراجم ہوتے تو یہ صورت حال سامنے نہ آتی۔بلکہ ترجمہ بہت بہتر ہوتا۔کیونکہ اب قرآن پاک کے کافی سرائیکی تراجم آ چکے ہیں۔اس لیے بہتری کی توقع کی جا سکتی ہے۔

نقیصاتِ معنوی عمومی

ذیل میں ہم قرآن مجید کے سرائیکی تراجم میں نقیصاتِ معنوی عمومی کے حوالے سے جائزہ پیش کرتے ہیں۔

ناقص ترجمانی

اب تک قرآن مجید کے ہزاروں تراجم ہو چکے ہیں لیکن کوئی ایک مترجم بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کا ترجمہ سو فیصد قرآن مجید کی ترجمانی کرتا ہے۔ کلام اللہ کی ترجمانی کما حقہ کی ہی نہیں جا سکتی۔ اس لیے جتنے بھی تراجم ہوئے ہیں ان سب میں کمی موجود ہے مثال کے طور پر:

فِيهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ (۵۵:الرحمٰن:۵۶)

ان کلمات کا ترجمہ ممکن ہی نہیں۔ جس قدر یہ شاہکار متن ہے ترجمہ بھی ویسے شاہکار ہونا چاہیے۔ اس آیت کا ترجمہ خان محمد لسکانی نے یوں رقم کیا ہے:

"انہیں دے وچ جھکی اکھیں آلی تریمتیں ہوسن۔ این کنیں پہلے انہیں کوں نہ کہیں انسان ہتھ لایا ہوسی تے نہ کہیں جن"۔(241)

فاضل مترجم کا یہ ترجمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی صحیح اور کامل ترجمانی نہیں کرتا۔ قصرات کے معنی نہ تو "جھکی" ہیں اور نہ الطرف کے معنی "اکھیں" کے ہوتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور مثال ملاحظہ فرمایئے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۱:الفاتحہ:۱)

"سب تعریفاں اللہ دیاں ہن جیڑھا کل جہاناں دا پالݨ وَدھاوݨ تے پھلاوݨ والا ہے"۔(242)

زیرِ نظر ترجمے میں کلام الٰہی کی کامل ترجمانی نہیں۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق ترجمہ کرتے وقت مطمئن نہیں تھے۔ اس لیے "رب" کے لئے کئی الفاظ استعمال کیے۔

یہ عربی متن کی صحیح ترجمانی نہیں لفظ "رب" کا ترجمہ یک لفظی ہونا چاہیے مگر ایسا نہیں اور یہی اس ترجمے کا سقم ہے۔

بے جان زبان

قرآن مجید کے بیشتر سرائیکی تراجم بامحاورہ ہیں کچھ لفظی اور تحت اللفظ بھی ہیں۔ ان کی زبان بے جان ہے۔ عربی متن کے مقابلے میں بے روح نظر آتی ہے۔ متن میں جو زورِ بیاں ہے وہ ترجمے میں نہیں ملتا۔ اور نہ متن جیسی الفاظ کی بندش اور نہ شکوہِ کلمات۔ مثال کے طور پر درج ذیل آیت کریمہ کا ترجمہ قابل ملاحظہ ہے:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا (۸۰:عبس:۴۲)

• "تہاڈے کولوں پچھدن قیامت دے بارے کڈاں اے اوندا قائم تھیوݨ"۔(243)

مندرجہ بالا عربی متن میں بندشِ الفاظ خوب ہے اور پر شکوہ کلمات مستعمل ہیں۔ مگر ترجمے کی زبان بے جان ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی ایک انسان ترجمانی نہیں کر سکتا۔ اسی حوالے سے ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔

اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ (۱۰۴:الھمزہ:۸۔۹)

"اُنہاں تے اے بھاندھی ہوئی ہوسے۔ اُچے اُچے ستونیں وچ"۔(244)

مندرجہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے جلالی انداز میں دولت جمع کر کے گننے والوں کو وعید سنائی ہے۔ ان کلمات سے عربی زبان کی فصاحت و بلاغت مترشح ہوتی ہے۔ ان کلمات میں اثر آفرینی بھی ہے۔ سلاست اور روانی بھی خوب ہے۔ شان و شوکت والے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ کلام میں ادبی چاشنی بھی پائی جاتی ہے۔

لیکن ان آیات کے ترجمے کی زبان بے جان ہے۔ عربی متن کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ خاص طور پر قرآن مجید کے آخری پارے میں جو زور بیان پایا جاتا ہے اس کی کامل ترجمانی ہو ہی نہیں سکتی۔

مسلکیت

تقیصات معنوی عمومی کے حوالے سے قرآن پاک کے سرائیکی تراجم کا جائزہ لیں تو یہ بات سامنے آتی ہے ہر مسلک کے مترجم ذی وقار نے اپنے مسلک کے مطابق ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

ہر مترجم یہ کوشش کرتا ہے کہ اپنا مسلک ترجمے میں سموئے۔ کوئی بھی مترجم اپنا مسلک چھوڑنے کو تیار نہیں اور قاری کی بھی یہ مجبوری ہے کہ وہ اپنا مسلک نہیں چھوڑ سکتا۔ مثال کے طور پر درج ذیل آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (۱۸: الکھف: ۱۱۰)

"تساں فرماؤ ظاہر صورت بشری وچ تاں میں تہاڈے جیہاں ہاں"۔ (245)

زیر نظر ترجمے میں مولانا غلام محمد چاچڑانی نے اپنے مسلک کے نظریات سمونے کی کوشش کی ہے۔ تفسیر میں لکھتے ہیں:

"مجھ پر بشری اعراض و امراض طاری ہوتے ہیں اور صورت خاصہ میں کوئی بھی آپ کا مثل نہیں"۔

یہ مولانا احمد رضا خان کے ترجمہ کی مکمل متابعت ہے۔

مولانا عبدالتواب ملتانی رحمۃ اللہ علیہ اہل حدیث مسلک سے متعلق تھے اس لیے آپ نے شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ کے ترجمے کو ماخذ بنایا۔ عبدالوھاب عباسی نے اپنے مسلک کے مطابق مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اردو ترجمے کو پیش نظر رکھا ہے۔

مولانا غلام محمد چاچڑانی نے اپنے مسلک کے امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ و تفسیر سے استفادہ کیا ہے۔ گویا ہر مترجم نے اپنے اپنے مسلک اور عقائد کو اپنے اپنے ترجمہ میں سمونے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ہونا یہ چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام کے ذریعے جو کچھ اپنے بندے تک پہنچانا چاہتا ہے مترجم بھی من وعن وہی مفہوم بیان کرے نہ کہ اپنے مسلک کی نمائندگی کرے۔

متابعت

قرآن مجید کے سرائیکی تراجم پر نظر ڈالیں تو یہ بات سامنے آتی ہے۔ کہ بیشتر مترجمین نے اردو تراجم کو سرائیکی میں ڈھالا ہے۔ قرآن کے سرائیکی مترجمین نے احمد رضا خان بریلویؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، شاہ رفیع الدینؒ، شاہ عبدالقادر اور کئی دوسرے مترجمین کی متابعت کی ہے۔

اردو تراجم میں بھی متابعت پائی جاتی ہے لیکن سرائیکی تراجم میں یہ بات زیادہ نظر آتی ہے۔ مولانا عبدالتواب ملتانیؒ کے تراجم خاص حلقہ اثر میں لکھے گئے۔ اکثر مترجمین عربی نہیں جانتے تھے اور انہوں نے اردو ترجمے کو سرائیکی تراجم میں

ڈھال دیا اور عربی متن سے براہِ راست سرائیکی ترجمہ رقم نہیں فرمایا۔ اس لیے سرائیکی میں متابعت کا عنصر زیادہ ہے اور اردو تراجم میں کم ہے۔ مثال کے طور پر درج ذیل آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ (۹۷:القدر:۱)

''تحقیق اساں نازل کیتا ایندکوں وچ شب قدر دے'' (عبدالتواب ملتانی) (246)

''تحقیق نازل کیا ہم نے قرآن کو بیچ رات قدر کے''۔ (ترجمہ شاہ رفیع الدین)

مولانا عبدالتواب ملتانی کے اس ترجمے سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نے شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کے اردو ترجمے کا تتبع فرمایا ہے۔ ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیے:

غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ (۱:الفاتحہ:۷)

''نہ کہ جھاں اتے جیڑا غضب رہے، اتے نہ کہ جیڑے گمراہ ہن''۔ (247)

زیرِ نظر ترجمہ بھی اردو ترجمے کا تتبع معلوم ہوتا ہے کیونکہ ''غضب'' اور ''گمراہ'' غیر سرائیکی الفاظ ہیں۔ اگر ''غضب'' کی جگہ ''کاوڑ'' اور ''گمراہ'' کی بجائے ''تھڑ کیے ہوئے'' ہوتا تو متابعت نہ ہوتی۔

لیکن دخیل کلمات کی وجہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ یہ ترجمہ براہِ راست عربی متن سے نہیں کیا گیا بلکہ اردو کی سرائیکی بنائی گئی ہے۔

دقتِ فہم

قرآن مجید کے سرائیکی تراجم میں یکسانیت نہیں ہے۔ اگر یہ تراجم کہیں سہل الفہم ہیں تو بعض مقامات پر مشکل اور ادق بھی ہیں۔ وہ تراجم جو تحت اللفظ ہیں قاری کے لیے عام فہم نہیں ہیں بلکہ قاری کو کچھ دیر کے لئے رکنا پڑتا ہے اور سوچنا پڑتا ہے کیونکہ تحت اللفظ تراجم میں روانی نہیں ہوتی۔

اسی طرح جو تراجم مخطوطے ہیں ان کو پڑھنا اور سمجھنا مشکل کام ہے۔ اسی طرح مولانا نظام الدین نظامی کی تفسیر بھی قلمی نسخہ ہے اور مصنف موصوف نے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فارسی ترجمے کو سرائیکی میں ڈھالا ہے۔ اس لیے یہ بھی عام فہم نہیں ہے اس حوالے سے ایک مثال ملاحظہ ہو:

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا (۲:البقرہ:۳۸)

''اتے آکھیا اساں دوبارہ اترو نجو جنت کنوں یا آسماناں کنوں تساں سبھ''۔ (248)

اس آیت کریمہ کے عربی متن میں کہیں بھی ''جنت'' یا ''آسمانوں'' کا ذکر نہیں ہے۔ اس لیے قاری کو اس ترجمہ کو سمجھنے کے لئے دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور یہ ترجمہ کے فنی اصول کے خلاف ہے۔ قرآن مجید کے عربی متن اور سرائیکی ترجمہ میں مطابقت نہیں ہے۔ دقتِ فہم کے حوالے سے ایک اور مثال قابلِ ملاحظہ ہے۔

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ (۱۰۸:الکوثر:۱)

''بے شک اساں تیکوں خیر کثیر (یا اتھاں دا حلال ذبیحہ) عطا کیتے'' (249)

مندرجہ بالا ترجمے میں قوسین میں جو تشریحی کلمات دیے گئے ہیں۔ اس سے ترجمے میں حسن کی بجائے کمی آگئی ہے۔ اسی طرح سلاست اور روانی میں بھی کمی آگئی ہے اور ترجمے کی تفہیم بھی مشکل ہوگئی ہے۔

نقیصات معنوی خصوصی

اب ان نقیصات معنوی کا جائزہ لیتے ہیں جو صرف قرآن مجید کے سرائیکی تراجم کے ساتھ مخصوص ہیں۔

عدم سلاست

قرآن مجید کے جو سرائیکی تراجم محاورہ ہیں ان میں تو سلاست ملتی ہے لیکن یہ وصف تمام تراجم میں نہیں پایا جاتا۔ سلاست ایک حسن ہے جس کے لئے فنی مہارت کی ضرورت ہے۔ قرآن مجید کے سرائیکی مترجمین سب کے سب ادیب نہیں تھے۔ اگر کوئی ادیب تھے بھی تو وہ عربی زبان سے نا آشنا تھے۔ عدم سلاست کے حوالے سے درج ذیل آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔ اس کے مترجم مولوی احمد بخش ہیں:

فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (۲:البقرہ:۳۸)

"تاں جنھیں ہدایت میڈی دی پیروی کیتی تاں نہیں کوئی ڈر انہیں تیں، اتیں نہ اوموں تجھے تھیسن"۔(250)

اس آیت کریمہ کا ترجمہ لفظی ہے۔ قاری کو رک کر سوچنا پڑتا ہے اس لیے اس ترجمے میں سلاست اور روانی میں کمی آگئی ہے۔ اگر ترجمہ رواں ہو تو قاری کی دلچسپی میں اضافہ ہوتا ہے اور قارئین کی شرح بھی بڑھتی ہے۔ عدم سلاست کے حوالے سے ایک اور آیت کا ترجمہ قابل ملاحظہ ہے:

يَسْئَلُهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ الْاَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَاْنٍ (۵۵:الرحمٰن:۲۹)

"منگدا ہے اوکنوں جو کوئی وچ آسماناں دے اتے زمین دے ہے۔

ہر روز او وچ ہک شان دے ہے"۔(249)

مولانا حفیظ الرحمٰن مرحوم نے مندرجہ بالا آیت کا تحت اللفظ ترجمہ تصنیف کیا ہے جس کی وجہ سے اس ترجمہ میں روانی میں کمی آگئی ہے۔ اگر ترجمے میں فصاحت، بلاغت، ادبی چاشنی، ابلاغ اور سلاست نہ ہو تو ترجمہ نا قابل فہم ہو جاتا ہے اور وہ معیاری ترجمہ کہلانے کا مستحق نہیں ہوتا۔

کمی ابلاغ

متن میں جو مضمون ہو وہ من وعن قاری کے ذہن میں اتر جائے تو وہ ابلاغ ہے۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اسے سمجھنا اور آگے پہنچانا، متن کی مکمل ترجمانی سے ہی ابلاغ کامل ممکن ہے۔ قرآن مجید کے سرائیکی تراجم میں ابلاغ پایا جاتا ہے لیکن بعض مقامات پر ابلاغ کی کمی ہے مثال کے طور پر درج ذیل آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ (۱۰۱:القارعۃ:۴)

"جیں ڈینہہ آدمی مکڑی وانگے پٹھے تھئے پئے ہوسن"۔(252)

مندرجہ بالا ترجمہ استاذ محمد رمضان طالب کی تصنیف ہے اس میں ابلاغ کی کمی ہے کیونکہ یہ ترجمہ فصیح اور واضح نہیں ہے۔ "فراش" کا ترجمہ "مکڑی" کیا گیا ہے جو کہ درست نہیں اب ایک مثال منظوم ترجمے سے پیش خدمت ہے:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا   وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (البقرہ:۱۷۷)

"ایہے اوہن جو اپنا وعدہ پورا کرڈکھیندے ہن   ایہے تاں ہن او جو دنیا تے تقویٰ کرڈکھیندے ہن"(253)

مندرجہ بالا منظوم ترجمے میں بھی ابلاغ کی کمی ہے۔ "صَدَقُوا" کے معنی "وعدہ پورا کرنا" نہیں ہوتے۔ اسی طرح دوسرے مصرع میں "دنیا" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جبکہ متن میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔ علاوہ ازیں "تقویٰ" عربی زبان کا لفظ ہے۔ اگر اس کا متبادل سرائیکی لفظ لایا جاتا تو ترجمہ بلیغ ہوتا۔ اس ترجمے میں شعری تقاضے پورے کرنے کے لئے ردیف اور قافیہ کی پابندی تو کی گئی ہے لیکن ترجمے کا پلہ ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے۔ منظوم تراجم میں یہی نقص پایا جاتا ہے اور خاص طور پر سرائیکی تراجم میں کچھ زیادہ ہے۔

ابہام

ابہام سے مراد یہ ہے کہ اگر ترجمے میں معانی واضح نہ ہوں اور قاری کو متن کا مفہوم سمجھنے میں دقت ہو۔ قرآن مجید کے سرائیکی تراجم میں فصاحت بھی ہے لیکن کہیں کہیں ابہام پایا جاتا ہے مثلاً درج ذیل آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں ان میں ابہام پایا جاتا ہے:

إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيلًا (۷۳:المزمل:۶)

"بے رات دا اٹھن (نفس کوں) سخت لتاڑن والا ہے اتے ہوں درست گالھ والا اے"۔(254)

اسی طرح ایک اور مثال ملاحظہ ہو:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"میں اللہ دے ناں دے نال (شروع کریندا ہاں) جیڑھا بغیر منگیے ڈیون والا ہے تے ول ول رحم کرن والا ہے"۔(255)

پہلی آیت کے ترجمے میں مفتی عبدالقادر سعیدی نے معانی واضح نہیں فرمائے۔ اس لیے اس ترجمے میں ابہام پایا جاتا ہے اور ابہام کسی بھی ترجمے کا اہم نقص ہوتا ہے۔ اگر فاضل مترجم اس سقم کو دور کر دیتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ ترجمے میں ابہام کی وجہ سے قاری صحیح اور واضح مطلب تک نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح دوسری مثال میں "بغیر منگیے ڈیون والا" قرآن مجید کے عربی متن سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اس میں توسین بھی مطلوب ہے۔

اگر اس میں تشریحی کلمات نہ دیے جاتے تو یہ ترجمہ صائب ہوتا۔ کیونکہ معیاری ترجمہ وہی ہوتا ہے جو فصیح ہو۔ کم از کم تشریحی کلمات ہوں، ابلاغ عام ہو اور عام خواندہ قاری کے لئے عام فہم ہو۔ قرآن مجید کے سرائیکی تراجم میں کہیں کہیں ابہام پایا جاتا ہے۔ اس لیے قاری کو تفہیم قرآن میں دقت کا سامنا ہے اور وہ آسانی سے کلام الٰہی کے مقصد تک نہیں پہنچ سکتا۔

سقم لہجہ

جیسے الفاظ میں لہجے کا عمل دخل ہے ویسے ہی پیرایہء بیان میں بھی لہجے کا عمل دخل ہے۔ ہر مترجم اپنے اپنے لہجے کو ترجمے میں سمونے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لیے مختلف تراجم میں یکسانیت نہیں پائی جاتی مثال کے طور پر درج ذیل آیت کریمہ کے ترجمے کا جائزہ لیتے ہیں کہ مختلف مترجمین نے کس کس طرح تراجم رقم کیے ہیں:

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا فِيهِ (۲:البقرہ:۲۰)

ترجمہ مولانا محمد نظام الدین نظامی

"قریب ہے جو بجلی دی چمک چوندھیندے بینائیاں انھاں دیاں جڈاں جو چمکدی ہے بجلی واسطے انھاں دے تاں ٹر پمدن"۔(256)

استاذ خان محمد لسکانی کا ترجمہ درج ذیل ہے:

''نیڑے ہِ تھی سگدے جو بجلی انہیں دی اکھیں کوں چھک گھنے۔ جیرھے ویلے انہیں تے سوجھلا تھیندے تے اوندے وچ ٹُرپئندن''۔(257)

اب مولانا عبدالتواب ملتانی کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

''نزدیک ہے بجلی جو جھٹی مارے اکھیں انہاں دیاں کوں۔ جڈاں کڈاں سوجھلا تھیندا ہے واسطے انہاں دے ٹرپوندے ہن وچ اوندے''۔(258)

اس ترجمے میں تینوں مترجمین نے اپنے اپنے لہجے کی ترجمانی کی ہے۔ مولانا نظام الدین نظامی نے ''برق'' کا ترجمہ ''وجلی'' کیا ہے جبکہ خان محمد لسکانی اور عبدالتواب ملتانی نے ''بجلی'' رقم کیا ہے۔ اول الذکر مترجم نے ''مشوا'' کا ترجمہ اپنے لہجے کے مطابق ''ٹرپیدن'' لسکانی صاحب نے ''ٹرپئندن'' اور مولانا عبدالتواب ملتانی نے ''ٹرپوندے ہن'' لکھا ہے ان تراجم میں یکسانیت نہیں پائی جاتی۔

اس سے ایک تو قارئین کا حلقہ کم ہوا ہے دوسرا مرکزیت ختم ہوگئی ہے اور تیسرا یہ کہ ان تراجم میں یکسانیت ختم ہوگئی ہے۔

عدم فصاحت

فصیح اس کلام کو کہتے ہیں جس میں لفظی اور معنوی سقم نہ ہو۔ فصاحت الفاظ اور معانی دونوں میں ہونی چاہیے۔ الفاظ بھی سہل الفہم ہوں اور پیرایہ بیان بھی ادق نہ ہو واضح اور ابہام سے پاک ہو۔ فصیح وبلیغ وہ کلام ہوتا ہے جو متکلم کے ایک دفعہ کہنے پر سامع کے دل میں اتر جائے۔ عدم فصاحت کے حوالے سے درج ذیل آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ (۸۹:الفجر:۱۳)

''ول گھتیا تے انہاں دے رب تیڈے نے گند عذاب دا''(259)

اس مثال سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مصنف موصوف نے شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے اردو ترجمے کا تتبع فرمایا ہے جیسا کہ فاضل مترجم نے خود اس بات کا اعتراف کیا ہے۔(260)

لفظ ''سوط'' کا ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ نے واؤ معروف کے ساتھ ''کوڑا'' کیا ہے جس کے معنی ''چابک'' ہیں۔ اگر ''کوڑا'' واؤ مجہول کے ساتھ ہوتا تو اس کے معانی ''گند'' ہوتے اور صَبَّ کا ترجمہ بھی فصیح نہیں۔ اس لیے آیت کا پورا ترجمہ عدم فصاحت کا شکار ہے ایک اور مثال دیکھیے۔

وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ (۲:البقرہ:۵۷)

''اتے بھیجا تہاڈے سانگے من وسلویٰ''۔(261)

مندرجہ بالا ترجمے میں علامہ محمد اعظم سعیدی نے ''من وسلویٰ'' کا ترجمہ رقم نہیں فرمایا اور نہ ہی تفسیر میں اسکی وضاحت کی گئی ہے۔ جس سے قاری کے لئے اس آیت کی تفہیم مشکل ہوگئی ہے جو اس ترجمے کا سب سے بڑا نقص ہے۔ ویسے تو تمام سرائیکی مترجمین نے قرآن مجید کے مفہوم کو تراجم میں واضح کرنے کی کوشش کی ہے لیکن کہیں کہیں بعض تراجم عدم فصاحت کا شکار ہیں۔

تناقضات تراجم اوران پر تحقیقی نظر

قرآن مجید کے تراجم خواہ کسی زبان میں بھی ہوں ان میں اختلافات کا رونما ہو جانا ایک لازمی امر ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جس کام میں انسانی کاوش کا عمل دخل ہوگا اس میں فطری طور پر اختلافات رونما ہوں گے۔ سرائیکی تراجم میں بھی اختلافات موجود ہیں۔ یہ اختلافات مختلف نوعیت ہیں۔ لفظی، معنوی، لہجوی، مسلکی اور زبان وبیان کے اختلافات وغیرہ وغیرہ۔ ان اختلافات کا اگر بغور جائزہ لیں تو ان میں کچھ اختلافات تو ایسے ہیں جو عمومی نوعیت کے ہیں یعنی ایسے اختلافات جو دیگر زبانوں کے تراجم میں بھی ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ اختلافات ایسے ہیں جو صرف قرآن مجید کے سرائیکی تراجم کے ساتھ وابستہ ہیں۔

تراجم میں پائے جانے والے اختلافات کسی بھی نوعیت کے ہوں ان کے پس پردہ کچھ اسباب ہوتے ہیں۔ لفظی اختلاف لہجے کے اختلاف کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے اور مترجمین کے علمی استعداد کے کم وبیش ہونے کی وجہ سے بھی ہے۔ اسی طرح سے معنوی اختلاف کے کئی سبب ہو سکتے ہیں۔ ان میں مسلکی اختلاف، متابعت، اور مترجم کی علمی استعداد وغیرہ ممکن ہیں۔ لہجوی اختلاف اپنی جگہ مسلم ہے۔ اسے تراجم پر اثر انداز ہونے سے نہیں روکا جا سکتا۔ دراصل تراجم کا لہجوی اختلاف کوئی معنوی اختلاف نہیں صرف ادائیگی کا اختلاف ہے۔ اگر معنی متاثر نہ ہوں تو اسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔

اختلاف کا ایک بڑا سبب تتبع اور موافقت بھی ہے۔ سرائیکی کے بیشتر تراجم اردو تراجم کا ترجمہ ہیں۔ ان تراجم میں وہ ساری باتیں آ گئی ہیں جو اردو ترجمے میں موجود ہوتی ہیں۔ ایسے تراجم سرائیکی سے زیادہ اردو تراجم کے ترجمان ہیں اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اردو کا اپنا مزاج ہے جو سرائیکی سے بالکل مختلف ہے۔ صرف افعال ناقصہ کے بدلنے سے اردو سرائیکی نہیں بن جاتی۔ سرائیکی تراجم میں اس طرح کی کاوش عام ہے اور یہی اختلافات کا سبب ہے۔

بعد زمانی و مکانی بھی تراجم میں اختلاف کا باعث بنے ہیں۔ ایک مترجم نے سو سال قبل ایک ترجمہ کیا۔ بالکل اس مترجم ہی کے شہر میں دوسرے مترجم نے سو سال بعد ترجمہ کیا۔ ان میں واضح فرق موجود ہے۔ دونوں مترجمین ایک ہی شہر اور ایک ہی لہجے سے منسلک ہیں لیکن ان کے تراجم میں تفاوت ملتا ہے ایسا بعد زمانی کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ کوئی زبان بھی امتداد زمانہ سے محفوظ نہیں رہ سکتی۔ سرائیکی بھی ایک زندہ زبان ہے اس میں قبولیت اور اثر پذیری کی صلاحیت موجود ہے۔ سو سال پہلے کی سرائیکی اور آج کی سرائیکی میں فرق ہے۔ وہی فرق ہمیں تراجم میں بھی ملتا ہے۔ بعد زمانی کی طرح بعد مکانی بھی اختلافات کا سبب بنا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں ایک ہی زمانے میں موجود ایک مترجم ڈیرہ غازی خان میں بیٹھ کر ترجمہ تصنیف فرماتا ہے تو دوسرا ابجوبگ (رحیم یار خان) میں۔ ان کے تراجم میں واضح فرق موجود ہے یہ فرق بعد مکانی کی وجہ سے ہے۔

سرائیکی تراجم کی ایک نوعیت منظوم بھی ہے۔ بڑی مقبول اور ہر دلعزیز صنف ہے۔ اس صنف میں بھی کیے گئے تراجم میں اختلاف موجود ہے۔ اس کی وجہ شاعر مترجم کی علمی استعداد اور شعری تقاضے اور ردیف وقافیہ کی پابندیاں ہیں۔ ہر مترجم نے جب منظوم ترجمہ کرنے کی سعی کی تو اس نے اسے اپنے اپنے شعری انداز میں ڈھالنے کی کوشش کی، جس سے تراجم میں اختلاف رونما ہو گئے۔

یہ اور اسی طرح کے دیگر اسباب تفاوت سامنے آتے ہیں جن پر بھرپور نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ ذیل میں ہم ان تمام اسباب عمومی اور اسباب خصوصی پر الگ الگ نظر ڈالتے ہیں۔ اور نظائر وامثلہ سے ان کا اثبات بھی پیش کرتے ہیں۔

تناقضات تراجم کے اسباب عمومی

ذیل میں قرآن مجید کے سرائیکی تراجم کے تناقضات کے اسباب کا عمومی جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

قرآن مجید کا معجزانہ اسلوب

قرآن مجید کا اپنا ایک منفرد اسلوب ہے جو عربی زبان کا شاہکار ہے۔ جس کی آج تک نظیر نہیں لائی جا سکی۔ شاہکار کلام کی ترجمانی کے لئے ایک شاہکار اسلوب ہونا چاہیے۔ وہی زور بیاں وہ شکوہ کلمات جو متن میں ہیں وہ ترجمے میں موجود ہونے چاہیں جو ناممکن نظر آتا ہے۔ ترجمہ خواہ کتنا ہی اچھا ہے وہ ترجمہ ہی ہے اصل نہیں بن سکتا۔ اس لیے قرآن مجید کے جس زبان میں تراجم کیے گئے ہیں ان کے بارے میں یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ قرآن کے مکمل ترجمان ہیں۔ علمی وادبی میدان میں عربی کے مقابلے میں سرائیکی نوخیز زبان ہے۔ اس لیے اس کے تراجم میں اختلاف کا پایا جانا لازمی امر ہے۔

مثال کے طور پر ڈاکٹر محمد صدیق شاکر کا یہ ترجمہ ملاحظہ ہو:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (۲:۱البقرہ:۲۳)

"اتے جو کجھ اساں اپنے بندے تے لہائے، تہاکوں جے کراوندے وچ شک ہے تاں او جیہی کوئی ہک سورت بنا کے گھن آؤ"۔(262)

اب خان محمد لسکانی کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے:

"جے کر تہاکوں ایں (قرآن) وچ شک جیرھا اساں اپنے بندے تے لہائے (نازل کیتے) تے تساں ایہو جیہیں سورت بنا کے گھن آؤ۔"(263)

مولانا نظام الدین نظامی نے اس آیت کریمہ کا ترجمہ یوں رقم کیا ہے:

"اتے جیکر ہو تساں وچ شک دے کنوں اوں چیز دے جو اتاری ہے اساں اُتے ہانبے اپنے دے پچھے آنو تساں کوئی ہک سورت مانند قرآن دے"۔(264)

مولانا غلام محمد چاچڑانی اس آیت کا ترجمہ یوں رقم فرماتے ہیں:

"اتے جیکر تساکوں کجھ شک ہووے ایں وچ جو اساں اپنے اوں خاص بندے تے لاتھا تاں ایں وانگوں ہک سورۃ تاں گھن آوو"۔(265)

اس آیت مبارکہ کا ترجمہ ہر مترجم نے اپنی علمی استعداد اور مسلک کے مطابق کیا ہے لیکن اختلاف بھی نمایاں ہے۔ لیکن کوئی مترجم بھی وہ پر شکوہ کلمات اور زور بیان نہیں لا سکا جو قرآن مجید کے عربی متن میں ہے۔ اور یہی اعجاز القرآن ہے کہ کوئی انسان اس کتاب مبین کی مکمل ترجمانی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح ایک اور مثال ملاحظہ ہو:

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا (۱۰۰:العٰدیٰت:۱۔۳)

سرائیکی ترجمہ ڈاکٹر مہر عبدالحق مرحوم:

"قسم ہے ہنجن والے سہکدیاں گھوڑیاں دی، جیہڑے چنگاریاں کڈھدن سنبھ مار کے (پتھراں تے) وت دھاڑا مریندن دھمیں دھمیں"۔(266)

"قسم دوڑن والیاں (گھوڑیاں) دی ہوک کے۔ وت (بھاہ) کڈھنوں والیاں دی

سمھ مار کے وت دھاوا گھنن والیاں دی تجر تجر" (267)

ترجمہ دلشاد کلانچوی مرحوم مغفور:

"قسم اے انھاں گھوڑیاں دی جھو ے سہکدے سہکدے وی زوردے بھجدن بس پتھراں اتے (نعل مار تے)
بھادیاں چنگاریاں کڈھیندن وت وڈ ے ویلے چھاپا چامر یندن"۔ (268)

ان آیات کے ترجمے میں کوئی مترجم بھی قرآن مجید جیسا منفرد اسلوب اختیار نہیں کرسکا۔ جو شکوہ لفظی کا کمال اور زور بیان ان آیات قرآنی کے متن میں ہے وہ ایک شاہکار ہے۔ اسی وجہ سے ہر مترجم نے مختلف ترجمہ تصنیف کیا مگر ان کے الفاظ میں وہ شان وشوکت نہیں جو قرآن مجید کے الفاظ میں ہے۔

لسانی مجبوریاں

زبان چاہے کتنی جامع اور وقیع ہو لیکن قرآن کی زبان کے سامنے وہ بے بیان ہے۔ عربی ایک سامی زبان ہے۔ اس کے مقابلے میں اردو اور سرائیکی آریائی زبانیں ہیں۔ ان کے اپنی اپنی جملوں کی بندش اور اپنا پیرایہ بیان ہوتا ہے جو عربی کی بھرپور ترجمانی نہیں کرسکتا مثال کے طور پر اس آیت کریمہ کے ترجمہ ملاحظہ ہوں:

مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ (۲:البقرہ:۳۰)

ترجمہ علامہ محمد اعظم سعیدی:

"جیرھا فساد کریسے اوندے وچ اتے وہیسے لہو" (269)

ترجمہ مولانا محمد خیر الدین صابر ملتانی:

"جیہڑا زمین وچ فساد کھنڈاوے اتے لوکاں دے خون ویٹے" (270)

ترجمہ مولوی احمد بخش مرحوم ومغفور:

"جو فساد کریسی اتیں خون کریسی" (271)

ترجمہ مولانا حفیظ الرحمٰن حفیظ مرحوم:

"جیہڑا فساد کرے وچ اوندے اتے وہاوے خون"۔ (272)

تناقضات تراجم کا ایک سبب لسانی مجبوری ہے جو اس ترجمے سے مترشح ہوتا ہے۔ "یَسْفِکُ" کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔ مولانا اعظم سعیدی نے "وہیسے لہو" صابر ملتانی نے "خون ویٹے" مولوی احمد بخش نے "خون کریسی" اور مولانا حفیظ الرحمٰن نے "وہاوے خون" کیا ہے۔ اس ترجمے میں ہر مترجم کو لسانی مجبوری آڑے آئی ہے۔ کوئی بھی عربی متن کی صحیح ترجمانی نہ کرسکا۔ اور ہر مترجم کا ترجمہ دوسرے سے مختلف بھی ہے۔ عربی زبان کی فصاحت وبلاغت کو یہ مترجمین اپنے ترجمے میں سمو سکے۔ سب نے اپنی علمی استعداد کے مطابق ترجمہ تصنیف کیا ہے جسکی وجہ سے ان تراجم میں اختلاف پایا جاتا ہے

اب ایک اور مثال ملاحظہ فرمایئے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (۹۵:التین:۴)

ترجمہ مولانا عبدالتواب ملتانی مرحوم:

"البتہ تحقیق پیدا کیتا اساں آدمی کوں وچ ہوں اچھی ڈول دے"۔ (273)

ترجمہ مفتی عبدالقادر سعیدی:

''بے شک اساں بنائے انسان کو ہووا اں سوہڑیں صورت وچ'' (274)

ترجمہ خان محمد لسکانی:

''اساں انسان کوں ہوں چنگی حالت وچ پیدا کیتے'' (275)

ترجمہ ڈاکٹر مہر عبدالحق مرحوم:

''بے شک اساں انسان کوں بہترین توازن تے تناسب وچ تخلیق کیتے''۔ (276)

مندرجہ بالا آیت قرآن مجید کا لاثانی اور شاہکار نمونہ ہے۔ شکوہ لفظی اور زور بیان کمال ہے اور عربی ایک وسیع اور وقیع زبان ہونے کے ناطے ایک منفرد زبان ہے۔ اب ایسی صورت میں ایک انسان کس طرح سے کلام الٰہی کو کس طرح سے سمجھ سکتا ہے اور ترجمے کے ذریعے آگے پہنچا سکتا ہے۔ زیر نظر ترجمے میں ''احسن تقویم'' کے تراجم قابل غور ہیں۔

مولانا عبدالتواب ملتانی نے ''اچھی ڈول'' مفتی عبدالقادر سعیدی نے ''سوہڑیں صورت'' خان محمد لسکانی نے ''چنگی حالت'' اور ڈاکٹر مہر عبدالحق نے ''بہترین توازن تے تناسب'' کیا ہے۔

یہ چاروں تراجم لفظی اور معنوی اعتبار سے مختلف ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی مترجم کلام الٰہی کی مکمل ترجمانی نہیں کر سکا۔ اور مترجمین نے قرآن مجید کے عربی متن سے براہ راست ترجمہ نہیں کیا بلکہ اردو تراجم کو سرائیکی میں ڈھالا ہے۔ اس لیے جو اختلاف اردو تراجم میں تھا وہ سرائیکی تراجم میں بھی آ گیا ہے۔

مسلکی عصبیت

قرآن مجید کے سرائیکی تراجم میں ہر مترجم کا اس کے ترجمے میں اس کے مسلک کا عکس نظر آتا ہے۔ ہر مترجم اپنے مسلک پہ پکا ہے۔ اور یہی صورت حال اردو تراجم میں بھی نظر آتی ہے۔ کوئی مترجم بھی اپنا مسلک چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان تراجم میں اختلاف آ گیا ہے۔ تمام مترجمین نے اپنے اپنے مسلک کے مطابق تراجم تحریر کیے ہیں۔ مثال کے طور پر درج ذیل آیت کریمہ کا ترجمہ قابل ملاحظہ ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (۳۳:الاحزاب:۴۰)

ترجمہ خان محمد لسکانی مرحوم:

''حضرت محمد ﷺ تساں مردیں وچوں کہیں دا پیو کائینی بچی گال اے ہے جو اوہ اللہ دا رسول تے نبیں دی مہر (ساری نبیں افضل نبی ہو)''۔ (277)

ترجمہ مولانا حفیظ الرحمٰن حفیظ مرحوم:

''نہیں ہے محمدؐ پیو کہیں دا وچوں مرداں تساڈیاں دے اتے لیکن پیغمبر اللہ دا ہے۔ اتے ختم کرݨ والا ہے نبیاں دا''۔ (278)

ترجمہ دلشاد کلانچوی مرحوم:

''محمد تہاڈے جواناں وچوں کہیں ہک دا وی پیو کائے نہیں، بلکہ اللہ دا رسول ہے تے نبیاں کیتے مہر (سلسلہ ختم کرݨ والا) ہے'' (279)

ترجمہ ڈاکٹر مہر عبدالحق مرحوم:

''اتے محمدؐ تساں مرداں وچوں کہیں ہک دا وی پیو نہیں لیکن اوہ اللہ دا پیغمبر ہے اتے نبیاں دی مہر

(مکمل کرڈینوں والی) ہے"۔(280)

اس آیت کریمہ کا ترجمہ ہر مترجم نے اپنے اپنے مسلک کے مطابق کیا ہے۔ مثلاً خان محمد لسکانی مرحوم نے اس آیت مبارکہ کا ترجمہ جماعت احمدیہ کے عقائد کے مطابق کیا ہے۔ انہوں نے "خاتم" کے معنی "مہر" اور قوسین میں (ساری کنیں افضل نبی ء) تحریر کیا ہے۔ جبکہ باقی مترجمین نے اپنے مسلک کے عقیدے کے مطابق خاتم کا ترجمہ مہر یعنی "نبوت" کا سلسلہ ختم کرنے والا" رقم کیا ہے۔ اس مسلکی عصبیت کی وجہ سے ان تراجم میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

مسلکی عصبیت کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیے:

قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ (۳: آل عمران: ۵۲)

ترجمہ ڈاکٹر صدیق شاکر:

"فرمایا اللہ دے کم وچ میڈی مدد کون کریسی" ؟ سنگتیاں آکھیا "اساں اللہ دے کم وچ مددگار ہیں"۔(281)

ترجمہ مولانا غلام محمد چاچڑانی مرحوم:

"فرمایا کون ہے جو مدد کرے میڈی طرف اللہ دے۔ حواریں نے آکھیا

اساں مدد کریسوں اللہ دے دین دی"۔(282)

مندرجہ بالا آیت کا ترجمہ ڈاکٹر محمد صدیق شاکر نے قرآن مجید کے عربی متن کو سامنے رکھ کر رقم کیا ہے جبکہ مولانا غلام محمد چاچڑانی مرحوم نے ایک مکتب فکر کی نمائندگی کی ہے۔ انہوں نے اس آیت کے ترجمے کو اولیاء اللہ سے مدد مانگنے کے سلسلے میں حوالے کے طور پر رقم کیا ہے اور لکھا ہے کہ "حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے غیر اللہ کنوں مدد طلب کیتی"۔

گویا یہ ایک مکتب فکر کی نمائندگی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر سرائیکی مترجم نے اپنے اپنے مسلک کے مطابق ترجمہ تصنیف کیا اور پھر تراجم میں اختلاف پیدا ہونا لازمی امر تھا۔

قیود نظم

نظم کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں جس میں ردیف اور قافیہ کی پابندی ضروری ہوتی ہے۔ مترجم ایک طرف ردیف وقافیہ کی پابندی کرتا ہے تو دوسری طرف ترجمہ اس کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ اگر وہ صحیح ترجمہ نظم کرتا ہے تو شعر نہیں بن پاتا۔ اگر شعری ضرورت پوری کرتا ہے تو ترجمہ ترجمہ نہیں رہتا۔ اس لئے قرآن مجید کے منثور تراجم کی طرح منظوم تراجم میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے مثال کے طور پر تسمیہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

منظوم ترجمہ عبدالوھاب عباسی:

شروع اللہ دے ناں توں کریندا ہاں جو آقا ہے　　بہوں ہے مہربان جو کہ نہایت رحم والا ہے (283)

منظوم ترجمہ غلام رضا سیورا بھٹی:

اللہ دے ناں رحمٰن توں　　تے رحیم توں ہے ابتدا (284)

منظوم ترجمہ استاد محمد رمضان طالب

نام میڈے توں شروع توں وڈا رحمٰن ہمیں　　تے رحیمی وے اندر ہس آپ ای ذیشان ہمیں (285)

یہ تینوں تراجم آپس میں مختلف ہیں۔ کسی مترجم نے بھی فصیح ترجمہ منظوم نہیں کیا۔ غلام رضا سیورا بھٹی نے "الرحمٰن" اور "الرحیم" کا ترجمہ کیا ہی نہیں۔ ہر شاعر مترجم نے شعری تقاضے پورے کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ترجمہ کا پلہ ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اس کے باوجود تینوں تراجم مختلف ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے کلام کی ترجمانی کرنا آسان کام نہیں۔ یہ کام منثور تراجم میں بھی مشکل ہے اور منظوم تراجم میں تو اس سے بھی مشکل ہے۔ منظوم تراجم میں اختلاف کا سبب شعری تقاضے ہیں۔

اسی حوالے سے ایک اور مثال قابلِ ملاحظہ ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۱ :الفاتحہ : ۱)

ترجمہ عبدالوہاب عباسی:

سبھے تعریف اللہ کوں فقط تھیندی کہ جو مولا — او مالک جھوا پالنڑو ہار ایں سارے عالم دا (286)

ترجمہ غلام رضا سیورا بھٹی:

ساری تعریف اللہ کیتے — جو رب جہاناں دا ہووا (287)

ترجمہ محمد رمضان طالب:

تعریف سب اللہ کیتے جو رب ہے ڈو جہان دا
شان اوندی ہے رحیمی رتبہ ہے رحمان دا (288)

یہ تینوں منظوم تراجم آپس میں بالکل مختلف ہیں۔ اختلاف کی وجہ قیودِ نظم ہے۔ عبدالوہاب عباسی نے لمبی بحر میں شعر رقم کیا ہے اور آپ نے "رب" کے تین معانی تحریر فرمائے ہیں ۱۔ مولا، ۲۔ مالک اور ۳۔ پالنڑو ہار۔ ان میں سے ایک بھی سرائیکی کا لفظ نہیں ہے۔ غلام رضا سیورا بھٹی نے لفظ "رب" کے معانی درج ہی نہیں کیے اور یہ ترجمہ چھوٹی بحر میں ہے۔

محمد رمضان طالب کے منظوم ترجمے میں معنوی سقم پایا جاتا ہے۔ انہوں نے "عالمین" کا ترجمہ "ڈو جہان" کیا ہے۔ جب کہ درست ترجمہ "سارے جہان" ہے۔ شعری ضرورت پوری کرتے کرتے ترجمہ ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ اس طرح سے قیودِ نظم تناقضات تراجم کا بہت بڑا سبب ہے اور اس کے بغیر منظوم تراجم ممکن ہی نہیں۔

نوعیت تراجم

تناقضاتِ تراجم کا ایک سبب نوعیت تراجم بھی ہے۔ عام طور پر چار انواع کے تراجم پائے جاتے ہیں۔ بامحاورہ، لفظی، نیم لفظی اور تحت اللفظ۔ ظاہر ہے کہ یہ چاروں مختلف نوعیت کے تراجم ہیں۔ اس لیے ان کا آپس میں اختلاف ہونا فطرتی امر ہے۔ مثال کے طور پر درج ذیل آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى (۹۶:العلق:۸)

ترجمہ ڈاکٹر مہر عبدالحق مرحوم:

"بے شک تیڈے پروردگار دی طرف ہے واپسی" (289)

ترجمہ مولانا عبدالتواب محدث ملتانی رحمۃ اللہ علیہ:

"تحقیق طرف رب تیڈے دے ہے پھر ولنڑوں" (290)

ترجمہ خان محمد لسکانی مرحوم:

"بے شک تیڈے رب دو و لئے" (291)

ترجمہ دلشاد کلانچوی مرحوم:

"حالانکہ اوں تیڈے رب دو دل وِنجو یں"۔ (292)

مندرجہ بالا چاروں تراجم مختلف انواع سے تعلق رکھتے ہیں۔ خان محمد لسکانی کا ترجمہ لفظی ہے جب کہ ڈاکٹر مہر عبدالحق کا ترجمہ نیم لفظی ہے۔ دلشاد کلانچوی کا بامحاورہ اور مولانا عبدالتواب ملتانی کا تحت اللفظ ترجمہ ہے۔ اس لیے نوعیت کے حوالے سے چاروں تراجم مختلف ہیں۔ لفظی اور معنوی اعتبار سے بھی ان میں فرق پایا جاتا ہے۔

لفظ "رب" کا ترجمہ ڈاکٹر مہر عبدالحق کے سوا سب نے "رب" ہی کیا ہے جبکہ ڈاکٹر صاحب نے پروردگار کیا ہے۔ انّ کا ترجمہ ڈاکٹر مہر عبدالحق اور خان محمد لسکانی نے "بے شک" دلشاد کلانچوی نے "حالانکہ" اور مولانا عبدالتواب ملتانی نے "تحقیق" کیا ہے۔ اس حوالے سے بھی ان تراجم میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

ایک اور مثال ملاحظہ فرمایئے:

فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا (۲: البقرہ: ۱۰)

ترجمہ ڈاکٹر پروفیسر صدیق شاکر:

"انہاں دے دلاں اچ ڈکھ سول ہے اللہ نیں انہاں دے ڈکھ سول کوں بیا ودھاڈتے"۔ (293)

ترجمہ مولانا حفیظ الرحمن حفیظ:

"وچ دلاں انہاں دے بیماری ہے اتے ودھائی ہے انہاں دی اللہ نے بیماری"۔ (294)

ترجمہ علامہ محمد اعظم سعیدی:

"انہاں دے دلاں وچ بیماری اے دل ودھاڈتے اللہ نے انہاں دی بیماری کوں"۔ (295)

ترجمہ مفتی عبدالقادر سعیدی:

"انہیں دے دلیں وچ اے بیماری (منافقت دی) ول اللہ ودھاڈتی اے انہیں دی بیماری" (296)

ڈاکٹر پروفیسر صدیق شاکر کا ترجمہ بامحاورہ ہے جبکہ مولانا حفیظ الرحمن کا ترجمہ تحت اللفظ ہے۔ مولانا محمد اعظم سعیدی کا ترجمہ لفظی ہے اور مفتی عبدالقادر سعیدی کا ترجمہ نیم لفظی ہے۔

یہ چاروں تراجم مختلف انواع کے ہیں یہ باہم اختلاف کا سب سے بڑا سبب ہے ساتھ ہی ان تراجم میں لفظی اور معنوی اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔

مثلاً "مرض" کا ترجمہ ڈاکٹر محمد صدیق شاکر نے "ڈکھ سول" جبکہ باقی مترجمین نے "بیماری" کیا ہے۔ اور مفتی عبدالقادر سعیدی نے قوسین میں (منافقت دی) تحریر کیا ہے۔ اس طرح سے معنوی اختلاف بھی موجود ہے لفظی حوالے سے بھی اختلافات موجود ہے۔

تناقضاتِ تراجم کے اسبابِ خصوصی

اب ہم قرآن مجید کے سرائیکی تراجم کے تناقضات کے اسباب خصوصی کا جائزہ لیتے ہیں۔

لہجوی اختلاف

قرآن مجید کے سرائیکی تراجم تین معروف لہجوں ریاستی، ڈیروی اور ملتانی میں ملتے ہیں۔ ہر مترجم نے اپنے لہجے کی ترجمانی کی ہے اور اپنے اپنے لب ولہجہ کے مطابق ترجمہ تصنیف کیا ہے۔ اس لیے ان تراجم میں اختلاف موجود ہے مثال کے طور پر درج ذیل آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ (۲:البقرہ:۲۰)

ترجمہ خان محمد لسکانی:

''جیرھے ویلے انہیں تے سوجھلا تھیندے تے اوندے وچ ٹرپندن''۔

ترجمہ مفتی عبدالقادر سعیدی:

''جیں ویلے سوجھلا کریندی اے انہیں واسطے ٹرپمدن اوں (سوجھلے) وچ''(298)

ترجمہ ڈاکٹر پروفیسر صدیق شاکر:

''جڈاں انہاں کیتے سوجھلا تھیندے۔ اوندے وچ ٹرگھندن''۔(299)

استاد خان محمد لسکانی نے ''مَشَوْا'' کا ترجمہ ''ٹرپندن''، مفتی عبدالقادر سعیدی نے ریاستی لہجے کے مطابق ''ٹرپمدن'' اور جبکہ ڈاکٹر پروفیسر صدیق شاکر اس کا ترجمہ ''ٹرگھندن'' رقم کیا ہے۔ اس طرح لہجوی اعتبار سے ان تینوں تراجم میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اسی طرح لسکانی صاحب نے اس آیت کریمہ میں ''كُلَّمَا'' کا ترجمہ ''جیرھے ویلے'' مفتی عبدالقادر سعیدی نے ''جیں ویلے'' اور ڈاکٹر صدیق شاکر نے ''جڈاں'' کیا ہے۔ اس حوالے سے بھی لہجوی اختلاف عیاں ہے۔ گویا تینوں مترجمین کے لب ولہجے اور بندش الفاظ کے اعتبار سے بھی اختلاف پایا جاتا ہے اور یہ لہجوی اختلاف صرف قرآن پاک کے سرائیکی تراجم کے ساتھ مختص ہے۔

لہجوی اختلاف کی ایک اور مثال قابلِ ملاحظہ ہے:

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ (۲:البقرہ:۳۶)

تے شیطان ڈوناہیں کوں ورغلا کے بہشت وچوں کڈھا چھوڑیا جیندے وچ اوڈوہیں رہندے ہن''(300)

ترجمہ مولانا محمد خیر الدین صابر ملتانی:

''پس شیطان نے اونہاں کوں بھند لاکے بہشت کنوں تلکا گھتیا۔ آخر اوجیڑھے مزے نال بہشت وچ ودے ہن اونہاں کوں اوتھوں کڈھوا ڈتا''۔(301)

ترجمہ پروفیسر دلشاد کلانچوی:

''آخر شیطان نے انہاں ڈوہائیں کوں اوں درخت دو ورغلایا ایں طرح جھاں او عیش وعشرت وچ رہندے پے ہن اتھوں کڈھوا چھوڑیس''۔(302)

مندرجہ بالا تینوں تراجم میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ تینوں مترجمین نے اپنے اپنے لہجے کے مطابق ترجمہ تحریر فرمایا ہے۔ استاد خان محمد لسکانی نے "فَسِما" کا ترجمہ "ڈوڑیاں" اور دوسری جگہ "ڈوویں" تحریر کیا ہے۔ مولانا صابر ملتانی نے "اونہاں" جبکہ دلشاد کلانچوی نے ریاستی لہجے کے مطابق "ڈوہائیں" کیا ہے۔ اسی طرح بہکانے کے لئے خان محمد لسکانی نے "ورغلایا" رقم کیا ہے۔ کلمات کے اس اختلاف کی وجہ سے تراجم میں بھی فرق آ گیا ہے۔ اب ہم "فَاَخرَجَ" کے ترجمے پر نظر ڈالتے ہیں۔ اول الذکر نے "کڈھا چھوڑیا" صابر ملتانی نے "نِبلکا گھتیا" جو خالص ملتانی لہجے کا لفظ ہے استعمال کیا ہے۔ جبکہ آخر الذکر نے "کڈھوا چھوڑیس" کیا ہے۔ قرآن مجید کے سرائیکی تراجم کا اختلافات کے حوالے سے جائزہ لیں تو یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ لہجوی اختلاف ایک خاص سبب ہے جسکی وجہ سے سرائیکی تراجم میں تناقضات پائے جاتے ہیں۔

مترجم کی علمی استعداد

قرآن مجید کے سرائیکی تراجم کی ایک سو بیس سالہ تاریخ میں مترجمین کے اٹھارہ نام گرامی ملتے ہیں۔ ہر ایک کی اپنی اپنی علمی و ادبی استعداد ہے۔ ایک طرف علماء فضلاء ہیں تو دوسری طرف عام علمی سطح رکھنے والے لوگ ہیں۔ اس لیے اس لے سے سرائیکی تراجم میں تناقضات پائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ مولانا حفیظ الرحمٰن حفیظ مرحوم اور علامہ محمد اعظم سعیدی دامت برکاتہم علماء میں شمار ہوتے ہیں جبکہ نور احمد سیال مرحوم پاکستان ریلوے میں سٹیشن ماسٹر تھے اور ملک ریاض شاہد پیشے کے لحاظ سے کاتب ہیں۔ ان سب مترجمین نے شوق کی خاطر دینی جذبے کے ساتھ ترجمہ تصنیف فرمایا۔ ان تراجم میں ہر ایک کی علمی استعداد عیاں ہوتی ہے مثال کے پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا (۲:البقرہ:۲۶)

ترجمہ ڈاکٹر پروفیسر محمد صدیق شاکر:

"بے شک اللہ سئیں کوں مچھر یا اوں کولوں ودھ کے ہِک کہیں شئے دی مثال ڈیون وچ، ہک نی لگدا" (303)

ترجمہ ملک ریاض شاہد:

"بے شک اللہ اوندے نال حیائی فرمیندا جو مثال سمجھاون کوں جیہو جئیں چیز دا ذکر فرمائے مچھر ہووے یا اوندے توں ودھ تے"۔ (304)

ڈاکٹر پروفیسر محمد صدیق شاکر پی۔ ایچ۔ ڈی ہیں۔ عربی، اردو، فارسی، انگریزی اور سرائیکی زبانوں پر مکمل دسترس رکھتے ہیں۔ ساٹھ کے قریب کتب شائع ہو چکیں ہیں اور قرآن مجید کا سرائیکی ترجمہ و تفسیر سات جلدوں میں تصنیف فرمایا ہے اس لیے آپ کے سرائیکی ترجمے میں معنویت، فصاحت، ابلاغ، ادبی چاشنی، بندش الفاظ اور سرائیکی محاورہ کمال ہے۔ جبکہ اس کے برعکس ملک ریاض شاہد کم تعلیم یافتہ اور پیشے کے لحاظ سے کاتب ہیں۔ اس لیے ان کے ترجمے میں وہ فنی مہارت اور پختگی موجود نہیں۔ اس لیے ایسے تراجم میں اختلافات کا پایا جانا لازمی امر ہے۔ مترجم کی علمی استعداد کے حوالے سے ایک اور ایک اور مثال قابلِ ملاحظہ ہے:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (۲:البقرہ:۱۵۱)

ترجمہ پروفیسر دلشاد کلانچوی مرحوم و مغفور:

"جیویں جو اساں تہاڈے کیتے تہاڈے وچوں ہک رسول بھیجے جیہڑا تہاکوں اساڈیاں آیاتاں پڑھ کے سنڑیندے تہاکوں

پاک کیتی رکھدے اتے تہاکوں کتاب اتے دانائی دیاں گالہیں سکھائی رکھدے"۔(305)

ترجمہ نور احمد سیال مرحوم و مغفور:

"جیویں اساں تہاڈے وچ تہاڈے وچوں ای ہک رسول بھیجے جو تہاڈے اتے اساڈیاں آیتاں تلاوت فرمیندے، اتے تہاکوں پاک کریندے اتے کتاب اتے حکمت دی تعلیم ڈیندے"(306)

پروفیسر عطا محمد دلشاد کلانچوی مرحوم ممتاز ماہر تعلیم، محقق، دانشور صاحب طرز ادیب، شاعر اور کثیر التصانیف شخصیت تھے جبکہ نور احمد سیال مرحوم کم تعلیم یافتہ اور پاکستان ریلویز میں سٹیشن ماسٹر کی حیثیت سے ملازم تھے۔ اس لیے علمی استعداد میں تفاوت اظہر من الشمس ہے۔ جو علمیت، فنی مہارت، سلاست، روانی، ابلاغ، بیارت اور فصاحت پروفیسر دلشاد کلانچوی کے ترجمے میں پائی جاتی ہے وہ نور احمد سیال کے ترجمے میں نہیں ہے۔ اور نور احمد سیال نے ڈاکٹر محمد اشرف فاضلی کے اردو ترجمے کا تتبع بھی فرمایا ہے اس لیے ان تراجم میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

متابعت

متابعت بھی سرائیکی تراجم میں اختلاف کا اہم سبب ہے۔ اکثر سرائیکی مترجمین نے اردو تراجم ہی کو اپنی علمی کم مائیگی اور مسلکی تمسک میں شدت کی بنا پر سرائیکی میں ڈھالا ہے۔ یہ مترجمین شاید خود ترجمہ نہیں کر سکتے تھے اس لیے انہوں نے کسی نہ کسی ترجمے کی متابعت کی ہے۔ مثلاً استاذ محمد رمضان طالب نے مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اردو ترجمے کا تتبع فرمایا ہے۔ مولانا عبدالتواب محدث ملتانی مرحوم اہلحدیث تھے اس لیے انہوں نے شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمے کو ماخذ بنایا اور مولانا حفیظ الرحمٰن حفیظ مرحوم نے شاہ عبدالقادرؒ کے اردو ترجمے کی متابعت کی علی ھذا القیاس

متابعت کے حوالے یہ مثال ملاحظہ فرمائیے:

يَقُولُونَ ءَ إِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِى الْحَافِرَةِ ءَ إِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً (۷۹:النّٰزعٰت:۱۰۔۱۱)

سرائیکی ترجمہ مولانا عبدالتواب ملتانی مرحوم ملاحظہ ہو:

"لوگ آکھدے ہن آیا اساں ضرور ول آسوں وچ پہلی حالت دے۔ کیا جیں ویلے تھی ویسوں ہڈیاں بھیاں"(307)

اب شاہ رفیع الدین کا اردو ترجمہ دیکھیے۔

"کہتے ہیں کیا ہم پھیرے جاویں گے بیچ حالت پہلی کے کیا جب ہو جاویں گے ہم ہڈیاں گلی ہوئی"۔(308)

مندرجہ بالا ترجمے سے صاف عیاں ہے کہ مولانا مرحوم نے شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کے اردو ترجمے کا تتبع فرمایا ہے۔

اب اسی آیت کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے جو مولانا حفیظ الرحمٰن حفیظ کی تصنیف ہے:

"آہدے ہن کیا اساں پھیرے ویسوں وچ حالت پہلی دے کیا جیوجھے ویلے تھی
ویسوں اساں ہڈیاں گلیاں ہویاں"۔(309)

اس ترجمے سے بھی یہ مترشح ہوتا ہے کہ مولانا حفیظ الرحمٰن مرحوم نے شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمے کی متابعت کی ہے۔ اس لیے ان دونوں تراجم میں فرق آ گیا ہے اور اس اختلاف کی وجہ متابعت ہے۔ تناقضات تراجم کے خصوصی سبب متابعت کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیے:

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ (۹۶:العلق:۱۔۲)

سرائیکی ترجمہ مولانا غلام محمد چاچڑانی مرحوم:

''پڑھو اپنے رب دے نام نال جیں نے پیدا کیتے آدمی کوں خون دی پھٹک کنوں بنایا''(310)

اردو ترجمہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ:

''پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا آدمی کو خون کی پھٹک سے بنایا''۔(311)

اس ترجمے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مولانا چاچڑانی نے من وعن وہی ترجمہ رقم کیا ہے جو امام اہلسنت احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔اب انہی آیات کا ترجمہ قابل ملاحظہ ہے جو استاد محمد رمضان طالبؔ کی تصنیف ہے:

''پڑھ اللہ دے ناں نال جئیں پیدا کیتے۔پیدا کیتا انسان کوں وچوں جمے خون دے''۔(312)

مندرجہ بالا ترجمہ بھی متابعت کی واضح مثال ہے۔ان سرائیکی تراجم کی متابعت ثابت ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ قرآن مجید کے سرائیکی تراجم میں تناقضات کی ایک اہم وجہ متابعت بھی ہے۔

مزید برآں ہر مترجم نے اپنے اپنے مسلک کے اکابرین کے تراجم کو سامنے رکھا ہے کیونکہ کوئی بھی اپنا مسلک چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔تو جہاں متابعت کی وجہ سے تراجم میں اختلاف آیا ہے وہاں مسلکی تمسک میں شدت کا عنصر بھی نمایاں ہے۔اور یہ اختلاف قرآن مجید کے سرائیکی تراجم کے ساتھ مخصوص ہو کر رہ گیا ہے۔

بعد زمانی

قرآن مجید کے سرائیکی تراجم میں اختلاف کا ایک سبب زمانے کا فرق بھی ہے۔مثلاً مولوی احمد بخش مرحوم و مغفور قرآن مجید کا سرائیکی ترجمہ 1890ء میں تصنیف کیا۔اور اس کے بعد استاد محمد رمضان طالبؔ نے ایک سو سال بعد 1990ء میں ترجمہ رقم کیا۔

بعد ازاں 1991ء میں استاد خان محمد لسکانی اور رفیق احمد نعیم لسکانی نے ایک صدی بعد ترجمہ طبع کرایا۔تو اس ایک صدی کے درمیان زبان وبیان میں جو تبدیلیاں آئیں وہ تراجم میں اختلاف کا باعث بنیں۔مثال کے طور پر ان آیات کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّينِ، إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ (۱:الفاتحہ:۳،۴،۵)

ترجمہ مولوی احمد بخش مرحوم و مغفور

''قیامت دے ڈینہہ دا مالک۔ہک تیڈی بندگی کریندے ہئیں۔تیں ہک تیئں کنوں یاری منگدے ہئیں۔
سدھا راہ ڈکھال اساکوں''۔(313)

ترجمہ استاد محمد رمضان طالبؔ دامت برکاتہم(314)

''جزا دے ڈینہہ دا مالک ہے اساں تیڈی بندگی کریندے ہیں تے تیڈے کولوں مدد منگدے ہیں۔ساکوں سدھا رستہ ڈکھا۔

ترجمہ استاد خان محمد لسکانی،رفیق احمد نعیم لسکانی

''تے جزا سزا دے ڈینہہ دا مالک ہے۔اساں تیڈی ہی عبادت کریندے ہیں تے تیں کنے ہی مدد منگدے ہیں۔
تو ساکوں سدھا رستہ ڈکھا''(315)

ان تراجم میں بعد زمانی کی وجہ سے لب ولہجہ اور الفاظ میں بھی فرق پایا جاتا ہے۔ اسلوب بیاں اور انداز تحریر بھی مختلف ہے۔

"اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ" کا ترجمہ مولوی احمد بخش نے "سدھا راہ ڈکھال اساکوں" استاد محمد رمضان طالب نے "ساکوں سدھا رستہ ڈکھا" جبکہ خان محمد لسکانی نے "توں ساکوں سدھا رستہ ڈکھا" جبکہ خان محمد لسکانی نے "توں ساکوں سدھا رستہ ڈکھا" کیا ہے۔ ترجمے کا اختلاف واضح ہے۔

اسی طرح "اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" کا ترجمہ مولوی احمد بخش نے "تیں کنوں یاری منگدے ہیں" کیا ہے۔ جبکہ استاد محمد رمضان طالب نے "ہیڈے کولوں مدد منگدے ہیں" رقم کیا ہے۔ ترجمے میں یہ فرق بعد زمانی کی وجہ سے ہے اس حوالے سے ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیے:

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ وَ لَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ (۲:البقرہ:۱۳۰)

ترجمہ مولانا محمد خیر الدین صابر ملتانی مرحوم:

"اتے کون ہے جو حضرت ابراہیم دے طریقے کنوں کنی کرے۔ یعنی مونہہ پھیرے مگر او ہو ہوسی جیندی عقل ماری گئی ہووے اتے بیشک اساں ابراہیم کوں دنیا وچ چن گھد اہا اتے آخرت وچ وی چنگے لوکاں دے ٹولے وچ ہوسی"۔ (316)

ترجمہ ڈاکٹر پروفیسر صدیق شاکر کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

"اتے کون حضرت ابراہیم دے مذہب کولوں پھر سگدے!۔ او ہو پھر سگدے جیڑھا بھولا تے گالہا ہووے! اتے اساں اوکوں (ابراہیم) دنیا وچ چن گھدا ہئی۔ او آخرت وچ نیکاں وچوں ہوسی"۔ (317)

مولانا صابر ملتانی اور ڈاکٹر صدیق شاکر نے ترجمے میں تقریباً اسی سال کا فرق ہے۔ اس زمانی فرق کی وجہ سے ترجمے میں بھی فرق آ گیا ہے۔ مولانا صابر ملتانی نے "سَفِهَ نَفْسَهٗ" کا ترجمہ "جیندی عقل ماری گئی ہووے" اور ڈاکٹر صدیق شاکر نے "جیڑھا بھولا تے گالہا ہووے" کیا ہے۔

مولانا صابر ملتانی نے آیت مذکورہ کے آخری جز کا ترجمہ "اتے آخرت وچ وی چنگے لوکاں دے ٹولے وچ ہوسی" کیا ہے اور اسی سال بعد ڈاکٹر صدیق شاکر نے اس کا ترجمہ "اور آخرت وچ وی نیکاں وچوں ہوسی" کیا ہے۔

تراجم میں اس اختلاف سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ بعد زمانی تناقضات تراجم کا ایک اہم سبب ہے۔

بُعد مکانی

بعد مکانی بھی تناقضات تراجم کا ایک خاص سبب ہے۔ اگر ایک مترجم ڈیرہ غازی خاں میں بیٹھ کر ترجمہ رقم کرتا ہے اور دوسرا مترجم صادق آباد (رحیم یار خاں) میں ترجمہ تصنیف کرتا ہے تو ان کے تراجم میں اختلاف یقینی ہے۔

اسی طرح ملتان اور بہاولپور میں مقیم مترجمین کے تراجم میں بھی فرق ہے۔ کیونکہ ہر علاقے کی اپنی خصوصیت اور اپنا لب ولہجہ ہوتا ہے جو مترجم پر اثر انداز ہوتا ہے۔

ہر مترجم کی تحریر میں اس علاقے کی عکاسی نظر آتی ہے۔ مثلاً درج ذیل آیت کے تراجم ملاحظہ فرمائیں:

يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا (۴:النساء:۱۷۴)

ترجمہ دلشاد کلانچوی مرحوم:

''اے لوکو! تحقیق تہاڈے کولھ رب دی طرفوں ہک روشن دلیل آئی ہوئی ہے بلکہ اساں تاں تہاڈے دو واضح طور تے ہک نور بھیجے''(318)

ترجمہ ڈاکٹر پروفیسر صدیق شاکر:

لوکو! تہاڈے رب ولوں، تہاڈے کولوں ثبوت آ گئے۔ اتے اساں تہاڈے ور کھلا چانن لہائے''(319)

ترجمہ خان محمد لسکانی مرحوم

''اے لوکو تہاڈے کولھو تہاڈے رب کنیں کھلی کھلی دلیل آ چکی ء تے اساں تہاڈو ہک روشن نور لہائے''۔(320)

ان تینوں تراجم میں بعد مکانی کی وجہ سے واضح اختلاف پایا جاتا ہے۔ دلشاد کلانچوی نے بہاولپور میں بیٹھ کر ایسا ترجمہ تصنیف کیا ہے۔ جس میں دخیل کلمات بہت زیادہ ہیں جبکہ ڈاکٹر صدیق شاکر ملتان میں مقیم ہیں۔ انہوں نے خالص سرائیکی زبان میں ترجمہ رقم کیا ہے۔

اسی طرح خان محمد لسکانی نے ڈیرہ غازی خان میں مقامی لب و لہجے میں ترجمہ تحریر کیا ہے۔ یہ تینوں شہر ایک دوسرے سے کافی دور ہیں۔ اس لیے ہر ترجمے میں اسی علاقے کا اثر نظر آتا ہے اور یہی بعد مکانی تناقضات تراجم کا باعث ہے۔ اسی طرح ایک اور مثال ملاحظہ فرمایئے:

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ (۲:البقرہ:۱۲۳)

ترجمہ مولوی احمد بخش مرحوم:

''اتیں ڈرواوں ڈینہہ کنوں جو کوئی مسلمان کہیں کافر کنوں عذاب وا بارانہ چیسی اتیں نہ انہیں کنوں چٹی منظور کریسی اتیں نہ انہیں کوں کوئی سفارش فائدہ ڈیسی اتیں نہ انہاں دی کوئی مدد کریسی''(321)

''اتے تساں اوں ڈینہہ کنوں ڈروجڈاں کوئی شخص کہیں شخص دی طرفوں کجھ کفایت نہ کرسگسی اتے نہ کوئی عوضانہ اوں او کنو قبول کیتا ویسی اتے نہ کوئی سفارش اوکوں نفع ڈیسی۔ اتے نہ او مدد کیتے ویسن''۔(322)

ترجمہ مولانا حفیظ الرحمٰن حفیظ مرحوم:

''اتے ڈرواوں ڈینہہ کنوں جو نہ ادا کرسگسی کوئی شخص طرفوں کہیں شخص دے کوئی شے اتے نہ قبول کیتا ویسی کنوں اوندے کوئی بدلہ اتے نہ فائدہ ڈیسی اونکوں کوئی سفارش اتے نہ او ہے مدد کیتے ویسن''(323)

پہلا ترجمہ ڈیرہ غازی خان میں ہوا۔ دوسرا ترجمہ ملتان میں اور تیسرا ترجمہ بہاولپور میں تصنیف ہوا۔ یہ مکانی اختلاف، تراجم میں اختلاف کا باعث بنا۔

سرائیکی تراجم کا ماضی، حال اور مستقبل

پاکستان کی علاقائی زبانوں میں قرآن مجید کے سب سے زیادہ تراجم سرائیکی میں ہوئے ہیں۔ یہ بات تو وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ دینی ادب کے حوالے سے علاقائی زبانوں میں سب سے زیادہ پیش رفت سرائیکی ہی میں ہوئی ہے۔ پاکستان میں اردو کے بعد سرائیکی وہ زبان ہے جس میں قرآن مجید پر سب سے زیادہ کام ہوا ہے۔ اس وقت تک اٹھارہ تراجم منصۂ شہود پر آئے ہیں۔ ان میں نو تراجم کامل ہیں اور باقی نو جزوی ہیں۔ کامل تراجم میں پانچ مطبوعہ اور چار غیر مطبوعہ ہیں۔ مطبوعہ تراجم میں ایک ترجمہ ایسا بھی ہے جس کے ساتھ تشریح اور توضیح بھی کی گئی ہے یعنی وہ مفسر ترجمہ ہے۔

اس عظیم کام کا آغاز تقریباً ایک صدی قبل ہوا۔ سرائیکی کا پہلا ترجمہ ڈیرہ غازی خان میں ہوا۔ مولوی احمد بخش صاحب (المتوفی 1945ء) نے قرآن مجید کا سرائیکی میں ترجمے کا آغاز کیا اور پہلا پارہ 9 جولائی 1890ء میں لاہور سے طبع فرمایا۔ یہ اس عظیم کام کا آغاز تھا اور وہ ایک بہت بڑا شرف تھا جو ڈیرہ غازی خان کے ایک سپوت کو حاصل ہوا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ شروع ہو گیا۔ چنانچہ ملتان سے مولانا محمد خیر الدین صابر ملتانی نے 1925ء میں قرآن مجید کے پہلے پارے کا ترجمہ گیلانی پریس لاہور سے طبع فرمایا۔ اس کے پندرہ سال بعد 1940ء میں مولانا عبدالتواب ملتانی مرحوم کا "عم یتساءلون" کا ترجمہ حاشیے کے ساتھ ملتان سے طبع ہوا۔

ملتان کے بعد بہاول پور میں اس عظیم کام کا آواز بلند ہوا۔ مولانا حفیظ الرحمٰن حفیظؔ نے اس کام کا بیڑا اٹھالیا۔ انہوں نے اپنے پریس "عزیز المطابع" سے 1951ء میں "بارھاں سورۃ" کے عنوان سے قرآن مجید کی بارہ منتخب سورتوں کا بین السطور ترجمہ طبع فرمایا۔ ٹھیک ایک سال بعد 1952ء میں مولانا نے ہی پورے قرآن مجید کا ترجمہ مع ایک گرانقدر مقدمے کے ساتھ بہاولپور ہی سے شائع فرمایا۔

تراجم کا یہ سلسلہ جو ڈیرہ غازی خان سے شروع ہوا۔ وہ ملتان سے ہوتا ہوا بہاولپور تک پہنچ گیا۔ اس کے بعد بہاولپور ہی سے کئی تراجم جزوی اور کامل وقفے وقفے کے بعد طبع ہوئے۔ جن میں مولانا نور احمد سیال کا ترجمہ "تفرید القرآن" مولانا غلام محمد چاچڑانی کا "تفسیر اتالیقی بزبان سرائیکی"، مولانا نظام الدین نظامی کا "ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی المعروف سوغات نظامی"، مفتی عبدالقادر سعیدی کا سرائیکی ترجمہ "المرجان"، پروفیسر دلشاد کلانچوی کا "سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف" قابل ذکر ہیں۔

ڈیرہ غازی خان میں مولانا احمد بخش مرحوم نے جو شمع جلائی تھی اس کی روشنی پھیلی۔ ان کی وفات تقریباً چالیس سال بعد استاد محمد رمضان طالبؔ نے قرآن مجید کی سورتوں کے سرائیکی تراجم کا سلسلہ شروع کیا۔ جو تا حال جاری ہے مختلف ناموں سے اس تسلسل میں ان کی سات تصانیف اب تک طبع ہو چکی ہیں۔ پورے کلام پاک کا ترجمہ تو نہیں لیکن اس کے بیشتر حصوں کا ترجمہ منثور اور منظوم دونوں صورتوں میں آ چکا ہے۔

قرآن مجید کا مکمل ترجمہ ڈیرہ غازی خان کے ایک قصبہ احمد پور کے رہائشی استاد خان محمد لسکانی بلوچ اور رفیق احمد نعیم لسکانی بلوچ نے کیا جو جماعت احمدیہ ربوہ کی مالی معاونت سے 1991ء میں انگلینڈ سے طبع ہوا۔

اس حوالے سے ملتان بھی بہاولپور اور ڈیرہ غازی خان سے پیچھے نہ رہا۔ مولانا صابر ملتانی نے قرآن مجید کے سرائیکی ترجمے کا آغاز کیا۔ وہ ترجمہ با محاورہ تراجم میں سب سے پہلا ترجمہ ہے۔ اس کے بعد مولانا عبدالتواب محدث ملتانی نے قرآن مجید کے آخری پارے "عم یتساءلون" کا ترجمہ حاشیے کے ساتھ طبع فرمایا۔ یہ ترجمہ مولانا صابر ملتانی کے ترجمے کی طرح با محاورہ نہیں بلکہ تحت اللفظ تھا۔ اس کے بعد انہوں نے ہی پہلا پارہ "الٓمٓ" کا سرائیکی ترجمہ اسی نہج پر شاہ رفیع الدین کے اردو ترجمے کے ساتھ طبع فرمایا۔ ملتان سے طبع ہونے والے یہ تراجم جزوی تراجم کے ضمن میں آتے ہیں۔ اس کے بعد ملتان سے یکے بعد دیگرے دو مکمل تراجم طبع ہوئے۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق مرحوم نے ایک نئے اسلوب کے ساتھ قرآن مجید کا مکمل ترجمہ کیا۔ جسے سرائیکی ادبی بورڈ ملتان نے شائع کیا۔ بعد ازاں ڈاکٹر پروفیسر محمد صدیق شاکر کا ترجمہ "سوکھی تفسیر" کے نام سے شائع ہوا۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ یہ صرف ترجمہ نہیں بلکہ اس کے ساتھ تفسیر بھی ہے۔

یہ تو تھا قرآن مجید کے سرائیکی تراجم کا روشن ماضی اب اس کے حال کی بات کرتے ہیں۔ ماضی کی طرح اس کا حال بھی تابندہ اور درخشندہ ہے۔ سب سے عظیم کام جو اس وقت سامنے آیا ہے وہ ضخیم سرائیکی ترجمہ ہے جسے ملک ریاض شاہد نے بڑی جانفشانی کے ساتھ تصنیف کیا ہے۔ یہ ترجمہ نثر میں ہے لیکن اس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ کشادہ صفحات پر مشتمل ہے۔ جن کا مجموعی وزن تیرہ من بنتا ہے۔ ہر پارہ الگ الگ مدون اور مجلد ہے ایک عجوبہ روزگار ہونے کی وجہ سے مقبول عام ہو گیا ہے ابھی تک زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکا۔ مترجم موصوف پیشے کے لحاظ سے کاتب ہیں۔ اس لیے انہوں نے خود ہی پورے قرآن مجید کی کتابت کی ہے۔ خوبصورت جلی حروف میں متن ہے اور اس کے نیچے سرائیکی ترجمہ دیا گیا ہے۔ قرآن مجید کا یہ سرائیکی ترجمہ زیارت گاہ خاص و عام بن گیا ہے۔

اس عظیم الشان کام کے ساتھ ساتھ نظم اور نثر دونوں میں تراجم ہو رہے ہیں۔ حافظ مختار احمد شاہد عباسی پورے قرآن مجید کا سرائیکی میں ترجمہ کرنے کا عزم رکھتے ہیں۔ متعدد سورتوں کا ترجمہ حاشیے کے ساتھ کر چکے ہیں۔ یہ سارا کام نثر میں ہے۔ نظم میں عبدالوحاب عباسی نے قرآن مجید کا منظوم ترجمہ کرنے کا عزم کر رکھا ہے۔ اب تک وہ تقریباً دس پارہ پاروں کا منظوم ترجمہ کر چکے ہیں۔ وہ دس دس پاروں کی تین الگ الگ جلدیں طبع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ انہیں کی طرح ایک اور جذب و شوق سے لبریز نوجوان غلام رضا سیورا بھی ہیں جو آج کل جرمنی میں مقیم ہیں۔ وہ قرآن مجید کی کچھ سورتوں کا منظوم ترجمہ کر چکے ہیں۔ باقی کے کرنے کا عزم رکھتے ہیں۔

ماضی اور حال کی طرح قرآن مجید کے سرائیکی تراجم کا مستقبل بھی پرامید اور حوصلہ افزا ہے۔ امید کی جا سکتی ہے کہ جس جذب و شوق کے ساتھ نوجوان کام کر رہے ہیں کوئی بعید نہیں کہ وہ ماضی اور حال سے بھی آگے نکل جائیں۔ ماضی میں منظوم تراجم میں اتنا کام نہیں ہوا جتنا حال میں ہو رہا ہے اور مستقبل میں ہوگا۔ حال ہی میں جو قرآن مجید کا ضخیم ترجمہ سامنے آیا ہے اس کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مستقبل میں بھی ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دیے جاتے رہیں گے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ سرائیکی خطہ جو پاکستان کے چاروں صوبوں میں پھیلا ہوا ہے اگر اس پاکیزہ کام کی حوصلہ افزائی کرے تو عظیم سے عظیم تر نتائج برآمد ہو سکتے ہیں:

نہیں ہے نا امید اقبالؔ اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

حوالہ جات باب پنجم

1۔ قرآن مجید، سورۃ ۲۶، الشعراء، آیت ۱۹۵۔

2۔ قرآن مجید، سورۃ ۱۲، یوسف، آیت ۲۔

3۔ قرآن مجید، سورۃ ۲۵، الفرقان، آیت ۳۵۔

4۔ مجلہ ''المنار'' قاہرہ ۱۳۴۴ھ، ص ۲۹۲۔

5۔ محمد فرید وجدی، الا دلۃ العلمیۃ علی جواز ترجمۃ معانی القرآن الی اللغات الاجنبیۃ، مطبوعہ مصر، ۱۹۳۶ء۔

6۔ شیخ محمد سلیمان الازہری، حدث الاحداث فی الاسلام الا قدام علی ترجمۃ القرآن، مطبوعہ مطبع سلفیہ مصر، ۱۳۵۵ھ۔

7۔ حفیظ الرحمٰن حفیظ مولانا، قرآن مجید مترجم بزبان ریاستی، بہاولپور، عزیز المطابع، ۱۳۷۶ھ۔

8۔ عبدالحق مہر ڈاکٹر، قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان، سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۴۰۴ھ۔

9۔ خان محمد لسکانی، قرآن مجید سرائیکی ترجے نال، اسلام آباد، سرے انگلینڈ، اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز، ۱۹۹۱ء۔

10۔ دلشاد کلانچوی، سوکھے سرائیکی ترجے والا قرآن شریف، ملتان، ابن کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء۔

11۔ عبدالقادر سعیدی مفتی، المرجان، قلمی نسخہ ملکیہ مصنف، صادق آباد (رحیم یار خان)، ۲۰۰۰ء۔

12۔ ریاض شاہد، نور الایمان، قلمی نسخہ، ملکیہ مصنف، بہاولپور، ۲۰۰۸ء۔

13۔ نظام الدین نظامی مولانا، ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی، قلمی نسخہ ملکیہ حکیم سلطان محمود صادق آباد ۱۹۸۸ء۔

14۔ غلام محمد چاچڑانی مولانا، تفسیر اتالیقی بزبان سرائیکی قلمی نسخہ، قصر فرید لائبریری، کوٹ مٹھن (راجن پور)، ۱۹۹۰ء۔

15۔ محمد صدیق شاکر، پروفیسر ڈاکٹر، تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر، ملتان، سرائیکی سدھ سراں، ۲۰۰۵ء۔

16 احمد بخش مولوی، پارہ الم مترجم ملتانی، لاہور، ۱۸۹۰ء۔

17۔ صابر ملتانی خیر الدین مولانا، پارہ اول مترجم بامحاورہ ملتانی، لاہور، گیلانی پریس، ۱۹۲۵ء۔

18۔ عبدالتواب ملتانی مولانا، عم یتساءلون، ملتان، عبدالواسع تاجران کتب، ۱۹۴۰ء۔

19۔ نور احمد سیال مولانا، تفرید القرآن، بہاولپور، انجمن حفظ القرآن، ۱۹۷۵ء۔

20۔ حفیظ الرحمٰن حفیظ مولانا، قرآن مجید مترجم، بہاولپور، عزیز المطابع، ۱۹۵۱ء، ص ۹۵۸۔

21۔ دلشاد کلانچوی، سوکھے سرائیکی ترجے والا قرآن شریف، ملتان، ابن کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۶۱۔

22۔ عبدالقادر سعیدی مفتی، المرجان، قلمی مخطوط، ص ۶۳۳۔

23۔ صدیق شاکر ڈاکٹر، تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر، ملتان، سرائیکی سدھ سراں، ۲۰۰۵ء، ص ۳۰۴۔

24۔ عبدالحق مہر ڈاکٹر، قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۸۴ء، ص ۹۰۶۔

25۔ غلام محمد چاچڑانی مولانا، تفسیر اتالیقی، قلمی مخطوط، ۱۹۹۰ء، ص ۹۹۔

26- نظام الدین نظامی مولانا، ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی، قلمی نسخہ، ۱۹۸۷ء، ص ۴۷۔
27- حفیظ الرحمٰن حفیظ مولانا، قرآن مجید مترجم بزبان ریاستی، بہاولپور، عزیز المطابع، ۱۳۷۶ھ، ص ۹۵۶۔
28- عبدالحق مہر ڈاکٹر، قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۸۴ء، ص ۹۱۶۔
29- دلشاد کلانچوی، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف، ملتان، ابن کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۹۶۷۔
30- حفیظ الرحمٰن حفیظ مولانا، قرآن مجید مترجم بزبان ریاستی، بہاولپور، عزیز المطابع، ۱۳۷۶ھ، ص ۹۵۸۔
31- عبدالحق مہر ڈاکٹر، قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۸۴ء، ص ۹۵۱۔
32- دلشاد کلانچوی، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف، ملتان، ابن کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۶۹۳۔
33- صدیق شاکر ڈاکٹر، تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر، ملتان، سرائیکی سدھ سراں، ۲۰۰۵ء، ص ۶۰۔
34- حفیظ الرحمٰن حفیظ مولانا، قرآن مجید مترجم بزبان ریاستی، بہاولپور، عزیز المطابع، ۱۳۷۶ھ، ص ۹۔
35- عبدالقادر سعیدی مفتی، المرجان، قلمی مخطوط، ص ۶۰۸۔
36- نظام الدین نظامی مولانا، ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی، قلمی نسخہ، ۱۹۸۷ء، ص ۱۶۔
37- دلشاد کلانچوی، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف، ملتان، ابن کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۶۹۶۔
38- صدیق شاکر ڈاکٹر، تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر، ملتان، سرائیکی سدھ سراں، ۲۰۰۵ء، ص ۲۷۔
39- ریاض شاہد، نورالایمان، قلمی نسخہ، ملکیہ مصنف، بہاولپور، ۲۰۰۸ء، ص ۱۔
40- عبدالحق مہر ڈاکٹر، قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۸۴ء، ص ۱۔
41- خان محمد لسکانی، قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال، اسلام آباد/سرے انگلینڈ، اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز، ۱۹۹۱ء۔
42- نظام الدین نظامی مولانا، ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی، قلمی نسخہ، ۱۹۸۷ء، ص ۵۹۔
43- نظام الدین نظامی مولانا، ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی، قلمی نسخہ، ۱۹۸۷ء، ص ۵۸۔
44- حفیظ الرحمٰن حفیظ مولانا، قرآن مجید مترجم بزبان ریاستی، بہاولپور، عزیز المطابع، ۱۳۷۶ھ، ص ۹۵۸۔
45- ریاض شاہد، نورالایمان، قلمی نسخہ، ملکیہ مصنف، بہاولپور، ۲۰۰۸ء، ص ۱۶۷۷۔
46- عبدالقادر سعیدی مفتی، المرجان، قلمی مخطوط، ص ۶۱۲۔
47- نظام الدین نظامی مولانا، ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی، قلمی نسخہ، ۱۹۸۷ء، ص ۳۷۔
48- خان محمد لسکانی، قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال، اسلام آباد/سرے انگلینڈ، اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز، ۱۹۹۱ء۔
49- دلشاد کلانچوی، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف، ملتان، ابن کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۲۔
50- عبدالقادر سعیدی مفتی، ملاقات، بھونگ صادق آباد، جون ۲۰۰۷ء۔
51- عبدالقادر سعیدی مفتی، المرجان، قلمی مخطوط، ص ۶۱۷۔
52- صدیق شاکر ڈاکٹر، تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر، ملتان، سرائیکی سدھ سراں، ۲۰۰۵ء، ص ۲۷۔
53- ریاض شاہد، نورالایمان، قلمی نسخہ، ملکیہ مصنف، بہاولپور، ۲۰۰۸ء، ص ۷۸۔
54- ریاض شاہد، انٹرویو/ملاقات، یکم جون، ۲۰۰۸ء۔

55. عبدالقادر سعیدی مفتی، المرجان، قلمی مخطوط، ص ۵۸۸۔
56. نظام الدین نظامی مولانا، ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی، قلمی نسخہ، ۱۹۸۷ء، ص ۱۷۸۔
57. صدیق شاکر ڈاکٹر، تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر، ملتان، سرائیکی سدھ سراں، ۲۰۰۵ء، ص ۵۲۔
58. عبدالحق مہر ڈاکٹر، قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۸۳ء، ص ۹۲۱۔
59. خان محمد لسکانی، قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال، اسلام آباد/سرے انگلینڈ، اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز، ۱۹۹۱ء، ص ۱۔
60. عبدالقادر سعیدی مفتی، المرجان، قلمی مخطوطہ، ص ۳۔
61. نظام الدین نظامی مولانا، ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی، قلمی نسخہ، ۱۹۸۷ء، ص ۵۸۔
62. صدیق شاکر ڈاکٹر، تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر، ملتان، سرائیکی سدھ سراں، ۲۰۰۵ء، ص ۱۹۴۔
63. احمد بخش مولوی، پارہ الم مترجم ملتانی، لاہور، گلزار محمدی ۱۸۹۰ء۔
64. صابر ملتانی مولانا خیر الدین، پارہ اول مترجم با محاورہ بزبان ملتانی، لاہور، گیلانی پریس، ۱۹۲۵ء۔
65. عبدالتواب ملتانی مولانا، عم یتساءلون، ملتان، مولوی عبدالواسع تاجران کتب، ۱۹۳۰ء۔
66. نور احمد سیال مولانا، تلک الرسل، بہاولپور، سرائیکی ادبی مجلس، ۱۹۸۶ء۔
67. محمد اعظم سعیدی مولانا، فرید التفاسیر۔ تفسیر سرائیکی، کراچی، سرائیکی ادبی سنگت، ۱۹۸۸ء۔
68. احمد بخش مولوی، پارہ الم مترجم ملتانی، لاہور، گلزار محمدی، ۱۸۹۰ء۔
69. عبدالتواب ملتانی، عم یتساءلون، ملتان، عبدالواسع تاجران کتب، ۱۹۳۰ء۔
70. نور احمد سیال مولانا، تفرید القرآن، بہاولپور، انجمن حفظ القرآن، ۱۹۷۵ء، ص ۳۔
71. محمد اعظم سعیدی علامہ، فرید التفاسیر، کراچی، سرائیکی ادبی سنگت، ۱۹۸۸ء، ص ۷۔
72. صابر ملتانی مولانا، پارہ اول مترجم با محاورہ بزبان ملتانی، لاہور، گیلانی پریس، ۱۹۲۵ء، ص ۳۔
73. محمد رمضان طالب، قرآن پاک دیں آخری ڈاہ سورتیں دا ترجمہ تے تشریح، فرید سرائیکی سنگت، ۱۴۰۹ھ، ص ۱۳۔
74. احمد بخش مولوی، پارہ الم مترجم ملتانی، لاہور، گلزار محمدی، ۱۸۹۰ء، ص ۹۔
75. صابر ملتانی مولانا، پارہ اول مترجم با محاورہ بزبان ملتانی، لاہور، گیلانی پریس، ۱۹۲۵ء، ص ۱۳۔
76. محمد اعظم سعیدی علامہ، فرید التفاسیر، کراچی، سرائیکی ادبی سنگت، ۱۹۸۸ء، ص ۶۔
77. محمد رمضان طالب، سیپارہ ۳۰ عم، ڈیرہ غازی خان، فرید سرائیکی سنگت، ۲۰۰۱ء، ص ۲۴۔
78. ایضاً
79. عبدالوحاب عباسی، قرآن کریم مع ترجمہ منظوم سرائیکی قلمی نسخہ ملکیہ مصنف۔
80. صابر ملتانی مولانا، پارہ اول مترجم با محاورہ بزبان ملتانی، لاہور، گیلانی پریس، ۱۹۲۵ء، ص ۳۷۔
81. عبدالتواب ملتانی، عم یتساءلون، ملتان، عبدالواسع تاجران کتب، ۱۹۳۰ء، ص ۳۰۔
82. نور احمد سیال مولانا، تفرید القرآن، بہاولپور، انجمن حفظ القرآن، ۱۹۷۵ء، ص ۷۔
83. محمد اعظم سعیدی علامہ، فرید التفاسیر، کراچی، سرائیکی ادبی سنگت، ۱۹۸۸ء، ص ۵۔

84۔ محمد رمضان طالب، پندھراں سورۃ، ڈیرہ غازی خان، فرید سرائیکی سنگت، ۲۰۰۲ء، ص ۷۔
85۔ مختار احمد شاہد عباسی، قرآن پاک دیاں یارہاں سورتاں دا سرائیکی ترجمہ، قلمی نسخہ، رحیم یار خاں، ملکیہ مصنف، ص ۶۔
86۔ حفیظ الرحمن حفیظ مولانا، قرآن مجید مترجم بزبان ریاستی، بہاولپور، عزیز المطابع، ۱۳۷۶ھ، ص ۷۔
87۔ خان محمد لسکانی، قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال، اسلام آباد/سرے انگلینڈ، اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز، ۱۹۹۱ء، ص ۴۔
88۔ عبدالحق مہر ڈاکٹر، قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۸۴ء، ص ۱۔
89۔ عبدالقادر سعیدی مفتی، المرجان، قلمی مخطوط، ص ۴۔
90۔ دلشاد کلانچوی، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف، ملتان، ابن کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۳۲۔
91۔ نور احمد سیال مولانا، پارہ ۲ تفرید القرآن بہاولپور، انجمن حفظ القرآن، ۱۹۷۶ء، ص ۱۔
92۔ حفیظ الرحمن حفیظ مولانا، قرآن مجید مترجم بزبان ریاستی، بہاولپور، دیباچہ، ۱۳۷۶ھ، ص د۔
93۔ عبدالحق مہر ڈاکٹر، قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۸۴ء، ص ۹۰۶۔
94۔ عبدالقادر سعیدی مفتی، المرجان، قلمی مخطوطہ، ص ۲۔
95۔ صابر ملتانی مولانا، پارہ اول مترجم با محاورہ بزبان ملتانی، لاہور، گیلانی پریس، ۱۹۲۵ء، ص ۲۳۔
96۔ دلشاد کلانچوی، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف، ملتان، ابن کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۵۔
97۔ احمد بخش مولوی، پارہ الم مترجم ملتانی، لاہور، گلزار محمدی، ۱۸۹۰ء، ص ۵۔
98۔ ریاض شاہد، نور الایمان، قلمی نسخہ، ملکیہ مصنف، بہاولپور، ۲۰۰۸ء، ۱۶۷۷۔
99۔ خان محمد لسکانی، قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال، اسلام آباد/سرے انگلینڈ، اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز، ۱۹۹۱ء، ۵۳۰۔
100۔ نور احمد سیال مولانا، پارہ ۲ تفرید القرآن، بہاولپور، انجمن حفظ قرآن، ۱۹۸۶ء، ص ۳،۴۔
101۔ عبدالقادر سعیدی مفتی، المرجان، قلمی مخطوطہ، ص ۶۰۸۔
102۔ محمد رمضان طالب، سیپارہ ۳۰ عم، ڈیرہ غازی خاں، فرید سرائیکی سنگت، ۲۰۰۱ء، ص ۲۰۔
103۔ دلشاد کلانچوی، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف، ملتان، ابن کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۶۹۳۔
104۔ حفیظ الرحمن حفیظ مولانا، قرآن مجید مترجم بزبان ریاستی، بہاولپور، دیباچہ، ۱۳۷۶ھ، ص ۹۵۸۔
105۔ عبدالحق مہر ڈاکٹر، قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۸۴ء، ص ۹۵۱۔
106۔ نور احمد سیال مولانا، پارہ ۲ تفرید القرآن، بہاولپور، انجمن حفظ قرآن، ۱۹۸۶ء، ص ۸۔
107۔ صابر ملتانی مولانا، پارہ اول مترجم با محاورہ بزبان ملتانی، لاہور، گیلانی پریس، ۱۹۲۵ء، ص ۱۳۔
108۔ عبدالتواب ملتانی، عم یتساءلون، ملتان، عبدالواسع تاجران کتب، ۱۹۴۰ء، ص ۳۹۔
109۔ محمد رمضان طالب، قرآن پاک دیاں چالھی آیتاں، ڈیرہ غازی خاں، فرید سرائیکی سنگت، ۲۰۰۱ء، ص ۱۸۔
110۔ عبدالتواب ملتانی، عم یتساءلون، ملتان، عبدالواسع تاجران کتب، ۱۹۴۰ء، ص ۱۳۔
111۔ مختار شاہد عباسی، یارھاں سورتاں سرائیکی ترجمے نال، قلمی نسخہ، ص ۴۔
112۔ محمد رمضان طالب، پندھراں سورۃ، ڈیرہ غازی خاں، فرید سرائیکی سنگت، ۲۰۰۲ء، ص ۸۔

113- عبدالتواب ملتانی، الم، ملتان، عبدالواسع تاجران کتب، ۱۹۴۰ء، ص ۳۔
114- عبدالتواب ملتانی، عم یتساءلون، ملتان، عبدالواسع تاجران کتب، ۱۹۴۰ء، ص ۲۲۔
115- محمد رمضان طالبؔ، پندھراں سورہ، ڈیرہ غازی خان، فرید سرائیکی سنگت، ۲۰۰۲ء، ص ۱۰۔
116- نظام الدین نظامی مولانا، ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی، قلمی نسخہ، ۱۹۸۷ء، ص ۱۸۔
117- غلام محمد چاچڑانی مولانا، تفسیر اتالیقی، قلمی مخطوطہ، ۱۹۹۰ء، ص ۸۰۔
118- صدیق شاکر ڈاکٹر، تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر، ملتان، سرائیکی سدھ سراں، ۲۰۰۵ء، ص ۵۲۔
119- محمد اعظم سعیدی علامہ، فرید التفاسیر، کراچی، سرائیکی ادبی سنگت، ۱۹۸۸ء، ص ۱۰۔
120- نظام الدین نظامی مولانا، ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی، قلمی نسخہ، ۱۹۸۷ء، ص ۱۵۳۔
121- صدیق شاکر ڈاکٹر، تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر، ملتان، سرائیکی سدھ سراں، ۲۰۰۵ء، ص ۲۳۶۔
122- محمد اعظم سعیدی علامہ، فرید التفاسیر، کراچی، سرائیکی ادبی سنگت، ۱۹۸۸ء، ص ۱۷۔
123- غلام محمد چاچڑانی مولانا، تفسیر اتالیقی، قلمی مخطوطہ، ۱۹۹۰ء، ص ۹۵۔
124- ایضاً
125- نظام الدین نظامی مولانا، ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی، قلمی نسخہ، ۱۹۸۷ء، ص ۴۷۔
126- محمد اعظم سعیدی علامہ، فرید التفاسیر، کراچی، سرائیکی ادبی سنگت، ۱۹۸۸ء، ص ۳۲۔
127- عبدالوحاب عباسی، قرآن کریم مع ترجمہ منظوم سرائیکی، قلمی نسخہ ملکیہ مصنف، ص ۱۔
128- محمد رمضان طالبؔ، پندھراں سورۃ، ڈیرہ غازی خاں، فرید سرائیکی سنگت، ۲۰۰۲ء، ص ۹۔
129- غلام رضا بھٹی، روزنامہ ''جھوک''، ملتان، ۱۲۸ کتوبر، ۲۰۰۷ء۔
130- عبدالوحاب عباسی، قرآن کریم مع ترجمہ منظوم سرائیکی، قلمی نسخہ ملکیہ مصنف، ص ۱۔
131- محمد رمضان طالبؔ، رحمت دعا، ڈیرہ غازی خاں، فرید سرائیکی سنگت، ۲۰۰۶ء، ص ۹۔
132- غلام رضا بھٹی، روزنامہ ''جھوک''، ملتان، ۱۲۸ کتوبر، ۲۰۰۷ء۔
133- احمد بخش مولوی، پارہ الم مترجم ملتانی، لاہور، گلزار محمدی، ۱۸۹۰ء، ص ۹۔
134- عبدالتواب ملتانی، الم، ملتان، عبدالواسع تاجران کتب، ۱۹۴۰ء، ص ۲۳۔
135- حفیظ الرحمٰن حفیظ مولانا، قرآن مجید مترجم بزبان ریاستی، بہاولپور، ۱۳۷۶ھ، ص ۹۴۷۔
136- عبدالقادر سعیدی مفتی، المرجان، قلمی مخطوطہ، ص ۷۔
137- نور احمد سیال مولانا، تفرید القرآن، بہاولپور، انجمن حفظ القرآن، ۱۹۷۶ء، ص ۹۔
138- عبدالحق مہر ڈاکٹر، قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۸۴ء، ص ۸۷۶۔
139- خان محمد لسکانی، قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال، اسلام آباد/سرے انگلینڈ، اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز، ۱۹۹۱ء، ۷۳۳۔
140- محمد رمضان طالبؔ، قرآن پاک دیں آخری ڈاہ سورتیں دا ترجمہ تے تشریح، ڈیرہ غازی خاں، فرید سرائیکی سنگت، ۱۴۰۹ھ، ص ۴۳۔

141۔ محمد اعظم سعیدی علامہ، فرید التفاسیر، کراچی، سرائیکی ادبی سنگت، ۱۹۸۸ء، ص ۱۸۔
142۔ صدیق شاکر ڈاکٹر، تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر، ملتان، سرائیکی سدھ سراں، ۲۰۰۵ء، ص ۲۷۔
143۔ صابر ملتانی مولانا، پارہ اول مترجم بامحاورہ بزبان ملتانی، لاہور، گیلانی پریس، ۱۹۲۵ء، ص ۳۰، ۳۱۔
144۔ ایضاً
145۔ عبدالحق مہر ڈاکٹر، قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۸۴ء، ص ۱۰۔
146۔ خان محمد لسکانی، قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال، اسلام آباد/سرے انگلینڈ، اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز، ۱۹۹۱ء، ۹۔
147۔ دلشاد کلانچوی، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف، ملتان، ابن کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۱۰۔
148۔ غلام محمد چاچڑانی مولانا، تفسیر اتالیقی، قلمی مخطوطہ، ۱۹۹۰ء، ص ۹۱۔
149۔ صدیق شاکر ڈاکٹر، تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر، ملتان، سرائیکی سدھ سراں، ۲۰۰۵ء، ص ۱۰۴۔
150۔ عبدالحق مہر ڈاکٹر، قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۸۴ء، ص ۱۔
151۔ عبدالتواب ملتانی، الم، ملتان، عبدالواسع تاجران کتب، ۱۹۴۰ء، ص ۵۔
152۔ حفیظ الرحمٰن حفیظ مولانا، قرآن مجید مترجم بزبان ریاستی، بہاولپور، دیباچہ، ۱۳۷۶ھ، ص ۵۔
153۔ نظام الدین نظامی مولانا، ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی، قلمی نسخہ، ۱۹۸۷ء، ص ۲۸۔
154۔ عبدالقادر سعیدی مفتی، المرجان، قلمی مخطوطہ، ص ۵۔
155۔ عبدالتواب ملتانی، الم، ملتان، عبدالواسع تاجران کتب، ۱۹۴۰ء، ص ۱۱۔
156۔ حفیظ الرحمٰن حفیظ مولانا، قرآن مجید مترجم بزبان ریاستی، بہاولپور، ۱۳۷۶ھ، ص ۱۱۔
157۔ نظام الدین نظامی مولانا، ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی، قلمی نسخہ، ۱۹۸۷ء، ص ۶۳۔
158۔ عبدالقادر سعیدی مفتی، المرجان، قلمی مخطوطہ، ص ۹۔
159۔ احمد بخش مولوی، پارہ الم مترجم ملتانی، لاہور، گلزار محمدی، ۱۸۹۰ء، ص ۲۔
160۔ ریاض شاہد، نور الایمان، قلمی نسخہ، ملکیہ مصنف، بہاولپور، ۲۰۰۸ء، ص ۱۔
161۔ احمد بخش مولوی، پارہ الم مترجم ملتانی، لاہور، گلزار محمدی، ۱۸۹۰ء، ص ۲۔
162۔ ریاض شاہد، نور الایمان، قلمی نسخہ، ملکیہ مصنف، بہاولپور، ۲۰۰۸ء، ص ۱۔
163۔ احمد بخش مولوی، پارہ الم مترجم ملتانی، لاہور، گلزار محمدی، ۱۸۹۰ء، ص ۱۱۔
164۔ ریاض شاہد، نور الایمان، قلمی نسخہ، ملکیہ مصنف، بہاولپور، ۲۰۰۸ء، ص ۱۔
165۔ نور احمد سیال مولانا، تلک الرسل، بہاولپور، سرائیکی ادبی مجلس، ۱۹۸۶ء، ص ۱۔
166۔ نور احمد سیال مولانا، تفرید القرآن، بہاولپور، انجمن حفظ قرآن، ۱۹۷۶ء، ص ۳۲۔
167۔ محمد اعظم سعیدی علامہ، فرید التفاسیر، کراچی، سرائیکی ادبی سنگت، ۱۹۸۸ء، ص ۱۴۔
168۔ ایضاً، ص ۳۱۔
169۔ غلام رضا بھٹی، روزنامہ ''جھوک''، ملتان، ۲۸ اکتوبر، ۲۰۰۷ء۔

170۔ محمد رمضان طالب، رحمت دعا، ڈیرہ غازی خان، فرید سرائیکی سنگت، ۲۰۰۶ء، ص ۹۔
171۔ عبدالوھاب عباسی، قرآن کریم مع ترجمہ منظوم سرائیکی، قلمی نسخہ ملکیہ مصنف، ص ا۔
172۔ غلام رضا بھنی، روزنامہ ''جھوک''، ملتان، ۲۸ اکتوبر، ۲۰۰۷ء۔
173۔ محمد رمضان طالب، رحمت دعا، ڈیرہ غازی خان، فرید سرائیکی سنگت، ۲۰۰۶ء، ص ۹۔
174۔ عبدالوحاب عباسی، قرآن کریم مع ترجمہ منظوم سرائیکی، قلمی نسخہ ملکیہ مصنف، ص ا۔
175۔ عبدالحق مہر ڈاکٹر، قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۸۴ء، ص ۸۷۶۔
176۔ نور احمد سیال مولانا، تفرید القرآن، بہاولپور، انجمن حفظ قرآن، ۱۹۷۶ء، ص ۱۸۔
177۔ خان محمد لسکانی، قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال، اسلام آباد/سرے انگلینڈ، اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز، ۱۹۹۱ء، ۹۳۰۔
178۔ احمد بخش مولوی، پارہ الم مترجم ملتانی، لاہور، گلزار محمدی، ۱۸۹۰ء، ص ۱۰۔
179۔ خان محمد لسکانی، قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال، اسلام آباد/سرے انگلینڈ، اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز، ۱۹۹۱ء، ۹۵۴۔
180۔ دلشاد کلانچوی، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف، ملتان، ابن کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۲۳۶۔
181۔ صدیق شاکر ڈاکٹر، تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر، ملتان، سرائیکی سدھ سراں، ۲۰۰۵ء، ص ۲۸۔
182۔ عبدالتواب ملتانی، عم یتساءلون، ملتان، عبدالواسع تاجران کتب، ۱۹۳۰ء، ص ۱۷۔
183۔ صابر ملتانی مولانا، پارہ اول مترجم با محاورہ بزبان ملتانی، لاہور، گیلانی پریس، ۱۹۲۵ء، ص ۲۵۔
184۔ محمد اعظم سعیدی علامہ، فرید التفاسیر، کراچی، سرائیکی ادبی سنگت، ۱۹۸۸ء، ص ۲۵۔
185۔ صدیق شاکر ڈاکٹر، تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر، ملتان، سرائیکی سدھ سراں، ۲۰۰۵ء، ص ۴۸۷۔
186۔ خان محمد لسکانی، قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال، اسلام آباد/سرے انگلینڈ، اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز، ۱۹۹۱ء، ۲۶۰۔
187۔ حفیظ الرحمن حفیظ مولانا، قرآن مجید مترجم بزبان ریاستی، بہاولپور، دیباچہ، ۱۳۷۶ھ، ص ۲۔
188۔ عبدالحق مہر ڈاکٹر، قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۸۴ء، ص ۶۵۱۔
189۔ غلام محمد چاچڑانی مولانا، تفسیر اتالیقی، قلمی مخطوطہ، ۱۹۹۰ء، ص ۸۷۔
190۔ خان محمد لسکانی، قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال، اسلام آباد/سرے انگلینڈ، اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز، ۱۹۹۱ء، ۵۰۵۔
191۔ دلشاد کلانچوی، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف، ملتان، ابن کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۶۹۷۔
192۔ محمد صدیق شاکر پروفیسر ڈاکٹر، تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر، ملتان، سرائیکی سدھ سراں، ۲۰۰۵ء، ص ۱۹۴۔
193۔ دلشاد کلانچوی، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف، ملتان، ابن کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۹۶۔
194۔ نور احمد سیال مولانا، تلک الرسل، بہاولپور، انجمن حفظ قرآن، ۱۹۷۶ء، ص ۱۰۔
195۔ عبدالحق مہر ڈاکٹر، قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۸۴ء، ص ۴۰۷۔
196۔ خان محمد لسکانی، قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال، اسلام آباد/سرے انگلینڈ، اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز، ۱۹۹۱ء، ۲۶۷۔
197۔ صابر ملتانی مولانا، پارہ اول مترجم با محاورہ بزبان ملتانی، لاہور، گیلانی پریس، ۱۹۲۵ء، ص ۲۱، ۲۳۔
198۔ محمد رمضان طالب، سیپارہ ۳۰ عم، ڈیرہ غازی خان، فرید سرائیکی سنگت، ۲۰۰۶ء، ص ۸۔

199۔ محمد صدیق شاکر پروفیسر ڈاکٹر،تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر، ملتان، سرائیکی سدھ سراں، ۲۰۰۵ء، ص ۵۱۸۔
200۔ غلام محمد چاچڑانی مولانا،تفسیر اتالیقی، قلمی مخطوطہ، ۱۹۹۰ء، ص ۸۷۔
201۔ دلشاد کلانچوی، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف، ملتان، ابن کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۶۹۳۔
202۔ عبدالوھاب عباسی،قرآن کریم مع ترجمہ منظوم سرائیکی، قلمی نسخہ ملکیہ مصنف، ص ا۔
203۔ محمد اعظم سعیدی علامہ،فرید التفاسیر، کراچی، سرائیکی ادبی سنگت، ۱۹۸۸ء، ص ۲۹۔
204۔ محمد صدیق شاکر پروفیسر ڈاکٹر،تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر، ملتان، سرائیکی سدھ سراں، ۲۰۰۵ء، ص ۳۱۶۔
205۔ حفیظ الرحمٰن حفیظ مولانا،قرآن مجید مترجم بزبان ریاستی، بہاولپور، ۱۳۷۶ھ، ص ۹۵۶۔
206۔ عبدالحق مہر ڈاکٹر،قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۸۴ء، ص ۹۱۶۔
207۔ صابر ملتانی مولانا، پارہ اول مترجم بامحاورہ بزبان ملتانی، لاہور، گیلانی پریس، ۱۹۲۵ء، ص ۷۱۔
208۔ خان محمد لسکانی،قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال، اسلام آباد/سرے انگلینڈ، اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز، ۱۹۹۱ء، ا۔
209۔ احمد بخش مولوی، پارہ الٓم مترجم ملتانی، لاہور، گلزار محمدی، ۱۸۹۰ء، ص ۲۵۔
210۔ دلشاد کلانچوی، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف، ملتان، ابن کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۲۹۱۔
211۔ محمد رمضان طالب،قرآن پاک دیں آخری ڈاہ سورتیں دا ترجمہ تے تشریح، ڈیرہ غازی خاں، فرید سرائیکی سنگت، ۲۰۰۶ء، ص ۱۳۔
212۔ محمد صدیق شاکر پروفیسر ڈاکٹر،تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر، ملتان، سرائیکی سدھ سراں، ۲۰۰۵ء، ص ۳۱۸۔
213۔ غلام محمد چاچڑانی مولانا،تفسیر اتالیقی، قلمی مخطوطہ، ۱۹۹۰ء، ص ۸۰۔
214۔ خان محمد لسکانی،قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال، اسلام آباد/سرے انگلینڈ، اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز، ۲۰۰۰ء، ۶۶۲۔
215۔ محمد صدیق شاکر پروفیسر ڈاکٹر،تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر، ملتان، سرائیکی سدھ سراں، ۲۰۰۵ء، ص ۶۰۔
216۔ دلشاد کلانچوی، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف، ملتان، ابن کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۶۱۳۔
217۔ حفیظ الرحمٰن حفیظ مولانا،قرآن مجید مترجم بزبان ریاستی، بہاولپور، دیباچہ، ۱۳۷۶ھ، ص ۲۔
218۔ ایضاً دیباچہ۔
219۔ عبدالحق مہر ڈاکٹر،قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۸۴ء، ص ۹۰۶۔
220۔ عبدالقادر سعیدی مفتی، المرجان، قلمی مخطوطہ، ص ۶۱۲۔
221۔ احمد بخش مولوی، پارہ الٓم مترجم ملتانی، لاہور، گلزار محمدی، ۱۸۹۰ء، ص ۱۱۔
222۔ عبدالوھاب عباسی،قرآن کریم مع ترجمہ منظوم سرائیکی، قلمی نسخہ ملکیہ مصنف، ص ا۔
223۔ خان محمد لسکانی،قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال، اسلام آباد/سرے انگلینڈ، اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز، ۱۹۹۱ء، ۵۰۱۔
224۔ عبدالقادر سعیدی مفتی، المرجان، قلمی مخطوطہ، ص ۶۱۶۔
225۔ نظام الدین نظامی مولانا، ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی، قلمی نسخہ، ۱۹۸۷ء، ص ۸۷۱۔
226۔ محمد اعظم سعیدی علامہ،فرید التفاسیر، کراچی، سرائیکی ادبی سنگت، ۱۹۸۸ء، ص ۲۳۔

227۔ عبدالحق مہر ڈاکٹر، قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۸۴ء، ص ا۔

228۔ عبدالتواب ملتانی، عم یتساءلون، ملتان، عبدالواسع تاجران کتب، ۱۹۴۰ء، ص ۲۔

229۔ عبدالحق مہر ڈاکٹر، قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۸۴ء، ص ۹۰۷۔

230۔ احمد بخش مولوی، پارہ الم مترجم ملتانی، لاہور، گلزار محمدی، ۱۸۹۰ء، ص ۷۔

231۔ عبدالتواب ملتانی، عم یتساءلون، ملتان، عبدالواسع تاجران کتب، ۱۹۴۰ء، ص ۳۶۔

232۔ عبدالقادر سعیدی مفتی، المرجان، قلمی نسخہ، ص ۶۱۷۔

233۔ عبدالقادر سعیدی مفتی، ملاقات، بھونگ صادق آباد، جون ۲۰۰۷ء۔

234۔ خان محمد لسکانی، قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال، اسلام آباد/سرے انگلینڈ، اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز، ۱۹۹۱ء، ۷۳۹۔

235۔ دلشاد کلانچوی، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف، ملتان، ابن کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۱۳۔

236۔ حفیظ الرحمٰن حفیظ مولانا، قرآن مجید مترجم بزبان ریاستی، بہاولپور، ۱۳۷۶ھ، ص ۹۴۷۔

237۔ محمد رمضان طالب، رحمت دعا، ڈیرہ غازی خان، فرید سرائیکی سنگت، ۲۰۰۸ء، ص ۹۔

238۔ عبدالقادر سعیدی مفتی، المرجان، قلمی نسخہ، ص ۵۸۹۔

239۔ ریاض شاہد ملک، نورالایمان، قلمی نسخہ، ۲۰۰۸ء۔

240۔ عبدالحق مہر ڈاکٹر، قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۸۴ء، ص ۴۹۹۔

241۔ خان محمد لسکانی، قرآن مجید سرائیکی ترجمے نال، اسلام آباد/سرے انگلینڈ، اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز، ۱۹۹۱ء، ۲۶۲۔

242۔ عبدالحق مہر ڈاکٹر، قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۸۴ء، ص ا۔

243۔ عبدالقادر سعیدی مفتی، المرجان، قلمی نسخہ، ص ۷۰۱۔

244۔ مختار شاہد عباسی، یارھاں سورتاں سرائیکی ترجمے نال، قلمی نسخہ، ص ۳۔

245۔ غلام محمد چاچڑانی مولانا، تفسیر اتالیقی، قلمی مخطوطہ، ۱۹۹۰ء۔

246۔ عبدالتواب ملتانی، عم یتساءلون، ملتان، عبدالواسع تاجران کتب، ۱۹۴۰ء، ص ۳۳۔

247۔ دلشاد کلانچوی، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف، ملتان، ابن کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۲۔

248۔ محمد رمضان طالب، رحمت دعا، ڈیرہ غازی خان، فرید سرائیکی سنگت، ۲۰۰۸ء، ص ۵۹۔

249۔ عبدالحق مہر ڈاکٹر، قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۸۴ء، ص ۹۲۱۔

250۔ احمد بخش مولوی، پارہ الم مترجم ملتانی، لاہور، گلزار محمدی، ۱۸۹۰ء، ص ۹۔

251۔ حفیظ الرحمٰن حفیظ مولانا، قرآن مجید مترجم بزبان ریاستی، بہاولپور، ۱۳۷۶ھ، ص ۸۴۹۔

252۔ محمد رمضان طالب، سیپارہ ۳۰ عم، ڈیرہ غازی خان، فرید سرائیکی سنگت، ۲۰۰۱ء، ص ۲۷۔

253۔ عبدالوھاب عباسی، قرآن کریم مع ترجمہ منظوم سرائیکی، قلمی نسخہ ملکیہ مصنف، ص ۵۳۔

254۔ عبدالقادر سعیدی مفتی، المرجان، قلمی نسخہ، ص ۵۸۸۔

255۔ خان محمد لسکانی، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف، ملتان، ابن کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ا۔

256۔ نظام الدین نظامی مولانا، ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی، قلمی نسخہ، ۱۹۸۷ء، ص ۳۱۔
257۔ خان محمد لسکانی، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف، ملتان، ابن کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۴۔
258۔ عبدالتواب ملتانی، الم، ملتان، عبدالواسع تاجران کتب، ۱۹۵۶ء، ص ۶۔
259۔ حفیظ الرحمٰن حفیظ مولانا، قرآن مجید مترجم بزبان ریاستی، بہاولپور، دیباچہ، ۱۳۷۶ھ، ص ۹۴۷۔
260۔ حفیظ الرحمٰن حفیظ مولانا، قرآن مجید مترجم بزبان ریاستی، بہاولپور، دیباچہ، ص د۔
261۔ محمد اعظم سعیدی علامہ، فرید التفاسیر، کراچی، سرائیکی ادبی سنگت، ۱۹۸۸ء، ص ۳۲۔
262۔ محمد صدیق شاکر پروفیسر ڈاکٹر، تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر، ملتان، سرائیکی سدھ سراں، ۲۰۰۵ء، ص ۷۸۔
263۔ خان محمد لسکانی، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف، ملتان، ابن کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۴۔
264۔ نظام الدین نظامی مولانا، ترجمہ سرائیکی تفسیر حسینی، قلمی نسخہ، ۱۹۸۷ء، ص ۳۷۔
265۔ غلام محمد چاچڑانی مولانا، تفسیر اتالیقی، قلمی مخطوطہ، ۱۹۹۰ء، ۸۶۔
266۔ عبدالحق مہر ڈاکٹر، قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۸۴ء، ص ۹۱۶۔
267۔ عبدالتواب ملتانی، عم یتساءلون، ملتان، عبدالواسع تاجران کتب، ۱۹۴۰ء، ص ۳۶۔
268۔ دلشاد کلانچوی، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف، ملتان، ابن کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۶۹۵۔۶۹۶۔
269۔ محمد اعظم سعیدی علامہ، فرید التفاسیر، کراچی، سرائیکی ادبی سنگت، ۱۹۸۸ء، ص ۲۲۔
270۔ صابر ملتانی مولانا، پارہ اول مترجم با محاورہ بزبان ملتانی، لاہور، گیلانی پریس، ۱۹۲۵ء، ص ۱۶۔
271۔ احمد بخش مولوی، پارہ الٓم مترجم ملتانی، لاہور، گلزار محمدی، ۱۸۹۰ء، ص ۷۔
272۔ حفیظ الرحمٰن حفیظ مولانا، قرآن مجید مترجم بزبان ریاستی، بہاولپور، ص ۹۔
273۔ عبدالتواب ملتانی، عم یتساءلون، ملتان، عبدالواسع تاجران کتب، ۱۹۴۰ء، ص ۳۱۔
274۔ عبدالقادر سعیدی مفتی، المرجان، قلمی نسخہ، ص ۶۱۶۔
275۔ خان محمد لسکانی، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف، ملتان، ابن کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۷۵۴۔
276۔ عبدالحق مہر ڈاکٹر، قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۸۴ء، ص ۹۱۴۔
277۔ خان محمد لسکانی، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف، ملتان، ابن کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۵۰۱۔
278۔ حفیظ الرحمٰن حفیظ مولانا، قرآن مجید مترجم بزبان ریاستی، بہاولپور، ص ۶۷۵۔
279۔ دلشاد کلانچوی، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف، ملتان، ابن کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۴۸۷۔۴۸۸۔
280۔ عبدالحق مہر ڈاکٹر، قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۸۴ء، ص ۶۱۸۔
281۔ محمد صدیق شاکر پروفیسر ڈاکٹر، تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر، ملتان، سرائیکی سدھ سراں، ۲۰۰۵ء، ص ۳۵
282۔ غلام محمد چاچڑانی مولانا، تفسیر اتالیقی، قلمی مخطوطہ، ۱۹۹۰ء، ص ۳۹۔
283۔ عبدالوھاب عباسی، قرآن کریم مع ترجمہ منظوم سرائیکی، قلمی نسخہ ملکیہ مصنف، ص ۱۔
284۔ غلام رضا بھٹی، روزنامہ ''جھوک''، ملتان، ۲۸ اکتوبر ۲۰۰۷ء۔

28۔ محمد رمضان طالبؔ، رحمت دعا، ڈیرہ غازی خان، فرید سرائیکی سنگت، ۲۰۰۶ء، ص ۹۔
28۔ عبدالوھاب عباسی، قرآن کریم مع ترجمہ منظوم سرائیکی، قلمی نسخہ ملکیہ مصنف، ص ا۔
28۔ غلام رضا بھٹی، روزنامہ ''جھوک''، ملتان، ۲۸ اکتوبر، ۲۰۰۷ء۔
28۔ محمد رمضان طالبؔ، رحمت دعا، ڈیرہ غازی خان، فرید سرائیکی سنگت، ۲۰۰۶ء، ص ۹۔
28۔ عبدالحق مہر ڈاکٹر، قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۸۴ء، ص ۹۱۳۔
29۔ عبدالتواب ملتانی، عم یتساءلون، ملتان، عبدالواسع تاجران کتب، ۱۹۴۰ء، ص ۳۲۔
29۔ خان محمد لسکانی، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف، ملتان، ابن کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۷۵۵۔
29۔ دلشاد کلانچوی، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف، ملتان، ابن کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۶۹۳۔
29۔ محمد صدیق شاکر پروفیسر ڈاکٹر، تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر، ملتان، سرائیکی سدھ سراں، ۲۰۰۵ء، ص ۶۴۔
29۔ حفیظ الرحمٰن حفیظ مولانا، قرآن مجید مترجم بزبان ریاستی، بہاولپور، ص ۴۔
29۔ محمد اعظم سعیدی علامہ، فرید التفاسیر، کراچی، سرائیکی ادبی سنگت، ۱۹۸۸ء، ص ۱۴۔
29۔ عبدالقادر سعیدی مفتی، المرجان، قلمی نسخہ، ص ۴۔
29۔ خان محمد لسکانی، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف، ملتان، ابن کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۴۔
29۔ عبدالقادر سعیدی مفتی، المرجان، قلمی نسخہ، ص ۵۔
29۔ محمد صدیق شاکر پروفیسر ڈاکٹر، تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر، ملتان، سرائیکی سدھ سراں، ۲۰۰۵ء، ص ۷۲۔
30۔ خان محمد لسکانی، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف، ملتان، ابن کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۴۔
30۔ صابرؔ ملتانی مولانا، پارہ اول مترجم با محاورہ بزبان ملتانی، لاہور، گیلانی پریس، ۱۹۲۵ء، ص ۲۳۔
30۔ دلشاد کلانچوی، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف، ملتان، ابن کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۸۔
20۔ محمد صدیق شاکر پروفیسر ڈاکٹر، تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر، ملتان، سرائیکی سدھ سراں، ۲۰۰۵ء، ص ۸۲۔
30۔ ریاض شاہد ملک، نور الایمان، قلمی نسخہ، ۲۰۰۸ء۔
30۔ دلشاد کلانچوی، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف، ملتان، ابن کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۲۷۔
30۔ نور احمد سیال مولانا، تفرید القرآن، بہاولپور، انجمن حفظ القرآن، ۱۹۷۵ء، ص ۳۔
30۔ عبدالتواب ملتانی، عم یتساءلون، ملتان، عبدالواسع تاجران کتب، ۱۹۴۰ء، ص ۴۔
30۔ ایضاً، ص ۴۔
30۔ حفیظ الرحمٰن حفیظ مولانا، قرآن مجید مترجم بزبان ریاستی، بہاولپور، ص ۹۳۳۔
31۔ غلام محمد چاچڑانی مولانا، تفسیر اتالیقی، قلمی مخطوطہ، ۱۹۹۰ء، ص ۷۸۲۔
31۔ احمد رضا خاں بریلوی امام، کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء، ص ۱۰۷۶۔
31۔ محمد رمضان طالبؔ، سیپارہ ۳۰ عم، ڈیرہ غازی خان، فرید سرائیکی سنگت، ۲۰۰۶ء، ص ۲۴۔
31۔ احمد بخش مولوی، پارہ الم مترجم ملتانی، لاہور، گلزار محمدی، ۱۸۹۰ء، ص ۲۔

314۔ محمد رمضان طالب، قرآن پاک دیں آخری ڈاہ سورتیں دا ترجمہ تے تشریح، ڈیرہ غازی خان، فرید سرائیکی سنگت، ۱۴۰۹ھ، ص ۵۔

315۔ خان محمد لسکانی، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف، ملتان، ابن کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۱۔

316۔ صابر ملتانی مولانا، پارہ اول مترجم با محاورہ بزبان ملتانی، لاہور، گیلانی پریس، ۱۹۲۵ء، ص ۷۷۔

317۔ محمد صدیق شاکر پروفیسر ڈاکٹر، تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر، ملتان، سرائیکی سدھ سراں، ۲۰۰۵ء، ص ۱۶۸۔

318۔ دلشاد کلانچوی، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف، ملتان، ابن کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۱۲۲۔

319۔ محمد صدیق شاکر پروفیسر ڈاکٹر، تیسیر القرآن المعروف سوکھی تفسیر، ملتان، سرائیکی سدھ سراں، ۲۰۰۵ء، ص ۵۱۸۔

320۔ خان محمد لسکانی، سوکھے سرائیکی ترجمے والا قرآن شریف، ملتان، ابن کلیم پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص ۵۱۸۔

321۔ احمد بخش مولوی، پارہ الم مترجم ملتانی، لاہور، گلزار محمدی، ۱۸۹۰ء، ص ۲۷۔

322۔ عبدالحق مہر ڈاکٹر، قرآن مجید ترجمہ بزبان سرائیکی، ملتان سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۸۴ء، ص ۲۳۔

323۔ حفیظ الرحمن حفیظ مولانا، قرآن مجید مترجم بزبان ریاستی، بہاولپور، ص ۲۹۔